فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ نہم (قال الملاء)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ

کہا اس جماعت نے جنہوں نے غرور کیا ان کی قوم میں سے البتہ نکالیں گے ہم تم کو اے شعیب

اس کی قوم کے متکبر سردار بولے اے شعیب قسم ہے کہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ والے مسلمانوں کو اپنی

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَ

اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ساتھ تمہارے بستی سے اپنی یا لوٹ آؤ تم دین میں ہمارے فرمایا اور

بستی سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں آ جاؤ کہا کیا اگرچہ ہم بے زار ہوں

لَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ

کیا ہم ہیں ناپسند کرنے والے بیشک گمراہ کیا ہم نے اللہ پر جھوٹ کو اگر لوٹ آئیں ہم دین میں تمہارے

ضرور ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے اگر تمہارے دین میں آجائیں بعد اس کے کہ اللہ نے

بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ

بعد اس کے کہ نجات دی ہم کو اللہ نے اس سے اور نہیں ہوتا ہے واسطے ہمارے یہ کہ لوٹیں ہم اس پر مگر یہ کہ

ہم کو اس سے بچایا ہے اور ہم مسلمانوں میں کسی کا کام نہیں کہ تمہارے دین میں آئے مگر یہ کہ اللہ

اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا

چاہے اللہ پالنے والا ہمارا گھیرے ہوئے ہے رب ہمارا ہر چیز کو علم سے اور اللہ پر بھروسہ کیا ہم نے

چاہے جو ہمارا رب ہے. ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا. اے رب ہمارے

وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ﴿۸۹﴾

اے رب ہمارے فیصلہ کر دے ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان اور تو بہتر ہے فیصلہ کرنے والوں سے

ہم میں اور ہماری قوم میں حق فیصلہ کر اور تیرا فیصلہ سب سے بہتر ہے۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت شعیب علیہ السلام کی اعلیٰ تعلیم وارشادات کا ذکر ہوا اب اس نالائق قوم کے الٹے جوابات کا ذکر ہے گویا موثر کا ذکر فرمانے کے بعد اثر نہ لینے والی قوم کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ذکر ہوا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو صبر کا حکم دیا **فاصبروا حتی یحکم اللہ**۔ اب ارشاد ہے کہ اس قوم نے اس پر عمل نہ کیا۔ ان حضرات پر ظلم کرنے کی ٹھانی گویا تلقین صبر کا ذکر پہلے ہوا تھا اور ظالموں کے ظلم کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے کافر قوم کو اللہ کی نعمتیں یاد کرنے کا حکم دیا۔ **واذکروا اذکنتم قلیلا** اب اس نالائق قوم کے الٹا اثر لینے کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے نعمتیں یاد دلانے والے کو ہی ڈرانا دھمکانا شروع کردیا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو گزشتہ ہلاک شدہ کفار کے واقعات یاد دلائے۔ اب ذکر ہے کہ انہوں نے بجائے عبرت پکڑنے کے خود اپنی ہلاکت کی طرف قدم بڑھایا کہ ان قوموں کی طرح اپنے نبی کی سرکشی کی۔

تفسیر: **قال الملا الذین استکبروا من قومہ**۔ یہ نیا جملہ ہے جس میں قوم شعیب کے سرداروں کا جواب نقل فرمایا گیا کہ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی حکیمانہ تعلیم کے جواب میں ایسا بے ہودہ کلام کیا۔ **ملا** کہتے ہیں جماعت کو جس سے مجلس بھر جاوے۔ خصوصاً سرداروں کی جماعت جس کی ہیبت سے نگاہیں بھر جائیں۔ **ملا** کے لفظی معنی ہیں بھرنا۔ اس کا مقابل ہے خلا۔ یعنی خالی۔ **الذین استکبروا**۔ **ملا** کا بیان ہے۔ **استکبروا** باب استفعال سے ہے۔ مبالغہ کے لئے ہے یا **تکلف** و بناوٹ کے لئے یعنی جنہوں نے اپنے کو بہت ہی بڑا سمجھا یا جو تھے تو چھوٹے مگر اپنے کو بڑا سمجھتے تھے۔ کفار کے مقابل اپنے کو بڑا سمجھنا عبادت ہے مسلمانوں کے مقابل اپنے کو بڑھانا حرام۔ نبی کے سامنے بڑائی کفر ہے۔ انہوں نے تیسرا تکبر کیا۔ **قومہ** یعنی قوم شعیب سے مراد ان کی نسبی قوم ہے اور وہ قوم مراد ہے جن کے آپ نبی تھے یعنی ایکہ والے۔ دینی قوم مراد نہیں۔ **قال** میں روئے سخن حضرت شعیب علیہ السلام سے ہے یعنی شعیب علیہ السلام کی کافر قوم کے شیخی خورے کافروں نے شعیب علیہ السلام سے کہا یہ شیخی خورے وہ تھے جو اللہ رسول پر ایمان لانے پر اپنی توہین سمجھتے تھے مگر پتھروں لکڑیوں کی پرستش پر فخر کرتے تھے۔ عقل کے اندھے تھے۔ **لنخرجنک یشعیب** اس کلام میں ان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی کئی طرح بے ادبی کی۔ (1) آپ کو صرف نام شریف سے پکارا بغیر کسی احترام کے بغیر تعظیم کے (2) ان سے کہا کہ ہم آپ کو اپنی بستی سے نکال دیں گے حالانکہ زمین اللہ رسول کی ہے (3) نکالنے کو آپ کی طرف نسبت کی کہ ہم اصل میں تو آپ کو نکالیں گے آپ کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں کو۔ **والذین امنوا معک**۔ یہ عبارت معطوف ہے کاف ضمیر پر جو **لنخرجنک** میں مفعول تھی یعنی آپ کو بھی نکالیں گے اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے انہیں بھی۔ خیال رہے کہ **معک** ظرف امنوا کا نہیں بلکہ نخرجن کا ظرف ہے کیونکہ مومن ایمان میں نبی کے ساتھ نہیں ہوتے بلکہ نبی کے بعد ہوتے ہیں۔ نبی مومن بالذات اور لوگ مومن بالغیر۔ نبی کا ایمان پہلے مومنین کا ایمان بعد میں (خازن۔ کبیر۔ روح المعانی وغیرہ) لہٰذا آیت پر کوئی اعتراض نہیں بالکل واضح ہے اور ہو سکتا ہے کہ ان کفار کا خیال یہ ہو کہ مومنین ایمان میں نبی کے ساتھ ہیں اگرچہ حقیقت میں نبی زمان و مکان و اولیت ایمان میں پہلے ہوتے ہیں۔ نبی کا ایمان عرشی ہوتا ہے مومنین کا ایمان فرشی۔ نبی کا ایمان ان کی پیدائش سے پہلے کا عالم

ارواح سے۔ ان کا ایمان ذاتی مومنوں کا ایمان عرضی یعنی نبی کے ذریعہ ہے۔ **من قریتنا** اس کا تعلق بھی **نخرجن** سے ہے۔ قریہ ۔ بمعنی بستی ہے خواہ شہر ہو یا گاؤں یہاں شہر مراد ہے یعنی ہم تم کو بھی نکالیں گے اور تمہارے ساتھ تمہارے مومنوں کو بھی تاکہ تم پر دوہری مصیبت پڑ جاوے۔ بے وطنی کی اور دوسروں کو سنبھالنے کی۔ خیال رہے کہ ان لوگوں نے آپ کو قتل کی دھمکی نہ دی کیونکہ دیس نکالے کی تکلیف قتل سے زیادہ ہے کہ قتل کی تکلیف آنی ہے مگر دیس نکالے کی تکلیف بلکہ تکالیف جاودانی خصوصاً" جب کہ ساتھ میں پوری جماعت ہو اسی لئے ہمارا اسلامی سن ہجرت سے شروع ہوتا ہے اکثر انبیاء کرام نے ہجرت کی **اولتعودن فی ملتنا**۔ اس عبارت میں **او** عاطفہ نہیں ہے بلکہ ۔ بمعنی **الاان** ہے یعنی مگر اس صورت میں نہ نکالیں گے کہ تم ہمارے دین میں آ جاؤ۔ خیال رہے کہ **لتعودن** بنا ہے **عود** سے۔ جس کے معنی یا تو رجوع ہے یعنی لوٹ آنا یا ۔ بمعنی صیرورۃ ہے۔ یعنی ہو جانا۔ پہلی صورت میں عام مومنین سے خطاب ہے حضرت شعیب علیہ السلام اس سے خارج ہیں کیونکہ آپ نے کبھی کفر نہ کیا تھا پھر کفر کی جانب لوٹ جانے کے کیا معنی اور دوسری صورت میں شعیب علیہ السلام بھی اس میں داخل ہیں یعنی اے مومنو! تم ہمارے دین میں پھر لوٹ آؤ جیسے تم پہلے کافر تھے اب بھی بن جاؤ یا اے شعیب اور مومنین! تم کافر ہو جاؤ ہم جیسے بن جاؤ۔ **عود** ۔ بمعنی ہو جانا بھی آتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

فان تکن الایام احسن مرۃ   الافقد عادت لھن ذنوب

یہاں عادت ۔ بمعنی صارت ہے۔ (کبیر) **قال اولو کنا کرھین**۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا جواب ہے جو آپ نے اپنی قوم کو دیا۔ اس میں الف تو سوال انکاری کا ہے اس کے بعد **لعودالی نکفر** پوشیدہ ہے اور **و** یا تو حالیہ ہے نکفر پوشیدہ کے ضمیر سے **حال** یا وصلیہ ہے اور یہ عبارت نکفر کا **ظرف** ہے کیونکہ واؤ وصلیہ **ان** یا **لو** کو بجائے شرطیہ کے وصلیہ کر دیتا ہے **کرھین** بنا ہے **کراھتہ** سے ۔ بمعنی ناپسندیدگی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا تھا **اولو جئتک بشئی** یعنی کیا ہم کفر کر سکتے ہیں یا تمہارے دین میں لوٹ سکتے ہیں **حالانکہ** ہم کو کفر سے دلی نفرت ہے یا جبکہ ہم اس سے متنفر ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے پہلے تو اپنی قوم کی اس دعوت **کفر** دینے پر **تعجب** کیا کہ شیطان تو ہم گروہ انبیاء کو کفر کی دعوت نہیں دیتا وہ ہم سے مایوس ہے مگر تم اس کی دعوت کی جرات کرتے ہو **پھر** اسکی وجہ بیان فرمائی کہ رب کی طرف سے ہم کو فطرۃ" دو نعمتیں دی گئی ہیں ایک اچھائیوں سے **الفت** دوسرے برائیوں سے **نفرت**۔ یہ تو میرا حال ہے' رہے میرے مومنین وہ میرے صحبت یافتہ ہیں انہیں الفت ایمان اور نفرت کفر نصیب ہو گئی **لہذا ان** کا کفر کرنا بھی مشکل ہے۔ خیال رہے کہ الفت کے لئے نفرت لازم ہے بلکہ اس کا تمہ ہے ہم کو جان سے **الفت** ہے تو سانپ سے **نفرت**۔ مال سے **الفت** ہے تو چور سے نفرت۔ یونہی اگر ایمان سے الفت ہے تو شیطان سے نفرت۔ اگر تقویٰ سے الفت ہے تو گناہوں سے نفرت۔ **کرھین** میں اسی جانب اشارہ ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ **ظرف** ہے **اتخرجوننا** پوشیدہ کا یعنی کیا تم ہم کو اس بستی سے نکالو گے حالانکہ ہم نکلنے سے کراہت کرتے ہیں بعض نے فرمایا کہ **اولو** ۔ بمعنی **کیف** ہے یعنی ہم کو کفر میں کیسے واپس کر سکتے ہو ہم تو اس واپسی کو ناپسند کرتے ہیں مگر پہلی توجیہہ قوی ہے (معانی) اور وہ ہی آسان بھی ہے۔ **قدافترینا علی اللہ کذبا" ان عدنا فی ملتکم** اس عبارت میں پہلے مضمون کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے **افتریٰ** بنا ہے فری سے۔ جھوٹ کو دیدہ و دانستہ کسی طرف

نسبت کردینا افتراء کہلاتا ہے۔ کذب میں تنوین بڑائی اور عظمت کی ہے۔ جس کے معنی ہیں بڑا بھاری جھوٹ۔ جس کی بڑائی کسی کی عقل میں نہ آسکے یعنی اگر ہم لوگ تمہارا دین شرک و کفر اختیار کرلیں تو ہم پر ڈبل گناہ ہوگا ایک تو شرک و کفر کا دوسرے اللہ تعالٰی کی طرف بڑے جھوٹ کی نسبت کا ہم سے رب نے فرمایا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ دین اسلام برحق ہے اور پھر ہم کہیں کہ نعوذ باللہ رب دو ہیں کفر و شرک اچھا دین ہے ہم سے رب تعالٰی نے یہ ہی کہا ہے بولو یہ کتنا بڑا بہتان ہے اور وہ بھی کس پر خالق عالمین پر۔ معاذ اللہ۔ **بعد اذ نجنا اللہ منہا** یہ ظرف ہے **عدنا** فعل کا۔ **نجنا** بنا ہے نجات سے۔ معنی علیحدگی کو دوری اسی سے ہے مناجات وغیرہ۔ نجات کے دو معنی ہیں بچانا دور رکھنا اور پھنسے ہوئے کو نکالنا۔ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے **ونجینہ من الغم و کذلک ننجی المؤمنین** وہاں نجات دوسرے معنی میں ارشاد ہے۔ یعنی غم اور مصیبت میں پھنسے ہوئے کو نکال لینا اور نوح علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے **فانجینہ واھلہ الا امراتہ** وہاں نجات پہلے معنی میں ارشاد ہے کیونکہ نوح علیہ السلام اس عذاب میں پھنسے ہی نہیں بلکہ محفوظ رہے اگر یہ کلام مومنین کے متعلق ہے تو نجات کے معنی ہیں نکال لینا کہ پہلے وہ حضرات کفر میں پھنسے ہوئے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے ذریعہ اس سے نکلے اور مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ایمان میرے دیدار اللہ کی اطاعت کا مزہ چکھ لیں۔ جسے یہ مزہ مل جائےو، کفر کیسے کرے۔

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں کون نظروں میں جچے دیکھ کے تلوا تیرا

جس پر نبی کی نگاہ کرم ہو جاوے وہ انشاء اللہ پھسل نہیں سکتا اور اگر اس میں حضرت شعیب علیہ السلام مراد ہیں تو نجات پہلے معنی میں ہے کیونکہ وہ نبی ہیں اور نبی کبھی گناہ نہیں کرتے چہ جائیکہ کفر و شرک کریں یعنی ہم کو اللہ نے پہلے ہی سے کفر وغیرہ سے بچائے رکھا کہ نہ وہ گناہ تک جائیں نہ گناہ ان تک آئے۔ اگر ان کے پاس گناہ آئیگا تو نیکی بن کر گانے بجانے کی مجلس میں جانا گناہ کے پاس جانا ہے۔ دور سے گانے کی آواز سے مزہ لینا گناہ کا اس کے پاس آنا مگر اس کی آواز سے نفرت کرنا نیکی ہے۔ یہ ہے گناہ کا نیکی بن جانا۔ خیال رہے کہ ایمان کے بعد کفر کرنا ارتداد ہے اور ارتداد اصلی کفر سے بدتر ہے اس لئے **افترینا** اور **عدنا** ارشاد ہوا **ومایکون لنا ان نعود فیہا** اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے یعنی اختیار اور خوشی سے کفر کی طرف لوٹنے کی نفی۔ یہ فرمان **اولو کنا کرھین** کے مقابل ہے۔ یہاں بھی اگر مومنین کے متعلق یہ فرمان ہے تو یکون کے بعد لائقا اور مناسبا پوشیدہ ہے اور اگر حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق ہے تو ممکن پوشیدہ ہے چونکہ **عود** میں دخول کے معنی کا لحاظ ہے اس لئے اس کے بعد **الی** نہ آیا بلکہ **فی** آیا یعنی ہم مومنین کے لئے کسی طرح کسی حال کسی وقت میں یہ مناسب و لائق نہیں کہ بعد اسلام کفر کی طرف لوٹ جائیں یا ہم گروہ انبیاء کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ ہم کافر ہو جاویں۔ ہمارے لئے ایمان ایسا لازم ہے جیسے سورج کے لئے روشنی یا آگ کے لئے گرمی چونکہ اس فرمان عالی میں اپنی معصومیت اپنے صحابہ کی محفوظیت کا ذکر ہوا شاید کوئی خیال کرتا کہ آپ اپنی بڑائی بیان کر رہے ہیں لہذا فورا فرمایا۔ **الا ان یشاء اللہ ربنا** اس فرمان کا مقصود ہے اپنے معاملہ کو رب تعالٰی کے سپرد کردینا اگر پہلے والا کلام مومنین کے متعلق تھا تب تو مطلب واضح ہے کہ ہم مومنین کسی طرح بھی ایمان سے نہ پھریں گے مگر اس صورت میں پھر سکتے ہیں کہ رب تعالٰی کا ہمارے متعلق ارادہ ہی یہ ہو کہ مومنین مرتد ہو جاویں تب تو مرتد ہو سکتے ہیں۔ تم کتنا ہی زور لگالو ہم مومنین انشاء اللہ مرتد نہ ہوں گے اور اگر اس کا تعلق حضرت شعیب علیہ

السلام سے ہو تو مطلب یہ ہے کہ ہم گروہ انبیاء کا ارتداد تو ناممکن ہے مگر ہم یہ بات اپنے بھروسہ پر نہیں کہتے رب تعالیٰ کے بھروسہ پر کہتے ہیں کہ اگر وہ ہی ہم کو مرتد کرنا چاہے تو ہم مرتد ہو سکتے ہیں مگر وہ تو چاہے گا نہیں لہذا ہم مرتد بھی نہیں ہو سکتے۔ یعنی اس میں ناممکن کو ناممکن پر معلق فرمایا ہے۔ جیسے **ان کان للرحمن ولد فانا اول العبدین**۔ یہ بات بہت خیال رہے کہ رب کو یہ پسند ہے کہ بندہ ہر وقت اپنے رب کا ذکر کرتا رہے کوئی بات اپنے اعتماد پر نہ کرے اس فرمان عالی میں اسی کی تعلیم ہے۔ **وسع ربنا کل شیء علما** ان جیسی آیات کی نحوی ترکیب بارہا بیان ہو چکی ہے کہ اصل عبارت یوں تھی **وسع علم ربنا کل شیء** علم کو وسع کے فاعل کی ضمیر بنا دیا گیا جیسے **واشتعل الراس شیبا**۔ معنی یہ ہیں کہ اللہ کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے کوئی چیز اس کے علم کے گھیرے سے باہر نہیں۔ یہاں شیء ، معنی معلوم ہے اس میں ممکنات واجبات اور ناممکنات سب ہی داخل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے اور ہمیشہ سے جانتا ہے اور ہمیشہ تک جانے۔ اس کا علم اجمالی فعل قدیم ہے۔ علم تفصیلی جسے علم ظہور کہتے ہیں وہ حادث۔ یعنی جو اللہ کے علم میں کافر ہے وہ کافر ہو گا اگرچہ کچھ روز کے لئے مسلمان ہو جاوے اور جو اس کے علم میں مومن ہے وہ مومن مرے گا اگرچہ زندگی میں کچھ روز کے لئے کافر ہو جاوے (از خازن) **علی اللہ توکلنا** حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ فرمان قوم کی اس دھمکی کے جواب میں ہے کہ ہم تم کو اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ ہم تمہاری دھمکیوں سے ڈرنے والے نہیں کیونکہ ہمارا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہے **علی اللہ** کو مقدم فرمایا **توکلنا** پر جس سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی ہم نے اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کیا ہے۔ توکل کے معنی اس کے اقسام میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ نبی کا توکل خاص الخاص ہوتا ہے۔ **ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق** یہ دعا حضرت شعیب علیہ السلام نے بہت عرصہ کے بعد مانگی جبکہ آپ اپنی کافر قوم کے ایمان سے مایوس ہو گئے چونکہ دعا میں اللہ تعالیٰ کو پکارنا چاہئے اور اسے **ربنا** کے نام سے پکارنا چاہئے خصوصاً" دعا کے موقعہ پر اس لئے آپ نے بھی **ربنا** عرض کیا **افتح** بنا ہے **فتح** سے ۔ معنی کھولنا۔ اصطلاح میں کھلے فیصلے کو فتح کہتے ہیں کہ اس سے حق و باطل الگ ہو کر کھل جاتے' واضح ہو جاتے ہیں۔ فیصلہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ قولی اور عملی۔ صرف زبان سے سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا کہہ دینا قولی فیصلہ ہے مگر سچے کو انعام دے دینا۔ جھوٹے کو سزا دے دینا عملی فیصلہ ہے۔ وہ ہی یہاں مراد ہے کیونکہ قولی فیصلہ تو بذریعہ شعیب علیہ السلام رب تعالیٰ پہلے ہی دے چکا تھا کہ اس نے فرمایا تھا کہ مومن حق پر ہیں کافر باطل پر۔ آپ اپنی قوم مومنین کی نجات اور کفار کی ہلاکت کی دعا فرما رہے ہیں جس سے حق اور باطل آنکھوں سے دیکھ لیا جاوے۔ **بیننا** میں نا سے مراد آپ خود اور آپ کی قوم مومنین ہے اور **قومنا** میں قوم سے مراد ہے آپ کی کافر قوم۔ قوم کے معانی اور اس کی قسمیں نسبی قوم' دینی قوم' ملکی قوم' ہم پیشہ قوم' ہم خیال قوم سب کچھ پہلے بیان ہو چکا ہے حق سے اللہ تعالیٰ کا عدل و انصاف مراد ہے۔ یعنی اے ہم کو پالنے والے اب تو ہم ان سے تنگ آ چکا ہوں تو ہمارے اور کفار کے درمیان عدل و انصاف والا فیصلہ ہی فرما دے کہ کفار کو ہلاک کر دے مومنوں کو نجات دے دے **و انت خیر الفاتحین** دعا کے آداب سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد پر ختم کی جاوے اور حمد بھی ایسی ہو جو اپنے مدعا کے مطابق ہو۔ عمان والے حاکم و قاضی کو فاتح بھی کہتے ہیں' فتاح بھی' چونکہ قاضی مشکلات کا قفل گویا کھولتا ہے اس لئے اسے فاتح یا فتاح کہا جاتا ہے۔ یعنی دنیا میں تیرے کرم سے۔ بہت سے قاضی ہیں اور فیصلہ کن ہیں مگر تیرا فیصلہ بہت ہی صحیح اور قوی ہے۔ جس کی

اپیل نہیں جس کے غلط ہونے کا احتمال نہیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور مخلوق کے فیصلوں میں اور بہت طرح فرق ہے۔ لہٰذا اسے خیر الفاتحین فرمانا بالکل درست ہے۔ رب کا فیصلہ اٹل ہے۔

خلاصہ تفسیر۔ جب حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے مذکورہ بالا حکیمانہ کلام فرمایا تو ان کی قوم کے وہ سردار بولے، جو اپنے کو بہت ہی بڑا سمجھتے تھے کہ شعیب! ہم تم کو اور تم پر ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے تمہارے ساتھ ہی نکال دیں گے اب تمہارے یہاں رہنے کی ایک ہی صورت ہے کہ تم ہمارے دین میں آجاؤ یا تمہارے مومن لوگ ہمارے دین میں لوٹ آویں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہم تمہارے دین میں آسکتے ہیں حالانکہ ہمارے دل تم سے اور تمہارے دین سے دلی نفرت کرتے ہیں اگر ہم تمہارے دین میں آجاویں تو ہم اللہ پر بڑے جھوٹ باندھنے والے ہو جائیں گے جب اللہ نے ہم کو اس دین سے بچالیا پھر ہم اسی دین میں پھنس جاویں۔ اس میں رب تعالیٰ پر صریح بہتان باندھنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا علم ہر ممکن واجب وغیرہ چیز کو گھیرے ہوئے ہے کوئی چیز اس کے علم سے خارج نہیں یعنی ہم نے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے تمہارے ڈرانے دھمکانے سے مرعوب نہیں ہو سکتے۔ کوئی ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا جب آپ اپنی کافر قوم کے ایمان سے مایوس ہوئے تو اس قوم کو سنا کر دعا کی کہ اے ہمارے رب اس قوم ایمان لانے کی نہیں اب میں ان سے الگ ہو تا ہوں اب تو جان اور یہ جانیں اور ظاہر ہے کہ نبی کا وسیلہ درمیان سے ہٹ جانا رب تعالیٰ کے عذاب کا ذریعہ ہے اے مولیٰ اب تو ہی ہمارے اور ان کے درمیان عملی حق فیصلہ کر دے کہ کفار کو ہلاک کر دے اور مومنوں کو نجات دے۔ دنیا میں فیصلے کرنے والے بہت ہیں مگر تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے تیرا فیصلہ سچا ہے۔

فائدے۔ ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: عموماً قوموں کے سردار قوموں کی ہلاکت کا سبب بنتے ہیں اگر یہ درست ہو جاویں تو قوم درست ہو جاوے۔ یہ فائدہ **الذین استکبروا** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: غرور و تکبر بڑا برا عیب ہے اور جب کہ یہ نبی کے مقابلہ میں ہو تو بدترین کفر ہے بارگاہ نبی جھکنے کی جگہ ہے اکڑنے کی جگہ نہیں۔ یہ فائدہ بھی **الذین استکبروا** سے حاصل ہوا اس قسم کے تکبر اور غرور نے شیطان کو ہلاک کیا۔ **تیسرا فائدہ**: کسی جگہ مومنین اور نبی کا تشریف فرما ہونا اللہ کی رحمت کا باعث ہے ان کا وہاں سے نکل جانا اللہ کے عذاب آنے کا ذریعہ ہے جب انسان کے برے دن آتے ہیں تو وہ اللہ والوں سے دور ہونے لگتا ہے یا اس طرح کہ وہ ان کے پاس سے بھاگ جاتا ہے یا اس طرح کہ انہیں اپنے پاس سے ہٹا دیتا ہے یہ فائدہ **لنخرجنک** سے حاصل ہوا وہ لوگ اپنی قبریں خود کھود رہے تھے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا**۔ اگر مکہ معظمہ سے مسلمان نکل جاتے تو ہم کفار کو عذاب دے دیتے۔ **چوتھا فائدہ**: عام مومنوں کو نبی کے برابر ماننا ایمان میں ان کے ساتھ ماننا طریقہ کفار ہے یہ فائدہ **الذین امنوا معک** سے حاصل ہوا کہ انہوں نے بک نہ کہا معک کہا۔ وہ کہتے کہ آپ پر ایمان لائے۔ خیال رہے کہ نبی کے ایمان اور مومنوں کے ایمان میں چند طرح فرق ہے۔ (۱) نبی دنیا میں ایمان عرفان نبوت کمالات لے کر آتے ہیں عام مومنین یہاں آکر ایمان وغیرہ لیتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے میثاق کے دن انہیں نبوت کتاب وغیرہ کی خبر دے دی تھی **واذا اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب و حکمۃ** اس لئے وہ گندے ماحول میں آتے ہیں مگر خود پاک و ستھرے ہوتے ہیں دیکھو حضرت

ابراہیم موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کے بچپن کے کلام و کام (2) نبی کا ایمان عرشی ہوتا ہے مومن کا فرشی۔ اسی لئے ہمارے ایمان کو ہزاروں خطرات ہیں نفس' شیطان وغیرہ سے ان کے ایمان کو کوئی خطرہ نہیں عرشی چیز فرشی آفات سے محفوظ ہوتی ہے فرشی چراغ کو ہزار آفات، ہوا وغیرہ مگر سورج کے نور کو یہ کوئی آفت نہیں (3) نبی کا ایمان ذاتی مومنوں کا ایمان عرضی یعنی نبی سے ملا ہوا جیسے ہاتھ اور قلم کی حرکتیں یا انجن اور ریل کی رفتاریں۔ لہٰذا ان کا امنوا معک کہنا غلط ہے۔ **پانچواں فائدہ:** انسان اگر الٹا چلے تو ابلیس سے زیادہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ دیکھو شیطان حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ کو بہکانے سے مایوس ہے اس نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا **لاغوینھم اجمعین ۝ الا عبادک منھم المخلصین** مگر کافر انسان ان مقدس ہستیوں کو تبلیغ کفر سے نہیں شرماتا۔ یہ فائدہ **لتعودن فی ملتنا** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** تقیہ بڑا برا عیب ہے حضرات انبیاء' اولیاء' مومنین اس عیب سے دور ہیں۔ یہ فائدہ **اولو کنا کارھین** سے حاصل ہوا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے صاف فرما دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم دل سے تو کفر سے بیزار ہوں اور زبان سے اس کا اقرار کریں۔ ہمارے دل میں جو ہو گا وہی ہماری زبانوں پر ہو گا۔ **ساتواں فائدہ:** مرتد کا کفر اصلی کافر کے کفر سے بدتر ہے۔ یہ فائدہ **قد افترینا** سے ان **عدنا** تک کے فرمان سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کفر اور گناہ سے معصوم ہوئے ہیں وہ بھی ان کے قریب بھی نہیں جاتے۔ یہ فائدہ **بعد اذ نجنا اللہ** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ نجات کے معنی ہیں بچالینا اور **نجی** ہے ماضی مطلق۔ پتہ لگا کہ انہیں اللہ نے اول سے ہی ان سب عیوب سے بچالیا ہے۔ **نواں فائدہ:** کافر کا کفر اور مشرک کا شرک بھی اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہے یہ فائدہ **الا ان یشاء اللہ** سے حاصل ہوا۔ ارادہ' مشیت رضا اور امر ان میں فرق بارہا بار بیان ہو چکا ہے کافر کا کفر اللہ تعالیٰ کی رضا یا اس کے امر سے نہیں ہاں اس کے ارادہ اور مشیت سے ہے۔ **دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا بندے کی بڑی خوبی ہے اس پر توکل کرنے والا ہر شر سے محفوظ رہتا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ۔ یہ فائدہ **علی اللہ توکلنا** سے حاصل ہوا کہ علی اللہ کو مقدم فرمایا **توکلنا** پر۔ توکل کی بہت قسمیں ہیں جن کا ذکر بارہا ہو چکا ہے۔

پہلا اعتراض: قوم شعیب علیہ السلام نے آپ کو بستی سے نکال دینے کی دھمکی کیوں دی۔ انہیں نکالنے کا کیا حق تھا کیا وہ وہاں بادشاہ تھے۔ **جواب:** اس زمانہ میں طوائف الملوکی ہوتی تھی بادشاہ کوئی نہیں قوم خود مختار' کارپرداز ہوتی تھی' اس لئے قوم جسے چاہتی تھی دیس نکالا دے دیتی تھی اب بھی بعض گاؤں کے چودھری نمبردار جس شخص سے ناراض ہو جائیں اسے گاؤں میں رہنا مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے اسے وہاں سے نکلنا پڑتا ہے۔ یہ دھمکی اسی بنا پر تھی۔ **دوسرا اعتراض:** ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کے مومنین نے کفار کی بات بالکل نہ مانی تو کیا انہوں نے ان حضرات کو نکال دیا۔ **جواب:** نہیں وہ محض دھمکی دے کر رہ گئے وہ ایسے خائف ہوئے کہ اس حرکت کی ہمت نہ کر سکے جیسے فرعون موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دیتا تھا **ذرونی اقتل موسی ولیدع ربہ** مگر اس کی جرات نہ کرتا تھا یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی امن و حفاظت میں ہوتے ہیں۔ **لا تخف انک من الامنین** ہاں جب اس قوم کی ہلاکت کا وقت آیا تو آپ خود مع مومنین کے وہاں سے چلے گئے بعد ہلاکت ان کی لاشوں پر گزرے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** جب وہ کفار حضرت شعیب علیہ السلام کو دیس نکالا دینے پر قادر نہ ہوئے تو کفار مکہ حضور انور کو ہجرت کرانے پر قادر کیوں ہو گئے رب فرماتا ہے **اذ اخرجہ الذین**

کفروا ثانی اثنین جواب: کفار مکہ نے حضور انور کو مکہ معظمہ سے نکالنے کی نہ دھمکی دی تھی نہ وہ یہ چاہتے تھے وہ تو قتل کرنا چاہتے تھے جس میں وہ ناکام رہے۔ اللہ نے اپنے حبیب کو محفوظ رکھا۔ آیۃ کریمہ **اخرجه** میں اخراج کے معنی ہیں نکلنے کے اسباب جمع کئے کہ حضور کو تنگ کیا جس کی وجہ سے آپ نے ہجرت کی۔ **چوتھا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومنین ایمان میں نبی کے ساتھ ہوتے ہیں حالانکہ وہ نبی سے زمانہ ایمان اور درجہ ایمان میں بہت پیچھے ہوتے ہیں۔ نبی کا ایمان مومنین کے ایمان پر زمانہ اور ذات دونوں لحاظ سے مقدم ہوتا ہے پھر امنوا معک کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ معک کا تعلق امنوا سے نہیں بلکہ **لنخرجنک** سے ہے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ہم اپنی بستی سے آپ کو بھی نکال دیں گے اور آپ کے ساتھ مومنین کو بھی نکال دیں گے مگر چونکہ مومنین کا نکلنا حضرت شعیب علیہ السلام کی وجہ سے تھا اس لئے معک کہتے تھے یا وہ اپنے کفر کی وجہ سے اس میں فرق نہ کر سکے وہ سمجھے کہ نبی اور مومنین سب یکساں ہیں وہ تو اپنے کو بھی نبی کے برابر سمجھتے تھے۔ **پانچواں اعتراض**: حضرت شعیب علیہ السلام نے کبھی کفر نہ کیا تھا پھر کفار نے آپ کو کفر کی طرف لوٹ جانے کی دعوت کیوں دی کہ کہا **او لتعودن فی ملتنا**۔ **عود** کہتے ہیں پہلی حالت کی طرف لوٹنے کو نیز شعیب علیہ السلام نے اسے عود کیوں فرمایا کہ کہا **ان عدنا فی ملتکم**۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جوابات ابھی تفسیر میں دیئے گئے کہ اگر حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ فرمان اپنے مومنین کی جماعت کی طرف سے فرمایا ہے تب تو **عود** کے معنی لوٹنا ہیں کیونکہ وہ لوگ پہلے کافر تھے بعد میں مومن بنے تھے اب ان کا کفر کرنا کفر کی طرف لوٹنا ہوتا اور اگر اپنی طرف سے یہ جواب دیا ہے تو **عود** کے معنی لوٹنا نہیں بلکہ ہو جانا ہیں۔ **عاد بمعنی صار** بھی آتا ہے جیسا کہ ہم ابھی تفسیر میں شعراء عرب کے حوالے سے ثابت کر چکے ہیں ان کفار کا کہنا کہ ہمارے دین میں لوٹ آؤ اس کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہمارا کفر انہ دین ہی اصل دین ہے۔ جس پر انسان پیدا ہوتا ہے۔ جو مومن ہو گیا وہ اصلی دین سے پھر گیا اب جب وہ کفر کرے گا وہ اپنے اسی اصلی پیدائشی دین یعنی کفر کی طرف لوٹے گا نعوذ باللہ۔ اس لئے وہ اسے **عود** یعنی لوٹنا کہتے تھے۔ **لتعودن فی ملتنا** چھٹا **اعتراض**: حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا **بعد اذ نجنا اللہ** اللہ تعالیٰ نے ہم کو کفر سے نجات دی اور نجات کہتے ہیں کسی پھنسے ہوئے کو نکالنا جیسے حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں وہاں کی وحشت وغیرہ میں مبتلا تھے رب نے آپ کو نکالا تو فرمایا **و نجینہ من الغم** حالانکہ شعیب علیہ السلام نے کبھی کفر کیا ہی نہ تھا تو نجات کے معنی آپ کے لئے کیونکر درست ہوئے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب بھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ عربی میں نجات کے دو معنی ہیں آفت سے نکالنا اور آفت سے بچانا محفوظ رکھنا تمہاری پیش کردہ آیت میں نجات پہلے معنی میں ہے اور نوح علیہ السلام کے متعلق **فانجینہ و اهلہ** یہ نجات دوسرے معنی میں ہے یہاں اگر آپ کا یہ فرمان مومن قوم کی طرف سے ہے تو نجات پہلے معنی میں ہے یعنی پھنسے ہوئے کو نکالنا کیونکہ وہ لوگ پہلے کفر میں گرفتار تھے۔ اللہ نے انہیں حضرت شعیب علیہ السلام کے ذریعہ نکالا اور اگر یہ فرمان آپ کے اپنی طرف سے ہے تو نجات دوسرے معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام کو اول ہی سے کفر و گناہ سے محفوظ رکھتا ہے، بچاتا ہے۔ لہٰذا آیت بالکل واضح ہے۔ **ساتواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام بھی کفر و ارتداد کے خطرہ میں ہیں اگر رب چاہے تو وہ بھی کفر کریں فرمایا گیا **الا ان یشاء اللہ** حالانکہ تم انہیں کفر و

گناہ سے معصوم مانتے ہو کہ وہ حضرات یہ کر سکتے ہی نہیں۔ تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب**: اس کا جواب بھی ابھی تفسیر میں گزر چکا ہے اگر یہ کلام مومنین کے متعلق ہے تب تو بالکل ظاہر ہے کوئی اعتراض نہیں اور اگر حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق ہے تو اس کا مقصود ہے اپنا معاملہ رب کے سپرد کر دینا یعنی ہم خود بخود معصوم نہیں بلکہ محض فضل ربانی سے معصوم ہیں اور اس میں ایک ناممکن کو دوسرے ناممکن پر معلق کیا گیا ہے نہ تو یہ ممکن ہے کہ رب تعالیٰ نبی کا کفر چاہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ نبی کفر اختیار فرمادیں۔ **آٹھواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندہ کا توکل بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی چاہئے کہ ارشاد ہوا **علی اللہ توکلنا** یہ فرمان حصر کے لئے ہے تو پھر تم نبیوں ولیوں سے فریادیں کیوں کرتے ہو تمہارے یہ کام توکل علی اللہ کے خلاف ہیں۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ تم لوگ بھی آفات و بلیات میں حاکموں، حکیموں، وکیلوں بلکہ چندہ لینے کے لئے امیروں سے فریاد کرتے ہو یہ بھی اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ **جواب تحقیقی** تفصیل ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ ہو یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ اللہ کے بندوں کے آستانوں پر حاضری رب پر توکل کے خلاف نہیں۔ وہ حضرات اس رب کریم کی صفات بلکہ ذات کے مظہر ہیں۔ رب تعالیٰ ان کے ذریعہ ہم کو سب کچھ دیتا ہے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **من انصاری الی اللہ** حضرت ذوالقرنین نے فرمایا تھا۔ **اعینونی بقوۃ** رب نے ہم کو حکم دیا **تعاونوا علی البر والتقوی** اور فرمایا **ان تنصروا اللہ ینصرکم** وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ جیسے ہم لوگ مادی اسباب اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ایسے ہی روحانی اسباب اختیار کرنا بھی توکل کے خلاف نہیں بلکہ بعض اوقات بندہ مادی اسباب سے بے نیاز ہو جاتا ہے مگر روحانی اسباب سے کبھی بے نیاز نہیں ہوتا۔ بچہ ماں کے پیٹ میں، شہداء اولیاء قبروں میں زندہ ہیں طرح کھانا پانی ہوا سے بے نیاز ہیں مگر کسی حال میں حضور انور کی نبوت سے بے نیاز نہیں۔ اللہ کی ربوبیت حضور کی نبوت کی سب کو ہر جگہ ضرورت ہے بلکہ حضور کی نبوت اللہ کی ربوبیت کا مظہر ہے کہ اللہ کی قدرت اگر نبی کے ذریعہ ہم تک پہنچے تو رحمت ہے اس واسطہ کے بغیر عذاب۔ بجلی کا پاور ربڑ کے غلاف کے ذریعہ رحمت ہے بغیر غلاف جان لیوا۔ یہاں تو یہ بتایا گیا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے کفار سے قطعاً خوف نہیں کیا ان کے کہنے سے اللہ کے دین کی خدمت میں کوئی کمی نہیں کی۔ رب پر بھروسہ کیا۔ **نواں اعتراض**: تم نے تفسیر میں کہا کہ مومنوں کو نبی کے ساتھ ایمان میں ماننا غلط ہے طریقہ کفار ہے مگر قرآن مجید نے بہت جگہ مومنوں کو نبی کے ساتھ کہا ہے۔ فرماتا ہے **والذین معہ اشداء علی الکفار** اور فرماتا ہے **وامنوا معہ وعزروہ** پھر تمہارا قول کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: مومنوں کی نبی کے ساتھ ہمراہی ایسی ہے جیسے سلطان کی کوٹھی میں اس کے خدام کا ساتھ رہنا خدمت کے لئے یا جیسے ریل کے ڈبوں کا انجن کے ساتھ رہنا فیض لینے کے لئے۔ برابری والی ہمراہی ناممکن ہے یا جیسے جانوروں کا اپنے رکھوالے کے ساتھ رہنا حفو ظیت کے لئے۔

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو ۔۔۔ کہ رستہ میں ہیں جا بجا تھانے والے

تفسیر صوفیانہ۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے وہ اپنی پناہ کی طرف دوڑتا ہے اور امن و امان پاتا ہے مگر جس پر رب کا قہر ہوتا ہے وہ پناہ سے بھاگ کر یا پناہ کو مٹا کر بلیات و آفات کا شکار ہو جاتا ہے بکری کا اپنے مالک اور اس کے بتائے ہوئے پناہ گاہ سے بھاگنا اس کی علامت ہے کہ وہ بھیڑیئے یا شیر کا شکار ہونے والی ہے۔ حضرات انبیاء کرام عالم کے لئے پناہ ہیں۔ ان کا دین ان کی شریعت

دنیا کے لئے محفوظ قلعہ و پناہ گاہ ہے۔ قوم شعیب کا ان سے کہنا کہ ہم تم کو اپنی بستی سے نکال دیں گے اپنے کو تباہی کی طرف دھکیلنا ہے کبھی کفار کے منہ کی نکلی ہوئی بات برعکس ہو کر درست ہو جاتی ہے انہوں نے شعیب علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم آپ کو بستی سے نکال دیں گے۔ اللہ تعالٰی نے ان کی یہ بات ان کے متعلق درست کر دی کہ انہیں اپنی زمین سے نکال دیا انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ فرعونی جادوگروں نے کہا تھا کہ اگر ہم غالب آ گئے تو کیا کچھ ہم کو اجر ملے گا۔ فرعون نے کہا تھا کہ ہاں اور تم مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔ رب نے اسے اس طرح ظاہر کیا کہ انہوں نے موسی علیہ السلام کے مقابل ہار پائی وہی ہار ان کی جیت کا ذریعہ بنی اور انہیں رب نے اجر بھی دیا اور وہ مقربین میں سے ہوئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اپنی ہر چیز کو رب کے حوالہ کر دینا اپنے پر نہیں بلکہ اپنے رب پر بھروسہ کرنا سنت انبیاء ہے۔ **الا ان یشاء ربنا** میں اسی کا سبق دیا گیا ہے۔ یعنی ہم کو جو رب تعالٰی نے ایسی استقامت بخشی۔ یہ اسی کا فضل و کرم ہے۔ ہم اس کو اپنی بہادری تصور نہیں کرتے۔ کفار نے اپنے زور پر بھروسہ کیا وہ مارے گئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے رب کے کرم و مہربانی پر بھروسہ کیا کامیاب ہوئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مادیات میں معدہ کی خرابی تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ یوں ہی روحانیت میں دل کا غرور ساری نفسانی بیماریوں کا باعث ہے دیکھو آگ میں تکبر ہے خاک میں عجز تو باغ، کھیت، کعبہ، مدینہ، سب چیزیں خاک میں ہیں آگ میں نہیں اسی لئے یہاں **استکبروا** ارشاد ہوا۔ سرداری مال، عہدہ وغیرہ سے حاصل ہوتی ہے عارضی۔ اچانک فنا ہونے والی۔ دین کی سرداری جو ابد الاباد تک باقی ہے نبی کی غلامی سے ملتی ہے۔ حضور عزت کے مرکز ہیں جو ان کے قدم سے لگا وہی عزیز ہوا۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا

اور کہا اس جماعت نے جنہوں نے کفر کیا ان کی قوم میں سے البتہ اگر تم نے اتباع کی شعیب کی بیشک تم

اور اس کی قوم کے کافر سردار بولے کہ اگر تم شعیب کے تابع ہوئے تو ضرور تم نقصان

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۱﴾

تب تو البتہ ٹوٹے والے ہو۔ پس پکڑ لیا ان کو زلزلے نے پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں اوندھے

میں رہو گے۔ تو انہیں زلزلے نے آ لیا تو صبح اپنے گھروں میں اوندھے پڑے

الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚۛ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا

وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا نہ بسے تھے وہ ان میں وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا

رہ گئے شعیب کو جھٹلانے والے گویا ان گھروں میں کبھی رہے ہی نہ تھے شعیب کو

كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾

شعیب کو ہوئے وہ ہی ٹوٹے والے

جھٹلانے والے ہی تباہی میں پڑے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں سرداران کفر کی وہ گفتگو بیان ہوئی جو انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کی تھی اب انہیں سرداروں کی وہ گفتگو نقل فرمائی جارہی ہے جو انہوں نے اپنے ماتحت کافروں سے کی جن کے متعلق ایمان لانے کا انہیں اندیشہ تھا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں قوم شعیب کی گمراہی کا ذکر ہوا اب ان کے گمراہ گر ہونے کا تذکرہ ہے کہ وہ صرف خود ہی گمراہ نہ تھے بلکہ وہ دوسروں کو گمراہ کرتے بھی تھے ایسے گمراہ گروں کے ایمان کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں قوم شعیب علیہ السلام کے جرموں' بدکاریوں کا ذکر تھا اب ان جرموں کی سزا کا ذکر ہے۔ **فاخذتهم الرجفة** یعنی چونکہ وہ لوگ گمراہ بھی تھے اور گمراہ گر بھی۔ ان کے ایمان کا امکان ہی ختم ہو چکا تھا لہذا ہلاک کر دیئے گئے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے تنگ آکر رب تعالیٰ کا عملی فیصلہ مانگا کہ عرض کیا **ربنا افتح بيننا** اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ بدنصیب ایسے ڈھیٹ تھے کہ نبی کی بددعا سن کر بھی ان کے دل نہیں کانپے وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے آخر ان پر عذاب آگیا گویا پہلے پیغمبر کی بددعا کا ذکر تھا اب اس کی قبولیت اور فیصلے کے ظہور کا ذکر ہے۔

تفسیر: وقال الملا الذين كفروا من قومه ظاہر یہ ہے کہ یہاں بھی **ملا** سے مراد وہی سرداران کفر ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا جنہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے وہ گفتگو کی تھی جو ابھی ذکر ہوئی۔ چونکہ ان کا سرداران کفر ہونا ان کا بدترین عیب تھا اس لئے اس برائی کے اظہار کے لئے یہاں ضمیر ارشاد نہیں ہوئی بلکہ دوبارہ نام ہی لیا جیسا کہ علم بلاغت جاننے والوں پر مخفی نہیں کہ اظہار عظمت یا اظہار غضب یا اظہار کرم یا اظہار محبت کے لئے بار بار نام لیا جاتا ہے ضمیر نہیں لائی جاتی اور ہو سکتا ہے یہاں ملا سے مراد ان کے عام کفار ہوں جن میں سردار بھی داخل ہوں۔ یا نہ ہوں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ پہلے احتمال پر ہے ہمارا ترجمہ دوسرے احتمال پر۔ اس میں گفتگو ہے کہ یہ کلام انہوں نے کس سے کیا یا تو کفار سے ہی کیا تاکہ وہ ایمان قبول نہ کریں یا مومنین سے کیا تاکہ وہ ایمان چھوڑ دیں **لئن اتبعتم شعيبا** "اگر ان کا یہ کلام کفار سے تھا تو معنی یہ ہوں گے کہ اگر تم نے ایمان قبول کر لیا اور حضرت شعیب علیہ السلام کی اتباع کر لی۔ اور اگر مومنوں سے تھا تو معنی یہ ہیں کہ اگر تم مومن اور حضرت شعیب کے تبع رہے' ہمارے دین میں واپس نہ آئے۔ اتباع اور اطاعت و عبادت کا فرق بارہا عرض کیا گیا۔ **انکم اذا لخسرون** اس کلام میں خسارہ سے مراد یا تو اخروی نقصان و خسارہ ہے یا دنیاوی نقصان یا دونوں معنی اگر تم نے حضرت شعیب کی پیروی کی تو آخرت میں عذاب پاؤ گے کہ تم نے اپنے باپ دادؤں کا دین چھوڑ کر نیا دین قبول کر لیا اور دنیا میں بھی کہ تم کم تولنے کم ناپنے سے جو نفع کماتے تھے اس سے محروم ہو جاؤ گے کیونکہ وہ ان کاموں سے منع کرتے تھے تم لوگ تاجر دوکاندار ہو۔ ڈنڈی مارنا تمہارا آبائی پیشہ ہے جس سے ساری قوم بہت مالدار ہو گئی ہے ایسے نفع بخش کاروبار سے باز آجانا کھلا ہوا خسارہ ہے **فاخذتهم الرجفة** یہ ان کی سزا کا بیان ہے یہاں ف یا تو صرف بعدیت بیان کرنے کے لئے ہے اس کے معنی فوراً" نہیں کیونکہ ان لوگوں پر عذاب بہت عرصہ کے بعد آیا یا ان کے یہ جرم مسلسل جاری رہے حتی کہ ان پر عذاب آیا چونکہ یہ عذاب ان کے جرموں سے متصل تھا لہذا ف' معنی فوراً" ارشاد ہوئی۔ چونکہ زلزلہ ان پر اچانک آیا تھا یا عظیم الشان تھا اس لئے اخذت ارشاد ہوا **رجفة** سخت زلزلہ سخت حرکت کو کہا جاتا ہے زلزلہ مطلقاً" جنبش زمین کو کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں اور سورہ

عنکبوت میں تو ہے کہ وہ لوگ زلزلہ سے ہلاک ہو گئے مگر سورۂ **ھود** میں ہے **واخذت الذین ظلموا الصیحۃ** کہ ان ظالموں کو حضرت جبریل کی چیخ نے پکڑا۔ اس کی مطابقت کئی طرح ہو سکتی ہے۔ (1) اول ان پر چیخ آئی پھر اس چیخ سے زمین میں زلزلہ آیا۔ تب وہ ہلاک ہوئے۔ اب بھی دھماکے اور زوردار آواز سے زمین ہل جاتی ہے۔ (2) ان کے عاقل و بالغ سرکش لوگ تو چیخ سے ہلاک ہوئے۔ عورتیں بچے وغیرہ زلزلہ سے۔ اسی لئے وہاں **اخذت الذین ظلموا** ارشاد ہوا۔ (3) حضرت شعیب علیہ السلام کی یہ قوم مدین ' ایکہ وغیرہ میں آباد تھی۔ مدین والے چیخ سے ' ایکہ والے زلزلہ سے۔ اور باقی جگہ کے لوگ ظلہ یعنی بادل کے سایہ سے ہلاک ہوئے انہیں کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فاخذھم عذاب یوم الظلۃ**۔ (4) اولاً" ان کو سخت گرمی نے پکڑا پھر ایک بادل نمودار ہوا جس میں ٹھنڈی ہوا تھی یہ سب لوگ اس کے سایہ میں چلے گئے وہاں پہلے ان پر چیخ آئی پھر زلزلہ۔ حضرت عبداللہ ابن عباس کا یہ ہی قول ہے (روح البیان۔ معانی۔ خازن وغیرہ) **اصبحوا فی دارھم جثمین** یہ ان کے عذاب کے انجام کا بیان ہے **اصبحوا** ' بمعنی **صاروا** ہے یعنی وہ لوگ ہو گئے دار سے مراد ان کے سارے مکانات ہیں یا معنی بستی ہے یا ' بمعنی قریب دار ہے۔ **جثمین** بنا ہے **جثومۃ** سے ' بمعنی زمین پر لیٹ جانا اس پر اوندھے پڑ جانا اس طرح کہ پیٹ لگے ہوں رانیں سے ران پنڈلی سے اور پنڈلی زمین سے یعنی وہ لوگ اپنے گھروں میں یا اپنے شہر میں یا گھروں سے قریب میں زلزلہ کی وجہ سے زمین پر پڑ گئے اور اسی طرح ہلاک ہو گئے۔ ایک بھی باقی نہ بچا **الذین کذبوا شعیبا**" یہ نیا جملہ ہے جس میں ان کفار کے گزشتہ ہکو اس کی نحوست کا ذکر ہے۔ الذین سے مراد وہ ہی کفار ہیں ان کے بچے ان کے تابع ہیں۔ **کذبوا** کے معنی ہیں جھوٹا کہا یا جھوٹا جانا یا جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی یا ایک بار نہیں بار بار مرتے دم تک۔ **کذبوا شعیبا**" فرما کر یہ بتایا کہ قوم پر عذاب آنے کی وجہ حضرت شعیب علیہ السلام کا انکار ' انہیں جھٹلانا ہے۔ صرف رب تعالیٰ کے انکار بلکہ ساری ایمانیات کے انکار سے عذاب نہیں آتا۔ نبی کے انکار سے عذاب آتا ہے۔ **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا**"۔ **کان لم یغنوا فیھا** اس سے پہلے ایک چھوٹی سے عبارت پوشیدہ ہے **استاصلوا یا صاروا**۔ **لم یغنوا** بنا ہے غنیا سے ' بمعنی رہنا عیش کرنا **غنی** یا **غناء** سے مشتق نہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

غنیا زمانا" بالتصورک والغنی — فکلا سقاناہ بکاس الدھر
فمازادنا بغیا علی ذی قرابتہ — غنانا ولا ازری باحسابنا الغفر

ان شعروں میں غنا ' بمعنی رہنا ہے۔ دوسرا شاعر کہتا ہے۔

ولقد غنوا فیھا مابغم عیشتہ۔ — فی ظل ملک ثابت الاوتاد

یہاں بھی غنوا ' بمعنی رہنا ہے یعنی جن کفار نے حضرت شعیب کو جھوٹا جانا یا جھوٹا کہا وہ ایسے تباہ و برباد ہوئے گویا وہ لوگ کبھی یہاں رہے ہی نہ تھے۔ وہ بھی برباد ہوئے ' ان کے گھر بار بھی ختم ہوئے **الذین کذبوا شعیبا" کانوا ھم الخسرین** یہ بھی نیا جملہ ہے اس میں اس کافر قوم کے دوسری خرابی کا ذکر ہے۔ اس سزا کا ذکر ہے جو انہیں اس قول کی ملی جو وہ کہتے تھے کہ اے لوگو! اگر تم حضرت شعیب علیہ السلام کی اتباع کرو گے تو تم نقصان میں رہو گے۔ یعنی حضرت شعیب کی جنہوں نے اتباع کی تھی وہ تو نجات پا گئے اور جن لوگوں نے انہیں جھوٹا کہا تھا وہ ہی ہر طرح سے نقصان میں رہے۔ جو انہوں نے دوسروں کے لئے کہا وہ خود ان

پر پڑا۔ خسارہ کے معنی ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ خسارہ وہ نقصان ہے جس میں اپنی اصلی پونجی بھی جائے۔ چونکہ کافر اپنی زندگی ہی برباد کرتا ہے اس لئے وہ خسارہ میں ہے گنہگار مومن اگرچہ نقصان میں مگر بفضلہ تعالیٰ خسارہ میں نہیں۔

خلاصہ تفسیر: حضرت شعیب علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے فیصلہ آسمانی مانگا مگر ان کفار کی سرکشی کا یہ حال تھا کہ وہ اس کے باوجود اپنے ماتحت عام کفار سے یہ کہتے تھے۔ یا مومنین کو اس طرح ورغلاتے تھے کہ خیال رکھنا اگر تم نے شعیب علیہ السلام کا دین قبول کرلیا یا اگر تم ان کے دین میں رہے تو اخروی اور دنیاوی ہر طرح کے پورے نقصان و خسارہ میں رہو گے تم سے تمہارے باپ دادے ناراض ہو جائیں گے کہ تم نے ان کا موروثی دین چھوڑ کر ایک شخص کے کہنے سے نیا دین اختیار کرلیا اور آج تک تم تجارت میں کم تول کر کم ناپ کر خریداروں کو دھوکا دے کر جو دگنا چوگنا نفع کماتے ہو ان سے یک دم محروم ہو جاؤ گے۔ وہ اس حرکت پر قائم رہے تو انجام یہ ہوا کہ ان کو سخت زلزلے نے پکڑ لیا وہ اپنے بچاؤ کے لئے زمین پر اکڑوں ہو کر اوندھے پڑ گئے گویا زمین پکڑ گئے اور اسی طرح ہلاک ہو گئے۔ ان جھٹلانے والوں کو اس طرح تباہ کیا گیا کہ گویا وہ کبھی ان بستیوں میں رہے ہی نہ تھے۔ وہ تو مومنین کو خائب و خاسر کہتے تھے مگر پورے خسارہ میں وہ جھٹلانے والے خود ہی پڑ گئے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے ان پر دوزخ کا دروازہ کھول دیا اور کفار گرمی سے تڑپ گئے تہ خانوں میں ٹھنڈک لینے گھسے تو وہاں اور بھی زیادہ گرمی تھی۔ درختوں کے سائے پانی سے نہانا کچھ کام نہ آیا پانی بھی کھولتا ہوا پاتے تھے۔ بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ شہر سے باہر بادل کے ٹکڑے کا سایہ نظر پڑا جہاں ٹھنڈی ہوا تھی اس کے نیچے پناہ لینے کو جمع ہو گئے۔ عورتیں' مرد' بچے بوڑھے' جوان سب ہی وہاں پہنچ گئے کہ ان پر لولا" چیخ آئی پھر زلزلہ پھر وہ جگہ آگ سے بھڑک اٹھی وہ سب وہاں ہی ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ زلزلہ سے عمارات بھی تباہ ہو گئیں (روح البیان۔ خازن۔ کبیر وغیرہ) وہ لوگ اس گرمی میں ایسے بھن گئے جیسے آگ میں ٹڈی بھن جاتی ہے ابو عبد بجلی کہتے ہیں کہ ملاقہ مدین میں بہت سے بادشاہ یکے بعد دیگرے ہوئے۔ ابو جاد۔ ہوز۔ حطی۔ کلمن۔ سعفص۔ قرشت۔ جب قوم پر عذاب آیا تو اس وقت وہاں کلمن بادشاہ تھا وہ بھی ہلاک ہو گیا اس کی بیٹی جو مومنہ تھی اور عذاب سے محفوظ رہی تھی اس نے اپنے باپ کی ہلاکت اس طرح بیان کی۔

کلمن تدھد رکنی ھلکه وسط المحله
سید القوم اتاه اغنو نار نخنطله
جعلت نار علیھم دارھم کالمضمحله

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قوم شعیب پر یہ عذاب اس طرح آیا کہ صرف کفار ہلاک ہوئے۔ بعض مومنین جو وہاں ہی تھے نہ انہیں زلزلہ کا اثر ہوا نہ گرمی نے پکڑا۔ یہ فائدہ **فاخذتھم الرجفته** فرمانے سے حاصل ہوا کہ وہاں **ھم** کی ضمیر کفار کی طرف ہے جیسے مصر میں فرعونیوں پر خون' جوں وغیرہ کے عذاب آئے وہاں ہی بنی اسرائیل بھی تھے وہ ان سب سے محفوظ رہے (از تفسیر کبیر)۔ **دوسرا فائدہ:** جب کسی قوم پر عذاب آنے والا ہوتا ہے تو اس کے دلوں سے نبی کا خوف' ان کی ہیبت نکل جاتی ہے یہ بے خوفی بڑی کڑی مار کھانے کی علامت ہے۔ دیکھو حضرت شعیب علیہ السلام کی بد دعا قوم کفار نے سنی مگر ان کی سختی دل اور زیادہ ہو گئی کہ وہ کہنے لگے **لئن اتبعتم شعیبا**"۔ **تیسرا فائدہ:** حرام مدنی کو نفع

سمجھنا اور حلال روزی بلکہ صدقہ خیرات میں نقصان جاننا کفار کا طریقہ ہے یہ فائدہ **انکم اذا لخسرون** سے حاصل ہوا۔ خیال رکھو کہ سود لینے میں نقصان ہے زکوۃ دینے میں نفع ہی نفع ہے۔ اگر چہ بظاہر اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے۔ **چوتھا فائدہ** جو اپنے محسن و خیر خواہ کی بات نہیں مانتا تو پھر اسے زمانہ کی گردش منواتی ہے مگر وہ ماننا کام نہیں آتا۔ یہ فائدہ بھی **فاخذتهم** سے حاصل ہوا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

ہر آں طفل کو جور آموزگار نہ بیند جفا بیندار روزگار

قوم شعیب نے اپنے پیغمبر کی نہ مانی تو انہیں عذاب الٰہی نے ہر بات منوائی۔ اللہ تعالٰی اطاعت نبی کی توفیق دے۔ **پانچواں فائدہ**: جب فسق و فجور حد سے بڑھ جاتا ہے تو عذاب عام آتا ہے جو فاسقوں کافروں کے بچوں، جانوروں کو بھی ہلاک کر ڈالتا ہے۔ ان کی عمارتوں کو بھی تباہ کر دیتا ہے یہ فائدہ **کان لم یغنوا فیھا** سے حاصل ہوا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے **واتقوا فتنته لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصته**۔ **چھٹا فائدہ**: بد نصیب آدمی ہلاک ہونے تک تو بدکاریاں کئے جاتا ہے۔ رب تعالٰی کی کسی تنبیہ سے گناہ نہیں چھوڑتا۔ رب کی ڈھیل سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے حتی کہ ہلاک ہو جاتا ہے یہ فائدہ **فاخذتهم** کی ف سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔ **ساتواں فائدہ**: جن بستیوں پر عذاب آیا وہ ہمیشہ کے لئے ویران کر دی گئیں پھر کبھی آباد نہیں ہوئیں۔ یہ فائدہ **کان لم یغنوا فیھا** سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔ دیکھ لو قوم عاد، ثمود اور قوم لوط، قوم شعیب کی عذاب والی بستیاں آج تک اجڑی پڑی ہیں مگر فرعون پر عذاب مصر میں نہیں آیا۔ وہاں سے باہر نکال کر بحر قلزم میں ہلاک کیا گیا لہذا مصر اب تک آباد ہے۔ **آٹھواں فائدہ**: اللہ تعالٰی اپنے محبوبوں کے بدلے میں کفار کے بولے ہوئے الفاظ ان پر ارشاد فرماتا ہے دیکھو کفار نے دوسروں سے کہا تھا کہ اگر تم نے حضرت شعیب کی اتباع کی تو **انکم اذا لخسرون** رب تعالٰی نے ان کے جواب میں فرمایا **الذین کذبوا شعیبا کانوا ھم الخاسرون** دیکھو ابولہب نے حضور اقدس کی شان میں کہا تھا۔ **تبت یدک** آپ کا ہاتھ ٹوٹ جاوے تو رب نے جواب دیا **تبت یدا ابی لھب** یعنی ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جاویں۔ یہ ہی حال اس کے عکس کا ہے۔ حضور انور کی تعریفیں کئے جاؤ۔ مخلوق بلکہ خالق تمہاری تعریف فرماتا رہے گا بلکہ اپنی زندگی کے مختصر عرصہ میں حضور کے گیت گاؤ۔ مخلوق قیامت تک تمہارے گیت گائے گی دیکھ لو اولیاء اللہ کے آستانوں کی رونقیں۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: ابھی کچھ پہلے فرمایا گیا تھا کہ **قال الملا الذین استکبروا**۔ یعنی وہاں اس قوم کے تکبر کا ذکر ہوا یہاں ان کے کفر کا۔ اس فرق بیانی کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اگر یہاں کہنے والوں سے دوسرے کفار مراد ہیں پہلوں کے علاوہ تب تو وجہ فرق ظاہر ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام سے وہ گستاخانہ گفتگو سرداران کفر نے کی تھی اور عام لوگوں سے یہ گفتگو عام کافروں نے کی۔ اور اگر یہاں وہی پہلے والے کفار مراد ہوں تو یہ بتانا مقصود ہے کہ ان لوگوں میں دو عیب جمع تھے۔ تکبر و غرور اور کفر بلکہ ان کا کفر تکبر والا تھا۔ کفر کی بہت نوعیتیں ہوتی ہیں جن میں سے بدترین کفر وہ ہے جو نبی کے مقابل تکبر کی وجہ سے ہو۔ یہ کفر ابلیس والا ہے کہ اس نے اپنے کو حضرت آدم علیہ السلام سے بڑا جانا۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا ہے کہ قوم شعیب علیہ السلام زلزلہ سے ہلاک کی گئی مگر سورہ **ھود** میں فرمایا گیا کہ وہ قوم چیخ سے ہلاک کی گئی ان دونوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس کے چند جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ یا تو بعض کفار زلزلہ سے ہلاک ہوئے اور بعض چیخ سے یا اولاً چیخ

آئی۔اس چیخ سے زمین میں زلزلہ آیا اور وہ ہلاک ہو گئے۔ سبب قریب کا ذکر یہاں ہے سبب بعید کا ذکر وہاں۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **فاصبحوا فی دارھم جثمین**۔ مگر دوسری جگہ ارشاد ہے کہ وہ شہر سے باہر میدان میں ایک بادل کے سایہ میں ہلاک ہوئے۔ ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** یا تو **دار** سے مراد گھر نہیں بلکہ بستی مراد ہے اسی لئے وار واحد ارشاد ہوا **دیارھم** نہ فرمایا گیا یا بعض لوگ باہر نکل کر ہلاک ہوئے بعض اپنے گھروں میں اور **دار** اسم جنس ہے تھوڑے اور زیادہ سب پر بولا جاتا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **کان لم یغنوا فیھا** کیوں ارشاد ہوا۔ **اھلکوا** فرمادینا کافی تھا اتنی دراز عبارت میں کیا راز ہے۔ **جواب:** یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اس عذاب سے وہ صرف ہلاک نہ ہو گئے بلکہ ان کے گھر، محلے، بازار وغیرہ تمام چیزیں برباد کر دی گئیں غرضیکہ ان کی بستی کی ویرانی بتلانے کے لئے یہ ارشاد ہوا۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہے **کانوا ھم الخاسرین**۔ **ھم** نے حصر کا فائدہ دیا جس سے معلوم ہوا کہ خسارہ والے لوگ صرف جھٹلانے والے ہی تھے حالانکہ ان کے بچے جانور وغیرہ بھی ہلاک کئے گئے تھے۔ **جواب:** واقعی ہلاک تو یہ سب ہی ہوئے مگر پورا نقصان صرف جھٹلانے والوں کا ہوا کہ انہیں دنیا میں ہلاکت ملی۔ آخرت میں عذاب بھی ہوگا ان کے بچے وغیرہ اگرچہ دنیا میں ہلاک ہو گئے مگر ان پر آخرت میں عذاب نہیں ہو گا کہ آخرت کا عذاب صرف جھٹلانے والوں کے لئے ہے لہٰذا خسارہ یعنی پورا نقصان دنیا و آخرت کی تباہی صرف جھٹلانے والے کفار کو ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ: جس کے ظاہری حواس بگڑ جاویں تو وہ اچھی کو بری اور بری کو اچھی محسوس کرنے لگتا ہے کڑوی کو میٹھی اور میٹھی کو کڑوی کہتا ہے یوں ہی جس کے اندرونی حواس خراب ہو جاویں تو وہ روحانیت سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ شیطانیت سے محبت۔ روحانیت کو نقصان دہ جانتا ہے۔ شیطانیت کو فائدہ مند۔ یہ بیماری اکثر اللہ والوں کی عداوت سے پیدا ہوتی ہے۔ ظاہری بیماریوں کی انتہا موت ہے مگر ان باطنی بیماریوں کا نتیجہ دنیا و آخرت کی تباہی۔ قوم شعیب علیہ السلام اسی بیماری میں مبتلا تھی تو انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی اتباع کو نقصان جانا ان کی مخالفت کو مفید۔ اس بیماری کا انجام ان کی ہلاکت ہوا پھر جیسے ظاہری بیماری والوں کی صحبت مضر ہوتی ہے ایسے ہی باطنی بیماری والوں کی ہمراہی بھی برباد کر دیتی ہے ان کفار کے ساتھ بسنے والے جانور تک ہلاک کر دئے گئے جب چکی چلتی ہے تو وہ گندم کے ساتھ گھن وغیرہ کو بھی پیس کر رکھ دیتی ہے۔ اسی قسم کی آیات ہم لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مدین شہر میں کفار پر زلزلہ، چیخ، گرمی، سبھی عذاب آئے مگر اسی مدین میں مومنوں کو ان سب سے محفوظ رکھا گیا جگہ ایک تھی مگر احوال مختلف جیسے ایک پاور ہیٹر میں گرم اور فرج میں ٹھنڈا ہوتا ہے۔ ایک قبر میں اگر مومن و کافر دونوں دفن ہو جاویں تو وہی قبر مومن کے لئے باغ ہے اور کافر کے لئے دوزخ کی بھٹی۔ معراج کی رات حضرت ام ہانی کے لئے ایک ساعت گزری۔ حضور لاکھوں سال کا سفر کر آئے۔ ایک بستر پر دو آدمی سو رہے ہیں ایک اچھی خواب دیکھ رہا ہے مزے لے رہا ہے دوسرا بری خواب دیکھ رہا ہے تکلیف میں ہے۔

فَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ وَ قَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَ نَصَحۡتُ لَكُمۡ

پس منہ پھیرا آپ نے ان سے اور فرمایا اے میری قوم البتہ تحقیق پہنچائے میں نے تم کو پیغامات رب اپنے کے اور

تو شعیب نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم میں تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچا چکا اور تمہارے

فَكَیۡفَ اٰسٰی عَلٰی قَوۡمٍ كٰفِرِیۡنَ ﴿۹۳﴾ ع

خیر خواہی کی میں نے تمہاری پس کیسے رنج کروں میں اوپر قوم کافروں کے ⁂

بھلے کو نصیحت کی تو کیونکر غم کروں کافروں کا ⁂

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں قوم شعیب کی ہلاکت کا ذکر ہوا اب ہلاکت کے بعد کے کچھ حالات کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ قوم شعیب علیہ السلام اس طرح ہلاک ہوئی کہ اسے گور و کفن دینے والا بھی کوئی نہیں تھا مردار جانوروں کی طرح ان کی لاشیں پڑی رہیں۔ اب ارشاد ہے کہ ان کے ہلاک ہونے کے بعد ان پر چار آنسو بہانے والا ان پر غم کھانے والا بھی کوئی نہ تھا۔ گویا موت کے وقت کی بے کسی کے بعد مرنے کے بعد کی بے کسی کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ قوم شعیب کے کفار ہی خسارہ اور پورے نقصان میں رہے اب اس خسارہ کی کچھ تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی نبی کی دعاؤں سے محروم رہے۔ خوش نصیب ہے وہ جو نبی کی دعائیں زندگی میں اور مرنے کے بعد لے لے۔ بد نصیب ہے وہ جو اللہ کی اس نعمت سے محروم ہے۔

تفسیر: **فتولی عنهم** اس جملہ کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت شعیب علیہ السلام ان کفار پر عذاب آنے سے پہلے اپنی مومن جماعت کو لے کر ان بستیوں سے باہر چلے گئے تھے یہاں اس جانے کا ذکر ہے اور یہ فرمان عالی آپ نے اسی وقت فرمایا تھا۔ دوسرے یہ کہ عذاب آ چکنے، قوم کی ہلاکت کے بعد آپ اپنے محفوظ مقام سے یہاں آئے، ان کی لاشوں پر کھڑے ہوئے ان کے حالات پر غور فرمایا پھر وہاں سے منہ پھیر کر چلے کیونکہ اب آپ کو اور مومنین کو وہاں رہنا جائز نہ تھا چلتے وقت کا یہ واقعہ یہاں مذکور ہے اور آپ نے ان کی لاشوں سے خطاب فرماتے ہوئے وہ کہا جو آگے مذکور ہے۔ یہ دوسری تفسیر نہایت قوی ہے کیونکہ **فتولی** کی ف تعقیب کے لئے ہے اور یہ واقعہ ان کی ہلاکت کے بعد بیان ہو رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ فرمان ان کی ہلاکت کے بعد کا ہے۔ **تولی** بنا ہے **ولی** سے نہ کہ ولایت سے۔ اس کا مصدر تولی لام کے کسرے سے ہے۔ تولی کے لغوی معنی ہیں دور ہونا۔ استعمال میں بمعنی منہ پھیرنا آتا ہے۔ اس کا فاعل شعیب علیہ السلام ہیں۔ غالباً آپ نے مع تمام مومنین کے ان کفار کی لاشوں پر کچھ دیر کھڑے ہو کر منہ پھیرا تھا چونکہ آپ اصل ہیں تمام مومن آپ کے تابع اس لئے **تولی** واحد ارشاد ہوا۔ اور ہو سکتا ہے کہ صرف آپ ہی اکیلے ان کی لاشوں پر گئے ہوں پھر واپس ہوئے ہوں۔ **وقال یقوم لقد ابلغتکم رسلت ربی**۔ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے یہ خطاب ان ہلاک شدہ کفار کی لاشوں سے کیا جیسے ہمارے حضور ﷺ غزوہ بدر کے بعد ابو جہل وغیرہ کی لاشوں پر گزرے اور فرمایا اے ابو جہل وغیرہ بولو جو کچھ میں نے کہا تھا وہ حق ہے یا نہیں۔ حضرت عمر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ بے جان مردوں سے کلام فرماتے ہیں۔ فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سنتے یعنی وہ تم

سے زیادہ سنتے ہیں۔ اس فرمان شعیب علیہ السلام کا منشاء یہ ہے کہ میں نے تمہارے متعلق کوئی کوتاہی نہیں کی۔ تمہیں بہت سمجھایا بجھایا۔ رسالات جمع ہے رسالہ کی۔ بمعنی پیغام چونکہ نبی اپنی قوم کو بہت قسم کے پیغام پہنچاتے ہیں۔ عقائد کے اعمال کے، اصلاح نفس کے، نافرمانی پر عذاب آنے کے فرمانبرداری پر ثواب ملنے کے اس وجہ سے رسالات جمع ارشاد ہوا۔ یہاں ابلغت مبالغہ کے لئے ہے یعنی اے میری سرکش قوم میں نے تجھے اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات بہت اچھی طرح پہنچادیئے کہ ظہور نبوت سے پہلے اپنے عمل سے۔ ظہور نبوت کے بعد اپنے عمل اور قول دونوں سے تم کو تبلیغ کرتا رہا نیز خلوت و جلوت میں تمہیں بلاکر تمہارے گھروں دکانوں میلوں میں جاکر تبلیغ کرتا رہا۔ یہ ہے اچھی طرح پہنچانا۔ آج جو دن تم نے دیکھ لیا اس کی خبر میں نے تم کو پہلے دے دی تھی مگر تم نے میری ایک بات نہ مانی **و نصحت لکم** یہ فرمان معطوف ہے **ابلغتکم** پر۔ پہلے آپ کی زبانی تبلیغ کا ذکر ہے۔ اب آپ کی دلی خیر خواہی کا ذکر ہے نصحت بنا ہے نصح سے۔ بمعنی خالص بغیر ملاوٹ والی۔ اب محاورہ میں خالص خیر خواہی کو نصیحت کہتے ہیں۔ جس میں اپنی غرض شامل نہ ہو یعنی اے میری قوم میں نے فقط زبانی تبلیغ کرکے اپنا فرض ہی ادا نہیں کیا بلکہ دل سے چاہا کہ تم اللہ کے عذاب سے بچ جاؤ۔ تمہاری حالت پر میرا دل روتا تھا۔ میرے دل میں تمہارا بہت ہی درد تھا۔ **لکم** میں لام صلہ کا ہے یا نفع کا یعنی میری یہ خیر خواہی خالص تمہارے نفع کے لئے تھی۔ میری اپنی کوئی غرض اس میں شامل نہ تھی مگر تم نے میری قدر نہ جانی۔ جب زندگی بھر تمہارا میرا یہ حال رہا تو **فکیف اسی علی قوم کفرین** اس جملہ کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ فرمان عالی غم نہ کرنے کے لئے ہے اور **کیف** میں استفہام انکار کے لئے یعنی اب میں تم پر غم کیوں کروں۔ تم جیسے اسی سزا کے لائق تھے بلکہ مجھے تمہاری ہلاکت پر خوشی ہے کہ تمہارے ناپاک وجود سے اللہ کی زمین پاک ہوئی۔ ہمارے حضور نے ابو جہل کے قتل کی خبر سن کر سجدہ شکر ادا کیا۔ دوسری یہ کہ یہ فرمان اظہار غم کے لئے ہے یعنی اب میں کن الفاظ میں کس طرح تم پر غم کروں میرے پاس اس غم کے اظہار کے لئے الفاظ نہیں۔ تم لوگ تعداد میں بہت ہو اگر ایمان قبول کرلیتے تو دنیا کو کتنا فائدہ پہنچتا مگر پہلی تفسیر قوی ہے۔ کفار کی ہلاکت پر غم کرنا نبی کی شان سے بعید ہے۔ **اسی** بنا ہے **اسی** سے ۔ بمعنی سخت غم۔ سع " سخ سے ہے۔ **یاسی** علیکم نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی تاکہ غم نہ کرنے کی وجہ بھی معلوم ہو جائے کہ تم کافر مرے۔ کافر کی ہلاکت پر غم کیسا۔

خلاصہ تفسیر :پچھلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں۔ ہم ان میں سے ایک تفسیر جو قوی بھی ہے اور آسان بھی، وہ عرض کرتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام اس بستی پر عذاب آنے سے پہلے وہاں سے مع تمام مومنین کے محفوظ جگہ چلے گئے تھے جب عذاب آچکا۔ کفار ہلاک ہوچکے تو آپ وہاں سے مسلمانوں کو لے کر مکہ معظمہ چلے۔ راستہ میں ان کی لاشیں بکھری ہوئی دیکھیں ان پر کھڑے ہوئے ان کی حالت زار میں غور کیا پھر یہ کہتے ہوئے وہاں سے چل دیئے کہ اے میری نافرمان قوم! میں نے تجھ تک اپنے رب کے سارے پیغامات پہنچادیئے۔ یہ واقعات جو آج پیش آئے تم کو بتادیئے تھے اور صرف زبانی بتانے پر کفایت نہیں کی بلکہ ہمیشہ دل سے تمہاری خیر خواہی کرتا رہا مگر تم نے میری قدر نہ کی میری ایک نہ مانی تو اب میں تمہاری ہلاکت پر غم کیوں کروں۔ مجھے تو خوشی ہے کہ تمہارے ناپاک وجود سے اللہ کی زمین پاک ہوگئی۔

واقعہ :اس قوم کی ہلاکت کے بعد شعیب علیہ السلام مع مسلمانوں کے وہاں سے منتقل ہوکر مکہ معظمہ چلے گئے وہاں ہی رہے

وہاں ہی ان سب کی وفات ہوئی وہب ابن منبہ کہتے ہیں کہ کعبہ معظمہ میں صرف دو نبیوں کے مزارات ہیں۔ حطیم میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا اور مغربی جانب میں شعیب علیہ السلام کا۔ عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت شعیب کا مزار سنگ اسود کے مقابل ہے۔ واللہ علم (از روح المعانی) مگر شامی وغیرہ میں ہے کہ مطاف شریف میں ستر نبیوں کے مزارات ہیں۔ واللہ علم۔

فائدے: اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جہاں عذاب آنے والا ہوتا ہے وہاں سے نبی اور مومنین پہلے ہی نکال لئے جاتے ہیں۔ عموماً ان کی موجودگی میں عذاب نہیں آتا۔ یہ فائدہ **فتولی عنهم** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ مکہ کے متعلق فرماتا ہے **لوتزیلوا لعذبنا الذین کفروا**۔ اگر مکہ سے مومنین نکل جاتے تو ہم مکہ پر عذاب بھیجتے۔ اللہ والوں کے قدم ان کا وجود وہاں کے لئے تعویذ حفاظت ہوتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** جس بستی پر عذاب الٰہی آچکا ہو مومنوں کو وہاں رہنا جائز نہیں بلکہ وہ جگہ پھر آباد نہیں ہوتی۔ یہ فائدہ **فتولی عنهم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ حضور انور قوم ثمود کی بستی پر گزرے تو صحابہ کرام کو حکم دیا کہ یہاں سے جلد نکل جاؤ اور اس کنوئیں کا پانی استعمال نہ کرو۔ جن حضرات نے اس پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا وہ آٹا پھینکوا دیا۔ حجاج کو اب بھی حکم ہے کہ منیٰ جاتے ہوئے جب اصحاب فیل کی ہلاکت کی جگہ سے گزریں تو وہاں سے تیزی سے گزر جاویں کہ وہ جگہ عذاب کی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** مردے سنتے ہیں ان سے کلام کرنا جائز ہے بلکہ مومنوں کے قبرستان میں جاؤ تو انہیں سلام کرو جو سنتا نہ ہو اسے سلام کرنا ممنوع ہے جیسے سوتا ہوا اور بے ہوش آدمی۔ یہ فائدہ **قال یقوم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ ہمارے حضور ﷺ نے ابو جہل وغیرہ کی لاشوں سے کلام فرمایا۔

نکتہ: بعد موت روح کی قوت بہت بڑھ جاتی ہے کہ مدفون مردہ اوپر چلنے والوں کے قدم کی آہٹ سنتا ہے حالانکہ ہزارہا من مٹی کے نیچے ہے۔ قبرستان سے گزرنے والوں کو دیکھتا ہے ان سے ایصال ثواب کی درخواست کرتا ہے تو جو مقبول بندے زندگی میں مشرق و مغرب کو دیکھتے ہوں ہر جگہ کی آواز سنتے ہوں ان کی قوت کا بعد وفات اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ پنجرے سے نکلنے کے بعد پرندہ کی طاقت بڑھ جاتی ہے۔ بدن سے نکلنے کے بعد روح کی طاقت و قوت بڑھ جاتی ہے۔ کافر کی لاش کی کوئی عزت و حرمت نہیں۔ غسل، کفن و دفن سب مومن کے لئے ہے۔ یہ فائدہ **فتولی عنهم** سے حاصل ہوا کہ باوجودیکہ یہ ہلاک شدہ لوگ مومنوں کے بھائی برادر اور رشتہ دار تھے مگر کسی نے نہ کسی کو غسل دیا نہ کفن نہ دفن۔ اسکے برعکس مومن زندگی میں عزت والا ہے اور بعد موت بھی کیونکہ گوشت پوست کی عزت نہیں ہوتی۔ عزت تو ایمان، اخلاص، عشق رسول کی ہے۔ مرا کافر مردار جانور کی طرح ہے۔ **چوتھا فائدہ:** انبیاء کرام قوم کے سچے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ ان کی خیر خواہی ماں باپ سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ فائدہ **ونصحت لکم** سے حاصل ہوا۔ قیامت میں ہمارے اعضاء ہماری شکایت کریں گے مگر حضور انور شفاعت فرمائیں گے۔ **پانچواں فائدہ:** کفار کی موت اور ان کی ہلاکت پر مومن کو غم نہیں کرنا چاہئے۔ یہ فائدہ **فکیف اسی** سے حاصل ہوا۔ گلے ہوئے عضو کے کٹ جانے پر۔ کوڑے کرکٹ کے گھر سے نکل جانے پر۔ ڈاکوؤں چوروں کے مارے جانے پر غم کیسا۔

مسئلہ: بعض خوشامدی مسلمان کفار کو خوش کرنے کے لئے "کافر لیڈروں کے مرنے پرماتم کرتے، مرثیے لکھتے ہیں۔ یہ حرام ہے کسی خوشامدی مسلمان کا یہ شعر تلک کے مرثیے کا مشہور ہے۔

آپ تو چلتے ہو ملک عدم کو اے تلک — کون سمجھائے گا ہم کو دشمنوں کی چال ڈھال

بعض نادان مسلمانوں نے گاندھی کے مرنے پر ختم قرآن کرائے۔ بعض نے اس کی راکھ تبرک کے لئے منگائی اور خود جاکر گنگا میں بہائی۔ بعض نے اسے بیکنٹ باشی (جنتی) لکھا یہ سب حرام ہے اور اگر اسے جنتی سمجھا تو کافر ہوئے۔ نعوذ باللہ **مسئلہ**: موذی کافر کے مرجانے یا مارے جانے پر خوشی کرنا سنت ہے۔ حضور انور نے ابوجہل کے قتل کی خبر پر سجدہ شکر ادا کیا۔ اب بھی عاشورہ کے دن روزہ سنت ہے کہ وہ فرعون اور فرعونیوں کی ہلاکت کا دن ہے۔ غم تو مومن کی موت پر ہوتا ہے اسے انسان، جنات، فرشتے، زمین و آسمان روتے ہیں۔ **فمابکت علیھم السماء والارض**۔ **چھٹا فائدہ**: مردہ کافروں کو یا کہہ کر پکارنا ان سے کلام کرنا۔ حضرت صالح حضرت شعیب اور ہمارے نبی ﷺ کی سنت ہے تو یقینا" مردہ مومنوں کو اولیاء اللہ کو انبیاء کرام کو خصوصا" سید الانبیاء ﷺ کو پکارنا انہیں سلام کرنا جائز ہے بلکہ حضور کو پکارنا انہیں سلام کرنا رکن نماز ہے کہ التحیات میں کہا جاتا ہے۔ کافر کو پکاریں گے اظہار غضب کے لئے مومنوں کو دعا کے لئے۔ نبی ولی کو التجاو عرض حاجات کے لئے۔ **ساتواں فائدہ**: احکام الہیہ پہنچادینے پر پیغمبر کا فرض منصبی ادا ہو جاتا ہے۔ قبول کرانا ان کا کام نہیں۔ یہ فائدہ **لقدابلغتکم** سے حاصل ہوا کہ جناب شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے پیغامات تم کو پہنچا چکا اب تم جانو۔

اعتراضات: **پہلا اعتراض**: اگر عذاب کی جگہ رہنا منع ہے تو لوگ مکہ معظمہ میں کیوں رہتے ہیں۔ وہاں بھی تو اصحاب فیل پر عذاب آیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ **جواب**: یہ عذاب مکہ معظمہ سے باہر آیا یہ جگہ منیٰ کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر پڑتی ہے۔ بستی مکہ سے دور ہے وہاں رہنا تو کیا وہاں ٹھہرنا بھی منع ہے۔ حتیٰ کہ حجاج کو وہاں سے تیزی سے گزر جانے کا حکم ہے۔ لہذا کوئی اعتراض نہیں۔ **دوسرا اعتراض**: حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ کلام زندہ کفار سے کیا تھا۔ مردوں سے نہیں۔ ورنہ آیت کریمہ **انک لاتسمع الموتی** کے خلاف ہوتا۔ مردے بالکل نہیں سنتے۔ **جواب**: قرآن کریم کی ترتیب بیانی بتارہی ہے کہ آپ کی یہ گفتگو ان کی ہلاکت کے بعد ہے کیونکہ پہلے ان کی ہلاکت کا واقعہ بیان ہوا پھرف کے ساتھ ارشاد ہوا۔ **فتولی عنھم**۔ ف کا بعد پیچھے ہوتا ہے۔ **جاءزید فعمرو** تمہاری پیش کردہ آیت میں موتی سے مراد دل کے مردے یعنی کفار ہیں کیونکہ اس کے بعد ارشاد ہے **ان تسمع الامن یومن بایتنا**۔ **تیسرا اعتراض**: اس کا مقصد اظہار افسوس ہے میں کیسے غم کروں یہ بھی غم کے اظہار کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے زہیر شاعر کہتا ہے۔

قف بالدیار التی لم تعفھا القدم — بلی وغیرھا الار واح والدیم

بعض مفسرین نے اس فرمان عالی کے معنی یہ کئے ہیں کہ میں کن لفظوں میں غم کا اظہار کروں۔ **چوتھا اعتراض**: تم نے کہا کہ کفار کے مرنے پر خوشی منانی چاہئے مگر شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

اگر بمرد عدو جائے شادمانی نیست — کہ زندگانی ماتیز جاودانی نیست

اگر دشمن مرجاوے تو خوشی نہ کرو کہ تمہاری زندگی بھی ہمیشہ کی نہیں ہے آخر تم نے بھی مرجانا ہے۔ **جواب**: اس شعر میں ذاتی

دشمنی مراد ہے نہ کہ دینی اور موذی دشمن اور یہاں دینی دشمن مراد ہے وہ شعر درست ہے۔ یہ قول بھی درست۔ **پانچواں اعتراض**: حضرت شعیب علیہ السلام نے علیکم کیوں نہ فرمایا اتنی دراز عبارت علی القوم الکافرین کیوں ارشاد فرمائی یا قوم' کہنے کے بعد علیکم ' فرمانا مختصر بھی تھا اور مناسب بھی۔ **جواب**: دو وجہ سے ایک یہ کہ اس سے غم نہ فرمانے کی وجہ بیان ہو گئی کہ تمہارے کفر کی وجہ سے تم لوگ غم کے لائق نہیں ہو۔ مومن کی موت پر غم ہوتا ہے۔ کافر موذی کی موت پر غم نہیں۔ دوسرے یہ کہ تم نسبی لحاظ سے میری قوم ہو دینی لحاظ سے کافر قوم ہو۔ کفر کے ہوتے ہوئے میری قوم ہونا تمہارے لئے مفید نہیں۔ تم گھاس کوڑے ہو جس کا نکل جانا باعث غم نہیں۔ **چھٹا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کے مرنے پر غم نہ چاہئے مگر حضور انور نے ابو طالب کی موت پر غم کیا۔ حتی کہ اس سال کا نام عام الحزن رکھا یعنی غم کا سال۔ حضور انور کا یہ عمل شریف اس آیۃ کریمہ کے خلاف ہے۔ **جواب**: ابو طالب اگرچہ شرعاً مومن نہ تھے مگر دل سے مومن تھے اور دل و جان سے حضور انور ﷺ اور اسلام کے خدمت گزار سچے جانثار تھے۔ ان کی موت سے حضور انور کے ایک مخلص غمگسار سے زمین خالی ہو گئی اور اسی سال حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات ہوئی ان وجوہ سے اس سال کو عام الحزن کہا گیا۔ یہ لوگ کافر بھی تھے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو ستانے والے موذی بھی۔ اسی لئے ہم نے کہا کہ موذی کافر کی موت پر خوشی ہونی چاہئے۔ یہ جواب اس صورت میں ہے کہ یہ واقعہ درست ہو۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

تفسیر صوفیانہ: نبی کافر کی زندگی میں بھی اس سے بیزار ہوتے ہیں اور اس کی موت کے بعد بھی۔ بفضلہ تعالیٰ مومن کی زندگی اور موت اور بعد موت کبھی بھی نبی اس سے منہ نہیں پھیرتے۔ زندگی میں مومن کے تصور میں رہتے ہیں۔ دل میں ایمان میں ' جان میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ مرتے وقت جمال دکھا کر نزع کو آسان کرتے ہیں بعد موت اس کی قبر میں جلوہ گری کر کے قبر کو منور و گلزار بناتے ہیں۔ محشر میں رب سے بخشوائیں گے کافر کے لئے نبی کا اس سے منہ پھیر لینا اللہ کا عذاب ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا۔ **فتولی عنهم** نبی کافر کو تبلیغ فرما کر اس کی خیر خواہی کر کے اس سے فارغ ہو جاتے ہیں مگر مومن سے کبھی فارغ نہیں ہوتے۔ اس کی زندگی موت سب کچھ سنبھالتے ہیں کہ زندگی تقویٰ والی ' موت ایمان والی نصیب کراتے ہیں۔ اسی لئے ابلغت اور محبت ماضی ارشاد ہوا کہ میں تمہارے متعلق یہ کرم کر چکا۔ یوں ہی نبی کو کافر کی ہلاکت اس کے رنج و غم سے کچھ سروکار نہیں ہوتا مگر مومن سے تعلق ایسا رہتا ہے کہ کانٹا لگتا ہے مومن کے پاؤں میں اور خلش ہوتی ہے جناب مصطفےٰ ﷺ کے دل میں۔ رب فرماتا ہے **عزیز علیه ما عنتم** حتی کہ دیکھا گیا ہے کہ مومن کی موت کے وقت حضور انور جلوہ گر ہوتے ہیں جان نکالنے والے فرشتوں کو آسانی و نرمی کا حکم دیتے ہیں کہ ہلکا کرو ہلکا کرو۔ یہ وہ کرم ہے جو آنکھ والوں نے اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور انشاء اللہ ہم بھی دیکھیں گے لہذا **فکیف اسی** کے ساتھ **علی القوم الکافرین** بالکل درست ہے **یاقوم** فرما کر ان بد نصیبوں کی انتہائی بد بختی کا ذکر فرمایا کہ تم میری قوم ہو کر میرا دیدار کر کے بھی کافر ہی رہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بعض مقبول بندوں کو رب تعالیٰ جنت کی دو نعمتیں دنیا میں عطا فرماتا ہے (1) مومنوں سے الفت و محبت (2) کفار سے نفرت و عداوت۔ **تولی عنهم** فرمانے سے بتایا گیا کہ حضرت شعیب اور ان پر ایمان والے ان نعمتوں سے موصوف تھے۔ دیکھو ان میں سے کسی نے ان ہلاک شدگان کا نہ تو مرثیہ کہا نہ غم و رنج بلکہ نفرت کے الفاظ کہے۔ جیسے جنتی مومن کافر کو جلتا ہوا دیکھ کر رنج نہ کرے گا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَ
اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر پکڑا ہم نے اس بستی والوں کو ساتھ فقیری اور
اور نہ بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر یہ کہ اس کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں پکڑا کہ وہ
الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ
مرض کے تاکہ وہ عاجزی کریں ؁ پھر بدل دیا ہم نے بجائے برائی کے بھلائی کو
کسی طرح زاری کریں ؁ پھر ہم نے برائی کی جگہ بھلائی بدل دی یہاں تک
حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً
حتیٰ کہ زیادہ ہوگئے اور کہا انہوں نے بیشک پہنچا باپ دادوں کو ہمارے سختی اور آرام پس پکڑ لیا ہم نے
کہ وہ بہت ہو گئے اور بولے بے شک ہمارے باپ دادا کو رنج و راحت پہنچے تھے تو ہم نے
وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾
ان کو اچانک حالانکہ وہ نہیں شعور رکھتے تھے ؁
انہیں اچانک ان کی غفلت میں پکڑ لیا ؁

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: گزشتہ آیات میں پانچ نبیوں کی تبلیغ اور ان کی امتوں کی ہلاکت کا ذکر ہوا۔ حضرت نوح، ھود، صالح، لوط، شعیب علیہم السلام۔ شاید کوئی سمجھتا کہ صرف ان پانچ قوموں پر ہی عذاب آئے ہوں اس لئے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کے علاوہ اور نبیوں نے بھی تبلیغ فرمائی اور ان کی قوموں پر عذاب آئے۔ یہاں ان میں سے چند کا ذکر ہوا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کچھ قوموں کے تفصیلی عذاب کا ذکر ہوا تھا اب ساری ہلاک شدہ قوموں کے اجمالی عذاب کا ذکر ہے گویا یہاں اجمال بعد تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں خاص خاص قسم کے عذابوں کا ذکر تھا اب اس آیت کریمہ میں دوسری قسم کے عذابوں کا تذکرہ ہے یعنی ظاہری عذاب اور باطنی جو بظاہر رحمت معلوم ہوں حقیقت میں عذاب ہوں۔

تفسیر: **وما ارسلنا فی قریتہ من نبی** یہ جملہ نیا ہے اسی لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **ما** نافیہ ہے مگر اس کا تعلق ارسال سے نہیں ہے بلکہ پورے مضمون سے ہے۔ ارسال کے لغوی معنی ہیں بھیجنا شریعت میں نبی بنانے یعنی ان کی طرف وحی بھیجنے کو ارسال کہتے ہیں۔ یہاں یہی آخری معنی مراد ہیں بعض نبی رہنے والے کسی اور جگہ کے تھے مگر تبلیغ کسی اور جگہ فرمائی جیسے حضرت ابراہیم و لوط علیہم السلام، بعض نبی جہاں کے رہنے والے تھے وہاں ہی کے نبی ہوئے جیسے حضرت عیسیٰ وغیرہم علیہم السلام، بعض نبی جہاں پیدا ہوئے وہاں ہی نبی ہوئے مگر نبوت سے پہلے کچھ دن باہر رہے پھر وہاں سے نبی بن کر آئے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ مصر میں پیدا ہوئے مصر ہی میں نبی ہوئے مگر نبوت سے پہلے کچھ عرصہ مدین میں رہے پھر وہاں سے نبی ہو کر

مصر وایس ہوئے **ارسلنا** ان سب کو شامل ہے **قریتہ** مطلقاً "بستی کو کہتے ہیں۔غالباً" یہاں ۔ بمعنی شہر ہے کیونکہ عموماً" انبیاء کرام شہروں میں آئے اور اسی جگہ میں جلوہ گر رہے جہاں خلق کی آمدورفت ہو تاکہ تبلیغ میں آسانی ہو۔**من نبی** میں **من** استغراقیہ یا بیانیہ ہے۔ نبی رسول اور مرسل کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے۔ ہر رسول و مرسل نبی ضرور ہوتے ہیں مگر ہر نبی کا رسول و مرسل ہونا ضروری نہیں۔**الا اخذنا اهلها بالباساء و الضراء** اس عبارت سے پہلے ایک مختصر سی عبارت پوشیدہ ہے **فکذبوه** (خازن' کبیر وغیرہ) **اخذ** کے معنی پکڑ نا لینا ہیں یہاں مراد ہے پکڑ کرنا۔ سختیوں میں گرفتار کرنا۔ہلاکت کی پکڑ مراد نہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔**الا** کا تعلق **ما ارسلنا** میں **ما** کی نفی سے ہے **اهلها** میں **اهل** سے مراد وہاں کے جھٹلانے والے کافر باشندے ہے۔مومنین مراد نہیں کہ ان پر تو عطائیں ہوتی ہیں۔**باساء** بنا ہے **بوس** سے سختی حال و دشواری خارجی کو بوس کہا جاتا ہے جیسے مال کی کمی' قحط سالی' فقروفاقہ۔**ضراء** بنا ہے **ضرر** سے ۔ بمعنی جانی آفات جیسے بیماریاں' دل آزاریاں وغیرہ۔ ان دونوں کی اس کے علاوہ اور بھی تفسیریں کی گئی ہیں۔**لعلهم يضرعون** اس فرمان عالی میں عذابوں کی حکمت کا ذکر ہے **لعل** آتا ہے شک کے لئے مگر رب تعالیٰ شک و شبہ سے پاک ہے اس لئے اس کے کلام میں یہ کلمہ بیان حکمت کے لئے آتا ہے یعنی اس کے معنی شاید نہیں ہوتے بلکہ تاکہ ہوتے ہیں۔**هم** کا مرجع وہ ہی پکڑے ہوئے کفار ہیں۔ **يضرعون** اصل میں **يتضرعون** تھا اس کا مصدر تضرع ہے ۔ بمعنی عاجزی' زاری کرنا' توبہ کرکے معافی حاصل کرلینا یعنی ان لوگوں پر مذکورہ جانی و مالی مصیبتوں کا بھیجنا اس لئے تھا کہ یہ لوگ عاجزی سے اپنے گزشتہ گناہوں' کفر سے توبہ کریں۔ مومن مخلص اور پرہیزگار بن جاویں کیونکہ اکثر انسان مصیبتوں میں توبہ کرتا ہے **ثم بدلنا مكان السيئته الحسنته** اس فرمان عالی میں ان پر بھیجے ہوئے دوسرے عذاب کا ذکر ہے یہ عذاب پچھلے عذاب سے سخت تر ہے اس لئے اس کا ذکر بعد میں کیا گیا نیز ان دونوں قسم کے عذابوں کی ترتیب بھی یہ ہی تھی کہ ان پر پہلے مصیبتوں کے عذاب آتے ہیں پھر راحتوں اور نعمتوں کے عذاب۔ خیال رہے کہ مصیبتوں کے بعد راحتوں کا آنا شکر کی طرف بلاتا ہے مگر جس کی عقل ماری گئی ہو وہ اس پر الٹا اتراتا ہے چونکہ بہت عرصہ تک ان پر مصیبتوں کا عذاب رہا تھا اسی لئے یہاں **ثم** فرمایا گیا جو بہت ہی مناسب ہے **سيئته** بنا ہے **سوء** سے ہر ناگوار چیز **سوء** کہلاتی ہے۔ جانی آفت ہو یا مالی۔ اور ہر راحت طبیعت و عقل کو بھی بھلی معلوم ہوتی ہے اس لئے اسے حسنہ کہا جاتا ہے یعنی خوشنما حسین۔ یہاں حسنہ سے مراد ہے تندرستی' ارزانی' مال و دولت کی فراوانی ہر وقت بارشیں جس سے کھیت اور باغ لہلہا جاویں وغیرہ (از تفسیر خازن) تبدیلی اور تغیر کا فرق ہم بیان کر چکے ہیں کہ ذات کو بدلنا تبدیلی ہے۔ حالات و کیفیات کا بدلنا تغیر۔ چونکہ ان پر پوری پوری تبدیلی ہوتی تھی اس لئے **غيرنا** نہیں فرمایا بلکہ بدلنا ارشاد ہوا چونکہ راحتوں کے زمانہ میں تمام تکالیف دور کردی جاتی تھیں یہ نہ ہوتا تھا کہ بعض تکالیف رہیں اور بعض آرام۔ اس لئے یہاں مکان السیئتہ ارشاد ہوا نیز یہ بتایا گیا کہ ہر تکلیف کی بجائے اس کی ضد۔ راحت عطا کی گئی۔ غریبی کی بجائے امیری گرانی کی بجائے ارزانی' بیماری کی بجائے تندرستی' خوف کی بجائے امن وغیرہ غرضیکہ مکان فرمانے میں بہت سی خوبیاں ہیں **حتى عفوا** یہ فرمان عالی **بدلنا** کی انتہا ہے یعنی انہیں یہ نعمتیں چند دن یا چند ماہ کے لئے نہ دی گئیں بلکہ یہاں تک عطا ہوئیں کہ وہ خوب پھلے پھولے' بہت ہو گئے۔**عفا** ماضی جمع مذکر ہے **عفو** مصدر **عفا يعفو** باب **نصر** سے ہے اس کے معنی ہیں زیادہ ہونا پھیلنا۔ حدیث پاک میں

ہے **واعفوا اللحی**۔ ڈاڑھیاں بڑھاؤ۔ اہل عرب کہتے ہیں **عفا الشعر عفا النبات۔ عفا وبر۔ عفا الخمر** شاعر کہتا ہے۔

بمقنا سید القربان۔ عاف نباته | **تسا قطنی والرحل من صوت هلهد**
ولکنا بعض۔ السیف مرتب | **با سوق عافیک التخم کرم**

(معانی)

اس کے معنی مٹانا بھی آتے ہیں اسی سے ہے معافی یعنی گناہ مٹا دینا۔ یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی حتی کہ وہ لوگ اولاد' مال' جائیداد وغیرہ میں خوب زیادہ ہو گئے۔ پھلے پھولے **و قالوا قد مس اٰباءنا الضراء و السراء** یہ فرمان عالی معطوف ہے **عفوا** پر۔ اس میں اس انعام فرمائی' کرم نوازیوں کے اس غلط نتیجے کا ذکر فرمایا گیا ہے جو انہوں نے نکالا یعنی انہوں نے بجائے شکریہ ادا کرنے' ہمارے نبیوں کی اطاعت کرنے کے یہ کہا کہ گذشتہ تکلیف اور موجودہ راحتیں کسی عمل یا عقیدے کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اتفاقیات میں سے ہے اور یہ انقلابات آج کے نہیں پہلے سے ہوتے رہے ہیں۔ یہ زمانہ کی نیرنگیاں ہیں ہمارے باپ دادوں کو بھی رنج و راحت پہنچتے رہے ہیں اسی قاعدے سے ہم کو پہنچے۔ پیغمبر کا یہ کہنا غلط ہے کہ یہ عذاب یا آزمائشیں ہیں **فاخذنٰهم بغتة** یہ فرمان عالی یا تو عفوا پر معطوف ہے یا **قالوا** پر چونکہ ان کی مذکورہ حرکتیں ان کے عذاب کے اسباب تھے اور عذاب ان کا مسبب۔ اسی لئے ف ارشاد ہوئی **اخذ** سے مراد غضب و قہر کی پکڑ ہے اور غضب و قہر بھی ہلاکت کا تھا مہلت کا نہ تھا۔ **بغتة** کے معنی ہیں **فجاة** یعنی اچانک یعنی ہم نے اچانک ان کو پکڑ لیا کیونکہ اچانک کی مصیبت سخت تر ہوتی ہے **وهم لا يشعرون** یہ فرمان عالی بیان ہے **بغتة** کا یعنی انہیں گمان وہم بھی نہ تھا کہ ہم ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ پورے غافل تھے کہ ان پر ہلاک کر دینے والا عذاب آ گیا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ بے شعوری سے مراد ہے پیغمبر کی باتوں پر دھیان نہ دینا۔ آخر وقت تک نبی انہیں عذاب سے ڈراتے رہے بتاتے رہے کہ عذاب اب آیا کہ آیا مگر وہ مذاق اڑاتے رہے۔ لہٰذا یہ فرمان عالی اس آیت کے خلاف نہیں جہاں ارشاد ہے کہ ہم کسی غافل کو ہلاک نہیں کرتے **ذالک ان لم یکن ربک مهلک القری بظلم واهلها غافلون** سرحال بے خبری اور چیز ہے بے شعوری کچھ اور غفلت اور بے شعوری میں فرق کرنا ضروری ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے لوگو! تم کو بطور نمونہ یہ چند واقعات سنائے گئے حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جتنے نبی بھی آئے اور ان کی قوموں نے انہیں جھٹلایا' ان کا انجام یہ ہوا کہ پہلے تو ہم نے وہاں کے باشندوں کو جانی اور مالی تکلیفیں دیں تاکہ یہ لوگ ڈر کر پیغمبر کی اطاعت کریں۔ ایمان قبول کر لیں مگر جب وہ لوگ اس پر باز نہیں آئے کفر و نافرمانی ہی کرتے رہے تو ہم نے بجائے تکلیف کے انہیں آرام عطا فرمائے بیماریاں' ناداریاں' گرانی وغیرہ دور فرما کر انہیں صحت' ارزانی' دولت' وسعت' عیش عطا فرمائی مگر ان لوگوں نے بجائے شکر کرنے کے اور زیادہ سرکشی کی وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ عذاب پچھلے عذاب سے سخت تر ہے وہ یہ ہی کہتے رہے کہ تکلیف و آرام رنج و راحت اتفاقی چیزیں ہیں۔ پرانے زمانے سے ہمارے باپ دادوں کو بھی ان چیزوں سے سامنا ہوتا رہا ہے یہ تو زمانہ کی رنگا رنگی ہے۔ جب وہ بالکل ہی غافل ہو گئے تو ہم نے اچانک ان کو پکڑ لیا انہیں خیال بھی نہ تھا کہ عذاب آ رہے گا مگر وہ عذاب میں گرفتار ہو گئے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نبی کو جھٹلانے ان کی بددعا کے بغیر دنیا میں عذاب الٰہی کبھی نہیں آتا یہ قانون قدرت ہے یہ فائدہ الا اخذنا سے حاصل ہوا کہ اس کو **وما ارسلنا** پر مرتب فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وماکنا معذبین حتی نبعث رسولا** مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد تادلے صاحب دلے نہ آمد بدرد

دوسرا فائدہ: پیغمبر کو جھٹلانا عذاب کا باعث ہے ان کو ماننا رحمت الٰہی کا ذریعہ۔ یہ فائدہ اس عبارت سے حاصل ہوا جو یہاں پوشیدہ ہے **فکذبوہ** وغیرہ۔ **تیسرا فائدہ:** عموماً انبیاء کرام شہروں اور مرکزی مقامات میں بھیجے گئے جہاں لوگ زیادہ رہتے اور آتے جاتے ہیں۔ یہ فائدہ **قریتہ** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ ایک جگہ رب فرماتا ہے **حتی یبعث فی امها رسولا** ہمارے حضور چونکہ دنیا بھر کے نبی ہیں اس لئے آپ دنیا کے مرکزی شہر مکہ معظمہ میں تشریف فرما ہوئے یعنی دوسرے انبیاء قری میں آئے۔ ہمارے نبی ام القری میں یعنی بستیوں کی اصل میں۔ اسی لئے آپ کو امی کہتے ہیں یعنی ام القری والے پھر جب مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو وہ بھی دنیا کا مرکزی شہر بن گیا اس کی مرکزیت آج آنکھوں سے دیکھی جارہی ہے بلکہ اب مکہ معظمہ کی مرکزیت مدینہ منورہ کے دم سے وابستہ ہے ہم نے عرض کیا ہے۔

کعبہ کی زینت ان ہی کے دم سے طیبہ کی رونق ان کے قدم سے
کعبہ ہی کیا ہے سارے جہاں میں دھوم ہے ان کی کون و مکاں میں

چوتھا فائدہ: جو تکلیف انسان کو سیدھے راہ پر لگادے وہ اللہ کی رحمت ہے وہ ایسی کڑوی دوا ہے جو تندرستی بخشتی ہے۔ اس پر رب تعالیٰ کی شکایت نہیں کرنی چاہئے۔ یہ فائدہ **لعلهم یضرعون** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** دنیا کا جو آرام و راحت رب سے غافل کردے وہ اللہ تعالیٰ کا سخت تر عذاب ہے۔ ابوجہل کی امیری عذاب تھی۔ حضرت بلال کی فقیری اللہ کی رحمت۔ یہ فائدہ **ثم بدلنا** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** لفظ بائی چانس یا اتفاقیہ بڑا ہی لغتی لفظ ہے کہ انسان ہر رنج و خوشی' راحت و غم کو اتفاقاً یا نیرنگی سمجھے اور غافل رہے۔ مومن ہر چیز میں ہمیشہ فکر کرے کہ خوشی آئی تو کیوں اور غم آیا تو کس لئے۔ اللہ تعالیٰ عبرت والا دل و آنکھ عطا فرمائے۔ فائدے **قدمس اباءنا** سے حاصل ہوئے۔ **ساتواں فائدہ:** کفر و گناہ کے باوجود اللہ کی نعمتیں ملنا عذاب الٰہی ہے یوں ہی اطاعت و فرمانبرداری کے باوجود تکالیف آنا اللہ کی رحمت ہے جبکہ اس پر صبر کی توفیق ملے۔ امام حسین کی کربلا والی مصیبتیں اللہ کی رحمت تھیں۔ یزید کے وہ عیش و آرام اللہ کا عذاب۔ یہ دونوں باتیں کربلا کے میدان وہاں کے ذروں سے پوچھو۔

نہ یزید کا وہ ستم رہا' نہ زیاد کی وہ رہی جفا جو رہا تو نام حسین کا جسے باقی رکھتی ہے کربلا

آٹھواں فائدہ: اچانک عذاب بہت سخت گرفت ہے جس میں انسان کو سنبھلنے کا وقت نہیں ملتا یہ فائدہ **بغتتہ** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** مومن کے لئے دنیا کی راحت و تکلیف' رنج و خوشی سب ہی اللہ کی رحمت ہیں۔ مومن راحت میں شاکر بنتا ہے' تکلیف و غم میں صبر کرکے صابرین کے زمرہ میں داخل ہوتا ہے۔ شکر پر زیادتی نعمت کا وعدہ ہے صبر پر اللہ مل جاتا ہے۔ شاکر ہی کے لئے ہے **لئن شکرتم لازیدنکم** اور صابرین کے لئے ہے۔ **ان اللہ مع الصبرین**

اعتراضات: **پہلا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نبی کی تشریف آوری پر لوگ لوٹا" مصیبتوں میں گرفتار ہوتے ہیں پھر ان میں پھر ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔ نبی تو رحمت بن کر آتے ہیں نہ کہ مصیبت بن کر پھر آیتہ کریمہ کا مطلب کیا ہوا۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے۔ **فکذبوہ** کہ لوگ جب انہیں جھٹلاتے ہیں تب یہ عذاب آتے ہیں۔ نبی کی تشریف آوری عذاب کا باعث نہیں بلکہ ان کا جھٹلانا عذاب کا سبب ہے۔ **دوسرا اعتراض:** آدم' شعیب' ادریس علیہم السلام اور ہمارے حضور انور نبی ہیں مگر ان کی تشریف آوری پر یہ کوئی بات نہ ہوئی پھر یہ فرمان عالی کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اس آیت کریمہ میں قاعدہ کلیہ بیان نہیں کیا گیا ہے بلکہ عذاب الٰہی آنا نوح علیہ السلام سے شروع ہوا۔ ہمارے حضور انور ﷺ کے متعلق ارشاد ہوا۔ **وماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم۔** **تیسرا اعتراض:** یہاں **بدلنا** کے بعد **مکان السیئتہ الحسنتہ** کیوں فرمایا۔ **بدلنا** کے ساتھ مکان فرمانے کی ضرورت نہ تھی۔ **جواب:** تاکہ معلوم ہو کہ ہر مصیبت کے مقابل راحت عطا ہوئی۔ بیماری کے عوض تندرستی غریبی کے عوض امیری' گرانی کے عوض ارزانی' قلت کے عوض کثرت' کوئی ایسی مصیبت نہ تھی جس کے عوض اس کے مقابل راحت نہ دی گئی' یہ بات بغیر مکان فرمانے کے حاصل نہ ہوتی کوئی سمجھتا کہ ان پر مصیبتیں بھی رہیں راحتیں بھی۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ ہم نے کفار قوم شعیب کو اچانک پکڑ لیا ہے بے خبری میں مگر دوسری جگہ ارشاد باری ہے **ان لم یکن رب مھلک القری بظلم و اھلھا غافلون** جس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ غافلوں کو ہلاک نہیں کرتا۔ ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** تمہاری پیش کردہ آیت میں ان غافلوں کو ہلاک کرنے کی نفی ہے جن تک نبی کی تبلیغ نہ پہنچی ہو یہاں بے حس اور بے شعور لوگوں کو ہلاک فرمانے کا ذکر ہے۔ بے علمی اور بے حسی میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بیمار آدمی جو اچھی بری چیز کھائے وہ بیماری بنتی ہے بلغمی مزاج والے کی ہر غذا بلغم بنتی ہے صفراوالے کی ساری غذائیں صفرا بن جاتی ہیں۔ پھول کا رس بھڑ (تمبوڑی) کے پیٹ میں زہر بنتا ہے شہد کی مکھی کے پیٹ میں شہد یوں ہی غافل و بے دین انسان کی راحتیں اور مصیبتیں غفلت و کفر ہی پیدا کرتی ہیں کہ وہ انہیں محض اتفاقی چیزیں مانتا ہے مگر عاقل و مومن کے لئے ان میں سے ہر چیز اس کی بیداری اور ایمان و پرہیزگاری کی زیادتی کا ذریعہ بنتی ہے۔ حضرات صحابہ کرام اور بعض اولیاء اللہ ہر بیماری آزاری میں غور کرتے تھے کہ ہماری کس غلطی کی وجہ سے یہ آفت آئی اور ہر نعمت و راحت پر خوف کرتے تھے کہ کہیں یہ نعمت رب تعالیٰ کا عذاب نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری نیکیوں کی جزا یہ ہی کر دی گئی ہو۔ یہ ہے بیداری دل سوتی آنکھ ظاہر کو نہیں دیکھتی اور سوتا دل حقیقت کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ دل کی غفلت اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ دیکھو قوم شعیب علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے دو قسم کی خبریں بھیجیں۔ آفات و بلیات اور رحمت و نعمت مگر وہ غافل ہی رہے۔ آخر کار ہلاک ہوئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کافر کی ہر آفت اچانک ہی ہوتی ہے خواہ کتنی ہی علامات ظاہر ہو چکی ہوں کیونکہ وہ کسی علامت سے جاگتا نہیں۔ کافر کی موت **فجات** یعنی اچانک ہے اگرچہ وہ دس سال بیمار رہ کر مرے کہ وہ بیماری میں دوا اور حکیم کی طرف ہی بھاگتا ہے احکم الحٰکمین سے غافل رہتا ہے مومن کی اچانک موت بھی **فجات** نہیں کہ وہ ہر وقت تیار ہے۔ بیماری اور چیز ہے تیاری کچھ اور۔ اسی لئے یہاں **بغتتہ** کے ساتھ لا یشعرون فرمایا' صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی پیدائش کے مقصد مختلف ہیں جو مقصد پورا

کرے گا وہ کامیاب ہو گا جو خلاف مقصد کرے گا مارا جائے گا زہر بچنے کے لئے پیدا ہوا۔ شہد پینے کے لئے۔ سانپ و شیر مار دینے کے لئے پیدا ہوئے۔ بکری بھیڑ پالنے کے لئے یوں ہی ہم پیدا ہوئے عبادت کے لئے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** اور حضرات انبیاء ہوئے تاکہ انکی اطاعت کی جاوے۔ **وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ** حضرات ہزاروں سال پیدائش سے پہلے رب کی عبادت کرتے رہے ہیں جن خوش نصیبوں نے ان کے مقصد تشریف آوری کو پورا کیا کہ ان کی اطاعت کی وہ دونوں جہان میں تر گئے۔ کفار نے ان کی تشریف آوری کا مقصد پورا نہ کیا کہ بجائے اطاعت کے ان کی مخالفت کی تو نتیجہ یہ ہوا کہ **اخذنا اھلھا بالباساء والضراء** حضور کی تشریف آوری کا مقصد اطاعت کرنا بھی ہے اور دونوں جہاں پر سایہ فگن رہنا بھی۔ آسمان ساری زمین پر سایہ فگن "فرشتے" جنت "دوزخ" عرش "کرسی" اس کے احاطہ سے باہر ہیں مگر حضور عالمین پر سایہ فگن۔ للارحمۃ للعالمین حضور سمندر ہیں آسمان حباب و بلبلہ۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عشق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

آج جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں چاہے سود کھائیں یا شراب پئیں "ہر بے دین کے پاس بیٹھیں" ہم پر پابندی کیسی۔ انہیں چاہئے کہ زہر کھا کر سانپ کے پاس رہ کر، کھائیں "جب وہاں پابندی ہے تو یہاں بھی پابندی۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ

اور اگر تحقیق باشندے بستیوں کے مومن ہو جاتے اور پرہیزگار بنتے تو البتہ کھول دیتے ہم اوپر انکے

اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور ڈرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین کی

وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

برکتیں آسمان اور زمین سے اور لیکن جھٹلایا انہوں نے پس پکڑا لیا ہم نے ان کو اس وجہ سے جو وہ کرتے تھے۔

برکتیں کھول دیتے مگر انہوں نے تو جھٹلایا تو ہم نے انہیں انکے کئے پر گرفتار کیا۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ہلاک کرنے والے اعمال کا ذکر ہوا جن کے باعث عذاب الٰہی آتا ہے یعنی نبی کی مخالفت۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی۔ اب ان اعمال کا ذکر ہے جن سے اللہ کی رحمتیں برکتیں آتی ہیں یعنی ایمان و تقویٰ۔ گویا مضر اعمال کے بعد مفید اعمال کا تذکرہ ہے تاکہ لوگ ان اعمال سے بچیں اور یہ اعمال کریں **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار قوم شعیب کو بعد میں دنیاوی نعمتوں سے مالامال کر دیا گیا تھا۔ اب ارشاد ہے کہ وہ نعمتیں عذاب تھیں رحمت و برکت کی نہ تھیں گویا نعمتیں آنے کا ذکر فرمانے کے بعد نوعیت نعمت کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ غافل لوگ نعمتوں اور مصیبتوں کو اتفاقی چیزیں سمجھتے ہیں اب ارشاد ہے کہ یہ غلط ہے بلکہ اصلی نعمتیں، برکتیں، تقویٰ، طہارت، ایمان اور اطاعت پیغمبر کے لئے بھی ہوتی ہے۔

تفسیر: **ولوان اهل القریٰ امنوا واتقوا** ظاہر یہ ہے کہ قریٰ سے مراد وہی مذکورہ بستیاں ہیں جن پر عذاب الٰہی آیا اور اہل قریٰ سے مراد وہی ہلاک شدہ کفار ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں قریٰ سے مراد مکہ معظمہ اور اس کی آس پاس کی بستیاں ہیں اور ہو سکتا ہے کہ قریٰ سے مراد تاقیامت سارے جہاں کی بستیاں ہوں اور یہاں قانون قدرت کا ذکر ہو کہ مومن متقیوں کو برکتیں عطا کریں گی مگر پہلی تفسیر قوی ہے۔ **اتقوا** میں تقویٰ سے مراد یا تو کفر و شرک سے بچنا ہے یا گناہوں بد عملیوں سے بچنا یا مطلقاً" تقویٰ اور پرہیزگاری مراد ہے یا نبی کی مخالفت سے بچنا یا اللہ سے ڈرنا خوف کرنا مراد ہے۔ تقویٰ کی پانچ تفسیریں ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ آخری پانچویں تفسیر کی رہبری کرتا ہے چونکہ ایمان' اعمال پر مقدم ہے اس لئے اس کا ذکر تقویٰ سے پہلے ہوا۔ ایمان میں وہ سارے عقائد داخل ہیں جو انبیاء کرام کی معرفت ہم کو ملے۔ توحید' قیامت' جنت' دوزخ' فرشتے' آسمانی کتب وغیرہ' ایمان و تقویٰ دو لفظ ہیں جن میں ساری دلی و جسمی پرہیزگاریاں داخل ہیں اگر تقویٰ سے مراد ہے شرک و کفر سے بچنا تو ایمان سے مراد درست عقائد ہیں جن کا ماننا ضروری ہے غرضیکہ اچھے عقیدے اختیار کرنا' غلط عقیدوں سے بچنا دونوں ہی ضروری ہیں۔ **لفتحنا علیهم** یہ **لو** شرطیہ کی جزا ہے' اس فرمان عالی میں اللہ کی نعمتوں کو خزانہ ایسے کے موتیوں سے دی جو دروازے میں بند ہوں۔ دروازہ کھلتے ہی ان پر برسیں **علی** فرما کر یہ بتایا کہ ان کو یہ نعمتیں' برکتیں کسی ایک طرف سے نہ ملیں بلکہ ہر طرف سے ملیں جب پانی سر پر پڑے تو جسم کا ہر حصہ دھل جاتا ہے اس لئے **علی** کا فرمانا **لهم** نہ فرمانا بہت ہی مناسب ہے **برکت من السماء والارض** یہ **فتحنا** کا مفعول ہے برکات جمع ہے برکت کی جس کا مادہ ہے برک' معنی بیٹھ جانا بندھ جانا اسی لئے اونٹوں کے طویلہ کو جہاں اونٹ باندھے بٹھائے جاتے ہوں مبارک الابل کہتے ہیں۔ جو نعمت آکر نہ جائے وہ برکت ہے برکات جمع فرما کر بتایا کہ انہیں ایک قسم کی اور ایک طرف کی نعمتیں نہ ملتیں بلکہ ان پر ہر قسم کی ہر طرف سے نعمتوں کی بارش ہوتی اس میں گفتگو ہے کہ آسمان کی برکتیں کیا ہیں اور زمین کی برکتیں کیا۔ ظاہر یہ ہے کہ آسمان کی برکتیں بروقت بارش' دھوپ' مناسب ہوائیں ہیں اور زمین کی برکتیں' سبزے' دانے' پھل' جانور' امن اور آفات سے سلامتی ہیں مقصد یہ ہے کہ ہم ہمیشہ ان پر آسمانی و زمینی نعمتیں اس طرح بھیجتے رہتے کہ ان سے یہ نعمتیں کبھی زائل نہ ہوتیں ان کا حال یہ نہ ہوتا کہ کچھ دن یہ نعمتیں آئیں پھر زائل ہو گئیں اور وہ عذاب میں گرفتار ہو گئے (خازن' معانی وغیرہ) **ولکن کذبوا** اس عبارت کا تعلق امنوا واتقوا سے ہے۔ **کذبوا** بنا ہے تکذیب سے' معنی جھوٹا کہنا یا جھوٹا جاننا یا جھوٹا بتانا اس کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی **رسلهم** کیونکہ وہ قومیں اللہ تعالیٰ کی منکر نہ تھیں اس کو نہیں جھٹلاتی تھیں نیز ان مذکورہ قوموں کے پاس کتاب اللہ نہ پہنچی تھیں کہ پہلی کتاب توریت آئی موسیٰ علیہ السلام پر مذکورہ قومیں ان سے پہلے تھیں لہذا **رسلهم** ہی مراد ہے چونکہ نبی کو جھٹلانا سارے کفر و شرک و بد عملیوں کی اصل ہے اس لئے بجائے **کفروا** کے یہ ایک کلمہ فرمایا یا اگر کوئی نبی کو جھٹلا کر اللہ تعالیٰ اور تمام ایمانیات کا اقرار کرے جب بھی وہ کافر ہی ہے جیسے ابلیس **کذبوا** کو باب تفعیل سے لا کر یہ بتایا کہ وہ آخر دم تک نبی کو جھٹلاتے رہے اور ہر طرح جھٹلاتے رہے' تفعیل مبالغہ کے لئے ہے **فاخذنهم بما کانوا یکسبون** اس فرمان عالی میں ان کی تکذیب وغیرہ کے نتیجہ کا ذکر ہے اس میں گفتگو ہے کہ یہاں **اخذ** سے مراد کونسی پکڑ ہے یا تو وہی ہلاکت والا عذاب ہے اس صورت میں یہ فرمان اسی **فاخذنهم بغتة** کا بیان ہے یا اس ہلاکت سے پہلے والی مصیبتوں کا ذکر ہے قحط سالی بیماری

وغیرہ تو **باساء** اور ضراء کا بیان ہے یا یہاں پکڑ سے مراد ہے اخروی عذاب اور پہلے پکڑ سے مراد تھا دنیاوی عذاب، بہرحال آیات میں تکرار نہیں کسب سے مراد ظاہری بد عملیاں ہیں۔ فسق و فجور یا عقیدے اور اعمال دونوں کی برائیاں اس میں سب بیے ہے یعنی ہم نے ان لوگوں کو ان کی بری کمائیوں' برے عقیدے برے اعمال کی وجہ سے ہلاک کردیا یا قسم قسم کی تکالیف میں گرفتار کر لیا۔ خیال رہے کہ یہ ہلاکت یا مصیبتیں جن کے لئے عذاب تھیں ان پر تو ان کی بدکتوریا بد عملیوں کی وجہ سے آئیں مگر بے قصور بچے و عورتوں پر عذاب بن کر نہ آئیں ان کے لئے یہ چیزیں رب کی پکڑ نہ تھیں **لہذا** آیتہ کریمہ بالکل واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

خلاصہ تفسیر: جن ہلاک شدہ بستیوں کا تم سے ذکر کیا گیا اگر یہاں کے باشندے مکلف انسان ایمان لاتے پرہیزگار بنتے تو ہم ان لوگوں پر آسمانی اور زمینی برکتوں رحمتوں کے دروازے کھول دیتے اور ہم ان پر نعمتیں بہادیتے کہ وہ ہمیشہ ہماری ظاہری باطنی رحمتوں میں رہتے یا تاقیامت اگر بستیوں والے ایمان و پرہیزگاری اختیار کریں تو ہم رحمتوں برکتوں کے دروازے کھول دیں مگر انہوں نے تو بجائے ایمان اور فرمانبرداری کے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا عقیدۃً "بھی عملاً" بھی اور برابر جھٹلایا کہ مرتے دم تک اسی پر قائم رہے اسی وجہ سے ہم نے ان کو ان کی ان حرکتوں کی وجہ سے سخت پکڑ میں لے لیا کہ انہیں ہلاک کردیا توبہ کی بھی مہلت نہ دی۔ خیال رہے کہ کافر کی موت کا نام ہے **اخذ یا بطش** یعنی رب کی پکڑ عام مومنوں کی موت کا نام ہے وفات **اللہ یتوفی الانفس حین موتھا** اللہ والوں کی موت کا نام ہے رجوع الی اللہ یا وصال۔ **یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ** چونکہ یہاں کفار کی موت کا ذکر ہے اس لئے **اخذنا** فرمایا۔

فائدے: اس آیتہ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ایمان اور نیک اعمال دنیاوی اور اخروی نعمتوں کا ذریعہ ہیں رب فرماتا ہے **ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب** یہ فائدہ اہل القری کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ قری سے مراد ہیں تاقیامت مطلقاً "بستیاں" بعض لوگ مصیبتوں میں ختم خواجگان' میلاد شریف' فاتحہ بزرگان' نوافل وغیرہ کرتے ہیں ان سب کی اصل یہ آیتہ کریمہ ہے اسی لئے بارش کی تنگی پر نماز استسقاء اور گرہن پر نماز کسوف پڑھی جاتی ہے۔ صدقہ و خیرات کئے جاتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** انسان کے سنبھل جانے پر ملک سنبھل جاتا ہے انسانوں کے بگڑ جانے پر ملک برباد ہو جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے **ظھر الفساد فی البر والبحر** دیکھو جن بستیوں پر عذاب آئے وہاں کے جانور تک ہلاک ہو گئے حالانکہ جرم صرف انسانوں نے کئے تھے۔ **تیسرا فائدہ:** جیسے کبھی بد عملیوں کی سزا دنیا میں مل جاتی ہے کہ تکالیف مصیبتیں آجاتی ہیں مولانا فرماتے ہیں۔

ہرچہ آید بر تو از ظلمات و غم   ایں ز بے باکی و گستاخی است ہم

ابر نہ آید از پئے منع زکوۃ   وز زنا افتد وبا اندر جہات

یوں ہی کبھی نیک اعمال کی برکت سے دنیا میں اللہ کی رحمتیں برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ آفتیں دور ہو جاتی ہیں یہ فائدہ **واتقوا لفتحنا علیھم** سے حاصل ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ذکر حق پاکی است چوں پاکی رسید ۔۔۔ رخت می بندد و بروں آید پلید
چوں بیاید ذکر حق اندر دہاں ۔۔۔ نے پلیدی ماند و نے آں دہاں

چوتھا فائدہ: ایمان و تقوی کی برکت سے آسمانی غیبی نعمتیں بھی ملتی ہیں اور زمینی ظاہری نعمتیں بھی۔ یہ فائدہ **برکات من السماء والارض** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** نبی کو جھٹلانا در حقیقت اللہ تعالیٰ، فرشتوں کتابوں سب ہی کو جھٹلانا ہے۔ یہ فائدہ **کذبوا** کے اطلاق سے حاصل ہوا یعنی انہوں نے سب کو جھٹلایا۔ **چھٹا فائدہ:** بغیر جرم و قصور کے خدا تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتا وہ رحیم و کریم بہت سے جرم تو معاف فرما دیتا ہے جب مجرم حد سے بڑھ جاتا ہے تب پکڑتا ہے یہ فائدہ **بما کانوا یکسبون** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** وہ رب کریم ایک دوبار کے جرم پر نہیں پکڑتا۔ عادی مجرم کو پکڑتا ہے جو اس کی مہربانی سے غلط فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ فائدہ کانوا یکسبون ماضی استمراری فرمانے سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** گناہوں کے باوجود نعمتیں ملنا عذاب ہے۔ تقوی و طہارت پر نعمتیں حاصل ہوں وہ رحمت الٰہی ہے۔ ابو جہل کی دولت عذاب تھی عثمان غنی کی دولت اللہ کی رحمت۔ یہاں ایمان و تقوی پر وعدہ ہے آسمانی و زمینی برکات عطا فرمانے کا مگر دوسری جگہ **فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیہم ابواب کل شیء** وہاں سرکش پر ہر چیز کے دروازے کھلنے کا ذکر ہے۔ یہ برکات رحمت ہیں وہ دروازہ کھلنا عذاب۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان و تقوی سے زمینی و آسمانی برکتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں مگر دیکھا یہ جا رہا ہے کہ اکثر متقی مومن پریشان حال رہتے ہیں بد عمل کفار مزے میں پھر یہ آیت کیونکہ درست ہوئی۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ فرمان عالی ان عذاب والی بستیوں کے لئے ہے کہ اگر وہاں کے باشندے بجائے نافرمانی کے اطاعت کریں تو ان پر بجائے عذاب کے رحمتیں نازل ہوتیں۔ یہ ہمیشہ کے لئے کلی قانون نہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر تو مومن متقی بن جاوے تو رب تعالیٰ تجھے درازئ عمر موت تک جوانی و سلطنت بخشے گا۔ ایمان و تقوی کے فوائد فرعون کے لئے تھے ہم سب کے لئے نہیں رب تعالیٰ اپنے نبیوں کی زبان کی لاج رکھتا ہے وہ کہتے ہیں رب کر دیتا ہے **لو اقسم علی اللہ لابرہ** یہ جواب اہل القری کی پہلی تفسیر کی بنا پر ہے دوسرے یہ کہ بندہ اس امتحان میں کامیاب ہو کر درجات عالیہ کا مستحق ہو۔ تیسرے یہ کہ مومن متقی کی دنیاوی تکالیف بھی آسمانی زمینی برکتیں ہیں کہ وہ بظاہر کڑوی ہوتی ہیں مگر ان کا پھل بہت میٹھا۔

منشیں ترش تو از گردش ایام کہ صبر ۔۔۔ گرچہ تلخ است و لیکن بر شیریں دارد

حضرت امام حسین کی کربلا والی مصیبتیں ان کے لئے اللہ کی رحمتیں تھیں ان چند روزہ مصیبتوں سے انہیں جو شان ملی وہ دنیا میں دیکھی جا رہی ہے اور انشاء اللہ قیامت و جنت میں دیکھی جاوے گی۔ **دوسرا اعتراض:** برکات کے لئے **فتحنا** کیوں ارشاد ہوا **اعطینا** کیوں نہ فرمایا اور فتحنا کے بعد علیہم کیوں فرمایا لہم کیوں نہ فرمایا وہ فرمانا موزوں ہوتا۔ **جواب:** قاعدہ ہے کہ جب کوئی چیز بہت زیادہ دینی ہوتی ہے تو اس چیز کے خزانہ کا دروازہ پورا کھول دیا جاتا ہے کہ جتنا چاہو لو۔ وہ ہی محاورہ یہاں استعمال ہوا

نیز جب بہت دیتا ہو اور ہر طرف سے دیتا ہو تو اوپر سے اس کی بارش کی جاتی ہے تاکہ جسم کی ہر سطح تر ہو جائے۔ رب فرماتا ہے **ففتحنا ابواب السماء بماء منهمر** غرضیکہ ان دونوں لفظوں سے رحمتوں و برکتوں کی بہتات بتانا مقصود ہے۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں برکات من السماء کیوں ارشاد ہوا رحمت کیوں نہ فرمایا گیا پھر برکات جمع کیوں ارشاد ہوا **جواب**: رحمت عام ہے برکت خاص۔ رحمت ہر وہ بندہ نوازی ہے جو بغیر معاوضہ کسی پر کی جاوے مگر برکت وہ رحمت ہے جو منگتے کے پاس سے جائے نہیں اس میں زیادتی ہو کمی نہ ہو۔ کفار کی نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں لہٰذا وہ برکتیں نہیں۔ مومن پر اللہ کی رحمتیں لازوال ہوتی ہیں لہٰذا برکتیں ہیں چونکہ برکات بہت قسم کی ہیں عمر میں برکت' اولاد' مال میں برکت' رزق میں برکت وغیرہ۔ اس لئے برکات ہمیشہ جمع ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ مومن عمر' اولاد' مال لازوال پاکر بھی ان سے نفع پاتا ہے۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں آسمانی برکتوں کا ذکر پہلے ہوا زمینی برکتوں کا بعد میں اس کے الٹا ہوتا تو اچھا ہوتا کہ زمین ہم سے قریب ہے آسمان دور۔ **جواب**: آسمانی برکتیں پہلے ہوتی ہیں زمینی برکتیں بعد میں بلکہ آسمانی برکتوں سے زمینی برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔ بارش ہو تو پیداوار ہوتی ہے اس لئے مقدم کا ذکر پہلے کیا گیا۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان و تقویٰ سے اللہ کی رحمتیں ملتی ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **فلما نسوا ما ذكروا به فتحنا عليهم ابواب كل شيء** جب کفار ہماری نصیحتیں بھول گئے تو ہم نے ان پر ہر نعمت کے دروازے کھول دیئے جس سے معلوم ہوا کہ کفر و معاصی پر نعمتیں ملتی ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا **لولا ان يكون الناس امة واحدة** اگر سارے ہی کافر نہ ہو جاتے تو ہم کافروں کو اتنا دیتے کہ ان کے زینے چاندی کے ہوتے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب دجال آوے گا تو اس کو مان لینے والے مالا مال ہو جاویں گے اور انکار کرنے والے یک دم فقیر ان آیات و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ وہاں لفظ برکات نہیں ابواب کل شیء ہے۔ بے شک انہیں دنیاوی عیش و آرام دے دیئے گئے جو ان کے لئے قہر الٰہی تھے تو وہ اور زیادہ غافل ہو گئے ان کے لئے برکتوں اور رحمتوں کے دروازے نہیں کھولے گئے تھے۔ دنیاوی سامان کی فراوانی اور شے ہے' رحمت یزدانی اور برکتیں اور چیز' ایمان و تقویٰ سے برکتیں عطا ہوتی ہیں۔ اسی لئے طریقہ بیان میں فرق ہے۔

تفسیر: اس آیت کریمہ میں ایمان و تقویٰ پر آسمانی و زمینی برکتوں کی عطا کا وعدہ ہے۔ ایمان کی روح نبی کو ماننا ہے کہ اس میں سب کچھ آجاتا ہے۔ ایمان و دین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حضور کے جسمانی حالات کا نام شریعت ہے۔ خیالی یعنی دلی حالات کا نام طریقت۔ روح پاک کے حالات کا نام حقیقت ہے' سر پاک کے حالات معرفت تقویٰ کی جان ہے ہر غافل کرنے والی چیز سے بچنا اور اپنی خودی سے ڈرنا جسے یہ دو نعمتیں مل جاویں اسے برکتیں عطا ہوتی ہیں وسعت رزق انسان کی نیک بختی ہے اگر شکر کی توفیق ہے ورنہ خدا کا عذاب۔ اسی لئے دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ ہم کافروں کو اتنا دیتے کہ **لجعلنا لمن يكفر بالرحمن لبيوتهم سقفا من فضة** یہ کثرت و فراوانی وہاں ہے یہاں ارشاد ہوا کہ اگر بندے میرے وعدوں پر بھروسہ کرتے میری مخالفت سے بچتے تو میں ان کو آسمانی رزق یعنی دلوں کا نور اپنے خاص کرم سے عطا فرماتا یہ نور گویا آسمانی برکتیں ہیں اور میں ان کے اعضاء ظاہری کو اپنی عبادات کی توفیق سے آراستہ کر دیتا کہ یہ زمینی برکتیں ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

در زمین و آسماں در ہائے جود   می کشائند از پئے اہل سجود

از زمین پر اطاعت باز کن بر سماء معرفت پرواز کن

مگر چونکہ ان لوگوں نے یہ دونوں کام نہ کئے لہٰذا ہم نے ان کی ان بد عملیوں کی وجہ سے قلب کے نور قالب کے تقویٰ سے محروم کر دیا یہ رب تعالیٰ کی سخت پکڑ ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جسمانی پیداوار میں آسمانی بارش۔ دھوپ ہوا کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور زمینی مٹی کھاد تخم کی بھی ضرورت۔ ان دونوں سے غذائیں حاصل ہوتی ہیں یوں ہی ہمارے نفس گویا اعمال کی زمین ہیں۔ حضور انور کی نگاہ کرم گویا آسمانی بارش ان دونوں کے ذریعہ شرعی اعمال کے کھیت اور طریقت کے باغ لگتے ہیں بشرطیکہ ایمان کی ہوائیں لگیں۔

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآىٕمُوْنَ ﴿۹۷﴾
کیا پس مطمئن ہو گئے بستیوں والے یہ کہ آ لے ان کو عذاب ہمارا رات میں حالانکہ وہ سوتے ہوں ؞
کیا بستیوں والے نہیں ڈرتے کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آئے جب وہ سوتے ہوں ؞ یا بستیاں والے
اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّ هُمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾
کیا اور مطمئن ہو گئے بستیوں والے یہ کہ آئے ان کو عذاب ہمارا حالانکہ وہ کھیلتے ہوں ؞ کیا پس وہ
نہیں ڈرتے کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آئے جب وہ کھیل رہے ہوں کیا اللہ کی خفی
اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِۚ فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۠ ﴿۹۹﴾
مطمئن ہو گئے اللہ کی تدبیر سے پس نہیں مطمئن ہوتے اللہ کی تدبیر سے مگر نقصان والی قوم ؞
تدبیروں سے بے خبر ہیں۔ تو اللہ کی خفی تدبیروں سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے ؞

ع ۲

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں گزشتہ کافر قوموں کے عذابوں کا ذکر ہوا اب حضور انور کے زمانہ کے کفار کو اللہ کی پکڑ سے ڈرایا جارہا ہے گویا اگلوں کے عذاب کے بعد پچھلوں کو عبرت دلائی جارہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں گزشتہ قوموں پر عذاب آنے کا ذکر تھا اب اس عذاب کی وجہ کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے بے خوفی اس امن پر تاکہ لوگ رب سے خوف کریں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ کے مختلف عذابوں کا ذکر ہوا اب نوعیت عذاب کا ذکر ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ ہم عذاب کی اطلاع دے کر عذاب بھیجیں ہو سکتا ہے کہ رات کی نیند دوپہر کے کھیل کود کے وقت ہی عذاب اچانک آجاوے۔

تفسیر: **افامن اهل القرى** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے لہٰذا اس کی ف عاطفہ نہیں بعض نے فرمایا کہ یہ فرمان عالی کسی پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے بعض نے فرمایا کہ یہ **اخذنهم بغتة** پر معطوف ہے ان دونوں صورتوں میں ف عاطفہ ہے (معانی) یہ سوال یا تعجب دلانے کے لئے ہے یا اظہار عتاب کے لئے' ظاہر یہ ہے کہ **قری** سے مراد وہ تباہ شدہ بستیاں ہیں اور اہل قری سے مراد مذکورہ بالا ہلاک شدہ قومیں اس صورت میں یہ سوال تعجب دلانے کے لئے ہے یعنی کیا ان بستیوں کے باشندے مطمئن ہو

گئے تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ قری سے مراد مکہ معظمہ اور اس کے آس پاس کی بستیاں ہوں جیسے طائف 'رابغ وغیرہ جن کو حضور انور تبلیغ فرماتے تھے اور وہ لوگ اطاعت نہیں کرتے تھے یعنی کیا یہ واقعات سننے کے باوجود ان بستیوں کے باشندے مطمئن ہیں۔ جب ان نبیوں کے جھٹلانے پر عذاب آگیا تو کیا سید الانبیاء کے جھٹلانے پر عذاب نہ آوے گا لہذا اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں (معانی ۔ خازن وغیرہ) **ان یاتیھم باسنا بیاتا** یہ فرمان عالی **امن** کا مفعول ہے یا اس سے پہلے من پوشیدہ ہے **یاتی** میں آنا عام ہے خواہ غیبی طریقہ سے ہو جیسے زلزلہ یا پتھر برسانا چیخ سے فنا ہو جانا یا ظاہری اسباب کے ماتحت جیسے ہاتھی فیل وغیرہ سے ہلاکت۔ باس وہ تکلیف جو انسان کا منہ بگاڑ دے اب محاورہ میں عذاب کو باس کہتے ہیں یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں **بیاتا** "یا تو مصدر ہے تو یہاں وقت پوشیدہ ہے اور یہ **یاتی** کا ظرف ہے یعنی ان کی شب باشی کے وقت یا بیاتا" جمع ہے بائت کی ۔ بمعنی **بائتین** تو یہ یاتی کے مفعول **ھم** سے حال ہے یعنی جس حال میں وہ لوگ رات میں آرام کر رہے ہوں (معانی) **وھم نائمون** یہ عبارت یاتی کے مفعول سے حال ہے اگر بیاتا" بھی حال تھا تو یہ دوسرا حال ہے یعنی حال متماثلہ اور ہو سکتا ہے کہ بیاتا" سے حال ہو تو حال متداخلہ ہے جیسا کہ علم نحو رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ خیال رہے کہ **بیتوتت** یعنی شب گزاری اور چیز ہے اور سونا دوسری چیز۔ لہذا ان دو لفظوں میں تکرار نہیں ۔ رات کو انسان کچھ وقت میں کھاتا پیتا ہے کچھ وقت باتیں کرتا ہے۔ عیاش لوگ کچھ دیر بدمعاشیاں کرتے ہیں یہ سب کام شب گذاری میں داخل ہیں بعض لوگ رات کو نوکری کی ڈیوٹی دیتے ہیں بعض سفر کرتے ہیں مگر سونا ایک ہی کام کا نام ہے اگرچہ انسان دوپہر میں بھی سوتا ہے مگر کوئی کوئی وہ بھی عارضی طور پر۔ نیند کا اصل وقت رات ہے جیسے بعض لوگ رات میں مزدوری کرتے ہیں مگر عارضی۔ معاش کمانے کا اصل وقت دن ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **وجعلنا النھار معاشا** لہذا یہاں نائمون فرمانا نہایت ہی موزوں ہے **او امن اھل القری** اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے چونکہ یہاں ترتیب بتانا مقصود نہیں لہذا یہاں ف نہ آئی بلکہ واؤ ارشاد ہوا یہاں بھی اہل قری سے مراد یا تو مکہ طائف والے ہیں یا انہیں اجڑی ہوئی مذکورہ بستیوں کے باشندے۔ **اھل** اسم جنس ہے جو ایک اور بہت سب پر بولا جاتا ہے۔ اس عبارت میں بھی ہمزہ سوال کے لئے ہے اور سوال تعجب دلانے یا اظہار غضب کے لئے۔ بعض قراءتوں میں واؤ کے سکون سے تب یہ پورا لفظ حرف عطف ہے اور اس کا مقصود دو چیزوں کو تردید کے ساتھ بیان فرمانا ہے **ان یاتیھم باسنا ضحی** ہم ابھی یاتیھم اور باسنا کی تفسیر عرض کر چکے ہیں۔ ضحی بنا ہے ضحوۃ سے ضحوۃ کہتے ہیں سورج کی تیز روشنی کو۔ اس کی سیدھی شعاعوں کو۔ اب محاورہ میں اس وقت کو ضحوۃ کہتے ہیں۔ جب روشنی سورج کی تیز ہو جاوے اور شعاعیں سیدھی پڑنے لگیں یعنی دن چڑھے یا دوپہر وہی معنی یہاں مراد ہیں (بیان 'معانی 'خازن) **وھم یلعبون** یہ عبارت **یاتیھم** کی ضمیر جمع مذکر سے حال ہے ھم سے مراد وہی کفار ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے لعب اور لہو دونوں کے معنی ہیں کھیل کود مگر ان میں کچھ فرق ہے جو ہم ساتویں پارے میں عرض کر چکے ہیں کہ بیکار مشغلہ کو لہو کہتے ہیں اور نقصان دہ مشغلہ کو لعب یا برعکس اس کے ہے **لعبہ** ۔ بمعنی کھلونا۔ یہاں لعب سے مراد یا تو ان کے دنیاوی مشغلے ہیں تجارتی کاروبار وغیرہ جس میں مشغول ہو کر وہ رب تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہیں یا ان کے کفر و عناد کے مشاغل مراد ہیں جو ان کے لئے دنیا و آخرت میں مضر ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی زیادہ غفلت کے دو وقت ہیں رات اور دوپہر۔ رات میں سونا۔ دوپہر میں کاروبار 'اسی لئے ان دو وقتوں کا ذکر کیا۔ مقصود یہ ہے کہ ہم ان پر عذاب ایسے وقتوں میں

بھیں جب کہ یہ بالکل غافل ہوں یا رات کو جب یہ سو رہے ہوں یا دن چڑھے جب یہ اپنے کاروبار میں لگے ہوں چونکہ رات میں قریباً" سب لوگ ایک ہی کام کرتے ہیں یعنی سونا اس لئے وہاں نائمون ارشاد ہوا اسم فاعل مگر دن دوپہر میں مختلف لوگ مختلف کام کرتے ہیں بلکہ ایک آدمی ہی کبھی کچھ کرتا ہے کبھی کچھ اس کے لئے **یلعبون** مضارع ارشاد ہوا جو تجدد چاہتا ہے **افامنوا مکر اللہ** یہ نیا جملہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے خاص غضب کا ذکر ہے مکر کے لغوی معنی ہیں خفیہ تدبیر مگر عام محاورہ میں دھوکہ فریب کو مکر کہا جاتا ہے یہاں لغوی معنی میں ہے فرماتا ہے **مکروا و مکر اللہ** اس آیت میں پہلا مکر بمعنی دھوکہ فریب ہے' دوسرا مکر بمعنی خفیہ تدبیر ہے کہ اللہ تعالیٰ دھوکہ فریب سے پاک ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مکر کے معنی ہیں دھوکہ۔ بندے کا مکر ہے دھوکہ دینا یہ عیب ہے رب کا مکر یہ ہے کہ کسی بندے کا اس کی نعمت سے دھوکہ کھانا یہ رب کی صفت کمال ہے بندہ کا عیب۔ یہاں مکر سے مراد یا تو بے خبری میں عذاب دینا ہے تو یہ پچھلے مضمون کی شرح ہے یا انہیں باوجود کفر و گناہ کے نعمتیں عطا فرمانا ہے۔ اولاد' مال' آبرو وغیرہ یا انہیں ڈھیل دینا مراد ہے کہ عرصہ دراز تک کفر و گناہ کریں مگر عذاب نہ آئے **فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخسرون** یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے **اذا کان استدراجہ علی ھذا** (روح البیان) اسی صورت میں یہ ف جزائیہ ہے بعض نے فرمایا کہ یہ عبارت ایک پوشیدہ عبارت کی علت ہے تب ف علیلیہ ہے یعنی یہ کفار بڑے خسارہ والے ہیں کیونکہ یہ اللہ کی ڈھیل سے مطمئن ہیں چونکہ لفظ قوم لفظاً" واحد ہے مگر معنی جمع اس لئے اسکی صفت خاسرون جمع ارشاد ہوئی۔ خسارہ اور نقصان کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں گنہگار مومن اگرچہ نقصان اپنا کرتا ہے کہ اپنی زندگی کی قیمتی گھڑیاں گناہوں میں صرف کرتا ہے مگر بفضلہ تعالیٰ خسارہ میں یعنی ٹوٹہ میں نہیں کہ ایمان پر ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے لوگو! مذکورہ قوموں کی ہلاکت کے واقعات سن چکے تو کیا عرب کی بستیوں والوں کو اللہ سے امن ہے کیا وہ اس سے مطمئن ہیں کہ رات کے وقت جب وہ سو رہے ہوں تب ان پر ہمارا عذاب اچانک آجاوے یا جب یہ بستیوں والے دن دوپہر اپنے دنیاوی کاروبار اور اپنی خرافات میں مشغول ہوں اور ان کو عذاب آنے کا وہم و گمان بھی نہ ہو تب انہیں ہمارا عذاب آ دبوچے۔ کیا یہ لوگ ہماری تدبیروں سے امن میں ہیں وہ ہماری دی ہوئی نعمتوں سے دھوکہ کھا رہے ہیں یا ہماری ڈھیل سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں یقین کرو کہ ہماری تدبیروں سے امن میں اور ہم سے بے خوف وہی لوگ ہوتے ہیں جو بالکل خسارہ میں ہیں ابھی وقت ہے آنکھیں کھول لیں گذشتہ قوموں کے واقعات سے عبرت حاصل کرو۔ خیال رہے کہ بعض بندے وہ ہیں جو دن میں جاگتے ہوں تب بھی سوتے ہیں بعض خوش نصیب بندے وہ ہیں کہ جو رات میں سوتے ہوئے بھی بیدار رہتے ہیں غرضیکہ آنکھ کی نیند اور ہے دل کا سونا کچھ اور

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** دل سے رب تعالیٰ کا خوف نکل جانا اس کے جلال کی ہیبت جاتی رہنا کفر پر خاتمہ کی دلیل اور عذاب الٰہی آنے کی علامت ہے۔ یہ فائدہ افامن سے حاصل ہوا اس کے برعکس دل میں خوف خدا انشاء اللہ خاتمہ بالخیر ہونے اور اللہ تعالیٰ کے خاص کرم کی علامت ہے جن حضرات سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ مغفرت فرما لیا جیسے حضرات صحابہ کرام خصوصاً" عشرہ مبشرہ ان کے دلوں میں خوف الٰہی دوسروں سے زیادہ تھا جناب صدیق اکبر کو رب تعالیٰ نے اتقی فرمایا مگر وہ یہ ہی عرض کرتے تھے الٰہی میرا کیا بنے گا میرے پاس کوئی نیک عمل ہے ہی نہیں یہ ہے خوف خدا۔ رب تعالیٰ

اس خوف کا ذرہ ہم کو بھی عطا فرمادے آمین! یہ خوف رب تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے دل بریاں چشم گریاں نصیب ہو۔

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے دل مرتضےٰ سوز صدیق دے

دوسرا فائدہ: اکثر عذاب الٰہی لوگوں کی غفلت کے وقت آتا ہے جب انہیں اس کا وہم و گمان بھی نہیں۔ یہ فائدہ **بیاتا**" اور **ضحیٰ**" سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ**: مومن کامل نہ سوتے میں رب سے غافل ہوتا ہے نہ کاروبار کرتے ہیں نہ کھاتے پیتے میں اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ دل بہ یار دست بہ کار۔ یہ فائدہ **نائمون** اور **یلعبون** کے ساتھ **هم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہ دونوں ضمیریں کفار کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ **چوتھا فائدہ**: کافر کا ہر کام لہو و لعب یعنی کھیل کود ہے اگرچہ وہ کاشول روپیہ کمارہا ہو مگر کھیل رہا ہے کیونکہ اس کے مشاغل کا نتیجہ کچھ نہیں۔ مومن کا ہر کام حتیٰ کہ سونا جاگنا کھانا پینا بھی عالی ہے کہ اس کے نتیجے اس کے لئے اچھے ہیں۔ **پانچواں فائدہ**: انسان کو چاہئے کہ راحت و تکلیف ہر چیز میں غور کرے کہ یہ کیوں آئی یہ خدا کی طرف سے **مکر** یعنی خفیہ تدبیر نہ ہو یہ فائدہ **فلا یامن مکر اللّٰه** سے حاصل ہوا۔ بعض صحابہ اپنے زیادہ مال و دولت دیکھ کر روتے تھے کہ ہم کو یہ آرام کیوں ہے یہ علامات بیدار دل کی رب تعالیٰ نصیب کرے۔ **چھٹا فائدہ**: جن لوگوں سے رب تعالیٰ نے عذاب نہ دینے کا وعدہ فرمالیا ہو انہیں بھی رب سے خوف اس سے ہیبت چاہئے کہ اس خوف پر ایمان کا دارومدار ہے، اس سے امن کفر ہے۔ دیکھو کفار مکہ کے متعلق وعدہ الٰہی ہو چکا کہ **ماكان اللّٰه ليعذبهم وانت فيهم** آپ کے ہوتے ہم ان کو عذاب نہ دیں گے مگر پھر بھی ان ہی لوگوں پر عتاب ہے کہ یہ لوگ عذاب سے مطمئن کیوں ہو گئے ان کے دل سے ہماری ہیبت کیوں نکل گئی دیکھو حضرات انبیاء کرام اور بعض صحابہ سے وعدہ جنت ہو گیا مگر ان کے دلوں میں اس وعدے کے بعد اور زیادہ خوف خدا ہو گیا الغرض امن اس سے بے خوف ہو جانا بہر حال کفر ہے یہ بات خوب خیال میں رکھی جائے رب کے وعدے پر یقین اور چیز ہے مگر اس سے بے خوفی دوسری چیز حضور ﷺ بادل دیکھ کر بھی خوف کرتے تھے۔ یہ خوف ہیبت کا تھا رب کی وعدہ خلافی کا اندیشہ ہرگز نہ تھا **ساتواں فائدہ**: اچانک موت خدا تعالیٰ کا عذاب ہے یہ فائدہ **وهم نائمون** اور **یلعبون** سے حاصل ہوا۔ اچانک موت وہ ہے جس کی پہلے سے تیاری نہ ہو۔ بیماری کا اعتبار نہ ہو۔ دیکھو حضرت موسیٰ و سلیمان علیہم السلام کی وفات بغیر بیماری کے ہوئی۔ **آٹھواں فائدہ**: جو چیز رب سے غافل کرے وہ کھیل کود ہے یہ فائدہ **وهم یلعبون** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے کفار کے ہر عمل کو کھیل کود فرمایا۔

اعتراضات: **پہلا اعتراض**: **او امن** میں اگر واؤ عاطفہ ہے تو نحوی قاعدہ سے درست نہیں کیونکہ واؤ عاطفہ پر ہمزہ استفہام نہیں آسکتا یہاں ہمزہ بھی ہے اور واؤ بھی۔ **جواب**: یہ نحوی قاعدہ مفرد کے عطف میں ہے مگر جملہ کے عطف میں ہمزہ استفہام اور واؤ عاطفہ جمع ہو سکتے ہیں۔ یہاں دوسری صورت ہے یعنی جملہ کا جملہ پر عطف ہے (تفسیر مدارک) جس قراءت میں او واؤ کے جزم سے ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ پھر او عاطفہ ہے ہمزہ استفہام ہے ہی نہیں۔ **دوسرا اعتراض**: یہ بات تو بالکل ظاہر تھی کہ کفار مکہ عذاب الٰہی سے بے خوف تھے پھر اس کے پوچھنے میں کیا حکمت ہے۔ رب تعالیٰ پوچھنے سے پاک ہے کہ بے علم پوچھتا ہے۔ **جواب**: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس سوال کا مقصد پوچھنا دریافت کرنا نہیں ہے بلکہ بندوں کو تعجب دلانا ہے یا کفار پر اظہار غضب۔ سوال کے بہت مقصد ہوتے ہیں۔ **تیسرا اعتراض**: اگر یہاں روئے سخن کفار مکہ سے ہے تو ان پر

عذاب آسکتا ہی نہیں وعدہ الٰہی ہو چکا۔ کفار کو اس کا یقین تھا پھر اس یقین پر عتاب کیوں فرمایا گیا۔ اللہ سچا اس کے وعدے سچے۔ **جواب:** یقین پر عتاب نہیں بلکہ امن اور بے خوفی پر عتاب ہے جیسا کہ ابھی فوائد میں عرض کیا گیا کہ رب تعالیٰ کے وعدہ کے باوجود اس سے ہیبت و خوف چاہیے۔ رب تعالیٰ کے وعدوں پر بھروسہ اور یقین ضرور چاہیے مگر بے خوفی نہ چاہیے۔

مسئلہ: خوف خدا کی چند صورتیں ہیں اس کی پکڑ کا خوف۔ یہ ہم گنہگاروں کو ہے حضرات انبیاء و بعض اولیاء اس سے بری ہیں جن سے وعدہ مغفرت ہو چکا۔ رب کی وعدہ خلافی کا خوف یہ کفر ہے۔ رب تعالیٰ کی ہیبت' یہ ہر بندہ کو چاہیے بلکہ جتنا درجہ بڑا اتنی ہی ہیبت زیادہ۔ اللہ کا خوف مگر صرف زبانی کہ عمل اس کے خلاف ہو' یہ محض بے فائدہ ہے۔ یہ خوف تو شیطان کو بھی ہے۔ اس نے کہا **انی اخاف اللہ** مگر اس زبانی خوف سے وہ مومن نہیں ہو گیا۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں عذاب کے لئے دو وقت ہی کیوں مقرر فرمائے گئے۔ سونے کا وقت رات میں۔ دوپہر کا وقت دن میں کیا اور وقت عذاب نہیں آسکتا **جواب:** اس لئے کہ یہ وقت عموماً" غفلت کے ہوتے ہیں اور غفلت میں عذاب بہت سخت محسوس ہوتا ہے۔ حکومتیں آنے والے سیلابوں' زلزلوں وغیرہ کی خبریں پہلے سے دے دیتی ہیں کہ علامات سے معلوم ہو رہا ہے کہ زلزلہ یا سیلاب آنے والا ہے تاکہ لوگ تیاری کر لیں' بچاؤ کا انتظام کر لیں ان پر یہ مصیبتیں زیادہ دشوار نہ ہوں۔ **پانچواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ مکر وغیرہ سے پاک ہے کہ یہ تو بدترین عیب ہے پھر یہاں مکر اللہ کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** اس کا جواب بہت پہلے تفصیل سے پہلے پارہ میں **یخدعون اللہ** کی تفسیر میں گزر چکا کہ ان جیسی آیات میں مکر ' معنی دھوکا فریب نہیں ہوتا بلکہ ' معنی خفیہ تدبیر ہوتا ہے کہ بندہ جرم کرے' اس کو نعمتیں ملیں یا اس کی پکڑ نہ ہو مہلت ہے یہ عیب نہیں بلکہ عیب داروں کی پکڑ ہے۔

تفسیر صوفیانہ: غافل کافر کی زندگی کا خلاصہ ہے کھانا' کھیلنا' کمانا' کمانا' اس کی زندگی ایک شعر میں مذکور ہے۔

کیا کہیں احباب کیا کار نمایاں کر گئے　　　بی اے کیا نوکر ہوئے پنشن ملی اور مر گئے

یہ زندگی اللہ کا عذاب ہے۔ محنت سے جوڑنا' حسرت سے چھوڑنا اس کی زندگی ہے انہیں عیوب کا ان آیات میں ذکر ہے۔ رات میں سونا **وھم نائمون** دن میں کھیلنا **وھم یلعبون**۔

دن لہو میں کھونا تجھے شب نیند بھر سونا تجھے
خوف خدا شرم نبی یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

جب انسان حد سے آگے بڑھتا ہے تو اس میں خدا تعالیٰ سے بے خوفی پیدا ہو جاتی ہے کہ اللہ کی دی ہوئی ڈھیل سے غلط نتیجہ نکالتا ہے وہ اس ڈھیل میں اور زیادہ گناہ کرتا ہے اس کا ذکر ہے **فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخسرون** یہ مرض لاعلاج ہوتا ہے وہ اس مہلت کو برے کاموں میں صرف کرتا ہے ایسے لوگ بالکل خسارہ میں رہتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں امن آخرت کی بے امنی کا ذریعہ ہے۔ دنیا میں بے خوفی آخرت کا خوف ہے۔ دنیا کا چین و سکون آخرت کی بے چینی بے قراری ہے اس کے برعکس دنیا میں خوف آخرت میں بے خوفی کا ذریعہ ہے۔ دنیا میں دل کی بے قراری آخرت کا قرار ہے۔ دنیا میں خوف سے رونا آخرت میں ہنسنے کا ذریعہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے خنک چشمے کہ او گریان اوست　　　اے ہمایوں دل کہ آن بریان اوست

لذ پس ہر گریہ آخر خندہ ایست　　　مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

ہر رونے کے بعد انشاء اللہ ہنسنا خوش ہونا ہے۔ مبارک ہے وہ بندہ جو انجام پر نظر رکھے' جیسے بادل کا رونا چمن کے سبزہ کا پیش خیمہ ہے ایسے ہی خوف خدا' عشق رسول میں رونا چمن ایمان کے لہلہانے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ان آیات میں رب نے کافر کے شب و روز کی زندگیوں کی جھلک دکھائی ہے کہ رات میں سونا' دن میں کھیلنا ان کی زندگی ہے اے مسلمان تیری زندگی ایسی نہ ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ سونا بھی تین قسم کا ہے۔ آنکھ کا سونا' دل کا سونا' نصیب و قسمت کا سونا' اس کے مقابل جاگنا بھی تین طرح کا ہے' آنکھ کا جاگنا' دل کا جاگنا' مقدر و قسمت کا جاگنا' جگانے والے بھی تین طرح کے ہیں۔ آنکھ کو جگانے والے تین ہیں۔ سورج کا طلوع' رات میں خاص تکلیف جو سونے نہ دے' کسی بیدار کی آواز۔ دل جگانے والی بھی تین چیزیں ہیں۔ دنیاوی مصیبت و تکلیف' کسی جاگتے دل والے کی صحبت' یا اللہ کی رحمت کہ انسان پیدائشی دل کا بیدار ہو جیسے حضرت رابعہ بصریہ کہ چار برس کی عمر میں آپ چولہے میں آگ جلتے دیکھ کر روتی تھیں کہ کہیں میں وہ تنکا نہ ہوں جس سے اولا" آگ روشن کی جاتی ہے تقدیر جگانے والی ایک اور صرف ایک چیز ہے یعنی اللہ کے حبیب کی نگاہ کرم' آسمان کا سورج سوتی آنکھ جگاتا ہے نبوت کے آسمان کا سورج (ﷺ) سوئی تقدیر جگاتے ہیں۔

مری بگڑی ہوئی حالت بنا دو مری سوئی ہوئی قسمت جگا دو

یہ تو مومن و کافر کے سونے میں فرق ہے۔ رہی بیداری اس میں بھی فرق ہے کہ کافر کی بیداری کے سارے اعمال عادات ہیں لہذا مضر یا بیکار ہیں اور مومن کے سارے کام عبادات ہیں مفید ہیں۔ پلاؤ کے سارے اجزاء بغیر پکائے ہوئے پلاؤ نہیں بنتے جو کچے چاول پھانکے کچا گوشت کھائے بیمار ہو جائے جب اس کے اندر پانی پڑتا ہے اور باہر یعنی چولہے میں رہ کر آگ اثر کرتی ہے تو اس کا نام پلاؤ ہوتا ہے۔ یوں ہی مومن کے اعمال میں اتباع رسول کا پانی پڑتا ہے اور عشق رسول کی آگ جو دل میں روشن ہے وہ اثر کرتی ہے تو وہ اعمال عبادات بن جاتے ہیں اور مفید آگ دور رہ کر تاثیر دکھاتی ہے کہ دیگ میں سامان چولہے میں آگ۔ یوں عشق رسول کی آگ اعمال سے دور رہ کر رنگ دکھاتی ہے کہ اعضاء بدن میں اعمال اور دل میں سوز و گداز ہوتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر فانی چیز کھیل کود ہے اور ہر باقی رہنے والی چیز کو ہر بے مثل ہے نفسانی چیزیں فانی ہیں' ربانی چیزیں باقی۔ رب تعالیٰ ہماری زندگی کے ہر شعبہ کو ربانی بنائے آمین۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ

اور کیا نہ راہبری کی ان لوگوں کی جو وارث ہوتے ہیں زمین کے پیچھے اس کے مالکوں کے یہ کہ اگر ہم

اور کیا وہ جو زمین کے مالکوں کے بعد اس کے وارث ہوئے انہیں اتنی ہدایت نہ ملی کہ ہم چاہیں تو انہیں

بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝١٠٠

چاہیں تو پہنچائیں ہم ان پر بوجہ گناہوں کے انکے اور مہر کر دیں اوپر دلوں کے انکے پس وہ نہ سنتے ہوں ۞

ان کے گناہوں پر آفت پہنچا دیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر کرتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں سنتے ۞

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں گزشتہ کافر قوموں کے عذاب ان کی ہلاکت کا ذکر ہوا۔ اب اس ذکر کی حکمت کا تذکرہ ہے کہ یہ واقعات ان موجودہ کافروں کی ہدایت کے لئے بیان کئے گئے یہ لوگ عبرت پکڑیں اور ایمان لائیں (تفسیر کبیر) **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ اللہ پر امن اور اس سے بے خوفی رب تعالیٰ کے غضب کی علامت ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اسی عقیب میں موجودہ کفار گرفتار ہیں گویا ایک قانون کلی بیان فرمانے کے بعد اس قانون کو موجودہ کفار پر منطبق فرمایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں گزشتہ کفار کی ہلاکت کا ذکر تھا اب ان موجودہ کفار کے اندیشہ کا ذکر ہے کہ ہم عذاب پر قادر رہتے بھی اور ہیں بھی کہ ان کو بھی ہلاک کر سکتے ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ لوگ گزشتہ قوموں کے عذابوں کو سن کر عبرت نہیں پکڑتے۔ اب ارشاد ہے کہ یہ لوگ آئے ہوئے عذابوں کے آثار دیکھ کر بھی عبرت نہیں پکڑتے گویا پہلے ان کے سننے کی کیفیت کا ذکر تھا اب ان کے دیکھنے کی کیفیت کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: اولم یھد یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس میں الف تو سوال کا ہے اور واؤ ابتدائیہ۔ **اولم** کے متعلق ابھی پچھلی آیت میں عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ سوال یا اظہار غضب کے لئے ہے یا سننے والے کو تعجب دلانے کے لئے کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ لوگوں کی تکالیف سے عبرت پکڑتا ہے اور اس سے بچاؤ کی تدبیریں سوچتا ہے وبا پھیل جائے تو اس سے بچنے کی ہزار ترکیبیں کرتا ہے حتی کہ وباوالے کے پاس نہیں جاتا **یھد** بنا ہے ہدایۃ سے۔ یہ لازم بھی آتا ہے متعدی بھی یعنی ہدایت پانا ہدایت دینا ہدایت کے معنی اس کے اقسام پہلے پارہ میں **اهدنا الصراط المستقیم** کی تفسیر میں عرض کئے جاچکے ہیں **للذین یرثون الارض** یہ عبارت متعلق ہے **لم یھد** کے چونکہ یہاں ہدایۃ میں ظاہر ہونے کے معنی کا لحاظ ہے اس لئے **للذین** میں لام آگیا ورنہ ہدایۃ کے پہلے مفعول پر لام یا الی وغیرہ نہیں آتا۔ **الذین** سے مراد وہ کفار مکہ ہیں جو دن رات حضور انور کی مخالفت میں سرگرم عمل رہتے تھے یہ ہی قوی ہے۔ **یرثون** بنا ہے وراثت سے جس کے معنی ہیں مرنے کے بعد اس کے مال کا مالک ہونا قرابۃ کی وجہ سے **الارض** سے مراد زمین مکہ اور اگر الذین سے مراد عام کفار ہوں تو ارض سے مراد ساری زمین ہوگی جو وراثۃ پچھلوں کو ملے **بعد اهلها** یہ عبارت ظرف ہے **یرثون** کا۔ **اهل** سے مراد اس زمین کے گزشتہ مالکین یا گزشتہ باشندے ہیں۔ **ها** کا مرجع **الارض** ہے یعنی وہ کفار عرب یا تمام جہان کے کفار جو گزشتہ اپنے باپ دادوں کے بعد ان کی موت کے بعد یا ان کی ہلاکت کے بعد ان کی زمین کے وارث ہو گئے کیا انہیں ہدایت نہ ملی ان کی ہلاکت و موت سے ان لوگوں پر یہ بات ظاہر نہ ہوئی کہ **ان لو نشاء اصبنهم بذنوبهم** یہ عبارت **یھد** کا فاعل ہے اس میں ان اصل میں **انه** تھا۔ ہ کو حذف کر کے **ان** کا شد دور کردیا۔ **اصبنا** بنا ہے **اصابته** سے بمعنی پہنچانا مراد ہے موت پہنچانا یا عذاب پہنچانا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ ان دونوں کو شامل ہے یعنی آفت پہنچانا کیونکہ کافر کی موت بھی آفت ہوتی ہے۔ مومن کی موت رحمت۔ **بذنوب** میں ب سببیہ ہے۔ **ذنوب** جمع ہے ذنب کی بمعنی گناہ خواہ ظاہری گناہ ہو یعنی بد عملی یا باطنی گناہ یعنی بد عقیدگی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دراصل **بجزاء ذنوبهم** تھی۔ جزاء مضاف پوشیدہ کردیا گیا (معانی) یعنی اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی ان کے کفر و گناہ کی وجہ سے آفت میں مبتلا کردیں کہ موت دیدیں یا عذاب۔ ہم قادر مطلق ہیں۔ خیال رہے کہ اس عبارت کی نحوی ترکیبیں اور بھی کی گئی ہیں یہ ترکیب آسان بھی ہے اور واضح بھی۔ بعض قراتوں میں **نهد** ہے نون سے پھر اس فرمان عالی کا مطلب ہی کچھ اور ہوگا

ونطبع علی قلوبھم اس عبارت کی نحوی ترکیبیں بہت ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ معترضہ ہے نیا ہے اور اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اس صورت میں **فھم لا یسمعون** معطوف ہے **اصبناھم** پر اور ہو سکتا ہے کہ **ونطبع** سے لے کر **لا یسمعون** تک ایک ہی جملہ ہو۔ یہ معترضہ نہیں اور بعض نے فرمایا کہ یہ جملہ **ان لو نشاء** پر معطوف ہے اور **یھد** کا فاعل ہے (تفسیر خازن و روح المعانی) غرضیکہ اس کی تین تفسیریں ہیں اور تین ترکیبیں۔ **نطبع** بنا ہے۔ **طبع** سے بمعنی چھپنا' مہر لگانا' اس کی تفسیر ہم پہلے پارہ میں **ختم اللہ علی قلوبھم** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ طبع' ختم اور رین میں قدرے فرق ہے۔ کفار کے لئے قرآن مجید میں یہ تینوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ **فھم لا یسمعون** اس کی نحوی ترکیبیں ابھی ابھی عرض کی جا چکی ہیں۔ اس جملے کے بہت معنی ہیں۔ آسان معنی یہ ہیں کہ ہم ان کفار کے دلوں پر کفر و عناد اور غفلت کی مہر لگا دیتے ہیں لہذا وہ لوگ ان مذکورہ واقعات' آپ کی تبلیغ کو سنتے ہی نہیں پھر ان کی ہدایت کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ آپ ان کے ہدایت پر نہ آنے سے غم نہ کریں۔

خلاصہ تفسیر: ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں۔ ہم آسان اور واضح تفسیر عرض کرتے ہیں یہ کفار گزشتہ ہلاک شدہ اور فوت شدہ لوگوں کی بستیوں مکانات کے وارث بن کر انہیں استعمال کرتے ہیں۔ کیا انہیں یہ ہدایت نہ ملی کہ اگر ہم چاہیں تو گزشتہ کفار کی طرح جو ان کے مورث تھے جن کی زمینوں میں آباد ہیں انہیں بھی آفات میں مبتلا کر دیں ان پر عذاب نازل فرما دیں ان کے دلی اور جسمانی گناہوں کی وجہ سے یعنی ان کے کفر و عناد کی وجہ سے کیونکہ پچھلی قومیں بھی کفر و عناد کی وجہ سے ہی ہلاک کی گئیں یہ بھی انہی بیماریوں میں مبتلا ہیں اے محبوب ﷺ ہم ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر غفلت کی مہر لگا دیتے ہیں اس لئے وہ ان مذکورہ عذابوں کی آیتیں آپ کے فرمان قبول کے کان سے سنتے ہی نہیں لہذا ان کے کافر رہنے پر غم نہ کریں۔ آپ کی تبلیغ میں کوئی کوتاہی نہیں۔ قصور ان کے اپنے اندر ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** متروکہ جائیدادوں مکانات سے عبرت پکڑنا ضروری ہے کہ جیسے یہ چیزیں ہمارے مورثوں کے پاس نہ رہیں' ان کے بعد ہم مالک ہو گئے ایسے ہی ہمارے پاس نہ رہیں گی۔ ہمارے بعد کوئی اور مالک ہو گا تاکہ دل میں غرور اور غفلت پیدا نہ ہو۔

چنانکہ دست بدست آمد است ملک بما　　　بدست دگراں ہم چناں بخواہد رفت

حکایت: ایک شخص شیر کی کھال کی پوستین پہنے ہوئے بہت فخر سے اکڑتا ہوا جا رہا تھا ایک اللہ والے نے کہا کہ جب یہ کھال اس کے جسم پر نہ رہی جس کی کھال ہے تو تیرے جسم پر کیسے رہے گی اس عارضی چیز پر کیوں اتراتا ہے یہ فائدہ **یرثون** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** دوسروں کی موت سے عبرت نہ لینا' برابر گناہوں میں مشغول رہنا۔ غفلت دل کی علامت ہے۔ یہ غفلت ہی تمام گناہوں کی اصل ہے اس لئے زیارت قبور سنت ہے کہ زائر عبرت پکڑے۔

جا کے گورستاں میں دیکھو عجب صورت کے حال　　　کیسے کیسے ماہ رو واں ہو رہے ہیں پائمال
کیسے حسیں کی قبر پر کانٹوں کی باڑ ہے　　　وہ پھول سا بدن وہ نزاکت کہاں گئی

یہ فائدہ بھی **اولم یھد** کے تعجب والے سوال سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** بندہ ہر وقت اپنی جان اپنے ایمان بلکہ اپنے ہر

حال کو اللہ کے قبضہ میں جانے وہ جب چاہے ہماری جو چیز چاہے ہم سے چھین لے۔ ہم کسی چیز کے اصل مالک نہیں یہ تمام چیزیں ہمارے پاس عارضی ہیں یہ فائدہ **ان لو نشاء** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: دل کی غفلت اللہ کا سب سے بڑا عذاب ہے۔ بیدار دل اللہ کی رحمت ہے یہ فائدہ **و نطبع علی قلوبهم** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: ہمارے ظاہری اعضاء اور ان کی قوتیں دل کے تابع ہیں جس سے دلی محبت ہو اس کی بات اچھی طرح سنی جاتی ہے اسے محبت سے دیکھا جاتا ہے مگر جس سے دلی نفرت ہو اس کی بات کان سنتے نہیں قبول کا سننا' اسے آنکھیں الفت سے دیکھتی نہیں اس کی طرف پاؤں رغبت سے چلتے نہیں۔ یہ فائدہ **فهم لا یسمعون** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: جس سننے دیکھنے کے ساتھ قبول اور عمل نہ ہو وہ سننا دیکھنا در حقیقت نہ تو سننا ہے نہ دیکھنا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان سننے والے کفار کو جو بہرے نہ تھے فرمایا **لا یسمعون** لہٰذا جہاں کہیں ارشاد ہو **انک لا تسمع الموتی** وغیرہ۔ وہاں بھی موتی سے مراد یہ ہی دل کے مردے کفار ہیں اور لا سمع سے مراد قبول کا سنانا۔ یہ آیت ان آیات کی تفسیر ہے فرماتا ہے **صم بکم عمی فهم لا یرجعون** اس کی مفصل بحث پہلے پارے کی تفسیر میں اس آیت **صم بکم** کے ماتحت دیکھو۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: جن قوموں پر عذاب آیا ان کی بستیاں کبھی آباد نہ ہوئیں وہاں رہنا بسنا بلکہ وہاں ٹھہرنا کسی کو جائز نہ ہوا پھر یہاں ان بستیوں کے متعلق **یرثون** کیوں ارشاد ہوا۔ ان زمینوں کا تو کوئی وارث ہوا ہی نہیں۔ **جواب**: قوی یہ ہے کہ یہاں خطاب مکہ کے کفار سے ہے اور وراثت سے مراد ہے ان کے باپ دادوں کی موت کے بعد ان کا ان کی جائدادوں کا وارث ہو کر انہیں برتنا مقصد یہ ہے کہ ان مکانات عمارات کو دیکھ کر عبرت لینی چاہئے۔ اپنی موت پر نظر رکھنی چاہئے اس صورت میں آیت بالکل ظاہر ہے اور اگر ہلاک شدہ قوموں کی زمینیں مراد ہوں تو بھی ہو سکتا ہے کیونکہ فرعونیوں کو مصر سے نکال کر ہلاک کیا۔ ان کی زمین و عمارات کا مالک وارث نبی اسرائیل کو بنایا۔ رب فرماتا ہے **و اورثناها بنی اسرائیل** نیز قوم نوح طوفان سے ہلاک ہوئی ان کی زمین کشتی والوں نے کشتی سے اتر کر استعمال کی اگر قوم پر عذاب ان کی بستی پر آوے اور وہ عذاب ہر طرح سے عذاب ہو' کسی طرح کسی کے لئے رحمت نہ ہو اور عذاب بھی کبھی آسمانی ہو' تب وہ حکم ہے جو معترض نے کہا جیسے قوم ثمود و عاد کی بستیاں جواب تک آباد نہ ہوئیں لہٰذا آیت صاف ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں **یرثون** کیوں ارشاد ہوا کیا صرف وارثوں کو ہی عبرت لینی چاہئے۔ دوسروں کو نہیں۔ عبرت تو سب کو ہی لینی چاہئے۔ **جواب**: اگر یہاں وراثت سے مراد شرعی وراثت مراد ہے تب تو اس کا ذکر اس لئے فرمایا کہ وارث لوگ ہر وقت میراث کا مال و متاع دیکھتے اور برتتے ہیں ہر وقت وہ چیز ان کے سامنے رہتی ہے انہیں عبرت کا موقعہ بہت ملتا ہے اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا اور اگر وراثت سے مراد لغوی وراثت ہے یعنی کسی کی چیز پر اس کے بعد دوسروں کا قبضہ کرنا تب مطلب ظاہر ہے۔ قرآن مجید میں وراثت لغوی معنی میں بہت جگہ استعمال ہوا ہے۔ رب فرماتا ہے **و اورثنا الارض نتبوا من الجنته حیث نشاء** اور فرماتا ہے **و اورثکم دیارهم و اموالهم** اپنے متعلق فرماتا ہے **نحن الوارثون** **تیسرا اعتراض**: **یهد للذین**۔ نحوی قاعدے سے درست نہیں کیونکہ ہدایت کے پہلے مفعول پر لام نہیں آتا۔ رہا دوسرا مفعول وہ کبھی خالی آتا ہے۔ جیسے **اهدنا الصراط المستقیم** اور کبھی لام سے جیسے **یهدی للتی هی اقوم** اور کبھی الی سے

انک لتھدی الی صراط مستقیم میں اس پہلے معمول پر لام آکیا۔ **جواب** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں ہدایت ۔ معنی تبیین ہے یعنی ظاہر کرنا بتانا' لہذا لام آنا درست ہوا۔ ہدایت اپنے معنی میں نہیں۔ **چوتھا اعتراض**: تم نے تفسیر میں کہا کہ ممکن ہے کہ نطبع معطوف ہوا صبنا پر۔ یہ نحوی قاعدے سے درست نہیں کیونکہ **اصبنا** ماضی ہے اور نطبع مستقبل حالانکہ معطوف مطابق چاہئے معطوف علیہ کے۔ **جواب**: اس صورت میں یا تو **اصبنا** معنی مستقبل ہے اور یا نطبع ۔ معنی ماضی ہے یعنی اگر ہم چاہیں تو انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیں اور ان کے دلوں پر مہر کردیں (خازن' روح المعانی) اور اگر نطبع علیحدہ جملہ ہو پھر تو کوئی اعتراض ہے ہی نہیں۔ یوں ہی اگر یہ جملہ معترضہ ہو اور **ھم لا یسمعون** کا تعلق **اصبناھم** سے ہو تو بھی کوئی اعتراض نہیں۔ **پانچواں اعتراض**: اگر نطبع معطوف ہو **اصبناھم** پر تو معنی یہ ہوئے کہ اگر ہم چاہیں تو انہیں ہلاک کردیں اور ان کے دلوں پر مہر کردیں۔ یہ بات درست نہیں جو قوم ہلاک ہو جاوے اس کے دل پر مہر کرنے کے کیا معنی۔ دل پر مہر تو زندگی میں ہوتی ہے۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر کبیر میں یہ دیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو انہیں ہلاک کردیں اور چاہیں تو ان کے دلوں پر مہر کردیں اور ہو سکتا ہے کہ واؤ ۔ معنی او ہو یا **نطبع اصبناھم** کا بیان ہو اور عطف تفسیر ہو۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کو علیحدہ جملہ بتایا ہے۔ **چھٹا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ ہم ان کے دلوں پر مہر کردیں تو وہ سن نہ سکیں۔ سننا دل کا کام نہیں ہے کانوں کا کام ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مہر لگے دل پر اور کان سننے سے محروم ہو جاویں۔ یہ بات عقل میں نہیں آتی۔ **جواب**: جیسے ظاہری حالات میں دیکھا جاتا ہے کہ جب سونے یا بے ہوشی یا دیوانگی کی حالت میں دل پر اثر پڑتا ہے تو کان آنکھیں سننا دیکھنا چھوڑ دیتے ہیں ایسے ہی روحانیات میں ہے کہ جب دل پر بددینی کفر کی مہر لگ جاتی ہے تو کان حق بات پر لگتے ہی نہیں۔ آنکھ حق بات کو دیکھتی ہی نہیں۔ بظاہر سننا دیکھنا معلوم ہوتا ہے مگر دل چونکہ اسے قبول نہیں کرتا اس لئے یہ سننا دیکھنا بے کار ہوتا ہے۔ لہذا یہ سننا نہ سننے کی طرح ہے کہ سماع قبول نہیں ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے کفار کو اندھا' بہرہ مردہ فرمایا ہے اور اگر اس جملہ **فھم لا یسمعون** کا تعلق ہو **اصبناھم بذنوبھم** سے' تب تو کوئی اعتراض ہے ہی نہیں کیونکہ آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو ایسی آفت پہنچادیں کہ یہ سن نہ سکیں۔

تفسیر صوفیانہ: عالم کی ہر چیز ہم کو سبق عبرت دے رہی ہے اگر کسی کے پاس گوش ہوش ہے تو وہ یہ سبق دن رات سنتا ہے۔ حتٰی کہ جائیدادیں اور عمارتیں اپنے بنانے والوں' گزشتہ آباد کرنے والوں کا مرثیہ ہم کو سنارہی ہیں اور ہم سے کہہ رہی ہیں کہ ہم جب ان کے پاس نہ رہے تو تمہارے پاس بھی نہ رہیں گے۔ لہذا دل ہم سے نہ لگاؤ رب سے لگاؤ۔ حضرت سعدی نے کیا۔ خوب فرمایا۔

دل اندر جہاں آفریں بندو بس ۔ جہاں اے برادر نہ ماند بہ کس
چہ برتخت مردن چہ بر روئے خاک ۔ چو آہنگ رفتن کند جان پاک

وراثت مال کی بھی ہوتی ہے قال کی بھی حال کی بھی کمال کی بھی۔ **العلماء ورثۃ الانبیاء** کامل وارث وہ ہے جو حال بلکہ کمال کا وارث ہے۔ ناقص وارث وہ ہے جو صرف مال کی وراثت پر قناعت کرے۔ یہاں ارشاد ہوا کہ اے اہل مکہ تم لوگ اپنے

گزشتہ لوگوں کی صرف زمین نفس کے وارث بنے ہو ڈرو کہ کہیں تم پر وبال نہ آجاوے۔ تم لوگ ابراہیمی ہو ان کے کامل کے وارث ہو یہ وراثت کامل تم کو حضور محمد مصطفےٰ ﷺ کے ذریعہ ملے گی اگر تم نے جناب ابراہیم کی دو وراثت حاصل کرلی تو دونوں جہانوں میں نہال ہو جاؤ گے۔ دل پر مہر تین طرح کی ہوتی ہے غضب کی مہر جس کی وجہ سے دل میں سے کفر نکل نہ سکے باہر سے ایمان آنہ سکے۔ یہ کفار کے دلوں پر ہوتی ہے۔ رحمت کی مہر جس کی وجہ سے دل میں سے ایمان نکل نہ سکے۔ باہر سے طغیانی دل میں آنہ سکے یہ خاص مومنوں کے قلب پر ہوتی ہے اسے الزام کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **والزمهم كلمة التقوى** قرب خصوصی کی مہر جس کی وجہ سے دل رب کی طرف ہی متوجہ رہے۔ دنیا کی طرف متوجہ نہ ہو۔ **ان يشا يختم على قلبك**۔ رحمت کی مہر کا سبب قوی عشق رسول ہے۔ غضب کی مہر کا سبب قوی عداوت رسول ہے۔ مہر کیا ہے جیسے آج کل کسی چیز پر سرکاری سیل۔ دل کے دو دروازے ہیں ایک دنیا کی طرف دوسرا آخرت کی طرف۔ خاص مومنوں کے دلوں پر دنیا کی طرف والے دروازے پر مہر لگتی ہے خاص کفار کے دلوں پر دین کے جانب والے دروازے پر سیل لگ جاتی ہے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَاۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِۚ

یہ آبادیاں ہیں جن کے قصے بیان کرتے ہیں ہم آپ پر ان کی خبروں سے اور البتہ تحقیق کہ آئے ان کے پاس پیغمبر ان کے

یہ بستیاں ہیں جن کے احوال ہم تمہیں سناتے ہیں اور بے شک ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر آئے

فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ

ساتھ روشن دلیلوں کے پس نہ تھے کہ ایمان لاتے وہ اس وجہ سے کہ جھٹلا چکے تھے پہلے سے اسی طرح مہر کرتا

تو وہ اس قابل نہ ہوئے کہ وہ اس پر ایمان لائیں جسے پہلے جھٹلا چکے تھے اللہ یوں ہی چھاپ لگا دیتا ہے کافروں کے دلوں

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ہے اللہ دلوں پر کافروں کے۔ اور نہیں پایا ہم نے واسطے زیادہ کے ان میں سے کوئی وعدہ اور بیشک پایا ہم نے ان میں سے بہت کو بدکار

پر اور ان میں سے اکثر کو ہم نے قول کا سچا نہ پایا اور ضرور ان میں اکثر کو بے حکم ہی پایا ہے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں گزشتہ پانچ قوموں کی ہلاکت کی تفصیل تھی۔ اب ان کا اجمالی ذکر ہے۔ گویا تفصیل کے بعد اجمال کہا گیا تاکہ یہ چیزیں دلوں میں بیٹھ جاویں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہے اب اس کے نتیجے کا ذکر ہے تاکہ سننے والے اپنی زندگی احتیاط سے گزاریں اور گزشتہ کفار کے عقائد و اعمال سے بچیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں گزشتہ قوموں کے قصے بیان ہوئے اب اس کا ایک خاص مقصد بیان ہو رہا ہے۔ محبوب کے قلب پاک کو تسکین دینا کہ موجودہ کفار کی ہٹ دھرمی سے آپ ملول نہ ہوں غرضیکہ قصے پہلے بیان ہوئے اور ان قصوں کا مقصد اعلیٰ اب بیان ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں تباہ شدہ قوموں کی ہلاکت

ان کے رسولوں کی فتح و نصرت کا ذکر ہوا۔ اب ارشاد ہے کہ یہ تو ان کے بعض حالات ہیں اس کے علاوہ ان کے حالات اور بھی ہیں جو ابھی تک، آپ کو قرآن مجید میں سنائے نہ گئے ان کے حالات ان کے نبیوں کے مقابلات بہت زیادہ ہیں۔

تفسیر: **تلک القری** تلک سے اشارہ انہیں مذکورہ بستیوں کی طرف ہے جن کا ذکر اب تک ہوا چونکہ وہ بستیاں مکہ معظمہ سے دور بھی تھیں ان کے زمانہ بھی دور ہو چکے تھے اس لئے دور کا اشارہ ارشاد ہوا۔ **القری** سے مراد وہ پانچ بستیاں ہیں۔ قوم نوح 'عاد' ثمود' قوم لوط' قوم شعیب کی بستیاں جن کا ذکر اب تک ہوا چونکہ ان لوگوں کو عمر' دولت' اولاد بہت زیادہ دی گئیں جن پر وہ دھوکہ کھا گئے۔ سمجھے کہ رب تعالیٰ ہمارے کفر و عناد سے راضی ہے تب ہی تو ہم کو ایسی نعمتیں دے رہا ہے اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا (کبیر وغیرہ) قری جمع ہے قریۃ کی۔ بمعنی بستی' خواہ گاؤں ہو یا شہر' گاؤں کو بدو کہتے ہیں شہر کو بلد **نقص علیک** یہ عبارت خبر ہے **تلک القری** کی۔ نقص بنا ہے قص سے۔ بمعنی پیچھے چلنا۔ رب فرماتا ہے **قصیہ فبصرت عن جنب** کہانی اور واقعہ بیان کرنے کو قصہ کہتے ہیں کہ قصہ کہنے والا واقعہ کے پیچھے ہوتا ہے۔ **علیک** فرما کر یہ بتایا کہ یہ **واقعات** ہم تو آپ کو سناتے ہیں تاکہ آپ کے مبارک دل کو تسلی ہو اور قوم کے انکار سے آپ دل تنگ نہ ہوں اور آپ اپنی قوم کو سنائیں تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔ خیال رہے کہ حضور ﷺ سے رب تعالیٰ کا کلام عموماً" تین قسم کا ہوتا تھا۔ بذریعہ حضرت جبرئیل' بذریعہ الہام و کشف و بذریعہ خواب اور چوتھا کلام خصوصی معراج کی رات ہوا۔ **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** ممکن ہے کہ نقص میں یہ سارے قسموں کے کلام مراد ہوں یہ بھی خیال رہے کہ مذکورہ قصوں میں بھی لذت ہے اور رب تعالیٰ کے بیان فرمانے میں بھی لذت۔ اسی لذت کی وجہ سے حضور انور کے قلب پاک کو مکمل تسکین ہوتی تھی۔ آپ کفار کی تمام تکالیف کو نظرانداز فرما دیتے تھے **من انبائھا** یہ عبارت متعلق ہے نقص کے جس میں من تو بعضیت کا ہے اور انباء جمع ہے نباء کی چونکہ ان کی بعض خبریں ہی بیان ہوئی ہیں نہ کہ ساری اس لئے من ارشاد ہوا یعنی ہم آپ کو ان قوموں کی بعض خبریں سناتے ہیں صرف ان کی ہلاکت کی کہ اتنی خبر سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ خیال رہے کہ ہر خبر کو نبا نہیں کہتے بلکہ عظیم الشان خبر کو کہتے ہیں۔ دیکھو روح المعانی۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہاں قری فرمایا گیا حالانکہ ہلاک ہوئے تھے ان بستیوں کے باشندے کیونکہ ان بستیوں پر ایسا عذاب آیا تھا کہ نہ لوگ بچے تھے نہ ان کے مکانات نہ بستیوں کا نشان' اس لئے یہاں بستیوں کا نام لیا گیا (معانی) **و لقد جاءتھم رسلھم بالبینات** یہ عبارت نیا جملہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے آنے سے مراد کسی جگہ سے آنا نہیں کیونکہ اکثر نبی جہاں پیدا ہوئے وہاں ہی رہے' وہاں ہی نبی ہوئے بلکہ اس سے مراد عہدہ نبوت پر فائز ہو کر ان لوگوں میں تبلیغ کے لئے مامور ہونا ہے۔ نبی کی پیدائش سکونت اور تشریف آوری میں فرق ہے۔ سورج رہتا ہے آسمان پر چمکتا ہے جہان پر۔ **جاءتھم** کی ضمیر ان بستیوں کے ذکر سے وہ لوگ معلوم ہو گئے تھے اس لئے ان کی طرف ضمیر لوٹ سکتی ہے۔ خیال رہے کہ پچھلے پیغمبر خاص بستی' خاص قوم کے لئے آئے۔ ہمارے حضور سارے جہان کے لئے اور ہمیشہ کے لئے آئے۔ لہٰذا یہاں **ھم** سے مراد وہ خاص قومیں ہیں اور **لقد جاءکم رسول** میں تاقیامت ساری مخلوق مراد ہے یہاں کے **ھم** اور وہاں کے **کم** کا فرق خیال رہے چونکہ اس زمانہ میں بیک وقت' ایک جگہ' ایک قوم کے لئے چند نبی آ جاتے تھے اس لئے **رسلھم** جمع ارشاد ہوا۔ ہمارے حضور کے زمانہ سے تاقیامت کوئی دوسرا نبی نہیں آسکتا اس لئے وہاں

ارشاد ہوا **القد جآء کم رسول** واحد ارشاد ہوا۔ ان نبوتوں میں تعدد کی گنجائش تھی۔ حضور کی ختم نبوت میں وحدت ہی ہو سکتی ہے۔ چراغوں میں تعدد ہے سورج میں وحدت ' حضور نبوت کے سورج ہیں۔ بینات سے مراد یا تو ان کے معجزات ہیں یا ان کے دلائل نبوت۔ اس سے لازم یہ نہیں کہ ہر نبی کے پاس صرف ایک دلیل یا ایک معجزہ ہو ' مطلب یہ ہے کہ ہر نبی اپنی اپنی دلیل اپنے اپنے معجزات لائے ' جیسے کہا جاتا ہے '

ان لوگوں نے اپنے اپنے گھوڑے فروخت کردیئے یا یہ کہ **اغسلوا ایدیکم** اپنے اپنے ہاتھ دھولو یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک نے ایک گھوڑا فروخت کیا یا ایک ہاتھ دھوؤ (معانی) خیال رہے کہ تمام نبی روشن دلیلیں لے کر آئے۔ بالبینات اسی لئے ارشاد ہوا۔ ہمارے نبی خود دلیل بن کر آئے۔ حضور کے لئے فرمایا گیا **قد جاء کم برھان من ربکم** دلیل لانا اور دلیل بن کر آنا اس میں بڑا فرق ہے۔ حضور آنکھوں والوں کے لئے نور ہیں **قد جاء کم من اللہ نور** اور دل والوں کے لئے دلیل۔ آنکھ کو نور دکھاتا ہے ' دل کو دلیل بتاتی ہے **فما کانوا لیؤمنوا بما کذبوا من قبل** اس جملہ کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں (1) عالم ارواح میں میثاق کے دن وہ لوگ جس چیز کو دل سے جھٹلا چکے تھے کہ صرف زبان سے **بلیٰ** کہہ کر اقرار کر لیا تھا ' دل سے انکار کیا تھا ' اسے پیغمبر سے سن کر نہ مانے بلکہ اسی انکار پر قائم رہے۔ حضرت ابن عباس اور سدی کا یہ ہی قول ہے۔ اس فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم ارواح میں رب تعالیٰ نے تمام لوگوں سے اپنی توحید کا اقرار بلاواسطہ لیا۔ الست بربکم ' سب نے زبان سے تو بلیٰ کہا مگر کسی نے صرف زبان سے کسی نے دل سے پھر حضور کی نبوت کا عہد بواسطہ انبیاء لیا کہ سب کے سامنے نبیوں سے حضور کا اقرار کرایا **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین** یہ عہد سب نے دیکھا بعض روحیں خوش ہو گئیں ' بعض حسد سے جل گئیں۔ پہلی قسم کے لوگ دنیا میں مومن ہوں گے دوسری قسم کے کافر۔ یہاں دوسری قسم کا ذکر ہے (2) اگر ہم ان لوگوں کو دوبارہ زندہ کرکے دنیا میں بھیج دیتے تب بھی وہ اس چیز کو نہ مانتے جسے وہ پہلی زندگی میں جھٹلا چکے تھے یہ تفسیر مجاہد کی ہے (3) جس چیز کو یہ لوگ علم الہی میں جھٹلا چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں آچکا تھا کہ یہ لوگ اسے جھٹلائیں گے وہ اس پر ایمان لانے والے نہ تھے۔ ابی بن کعب کی یہ تفسیر ہے (خازن)۔ (4) نبیوں کے معجزات دیکھنے سے پہلے جس چیز کو جھٹلا چکے تھے اسے معجزات دیکھنے کے بعد بھی نہ مانے (5) انبیاء کرام کی تشریف آوری کے بعد بھی نہ مانے (کبیر) (6) انبیاء کرام کی تشریف آوری پر پہلے دن جس کا انکار کر چکے تھے آخر تک اسے نہ مانے جھٹلاتے ہی رہے (مدارک) روح المعانی وغیرہ۔ (7) ایک نبی کی تبلیغ کے بعد جس چیز کا انکار کر چکے تھے اسے بعد کے انبیاء کرام کی تبلیغ کے بعد جھٹلاتے ہی رہے۔ آخر تک ایمان نہ لائے۔ چھٹی تفسیر قوی ہے اور اس فرمان عالی کے معنی ظاہر ہیں **کذلک یطبع اللہ علی قلوب الکافرین** کذالک سے اشارہ انہیں مذکورہ واقعات کی طرف ہے اور الکافرین سے مراد یا تو حضور ﷺ کے زمانہ کے وہ کفار ہیں جن کا کفر پر مرنا علم الہی میں آچکا تھا یا تاقیامت ایسے کافر جو علم الہی میں کافر مریں گے یعنی جیسے گزشتہ کفار کے دلوں پر ہم نے مہر کردی تھی کہ انہیں پیغمبروں کی تبلیغ مفید نہ ہوئی ہم آپ کے ہم زمانہ کفار یا تاقیامت کفار کے دلوں پر مہر کرتے رہیں گے کہ وہ بھی معجزات دیکھ کر سن کر ایمان نہیں لائیں گے (معانی وغیرہ) ان وجوہ سے یہاں **علی قلوبھم** نہیں فرمایا بلکہ **علی قلوب الکافرین** فرمایا **وما وجدنا لاکثرھم من عھد** اس عبارت میں کفار کے دوسرے عیب کا ذکر ہے۔ **وجدنا** کے معنی ہیں **علمنا** یعنی وجد ان علمی مراد ہے۔ **اکثرھم** میں **ھم** سے مراد یا تو گزشتہ کفار ہیں یا حضور کے زمانہ کے کفار۔ عہد سے مراد یا تو وہ وعدہ

اور عہد و پیمان ہے جو میثاق کے دن رب نے ان سے لیا تھا یا وہ وعدہ مراد ہے جو یہ لوگ مصیبت میں پھنس جانے پر رب سے کرتے تھے کہ خدایا اگر تو نے ہم کو اس بار نجات دے دی تو ہم تیرے نبی پر ایمان لائیں گے **لئن انجانا من ھذہ لنکونن من الشاکرین** چونکہ بعض لوگ یہ عہد پورا بھی کرتے تھے اس لئے **لاکثرھم** ارشاد ہوا۔ عہد سے پہلے ایفاء پوشیدہ ہے یعنی ہم نے بہت سے کفار میں وفاء عہد نہ پایا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ عہد سے مراد اللہ تعالیٰ کا عہد ہے جو اس نے دنیا میں لوگوں سے لیا اس طرح کہ ان میں نبی اور ان کے معجزات بھیجے۔ ان کو ایمان و تقویٰ کا حکم دیا مگر پہلی تفسیر قوی ہے (معانی) **وان وجدنا اکثرھم لفاسقین** یہ نیا جملہ ہے لہٰذا او ابتدائیہ ہے ان اصل میں **اننا** تھا۔ الف کو دور کرکے نون کا شد گرا دیا معنی وہ ہی ہیں اس صورت میں **لفاسقین** میں لام فارقہ ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان نافیہ بمعنی الا ہے (معانی) **اکثرھم** میں **ھم** سے مراد سارے انسان ہیں یا گزشتہ امتیں کفار مراد نہیں کہ کفار تو سارے ہی فاسق ہوتے ہیں نہ کہ اکثر یعنی ہم نے بہت سے انسانوں کو یا گزشتہ امتوں میں بہت کو بے حکم ہی پایا یا ہم نے ان میں سے بہت کو نہ پایا مگر کافر فاسق بنا ہے فسق سے، معنی اطاعت سے نکل جانا نافرمان ہو جانا ہے۔ اسکے اصطلاحی معنی اور فسق کے اقسام اور ہر قسم کے احکام پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے۔ فسق تعلی، فسق انہماک اور فسق جحود ان تینوں میں بڑا فرق ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ ان مذکورہ بالا پانچ بستیوں کی خبریں ہم بطور قصہ آپ کو سناتے ہیں تاکہ آپ کو تسکین ہو اور تاکہ آپ ان لوگوں کو سنائیں وہ اپنے حالات درست کریں ان کے قصوں سے عبرت پکڑیں ان سب کے پاس انبیاء کرام معجزات، دلائل، علامات وغیرہ لے کر پہنچے مگر ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ اول ہی سے انہوں نے نبیوں کو جھٹلایا تو پھر آخر تک جھٹلاتے ہی رہے پھر ایمان نہ لائے۔ ایمان لاتے کیسے ان کے دلوں پر تو اللہ نے مہر کر دی تھی جو لوگ علم الٰہی میں کافر ہو چکے کہ ان پر ایمان کا چھینٹا نہیں پڑا ان کے مقدر میں ایمان پر مرنا نہیں ہے ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ یوں ہی مہر لگا دیتا ہے نہ وہ مہر ٹوٹ سکتی ہے، نہ وہ ایمان لا سکتے ہیں ان میں سے اکثر لوگوں میں ہم نے وعدہ وفائی نہیں پائی جو ہم سے وعدے کر گئے تھے وہ پورے نہ کئے جو وعدے یہ مصیبت میں پھنس کر لیتے ہیں وہ پورے نہیں کرتے۔ وفادار بندے تھوڑے ہیں بے وفا زیادہ۔ ہم نے ان میں سے اکثر کو فاسق و بدکار ہی پایا لہٰذا اے محبوب آپ ان کی بے وفائی پر ملول نہ ہوں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور ﷺ رب تعالیٰ کے ایسے محبوب بندے ہیں کہ وہ حضور کے دل کی تسکین کے لئے گذشتہ قوموں کے قصے سناتا ہے ان قصوں سے حضور کا غم غلط کر تا دل بہلاتا ہے یہ فائدہ **نقص علیک** سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ:** اگرچہ سارا قرآن حضور پر اترا اور حضور نے سارا ہی امت کو پہنچا دیا مگر آیات کے مقاصد مختلف ہیں بعض آیات کا مقصد حضور ہیں۔ امت حضور کی طفیل بعض آیات کا مقصد مومنین ہیں۔ حضور انور نے ان پر عمل فرما کر انہیں اہم فرما دیا۔ نماز پنجگانہ مسلمانوں کے لئے آئیں حضور نے انہیں ہمیشہ پڑھ کر انہیں اہمیت بخشدی۔ زکوٰۃ میراث کی آیات امت کے لئے ہیں۔ حضور انور پر نہ زکوٰۃ ہے نہ میراث کے احکام۔ نماز تہجد حضور کے لئے ہے کہ آپ پر فرض ہے **فتھجد بہ نافلۃ لک** مسلمان حضور کی نعتیں پڑھیں۔ کعبہ کا قبلہ بننا حضور کی خاطر ہے مسلمان حضور کی خاطر اس سے فائدہ اٹھالیں یوں ہی گزشتہ نبیوں قوموں کے واقعات، آیات حضور کی خاطر ہیں کہ آپ کے

قلب کو تسکین ہو۔ مسلمان حضور کی طفیل ان سے عبرت پکڑیں۔ یہ فائدہ **نقص علیک** سے اشارۃً حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ حضور کی امت کا عیب پوش ستار ہے کہ گزشتہ قوموں کے عیوب تمام دنیا میں شائع فرمادیئے مگر امت محمدیہ کے عیوب کسی کو نہ سنائے نہ بتائے۔ یہ فائدہ بھی **نقص علیک** سے حاصل ہوا خیال رہے کہ گزشتہ آسمانی کتب میں امت محمدیہ کے نیک اعمال کو ذکر تھا ان کے عیوب و گناہ کا ذکر نہ تھا۔ رب فرماتا ہے **ذالک مثلھم فی التورۃ و مثلھم فی الانجیل** انشاء اللہ قیامت میں بھی اس امت کی پردہ پوشی ہوگی کہ ان کی نیکیوں کا حساب علانیہ ہوگا گناہوں کا حساب خفیہ یہ سب حضور کی خاطر ہے۔

خلق تو جرم کرے لوہ خدا فضل کرے — حق تو یہ ہے کہ یہ خاطر ہے تمہاری ساری
اچھے ان کے ہیں تو اے کیف برے کس کے ہیں — اپنے محبوب کو امت ہے پیاری ساری

تیسرا فائدہ: قانون الٰہی یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب سے کلام فرماتا انہیں قصے سناتا ہے پھر محبوب ﷺ لوگوں سے کلام فرماتے انہیں قصے سناتے ہیں یہ فائدہ بھی **نقص علیک** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن مجید میں گزشتہ ساری امتوں کے سارے حالات صراحۃً بطور قصہ مذکور نہیں ہوئے بلکہ بعض قوموں کے بعض حالات مذکور ہوئے یہ فائدہ **من انبائھا** کے **من** سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا** **چھٹا فائدہ:** جس دل میں نبی کی توہین ان کے کمالات کا انکار بیٹھ جائے پھر وہ نہیں نکلتا۔ گستاخوں کو ہدایت نہیں ملتی۔ یہ فائدہ **کذبوا من قبل** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ دل میں اپنے محبوب کی الفت دے۔

جو دل بخشا ہے مولیٰ بخش دے الفت محمد کی
جو آنکھیں دی ہیں دکھلا دے مجھے صورت محمد کی

ساتواں فائدہ: جو ازلی بدبخت ہوا سے کسی چیز سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ یہ فائدہ **کذبوا من قبل** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس سے مراد ہے اللہ کے علم میں ان کا کافر رہنا آچکا۔ **آٹھواں فائدہ:** میثاق کے دن اللہ تعالیٰ کی ربوبیت وغیرہ کا اقرار تو سب نے کرایا تھا **قالوا بلیٰ** مگر دلی اقرار بعض نے کیا تھا۔ بعض نے دل سے انکار کیا تھا یہ لوگ ایمان نہیں لا سکتے۔ یہ فائدہ **کذبوا من قبل** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ من قبل سے میثاق کا دن مراد ہو اور کذبوا سے دلی جھٹلانا مراد ہو۔ **نواں فائدہ:** نبی کی عداوت دل پر مہر لگ جانے کا ذریعہ ہے۔ یہ مہر ایسی ہوتی ہے جیسے لوہے کی زنگ (کٹ) جس سے لوہا بالکل بیکار ہو جاتا ہے اس کی علامت دل کی سختی آنکھوں کی خشکی برائیوں کی طرف میلان اور بروں سے الفت ہے۔ رب تعالیٰ محفوظ رکھے۔ **دسواں فائدہ:** دل کی مختلف بیماریاں ہیں ایک بیماری ہے دل کا میل یا زنگ۔ دوسری بیماری ہے دل کی کٹ دل کا میل دور ہو سکتا ہے۔ کٹ دور نہیں ہو سکتی۔ میل کی وجہ ہے غفلت۔ کٹ کی وجہ ہے فطرت یہ غفلت کبھی مصیبت سے دور ہوتی ہے کبھی اللہ کی نعمت سے کبھی اچھوں کی صحبت سے کبھی کسی بیدار کی نظر کرم سے۔ حضرت عباس کی غفلت بدر میں قید ہو کر دور ہوئی حضرت عمرو ابن عاص کی غفلت شاہ حبشہ نجاشی بادشاہ کے دربار میں پہنچ کر حضرت ابو سفیان ابن حارث کی غفلت فتح مکہ دیکھ کر **گیارھواں فائدہ:** بد عہدی وعدہ خلافی بہت ہی بری خصلت ہے۔ کافروں کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ **وما وجدنا لاکثرھم من عھد** سے حاصل ہوا۔ وعدہ خواہ رب سے کیا ہو یا کسی بندے سے ضرور پورا کرے۔ مانی ہوئی نذر پوری

کرے کہ نذر بھی ایک طرح کا وعدہ ہے۔ رب فرماتا ہے **ولیوفوا نذورھم**

اعتراضات: پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض قوموں کے بعض حالات حضور انور کو سنائے بتائے ہیں۔ دیکھو یہاں ارشاد ہوا **من انبائھا** مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **کلا نقص علیک من انباء الرسل** ہم تم کو سارے نبیوں کی خبریں سناتے ہیں۔ آیتوں میں تعارض ہے ان میں سے کون سی بات درست ہے۔ **جواب:** یہاں اس آیت میں قرآن مجید میں صراحۃً بیان فرمانے کا ذکر ہے اور تمہاری پیش کردہ آیۃ میں قرآن مجید کے علاوہ دوسری قسم کی وحی میں سنانے بتانے کا ذکر ہے یا قرآن مجید میں اجمالاً "اشارۃً" بتانے کا تذکرہ ہے **لہٰذا** دونوں آیتیں درست ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **نقص** کے ساتھ **علیک** کیوں ارشاد ہوا **علیھم** کیوں نہ فرمایا۔ قرآن مجید کے قصے تو سب کو سنانے کے لئے ہیں نہ کہ صرف حضور ﷺ کو۔ **جواب:** اس کے دو جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ صرف حضور انور کو سناتا ہے پھر حضور ﷺ دوسروں کو سناتے بتاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ دل کی **تسکین** کے لئے حضور انور کو یہ قصے سنائے جاتے ہیں اور عبرت حاصل کرنے کے لئے دوسروں کو۔ دونوں مقصدوں میں بڑا فرق ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیۃ میں فرمایا گیا کہ ہم آپ کو گزشتہ قوموں کے قصے سناتے ہیں وہ بھی بعض۔ معلوم ہوا کہ حضور انور اگلے پچھلے واقعات سے بے خبر ہیں کہ قصے بے خبر کو ہی سنائے جاتے ہیں مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ حضور کی آنکھ سارے اگلے پچھلے واقعات کو دیکھتی ہے **الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل** یہ آیت تمہارے خلاف ہے۔ **جواب:** کسی سے کچھ بیان کرنا اس کی بے علمی کی دلیل نہیں۔ ہم رب تعالیٰ سے اپنے دکھ درد بیان کرتے ہیں تو کیا وہ بے خبر ہے۔ بیان کرنے کی بہت حکمتیں ہوتی ہیں ہم رب سے اپنے درد دکھ کہتے ہیں تو ہم کو مزہ آتا ہے۔ رب تعالیٰ اپنے حبیب کو قصے سناتا ہے تو حضور انور کو لذت و سرور حاصل ہوتے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** **بما کذبوا من قبل** کا کیا مطلب ہے ان لوگوں نے پہلے کب جھٹلایا تھا جس کے بعد وہ ایمان نہ لائے۔ **جواب:** اس کے سات مطلب ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کر دیئے جن میں سے ایک یہ ہے کہ قبل سے مراد ہے پیغمبر کی ابتدائی تبلیغ یعنی ابتدائی تبلیغ پر جن چیزوں کا ان کفار نے انکار کر دیا تھا انہیں آخر دم تک جھٹلاتے ہی رہے گویا من قبل میں ایمان نہ لانے کا ذکر ہے اور **فما کانوا لیؤمنوا** کافر رہنے کا ذکر۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو پہلے انکار کرتے ہیں بعد میں ایمان لاتے ہیں۔ بہت لوگ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ ان میں سے اکثر لوگ بد عہد بے وفا ہیں **وما وجدنا لاکثرھم من عھد** حالانکہ سارے کافر ہی بے وفا بد عہد ہوتے ہیں پھر اکثر فرمانا کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ **اکثرھم** میں **ھم** سے مراد کفار نہیں بلکہ گزشتہ امتیں ہیں اور مطلب یہ ہے کہ مذکورہ ہلاک شدہ امتوں میں تھوڑے لوگ تو باوفا تھے جو ایمان لے آئے اکثر بے عہد تھے جو ایمان نہ لائے۔ دوسرے یہ کہ **ھم** سے مراد کفار ہیں اور عہد سے مراد وہ وعدے ہیں جو وہ مصیبت کے وقت ایمان کے وعدے خدا تعالیٰ سے کر لیتے تھے پھر نجات پا کر ایمان نہ لاتے تھے چونکہ اکثر کافر تو ایسے تھے اور بعض کافر وہ تھے جو نہ یہ نذر مانتے تھے نہ توڑتے تھے، اس لئے اکثر فرمایا نیز بعض بامروت کفار وعدوں کے پکے ہوتے ہیں جیسے بعض کفار سخی انصاف والے ہوتے ہیں مگر کم اکثر کفار جھوٹے بے وفا ہوتے ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ **اکثرھم لفاسقین** حالانکہ سارے

کافر ہی فاسق ہوتے ہیں۔ ان میں متقی کوئی نہیں پھر **اکثرھم** فرمانا کیونکہ درست ہوا۔ **جواب**: اس اعتراض کے بھی وہ مذکورہ جوابات ہیں کہ **اکثرھم** میں **ھم** ضمیر سے یا انسان مراد ہیں یا گزشتہ امتیں کہ ان میں سے اکثر لوگ تو فاسق و کافر ہوتے۔ بعض مومن متقی اور اگر **ھم** سے کفار ہی مراد ہوں تب فاسق ۔ معنی کافر نہیں یعنی فسق اعتقادی مراد نہیں 'بعض کافر اچھے کام کرتے ہیں جیسے سخاوت 'صفائی 'معاملات 'انصاف 'مروت وغیرہ مگر اکثر کفار بدکار ہوتے ہیں۔ ابولہب اور ابوطالب برابر نہیں ہوسکتے یوں ہی فرعون اور نوشیرواں۔ حاتم طائی برابر نہیں۔ لہٰذا آیت بے غبار ہے۔

تفسیر صوفیانہ: گزشتہ قوموں کے قصے عقل و دل کی آنکھیں روشن کرنے والے سرمہ ہیں یا میرہ جو ان واقعات کو سن کر عبرت نہ پکڑے اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی اور جس کے دل و عقل کی آنکھ روشن نہ ہو اس کے لئے سر کی آنکھ کی روشنی **بیکار** ہے اس سے ہدایت نہیں ملتی یہ تمام قصے ایمانی دوائیں ہیں حضور ﷺ ایمانی حکیم 'مطلق دوا جب مفید ہوتی ہے جب حکیم کے ذریعہ سے مریض کو ملے۔ اس لئے ارشاد ہوا۔ **نقص علیک** ہم آپ کو یہ قصے سناتے ہیں آپ ان لوگوں کو سناؤ ۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بد عہدی بدکاری بہت ہی ناپسند ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نبی کفار کے پاس بھی آتے ہیں اور مومنوں کے پاس بھی۔ گنہگاروں کے پاس بھی اور نیک کاروں 'اولیاءاللہ کے پاس بھی مگر آنے کی نوعیت میں فرق ہے۔ کفار کے صرف آنکھوں اور کانوں تک ان کی صورت یا الفاظ پہنچتے ہیں مگر مومن کے دل و دماغ بلکہ جان و ایمان میں ان کے فیوض پہنچتے ہیں جیسے بارش 'پتھروں 'نرم کلر 'اچھی زمین 'سمندر وغیرہ ہر جگہ پہنچتی ہے مگر پتھر کے اندر جذب نہیں ہوتی۔ کھاری زمین میں اگرچہ جذب ہوتی ہے مگر فائدہ نہیں دیتی۔ باقی زمین میں کہیں کھیت کہیں باغ لگاتی ہے سمندر میں موتی 'لہٰذا **لقد جاء تھم رسلھم** میں اور قسم کا آنا مراد ہے اور **لقد جاءکم رسول** میں دوسری قسم کا آنا مراد۔

حکایت: ترجمہ فتوحات **مکیہ** کی آخری جلد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اے موسیٰ جو تمہارے پاس آس لگا کر آئے 'اس کو ناامید نہ لوٹاؤ اور جو تمہاری پناہ لے اسے پناہ دو 'کچھ دن بعد موسیٰ علیہ السلام ایک جنگل میں تھے کہ ایک کبوتر آپ کے کندھے پر آبیٹھا۔ بولا مجھے پناہ دو باز میرے پیچھے پڑا ہے پیچھے سے باز آکر دوسرے کندھے پر بیٹھ گیا۔ بولا مجھے ناامید نہ لوٹاؤ 'اس کبوتر کا شکار کر لینے دو یہ میری روزی ہے جو مجھے رب نے دی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام حیران ہو کر بولے کہ یہ میرا امتحان ہے '' آپ نے چھری یا چاقو لے کر چاہا کہ اپنی ران کی بوٹی کاٹ کر باز کو کھلا دیں تاکہ دونوں حکموں پر عمل ہو جاوے۔ وہ دونوں جانور بولے '' آپ جلدی نہ کریں ہم فرشتے ہیں 'آپ کا امتحان لینے آئے تھے۔ آپ اول نمبر کامیاب رہے ' آپ نے دونوں وعدے پورے کر دکھائے (روح البیان) کفار کی بد عہدی بے وفائی پر اتنا تعجب نہیں 'تعجب تو ان مسلمانوں پر ہے جو مومن ہو کر بد عہد بے وفا ہیں۔ آج کل تصوف کا صرف اسم اور خرقہ پوشی کی صرف رسم باقی رہ گئی ہے۔ وفائے عہد ان مدعیان تصوف میں بھی نہیں دیکھی جاتی۔ (روح البیان) اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا

پھر بھیجا ہم نے پیچھے ان سب کے موسیٰ کو ساتھ نشانیوں کے اپنی طرف فرعون اور جماعت کے اس کی

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے

بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ قَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ

پس ظلم کیا انہوں نے ان پر پس دیکھو کہ کیا ہوا نتیجہ فساد پھیلانے والوں کا اور فرمایا موسیٰ نے اے فرعون

ان نشانیوں پر زیادتی کی تو دیکھو کیسا انجام ہوا مفسدوں کا اور موسیٰ نے کہا اے فرعون

اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِیْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا

بیشک میں رسول ہوں جہانوں کا لائق ہوں اس پر کہ نہ کہوں میں اللہ پر مگر

میں پروردگار عالم کا رسول ہوں مجھے سزاوار ہے کہ اللہ پر نہ کہوں مگر سچی بات

الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۰۵﴾

حق بے شک لایا ہوں میں روشن دلیل طرف سے رب کے تمہارے پس بھیج دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو

میں تم سب کے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ چھوڑ دے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ان پانچ نبیوں کا ذکر ہوا جو غیر منظم بکھری ہوئی قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اب اس شاندار نبی کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہے جو ایک منظم قوم قبطیوں کی طرف بھیجے گئے جن کی باقاعدہ سلطنت قائم تھی تاکہ پتہ لگے کہ نبی کے مقابلہ میں نہ بکھری قومیں ٹھہر سکتی ہیں نہ سلطنتیں اور حکومتیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان قوموں کا ذکر تھا جو رب کے سوا دوسری چیزوں کی پرستش کرتی تھیں اب اس قوم قبطی کی ہلاکت کا ذکر ہے جو خود خدا بن کر دوسروں سے اپنی پرستش کراتی تھیں یعنی ان میں کا ایک شخص فرعون مدعی خدائی تھا۔ گویا ادنیٰ درجے کی سرکشیوں کے بعد انتہائی سرکشی کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان عذابوں کا ذکر تھا جو قوموں پر انہیں کے گھر میں آئے جن سے قومیں تباہ اور بستیاں اجڑ گئیں اب اس عذاب کا ذکر ہے جو مجرموں کو باہر نکال کر لیا گیا اور ان کا ملک محفوظ رہا کیونکہ وہ ملک ان ہی کا تھا۔

تفسیر: **ثم بعثنا من بعدھم موسی** یہ فرمان عالی معطوف ہے **جاء تھم رسلھم** پر۔ لہٰذا **ثم** حرف عطف ہے چونکہ موسیٰ علیہ السلام مذکورہ انبیاء کرام سے بہت عرصہ کے بعد تشریف لائے اس لئے **ثم** ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو بیس سال ہوئی۔ آپ یوسف علیہ السلام کی وفات سے چار سو سال بعد پیدا ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سات سو برس بعد اور صالح و ہود علیہما السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے ہیں ان ہو ہود سے یہاں **ثم**

ارشاد ہوا (صاوی) لہذا ثم فرمانا حضرت صالح و ہود و نوح و لوط علیہم السلام کے لحاظ سے ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام تو آپ کے ہم زمانہ تھے۔ **بعثنا** بنا ہے **بعثت** سے ارسال اور بعثت دونوں قریباً ہم معنی ہیں۔ بمعنی بھیجنا۔ کبھی فرق یہ کیا جاتا ہے کہ کچھ کہلا کر بھیجنا رسالت ہے اور کچھ دے کر بھیجنا بعثت یا اس کے برعکس۔ واللہ اعلم۔ موسیٰ علیہ السلام جوانی تک فرعون کے پاس رہے پھر مصر سے مدین شعیب علیہ السلام کے ہاں دس سال رہے پھر حضرت شعیب کی صاحبزادی یعنی اپنی زوجہ صفورا کو لے کر مصر کی طرف آرہے تھے کہ راستہ میں آپ کو نبوت اور دو معجزے عطا ہوئے یہ چیزیں لے کر آپ فرعون کے پاس آئے۔ لہذا اس معنی سے بھی **بعثنا** درست ہے یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنا۔ **من بعدھم** میں **ھم** سے مراد یا گزشتہ مذکورہ پانچ قومیں ہیں یا مذکورین پانچ نبی صالح، ہود، نوح، لوط، شعیب علیہم السلام اگرچہ ثم سے بعدیت معلوم ہو چکی تھی مگر اپنی رحمت عامہ اور قانون کرم نوازی بیان فرمانے کے لئے **بعدھم** ارشاد ہوا۔ ہو سکتا ہے **ھم** سے مراد چار نبی ہوں کیونکہ شعیب علیہ السلام تو موسیٰ علیہ السلام کے ہم زمانہ تھے۔ لفظ موسیٰ کے معنی، آپ کا نسب نامہ ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ لفظ بنا ہے **مو** اور **سی** سے۔ مو یعنی پانی اور سی۔ بمعنی ساگوان کی لکڑی کا صندوق چونکہ آپ کو بی بی آسیہ زوجہ فرعون نے ایک بہتے ہوئے صندوق سے پایا تھا اس لئے آپ کا نام انہوں نے **موسیٰ** رکھا۔ **بآیتنا** یہاں ب۔ بمعنی مع ہے۔ آیات جمع ہے آیۃ کی اس سے توریت شریف کی آیتیں مراد نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو توریت فرعون کے ڈوبنے کے بعد ملی۔ لہذا اس سے مراد معجزات ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب نے نو معجزات عطا فرمائے۔ عصا، ید بیضا، فرعونیوں پر قحط کے سال، ان کے پھلوں کی کمی، طوفان، ٹڈیاں، جوں، مینڈک، خون۔ قرآن مجید میں ان کا ذکر دوسری جگہ ہے (روح البیان وغیرہ) مگر پہلے دو معجزات آپ فرعون کے پاس لے کر گئے۔ باقی سات معجزات بطور عذاب آپ کو عطا ہوئے۔ خود عصا شریف بہت سے معجزوں کا مجموعہ تھا بہر حال **بآیتنا** فرمانا بالکل درست ہوا۔ خیال رہے کہ کفار کتاب الٰہی ماننے کے مکلف نہیں ہوتے وہ بذریعہ معجزات نبی پر ایمان لانے کے مکلف ہوتے ہیں نبی پر ایمان لانے کے بعد ان کی کتاب ماننے کے مکلف ہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ گزشتہ نبیوں کی کتابیں ان کا معجزہ نہ تھیں۔ قرآن مجید حضور انور کا معجزہ ہے اسی لئے ان کتب نے کسی کو اپنے مقابلہ کی دعوت نہ دی۔ قرآن مجید نے اعلان فرمایا کہ **وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ** ان وجوہ سے یہاں آیاتنا میں توریت شریف داخل نہیں ہو سکتی۔ **الی فرعون وملائہ** یہ عبارت متعلق ہے **بعثنا** کے۔ موسیٰ علیہ السلام سارے مصریوں کے نبی تھے قبطی ہوں یا سبطی (اسرائیلی) مگر چونکہ قبطی لوگ بادشاہ تھے ان کے ایمان لے آنے سے دوسرے لوگ بھی ایمان لے آتے اس لئے یہاں خصوصیت سے فرعون اور اس کی جماعت کا ذکر ہوا۔ خیال رہے کہ مصر کے بادشاہ کو پہلے عزیز کہا جاتا تھا پھر اسے فرعون کہا جانے لگا جیسے فارس کے بادشاہ کو کسریٰ اور روم کے بادشاہ کو قیصر، حبش کے بادشاہ کو خاقان، یمن کے بادشاہ کو تبع، عرب کے بادشاہ کو قیل، حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی (روح البیان) موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کا نام ولید ابن مصعب ابن ریان تھا۔ فرعون کے تاریخی حالات پہلے پارہ میں بیان ہو چکے اس کی کنیت ابو مرہ یا ابو العباس تھی، اس کی عمر میں اختلاف ہے۔ صاوی نے فرمایا کہ اس کی عمر چھ سو بیس سال ہوئی چار سو سال سلطنت کی۔ اس عرصہ میں کبھی بیمار بھی نہیں ہوا کوئی تکلیف نہ دیکھی۔ واللہ اعلم۔ **ملا** سرداروں کی جماعت کو کہتے ہیں جن

سے مجلس بھر جاوے، اور دیکھنے والے کا دل رعب سے بھر جاوے، اگرچہ موسیٰ علیہ السلام سارے قبطیوں کے بھی نبی تھی مگر سرداروں کو خصوصیت سے آپ نے تبلیغ فرمائی اور خصوصیت سے ان کی طرف بھیجے گئے تھے جس کی وجہ ابھی عرض کی گئی کہ ان کی اصلاح سے قوم کی اصلاح ہوتی ہے۔ **فظلموابها** یہ عبارت معطوف ہے **بعثنا** پر، ظلم بغیر حرف جر کے متعدی ہوتا ہے مگر یہاں بعد میں ب لائی گئی یا تو اس لئے کہ یہاں ظلم میں کفرو جحود (انکار) کے معنی شامل ہیں۔ چونکہ کفرو جحود دونوں ب سے متعدی ہوتے ہیں اس لئے ب آئی بعض نے فرمایا کہ ظلوا۔ بمعنی کفروا ہے یعنی ان آیات کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے کہ ان کو جادو کہنے لگے (روح المعانی) چونکہ کفر نبی کے انکار سے ہوتا ہے اس لئے **بها** فرمانا بالکل درست ہوا۔ **ها** کا مرجع وہی مذکورہ آیات ہیں۔ خیال رہے کہ ظلم کے بہت معنی ہیں جن میں سے ایک معنی ہیں کسی چیز کو بے محل بے موقع استعمال کرنا چونکہ ان لوگوں نے آپ کے معجزات کو جادو کہہ کر ان کا انکار کیا اس لئے اس انکار کو ظلم کہا گیا **فانظر كيف كان عاقبة المفسدين** اس میں خطاب یا تو نبی کریم ﷺ سے ہے تو نظر۔ بمعنی آنکھ سے دیکھنا بھی ہو سکتا ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے ہے یا کفار سے بھی تو نظر۔ بمعنی غور کرنا ہے۔ عاقبۃ یعنی انجام سے مراد ہے فرعونیوں کا غرق ہونا چونکہ کفر فساد ہے اور ہر کافر فسادی ہے کہ اللہ کی زمین میں فساد پھیلاتا ہے اس لئے انہیں مفسدین فرمایا۔ یعنی اے محبوب! دیکھو تو کیونکہ تمہاری آنکھ اگلی پچھلی ہر چیز دیکھتی ہے یا اے قرآن پڑھنے والے غور تو کر کہ اس جابر قوم کا نتیجہ کیا ہوا۔ **وقال موسى** یہ عبارت نیا جملہ ہے جس میں ابتداء تبلیغ کا ذکر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نہایت ہی بہادرانہ شان سے فرعون کے دربار میں تشریف لے گئے اس کے دروازے پر عصا شریف اس زور سے مارا کہ فرعون کانپ اٹھا آپ کا عصا اور آپ خود دس دس ہاتھ دراز تھے۔ عصا شریف اگر پھینک دیتے تو سانپ بن جاتا تھا اٹھاتے تو پھر لاٹھی کنوئیں میں لٹکاتے تو رسی کا کام دیتا۔ رات کو بیڑی کی طرح روشنی دیتا۔ رہبری کرتا تھا، پتھر پر مارتے تو اس سے چشمہ پانی کا ابل پڑتا بعض روایات میں ہے کہ خشک زمین پر مارتے تو سبزہ پیدا ہو جاتا تھا اگر کوئی درندہ آپ کی طرف آتا تو عصا اسے دفع کرتا تھا (تفسیر کبیر وغیرہ)۔ خیال رہے کہ فرعون پہلا وہ شخص ہے جس نے اپنی داڑھی اور سر میں سیاہ خضاب لگایا۔ اسلام میں سیاہ خضاب ممنوع ہے سواء غازی کے (روح البیان) سیاہ خضاب میں کچھ تفصیل ہے جو شامی میں اور ہمارے فتاوی میں ملاحظہ کرو۔ **يفرعون انى رسول من رب العلمين** موسیٰ علیہ السلام نے فرعونی دربار میں پہنچ کر پہلے اپنے تین صفات بیان کئے اور پھر اسے ایک حکم دیا اپنی پہلی صفت بیان کی **رسول من رب العلمين** دوسری صفت **حقيق على ان لا اقول** تیسری صفت **قد جئتكم** حکم یہ دیا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دے اگرچہ وہاں اس کے ارکان دربار بھی موجود تھے مگر خطاب صرف فرعون سے کیا کیونکہ وہ ان سب کا بڑا تھا۔ اس سے خطاب ان سب سے خطاب تھا۔ رسول فرما کر یہ بتایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے لئے پیغام لایا ہوں اور پیغام کے ساتھ انعام بھی کہ اگر تو میری بات مان لے تو تجھے دین و دنیا کی نعمتیں ملیں گی **من رب العلمين** فرما کر فرعون کے دعوئے ربوبیت کی تردید فرمائی وہ مصریوں سے کہتا تھا **انا ربكم الاعلى** میں ہوں تمہارا بڑا رب آپ نے فرمایا کہ رب وہ ہے جو سارے جہانوں کو پالے تو بھی جہانوں میں داخل ہے۔ خدا تعالیٰ تیرا بھی رب ہے تو اس کی عبادت، میری اطاعت کر چونکہ ایمانیات میں نبی کی معرفت سب چیزوں پر مقدم ہے اس لئے پہلے آپ نے اپنی پہچان کرائی اور اپنے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی چونکہ نبی کو بشر، انسان، فلاں کا بیٹا پوتا ماننے کا نام

ایمان نہیں بلکہ انہیں نبی رسول ماننے کا نام ایمان ہے۔ اس لئے آپ نے یہ نہ فرمایا کہ میں عمران کا نور نظر یا جناب یوحائذ کا لخت جگر ہوں بلکہ فرمایا کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں **حقیق علی ان لا اقول علی اللہ الا الحق** موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان عالی فرعون کے انکار کے جواب میں تھا کہ اس نے کہا آپ جھوٹ کہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ جھوٹ نہیں بولا کرتے جیسے آم کے درخت میں کانٹے نہیں ہوتے ایسے ہی نبی کے پاس جھوٹ نہیں ہوتا۔ نافع اور مجاہد کی قرآت میں **علی** ہے **ی** کے شد سے۔ باقی تمام قرآءتوں میں علی ہے حرف جر۔ مجاہد کی قرآءت کے معنی ہیں کہ مجھ پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ پر حق کے سوا کچھ نہ کہوں۔ ہماری قرآءت کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں (1) یہ رسول کی صفت ہے اور علی سے علیحدہ جملہ ہے (2) یہ ان کی دوسری خبر ہے (3) یہ انا پوشیدہ کی خبر ہے اور حقیق بمعنی لائق ہے یا بمعنی حریص (4) علی بمعنی ب ہے اعلیٰحضرت قدس سرہ کا ترجمہ اس معنی اخیر پر ہے۔ خیال رہے کہ علی بمعنی ب آتا ہے۔ کہا جاتا ہے **رمیت علی القوس** یعنی میں نے کمان سے تیر پھینکا۔ **قد جئتکم ببینتہ من ربکم** یہ اپنے دعووں کا ثبوت ہے۔ **ببینتہ** یہاں جنسی معنی میں ہے کیونکہ آپ اس وقت دو معجزے لے کر فرعون کے پاس گئے تھے عصا اور ید بیضا۔ بینہ کے معنی روشن واضح دلیل معجزے نبی کی نبوت کی دلیل ہوتے ہیں یعنی میرے دعویٰ نبوت کی دلیل یہ ہے کہ میں خالی ہاتھ نہیں آیا ہوں بلکہ رب کی طرف سے کھلی نشانیاں معجزات لایا ہوں **فارسل معی بنی اسرائیل** یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے یعنی چونکہ میں اللہ کا نبی ہوں۔ تجھ پر میری اطاعت واجب لہٰذا تو خود بھی ایمان لا اور بنی اسرائیل کو اپنی **خدمت گاری** سے آزاد کر دے انہیں مصر سے جانے کی اجازت دے دے کہ میں انہیں لے کر اپنے آبائی وطن فلسطین بیت المقدس چلا جاؤں جیسا کہ ہم ابھی خلاصہ تفسیر میں انشاء اللہ عرض کریں گے۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ میں تیرا ملک نہ چھیننا چاہتا ہوں نہ تیرے ملک میں رہنے کا ارادہ رکھتا ہوں البتہ تیرے ظلم و تشدد سے مظلوم اسرائیلیوں کو چھڑانا چاہتا ہوں اس فرمان عالی میں حضرت کلیم اللہ نے اپنے استغناء اور بے نیازی کا ذکر فرمایا کہ ہم تیرا ملک تیری حکومت تیری سلطنت نہیں چاہتے بلکہ تجھے ایمان دینا چاہتے ہیں ہم تجھ سے لینے نہیں آئے بلکہ دینے آئے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ہم نے مذکورہ بالا نبیوں کے بعد ایک شاندار نبی موسیٰ علیہ السلام کو خصوصی معجزات دے کر فرعون اور فرعونیوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا ان فرعونیوں نے بجائے ایمان لانے کے ان معجزات کا انکار کر دیا۔ اپنے پر ظلم کیا تو تم خود ہی غور کر لو کہ ان کا انجام ان مفسدین کا نتیجہ کیا ہوا۔ جناب موسیٰ نے فرعونی دربار میں جا کر کہا کہ اے فرعون میں تیرے پاس اس ذات کا رسول ہو کر آیا ہوں جو تمام جہانوں کا دائمی پالنے والا ہے تو رب نہیں بلکہ رب کا بندہ ہے پہلے مجھے پہچان پھر میرے ذریعہ رب کو پہچان اس نے آپ کا انکار کیا آپ کو جادوگر آپ کے معجزات کو جادو کہا تو آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور مجھے یہ لائق ہی نہیں کہ اللہ کی طرف حق کے علاوہ کوئی اور چیز کو نسبت کروں میں حق باتیں ہی اس کی طرف منسوب کروں گا۔ میں صرف دعویٰ نبوت لے کر خالی ہاتھ نہیں آیا ہوں بلکہ رب کی طرف سے اپنی نبوت کی روشن دلیلیں لایا ہوں لہٰذا تو مجھ پر ایمان لا اور میری قوم بنی اسرائیل کو آزاد کر دے تاکہ میں انہیں ان کے اصلی وطن فلسطین میں لے جاؤں میں تیرا ملک تیرا راج لینا نہیں چاہتا تجھے ایمان دے کر اپنی قوم کو تیرے ملک سے لے جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرعون سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تو میری بات

مان لے کاتو تیری جوانی تیرا حسن تیری تندرستی تیرا الملک مرتے دم تک تیرے پاس رہے گا۔

خیال رہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مع اپنی اولاد کے اپنے فرزند یوسف علیہ السلام کے پاس مصر میں آن بسے تھے وہاں آپ کی اولاد بہت پھلی پھولی حتی کہ لاکھوں ہو گئی۔ یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون یعنی بادشاہ مصر کا نام ریان تھا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا مصعب ابن ریان بنی اسرائیل کا بڑا احترام کرتا تھا۔ اس کی موت کے بعد جب ولید مصر کا بادشاہ بنا یعنی فرعون موسیٰ علیہ السلام تو اس نے دعویٰ خدائی کیا۔ بنی اسرائیل نے یہ دعویٰ قبول نہ کیا۔ وہ بولا کہ تمہارے جد امجد یعنی یوسف علیہ السلام کو ہم مصریوں نے خریدا تھا تم لوگ ہمارے خریدے ہوئے کی اولاد ہو لہٰذا ہمارے غلام ہو بلکہ غلام زادے ہو۔ انہیں اپنا غلام بنا کر نہایت دشوار اور ذلت کے کاموں پر لگا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں آزاد کرانا چاہا۔ یہاں اسی کا ذکر ہے (روح البیان)۔

خون اسرائیل جب آ جاتا ہے جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** گروہ انبیاء میں موسیٰ علیہ السلام بڑے شاندار نبی ہیں۔ آپ پہلے صاحب کتاب نبی ہیں۔ حتی کہ بعض نے فرمایا کہ حضور انور کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا درجہ آتا ہے مگر حق یہ ہے کہ حضور انور کے بعد درجہ ابراہیم علیہ السلام کا ہے یہ فائدہ موسیٰ علیہ السلام کا علیحدہ خصوصی ذکر فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بہت سے معجزے عطا فرمائے۔ یہ فائدہ **بایتنا** سے حاصل ہوا۔ ہمارے حضور کے بعد زیادہ معجزات والے موسیٰ علیہ السلام ہی ہیں کہ آپ کو نو معجزے عطا ہوئے۔ حضور انور کی شان تو یہ ہے۔

دیئے معجزے انبیاء کو خدا نے ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا

حضور انور کے معجزات چھ ہزار تو وہ ہیں جو روایات میں آگئے۔ **تیسرا فائدہ:** موسیٰ علیہ السلام صرف اہل مصر کے نبی تھے یعنی آپ کی نبوت سارے انسانوں کے لئے نہ تھی۔ یہ فائدہ **الی فرعون** سے حاصل ہوا۔ سارے جہان کے نبی صرف ہمارے حضور انور ہی ہیں۔ آدم علیہ السلام اپنی موجودہ اولاد کے نبی تھے۔ حضرت سلیمان جن و انس کے بادشاہ تھے۔ کونین کے نبی صرف حضور انور ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** سرداروں کو خصوصیت سے تبلیغ کرنی چاہئے کہ ان کے درست ہو جانے سے بقیہ ماتحت بھی درست ہو جاتے ہیں۔ یہ فائدہ **الی فرعون و ملائه** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر بغیر پیغمبر بھیجے اور ان کے انکار کئے بغیر عذاب نہ بھیجا اگرچہ وہ کیسے ہی مجرم تھے۔ یہ فائدہ **فظلموا بها** اور **فانظر** فرمانے سے حاصل ہوا کہ فرعون سالہا سال دعویٰ خدائی اور بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل کرتا رہا مگر عذاب نہ آیا۔ موسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا تو ڈبو دیا گیا۔ **چھٹا فائدہ:** کافر فاسق فسادی ہیں کہ ان کے کفر و فسق کی وجہ سے زمین میں بلائیں، وبائیں، فساد، عذاب آتے ہیں۔ مومن فسادی نہیں۔ دیکھو رب نے فرعونیوں کو مفسدین فرمایا۔ **ساتواں فائدہ:** ایمانیات میں رسول کی معرفت پہلے ہے باقی چیزیں توحید وغیرہ بعد میں ہیں۔ یہ فائدہ **انی رسول من رب العلمین** سے حاصل ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے پہلی تبلیغ میں اپنی پہچان کرائی۔ ہمارے حضور انور نے پہلی تبلیغ میں فرمایا تھا کہ **کیف انا فیکم** بتاؤ تم میں ہم کیسے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا مظہر بلکہ اس کی دلیل ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **من رب العلمین** سے حاصل

ہوا کہ آپ نے من اللہ نبی فرمایا: جب رب نے ہماری جسمانی پرورش کے لئے دانے **پھل وغیرہ پیدا** فرمائے تو روحانی پرورش کے لئے نبی بھیجے احکام ارشاد فرمائے۔ **نواں فائدہ**: حضرات انبیاء کرام کی زبان پر کبھی جھوٹ باطل نہیں آتا وہ ہمیشہ سچ اور حق ہی بولتے ہیں۔ یہ فائدہ **الا الحق** سے حاصل ہوا۔ نبی جھوٹ سے معصوم ہیں۔ **دسواں فائدہ**: بنی اسرائیل نہ تو کسی کے غلام تھے نہ کسی کے غلام زادے۔ بلکہ فرعون نے انہیں ظلماً قید کر رکھا تھا۔ یہ فائدہ ارسل فرمانے سے حاصل ہوا کہ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ انہیں آزاد کر دے۔ بلکہ فرمایا بھیج دے چھوڑ دے۔ **گیارھواں فائدہ**: کسی نبی کی کتاب **ان کا معجزہ نہ** تھی۔ ہمارے حضور انور کا قرآن حضور کا زندہ جاوید معجزہ ہے اس لئے اور رسولوں کو کتاب **دعوی نبوت سے عرصہ** کے **بعد ملی مگر** حضور کی نبوت کے ظہور کی ابتداء نزول قرآن سے ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام **عصا ید بیضا لے کر فرعون** کے **پاس تشریف لے گئے**۔ ہمارے حضور قرآن لے کر کفار مکہ کے پاس غار حرا سے تشریف لائے۔ حضور کا یہ **معجزہ عظیم الشان** ہے یہ فائدہ **جئتکم ببینۃ** سے حاصل ہوا۔

اعتراضات: موسیٰ علیہ السلام کا ذکر یہاں پانچ نبیوں کے بعد ہے۔ **نوح لوط صالح ہود اور شعیب علیہم السلام** جن میں سے **چار نبی** تو موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہیں مگر حضرت شعیب علیہ السلام آپ کے ہم زمانہ ہیں لیکن ارشاد ہوا **ثم بعثنا من بعدھم موسی** کہ پھر ہم نے ان پانچوں رسولوں کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا یہ کیونکر درست ہوا۔ نہ **ثم** فرمانا درست ہے نہ **من بعدھم** کہنا صحیح۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں **ثم** اور **من بعدھم** فرمانا ترتیب و تاخیر ذکری کے لئے ہے نہ کہ ترتیب زمانی کے لئے یعنی پھر یہ بھی سن لو۔ ان نبیوں کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی پڑھ لو۔ دوسرے یہ کہ یہاں **من بعدھم** فرمانا غلبہ کے لئے ہے چونکہ **چار نبی** موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے صرف ایک نبی شعیب علیہ السلام آپ کے ہم زمانہ تھے اس لئے **ثم** اور **من بعدھم** ارشاد ہوا۔ تیسرے یہ کہ **فرعون** اور **فرعونیوں** کو ان پانچوں نبیوں کی خبر پہلے مل چکی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام ان خبروں کے بعد نبی بنا کر بھیجے گئے **لہذا ثم فرمایا**۔ گویا یہ **ترتیب علمی** ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بعد میں نبی بنے۔ یہاں نبوت میں بعدیت مراد ہے **وفات کے بعد ہونا** مراد نہیں۔ **فقیر کے نزدیک** یہ آخری جواب **قوی** ہے۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ **پانچوں نبی بھی فرعون** کی طرف بھیجے گئے ہوں گے کیونکہ ارشاد ہے **ثم بعثنا من بعدھم موسی بایتنا الی فرعون** ہم نے ان مذکورہ پانچوں رسولوں کے بعد موسیٰ کو فرعون کی طرف بھیجا حالانکہ یہ تو درست نہیں فرعون کے رسول **صرف** موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ **جواب**: یہاں **الی فرعون بعثنا** کی قید نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی حالت کا ذکر ہے یعنی گزشتہ نبیوں کو ان کی **قوموں کی طرف** بھیجا پھران کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا۔ لہذا آیت واضح ہے اس پر اعتراض نہیں۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا مگر دوسری جگہ ارشاد ہے کہ **انہیں بنی اسرائیل کی طرف** بھیجا۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: موسیٰ علیہ السلام اہل مصر کے رسول تھے۔ **مصر میں اسرائیلی بھی آباد تھے اور قبطی یعنی فرعونی** لوگ بھی۔ اس لئے آپ ان دونوں قوموں کے نبی تھے **لہذا** دونوں آیتیں **درست ہیں جیسے کہا جاتا ہے** کہ حضور عرب کے نبی ہیں اور حضور عجم کے نبی ہیں یعنی دونوں کے نبی ہیں۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا **بایتنا** حالانکہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس

صرف دو معجزے لے کر پہنچے تھے۔ عصا اور ید بیضا' پھر آیات جمع فرمانا کیونکر درست ہوا **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اگرچہ اس وقت تو آپ کے پاس دو معجزے تھے مگر بعد میں آپ کو اور معجزے بھی دیئے گئے جو فرعون نے دیکھے' جیسے خون' جوں' مینڈک کے عذاب۔ یہاں سارے معجزات مراد ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ دونوں معجزے بہت سے معجزوں کا مجموعہ تھے۔ عصا سانپ بنتا تھا پھر لاٹھی بن جاتا تھا' رات میں روشنی دیتا تھا۔ کنوئیں میں لٹکانے پر رسی بن جاتا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام سوتے تھے تو آپ کا محافظ پہرہ دار بن جاتا تھا' پتھر پر مارنے سے پانی کے چشمے نکلتے تھے' اسی سے دریا چیر اگیا۔ ان وجوہ سے آیات فرمانا بالکل درست ہوا جیسے ہمارے حضور کے منہ کا لعاب دکھتی آنکھ پر لگے تو شفا بخشے۔ ٹوٹی ہڈی میں لگے تو جوڑ دے۔ کھاری کنوئیں میں پڑے تو میٹھا کردے۔ تھوڑے گوشت' تھوڑے آٹے میں پڑے تو برکت دے کر صدہا آدمی اس سے سیر ہو جاویں۔ **اللھم صل وسلم وبارک علیہ۔** **پانچواں اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو رسول اللہ کیوں نہ فرمایا **من رب العلمین** کیوں فرمایا۔ **جواب**: اس لئے کہ فرعون اپنے کو رب کہتا تھا۔ **انا ربکم الاعلی** رب العالمین فرما کر اس کے اس قول کی تردید فرمادی کہ تو مربوب ہے کیونکہ عالمین میں تو بھی داخل ہے کیونکہ تو بھی دوسروں کی طرح کھانے پینے' سونے' جاگنے وغیرہ کا محتاج ہے' جو محتاج ہے وہ عالمین میں سے ہے۔ جو کل کا ہر طرح حاجت روا ہے وہ رب العالمین ہے نیز عالمین تجھ سے پہلے بھی تھے اور تیرے بعد بھی رہیں گے' پالنے والا پہلے ہوتا ہے' پلنے والے بعد میں۔ نیز رب وہ جو سب کی حاجتیں جانے' تجھے تو اپنی حاجات کی بھی خبر نہیں پھر تو رب کیوں بنتا ہے۔ رب وہ ہے جس کا رسول میں ہوں۔ میری رسالت اس کی ربوبیت کی دلیل ہے۔ **چھٹا اعتراض**: **حقیق** کے معنی ہیں لائق یا سزاوار۔ اس کے بعد **علی** نہیں آنا چاہئے پھر یہاں علی کیوں آیا۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں **حقیق یا** بمعنی حریص ہے یا علی' بمعنی ب ہے لہذا آیت واضح ہے۔ **ساتواں اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت فرعون کو عبادات کا حکم نہیں دیا تھا صرف یہ فرمایا کہ نبی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔ اس کی کیا وجہ تھی۔ نبی تو احکام شرعیہ پہنچاتے ہیں۔ **جواب**: کفار کو اولاً" صرف عقیدے کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ اسلام قبول کر لینے پر احکام کی تبلیغ ہوتی ہے یہ وقت اول تبلیغ کا وقت تھا ارسل' فرما کر یہ بتایا گیا ہے کہ مجھے تیری حکومت تیرے ملک پر قبضہ کرنا نہیں ہے۔ میں تو یہاں رہنا بھی نہیں چاہتا اپنی قوم کو فلسطین لے جانا چاہتا ہوں تو انہیں آزاد کر کہ میں انہیں یہاں سے لے جاؤں تو یہاں مزے سے راج کر۔

تفسیر صوفیانہ: سنت الہیہ یہ ہے کہ ہر قسم کے گمراہ کی طرف اس کے مناسب ہادی بھیجتا ہے۔ جن سے ان لوگوں کو انس ہو تا کہ تبلیغ میں آسانی ہو نیز جیسی گمراہی ویسی ہدایت دیکھو لولا" موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے گھر بلکہ اس کی گود میں پرورش کرا کے اسے آپ سے مانوس کر دیا پھر آپ کو نبی بنا کر اس کی ہدایت کے لئے بھیجا پھر جس قسم کی چیزیں فرعون کی گمراہی کا باعث تھیں یعنی جادوگروں کے جادووں کے کمالات' اسی قسم کے معجزے اس کی ہدایت کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تاکہ فرعون کو کسی قسم کا عذر نہ رہے' جب وہ ان چیزوں کے باوجود راہ راست پر نہ آیا تو اسے ظالم قرار دیا گیا کہ ارشاد ہوا **فظلموا بھا** انہیں فسادی ٹھہرایا گیا انہیں مفسد کہا گیا' پھر نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ بچپن سے ایسے کام ان سے صادر نہیں ہوتے جو آگے چل کر ان پر طعن کا ذریعہ بنیں اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون تو میرے بچپن و جوانی دیکھ چکا ہے۔ میری زبان سے کبھی

جھوٹ نہ نکلا تو تو اس سے یہ نتیجہ نکال کہ میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں باندھ سکتا جو کبھی بچپن میں جھوٹ نہ بولے وہ رب پر جھوٹ کیسے باندھ سکتا ہے۔ نبی کی راست بازی حق گوئی اللہ کی معرفت کی دلیل ہوتی ہے اسی لئے آپ نے اپنی معرفت سب سے پہلے کرائی اس ذریعہ سے رب کی معرفت کرائی۔ نبی کی ذات' اخلاق' اعمال' عادات' رب تعالیٰ کا پتہ ہیں۔ رب تعالیٰ اسی پتہ سے ملتا ہے اس بے نشاں کا نشان یہ حضرات ہیں۔

نشان بے نشاں بن کر' زبان بے زبان بن کر
وہ آئے اس جہاں میں حسن مطلق کی لوا ہو کر

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى

کہا اس نے اگر ہیں آپ لائے کوئی نشان تو لاؤ اُسے اگر ہوں آپ سچوں میں سے پس پھینک

بولا اگر تم کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو لاؤ اگر سچے ہو تو موسیٰ نے اپنا عصا

عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

دی آپ نے لاٹھی اپنی پس اچانک وہ اژدہا تھا کھلا ہوا۔ اور کھینچا آپ نے ہاتھ اپنا پس اچانک وہ روشن تھا واسطے دیکھنے والوں کیلئے

ڈال دیا وہ فوراً ایک اژدہا ظاہر ہو گیا۔ اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے سامنے جگمگانے لگا

تعلق: قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ قال کا فاعل فرعون ہے چونکہ اسے موسیٰ علیہ السلام کے سچے نبی ہونے "معجزات لانے میں شک و تردد تھا اس لئے یہاں ان مولا جو شک کے لئے کلام آتا ہے **جئت** بنا ہے **مجی** سے۔ معنی آنا۔ مگر عرف میں ابتداء کے پاس سے آنے کو بھی کہتے ہیں اور منتہی تک پہنچنے کو **ایتاء** اسی لئے اس نے **جئت** کہا **ایته**۔ معنی نشانی ہے۔ آپ نے معجزے کو **بینته** فرمایا اس نے آیتہ کہا۔ مقصد ایک ہی ہے یعنی اگر تم رب تعالیٰ کے پاس سے آئے ہوئے نشانی لائے ہو تو پیش کرو **فات بها ان كنت من الصادقين**۔ ظاہر یہ ہے کہ **فات بها** جزاء ہے **ان كنت جئت** کی اور اس کی ف جزائیہ ہے اور **ان كنت من الصادقين** کی جزاء پوشیدہ ہے۔ جس پر **فات بها** دلالت کر رہا ہے (صاوی) چونکہ ایتاء آنے کو کہتے ہیں منتہی کے لحاظ سے اس لئے یہاں **فات** کہا اور پہلے جئت کہا تھا۔ خیال رہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کی حق گوئی راست بازی کا دل سے قائل تھا کیونکہ وہ آپ کا شروع زمانہ دیکھ چکا تھا مگر اسے موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ میں دو چیزوں پر بہت حیرت ہوئی ایک یہ کہ میرے سوا کوئی اور رب ہے وہ تو اپنے ہی کو رب کہتا تھا۔ دوسرے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام اس رب کے بھیجے ہوئے رسول ہیں وہ نبوت اور رسالت سے یک دم خالی الذہن تھا اس لئے اس نے شک کے طریقہ سے کہا کہ اگر آپ سچے ہیں تو "معجزہ دکھائیے **فالقى عصاه** یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے۔ ف سے اشارۃً "معلوم ہوا کہ آپ نے فرعون کلیہ کلام سن کر بغیر تامل فوراً" اپنی لاٹھی پھینکی عصا موسوی کس لکڑی کا تھا۔ قوی وہ ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جنتی درخت آس کا تھا جو آدم علیہ السلام جنت سے لائے تھے وہ حضرات انبیاء کرام میں منتقل ہوتا ہوا شعیب علیہ السلام تک پہنچا تھا۔

ان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا تھا۔ اس کا نام ماشا تھا (روح المعانی) دس ہاتھ دراز تھا۔ آپ کے قد کے برابر۔ **فاذاھی ثعبان مبین** یہ عبارت معطوف ہے **فالقی** پر' یا پوشیدہ شرط کی جزاء ہے **ف** سے معلوم ہوا کہ عصا شریف آپ کے ہاتھ سے گرتے ہی اژدہا بن گیا بغیر تاخیر کے۔ **ثعبان** بنا ہے **ثعب** سے' معنی پانی بہنا' لمبے موٹے اژدہا کو **ثعبان** کہا جاتا ہے کہ وہ چلنے میں لہراتا نہیں بلکہ پانی کی طرح یکساں چلتا ہے (روح المعانی) **ھی ثعبان** فرما کر یہ بتایا کہ اس لاٹھی کا سانپ بن جانا اس قدر ظاہر تھا کہ کسی کو اس میں شک اور تردد نہیں ہوا۔ ظاہر ظہور سانپ بن گیا وہ سانپ جسما" تو اژدہا تھا مگر تیز رفتاری میں پتلے سانپ کی طرح تھا اس لئے دوسری جگہ اسے **جان** فرمایا۔ **تتھز کانھا جان** مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ اسی ہاتھ لمبا سانپ تھا جب اس نے منہ پھاڑا تو اس کا نچلا ہونٹ زمین پر تھا' اونچلا ہونٹ فرعون کے محل کی چوٹی پر تھا۔ دونوں ہونٹوں میں اسی ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ پیلے رنگ کا تھا۔ اپنی دم پر کھڑا ہو گیا۔ اس طرح فرعون کی طرف چلا۔ فرعون گوزمار تا بھاگا۔ اس دن اسے چار سو گوز آئے پھر ڈوبتے وقت تک فرعون کو دستوں کا مرض رہا اس سے پہلے اسے چالیس دن میں ایک بار پاخانہ کی حاجت ہوتی تھی۔ لوگوں میں اس قدر بھگدڑ مچی کہ کئی ہزار آدمی کچلے گئے۔ فرعون چیخا کہ اے موسیٰ! مجھے بچاؤ۔ میں تم پر ایمان لاؤں گا۔ بنی اسرائیل کو آزاد کردوں گا' تب آپ نے اسے پکڑ کر اٹھایا تو ویسی ہی لاٹھی تھی (صاوی' خازن' معانی' بیان وغیرہ) **ونزع یدہ** یہ آپ کا دوسرا معجزہ تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رنگ گہرا گندمی تھا۔ آپ نے پہلے اپنے ہاتھ فرعون کو دکھائے فرمایا یہ کیا چیز ہے۔ بولا آپ کے ہاتھ ہیں۔ آپ نے داہنا ہاتھ گریبان یا بائیں بغل میں ڈالا۔ اب جو نکالا تو سورج سے بھی زیادہ چمک رہا تھا اس کا ذکر یہاں ہے۔ **نزع** کے معنی ہیں کھینچا یا نکالا۔ اس سے ڈالنے کے معنی آپ ہی سمجھ میں آگئے۔ **ید** سے مراد داہنا ہاتھ ہے (روح المعانی) **فاذاھی بیضاء للنظرین** ھی کا مرجع آپ کا ہاتھ شریف ہے۔ **بیضاء** فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ وہ محض سفید نہیں تھا بلکہ چمکدار تھا۔ **للنظرین** فرما کر دو باتیں بتائیں۔ ایک یہ کہ صرف فرعون ہی کو اس کی شعاعیں محسوس نہ ہوئیں بلکہ سارے دیکھنے والوں کو نظر آتا تھا۔ دوسرے یہ کہ اس کی شعاعیں بیٹری کی طرح صرف سامنے والوں کو نظر آتی تھیں۔ خود موسیٰ علیہ السلام کی جانب شعاعیں نہ تھیں۔ خیال رہے کہ پہلے معجزہ میں حقیقت کی تبدیلی تھی کہ لکڑی سانپ بن گئی تھی مگر اس معجزہ میں صرف رنگت کی تبدیلی ہے۔ ہاتھ شریف کی حقیقت نہ بدلی تھی۔ تبدیلی حقیقت اور چیز ہے۔ تبدیلی صفت و رنگت اور چیز۔ اسی لئے آپ نے عصا کا معجزہ پہلے دکھایا دوسرا معجزہ بعد میں۔ غالب یہ ہے کہ یہ معجزہ دوسری مجلس میں دکھایا کہ پہلے معجزہ کو دیکھ کر فرعون کی مجلس درہم برہم ہو گئی تھی جیسا کہ ابھی تفاسیر کے حوالہ سے عرض کیا گیا۔ یہ دوسری مجلس خواہ اسی وقت لگ گئی ہو یا کچھ وقفہ کے بعد واللہ ورسولہ اعلم۔ اس ہاتھ شریف کی صفت یہ تھی کہ جب آپ پہلی بار بغل میں ڈالتے تو چمک جاتا تھا پھر جب دوسری بار ڈالتے تو اپنی اصلی حالت پر آجاتا تھا' صرف ہتھیلی چمکتی تھی۔ اسی کو **ید** فرمایا گیا (از روح المعانی مع الزیادۃ)

خلاصہ تفسیر: جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمان عالی فرعون کو دیا اپنا مقام بتایا تو اسے حیرت ہو گئی کہ میرے سوا اور کوئی رب العلمین کیسے ہو سکتا ہے اور نبی و رسول کیسے ہوتے ہیں' معجزہ کیا چیز ہے۔ حیران ہو کر بولا کہ اگر آپ اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لئے کوئی معجزہ لائے ہو تو لائیے پیش کیجئے۔ اگر آپ سچے ہیں تو بغیر پس و پیش دکھائیں۔ آپ نے یہ سنتے ہی فورا" اپنی لاٹھی

پھینکی تو وہ ظاہر ظہور عظیم الشان اژدھا بن گیا۔ صرف صورت میں اژدہانہ ہوا تھانہ نظر بندی تھی بلکہ حقیقت میں بدل گئی تھی۔ اس کے فوراً بعد یا دوسری مجلس میں آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بغل میں ڈال کر نکالا تو اسکی ہتھیلی جو دیکھنے والوں کی طرف تھی نہایت تیز چمکیلی ہو گئی جس نے اپنی تیزی سے دھوپ کو ماند کر دیا۔ خیال رہے کہ فرعونی جادوگروں نے بھی رسیوں، بلیوں، بانسوں کو سانپ بنا کر دکھایا مگر وہاں صرف نظر بندی تھی۔ حقیقت نہ بدلی تھی اس لئے اس کے متعلق ارشاد ہوا **سحروا اعین الناس** کہ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ **سورہ طٰہٰ** میں فرمایا **یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعی**

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے گزشتہ نبیوں کو مقید معجزات عطا فرمائے چنانچہ داؤد علیہ السلام کی آواز میں معجزہ تھا عیسیٰ علیہ السلام کے دم میں معجزہ کہ ان کے دم سے مردے زندہ اندھے کوڑے اچھے ہوتے تھے اور مٹی کی چڑیاں اسی دم سے اصلی جیتی جاگتی چڑیاں بن جاتی تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ شریف میں معجزے مگران میں یہ قید تھی کہ سوائے خاص عصا کے اور کسی چیز کو سانپ نہیں بناتا تھا اور بغیر بغل میں گئے ہوئے نہ چمکتا تھا۔ یہ فائدہ **القی عصاہ** اور **نزع یدہ** سے حاصل ہوا مگر ہمارے نبی ﷺ کو رب نے مطلق، معجزات عطا فرمائے کہ حضور کے ہر عضو میں، ہر فعل میں ہر ادا میں معجزے۔

دیئے معجزے ہر نبی کو خدا نے ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا

دوسرا فائدہ: موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یعنی عصا کا سانپ بننا ہاتھ شریف سے پھینکنے پر ظاہر ہوتا تھا خود ہاتھ میں رہتے ہوئے عصا کا سانپ نہ بنتا تھا بلکہ ہاتھ میں آکر تو وہ سانپ عصا بن جاتا تھا مگر دوسرا معجزہ خود ہاتھ میں نمودار ہوتا تھا یعنی ہاتھ شریف چمک جاتا تھا۔ یہ فائدہ بھی **القی عصاہ** اور **نزع یدہ** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: عصاء موسوی پھینک دینے پر حقیقتاً سانپ بن جاتا تھا۔ اس میں روح پڑ جاتی تھی وہ کھا بھی سکتا تھا۔ چنانچہ وہ جادوگروں کے سارے رسے بانس نگل گیا اور اٹھانے پر حقیقتاً لکڑی ہو جاتا تھا۔ یہ فائدہ **ھی ثعبان مبین** فرمانے سے حاصل ہوا کہ **ھی** مبتداء ہے اور **ثعبان** اس کی خبر پھر اس کا اژدھا بن جانا اتنا ظاہر ہوتا تھا کہ اس میں کسی کو شک نہیں ہوتا تھا۔ **چوتھا فائدہ**: اجسام میں **انقلاب حقیقت** ممکن بلکہ واقع ہے یوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جسم کی حقیقت بدلے اور اس میں روح پڑ جاوے یا نکل جاوے۔ ہم دن رات دیکھتے ہیں کہ سر کا میل جوں بن جاتا ہے چارپائی کا میل کھٹل بن جاتا ہے اور اس میں جان پڑ جاتی ہے تو اگر نبی یا ولی کے واسطے سے یہ کام ہو جاوے تو اسے بھی بلا انکار مان لینا چاہئے۔ یہ فائدہ بھی **ھی ثعبان مبین** سے حاصل ہوا۔ اس کی تحقیق ہم پہلے پارہ میں کر چکے ہیں۔ **پانچواں فائدہ**: نبی کے ذریعہ جیسے چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے ویسے ہی چیز کی صفات بھی بدل جاتی ہیں۔ یہ فائدہ **فاذا ھی بیضاء** سے حاصل ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کا رنگ بدلتا تھا۔ ذات نہیں بدلتی تھی۔ تبدیلی ذات، تبدیلی صفات، سب کچھ ممکن ہے۔ **چھٹا فائدہ**: جب نبی کی برکت سے چیزوں کی ذات و صفات بدل جاتی ہیں تو ایسے ہی ان کی برکت سے انسان کی ذات و صفات بدل جاتی ہیں۔ حضور انور نے اپنے کمبل شریف میں حبشی کو لے کر اسے حسین رومی بنا دیا۔ نقشہ بدل دیا، رنگ روپ بدل دیا۔ کافر کو مومن فاسق کو متقی غافل کو عارف عاقل بنا دیا۔ **اللھم صل وسلم وبارک علیہ**

اعتراضات: **پہلا اعتراض**: فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے معجزہ مانگتے ہوئے یہ کیوں کہا **ان کنت من**

الصدقین اگر آپ سچے ہیں۔ **جواب**: فرعون موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا دل سے قائل تھا کہ آپ کی شروع زندگی اسی کے گھر گزری تھی مگر اپنے علاوہ اور کو رب ماننا موسیٰ علیہ السلام کو ماننا اس کے لئے موت تھی اب وہ کشمکش میں تھا اس لئے کہا کہ آپ سچے ہیں تو معجزہ لائیے یہ نہ کہا کہ آپ جھوٹے ہیں آپ کے پاس کوئی معجزہ نہیں۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں تو فرمایا گیا کہ عصا زمین پر پھینکتے ہی اژدہا یعنی موٹا سانپ بن گیا۔ مگر دوسری جگہ قرآن مجید نے اسے **جان** یعنی پتلا سانپ فرمایا ہے دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: تفسیر کبیر وغیرہ نے اس اعتراض کے چند جواب دیئے ہیں سب سے زیادہ قوی جواب یہ ہے کہ وہ تھا تو اژدہا مگر تیز رفتاری میں پتلے سانپ کی طرح تھا۔ اژدہا تیز نہیں چل سکتا مگر وہ بہت تیز چلتا تھا اسی لئے قرآن مجید نے فرمایا ہے **تھتز کانھا جان** وہ پتلے سانپ کی طرح لہراتا تھا۔ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ یہ کہنا کہ وہ پہلے پتلا سانپ بنتا تھا پھر پھولتا ہوا موٹا اژدہا بن جاتا تھا ضعیف سا قول ہے۔ **تیسرا اعتراض**: اگر موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بن جاتا تھا پھر بعد میں لاٹھی ہو جاتا تھا تو آریوں کا مسئلہ تناسخ (اواگون) درست ہوا کہ انسان مرنے کے بعد کتا بلا وغیرہ بن کر دنیا میں آتا ہے حالانکہ مسلمان اس عقیدے کو کفر کہتے ہیں۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ہم پہلے پارہ میں دے چکے ہیں کہ جسموں کا تناسخ دن رات ہوتا ہے۔ جسم انسانی قبر میں گل کر مٹی آگ میں جل کر راکھ بن جاتا ہے سر کا میل جوں اور چارپائی کا میل کھٹمل بن جاتا ہے۔ البتہ ارواح کا تناسخ ناممکن ہے کہ روح انسان ناطق گھوڑے گدھے کی روح بن جاوے۔ آریہ روحوں کا تناسخ مانتے ہیں۔ یہ کفر ہے۔ پانی بھاپ یعنی ہوا بن جاتا ہے۔ ہوا پانی بن جاتا ہے۔ کیمیا سے تانبہ سونا ہو جاتا ہے رانگ چاندی نمک کی کان میں جو چیز جائے نمک بن جاتی ہے۔ یہ سب تناسخ ابدان ہے لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے مٹی کا پرندہ بن جانا لاٹھی کا سانپ ہو جانا بالکل برحق ہے۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں **مبین** کیوں فرمایا یعنی ظاہر ظہور اژدہا بن گیا۔ اژدہا تو چھپ سکتا ہی نہیں۔ **جواب**: چند وجوں سے (1) فرعونی جادوگر بھی رسیوں لاٹھیوں کو سانپ بنا کر دکھا دیتے تھے مگر وہ رسیاں صرف سانپ کی طرح حرکت کرتی تھیں اور کچھ نہ کر سکتی تھیں اور یہ حرکت بھی نظر بندی ہوتی تھی مگر آپ کے عصاء نے سانپ بن کر وہ مذکورہ کرشمے دکھائے کہ فرعون و فرعونیوں کا حلقہ تنگ ہو گیا۔ لہٰذا اس کا اژدہا بن جانا بالکل ظاہر تھا (2) آپ نے عصاء کو پردہ میں رکھ کر اژدہا بنا کر نہ نکالا جیسا کہ جادوگر کرتے ہیں بلکہ لاٹھی ان کے سامنے اژدہا بنی۔ لہٰذا یہ بالکل ظاہری چیز ہے (3) اس اژدہے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت بالکل ظاہر کر دی۔ **مبین** بمعنی ظاہر کرنے والا (تفسیر کبیر) **پانچواں اعتراض**: ید بیضاء کے متعلق یہ کیوں فرمایا کہ للناظرین کہ وہ دیکھنے والوں کے لئے سفید بن گیا۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اس ہاتھ کی ہتھیلی سامنے والوں کے لئے چمکتی تھی۔ آپ کی طرف کا رخ اسی طرح کا ہوتا تھا جیسے آج کل کی بیٹری۔ چراغ ہر طرف روشنی دیتا ہے مگر بیٹری آگے۔ **چھٹا اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے دربار فرعونی میں عصا کا معجزہ پہلے اور ید بیضا کا معجزہ بعد میں کیوں دکھایا۔ عصا کا معجزہ قوی ہے ید بیضاء کے معجزے سے۔ تو اعلیٰ کی طرف ترقی کرنی چاہئے۔ **جواب**: اس کی بہت وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ظاہر وجہ یہ ہے کہ عصاء جلالی معجزہ تھا۔ ید بیضاء نورانی معجزہ کفار کے لئے جلال کا اظہار پہلے ہونا ہی مناسب ہے۔ اسی لئے حضرات انبیاء کرام نذارت یعنی ڈرانا پہلے کرتے ہیں بشارت بعد میں نیز عصاء کے معجزے سے فرعون اور فرعونیوں کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کی ہیبت بیٹھ گئی۔ ہیبت تبلیغ کا قوی ذریعہ ہے۔ **ساتواں اعتراض**: جب عصا کے معجزہ دیکھ کر سارے

مجمع میں بھگدڑ مچ گئی۔ میدان میں کوئی رہا ہی نہیں تو دوسرا معجزہ ید بیضاء کیسے دکھایا گیا۔ **جواب**: انہی کو دکھایا گیا تھا۔ اسی وقت سب کو تسلی دے کر واپس بلا کر کہ تم کو ہم اپنی نبوت کا ثبوت دینا چاہتے ہیں کسی کو ہلاک کرنا نہیں چاہتے یا کسی اور دن اور مجلس میں۔ پہلا احتمال قوی ہے۔ **آٹھواں اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے نہ تو لاٹھی کو سانپ بنایا نہ ہاتھ شریف کو چمکایا بلکہ فرعون کے سامنے قوی دلائل توحید و رسالت کے قائم کئے۔ رب تعالیٰ نے ان دلائل کو اژدہے اور ہاتھ کی چمک سے تعبیر فرمایا۔

نوٹ: یہ اعتراض تفسیر کبیر نے مع جواب نقل فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ معجزات کے منکر پہلے سے ہی موجود ہیں۔ اب قادیانی ان کی نقل کر رہے ہیں۔ آج کل قادیانی یہ ہی بات جگہ جگہ کہتے لکھتے شائع کرتے ہیں۔ **جواب**: یہ قرآن مجید کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے۔ اس میں اللہ و رسول کو جھٹلانا متواتر کا انکار کرنا ہے۔ اگر اس قسم کی تحریفوں کا دروازہ کھل جاوے تو اسلام ہی ختم ہو جاوے۔ صلوٰۃ صوم زکوٰۃ کی کوئی ایسی ہی تاویل کر لو۔ سب احکام ختم ہو گئے نعوذ باللہ۔ آگے آ رہا ہے کہ اس عصاء نے فرعونی جادوگروں کے بناوٹی سانپ نگل لئے۔ دلائل قوی سانپ کیسے نگل گئے چونکہ اس زمانہ میں جادو کا بہت زور تھا۔ جادوگر اس قسم کے جادو بہت دکھاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا زور توڑنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو اس قسم کا معجزہ عطا فرمایا چونکہ مرزا جی معجزات سے کورے ہیں اس لئے ان کی امت گزشتہ نبیوں کے معجزات کی منکر ہے۔ **نواں اعتراض**: یہ تبدیلی حقیقت آپ کے ہاتھ کا معجزہ تھا یا عصا کا۔ اگر آپ کے ہاتھ کا معجزہ تھا تو چاہئے تھا کہ آپ ہر لاٹھی کو سانپ بنا دیا کرتے اور اگر لاٹھی کا معجزہ تھا تو چاہئے تھا کہ یہ لاٹھی ہر ایک کے ہاتھ میں سانپ بن جایا کرتی۔ **جواب**: معجزہ آپ کے ہاتھ شریف کا تھا مگر اس کا مظہر یہ خاص لاٹھی تھی جیسے بجلی کا پاور روشنی دیتا ہے مگر اس کا مظہر بلب دیتا ہے چنانچہ اگر پاور کا تعلق تیل کے چراغ سے کر دیا جاوے تو وہ روشنی نہ دے گا۔ یہ بات خیال میں رہے۔ **دسواں اعتراض**: اس سے لازم آوے گا کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزے حضور کے معجزوں سے بڑھ جاویں کیونکہ حضور انور نے تبدیلی حقیقت نہیں کی۔ **جواب**: حضور نے بارہا چیزوں کی حقیقت بھی بدلی ہے اور صفت بھی۔ بدر میں سوائے آٹھ شخصوں کے سارے مجاہدین کے پاس کھجور کی لکڑیاں تھیں جو بوقت جنگ تلواریں بن گئیں بعد میں پھر لکڑیاں، کالے حبشیوں کو گورے رو نی بنا دیا۔ بعض اولیاء نے پانی کو دودھ، پتھر کو سونا کھجوروں، چھالیوں کو پتھر کر دیا جو آج تک موجود ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جو چیز بندے کی طرف نسبت ہو اور بندہ اسے محل حاجات سمجھے وہ اژدہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اول وحی کے وقت عرض کیا تھا کہ الٰہی میں عصا سے فلاں فلاں کام لیتا ہوں اور بھی اس سے میری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ **ولی فیھا مارب اخری** حکم الٰہی ہوا **فالقھا یموسی** اے موسیٰ اسے پھینک دو اس پر اعتماد نہ کرو۔ پھر آئندہ اس معجزہ کا ظہور عصا پھینک کر ہی ہوتا تھا ہاتھ میں رہ کر نہیں ہوتا تھا۔ انسانی ہاتھ اصل فطرت کے لحاظ سے سفید ہیں۔ دنیا میں مشاغل کی وجہ سے ان کے رنگ مختلف ہو گئے۔ جب انہیں دنیا سے کھینچ لیا جاوے تو پھر سفید ہیں۔ اسی لئے ارشاد ہوا **ونزع یدہ** آپ نے اپنا ہاتھ کھینچا (روح البیان) صوفیا فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جلال والے نبی تھے تو انہیں معجزے بھی جلال والے دئے گئے۔ عصاء کا اژدہا بن جانا، ید بیضا کا سب کی نگاہوں کو خیرہ کر دینا، فرعونیوں پر جوں، کھٹمل، خون، مینڈک کا عذاب آ جانا وغیرہ۔ ان کے جلال کا یہ عالم تھا کہ رب تعالیٰ نے ان سے فرمایا **فقولا لہ قولا لینا** فرعون سے نرم بات کرنا جلالی بات نہ کرنا۔ ہمارے حضور

رحمت و جمال والے رسول ہیں۔ حتی کہ رب نے حضور سے فرمایا۔ **واغلظ علیھم** اے محبوب ان کفار و منافقین پر سختی کرو۔ لہذا حضور انور کو معجزات بھی جمال اور رحمت والے عطا ہوئے۔

عصاء کلیم اژدہائے غضب تھا — گروں کا سہارا عصاء محمد

جلال و غضب سے کبھی کبھی کام لیا جاتا ہے مگر رحمت سے ہر دم دنیا کا کام چلتا ہے اس لئے نبوت موسوی منسوخ ہوئی۔ نبوت محمدی ناقابل تنسیخ ہے۔ مارشل لاء اور کرفیو وقتی قانون ہوتے ہیں دائمی نہیں۔ ہنگامی حالات کے بعد یہ چیزیں ختم کر دی جاتی ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ہم بیعت ہوتے وقت اپنے شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں۔ اس کی اصل یہ واقعہ ہے۔ حضرت موسیٰ کا ہاتھ عصا کی حقیقت بدل دیتا تھا۔ حضرت مریم کے ہاتھ سے خشک کھجور میں سبزی اور پھل لگ گئے تھے۔ شیخ کے ہاتھ لگنے سے رب تعالیٰ مرید کے دل کی حقیقت یا صفت بدل دیتا ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۹﴾ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ

کہا گروہ نے قوم میں سے فرعون بے شک یہ البتہ جادوگر ہے جاننے والا ارادہ کرتا ہے یہ کہ نکال

قوم فرعون کے سردار بولے یہ تو ایک علم والا جادوگر ہے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا

مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ اَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ

دے تم کو تمہاری زمین سے پس کیا ہے وہ تم حکم دیتے ہو بولے وہ مہلت دو انہیں اور ان کے بھائی کو اور

چاہتا ہے تو تمہارا کیا مشورہ ہے بولے انہیں اور ان کے بھائی کو ٹھہرا اور شہروں میں لوگ جمع

حٰشِرِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ﴿۱۱۲﴾

بھیجو شہروں میں جمع کرنے والوں کو لائیں وہ تیرے پاس ہر جادوگر جاننے والے کو

کرنے والے بھیجو کہ ہم ہر علم والے جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی قولی و عملی تبلیغ کا ذکر ہوا۔ اب فرعونیوں کے اس سے فائدہ نہ اٹھانے کا تذکرہ ہے۔ گویا شفا بخش دواؤں کے ذکر کے بعد مریض لاعلاج کو شفا حاصل نہ ہونے کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر ہوا۔ اب ان کے مقابل جادوگروں کے جادو اور اس کے فیل ہو جانے کا تذکرہ شروع فرمایا گیا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ تھا جو در حقیقت فرعون کے لئے پناہ تھے کہ اگر وہ آپ پر ایمان لا کر آپ کی اطاعت کرتا تو دین و دنیا کی مصیبتوں سے بچ جاتا۔ اب فرعون کی اپنی تجویز کردہ پناہوں کا سہارا لینے کا تذکرہ ہے جن کی اطاعت کرتا تو دین و دنیا کی مصیبتوں سے بچ جاتا۔ اب فرعون کی اپنی

جویز کردہ پناہوں کا سارا لینے کا تذکرہ جن کی پناہ لے کر وہ بلاک ہو یعنی جادوگروں کی اس نے پناہ لی۔ وامن نبی میں نہ آیا۔ خیال رہے کہ فرعون دعوی خدائی کرتا تھا مگر مصیبتوں میں جادوگروں وغیرہم کا سہارا لیتا تھا۔ اس کی عقل میں اتنی بات نہ آئی کہ خدا تو بے نیاز ہے۔ میں اتنی مخلوق کا نیاز مند ہو کر خدا کیسے ہو سکتا ہوں نہ وہ سمجھا نہ اس کے متبعین۔

تفسیر: **قال الملامن قوم فرعون** یہ جملہ نیا ہے جس میں فرعون کے درباریوں کی حالت کا ذکر ہے **ملا** کے لفظی معنی ہیں بھرا بھرنے والی چیز' اس کا مقابل ہے خلا۔ اصطلاح میں سرداروں کی جماعت جن سے مجلس بھر جاوے' دیکھنے والے کی آنکھ و دل رعب سے بھر جاوے۔ یہاں فرعون کے وزراء' امراء' اراکین سلطنت مراد ہیں۔ قوم فرعون سے مراد ہیں قبطی لوگ۔ کیونکہ اس کے دربار میں سبطیوں یعنی اسرائیلیوں کا گذر نہیں تھا وہ تو صرف ذلیل حقیر کاموں پر مقرر تھے۔ یعنی فرعون کے درباریوں' قبطی سرداروں کی جماعت نے کہا کس سے کہا۔ اس میں چند قول ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے سے بطور مشورہ کہا۔2۔ عام قبطیوں سے کہا دربار فرعون سے نکل کر۔3۔ فرعون سے کہا مشورہ دیتے ہوئے **هذاان لسحر عليم** یہ قال کا مقولہ ہے **هذا** سے اشارہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے کیونکہ مذکورہ دونوں معجزے موسیٰ علیہ السلام نے ہی دکھائے تھے۔ حضرت ہارون تو آپ کے معاون ہو کر وہاں موجود رہے تھے۔ دوسری آیت میں **هذان لسحرن** فرمایا گیا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں۔ وہاں حضرت ہارون کا تبعا" ذکر ہے۔ ساحر بنا ہے سحر سے معنی چھپنا یا چھپی چیز۔ اسی لئے سویرے کے وقت کو سحر کہتے ہیں کہ ابھی کسی قدر اندھیرا ہوتا ہے جس سے چیزیں چھپی ہوتی ہیں ظاہر نہیں ہوتیں سینہ کو سحر کہتے ہیں کہ بین سحری و نحری کہ وہ بھی قمیص سے چھپا رہتا ہے۔ جادو کو سحر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں خفیہ اسباب کے ذریعہ کو کچھ کر کے دکھایا جاتا ہے۔ دیکھنے والے کی آنکھ پر پردہ پڑ جاتا ہے کہ وہ کچھ کو کچھ دیکھتی ہیں۔ **عليم** کہہ کر یہ بتایا کہ موسیٰ علیہ السلام معمولی جادوگر نہیں بلکہ جادو کے فن میں بہت ہی کمال رکھتے ہیں کیونکہ ایسے جادو ہم نے اس سے پہلے نہیں دیکھے تھے۔ خیال رہے کہ یہاں تو فرمایا گیا کہ یہ گفتگو فرعون کے درباریوں نے کی۔ مگر سورہ شعراء میں ہے کہ یہ گفتگو خود فرعون نے کی مگر ان میں تعارض نہیں کیونکہ پہلے فرعون نے درباریوں سے کہا پھر درباریوں نے اس کی تائید کرتے ہوئے یہ ہی کہا۔ یا فرعون نے درباریوں سے یہ کہا' درباریوں نے دوسرے شہریوں سے یہ کہا یا آپس ہی میں یہ کہا (تفسیر کبیر و خازن وغیرہ) **يريدان يخرجكم من ارضكم** اس میں موسیٰ علیہ السلام کے ارادہ کا ذکر ہے۔ جو فرعونیوں نے سمجھا۔ **ارضكم** سے مراد پورا مصر اور اس کا علاقہ جہاں تک فرعونیوں کا راج تھا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام جادو سیکھ کر اس میں کمال حاصل کر کے اس لئے آئے ہیں کہ تم کو اپنے جادو سے ڈرا دھمکا کر تمہاری سلطنت سے بے دخل کر کے نکال دیں اور خود یہاں کا راج پاٹ سنبھال لیں۔ اس زمین پر قبضہ کر لیں۔ خیال رہے کہ ان کی یہ بکواس نری بدگمانی پر مبنی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اولا" ہی فرمادیا تھا کہ تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے ہیں انہیں ان کے اصلی ملک فلسطین و شام میں لے جاؤں جیسا کہ پچھلی آیت میں گزرا۔ بلکہ آپ نے فرعون سے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر تو ایمان قبول کرے تو تیرا حسن' مال' ملک' باقی رہے گا' تو بوڑھا نہ ہو گا۔ آخر دم تک جوان' دولتمند بادشاہ رہے گا پھر بھی ان کا یہ کہنا کیسا برا بہتان تھا۔ **فماذا تامرون** اس عبارت میں ف عقیب کی ہے اور ما استفہامیہ کا خبر مقدم ہے۔ ذا موصولہ اپنے صلہ تامرون سے مل کر مبتدا مئوخر۔ (روح المعانی وغیرہ) اس عبارت میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ کلام فرعون کا ہے۔ جو اس نے ان ارکان

دولت سے لیاان کے جواب۔ میں اس صورت میں امر بمعنی مشورہ ہے۔ 2- یہ کلام درباریوں کا ہے جو انہوں نے فرعون سے کیا۔ جمع کا صیغہ تعظیم کے لئے بولا تب امر بمعنی حکم۔ 3- یہ کلام درباریوں کا ہے جو انہوں نے دربار سے نکل کر شہریوں سے کیا یعنی اے شہر کے باشندو اب بتاؤ تمہاری رائے کیا ہے تب امر بمعنی رائے ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر وغیرہ۔ **قالوا ارجه واخاه** قالوا کا فاعل فرعون کے درباری ہیں کہ پہلے انہوں نے فرعون سے مذکورہ گفتگو کی پھر خود ہی یہ رائے دے دی اور ہو سکتا ہے کہ **قالوا** کا فاعل شہری لوگ ہوں کہ انہوں نے آکر فرعون کو یہ رائے دی۔ ہماری قرآءت میں **ارجه** جیم کے کسرہ اور **ہ** کے سکون سے ہے بعض قرآءتوں میں **ارجئته** ہے یعنی ہمزہ ساکنہ کے ساتھ اور **ہ** کے پیش سے۔ **ارجه** بنا ہے **ارجاء** سے بمعنی تاخیر کرنا' پیچھے کرنا۔ رب فرماتا ہے **واخرون مرجون لامر الله** اور فرماتا ہے **ترجی من تشاء منهن** یعنی اے فرعون ابھی موسیٰ علیہ السلام سے کچھ نہ کہہ۔ انہیں مہلت دے۔ دوسرے جادوگروں کو بلا کر ان کے جادو کا جواب جادو سے دے۔ **وارسل فی المدائن حشرین** یہ عبارت معطوف ہے **ارجه** پر اس میں دیر لگانے کا مقصد بیان کیا گیا ہے مدائن جمع ہے مدینہ کی اس کی تحقیق میں تین قول ہیں 1- یہ بنا ہے مدن سے۔ بمعنی اقامت (ٹھہرنا) مدن۔ یمدن اس کا ماضی مضارع ہے جیسے صحیفہ کی جمع صحائف۔ سفینہ کی جمع سفائن' ایسے ہی مدینہ کی جمع مدائن ہے۔ مدینہ اصل میں مدین تھا اسم ظرف۔ 2- مدینہ بنا ہے دان یدین سے۔ مدینہ بمعنی قبضہ ملکیت کی جگہ جیسے معیشہ کی جمع معائش۔ 3- مدینہ کی اصل مدیونہ ہے۔ بمعنی مقہورہ مغلوبہ یعنی بادشاہ کے تسلط و غلبہ کی جگہ۔ بہرحال مدینہ بمعنی شہر ہے۔ مصر اور مدینہ ہم معنی ہیں۔ مدائن سے مراد وہ شہر ہیں جو مصر کے آس پاس آباد تھے جہاں فرعون کی سلطنت تھی۔ **حاشرین** جمع ہے **حاشر** کی جو بنا ہے **حشر** سے۔ بمعنی جمع کرنا اسی لئے قیامت کو حشر اور قیامت کے میدان کو محشر کہا جاتا ہے یعنی اے فرعون! مصر کے آس پاس کے علاقوں میں اپنی پولیس بھیج تاکہ وہ جادوگروں کو جمع کرکے تیرے پاس لائیں اور موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں۔ **یاتوک بکل سحر علیم** اس میں بھیجنے کا مقصد کا بیان ہے یعنی تو انہیں اس لئے بھیج تاکہ وہ شہر شہر پھر کر جادوگروں کو لالچ دے کر ڈرا کر تیرے پاس لائیں۔ **علیم** کہہ کر یہ بتایا کہ چوٹی کے چنے ہوئے بڑے بڑے ماہر جادوگر لائیں معمولی نہ لائیں جو موسیٰ علیہ السلام سے مغلوب ہو جاویں۔ کل کہہ کر یہ بتایا کہ ماہر جادوگر کو چھوڑیں نہیں گھٹیا کو لائیں نہیں' بڑھیا کو چھوڑیں نہیں۔ یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ جتنے جادوگر اس وقت مصر کے علاقہ میں تھے اتنے جادوگر کبھی نہیں ہوئے گویا جادوگروں سے علاقہ بھرا پڑا تھا کیونکہ جس چیز کو حکومت فروغ دے' اس کی بہت ترقی ہوتی ہے۔ فرعون کا دعویٰ خدائی جادوگروں پر ہی قائم تھا انہی کے زور سے وہ خدا بن بیٹھا تھا اس لئے جادوگر بہت زیادہ ہو گئے تھے۔

خلاصہ تفسیر: موسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ دو معجزات دیکھ کر فرعونی دربار کے سردار' فرعون کے مشیر کار آپس میں یا فرعون سے بولے کہ موسیٰ علیہ السلام اتنے روز تک جو مصر سے غائب رہے' یہ جادو سیکھنے گئے تھے اب یہ بڑے جادوگر' جادو میں بڑے ماہر ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ تمام ترکوششیں صرف اس لئے ہیں کہ تم لوگوں کو تمہارے ملک سے نکال کر خود یہاں حکمرانی کریں۔ بولو اب کیا مشورہ ہے اپنے بچاؤ کی فکر کرو اس پر گرما گرم بحث کے بعد طے یہ ہوا کہ ابھی موسیٰ علیہ السلام سے تم خود کچھ نہ کہو' انہیں اور ان کے بھائی جناب ہارون کو ان کے حال پر رہنے دو اور مصر کے اطراف بستیوں میں بڑے جادوگر رہتے

ہیں۔ اپنی پولیس کو بھیجو ان جادوگروں کو ڈرا دھمکا کر یا لالچ دے کر جمع کریں اور یہاں مصر میں تمہارے پاس لے آویں مگر معمولی جادوگر کو نہ لاویں بلکہ علم جادو میں ماہرین کو لاویں۔ **واقعہ**۔ مصر کے علاقہ میں مدائنی صعود میں بہت جادوگر رہتے تھے۔ ان کے استاد دو تھے جو آپس میں بھائی تھے۔ جب فرعونی پولیس ان کے پاس پہنچی اور انہیں موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کی دعوت دی تو انہوں نے اس کے متعلق اپنی ماں سے مشورہ کیا اور اس سے عصاء موسوی کا واقعہ بیان کیا۔ ماں نے کہا کہ تم مصر جاؤ لیکن تحقیق کر لینا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کے سونے کی حالت میں بھی عصا کام کرتا ہو تو تم ان سے مقابلہ نہ کرنا کہ وہ جادو نہیں بلکہ معجزہ ہے۔ جادو ہمیشہ جادوگر کی بیداری ہوشیاری میں کام کرتا ہے۔ معجزہ کا مقابلہ ساری دنیا کے جادوگر نہیں کر سکتے۔ غرضیکہ یہ دونوں اپنی ماں کی یہ تعلیم لے کر مصر آئے۔ اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ (روح البیان)۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: موسیٰ علیہ السلام کا مصر سے آٹھ دس سال غائب رہنا یعنی مدین میں قیام فرمانا۔ اس سے فرعونی لوگ دھوکا کھا گئے۔ وہ سمجھے کہ آپ باہر گئے تھے جادو سیکھنے کے لئے۔ یہ فائدہ **لسحر علیم** سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو از اول تا ظہور نبوت مکہ معظمہ ہی میں رکھا۔ بنی سعد میں حلیمہ دائی کے ہاں بچپن شریف کا زمانہ گزار کر حضور مکہ معظمہ ہی میں تشریف لے آئے۔ آپ کی زندگی شریف کی ہر ادا مکہ والوں کو دکھا دی۔ اس میں یہی راز تھا۔ **دوسرا فائدہ**: نبی کو ایسے معجزات ضرور دیئے جاتے ہیں جن کا اس زمانہ میں زور ہو تاکہ مقابلہ کرنے والے آزمائش کر کے ان کا معجزہ ہونا معلوم کر لیں۔ یہ فائدہ **بکل ساحر علیم** سے حاصل ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا بہت زور تھا اگر پہلوان کے مقابلہ میں کوئی اکھاڑے میں نہ آوے تو اس کا زور کیسے معلوم ہو جب اکھاڑے میں پہلوان پچھاڑے جاویں تب اس کی طاقت کا پتہ لگتا ہے۔

موسیٰ و فرعون، شبیر و یزید
ایں دو طاقت از ازل آمد پدید

تیسرا فائدہ: ضدی آدمی کسی طرح کسی کی بات نہیں مانتا۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے اول تبلیغ میں فرعون سے کہہ دیا تھا کہ تو بنی اسرائیل کو آزاد کر دے میں انہیں لے کر چلا جاؤں مگر فرعونی یہ ہی کہتے رہے کہ موسیٰ علیہ السلام ہم کو نکالنا اور خود مصر پر راج کرنا چاہتے ہیں۔ یہ فائدہ **یرید ان یخرجکم** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: فرعون اور فرعونی لوگ موسیٰ علیہ السلام کے ان دونوں معجزوں سے خوف زدہ ہو گئے تھے ان میں ہمت و جرات آپ کے مقابلہ کی نہ رہی تھی۔ یہ فائدہ **بکل ساحر علیم** سے حاصل ہوا کہ وہ لوگ آپ کی ایک ذات کے مقابلہ کے لئے ملک بھر کے ماہر جادوگروں کو جمع کرنے لگے اگر اس قدر خوف و ڈر نہ ہوتا تو صرف ایک جادوگر کو بلا لیتے۔ یہ ہے نبی کی ہیبت اگر اس ہیبت کے ساتھ اطاعت نبی نصیب ہو جاوے تو ایمان مل جاوے۔

اعتراضات: **پہلا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ سرداروں کی جماعت نے یہ گفتگو کی کہ یہ بڑے جادوگر ہیں وغیرہ مگر سورہ شعراء میں ہے کہ خود فرعون نے یہ کہا تھا آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: واقعہ یہ ہوا تھا کہ پہلے فرعون نے گھبرا کر اپنے سرداروں سے یہ کہا تھا پھر سرداروں نے اس کی تائید کرتے ہوئے یہی کہا پھر ان لوگوں نے باہر نکل کر قوم سے یہی کہا۔ سورہ

شعراء میں فرعون کا کلام نقل فرمایا گیا ہے اور یہاں سرداروں کا کلام نقل کیا گیا یا وہ کلام جو انہوں نے فرعون سے تائید اً کہا یا وہ جو انہوں نے قوم سے کہا۔ لہذا دونوں آیتیں درست ہیں۔ **دوسرا اعتراض: فماذا تامرون** کس کا کلام ہے۔ اگر فرعون کا کلام ہے تو اس نے تامرون کیوں کہا امر یعنی حکم تو فرعون دیتا تھا اپنے ماتحتوں کو نہ کہ ماتحت فرعون کو۔ اور اگر درباریوں کا کلام ہے فرعون سے تو جمع کا صیغہ کیوں بولا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہ کلام یا تو فرعون کا ہے جو اس نے درباریوں سے کیا تب امر بمعنی مشورہ دینا ہے جیسے استیمار بمعنی مشورہ لینا یا درباریوں کا کلام ہے جو انہوں نے فرعون سے کیا۔ تب جمع کا صیغہ اس مردود کے ادب و احترام کی وجہ سے ہے یا یہ کلام درباریوں کا ہے مگر دوسرے شہریوں سے نہ کہ فرعون سے۔ **تیسرا اعتراض:** فرعون اپنے وقت کا واحد بادشاہ تھا اس کے ہاں جمہوریت نہ تھی پھر اس نے درباریوں سے مشورہ کیوں لیا کہ بولا **فماذا تامرون**۔ **جواب:** اس زمانہ میں بادشاہ اپنے وزراء اور خواص سے مشورہ کرتے تھے۔ حکم بادشاہ کا ہوتا تھا مشورہ وزراء کا۔ دیکھو ملکہ یمن بلقیس نے اپنے درباریوں سے کہا تھا **افتونی فی امری** مجھے اس کام میں مشورہ دو اور کہا تھا **ما کنت قاطعتہ امرا حتی تشھدون** میں تمہاری موجودگی کے بغیر کسی بات کا فیصلہ نہیں کروں گی۔ نیز فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا تھا۔ اب اس میں پہلی سی شیخی شان نہیں رہی تھی۔ اسرائیلی بچوں کے قتل پر دلیر تھا مگر آپ کے سامنے سپر ڈال چکا تھا۔

خون اسرائیل جب آ جاتا ہے جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری

چوتھا اعتراض: ان درباریوں نے یہ کیوں کہا علم والے جادوگروں کو بلاؤ۔ صرف جادوگروں کیوں نہ کہہ دیا۔ **جواب:** یہ بھی ہیبت موسوی کا اثر تھا فرعونیوں کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ معمولی جادوگر نہیں کر سکیں گے۔ نیز ماہر جادوگر بھی ایک دو مقابلہ نہ کر سکیں گے بلکہ بڑے بڑے ماہر جادوگروں کی پوری جماعت بلکہ جماعتیں چاہییں اور ان سب کی کامیابی کا بھی یقین نہ تھا۔

تفسیر صوفیانہ: پیغمبر کا دست کرم ان کی نگاہ عنایت چیزوں کی صفات بلکہ ان کی ذات بدل دیتی ہے مگر شقی ازلی ان کے دروازے سے بھی محروم رہتے ہیں۔

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ شریف نے فرعونیوں کے سامنے عصا کی حقیقت بدل دی اسے سانپ بنا دیا آپ کی بغل شریف نے ہاتھ کی صفت بدل دی کہ گندمی رنگت کو سورج جیسی چمک میں تبدیل کر دیا مگر فرعونی فرعونی ہی رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے نبی کا مقام نہیں پہچانا، معجزہ کی شان نہ جانی۔ موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہا معجزہ کو جادو۔ اس لئے انہیں ایمان، عرفان، رحمت، رحمان کچھ بھی نہ مل سکا۔ نبی کی معرفت تمام کی اصل ہے۔ وہ نبی کے دامن میں نہ چھپے، بلکہ ان کے مقابلہ کے لئے جادوگروں کی طرف بھاگے۔ جو بکری اپنے مالک کی پناہ سے بھاگے وہ کسی درندے کا شکار ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی یہ لوگ نفس د

شیطان کا شکار ہوئے شکار رہے۔ انہوں نے محض عقل کے ترازو میں نبی کو تولنا چاہاتو بولے کہ اس ایک کے مقابلہ میں ہزار ہا جادوگر و زنی رہیں گے۔ عشق کی آنکھ سے نبی کے جمال ان کے کمال کا مشاہدہ نہ کیا۔ ایسے ہی آج جو لوگ نبی کو محض بشر کہہ کر اپنا جیسا انسان ہی سمجھتے ہیں وہ بھی فرعون کی طرح طغیان میں خسران ہی میں رہتے ہیں۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾
اور آئے جادوگر فرعون کے پاس بولے کیا تحقیق ہمارے واسطے بدلہ ہے اگر ہوں ہم غلبہ والے
اور جادوگر فرعون کے پاس آئے بولے کچھ ہمیں انعام ملے گا اگر ہم غالب آ جائیں
قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ
کہا فرعون نے اور ہاں اور بے شک تم قرب والوں سے ہو گے کہا جادوگروں نے اے موسیٰ یا یہ کہ ڈالیں
بولا ہاں اور اسی وقت تم مقرب ہو جاؤ گے بولے اے موسیٰ یا تو آپ ڈالیں یا ہم
اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ
آپ اور یا یہ کہ ہوں ہم ڈالنے والے فرمایا موسیٰ نے ڈالو تم پس جب ڈالا انہوں نے تو جادو
ڈالنے والوں میں ہوں کہا تم ہی ڈالو جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی
النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾
کر دیا انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر اور ڈرا دیا ان کو اور لائے جادو بڑا۔
نگاہوں پر جادو کر دیا اور انہیں ڈرایا اور بڑا جادو لائے

تعلق: ان آیات کریمہ کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں جادوگروں کو بلانے کے مشورے کا ذکر تھا۔ ان آیات کریمہ میں جادوگروں کو بلا لئے جانے' ان کے آ جانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے خلوص نیت کا ذکر تھا کہ آپ نے یہ سب کچھ تبلیغ دین کے لئے اللہ کا حکم سے کیا تھا۔ اب ان آیات میں جادوگروں کے فساد نیت کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنی تمام تر حرکت کرتب فرعون سے مزدوری لینے کے لئے اس کے حکم سے کئے' پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے کیسے ٹھہرتے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرعونیوں کی بد تمیزی' بے ادبی کا ذکر ہوا تھا۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ان کی شان میں بکواس کی۔ اب ان آیات میں فرعونی جادوگروں کے ادب، احترام کا ذکر ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اجازت لے کر اپنے کرتب دکھائے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ فرعونی لوگ کافر مرے یہ لوگ مومن صحابی ہو کر شہید ہوئے۔

تفسیر: **وجآء السحرۃ فرعون**۔ یہ عبارت نئی ہے۔ اس میں **جآء** سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے کہ فرعونی پولیس

جادو گروں کے شہروں میں تنی انہیں جمع کر کے لائی۔ یہ لوگ فرعون کے پاس آئے اس میں یہ فرمایا گیا کہ جادو گر آتے ہی میدان مقابلہ میں نہیں پہنچ گئے بلکہ پہلے فرعون کے پاس پہنچے' اس کے مہمان تھے۔ ان جادو گروں کی تعداد میں بہت اختلاف ہے۔ ابو برزہ کہتے ہیں کہ ستر ہزار تھے۔ محمد ابن کعب کہتے ہیں کہ اسی ہزار تھے بعض نے بارہ ہزار کہا۔ بہرحال ان کی تعداد بہت تھی۔ (روح المعانی) ان کے سردار چار تھے۔ سابور' عزورا' حط حط' مصفی۔ روح المعانی) ان چاروں کا رتبہ شمعون تھا۔ (بیان) **قالوا ان لنا لاجرا ان کنا نحن الغلبین** اس عبارت کی بہت سی تفسیریں ہیں۔ قوی اور آسان یہ ہے کہ **ان** سے پہلے سوال کا ہمزہ پوشیدہ ہے اور یہ لوگ فرعون سے پوچھ رہے ہیں اور **اجو** کے معنی اجرت یا معاوضہ نہیں کیونکہ فرعون کے ذمہ جادو گروں کا آمد و رفت کا خرچہ' کھانا' مزدوری' بہرحال لازم تھی خواہ غالب ہوں یا نہ ہوں۔ اجرت کام پر بہرحال ملتی ہے۔ لہذا اجر سے مراد انعام ہے اس لئے اسے غالب آنے کی شرط سے بیان کیا۔ اعلیحضرت قدس سرہ کا یہ ہی ترجمہ ہے یعنی جادو گروں نے فرعون سے پوچھا کہ اے فرعون! اگر ہم موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں غالب آگئے تو کیا ہم کو تمام مصارف کے علاوہ کچھ انعام ملے گا؟ خیال رہے کہ ان جادو گروں کے تین گروہ ہو گئے تھے۔ ایک وہ جنہیں اپنے غالب آنے کا یقین تھا وہ سمجھے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام ایک سانپ بنائیں گے ہم ہزاروں سانپ بنا کر دکھادیں گے۔ ظاہر ہے کہ ایک پر یہ ہزاروں غالب رہیں گے۔ دوسرے وہ جنہیں اپنے غلبہ میں شک تھا کیونکہ وہ عصاء موسوی کی کارکردگی سن چکے تھے۔ تیسرے وہ جنہیں اپنی شکست کا یقین تھا بلکہ وہ آپ کے مقابلہ میں آنا چاہتے بھی نہیں تھے کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ عصاء موسوی آپ کے سونے کی حالت میں بھی سانپ بن کر آپ کی حفاظت کرتا ہے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ یہ معجزہ ہے جادو نہیں' اس دوسری جماعت کا یہاں ذکر ہے کہ انہوں نے شک کے ساتھ کہا۔ **ان کنا نحن الغلبین** اور تیسری جماعت کا ذکر اس آیت میں ہے۔ **وما اکرھتنا علیہ من السحر** لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ حقیر کی یہ تحقیق خیال میں رہے۔ **قال نعم و انکم لمن المقربین** یہ فرعون کا جواب ہے۔ جس میں انعام کے علاوہ ان کی عزت افزائی کا بھی وعدہ ہے۔ یعنی ہاں تم کو انعام بھی دوں گا اور تم کو اپنا مقرب بھی بنالوں گا کہ تم میرے خاص درباری بن جاؤ گے۔ میرے دربار میں پہلے آیا کرو گے' بعد میں جایا کرو گے۔ تم ہی سے ہر کام میں مشورہ کیا کریں گے' گویا تم پارلیمنٹ کے ممبر بن جاؤ گے۔ اللہ کی شان ہے کہ رب نے فرعون کی بات اس کے برعکس سچی کر دی۔ وہ جادو گر غالب آئے کہ نبی کے سامنے سر جھکا دینا ہی غلبہ ہے۔ یہ ہار ہی جیت ہے۔ انہیں رب نے انعام دیا اور اپنا مقرب بھی کر لیا۔ **قالوا یموسی اما ان تلقی** چونکہ وہ جادو گر ابھی ایمان نہ لائے تھے' اور شرعی احکام ایمان لانے کے بعد جاری ہوتے ہیں۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین میں نبی کو نام لے کر پکارنا ممنوع نہ تھا اس لئے انہوں نے **یاکلیم اللہ** یا کہ یا نبی اللہ کہہ کر نہ پکارا بلکہ یا موسیٰ کہہ کر پکارا۔ یہ ہمارے اسلام کا حکم ہے کہ حضور اکرم کو نام لے کر نہ پکارو' پیارے القاب سے پکارو **لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا** جادو گروں کو پتہ لگ چکا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس دو معجزے ہیں۔ ید بیضاء اور عصا۔ اور ہمارے پاس عصا کا جواب تو ہے مگر ید بیضاء کا کوئی جواب نہیں۔ اس لئے انہوں نے اپنا عجز چھپانے کے لئے پہلے شرط لگائی کہ مقابلہ صرف عصا کے معجزے کا ہو گا۔ ید بیضاء کا ذکر نہ کیا چونکہ عصا کا معجزہ پھینکنے پر ظاہر ہوتا تھا اور وہ لوگ بھی رسے بانس وغیرہ پھینک کر ہی جادو دکھاتے تھے اس لئے انہوں نے

پھینکنے کا ذکر کیا یعنی ڈالنے والے معجزے عصاء کا ذکر کیا نکالنے والے معجزے ید بیضا کا ذکر نہیں کیا۔ بعض معجزات کا تشبہ ظاہری ممکن ہے اور بعض کا تشبہ ناممکن۔ عصا پہلی قسم کا معجزہ تھا' ید بیضا دوسری قسم کا چونکہ یہ معجزہ صرف موسیٰ علیہ السلام ہی کا تھا اس لئے انہوں نے صرف آپ سے خطاب کیا۔ حضرت ہارون سے خطاب نہ کیا۔ اس وقت نظارہ یہ تھا کہ بڑا بھاری میدان لوگوں سے پر تھا' سامنے فرعون مع اپنے درباریوں کے تخت و کرسیوں پر تھا۔ ایک طرف تماشائیوں کا ہجوم۔ مقابلہ میں اسی ہزار جادوگروں کا مجمع اور اس طرف یہ دو نبی' یعنی ساری خدائی ایک طرف' یہ دونوں بھائی ایک طرف۔ فضل الٰہی ان دونوں کے شامل حال تھا اور یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ **واما ان نکون نحن الملقین** یہ عبارت معطوف ہے۔ **اما ان تلقی** پر چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے صرف ایک لاٹھی پھینکنے والے تھے۔ اس لئے وہاں تلقی کہا اور یہ جادوگر بہت دور تک ہزار ہا من کے رسے' بانس پھینکنے والے تھے اس لئے **نحن الملقین** کہا صرف نلقی نہ کہا جادوگروں کے اس کلام کا مقصد کیا تھا اس میں گفتگو ہے۔ حقیر کے نزدیک قوی یہ ہے کہ جادوگروں نے بطور تواضع حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے آپ سے اجازت چاہی کہ اگر آپ اجازت دیں تو پہلے ہم اپنا کرتب دکھالیں ورنہ آپ ہی پہلے معجزہ ظاہر کریں۔ اس لفظ میں ادب کی جھلک ہے۔ روح المعانی نے بہت سی وجوہ بیان کیں ان سے ایک یہ بھی ہے۔ اس لفظ سے رب نے ان سب کو بخش دیا **قال القوا** یہ موسیٰ علیہ السلام کا جواب ہے جس میں انہیں اولاً جادو دکھانے کی اجازت دی گئی ہے تاکہ اس کا بطلان جادوگروں کا عجز ظاہر ہوئے۔ لہٰذا یہ حرام کی اجازت نہیں بلکہ اس کا توڑ ہے۔ جادو توڑنے کے لئے کرانا جائز ہے۔ جیسے کاہن کا جھوٹ ظاہر کرنے کے لئے اس سے غیبی بات پوچھنا بالکل جائز ہے۔ اگر پہلے عصا ڈال دیا جاتا تو وہ شان ظاہر نہ ہوتی جو بعد میں ڈالنے سے ظاہر ہوئی کہ جب سارا میدان سانپوں سے بھر گیا تو ایک سانپ نے ان سب کا صفایا کر دیا۔ روح المعانی نے یہاں فرمایا کہ بعض احادیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک غیبی نداء سنی **بل انتم القوا یا اولیاء اللہ** یعنی اے اللہ کے ولیو! تم ہی پہلے ڈالو۔ تب آپ نے یہ فرمایا **سبحان اللہ** ابھی کافر ہو مگر ولایت اللہ کے چناؤ میں آچکے ہو۔ وہ جادوگر یہاں فرعون سے مال پانے کے لئے نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے ولایت الٰہیہ پانے آئے تھے' غرضیکہ موسیٰ علیہ السلام کی اس اجازت میں راز الٰہی تھا۔ **فلما القوا سحروا اعین الناس** اس فرمان عالی میں جادوگروں کے جادو کے اثر کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے پھینکے ہوئے رسوں' بانسوں' بلیوں کی حقیقت نہ بدلی بلکہ ہاتھ پھیری سے لوگوں کی نگاہوں پر اثر ڈال دیا کہ لوگوں کو رینگتے دوڑتے سانپ محسوس ہوئے۔ اس طرح کہ سارا میدان ان موٹے پتلے سانپوں سے بھر گیا۔ ناس سے مراد فرعونی لوگ اور تماشائی ہیں۔ دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی سانپ ہی محسوس ہوئے۔ فرماتا ہے **یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعی** کہ ان کے جادو سے موسیٰ علیہ السلام کو بھی محسوس ہوا کہ یہ سانپ ہیں جو دوڑ رہے ہیں۔ یہ میدان جو سانپوں سے بھرا ہوا محسوس ہوتا تھا ایک میل لمبا چوڑا تھا۔ جادوگروں نے اپنے رسوں بانسوں کو سیاہ رنگ سے رنگ دیا تھا ان میں کسی ترکیب سے پارہ بھر دیا تھا جو گرمی پاکر حرکت کرنے لگا اس سے یہ سب دوڑتے ہوتے سانپ واژدہے محسوس ہونے لگے۔ **واسترھبوھم** پچھلی آیات میں لوگوں کی آنکھوں پر اثر ڈالنے کا ذکر تھا۔ اس عبارت میں ان کے دلوں کو متاثر کرنے کا تذکرہ ہے کہ جادوگروں نے لوگوں کو ڈرا دیا۔ یہاں لوگوں پر ظاہر نہ ہوا۔ اس کا ذکر دوسری آیت میں ہے۔ **واوجس**

فی نفسہ خیفتہ موسی خواہ آپ کو سانپوں سے خوف ہوایا معجزے اور جادو کے مشبہ ہو جانے کا اندیشہ ہوا۔ **وجاءو بسحر عظیم**۔ اللہ اکبر جب رب تعالیٰ ان کے جادو کو عظیم فرمارہا ہے تو غور کرلو کہ انہوں نے کیا جادو کیا ہوگا۔ روایات میں ہے کہ یہ لگ تین سو اونٹ بھر کر بانس، لاٹھیاں، بلے، رسیاں وغیرہ لائے تھے جو سب سانپ محسوس ہو رہے تھے۔ سارا میدان ان مصنوعی سانپوں سے بھر گیا تھا۔

خلاصہ تفسیر: چنانچہ فرعون کی پولیس مصر کے علاقہ میں جادوگروں کو جمع کرنے کے لئے پھیل گئی اور بہت جلد ہزاروں جادوگروں کو فرعون کے پاس لے آئی۔ جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ یہ تو بتا اگر ہم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے تو کیا ہم کو تیری طرف سے علاوہ ہمارے مصارف و اجرت کے کچھ انعام بھی ملے گا۔ وہ جوش سے بولا کہ یہ تم کیا کہتے ہو۔ تم کو بہت بھاری انعام بھی ملے گا۔ اس کے علاوہ تم کو درجے و عزت بھی عطاء ہوں گے کہ تم سب میری بارگاہ میں مقرب ہو جاؤ گے۔ میرے ارکان دولت میری پارلیمنٹ کے خاص ممبر بن جاؤ گے۔ تم کسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو مغلوب کرو جو چاہو لو۔ چنانچہ مقابلہ کے لئے دن، وقت اور ایک وسیع میدان مقرر ہو گیا۔ اس مقابلہ کا اعلان ہو گیا اور فریقین وقت مقررہ پر پہنچ گئے۔ اس میدان کے ارد گرد سینکڑوں فرعونی، لاکھوں تماشائی، و ہزاروں جادوگر اور ایک طرف یہ دو بھائی جمع ہو گئے۔ جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا احترام کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو اپنا عصاء پہلے آپ پھینکیے اور اگر ہم کو اجازت دیں تو اپنا پھینکنا ہم جاری کریں کہ ہم یہ موجودہ بانس، رسے وغیرہ پھینکیں۔ آپ نے نہایت فراخ دلی سے فرمایا کہ پہلے تم ہی اپنی چیزیں پھینکو۔ پھر کیا تھا انہوں نے یہ چیزیں میدان میں پھینکیں تو سارے فرعونیوں اور تماشائیوں کی نظر بندی کر دی۔ سب کو یہ سارا سامان چھوٹے بڑے سانپ بنا کر دکھادیا۔ سب کو ذرا دیا بڑا بھاری جادو کیا کہ میلوں مربع والا میدان سانپوں سے بھر دیا معلوم ہوتا تھا کہ سانپوں کا سمندر لہریں مار رہا ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کبھی کافر کے پاس پہنچ کر ایمان مل جاتا ہے۔ یہ فائدہ **جاء السحرۃ فرعون** سے حاصل ہوا کہ جادوگر آئے تھے کافر فرعون کے پاس مگر انہیں ایمان مل گیا۔ دیکھو حضرت عمرو ابن عاص کو ایمان ملا شاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں پہنچ کر۔ جب اللہ کرم کرے تو ہر جگہ کر دیتا ہے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی گود میں پالا مگر رہا کافر۔ یہ ہے رب کی بے نیازی۔ **دوسرا فائدہ**: کبھی اللہ تعالیٰ کافر کے منہ سے نکلی ہوئی بات دوسرے معنی سے درست فرما دیتا ہے۔ یہ فائدہ **وانکم لمن المقربین** سے حاصل ہوا کہ فرعون نے جادوگروں سے کہا تھا کہ تم مقرب بارگاہ ہو جاؤ گے۔ رب نے انہیں فرعون سے بچا کر اپنی بارگاہ کا مقرب بنالیا۔ **تیسرا فائدہ**: کبھی ادب والا کافر ادب کی برکت سے ایمان پالیتا ہے اور کبھی بے ادب مسلمان بے ادبی کے وبال سے کافر ہو جاتا ہے۔ یہ فائدہ **اما ان تلقی** سے حاصل ہوا کہ ان کافر جادوگروں نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا ادب کیا، مومن ہو گئے اور مومن عابد زاہد ابلیس نے حضرت آدم صفی اللہ کی بے ادبی کی تو وہ کافر بلکہ کافروں کا استاد ہو گیا۔ **چوتھا فائدہ**: کفر و حرام کو باطل کرنے کے لئے کفر یکنے حرام کرنے کی اجازت دینا جائز ہے۔ یہ فائدہ **القوا** سے حاصل ہوا کہ جادو کرنا حرام ہے، نبی کا مقابلہ کرنا کفر ہے، مگر موسیٰ علیہ السلام نے اس کی اجازت دی اسے باطل فرمانے کے لئے۔ جیسے ہم کسی بے دین ملحد سے کہیں کہ تو اسلام پر اعتراض کر تاکہ میں اس کا جواب دوں یہ اجازت

بالکل جائز ہے۔ **پانچواں فائدہ**: اکثر جادو کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی محض نظر بندی ہوتی ہے ہاتھ کی صفائی ہوتی ہے۔ یہ فائدہ **سحرو اعین الناس** سے حاصل ہوا بخلاف معجزے کے کہ اس میں جو دکھایا جاتا ہے۔ واقعہ میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ حضور انور نے واقعی چاند کو پھاڑ دیا تھا بلکہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے محض نظر بندی نہیں تھی۔ چنانچہ 1971ء میں امریکہ کے اپولو 13 میں جو لوگ چاند پر گئے وہاں دو دن رہے انہوں نے بیان دیا کہ چاند میں ایک تیس میل گہری خندق ہے جو ٹوٹی ہوئی چٹانوں سے جڑی ہوئی ہے نالبا" اس کا فوٹو بھی لائے۔ یہ بیان تو ان کا تمام جگہ ریڈیو سے ریلیے ہوا۔ یہ خندق کیا اور ٹوٹی ہوئی چٹانیں کیسی ہیں یہ سب جناب مصطفیٰ کے چاند کو توڑنے جوڑنے کا نظارہ ہے جو آج کفار نے دیکھ کر بتایا مگر جادو کا یہ حال ہے کہ ہم نے بعض جادوگروں کو دیکھا کہ خاک دھول کو روپیہ بنا کر دکھاتے ہیں پھر لوگوں سے پیسہ پیسہ بھیک مانگتے ہیں۔ **چھٹا فائدہ**: حضرات انبیاء کرام کو معجزے اسی قسم کے عطا فرمائے گئے جس چیز کا اس زمانہ میں زور تھا۔ یہ فائدہ **بسحر عظیم** سے حاصل ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ جادو کے زور کا تھا تو آپ کو اسی قسم کا معجزہ دیا گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا زور تھا تو انہیں اندھے کوڑھوں کا اچھا کرنا مردے زندہ کرنے کا معجزہ عطاء ہوا۔ ہمارے حضور کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا زور تھا تو حضور کو قرآن کا معجزہ خصوصی عطاء ہوا۔ یہ فائدہ تفسیر کبیر نے مستنبط فرمایا۔ **ساتواں فائدہ**: بعض معجزات کا ہم شکل جادو ہو جاتا ہے مگر بعض کا ہم شکل بالکل نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ اس پورے واقعہ سے حاصل ہوا کہ جادوگروں نے عصا کے مقابلہ میں سانپ تو بنا دیئے مگر ید بیضا کے مقابلہ کی بالکل ہمت نہ کی کہ یہ ان کے بس کی بات نہ تھی۔ یہاں تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ جادوگر جادو کے زور سے پانی پر چل لیتا ہے، ہوا میں اڑ لیتا ہے، آگ میں کود جاتا ہے اور محفوظ رہتا ہے۔

اعتراضات: ان جادوگروں نے اجرت کے لئے غالب ہونے کی شرط کیوں لگائی کہ **ان کنا نحن الغلبین** اجرت تو کام کی ہوتی ہے، نہ کہ غلبہ کی اگر طبیب کی دوا سے مریض کو آرام نہ ہو تو بھی اسے فیس اور دوا کی قیمت ملتی ہے۔ **جواب**: مفسرین نے اس اعتراض کے کئی جواب دیئے ہیں۔ آسان تر جواب یہ ہے کہ یہاں اجر بمعنی مزدوری یا اجرت نہیں بلکہ بمعنی انعام ہے چونکہ انعام بھی کسی کام کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔ اس لئے اسے بھی اجر کہتے ہیں۔ جادوگر اپنا سفر خرچ خوراک تو وصول کر چکے تھے۔ مزدوری انہیں رخصت کے وقت دی جاتی۔ اس بنا پر انہوں نے پوچھا کہ اگر ہم غالب آجائیں تو ہم کو انعام بھی ملے گا یا نہیں۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جادوگروں کو اپنے غلبہ میں شک و تردد تھا جیسا کہ **ان** سے پتہ لگ رہا ہے مگر دوسری آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ انہیں اپنے غلبہ کا یقین ہے کہ وہاں ارشاد ہے **وقالوا بعزۃ فرعون انا لنحن الغلبون** قسم اور **ان** و لام کی تاکید سے معلوم ہو رہا ہے کہ انہیں غلبہ کا پورا یقین تھا۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے کہ ان میں بعض جادوگروں کو اپنی کثرت اور سامان جادو کی زیادتی دیکھ کر اپنے غلبہ و فتح کا یقین تھا اور بعض جادوگروں کو عصا کی کیفیت سن کر اس میں شک تھا۔ یہاں اس آیت میں شک والی جماعت کا ذکر ہے اور تمہاری پیش کردہ آیت میں یقین والوں کا تذکرہ ہے۔ دونوں آیتیں درست ہیں۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جادوگروں نے خوشی و رغبت سے جادو کیا کہ انہیں اس پر انعام و اکرام کی لالچ تھے مگر سورہ طہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس پر راضی نہ تھے۔ فرعون کے مجبور کرنے سے بادل ناخواستہ انہوں نے جادو کیا۔ فرمایا

ہے۔ **لیغفر لنا خطایانا وما اکرھتنا علیہ من السحر** اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ بخشے اور وہ جادو بخشے جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے جواب دو ہیں۔ ایک یہ کہ ان جادوگروں میں سے اکثر لوگ تو مقابلہ سے خوش تھے مگر بعض سمجھدار لوگ بالکل ناخوش تھے جن کو پتہ لگ گیا تھا کہ عصا جادو نہیں بلکہ معجزہ ہے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا یہاں خوشی والوں کا ذکر ہے۔ سورہ طٰہٰ میں مجبور لوگوں کا۔ دوسرے یہ کہ سورہ طٰہٰ کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ تو نے ہم کو جادو سیکھنے اس کا پیشہ کرنے پر مجبور کیا یعنی ہم نے آج تک جادوگری کا جرم کیا خوشی سے نہیں بلکہ تیرے مجبور کرنے پر۔ اللہ ہمیں معاف کرے۔ **چوتھا اعتراض:** فرعون نے جادوگروں کے انعام مانگنے پر یہ کیوں کہا کہ تم مقربین سے ہو جاؤ گے۔ ان کے سوال کا جواب تو صرف **نعم** یعنی ہاں کہنے سے ہو چکا تھا۔ **جواب:** اس کا مقصد یہ تھا کہ تم تو مجھ سے صرف دولت مانگتے ہو مگر تم کو دولت بھی دوں گا عزت بھی۔ میرے قرب میں تمہاری عزت ہے۔ **پانچواں اعتراض:** تم نے کہا کہ پچھلے دینوں میں نبی کو نام لے کر پکارنا جائز تھا۔ ہمارے دین میں حضور کو نام شریف سے پکارنا حرام ہے مگر بعض لوگ اپنے مکانوں مسجدوں جلسوں میں لکھتے ہیں یا اللہ۔ یا محمد اور مولانا جامی نے لکھا ہے۔ توئی سلطان عالم یا محمد۔ یہ بھی حرام ہونا چاہئے۔ **جواب:** حضور انور کو نام شریف سے پکارنا حرام ہے۔ لکھنا حرام نہیں۔ آیت کریمہ میں **لا تجعلوا دعاء الرسول** ہے **لا تجعلوا کتابتہ اسم الرسول** نہیں ہے ہاں پڑھنے والے پر لازم ہے کہ جب اس لکھے ہوئے کو پڑھے تو محمد ﷺ پڑھے۔ یہ ہی حکم ان اشعار کا ہے۔ جن میں یا محمد ہے بلکہ جن دعاؤں میں یا محمد لکھا ہے وہاں بھی ﷺ کہنا ضروری ہے۔

کہ ان دعاؤں میں بھی یا رسول اللہ کہنے بولنے اور لکھنے کا احکام میں فرق ہے۔ کبھی لکھا جاتا ہے چھوٹا پڑھا جاتا ہے بڑا۔ دیکھو **الم' الر' المص** میں کہا گیا الر مگر پڑھنے میں **الف' لام' میم یا الف' لام' را یا الف' لام' م' ص** اور لکھنے میں آتا ہے **بسم اللہ الرحمن الرحیم** مگر پڑھنے میں بسم اللہ کا الف' الرحمن کا الف' لام' یوں ہی الرحیم کا الف' لام پڑھنے میں نہیں آتا۔ لہٰذا یا محمد لکھنا درست ہے' پڑھنا کہنا درست نہیں۔ پڑھنے میں ﷺ بھی پڑھے۔ کتاب میں تو پڑھائی کی رہبری کے لئے ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جادو کی حقیقت نہیں صرف دھوکا اور نظربندی ہے۔ دیکھو ارشاد ہوا۔ **سحروا اعین الناس** نوٹ ضروری۔ اسلامی فرقوں میں معتزلہ جادو کے منکر ہیں یہ اعتراض ان کا ہے۔ ان کی دلیل یہی آیت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جادو صرف خیالی وہمی چیز ہے۔ **جواب:** اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ فرعونی جادوگروں نے جو جادو کیا وہ نظربندی تھا اس میں یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ہر جادو نظربندی ہوتا ہے ہم پہلے پارہ کی تفسیر **یعلمون الناس السحر** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ جادو کی آٹھ قسمیں ہیں جن میں سے خیالی جادو اور شعبدے کی حقیقت کچھ نہیں اس میں صرف دھوکا ہی چالاکی ہوتی ہے۔ باقی قسموں کی حقیقت ہے۔ لبید ابن اعصم اور اسکی لڑکیوں نے حضور ﷺ پر جادو کیا۔ اس جادو کی حقیقت تھی۔ حضرت عبداللہ ابن عمر جب کھجور کے درختوں کے پھلوں کا اندازہ لگانے خیبر گئے تو یہود خیبر نے آپ پر جادو کیا جس سے آپ بہت سخت بیمار ہو گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ (از روح المعانی)۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جادوگروں نے تماشائیوں اور حاضرین کو ڈرایا۔ موسیٰ علیہ السلام اس ڈر سے محفوظ رہے مگر قرآن مجید میں دوسری جگہ ہے۔ **واوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی خوف ہو گیا۔ دو آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی ان کے مصنوعی سانپوں

سے خوف ہوا مگر آپ کا خوف کسی کو محسوس نہیں ہوا۔ فرعونیوں اور تماشائیوں کا خوف سب کو محسوس ہو گیا اس لئے **واسترھبوھم** فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام کے لئے ارشاد ہوا۔ **اوجس فی نفسہ** انہوں نے دل میں خوف چھپایا۔ دوسرے یہ کہ تماشائیوں کو تو ان سانپوں سے ایذا کا خوف ہوا مگر موسیٰ علیہ السلام کو یہ خوف ہوا کہ اب میرا معجزہ ثابت نہیں ہو گا کہ میرا عصا بھی سانپ بنے گا اور ان لوگوں نے بھی سانپ ہی بنا دیئے۔ لہذا ان دونوں خوفوں میں فرق ہوا۔ **آٹھواں اعتراض**: اللہ تعالیٰ نے اس جادو کو عظیم کیوں فرمایا رب تعالیٰ کی تو یہ شان ہے کہ اس دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں کو حقیر و قلیل فرمایا کہ فرمایا **قل متاع الدنیا قلیل** اور فرمایا **وما الحیوۃ الدنیا فی الاخرۃ الا متاع** تو چند سانپوں کو عظیم فرمانا اس کی شان کے خلاف ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ ہے کہ وہ جادو دیکھنے والوں کی نظر میں عظیم ہے یا جادوگروں کے نزدیک بڑا تھا یا جادو کے فن کے لحاظ سے بڑا تھا نہ کہ اللہ کے نزدیک۔ بہت چیزیں دنیا والوں کی نظر میں معمولی ہوتی ہیں مگر اللہ کے نزدیک عظیم ہوتی ہیں۔ (دیکھو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کو تہمت لگانا اس وقت کے منافقوں کی نظر میں معمولی بات تھی مگر اللہ کے نزدیک وہ عظیم گناہ تھا۔ فرماتا ہے **تحسبونہ ھینا وھو عند اللہ عظیم** بعض چیزیں اس کے برعکس دنیا والوں کی نظر میں بہت ہی عظیم اور بڑی ہوتی ہیں مگر رب کے نزدیک حقیر جیسے دنیا اور دنیا کی چیزیں اور جیسے یہ مذکورہ جادو۔ دوسرے یہ کہ جادو اللہ کے نزدیک بھی عظیم الشان تھا کہ اس کے ذریعہ اتنے بہت سے جادوگروں کو ایمان ملا چونکہ اس جادو کو نسبت تھی موسیٰ علیہ السلام سے اور موسیٰ علیہ تو عظیم ہیں لہذا یہ جادو بھی عظیم ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے فدیہ والے دنبہ کو عظیم فرمایا **وفدینہ بذبح عظیم** حالانکہ وہ دنبہ حد درجہ من ڈیڑھ من کا ہو گا مگر چونکہ اسے جناب اسمٰعیل سے نسبت تھی لہذا عظیم ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: فرعون اور فرعونیوں نے سمجھا تھا کہ تاخیر کی تدبیر سے تقدیر بدل جاوے گی تو وہ بولے **ارجہ واخاہ** حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی کو مہلت دو مگر ہو کر وہ رہا جو رب قدیر نے چاہا کہ یہ مقابلہ فرعون کی ہمت ٹوٹ جانے جادوگروں کو ایمان مل جانے کا ذریعہ بنا بلکہ فرعون کی تباہی کا پیش خیمہ ہوا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔

ہونے والا ہوتا ہے جب کوئی کار
غیب سے ہوتے ہیں اسباب آشکار

چونکہ ان جادوگروں کو ان کی شکست کے ذریعہ ایمان ملنے والا تھا اس لئے انہیں موسیٰ علیہ السلام کے ادب و احترام کی توفیق ملی یہ توقیر ان کی تقدیر پلٹ جانے کا ذریعہ بنی کہ انہوں نے جناب کلیم اللہ سے اجازت مانگ کر جادو کیا۔ ان کے جادو سے لوگوں کی آنکھوں پر تو پردے پڑ گئے مگر خود جادوگروں کی آنکھوں سے پردے اٹھ گئے اسی لئے یہاں **اعین الناس** ارشاد ہوا کہ لوگوں کو خوف طاری ہوا مگر خود جادوگروں کی بے خوفی کا ذریعہ بنا۔ ان وجوہ سے رب تعالیٰ نے اس جادو کو سحر عظیم فرمایا کہ یہ عظیم الشان انعام کا ذریعہ بنا۔ اس کے ذریعہ ہزاروں جادوگروں کے زنگ آلود دلوں پر صیقل ہونے والی تھی۔ فرعونی کثیر تھے، جادوگر عظیم ہو گئے۔ موسیٰ کلیم بھی تھے کریم بھی۔ وہ مجلس کثرت، عظمت، کرم، جود کا مجموعہ تھی۔

وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنۡ اَلۡقِ عَصَاکَ ۚ فَاِذَا ہِیَ تَلۡقَفُ مَا یَاۡفِکُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾

اور وحی بھیجی ہم نے طرف موسیٰ کے یہ کہ ڈالیں آپ لاٹھی اپنی پس اچانک وہ نگلنے لگی وہ جو گھڑتے تھے

اور ہم نے موسےٰ کو وحی فرمائی کہ اپنا عصا ڈال تو ناگاہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا

فَوَقَعَ الۡحَقُّ وَ بَطَلَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ۚ فَغُلِبُوۡا ہُنَالِکَ وَ انۡقَلَبُوۡا صٰغِرِیۡنَ ﴿۱۱۹﴾ۚ

پس ثابت ہوا سچ اور باطل ہوا وہ جو کرتے تھے وہ لوگ پس مغلوب کئے گئے وہ اس جگہ اور لوٹے خوار ہو کر

تو حق ثابت ہوا اور باطل ہوا وہ جو باطل ہوا اور یہاں وہ مغلوب پڑے ذلیل و خوار ہو کر پلٹے

وَ اُلۡقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیۡنَ ﴿۱۲۰﴾ۚۖ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۲۱﴾ۙ رَبِّ

اور ڈال دیئے گئے جادوگر سجدہ کرنے والے کہا انہوں نے ایمان لائے ہم جہانوں کے پالنے والے پر موسیٰ

اور جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے بولے ہم ایمان لائے جہان کے رب پر جو رب

مُوۡسٰی وَ ہٰرُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾

اور ہارون کے رب پر

ہے موسےٰ اور ہارون کا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں جادوگروں کے کرتب دکھانے کا ذکر تھا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کے اظہار کا تذکرہ ہے۔ گویا ان کے زور کا ذکر ہو چکا ہے اب اس زور کے توڑنے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں جادوگروں کے ادب و احترام کا ذکر تھا اب اس احترام کے انعام کا ذکر ہو رہا ہے۔ گویا عمل کا ذکر ہو چکا نتیجہ کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں بلانے والے فرعونیوں اور آنے والے جادوگروں کا ذکر ہوا۔ اب بلانے والوں کے بھاگ جانے اور آنے والوں کے در کلیم اللہ پر رہ جانے کا ذکر ہو رہا ہے کہ بلانے والے محروم ہوئے اور آنے والے مرحوم ہو گئے۔ بلانے والے آنے والوں کے ایمان کا ذریعہ بن گئے۔

تفسیر: واوحینا الی موسیٰ ظاہر ہے کہ یہاں وحی سے شرعی وحی مراد ہے۔ یعنی بذریعہ جبریل علیہ السلام پیغام اور ہو سکتا ہے کہ لغوی معنی مراد ہوں۔ یعنی دل میں ڈالنا۔ حضرات انبیاء کرام کی وحی تین طرح کی ہوتی ہے۔ وحی شرعی جو جاگتے ہیں بذریعہ فرشتہ ہو۔ وحی الہامی کہ ان کے دل میں رب کی طرف سے کوئی بات پڑ جاوے۔ وحی مقامی یعنی وہ کچھ خواب میں دیکھ لیں۔ ہمارے حضور کے لئے ایک چوتھی قسم کی وحی اور بھی ہوئی **قاب قوسین** والی وحی۔ رب فرماتا ہے **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** وہاں بے حجابانہ رب کو دیکھا اور اس سے ہمکلام ہوئے۔ یہاں پہلی دو وحیوں ہی سے کوئی وحی تھی شرعی یا الہامی۔ چونکہ عصا پھینکنا موسیٰ علیہ السلام ہی کا کام تھا اس لئے وحی بھی آپ کو ہوئی۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو نہ ہوئی۔ **ان الق عصاک** میں او حینا کا مفعول اور ان مصدریہ ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ بیانیہ ہو اور یہ عبارت او حینا کا بیان ہو۔ القاء سے

مراد وہی ڈالنا پھینکنا ہے جو اظہار معجزے کے لئے ہوتا تھا جس سے وہ سانپ بن جاتا تھا۔ عصا کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یا ملکیت کی ہے یا قبضہ کی یا دونوں کی۔ خیال رہے کہ ایک بار تو وادی سینا میں آپ سے فرمایا گیا تھا۔ **القہایموسی** اے موسیٰ اپنی لاٹھی پھینکو اور دوسری بار آج فرمایا گیا **الق عصاک** کیونکہ وہاں سانپ بنا کر دکھانا مقصود تھا اور آج یہاں یہ دکھانا ہے کہ یہ سانپ بن کر کھا بھی سکتا ہے۔ آج سے پہلے جناب کلیم اس کے کھانے کو آزما نہ سکے تھے۔ اسی لئے آپ کو آج پھینکنے میں پس و پیش تھا۔ خیال فرما رہے تھے کہ عصا بھی سانپ ہی بنے گا اور جادوگروں نے بھی سانپ بنا دیئے ہیں، پھر میرا غلبہ کیسے معلوم ہو گا۔ **فاذاھی تلقف مایافکون** اس سے پہلے دو عبارتیں پوشیدہ ہیں اور فاذا کی ف فصیحہ ہے۔ یعنی **القاھا** اور **صارت حیتہ اذا** کے معنی ہیں اچانک یہ ظرفیہ یا شرطیہ نہیں بلکہ مفاجاتیہ ہے۔ اس سے پہلے مذکورہ دو عبارتوں کا پوشیدہ ہونا یہ بتانے کے لئے ہے کہ آپ نے بہت ہی جلد نہایت ہی پھرتی سے عصا شریف پھینکا۔ تلقف بنا ہے لقف سے۔ لقف اور لقفان دونوں کے معنی ہیں بہت ہی جلد جلد کھانا' گویا نہ چبانا' ویسے ہی نگل جانا' اس لئے یہاں **تاکل یا تبتلع** ارشاد نہ ہوا چونکہ جادوگروں نے بہت قسم کے سانپ بنائے تھے۔ موٹے' پتلے' چھوٹے' بڑے رسوں کے بانسوں کے بلوں کے۔ اس لئے یہاں اتنی بڑی عبارت ارشاد ہوئی۔ حیات نہ فرمایا۔ **یافکون** بنا ہے **افک** سے ' بمعنی الٹا کر دینا' تہمت اور جھوٹ کو **افک** کہتے ہیں کہ اس میں بات الٹی کر کے واقعہ کے خلاف بتائی جاتی ہے۔ یعنی عصا سانپ بن کر ان کی ساری بناوٹی چیزوں کو ایک ایک کر کے جلد جلد بغیر چبائے نگلنے لگا۔ یہ مقابلہ اسکندریہ میں ہوا۔ آپ کے سانپ کی دم دریا میں تھی' منہ اس میدان میں۔ منٹوں میں اس نے سارا میدان صاف کر دیا پھر اسی ہاتھ اپنا منہ کھولا اور قوم فرعون کی طرف رخ کیا۔ ان میں بھگدڑ مچی حتیٰ کہ پچیس ہزار آدمی کچل کر مر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے اٹھایا تو پھر لاٹھی کی لاٹھی تھی۔ ایک ماشہ وزن یا ایک انچ قد زیادہ نہ ہوا۔ اس پر جادوگروں نے سوچا کہ اگر یہ بھی جادو ہے تو ہمارا سینکڑوں من سامان کہاں گیا اور ان کے دلوں میں اللہ کی ہیبت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت بیٹھ گئی۔ جس کا بیان یوں ہوا۔ **فوقع الحق** یہاں وقع ظہور و یقین ہے۔ حسن' مجاہد' فراء نے یہی تفسیر کی حق سے مراد یا تو عصا کا معجزہ ہونا ہے' یا موسیٰ علیہ السلام کی نبوت یا اللہ تعالیٰ کی قدرت' اس کی وحدانیت ہے یا یہ سب کچھ جن کی طرف موسیٰ علیہ السلام دعوت دیتے تھے چونکہ عصا کے ان سب چیزوں کو نگلتے ہی ان سب کا ثبوت ہو گیا تھا اس لئے یہاں ف ارشاد ہوئی۔ یعنی یہ واقعہ ہوتے ہی حق ظاہر ہو گیا۔ حق کے بہت معنی ہیں۔ سچ لازوال چیز' لائق قبول وغیرہ جو ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ **وبطل ماکانوا یعملون** یہ عبارت معطوف ہے فوقع پر یہاں بطلان سے مراد ہے بطلان کا ظہور چونکہ جادوگر یہ شعبدے بازیاں عمر بھر کرتے رہے تھے اس لئے **کانوا یعملون** ارشاد ہوا یعنی جادوگر عرصہ سے جو کرتب کیا کرتے تھے' آج ان سب کا باطل و جھوٹا ہونا ظاہر ہو گیا۔ آج گویا دن نکل آیا۔ رات بھر جو چیز چھپی رہی آج کھل گئی **فغلبوا ھنالک وانقلبوا صغرین** یہ عبارت معطوف ہے **بطل** پر۔ خیال رہے کہ **غلبوا** اور **انقلبوا** واؤ کی ضمیریں فرعون اور اس کے ماتحتوں کی طرف ہیں کہ وہی لوگ مغلوب ہوئے وہی لوگ وہاں سے بھاگے لوٹے' وہی ذلیل ہوئے۔ رہے جادوگر وہ تو آج سارے فرعونیوں پر غالب آ گئے اور وہ حضرات اس جگہ سے نہ بھاگے نہ ذلیل ہوئے۔ آج انہیں یہاں ہی ایمان' صحابیت' صبر' شہادت جیسی نعمتیں ملیں۔ **ھنالک** سے مراد یہی مقابلہ کا میدان ہے۔ لوٹنے سے مراد ہے یہاں سے بھاگ کر جانا۔ ان کا

موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہونا۔ یہ ان کی مغلوبیت اور ذلت ہے یعنی سارے فرعونی اسی جگہ مغلوب ہوئے اور یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر اپنے گھر واپس ہوئے۔ ادھر جادوگروں کا یہ حال ہوا کہ **والقی السحرۃ سجدین** یہاں **دفعوا** ارشاد نہ ہوا بلکہ القی فرمایا گیا یعنی جادوگر خود سجدے میں نہ گرے بلکہ رب تعالیٰ کی طرف سے گرائے گئے کہ انہیں سجدے ایمان وغیرہ کی توفیق اسی نے دی۔ ان کے سر توفیق الٰہی کے ماتحت تھے اسی نے گرایا۔ **السحرۃ** سے مراد وہی ستر یا اسی ہزار جادوگر ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے تھے۔ خیال رہے کہ جادوگروں کا سجدہ یا توفیق ایمان ملنے کے شکر کا تھا یا اپنی مغلوبیت کے شکر کا کہ یہ مغلوبیت ان کے ایمان کے ذریعہ بنی یا اظہار اطاعت کا' یا اظہار وفاداری کا اور یا تو موسیٰ علیہ السلام کی طرف انہوں نے سجدہ کیا یا بیت المقدس کی طرف یا جس کا جس طرف رخ ہو گیا ادھر ہی گر گیا۔ یہ سجدہ وضو' قبلہ رو' وقت' رخ وغیرہ قیدوں سے آزاد تھا اسی طرح اس سجدے میں **سبحان ربی الاعلی** نہ کہا گیا۔ ہمارے اسلام میں بھی سجدے بہت قسم کے ہیں۔ سجدہ نماز' سجدہ سہو' سجدہ تلاوت' سجدہ شکر' سجدہ دعاء' سجدہ مصیبت' اور بعض وقت سجدہ میں کعبہ کو منہ ہونا ضروری نہیں ہوتا جیسے سفر کے نوافل ہیں' یوں ہی اذان نماز میں قبلہ رو ہونا ضروری ہے مگر بچہ کے کان میں اذان کے لئے یہ سمت ضروری نہیں **قالوا امنا برب العلمین** حق یہ ہے کہ ان جادوگروں نے سجدے سے سر اٹھا کر یہ نہ کہا بلکہ سجدے میں گرتے ہوئے یہ کہا سجدہ ان کا عملی ایمان تھا اور یہ قول ان کا قولی ایمان۔ یہ دونوں فعل و قول اپنے ایمان کا اظہار تھا۔ انہوں نے سجدے میں پڑے پڑے چیخ چیخ کر یہ کہا۔ ایک بار نہ کہا بلکہ بار بار کہا ان کی اس پکار سے میدان گونج گیا۔ اللہ کی شان تھی کہ میدان مقابلہ میدان اطاعت اور میدان کفر میدان ایمان بن گیا ان لوگوں نے **امنا** کہا **وحدنا** نہیں کہا کہ توحید سے نجات نہیں ملتی ایمان سے ملتی ہے۔ حضرات انبیاء کرام توحید کی دعوت دینے نہیں آئے' ایمان کی دعوت دینے آئے ہیں۔ توحید تو شیطان اور بعض کفار بھی مانتے ہیں۔ ان جادوگروں نے اللہ تعالیٰ کو عالمین کی ربوبیت سے جانا پھر انہیں خیال آیا کہ یہ معرفت ایمان کے لئے کافی نہیں۔ شاید فرعون کہہ دے کہ رب العلمین تو میں ہی ہوں تو فوراً" اس حالت میں کہا کہ **رب موسی و هرون** یہ عبارت بدل ہے۔ رب العلمین سے۔ شاید فرعون کہہ دیتا کہ میں ہی موسیٰ علیہ السلام کا رب یعنی مربی ہوں کہ انہیں میں نے پرورش کیا ہے تو ساتھ حضرت ہارون کا نام لیا کہ ان کے متعلق فرعون یہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ جادوگروں کا مقصد یہ تھا کہ رب العالمین وہ ہے جسے حضرت موسیٰ و ہارون رب کہتے ہیں۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کا رب العالمین ہونا ان دونوں کی زبان سے جانا بعض لوگوں نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ رب تعالیٰ عالمین کا بھی رب ہے۔ عالمین کو ربوبیت عامہ سے پالتا ہے' موسیٰ و ہارون کو ربوبیت خاصہ سے اگرچہ عالمین میں موسیٰ و ہارون علیہم السلام بھی داخل تھے مگر چونکہ ان کی شان خصوصی تھی اس لئے ان بزرگوں کا نام خصوصیت سے لیا۔ عام مفسرین یہ ہی مطلب بیان کرتے ہیں مگر حقیر کے نزدیک پہلی توجیہہ قوی ہے کہ رب العالمین وہ ہے جسے حضرت موسیٰ و ہارون نے رب العالمین بتایا۔ ان کے اس ایک لفظ میں سارے ایمانیات آ گئے۔ قیامت' فرشتے' جنت' دوزخ وغیرہ سب پر ایمان اس ایک لفظ میں آ گیا۔

خلاصہ تفسیر: جب جادوگروں نے اپنا پورا زور صرف کر دیا اور میدان مقابلہ کو مصنوعی سانپوں' اژدہوں سے بھر دیا لوگوں کو ڈرا دیا تو ہم نے جناب موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ اب موقعہ ہے آپ اپنا مملوکہ' مقبوضہ عصا ڈال دیں' چنانچہ آپ نے عصا ڈالا۔

عصا کا ڈالنا تھا کہ وہ عظیم الشان اژدہا بن گیا اور اس میدان کے سارے مصنوعی سانپوں' اژدہوں کو ایک ایک کر کے نگل گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میدان بالکل خالی ہو گیا پھر اس نے تماشائیوں کی طرف رخ کیا۔ سارے فرعونیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ بہت لوگ کچل کر مر گئے' آپ نے اس کی گردن پکڑ کر اٹھایا تو پھر وہی ہلکی پھلکی لاٹھی تھی۔ حق یعنی توحید' نبوت موسوی' عصا کا معجزہ ہونا' دین موسوی کا درست ہونا ثابت بلکہ ظاہر ہو گیا اور آج تک جو کچھ جادوگر کرتے رہے تھے اس کا باطل ہونا سب کو معلوم ہو گیا۔ جادوگروں نے سوچا کہ اگر عصا موسوی بھی ہمارے سانپوں کی طرح ایک شعبدہ یا نظر بندی ہے تو ہمارے رسے' بانس' بلے جو سینکڑوں من تھے کہاں گئے اور اس قدر روزنی چیزیں نگل جانے کے بعد اس کا وزن ایک ماشہ بھی نہ بڑھا۔ یقیناً" وہ معجزہ ہے اور موسیٰ علیہ السلام سچے نبی ہیں چنانچہ وہ خود نہیں گرے بلکہ رب کی طرف سے سجدے میں گرا دیئے گئے۔ انہوں نے شکریہ یا اظہار وفاداری یا اپنے ایمان کے لئے سجدہ کیا اور سجدہ میں گر کر بلند آواز سے بولے کہ ہم اس پر ایمان لائے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے یعنی وہ جسے حضرت موسیٰ وہارون رب العالمین بتاتے ہیں جو ان دونوں کا رب ہے اس پر ہم ایمان لائے۔ فرعون اور اس کی ربوبیت کے عقیدے سے ہم پھر گئے۔ توبہ کرتے ہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کفار و مشرکین سے مناظرہ' مقابلہ کرنا نہیں شکست دینا تبلیغ کی اہم قسم ہے اس پر امت ثواب ہے۔ یہ مقابلہ خواہ زبان سے ہو یا قلم سے یا تلوار سے' ان سب میں اللہ کی رحمت و نصرت مومنوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اخلاص نیت شرط ہے۔ یہ فائدہ **ان الق عصاک** سے حاصل ہوا۔ یہ جہاد تاقیامت رہیں گے۔ **دوسرا فائدہ**: جب کوئی چیز کسی اور شکل میں ہو جاوے تو اس شکل کی بعض خصوصیات بھی اس میں آجاتی ہیں۔ یہ فائدہ **تلقف** سے حاصل ہوا کہ عصا موسوی لکڑی تھا مگر جب سانپ کی شکل میں ہوا تو کھانے نگلنے لگا۔ اس سے بہت سے عقیدے کے مسائل حل ہو جائیں گے۔ حضرت جبریل جب شکل انسانی میں آتے تھے تو ان کے بال سیاہ کپڑے سفید ہوتے تھے حالانکہ فرشتے بال' کھال' کپڑوں سے پاک ہیں۔ جب ہاروت وماروت فرشتے شکل انسانی میں بھیجے گئے تو ان میں شہوت پیدا کی گئی جب ملک الموت شکل انسانی میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو موسیٰ علیہ السلام کے طمانچہ سے ان کی آنکھ جاتی رہی یہ سب اس شکل کے احکام تھے۔ یوں ہی ہمارے حضور ﷺ بقرآنی گواہی سے اللہ کا نور ہیں مگر لباس بشریت میں یہاں جلوہ گر ہوئے تو کھانا' پینا' نکاح' بیماری' وفات سب سے موصوف ہوئے یہ اس بشری شکل کے احکام تھے ہاں کبھی آپ پر نورانیت کے احکام بھی جاری ہوتے تھے۔ معراج میں گرم ٹھنڈے طبقوں سے گزر جانا' ان کا آپ پر اثر نہ کرنا' آسمانوں کی سیر فرمانا جہاں سانس کے لئے ہوا نہ تھی' روزہ وصال میں بھوک' پیاس کا اثر مطلقاً" نہ ہونا' اگرچہ بہت روز تک نہ کھائیں پئیں۔ اسی نورانیت کی جلوہ گری تھی۔ **تیسرا فائدہ**: جادو معجزے کے مقابل نہیں ٹھہرتا۔ یوں ہی جادوگر معجزے والے کے سامنے نہیں ٹھہرتے۔ یہ فائدہ **وبطل** سے حاصل ہوا۔ دیکھو اس وقت پوری خدائی ایک طرف تھی' دو بھائی ایک طرف تھے مگر دونوں بھائی غالب آئے۔ ساری خدائی مغلوب ہوئی۔ **چوتھا فائدہ**: شان داری کثرت تعداد پر موقوف نہیں بلکہ شاندار مقصد پر موقوف ہے۔ امام حسین کی جماعت صرف بہتر نفوس تھی یزیدی ہزارہا تھے۔ غازیان بدر تین سو تیرہ تھے' کفار ہزار تھے۔ یہاں حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام دو تھے مقابل لاکھوں تماشائی' ہزاروں جادوگر مگر شاندار یہ تھوڑے ہی تھے کہ ان کا مقصد شاندار تھا یہ فائدہ **فوقع**

الحق سے حاصل ہوا۔ شاندار جلسہ 'شاندار مدرسہ 'شاندار عالم وہ ہے جس کا مقصد خدمت دین ہو۔ **پانچواں فائدہ**: معرفت الٰہی کے دو ذریعے ہیں۔ ایک اپنی مجبوری 'معذوری 'بے کسی و بے بسی جانتا دوسرے اللہ والوں کی طاقت خدا لو 'ان کی قدرت 'قوت 'غلبہ کو ماننا کہ ان کی قدرت و غلبہ خدا او ر رب تعالیٰ کی قدرت و طاقت کا آئینہ 'اس کے پہچاننے کا ذریعہ ہے۔ یہ فائدہ **فوقع الحق** اور **وبطل ماكانوا يعملون** سے حاصل ہوا کہ جادوگر یہ ہی دو چیزیں دیکھ کر سجدے میں گر رہے جو اپنے کو قادر مطلق مانے وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا۔ اور جو انبیاء و اولیاء کو اپنے جیسا یا اپنے سے زیادہ مجبور و معذور مانے وہ رب کو نہیں پہچان سکتا۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہتا تھا۔ **انا فوقهم قهرون** ہم موسیٰ اور قوم موسیٰ پر غالب ہیں۔ دیکھ لو اسے ایمان نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ نبیوں کو معجزات 'ولیوں کو کرامات اس لئے عطا فرماتا ہے کہ مخلوق کو ان کی قدرت 'قوت 'طاقت کا پتہ لگے اور مخلوق کہے کہ جس رب کے بندے ایسے قدرتوں والے ہیں تو رب کیسی قدرت والا ہو گا۔ **چھٹا فائدہ**: ایمان و اطاعت کے اظہار کے لئے عمل و قول دونوں کا اجتماع اللہ تعالیٰ کو بڑا پیارا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے اس آیت میں فرعونی جادوگروں کے دو عمل بیان فرمائے۔ ایک سر بسجود ہونا۔ دوسرے زبان سے اپنے ایمان کا اعلان کرنا یعنی سجدہ بھی تھا اور سجدہ میں اپنے ایمان کا اعلان بھی۔ ان کا یہ عمل رب کو ایسا پیارا معلوم ہوا کہ انہیں پل بھر میں ایمان 'عرفان 'صحابیت 'صبر و رضا 'شہادت سب ہی عطا فرما دی۔ **ساتواں فائدہ**: مومنین نے کبھی بھی تقیہ کر کے اپنا ایمان نہیں چھپایا۔ دیکھو ان جادوگروں کو فرعون کا ظلم 'اپنا انجام فرعون کے ہاتھوں معلوم تھا مگر انہوں نے ایسے نازک حالات میں تقیہ نہیں کیا بلکہ کھلے بندوں اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ یہ فائدہ **قالوا امنا** سے حاصل ہوا۔ کیا حضرت علی و اہل بیت رسول ان جادوگروں سے بھی ہمت و جرأت میں کم تھے کہ انہوں نے خلفاء ثلاثہ کے زمانوں میں دین مٹتے قرآن بدلتے ہوئے دیکھا اور خوف جان سے خاموشی اختیار کی۔ ان کی جرأت دیکھنا ہے تو معرکہ کربلا میں غور کرو۔ **آٹھواں فائدہ**: انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کا پتہ ہیں کہ ان کے ذریعہ رب تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوئی ہے اگر ان کے توسل کے بغیر اور ذریعوں سے خدا پہچانا جاوے تو ایمان نہیں ملتا۔ یہ فائدہ رب العالمین کے بعد رب موسیٰ و ہارون کہنے سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ**: پیغمبر کے ادب سے کافر کو ایمان مل جاتا ہے اور پیغمبر کی بے ادبی سے مومن و متقی کافر و مرتد ہو جاتا ہے۔ یہ فائدہ **القى السحرة سجدين** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں **وقعوا** نہ فرمایا **القى** فرمایا وہ سجدہ میں گرے نہیں بلکہ گرائے گئے۔ ابلیس اور ان جادوگروں کے حال ہم کو بہت نصیحت دیتے ہیں۔ ابلیس بے ادبی نبی سے کچھ نہ رہا۔ یہ جادوگر ادب رسول سے سب کچھ ہوئے ان کے ادب کا ذکر ہم ابھی تفسیر میں کر چکے کہ انہوں نے اپنا کرتب دکھایا مگر موسیٰ علیہ السلام کی اجازت لے کر۔ اس اجازت لینے نے ان کا بیڑا پار کر دیا۔ رب تعالیٰ ادب کی توفیق دے۔ **دسواں فائدہ**: ارکان ایمان بہت ہیں۔ توحید 'رسالت 'حشر و نشر 'فرشتے 'جنت و دوزخ وغیرہ جس کا ذکر ہے **امنت بالله و ملئكته** میں مگر رسالت ان سب کا اصل اصول ہے جس نے صحیح معنی میں رسول کو مان لیا اس نے اس کے ضمن میں سب کچھ مان لیا۔ یہ فائدہ **رب موسى و هرون** فرمانے سے حاصل ہوا کہ ان جادوگروں نے ان مذکورہ چیزوں میں سے کسی کا ذکر نہ کیا صرف **رب موسى و هرون** پر ایمان لائے اور شہید ہو گئے نہ مومن بلکہ مومنوں کے سردار ہو گئے۔ ابلیس نے سوا نبوت سب کچھ مانا مگر کافر رہا۔ نبوت اصل ایمان ہے۔ **گیارھواں فائدہ**: نجات کا مدار کتاب اللہ کے ماننے 'نیک اعمال کرنے پر نہیں بلکہ نبی

کے ماننے پر ہے دیکھو ان جادوگروں کے ایمان لانے کے وقت توریت شریف نہیں آئی تھی نہ احکام شرعیہ نازل ہوئے تھے یہ جادوگر صرف موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور شہید ہو گئے۔ کتاب اللہ یعنی توریت تو فرعون کے ڈوبنے کے بعد آئی۔ بہت صحابہ وہ ہیں جو عین جنگ میں حضور انور کو دیکھ کر ایمان لائے اور فوراً شہید ہو گئے انہیں قرآن مجید کی خبر بھی نہ ہوئی۔ ایک نماز نہیں پڑھی۔ ایک روزہ نہ رکھا مگر آن کی آن میں مومنین عارف غازی شہید ہو گئے مگر اس کی مثال نہ ملے گی کہ کوئی شخص بغیر نبی کو مانے جانے صرف کتاب اللہ کے ذریعہ مومن بن گیا ہو۔

اعتراضات: **پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **تلقف** کیوں فرمایا **تاکل** یا **تقضم** کیوں نہ فرمایا۔ **جواب:** تاکہ پتہ لگے کہ عصا ان تمام چیزوں کو بغیر چبائے نگل گیا۔ چبانے میں دیر لگتی۔ **تاکل** فرمانے سے یہ بات معلوم نہ ہوتی۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **تلقف** مضارع کیوں ارشاد ہوا **القفت** ماضی ارشاد کیوں نہ ہوا یہ واقعہ تو ہو چکا ہے۔ ماضی فرمانا مناسب تھا۔ **جواب:** تاکہ معلوم ہو کہ عصا نے یہ سارا سامان یکدم نہیں نگل لیا بلکہ جلدی جلدی ایک ایک کر کے نگلا۔ اس طرح نگلنے سے عجیب ہی سماں بندھا ہو گا اور اس میں موسیٰ علیہ السلام کی شان عالی کا پتہ لگا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں **مایافکون** اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی۔ **عصیهم** یا **حبالهم** کیوں نہ فرمایا وہ مختصر ہوتا۔ **جواب:** وہ جادوگر مختلف قسم کے سامان لائے تھے۔ رسے' بلے' بانس وغیرہ اور ان سے مختلف قسم کے اژدہے' پتلے سانپ اور دریائی سانپ بنائے تھے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ عصا شریف ان کے یہ سارے سامان نگل گیا یہ مقصد صرف **عصیهم** یا **حبالهم** فرمانے سے حاصل نہ ہوتا۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **یافکون** مضارع کیوں ارشاد ہوا افکوا ماضی کیوں نہ فرمایا۔ **جواب:** یہ جادوگر ان چیزوں پر ہمیشہ جادو کیا کرتے تھے ان کا یہی سامان ان کے کمال سحر کا سرمایہ تھا جو آج عصا شریف کے ذریعہ فنا ہو لہ وہ لوگ گویا آج لٹ گئے تھے یہ بتانے کے لئے مضارع استمراری ارشاد ہوا۔ اس لئے آگے ارشاد ہوا **وبطل ماكانوا يعملون** جن چیزوں پر وہ جادو کیا کرتے تھے وہ آج فنا ہو گئیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کے مقابل جادو کام نہیں کرتا مگر حضور ﷺ پر لبید ابن اعصم کے جادو نے اثر کر دیا جس کے اتار کے لئے سورہ فلق و ناس نازل ہوئیں۔ یہ آیت اس حدیث کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں جادو کا معجزے سے مقابلہ ہوا تھا۔ جادو فیل ہو گیا وہاں مقابلہ نہ تھا بلکہ چوروں کی طرح چھپ کر کیا گیا تھا۔ وہاں ایسا اثر ہوا جیسے تلوار یا تیر یا زہر کا اثر نبی کے جسم پر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان واقعات میں تعارض بالکل نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں جادوگروں کے متعلق **غلبوا** اور **انقلبوا** اور **صغرین** ارشاد ہوا حالانکہ جادوگر نہ تو ذلیل ہوئے تھے انہیں تو ایمان کی وجہ سے عزت مل گئی نہ وہ وہاں سے واپس ہوئے۔ یہ فرمان عالی واقعہ کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں فرعونیوں کا ذکر ہے نہ جادوگروں کا یعنی فرعون اور فرعونی لوگ ہی مغلوب ہوئے وہ ہی ذلیل ہو کر اپنے گھروں کو پلٹے کچھ وہاں ہی کچل کر مرے۔ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ جادوگروں نے سجدہ تو پہلے کیا اور ایمان بعد میں لائے حالانکہ اس کے برعکس چاہئے تھا کہ ایمان پہلے لاتے سجدہ بعد میں کرتے کہ ایمان عقیدہ ہے سجدہ عمل۔ **جواب:** جادوگروں کا یہ سجدہ اطاعت کا تھا' عبادت کا نہ تھا یعنی اے موسیٰ علیہ السلام! ہم نے اب تک تو آپ کا مقابلہ کیا اب ہم آپ کے فرماں بردار بنتے ہیں اور سجدے ہی کی حالت میں اپنے ایمان کا اعلان کیا یعنی یہ کلام سجدے میں پڑے پڑے کیا اگر سجدہ عبادت

ہوتا تو اس میں **سبحان ربی الاعلی** کہتے۔ **آٹھواں اعتراض**: یہ سجدہ کس طرف ہوا اور باوضو ہوا یا بغیر وضو۔ **جواب**: اس کی تفصیل کہیں دیکھی نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے سجدے میں گرے۔ انہیں اپنا قبلہ سجود بنایا ان پر وضو وغیرہ کی پابندی نہ تھی کیونکہ وہ ابھی حالت کفر میں تھے۔ یہ سجدہ کفر سے پھرنے ایمان میں داخل ہونے کی علامت بنایا جیسے ایک موقعہ پر کفار نے حضرت خالد بن ولید اور ان کے ساتھیوں کو سجدہ کر کے اپنی فرماں برداری کا اظہار کیا تھا۔ اس قسم کے سجدے تمام شرائط سے آزاد ہوتے ہیں۔ **نواں اعتراض**: جادوگروں نے اپنے اس اقرار میں اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں بیان کیں۔ ایک **رب العالمین** دوسری **موسیٰ و ہارون** حالانکہ یہ دونوں حضرات عالمین میں داخل تھے۔ عالمین کے بعد ان کے ذکر کی ضرورت نہ تھی پھر کیوں ذکر کیا۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک عالمانہ، دوسرا عاشقانہ۔ جواب عالمانہ تو یہ ہے کہ رب العالمین ہونے کا دعویٰ فرعون کرتا تھا اگر یہ لوگ صرف رب العالمین کہتے تو فرعون کہہ سکتا تھا کہ یہ لوگ مجھ پر ایمان رکھنے کا اعلان کر رہے ہیں اس لئے **رب موسیٰ و ہارون** کہا تاکہ اب فرعون یہ نہ کہہ سکے۔ جواب عاشقانہ یہ ہے کہ **رب العالمین** میں توحید کا اقرار ہے اور **رب موسیٰ و ہارون** میں ایمان کا اقرار۔ رب تعالیٰ کو عالم اور عالم کی چیزوں کے ذریعہ پہچاننا توحید ہے اور نبی کی معرفت پہچاننا ایمان ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ابلیس کی طرح موحد نہیں ہیں بلکہ مومن ہیں۔ **دسواں اعتراض**: جادوگروں نے موسیٰ اور ہارون دونوں کا ذکر کیوں کیا۔ **رب موسیٰ** کہہ دینا کافی تھا۔ **جواب**: اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں ایک عالمانہ دوسرا عاشقانہ۔ جواب عالمانہ تو یہ ہے کہ فرعون کہہ سکتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا رب میں ہوں کیونکہ میں نے ان کی پرورش کی ہے جب ساتھ ہی ہارون علیہ السلام کا بھی ذکر کر دیا تو اس کا منہ بند ہو گیا جواب عاشقانہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے جناب ہارون علیہ السلام کو نبوت ملی۔ یعنی رب ربوبیت خاصہ کی تجلی جناب موسیٰ کے ذریعے حضرت ہارون پر پڑی جادوگروں نے کہا کہ ہم اس پر ایمان لائے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بلاواسطہ رب ہے اور حضرت ہارون کا بواسطہ موسیٰ علیہ السلام رب ہے اور اب دونوں کے ذریعہ ہمارا رب ہے یہ ترتیب تصوف کی اصل ہے۔ رب نے انہیں شریعت بھی بخشی، طریقت بھی عطا کی۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کا خالق و مالک ہے، اور حضرات انبیاء کرام رب تعالیٰ کے مظہر اتم رب نے نبیوں کو بنایا۔ نبیوں نے رب کو بتایا اس کا راہ دکھایا اگر رب تعالیٰ نبیوں کو پیدا نہ کرتا تو یہ حضرات موجود نہ ہوتے اگر نبی رب کو ظاہر نہ کرتے تو وہ ہم لوگوں پر ظاہر نہ ہوتا۔ اس کنز مخفی کو ظاہر کرنے والے حضرات انبیاء ہیں۔ یہ حضرات مختلف طریقوں سے رب کو ظاہر کرتے ہیں کسی پر مہر سے کسی پر قہر سے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان جادوگروں پر رب ظاہر فرمایا غلبہ و قہر سے کہ جادوگروں کی مغلوبیت ان کے ایمان و عرفان کا ذریعہ بن گئی۔ حق کا غلبہ باطل کی مغلوبیت ہے۔ حق کا ظہور ہو تو باطل کافور ہوتا ہے اس مغلوبیت پر ہزار ہا غالبیتیں قربان ہو جاویں۔ جادوگر مغلوب ہو کر سجدے میں گرے۔ پانی آیا تیمم گیا۔ سورج نکلا رات گئی بارش آئی خشکی گئی۔ ایمان آیا طغیان گیا۔ عرفان آیا غفلت گئی۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ رب وہ ہے جسے نبی رب کہیں۔ رب العالمین فرمانے کے بعد **رب موسیٰ و ہارون** کہنے۔ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ہم اس پر ایمان لائے جس نے عالمین کو بنایا۔ جسے حضرات موسیٰ و ہارون نے رب بتایا۔ نبی کی زبان، ایمان، عرفان کی چابی ہے جہاں نبی کا کرم ہو وہاں دوئی نہیں رہتی۔ اعلیٰحضرت

قدس سرہ نے فرمایا۔

آب آمد وہ کہے اور میں تیمم برخاست
مشت خاک اپنی ہو اور نور کا اہلا تیرا

صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں حق و باطل رلا ملا ہوتا ہے۔ نبی ان میں فرق کرتے ہیں۔ دیکھو جادوگروں کے جادو کا بطلان جناب کلیم کے ذریعہ کھلا۔ ملائکہ اور ابلیس دونوں عابد تھے ان میں سچا جھوٹا ممتاز نہ تھا۔ حضرت آدم نے کھوٹے کو کھوٹا کھرے کو کھرا کر دکھایا۔ نبی کا یہ فرق تاقیامت جاری رہے گا۔ سجدے سجود قرآن خوانی وغیرہ نبی کے ذریعہ ان کی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ کس کی عبادت کھری ہے کس کی کھوٹی۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی

کہا فرعون نے کیا ایمان لائے تم ان پر اس کے بغیر کہ اجازت دوں میں تم کو بیشک یہ البتہ فریب ہے جو

فرعون بولا تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں یہ تو بڑا جعل ہے جو

الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۱۲۳) لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ

جاری کیا تم نے اس شہر میں تاکہ نکال دو تم اس شہر سے اسکے باشندوں کو بس عنقریب جان لوگے تم البتہ کاٹوں گا میں

تم سب نے شہر میں پھیلایا ہے کہ شہر والوں کو اس سے نکال دو تو اب جان جاؤ گے قسم ہے کہ میں

وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ (۱۲۴)

ہاتھ تمہارے اور پاؤں تمہارے دو طرف سے پھر البتہ سولی دوں گا میں تم کو سب کو

تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا پھر تم سب کو سولی دوں گا

تعلق: اس آیۃ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں جادوگروں کو ایمان کی نعمت ملنے کا ذکر ہے۔ اب ان کو صبر و شہادت کا درجہ ملنے کی تمہید ارشاد ہو رہی ہے۔ گویا ایک نعمت کا ذکر ہو چکنے کے بعد دوسری نعمت کی عطا کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرعون و فرعونیوں کی ذلت و رسوائی کا ذکر ہوا اب ان کی ڈھٹائی بے حیائی کا تذکرہ ہے کہ اس قدر ذلت کے بعد ان کی اکڑ نہ گئی بجائے پست ہونے کے جادوگروں سے اکڑ نے انہیں دھمکانے لگے کیونکہ ان کے نصیب میں اور زیادہ ذلت بلکہ ہلاکت لکھی تھی۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں جادوگروں کے ایمان کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں ان کی آزمائش و امتحان کا تذکرہ ہے کہ جتنا کامل ایمان ہوتا ہے اتنا ہی سخت امتحان لیا جاتا ہے۔ آزمائش بقدر درجات۔

تفسیر: قال فرعون۔ ظاہر ہے کہ فرعون کا جادوگروں سے یہ کلام میدان مقابلہ میں نہیں ہوا کہ وہاں کا تو نقشہ یہ ہو گیا تھا کہ جادوگر سجدہ میں پڑے اپنے ایمان کا اعلان کر رہے تھے اور فرعون و فرعونی لوگ ٹوپی جوتے چھوڑ کر بھاگ رہے تھے وہاں تو

فرعون کو اپنا ہی ہوش نہ رہا تھا۔ جادوگروں سے کیا کہتا بلکہ جب گھر پہنچ کر اس کے ہوش و حواس ٹھکانے آئے اور اسے جادوگروں کے ایمان و اخلاص کے اعلان کی خبر ملی تب اس نے ان جادوگروں کو پھر جمع کیا اور ان سے یہ گفتگو کی۔ میدان مقابلہ کا نقشہ تو یہ تھا کہ **وانقلبوا صغرین**۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ گفتگو براہ راست فرعون نے کی، کسی سے کہلوایا نہیں اور اس کا مقصد اپنے لوگوں کے سامنے اپنی شرمندگی مٹانا تھا تاکہ انہیں دکھائے کہ میں اب بھی یہ ظلم و ستم کر سکتا ہوں۔ اس واقعہ سے میری خدائی میں فرق نہیں آیا۔ اس کلام میں روئے سخن جادوگروں سے ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے تو اس کی روح کانپتی تھی۔ **امنتم بہ** ہماری قراءت میں **امنتم** ایک ہمزہ سے ہے، یہاں بھی اور سورہ طٰہٰ و شعراء میں بھی۔ مگر امام کسائی، ابو بکر، حمزہ وغیرہم کی قرآۃ میں **ءامنتم** دو ہمزہ سے ہے، یہاں بھی اور دوسری سورتوں میں بھی۔ ان حضرات کی قراءت پر تو معنی ظاہر ہیں۔ ہماری قراءت میں اس کا مقصد یا تو سوال ہی ہے۔ سوال کا ہمزہ پوشیدہ ہے جیسے **ان لنا لاجرا** میں تھا یا یہ خبر ہے، مگر ڈانٹ ڈپٹ اور اظہار غضب کے لئے۔ (کبیر، روح المعانی۔ بیان وغیرہ) **امنتم بہ** میں ہ کا مرجع موسیٰ علیہ السلام ہیں اور باء صلہ کی ہے جیسے **امنت باللہ** میں کیونکہ نبی پر ایمان ایسا ہی ضروری ہے جیسے اللہ تعالیٰ پر۔ یا اس کا مرجع رب موسیٰ ہے کہ انہوں نے کہا تھا۔ رب موسیٰ و ھرون (معانی) پہلا احتمال قوی ہے کیونکہ قرآن مجید میں دوسری جگہ ہے **امنتم لہ۔ انہ لکبیر کم** وہاں دونوں ضمیریں موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں اور ہو سکتا ہے کہ **بہ** کا مرجع عصا ہو اور ب سببیہ یعنی کیا تم موسیٰ علیہ السلام پر یا رب موسیٰ پر ایمان لے آئے یا کیا تم عصا کی وجہ سے مومن ہو گئے۔ **قبل ان اذن لکم** اس کا تعلق **امنتم** سے ہے۔ **قبل** ۔ بمعنی بغیر ہے نہ کہ ۔ بمعنی پہلے۔ جیسے **قبل ان تنفد کلمات ربی** میں **قبل** ۔ بمعنی بغیر ہے۔ **اذن** ۔ بمعنی اجازت ہے نہ کہ ۔ بمعنی اطلاع یا حکم یعنی بغیر میری اجازت تم موسیٰ علیہ السلام پر ایمان کیوں لے آئے۔ فرعون نے جادوگروں سے یہ کلام علانیہ کیا سارے لوگوں کو سنا کر۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ تم لوگ میری رعایا بلکہ نوکر ہو، تم کوئی کام میری اجازت کے بغیر نہیں کر سکتے۔ ایسے ہی تم ایمان بھی میری اجازت کے بغیر نہیں لا سکتے۔ تمہارے افعال، اعمال، عبادات، اعتقادات سب کچھ میری اجازت سے ہونے چاہیں کیونکہ میں تمہارے قلب و قالب کا مالک ہوں۔ اس کا نام ہے فرعونیت۔ **ان ھذا لمکر** اس میں فرعون نے جادوگروں کا دوسرا قصور بیان کیا۔ **ھذا** سے اشارہ ہے جادوگروں کی شکست اور بعد میں سجدہ کرنے اور سجدے میں اعلان ایمان کرنے کی طرف۔ **مکر** کی نسبت جب بندے کی طرف ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں فریب، دھوکا دہی یعنی تمہارا ایک قصور تو یہ ہے کہ تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ دوسرا قصور یہ ہے کہ تم نے شکست حقیقتہ نہیں کھائی بلکہ اپنی بناوٹی شکست لوگوں کو دکھائی ہے، پھر تم نے اپنا سجدہ بھی دکھایا۔ اپنا اعلان ایمان بھی سنایا۔ **مکرتموہ فی المدینۃ** یہاں **مکرتم** میں خطاب جادوگروں سے بھی ہے اور جناب موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے بھی۔ مدینہ سے مراد یا تو مصر ہے تب مطلب یہ ہو گا کہ تم نے اسکندریہ پہنچنے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے یہ مشورہ کر لیا تھا کہ ہم تمہارے مقابلہ میں دانستہ طور پر ہار جائیں گے یا مدینہ سے مراد ہے اسکندریہ، تب اس کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اجازت مانگی پھر کرتب دکھائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تمہارے خفیہ استاد ہیں تم سب ان کے شاگرد تم نے استاد کی رعایت کر کے یہ سب کچھ کیا۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام آٹھ دس سال مصر کے باہر مدین

میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہے۔ فرعون نے الزام لگایا کہ اس زمانہ میں موسیٰ علیہ السلام نے اعلیٰ درجہ کا جادو سیکھا پھر ان لوگوں کو سکھایا ہے وہ استاد ہیں یہ لوگ شاگرد دوسری جگہ ہے **انه لكبيركم الذى علمكم السحر** یہی بات وہ یہاں کہہ رہا ہے **لتخرجوا منها اهلها** یہ متعلق ہے **مكر تموه** کے **منها** کا مرجع مدینہ ہے۔ **اهل** سے مراد ہیں قبطی لوگ یعنی تمہارا اور تمہارے استاد موسیٰ علیہ السلام کا منشا یہ ہے کہ میں تم سے مرعوب ہو کر مصر وغیرہ کی سلطنت سے دستبردار ہو جاؤں اور تم میری قوم قبطیوں کو اس علاقہ سے نکال دو اور خود یہاں راج کرو۔ فرعون کی یہ ساری گفتگو اپنے لوگوں پر اپنا رعب قائم رکھنے کے لئے ہے۔ **فسوف تعلمون** اس میں دھمکی ہے۔ **تعلمون** کا مفعول **به عاقبته امركم** پوشیدہ ہے یعنی تم عنقریب اپنے اس جرم کا انجام جان لوگے بلکہ دیکھ لوگے اس میں اجمال ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

لاقطعن ايديكم وارجلكم من خلاف یہ اس اجمال کی تفصیل ہے۔ عربی میں قطع کے معنی ہیں کاٹنا۔ تقطیع کے معنی ہیں خوب ہی کاٹنا۔ لہٰذا اس کے معنی ہوئے تمہارے ہاتھ پاؤں خوب ہی کاٹوں گا یا اس طرح کہ صرف پنجے یا ٹکوے نہیں کاٹوں گا بلکہ پورے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا یا اس طرح کہ ستھرے چھرے سے دیر تک کاٹتا رہوں گا تاکہ تم کو بہت ہی تکلیف ہو۔ رب مصری عورتوں کے متعلق فرماتا ہے۔ **وقطعن ايديهن** انہوں نے جمال یوسفی دیکھ کر اپنے ہاتھ دیر تک کاٹے اور خوب ہی کاٹے۔ کھال گوشت ہڈی سب کاٹ ڈالی۔ **كم** میں خطاب صرف جادوگروں سے ہے نہ کہ موسیٰ علیہ السلام سے۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام سے تو بات کرنے کی ہمت نہ تھی۔ **خلاف** سے مراد ہے دو طرفہ یعنی ایک طرف کا تمہارا ہاتھ کاٹوں گا دوسری طرف کا پاؤں۔ جیسے کہ اسلام میں ڈاکو کی سزا ہے علماء فرماتے ہیں کہ اس طرح ہاتھ پاؤں کٹوانے کی سزا فرعون نے ایجاد کی اس سے پہلے کسی نے کسی کو یہ سزا نہ دی تھی۔ **ثم لاصلبنكم اجمعين** یہ معطوف ہے **اقطعن** پر چونکہ ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بہت عرصہ بعد سولی دینا تھا اس لئے **ثم** بولا۔ **اصلبنكم** بنا ہے **صلب** سے بمعنی سولی دینا۔ اس سے ہے صلیب جس پر سولی دی جائے۔ سولی دینے کے طریقے مختلف تھے۔ فرعون کی سولی کا طریقہ یہ تھا کہ ملزم کو کسی درخت سے باندھ دیتا تھا حتی کہ وہ سسک سسک کر مرجاتا۔ اس نے ان جادوگروں کو کھجور کے درختوں پر سولی دی۔ دوسری جگہ ہے **لا صلبنكم فى جذوع النخل** بعض نے فرمایا کہ گلے میں پھندا ڈال کر مار دینا سولی تھا جسے آج پھانسی کہا جاتا ہے۔ (روح المعانی)

خلاصہ تفسیر: فرعون جب اس میدان سے سخت شکست کھا کر بدحواسی میں بھاگا گھر پہنچ کر ہوش ٹھکانے آئے اور اسے پتہ لگا کہ جادوگر تو سجدے میں گر کر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو اسے اپنی قوم کے سامنے سخت شرمندگی ہوئی تب اس نے اپنی شرمندگی مٹانے کے لئے جادوگروں کو پھر جمع کیا مگر اس دفعہ موسیٰ علیہ السلام اس مجمع میں نہ تھے۔ ان سے بولا کہ تم لوگ میری رعایا ہو۔ میری اجازت کے بغیر تم کوئی کام نہیں کر سکتے۔ تم میری بغیر اجازت ایمان لائے تمہارا ایک قصور تو یہ ہے۔ دوسرا قصور تمہارا یہ ہے کہ تم نے شکست اور موسیٰ علیہ السلام نے فتح نہیں پائی ہے بلکہ تم نے اس مقابلہ سے پہلے مصر میں یا مقابلہ کے وقت اسکندریہ میں ایک سازش کر لی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام تم سب کے استاد ہیں تم سب ان کے شاگرد۔ تم نے دیدہ دانستہ یہ

کھیل رچایا ہے تاکہ تمہاری ظاہری شکست دیکھ کر میں اپنی سلطنت سے دستبردار ہو جاؤں اور میری قوم قبطیوں کو تم اس علاقہ سے نکال کر خود راج کرو ایسا ہرگز نہ ہو گا۔ میں تم کو تمہارے کئے کی سزا دوں گا تم اپنی سزا عنقریب جان لوگے۔ میں پہلے تو تمہارے دو طرفہ ہاتھ پاؤں کٹواؤں گا یعنی ایک طرف کا ہاتھ' دوسری طرف کا پاؤں پھر تم کو درخت میں سولی دوں گا۔ تم میں سے ایک کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ خیال رہے کہ انسان سلطان اور حکام کا ماتحت بھی ہے۔ غلام مولیٰ کا بھی' نوکر آقا کا بھی' بیٹا ماں باپ کا بھی' امتی نبی کا بھی اور بندہ رب کا بھی مگر بادشاہ' مولیٰ و آقا کا راج صرف ظاہری اعضاء پر ہوتا ہے وہ بھی وقتی۔ اس کا دل و دماغ وغیرہ ان سے آزاد ہے لیکن نبی کا راج امتی پر' رب کی حکومت بندے پر ہر طرح اور ہر وقت ہر عضو پر ہے۔ آنکھ' کان' زبان' دماغ پر حضور کا راج ہے پھر سونا جاگنا' بلکہ جینا مرنا حضور کے زیر حکم ہے اس لئے مرنے کے بعد اللہ رسول کے احکام بندوں پر جاری ہیں۔ فرعون بادشاہ تھا مگر بن گیا خدا۔ اس لئے اس نے جادوگروں سے یہ کہا کہ تم نے میری اجازت کے بغیر دل میں حضرت موسیٰ کی محبت کیوں قائم کی۔ دماغ میں ان کی عظمت کیوں سوچی' سر سجدہ میں کیوں رکھا' زبان سے وہ کلمات کیوں کہے۔ تمہارے یہ اعضاء یعنی دل' دماغ' سر' زبان میری ملکیت ہیں۔ تم نے انہیں میری اجازت کے بغیر کیوں استعمال کیا۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ایمان اور ایمانیات بلکہ نیک اعمال سے روکنا فرعون کام ہے اور سخت جرم ہے۔ یہ فائدہ **قال فرعون** سے حاصل ہوا نیکی کرنا کرانا' اس کی رغبت دینا سب پر اجر و ثواب ہے۔ اس سے روکنا اس پر ناراض ہونا سخت جرم ہے اس پر عذاب ہے یوں ہی گناہ کرنا کرانا اس کی رغبت دینا اس سے خوش ہونا سب ہی گناہ ہے۔ **دوسرا فائدہ:** فرائض کے لئے ماں' باپ یا بادشاہ کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا نماز' حج فرض وغیرہ ماں باپ بلکہ بادشاہ کی اجازت کے بغیر بلکہ ان کے منع کرنے پر بھی ادا کرنا لازم ہے۔ یہ فائدہ بھی **قبل ان اذن** سے حاصل ہوا۔ دیکھو فرعونی جادوگر بغیر کسی سے پوچھے ہی سجدے میں گر گئے اور ایمان لائے۔ **تیسرا فائدہ:** مسلمان پر بدگمانی حرام ہے' نبی پر بدگمانی کفر اور طریقہ فرعون ہے۔ یہ فائدہ **ان ھذا لمکر** سے حاصل ہوا کہ فرعون نے ان مومنین اور موسیٰ علیہ السلام پر بدگمانی کی اور ایمان سے محروم رہا۔ اس نے اتنے بڑے اور اہم واقعہ کو سازش قرار دیا۔ یہ فائدہ بھی **ان ھذا لمکر** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** کافر کی علامت یہ ہے کہ وہ ایمان' ایمانیات اور نیک اعمال کو نقصان دہ سمجھتا ہے کہ ان چیزوں سے میری دنیا تباہ ہو جاوے گی۔ مومن ان چیزوں کو دنیا و آخرت میں فائدہ مند جانتا ہے۔ یہ فائدہ **لتخرجوا منھا** سے حاصل ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے وعدہ کیا تھا کہ تو ایمان لا تو تیرا ملک' تیری جوانی' تیرے مرتے دم تک برقرار رہیں گے مگر پھر بھی اسے اپنے ملک جانے کا دھڑکا لگا تھا نیز آپ نے فرمایا تھا کہ میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ جس سے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کا ارادہ مصر میں رہنے کا بھی نہ تھا چہ جائیکہ وہاں سلطنت کرنا مگر فرعون کو اپنے ملک کا خوف و خطرہ تھا۔ یہ ہے اس کا کفر۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کا سخت امتحان ہوتا ہے۔ جس پر وہ فضل و کرم فرمائے وہی کامیاب ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **لاقطعن** سے حاصل ہوا کہ یہ جادوگر کلمہ پڑھتے ہی آفات میں مبتلا ہو گئے۔ **چھٹا فائدہ:** رب تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی آزمائش کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ بندے کے سامنے مصیبت پیش کر دی جائے۔ بندہ اپنے کو اس میں ڈالنے کے لئے تیار ہو جائے کہ مصیبت دور کر دی جائے کہ تم کامیاب ہو۔ جیسے حضرت ابراہیم کے لئے نمرود کی آگ اور حضرت اسماعیل کے لئے ذبح۔

دوسرے یہ کہ اس مصیبت میں مبتلا کردیا جائے جیسے حضرت زکریا و **یحیٰی** علیہما السلام کا قتل ہو جانا ان جادو گروں کا امتحان یا پہلی قسم کا تھا اگر فرعون نے انہیں سولی وغیرہ نہ دیا یا دوسری قسم کا اگر انہیں سولی دے دی۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: قبل ان اذن۔ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر جادو گر فرعون سے پوچھ کر ایمان لاتے تو وہ اجازت ضرور دے دیتا اور پھر ان پر کوئی سختی بھی نہ کرتا۔ انہوں نے بغیر اجازت لئے ایمان کیوں اختیار کیا اور اپنے کو بلا کت میں کیوں ڈالا یہ تو درپردہ خود کشی ہوئی۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک وہ جو عام مفسرین نے دیا کہ یہاں **قبل** کا معنی پہلے نہیں بلکہ اس کے معنی ہیں بغیر۔ قرآن مجید میں **قبل** بغیر کے معنی میں آیا ہے۔ **قبل ان تنفذ کلمت ربی** دوسرا وہ جو قاضی نے دیا کہ فرعون کے منہ سے یہ گھبراہٹ میں نکلا جس سے اس کی الوہیت کی نفی ہو گئی کیونکہ وہ دعوی خدائی کرتا تھا اور کہہ یہ رہا ہے کہ تم میری اجازت ایمان سے پہلے ایمان کیوں لائے۔ موسیٰ علیہ السلام پر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر جادو گر اجازت لے کر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے تو فرعون ان سے کچھ نہ کہتا حالانکہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہے تھے۔ یہ جواب تفسیر کبیر نے نقل فرمایا۔ **دوسرا اعتراض:** فرعون نے اس سزا کی دھمکی صرف جادو گروں کو کیوں دی۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو کیوں نہ دی حالانکہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو جادو گروں کا استاد کہا۔ تعجب ہے کہ شاگردوں پر غضب اور استاد سے خاموشی۔ **جواب:** اس نے دو بار عصا کا معجزہ دیکھ لیا تھا اس لئے اس کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کا رعب بیٹھ گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے تصور سے اسے بخار چڑھتا تھا تو آپ کو دھمکی کیسے دیتا۔ آگے آرہا ہے کہ اس کے درباریوں نے اس سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام سے کچھ کیوں نہیں کہتا تو اس نے جواب دیا کہ میں بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرتا رہوں گا۔ **تیسرا اعتراض:** اس نے یہ کیوں کہا کہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں خلاف یعنی مختلف طرف سے کاٹوں گا۔ چاروں ہاتھ پاؤں کٹوانے کی دھمکی کیوں نہ دی۔ زیادہ سختی تو اس میں تھی۔ **جواب:** غالباً" وہ یہ چاہتا تھا کہ جادو گر چلتے پھرتے رہیں۔ لوگ انہیں دیکھ کر عبرت پکڑیں اگر چاروں ہاتھ پاؤں کٹوا دیتا یا ایک ہی طرف سے کٹوا دیتا ہاتھ یا دونوں پاؤں کٹوا تا تو وہ چلنے پھرنے کے قابل نہ رہتے اس کا منشاء پورا نہ ہوتا۔ کچھ عرصہ کے بعد انہیں سولی دی۔ اس لئے اس نے یہ کہا۔ آج اسلام میں ڈاکوؤں کے ایک گروہ کی سزا یہ ہے تاکہ وہ چلتے پھرتے رہیں اور لوگ انہیں دیکھ کر عبرت پکڑیں غرضیکہ وہ مردود بہت دور کی سوچ کر یہ کہہ رہا تھا۔ **چوتھا اعتراض:** فرعون نے جادو گروں کو یہ سزا دی یا نہیں قرآن مجید میں دھمکی کا تو ذکر ہے مگر یہ ذکر کیوں نہیں کہ اس نے سولی دے دی۔ **جواب:** اس کے متعلق مفسرین کے دو قول ہیں بعض نے فرمایا کہ وہ اس پر قادر نہیں ہوا ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ **انتما ومن اتبعکما الغلبون** یعنی تم دونوں اے موسیٰ و ہارون اور تمارے متبعین غالب رہو گے اور جادو گر ان کے متبع تھے وہ مغلوب نہ ہوئے غالب رہے مگر یہ دلیل کمزور ہے بسا اوقات انسان قتل ہو کر بھی غالب رہتا ہے۔ جس اس کے قتل کا منشا پورا ہو جاوے۔ امام حسین قتل ہو کر یزیدیوں پر غالب رہے۔ بعض انبیاء کرام کفار کے ہاتھوں قتل ہوئے جیسے زکریا و **یحیی** علیہما السلام حالانکہ رب نے فرمایا ہے **لاغلبن انا ورسلی**۔ نیز اگر صرف دھمکی دی تھی تو وہ یہ دھمکی موسیٰ علیہ السلام کو بھی دے سکتا تھا۔ عام مفسرین فرماتے ہیں کہ اس نے انہیں سولی دے دی۔ ان کی دلیل وہ آیت ہے **اتذر موسیٰ و قومہ** اس کے درباریوں نے اس سے کہا کہ تو نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو کیوں چھوڑ دیا یعنی ان جادو گروں کی طرح

انہیں بھی سولی کیوں نہیں دیتا اگر جادوگروں کو چھوڑ دیا ہوتا تو وہ لوگ ان کا بھی ذکر نہ کرتے کہ تو انہیں صرف دھمکی دے کر کیوں رہ گیا' سولی کیوں نہیں دیتا۔ نیز اس موقعہ پر جادوگروں نے صبر کی دعا کی جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ نیز سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جادوگروں کو سولی دے دی گئی (دیکھو تفسیر کبیر و بیضاوی)۔ **پانچواں اعتراض**: دو طرفہ ہاتھ پاؤں کاٹنا اور سولی دینا فرعون کی ایجاد کردہ سزا ہے پھر اسلام نے اسے جاری کیوں رکھا کہ ڈاکو کو اسلام یہ سزائیں دیتا ہے۔ **جواب**: پختہ اینٹ کا موجد فرعون ہے۔ اس نے کہا تھا۔ **فاوقدلی یھامن اوقدی علی الطین** مگر آج سب لوگ پختہ اینٹ استعمال کرتے ہیں۔ مومنوں کو سولی دینا بلا قصور فرعونی کام ہے مگر اس سزا کے مستحق کو سولی دینا انصاف ہے نیز فرعون نے ہاتھ پاؤں کاٹنا اور سولی دینا دونوں سزائیں جمع کر دیں۔ اسلام نے کسی مجرم کے لئے یہ دونوں سزائیں جمع نہیں فرمائیں۔

تفسیر صوفیانہ: نفس کی پہلی بیماری ہے گناہوں سے لاپرواہی۔ اگر یہاں ہی اسے نہ روکا گیا' آزاد چھوڑ دیا گیا تو اس بیماری کا دوسرا درجہ آتا ہے گناہوں پر دلیری۔ کہ بے جھجک اعلانیہ گناہ کرے اگر اس درجہ میں بھی اس کا علاج نہ کیا گیا' اسے آزاد رہنے دیا گیا تو اس کا تیسرا درجہ آتا ہے گناہوں پر ضد' کہ اسے روکنے والے برے اور پاگل و دیوانہ معلوم ہوں اپنے گناہوں کو اچھا سمجھے' نیکیوں کو برا تصور کرے' اگر یہاں بھی اسے آزاد چھوڑ دیا گیا تو چوتھا درجہ آتا ہے دوسروں کو گناہ پر مجبور کرنا۔ نیک کاروں سے دشمنی کرنا' یہ درجہ قریباً" لاعلاج ہے۔ جادوگر اس بیماری کے دوسرے یا تیسرے درجہ پر تھے کہ جب انہیں حضرت موسیٰ کلیم اللہ جیسا حکیم مطلق مل گیا' ان کا مرض دور ہو گیا مگر فرعون اس بیماری کے چوتھے درجہ میں تھا کہ وہ دوسروں کو کفر و شرک پر مجبور کرتا تھا اور مومنین صالحین کا دشمن تھا۔ اسے ان جادوگروں کا ایمان' ان کی توبہ مکر و فریب' فساد محسوس ہوا اور اس نے ان حضرات کو روکنے کے لئے سردھڑ کی بازی لگا دی۔ یہ نہ سمجھو کہ فرعون ایک تھا وہ ختم ہو چکا۔ اب بھی بہت سے فرعون موجود ہیں بلکہ ہمارا نفس خود ایک فرعون ہے جو ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ شعر

نفس ما ہم کمتر از فرعون نیست
لیکن اورا عون و مارا عون نیست

ہر زمانہ میں مختلف فرعونوں کے لئے مختلف رنگ کے موسیٰ پیدا ہوتے رہتے ہیں اپنا شیخ کامل ہمارے فرعون نفس کے لئے موسیٰ ہیں جو شریعت کے عصا سے نفس امارہ کے فریبوں کے سانپوں کو ہلاک کرتے رہتے ہیں آخر کار نفس کو شریعت کی اتباع پر مجبور کر دیتے ہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ	
کہا جادوگروں نے بیشک ہم طرف رب کے اپنے لوٹنے والے ہیں	اور نہیں ناراض ہوتا ہے تو ہم سے مگر اسلئے کہ ایمان لائے ہم
بولے ہم اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں	اور تجھے ہمارا کیا برا لگا۔ یہی تاکہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر

رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

ساتھ نشانیوں کے اپنے رب کی جب آئیں وہ ہمارے پاس۔ اے رب ہمارے ڈال دے ہم پر صبر اور دیں وفات دے مسلمان کر کے
ایمان لائے جب وہ ہمارے پاس آئیں۔ اے رب ہمارے ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں مسلمان اٹھا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں فرعون کی دھمکیوں کا ذکر تھا جو اس نے جادوگروں کو دیں۔ اب ان جادوگروں کی لاپرواہی کا ذکر ہے کہ انہوں نے ان دھمکیوں کا کوئی اثر نہیں لیا۔ نہایت لاپرواہی سے اسے جواب دیا گویا ظالم کے ظلم کا ذکر پہلے ہوا مظلوم کے صبر کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرعون کے غیظ و غضب کی وہ وجہ بیان ہوئی جو اس نے بیان کی کہ تم میری اجازت کے بغیر ایمان لائے۔ مجھے اس سے غصہ ہے۔ اب اس کے غیظ و غضب کی واقعی وجہ بیان ہو رہی ہے جو ان جادوگروں نے بیان کی کہ تو کافر ہے، ہم مومن۔ کافر کو مومن پر غصہ آتا ہی ہے گویا غلط و مصنوعی وجہ کے بعد درست اور واقعی وجہ کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں پیش آنے والی مصیبتوں، آفتوں کا ذکر تھا جو جادوگروں پر منڈلا رہی تھیں یعنی ہاتھ پاؤں کٹنا، سولی پانا۔ اب ان کے علاج کا ذکر ہے یعنی جادوگروں کا رب تعالیٰ سے صبر کی دعا کرنا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ شکایت نہ کی کہ ایمان لانے کی وجہ سے ہم پر مصیبتیں آ رہی ہیں بلکہ رب تعالیٰ سے صبر کی توفیق مانگی۔ ایمان پر موت کی دعا کی گویا مارنے کا ذکر پچھلی آیات میں ہوا اور مرنے کی تیاری، شوق شہادت کا ذکر ان آیات میں ہے کہ جادوگر بولے۔

ستمگر ادھر آ ہنر آزمائیں ۔ تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں متکبر فرعون کی انا کا ذکر تھا جس نے اسے فنا کر دیا کہ اس نے یہی کہا کہ میں ایسا کروں گا میں ایسا کروں گا اس کی میں اسے لے ڈوبی۔ اب ان جادوگروں کے عجز و انکسار والی فنا کا ذکر ہے جس کے ذریعہ انہیں غیر فانی بقا ملی۔ اس میں تاقیامت انسانوں کو تعلیم فنا ہے۔

تفسیر: **قالوا** یہ جادوگروں کا جواب ہے جو انہوں نے فرعون کو دیا۔ **قالوا** کا فاعل سارے جادوگر ہیں کہ سب نے بذات خود جواب دیا۔ روئے سخن کفار سے ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سوال و جواب کے وقت موسیٰ علیہ السلام وہاں موجود نہ تھے ورنہ آپ ہی جواب دیتے۔ اس میں جادوگروں کی ہمت، جرات، دلیری کا ذکر ہے کہ نہ تو انہوں نے یہ کہا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام سے پوچھ کر تجھے جواب دیں گے، نہ یہ کہا کہ آپس میں مشورہ کر کے کچھ کہیں گے نہ کسی طرح جھجکے نہ ہمت ہاری والی بات کہی، نہ اس مصیبت کے رفع کی دعا کی نہ کرائی کہ یہ امتحان ہے۔ شاید یہ دعا کرنا بے صبری میں شمار ہو جاوے۔ عبدیت کے اظہار کے موقعہ پر رب سے خوب دعائیں کرنا چاہئیں ہر چھوٹی بڑی چیز اس سے مانگو حتیٰ کہ جوتا کا تسمہ ٹوٹ جائے وہ بھی مانگو مگر امتحان کے وقت دعا نہ کرنا بہتر ہے کہ کہیں یہ دعا بے صبری میں شمار نہ ہو جاوے بلکہ بے دھڑک فوراً" دوٹوک جواب دیا کہ ہم تو مومن ہو چکے۔ تجھ سے جو ہو سکے کر لے۔ دوسری جگہ ہے۔ **فاقض ما انت قاض** تجھ سے جو فیصلہ ہو سکے کر لے۔

اللہ کے بندوں کو آتی نہیں روباہی

تقیہ نہیں کیا۔ سوچنے کے لئے وقت نہ مانگا کم ہمتی کی بات نہ کی یہ تھا صحبت کلیم الٰہی کا اثر۔ **انا الی ربنا منقلبون** یہ قالوا کا مفعول بہ ہے۔ اس جملہ کے تین معنی کئے گئے۔ ایک یہ کہ **ربنا** سے پہلے **رحمتہ** یا جنت یا قرب پوشیدہ ہے یعنی تیری مہربانی ہے کہ جلد ہی ہم کو شہید کر دے۔ ہم اس دار البلاء سے نکل جاویں کیونکہ اس طرح شہادت کی موت مرکر ہم اپنے رب کی رحمت' اس کی مغفرت' اس کی جنت' اس کے قرب کی طرف لوٹیں گے۔ جس وقت فرعون نے جادوگروں کو یہ دھمکی دی تو رب تعالیٰ نے انہیں جنت' وہاں کی نعمتیں' ان کے جنتی گھر دکھاوئیے۔ وہ یہ نعمتیں دیکھ کر دیوانہ وار یہ کہہ اٹھے کہ جلدی ہم کو سولی دے۔ ہم تو جنت میں جلد پہنچنا چاہتے ہیں۔ اب ہم کو زندگی بار ہے۔ (روح المعانی۔ در منثور) دوسرے یہ کہ آخر کار ہم نے رب کی طرف لوٹنا ہی ہے خواہ اب شہادت کی موت سے مریں یا پھر اپنی طبعی موت سے مریں۔

جو یہاں آیا ہے اس کو ہو گا جانا ایک دن ۔۔۔ سب کو ہے ہونا **خلقناکم** کا صدمہ ایک دن
اے عزیزو تم کو لمبی عمر کی ہے کیوں ہوس ۔۔۔ جب فنا ٹھہری تو پھر کیا سو برس کیا ایک دن

ایک عربی شاعر اس کے متعلق کہتا ہے۔

ومن لم یمت بالسیف مات ۔۔۔ تعددت الاسباب والموت واحد

تیسرے یہ کہ ہمیں تجھے دونوں کو دنیا سے جانا' رب کی طرف لوٹنا ہے۔ وہاں ہمارا تیرا فیصلہ ہو گا۔ آج جو تجھے کرنا ہے کر لے۔ شعر

الی دیان یوم الدین ۔۔۔ و عنداللہ تجتمع الخصوم

پہلی دو صورتوں میں **انا** سے مراد صرف جادوگر ہیں اور اس تیسری صورت میں **انا** سے مراد جادوگر اور فرعون و فرعونی لوگ سب ہیں۔ (روح المعانی) یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ہم طبعی موت مرے تو قیامت کے بعد رب کی بارگاہ میں حاضری نصیب ہو گی اگر شہادت کی موت مرے تو مرتے ہی اس دربار کی حاضری میسر ہو جاوے گی کیونکہ شہید کے معنی ہیں مشہود یعنی حاضری والا۔ مرکر فوراً" آستانہ عالیہ پر حاضر ہو جانے والا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم مومن مرکر اپنے وطن کی طرف لوٹیں گے یعنی پردیس سے اپنے دیس میں جائیں گے اسی لئے **منقلبون** کہا۔ وطن لوٹنے پر خوشی ہوتی ہے نہ کہ غم۔ خیال رہے کہ رجوع کے معنی بھی ہیں لوٹنا' واپس ہونا اور انقلاب کے معنی بھی ہیں لوٹنا واپس ہونا لیکن کبھی ان میں فرق یہ کیا جاتا ہے کہ جیسے آئے تھے ویسے ہی جانا رجوع ہے اور کچھ بدل کر جانا انقلاب **منقلبون** کہہ کر اشارہ یہ کیا کہ ہم آئے تھے مومن مگر دنیا میں آکر کافر' ساحر اور نہ معلوم کیا کیا ہو گئے اور اب انشاء اللہ جا رہے ہیں صابر' شہید ہو کر۔ اے فرعون! تو اپنی فکر کر غرضیکہ یہ کلام بہت ہی بلیغ ہے۔ **وما تنقم منا الا ان امنا بایت ربنا** یہ جادوگروں کا دوسرا نیا کلام ہے لہذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **تنقم** بنا ہے **نقم** سے جو **ضرب یضرب** کا مصدر ہے اس کے معنی ہیں ناراض ہونا۔ برا لگنا۔ **منا** کی ضمیر سارے جادوگروں کی طرف ہے۔ **ان امنا** یا تو **تنقم** کا مفعول بہ ہے یا مفعول لہ۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ہم نے کوئی جرم قتل کی سزا کا نہیں کیا۔ تجھ کو ہمارا ایمان لانا برا لگا۔ ایمان تو اچھی چیز ہے جیسے کہ کسی شاعر نے کہا۔

لا عیب فیھم الا ان ضیوفھم ۔۔۔ تعاب بنسیان الاحبتہ والوطن

یعنی میرے ممدوحین میں اور تو کوئی عیب نہیں اس کے سوا کہ ان کے مہمان اپنے دوستوں اور وطن کو بھول جاتے ہیں۔ شاعر نے ان کی مہمان نوازی کو فرضی عیب گنا۔ یا وہ جادوگر کہہ یہ رہے ہیں کہ ہم نے اور تو کوئی قصور نہیں کیا اس کے سوا کہ اپنے رب کی آیات پر ایمان لائے حالانکہ یہ خوبی ہے۔ آیات سے مراد موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی ذات ان کے فرمان عالی، عصا کا معجزہ، ان دونوں کا غلبہ، اپنی مغلوبیت، عصا کا اتنی وزنی چیزیں نگل جانا اور پھر اس میں ماشہ بھر کا اضافہ نہ ہونا۔ یہ سب آیات الہیہ ہیں۔ بہرحال اس سے توریت کی آیات مراد نہیں کہ ابھی توریت نہیں آئی تھی بہرحال اس کلام کا منشاء اپنی پوزیشن صاف کرنا ہے اور فرعون کو تبلیغ کرنا کہ ہم مظلوم ہو کر جا رہے ہیں مگر تو ظالم ہو کر جائے گا ہم پر تیر لوار چند منٹ کا ہو گا مگر تجھ پر عذاب نار دائمی۔ اب بھی باز آجا۔ **ربنا افرغ علینا صبرا** "یہ نیا کلام ہے جس میں جادوگروں نے فرعون کی دھمکی کا جواب دیا یہ بھی قالوا کا مقولہ ہے۔ وہ حضرات فرعون کو جواب دے کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر یہ عرض کرنے لگے ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے یہ دعا دل میں نہیں مانگی بلکہ بلند آواز سے فرعون کو سنا کر مانگی تاکہ وہ جان لے کہ ہم اس ایذا میں مظلوم ہیں، فرعون ظالم، ظالم کا انجام خرابی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان سب نے یہ دعا اپنے دل میں مانگی ہو جسے رب تعالیٰ نے تمام دنیا پر ظاہر فرما دیا کہ رب تعالیٰ مومن کی چھپی نیکی کو کسی نہ کسی طرح ظاہر کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ چہرے کے نور سے بھی۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایک نے یہ دعا آواز سے مانگی ہو اور باقی سب نے آمین کہی ہو کیونکہ آمین بھی دعا ہے مگر پہلا احتمال قوی ہے کہ سب نے فرعون کو سنانے کے لئے یہ دعا آواز سے کہی۔ **ربنا** کی تحقیق پہلے اور تیسرے پارہ کی تفسیر میں ہو چکی ہے دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کو رب کے نام سے پکارنا بہت ہی اچھا ہے۔ **افرغ** بنا ہے **افراغ** سے جس کا مادہ ہے **فرغ** بمعنی خالی کر دینا۔ اسی سے ہے **فراغتہ** اصطلاح میں برتن اوندھا کر کے اس کا پانی وغیرہ بہا دینا افراغ کہلاتا ہے کہ اس سے برتن خالی ہو جاتا ہے۔ صبر کو **تشبیہ** دی رحمت کے پانی سے جب پانی کسی کے اوپر سے بہایا جاوے تو سارا بدن دھل کر پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ پورا غسل ہو جاتا ہے ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم عمر بھر کے پاپی گنہگار ہیں اب ہمارا آخری وقت ہے ہم پر صبر ایسے بہا کہ ہمارے سارے گناہ دھل جاویں ہم پاک و صاف ہو جاویں۔ ہمارا کوئی رونگٹا صبر سے خشک نہ رہ جائے۔ ہم آنے والی مصیبت کو برداشت کر لیں۔ صبر کی تفسیر، اس کی قسمیں دوسرے پارہ میں، **وبشر الصبرین**۔ کی تفسیر میں عرض کر دی گئیں کہ صبر گناہوں سے، صبر نیکیوں پر۔ صبر مصیبتوں میں ہوتا ہے۔ یہاں آخری صبر مراد ہے۔ **صبرا** کی تنوین تعظیم کی ہے یعنی ہم پر عظیم الشان صبر بہا دے۔ جس کے نتیجہ میں ہم کو تو مل جائے۔ دوسری دعا یہ کی **وتوفنا مسلمین** ہم کو اپنا مطیع بنا کر موت دے کہ ایمان، توکل، صبر و رضا پر ہم سولی پر جان دیں۔ **توفی** بنا ہے وفات سے۔ وفات کے معانی اور اس کے اقسام تیسرے پارہ میں **یعیسی انی متوفیک** کی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ یہاں بمعنی موت ہے۔ اسلام و ایمان کبھی تو ہم معنی ہوتے ہیں کبھی ان میں کچھ فرق ہوتا ہے کبھی ایمان اسلام کے ضمن میں ہوتا ہے۔ یہاں یہی تیسری صورت مراد ہے یعنی ہم کو ایمان، اپنی اطاعت، صبر وغیرہ پر موت نصیب کر۔ **توفنا** فرما کر یہ بتایا کہ ہماری موت بطش یعنی پکڑ کی موت نہ ہو نہ فنا کی موت ہو بلکہ وفات کی موت ہو کہ ہم صرف زندگی کے دن اپنی غذا وغیرہ پوری کر کے نہ مریں بلکہ اپنا مقصد حیات پورا کر کے مریں۔ **مسلمین** کہہ کر اشارۃً "یہ بتایا کہ جب ہم کو موت آئے تو ہم کوئی نیکی، تیری اطاعت کا کام کر رہے ہوں کم از کم اتنا کہ تیرا ذکر تیرا نام لے رہے ہوں اس لئے بجائے مومنین کے مسلمین کہا۔

خلاصہ تفسیر: جادوگر فرعون کی یہ دھمکی سن کر بولے کہ ہم کو تیری دھمکیوں کی پروا نہیں کیونکہ اس صورت میں ہماری موت شہادت کی ہوگی اور ہم دار الفرار سے نکل کر دار القرار کی طرف دار المحن سے نکل دار الامن کی طرف تیرے پاس سے چھوٹ کر اپنے رب کی رحمت کی طرف جائیں گے۔ ایسی کامیاب موت پر ہزاروں زندگیاں قربان ہوں اتنا سن لے کہ ہم نے کوئی قصور نہیں کیا ہے جس سے ہم سزائے موت کے مستحق ہوں۔ ہمارا جرم صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنے رب کی آیات پر یا آیات کے ذریعہ پر ایمان لائے۔ یہ ایمان کمال ہے عیب نہیں۔ یہ کہہ کر وہ اسی جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرنے لگے کہ مولیٰ اب تو ہم پر صبر بہادے جس سے ہم نہا کر پاک و صاف ہو جاویں اور ہم کو ایمان اپنی اطاعت پر موت نصیب فرما۔ سیدنا عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ فرعون نے اس طرح پہلے تو ان کے ہاتھ پاؤں کٹوائے پھر انہیں دریائے نیل کے کنارے کھجوروں کے درختوں پر سولی دی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ۔

ساحراں چوں حق او بشنا ختند دست و پادر جر مہادر باختند (روح المعانی)

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کفر میں بزدلی ہے ایمان میں ہمت و جرات ہے۔ دیکھو یہ جادوگر ایمان لانے سے پہلے فرعون سے کس قدر ڈرتے تھے مگر ایمان لاتے ہی کیسے دلیر ہو گئے کہ ان کے دلوں میں فرعون کا کوئی خوف و ہراس نہ رہا۔ یہ فائدہ **قالوا** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: ایمان اور خوف خدا عشق رسول ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **قالوا** سے ہی حاصل ہوا کہ ان جادوگروں کے سامنے فرعون نے ہاتھ پاؤں کاٹنا سولی دینا پیش کیا انہیں ان کی مطلقاً پروا نہیں ہوئی۔ عشق ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے آسان و مشکل میں فرق کرنا اور مشکلات سے گھبرانا عقل کا کام ہے۔ عشق ان چیزوں سے آزاد ہے۔ شعر

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل تھی محو تماشائے لب بام ابھی

تیسرا فائدہ: موت بہر حال آنی ہے خواہ قتل کے ذریعہ آئے یا کسی اور ذریعہ سے بلکہ راہ خدا میں قتل کی موت دوسرے ذریعہ سے موت سے آسان ہے۔ مہینوں برسوں بستر علالت پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دینے سے پانچ منٹ کے قتل سے جان دینا آسان ہے۔ یہ فائدہ **منقلبون** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: کفر و ارتداد کی وجہ سے قتل برحق ہے اور قاتل حاکم کو اس پر ثواب ہے۔ بلا قصور قتل ظلم ہے اور ایمان کی وجہ سے قتل کفر ہے کہ اس سے قاتل کافر ہو گا۔ یہ فائدہ **وماتنقم منا** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: مومن کامل کی پہچان یہ ہے کہ اس سے کفار ناخوش ہوں۔ یہ فائدہ بھی **ماتنقم** سے حاصل ہوا۔ جو کافروں کو خوش رکھنے کی کوشش کرے وہ کامل مومن نہیں۔ دیکھو حضرات صحابہ پر آج تک کفار تبرا کر رہے ہیں۔ **چھٹا فائدہ**: یہ جادوگر فرعون کے قول کے مطابق شہید کئے گئے کہ اولاً ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے پھر سولی دیئے گئے۔ یہ فائدہ **افرغ علینا صبرا** سے حاصل ہوا۔ اگر وہ قتل سے بچ گئے ہوتے تو صبر کی دعا کے کیا معنی نیز آگے آرہا ہے کہ فرعون کے درباریوں نے فرعون سے کہا کہ تو نے حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو کیوں چھوڑ دیا۔ انہیں قتل کیوں نہیں کرتا اگر جادوگر بچ گئے

ہوتے تو وہ ان کا نام بھی لیتے۔ **ساتواں فائدہ:** نبی کی صحبت ایک آن میں وہ کام کرتی ہے، جو برسوں کی عبادت نہیں کرتی۔ دیکھو فرعونی جادوگر چند ساعات میں مومن 'صحابی' عارف 'صابر' شہید سب کچھ بن گئے اگر وہ سالہاسال عبادات کرتے تو انہیں یہ کمالات حاصل نہ ہوتے۔ **آٹھواں فائدہ:** بڑے درجے والا مومن بھی اپنے پر بھروسہ نہ کرے۔ اللہ سے استقامت کی دعا کرے جب تک کہ خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہو جاوے تب تک چین نہ کرے۔ اللہ سے اس کے عذاب اس کی بے نیازی سے ڈرتا رہے۔ یہ فائدہ **توفنا مسلمین** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** کبھی اسلام ۔ معنی ایمان بھی آتا ہے۔ یہ فائدہ **مسلمین** فرمانے سے حاصل ہوا کہ انہوں نے بجائے مومنین کے مسلمین کہا مگر مراد مومنین ہی ہے۔ **دسواں فائدہ:** جب مصیبت آ پڑے یا آنے کا اندیشہ ہو' تب صبر کی دعا کرے۔ بلا وجہ صبر کی دعائیں نہ مانگو کہ اس میں درپردہ مصیبت کی دعا ہے۔ دیکھو جب جادوگروں کو اپنے قتل کا یقین ہو گیا تب انہوں نے صبر کی دعا کی۔ سجدے میں گر کر صرف ایمان کا اعلان کیا۔ اس وقت صبر کی دعا نہ کی کہ اس وقت آفت سامنے نہ تھی۔ **گیارھواں فائدہ:** جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کا امتحان لے تو بندے کو چاہئے کہ صبر کی اور امتحان میں کامیابی کی دعا کرے۔ آفت ٹلنے کی دعا نہ کرے۔ دیکھو اس موقعہ پر جادوگروں نے صبر کی دعا کی "اس آفت کے ٹلنے کی دعا نہ کی بلکہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے ٹالنے کی کوشش بھی نہ کی کہ پھر فرعون کو عصا کے ذریعہ ڈرا دھمکا کر اسے اس ارادے سے باز رکھتے۔ یہ ہے راضی برضا رہنے کی جیتی جاگتی تفسیر۔ حضور ﷺ نے شہادت حسین کی خبر دی مگر اس آفت کے ٹلنے کی دعا نہ کی بلکہ عرض کیا کہ **مولی اعط حسینی صبرا" جمیلا" واجرا" جزیلا"** خدایا میرے حسین کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا کر۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: فرعونی جادوگر نہ تو اسرائیلی تھے نہ مصری پھر وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان کیوں لائے۔ موسیٰ علیہ السلام نہ ان کے نبی تھے نہ یہ لوگ آپ کے امتی کہ آپ صرف اسرائیلیوں اور مصریوں کے نبی تھے۔ **جواب:** ہر نبی پر ایمان لانا چاہئے۔ دیکھو ہم لوگ محمدی مسلمان ہیں مگر سارے نبیوں پر ہمارا ایمان ہے۔ امت نہ ہونے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ان کی شریعت کے احکام ان لوگوں پر جاری نہیں ہو سکتے۔ گزشتہ انبیاء کرام اگرچہ خاص خاص جماعتوں کے نبی ہوئے مگر انہوں نے ایمان کی دعوت سب کو دی ہاں اپنے احکام صرف انہیں پر جاری کئے جن کے وہ نبی تھے۔ یہ فرق خیال میں رہنا چاہئے۔ اسی لئے جادوگروں نے سجدے میں گر کر کہا **امنا برب العلمین** اور یہاں کہا' **امنا بایت ربنا**۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جادوگر قتل نہیں کئے گئے بلکہ اپنی طبعی موت سے ان کی وفات ہوئی کیونکہ انہوں نے کہا **وتوفنا مسلمین** قتل کی موت کا نام وفات نہیں ہوتا نیز رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا۔ **لا یصلون الیکما بایتنا انتما ومن اتبعکما الغلبون** کہ فرعونی لوگ ہمارے ان نشانیوں کی وجہ سے تم تک کو ایذا نہ پہنچا سکیں گے۔ تم اور تمہارے سارے متبعین غالب ہو جاؤ گے اگر یہ جادوگر سولی دے دیئے گئے تو وہ غالب کہاں رہے۔ (نوٹ) یہ اعتراض ان لوگوں کا ہے جو جادوگروں کے قتل کا انکار کرتے ہیں۔ **جواب:** وفات ہر موت کو کہتے ہیں خواہ قتل سے ہو یا طبعی طور پر۔ فرماتا ہے۔ **یتوفکم ملک الموت الذی** اور فرماتا ہے **توفتہ رسلنا** اور فرماتا ہے **اللہ یتوفی الانفس حین موتھا** ان آیات کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور ملک الموت اور دوسرے فرشتے صرف طبعی موت مرنے والوں کو موت

دیتے ہیں 'مقتولین کو نہیں دیتے اگر جادوگر اپنی طبعی موت سے مرے تو انہوں نے صبر کی دعا کیوں مانگی۔ تمہاری پیش کردہ آیت میں رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام سے دو وعدے فرمائے۔ ایک یہ کہ فرعون تم کو تکلیف نہ پہنچا سکے گا۔ یہ وعدہ صرف ان دونوں بھائیوں سے ہے۔ **لایصلون الیکما** دوسرا وعدہ غلبہ کا ہے وہ ان دونوں بزرگوں سے بھی ہے اور ان سارے متبعین سے بھی۔ وہاں غلبہ سے مراد ہے دینی غلبہ' دلائل کا غلبہ۔ واقعی قوم موسیٰ علیہ السلام اس لحاظ سے فرعونیوں پر غالب رہی۔ رہا دنیاوی اقتدار' یہ فرعون کو بہت عرصہ اسرائیلیوں پر حاصل رہا وہ ان کے بچے قتل کراتا رہا۔ وہ کہتا تھا کہ **سنقتل ابناء ھم** اور کہتا تھا **وانا فوقھم قاھرون** (روح المعانی) **تیسرا اعتراض**: تم نے کہا کہ فرعون نے پہلے تو جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کٹوائے پھر کچھ عرصہ بعد انہیں سولی دی تاکہ لوگ ان کے کٹے ہاتھ پاؤں دیکھ کر عبرت پکڑیں مگر حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جادوگر صبح کو کافر اور فاسق تھے مگر شام کو مومن' صالح اور شہید ہوئے (تفسیر خازن) تمہارا یہ قول اس فرمان کے خلاف ہے۔ **جواب**: کسی تفسیر یا تاریخ میں ان کی سولی کی تاریخ نہیں ملتی اگر اسی دن اس نے سولی بھی دے دی تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے اس نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ ان لوگوں کو ہاتھ پاؤں کے کٹنے کے کچھ عرصہ بعد سولی دی جاوے پھر اس کا خیال بدل گیا۔ حالات کی رفتار دیکھ کر اسے پتہ لگا کہ جادوگروں کے زیادہ زندہ رہنے سے دین موسوی کی تبلیغ ہی ہوگی اس لئے اس نے اسی دن شام کو سولی دے دی اس لئے اس کا **ثم لاصلبنکم** کہنا بھی صحیح ہوا اور حضرت ابن عباس کا فرمان بھی صحیح ہے کہ انہیں اسی دن سولی دے دی گئی۔ بہرحال یہ دونوں باتیں صاف ہیں۔ ان میں تعارض نہیں۔ **چوتھا اعتراض**: جادوگروں نے سجدہ میں گر کر کہا تھا۔ **امنا برب العلمین** اور فرعون کے جواب میں کہا **امنا بایات ربنا** یعنی وہاں کہا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے۔ یہاں کہا کہ ہم اپنے رب کی آیتوں 'نشانیوں پر ایمان لائے اس فرق بیان کی وجہ کیا ہے پھر وہاں رب تعالٰی کو رب العالمین اور رب موسیٰ و ہارون کہا۔ یہاں اپنا رب کہا اس کی وجہ کیا ہے۔ **جواب**: اس وقت انہوں نے اپنے ایمان کا ابتدائی اعلان کیا تھا اس لئے رب تعالٰی کی معرفت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے کرائی اگر اس وقت **ربنا** کہتے تو فرعون کہتا کہ یہ مجھ پر ایمان رکھنے کا اعلان کر رہے ہیں ان سب کا رب میں ہوں اس اعلان کے بعد سب کو پتہ لگ گیا تھا کہ یہ لوگ رب موسیٰ و ہارون پر ایمان لا چکے۔ اب **ربنا** کہنے میں کوئی دھوکا مغالطہ نہ تھا اس لئے **ربنا** کہا۔ خیال رہے کہ **امنا بربنا** میں ب صلہ کی ہی ہے کہ ہم اپنے رب پر ایمان لائے مگر **بایت ربنا** میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ب صلہ کی ہو کہ اپنے رب کی آیات یعنی حضرت موسیٰ اور ان کے معجزات پر ایمان لائے۔ دوسرے یہ کہ ب سببیہ ہو یعنی ہم رب کی آیات کے ذریعہ اللہ تعالٰی پر ایمان لائے کیونکہ بذریعہ نبی خدا کو جاننا' پہچاننا ایمان ہے ان کے علاوہ دوسرے ذریعہ سے رب کو جاننا' ماننا' پہچاننا توحید تو ہے مگر ایمان نہیں۔ نجات کا مدار توحید پر نہیں ایمان پر ہے۔ ان حکمتوں سے یہ فرق بیان ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: موت مومن کے لئے ربانی تحفہ ہے کافر کے لئے مصیبت۔ موت مومن کو اپنے محبوب یعنی رب تعالٰی سے ملاتی ہے کافر کو اس کے محبوب یعنی دنیا سے چھڑاتی ہے۔ اس لئے مومن ہنستا ہوا مرتا ہے کافر روتا ہوا۔ مومن موت کو پکڑتا ہے' کافر کو موت پکڑتی ہے۔ دیکھ لو جب فرعون نے جادوگروں کو سولی کی خبر دی تو انہوں نے ہائے وائے نہ کی بلکہ دوست کی ملاقات پر خوشی کی۔ **انا الی ربنا منقلبون** یہ ہے مومن کی موت۔ مومن کی جان زندگی میں جسم میں قید ہوتی ہے۔ مر کر یہ

پنچھی آزاد ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

جانہا بستہ اندر آب و گل ۔ چوں رہند از آب و گلہا شاد دل
درہوائے عشق حق رقصاں شوند ۔ ہمچو قرص بدر بے نقصاں شوند
چوں نقاب تن برفت از روئے روح ۔ از لقائے دوست دارد صد فتوح
نیز ۔ ندجاں ۔ درجہاں ۔ آنگوں
نعرہ ۔ **یالیت قوم یعلمون**

یعنی جب جان اس مٹی و پانی کے پنجرے سے آزاد ہوتی ہے تو رب تعالیٰ کے عشق میں رقص کرتی ہوئی جاتی ہے جیسے چاند بادل سے نکل کر زیادہ چمکدار نظر آتا ہے۔ روح اس بدن سے نکل کر اور چمک جاتی ہے جب روح کے منہ سے جسم کا نقاب اٹھتا ہے تو یار کو دیکھ کر اس کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ شعر۔

کون کہتا ہے کہ مومن مر گئے ۔ قید سے چھوٹے وہ اپنے گھر گئے

مہندی پس کر رنگ دیتی ہے۔ مومن مر کر رنگ دیتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کفار کا وہ غیظ و غضب جو مومن کے ایمان کی وجہ سے ہو وہ اللہ کی رحمت ہے۔ مومن راضی ہی رہیں کافر ناراض ہی رہیں تو اچھا۔ مومن کے لئے یار کی رضا میں اغیار کے غضب میں اللہ کی رضا ہے۔ مصیبتوں پر صبر یا رپر بے صبری اچھی ہے۔ جادوگروں نے یہی دعا کی کہ مولیٰ ہم کو فرعون کی مصیبت پر صبر دے۔ اپنا مسلم، مطیع اور اپنا بے صبر رکھ۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کے صدقہ میں یہ نعمت 'دنیا سے بے رغبتی' اپنا شوق' خوف' اور اطاعت اور اپنی عبادات کا ذوق نصیب کرے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا

اور کہا ایک گروہ نے فرعون کی قوم سے کیا چھوڑتا ہے تو موسیٰ کو اور قوم کو ان کی تاکہ فساد پھیلائیں

اور قوم فرعون کے سردار بولے کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو اس لئے چھوڑتا ہے کہ وہ زمین میں فساد

فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ

زمین میں اور چھوڑ دیں تجھ کو اور تیرے معبودوں کو اس نے کہا کہ ہم قتل کریں گے بیٹوں کو انکے

پھیلائیں اور موسیٰ تجھے اور تیرے ٹھہرائے ہوئے معبودوں کو چھوڑ دے بولا اب ہم ان کے بیٹوں کو قتل

نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اور زندہ رکھیں گے ہم عورتوں کو ان کی اور بیشک ہم اوپر ان کے غالب ہیں۔

کریں گے اور ان کی بیٹیاں زندہ رکھیں گے اور ہم بیشک ان پر غالب ہیں۔

تعلق: اس آیتہ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اس معاملہ کا ذکر ہوا جو فرعون نے جادوگروں سے کیا یعنی قتل کی دھمکی۔ پھر قتل کرا دینا اب اس معاملہ کا ذکر ہے جو اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا یعنی ان سے ڈرنا گھبرانا اور ان کا کچھ نہ بگاڑ سکنا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرعون کے اس ظلم کا ذکر ہوا جو اس نے وقتی طور پر جادوگروں پر کیا اب اس کے اس ظلم کا ذکر ہے جو اس نے بنی اسرائیل پر دوبارہ شروع کر دیا یعنی ان کے بچوں کا قتل اور بچیوں کو لونڈی بنا لینا گویا اس خاص اور وقتی ظلم کے بعد اس کے عام اور دائمی ظلم کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں جادوگروں کی دعا صبر و استقامت کا ذکر تھا اب اللہ تعالیٰ کی اس حفاظت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے نبیوں موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی فرمائی کہ فرعون ان کی ایذا کی ہمت نہ کر سکا کہ رب ان سے وعدہ فرما چکا تھا۔ **لا یصلون الیکما چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں فرعون کی بد دماغی کا ذکر ہوا کہ اس نے جادوگروں سے ایسے متکبرانہ کام و کلام کئے۔ اب فرعون کے اہالی موالیوں کی بد دماغی کا ذکر ہے کہ وہ فرعون سے بد تر تھے یعنی فرعون کی بد دماغی کے بعد اس کے ماحول کی گندگی کا ذکر ہے کہ اس فرعون کی بد دماغی کی وجہ اس کا گندہ ماحول تھا۔

تفسیر: وقال الملا من قوم فرعون۔ ابن جریر نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ جب جادوگروں نے سجدہ میں گر کر اپنے ایمان کا اعلان کیا تو چھ لاکھ تماشائی ایمان لے آئے۔ دیکھو تفسیر روح المعانی 'خازن صاوی وغیرہ۔ اس پر گھبرا کر فرعونیوں نے فرعون سے یہ کہا۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام عطاء نبوت کے بعد مصر میں تشریف لا کر سیدھے فرعون کے دربار میں پہنچے کسی اور کو نہ تبلیغ کی نہ معجزات دکھائے پھر آپ کا جادوگروں سے مقابلہ ہوا پھر جادوگروں کے سجدہ میں گرنے پر چھ لاکھ اسرائیلی ایمان لائے۔ **قال** میں روئے سخن فرعون سے ہے۔ **ملا** سے مراد ہے سرداروں کی جماعت۔ قوم فرعون سے مراد ہیں قبطی لوگ کیونکہ فرعونی لوگ قبطی کہلاتے تھے' اسرائیلی لوگ سبطی' فرعون نے جادوگروں کو تو ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر سولی دلوا دی مگر ان چھ لاکھ اسرائیلیوں سے کچھ نہ کہا اس پر اس کے ارکان دولت نے فرعون سے یوں خطاب کیا۔ **اتذر موسی و قومہ** قال کا مقولہ ہے۔ **تذر** میں خطاب فرعون سے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام میں حضرت ہارون بھی شامل ہیں اور **قومہ** سے مراد ہیں وہ چھ لاکھ اسرائیلی جو میدان مقابلہ میں ایمان لا چکے تھے اور جو برابر ایمان لا رہے تھے۔ قوم سے بنی اسرائیلی مراد ہیں جو موسے علیہ السلام کے نسبی ہم قوم تھے۔ خیال رہے کہ **اتذر** سوال یا تو تعجب کا ہے یا انکار کا یا رغبت دینے کا یعنی اے فرعون ہم کو حیرت ہے کہ تو نے جادوگروں کو تو سولی دے دی اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو چھوڑ دیا۔ انہیں قتل نہیں کیا۔ کیا تو ان کو ایسے ہی چھوڑے رکھے گا۔ انہیں قتل نہ کرے گا اگر ایسا ہے تو حیرت ہے۔ **لیفسدوا فی الارض** یہ عبارت متعلق ہے **تذر** کے۔ اس میں لام انجام و عاقبت کا ہے۔ جس کے بعد ان پوشیدہ ہے۔ فساد سے مراد ہے دینی فساد بھی یعنی فرعون کی عبادت نہ کرنا لوگوں کو شرک سے روکنا۔ اللہ کی عبادت پر لگا دینا اور دنیاوی فساد بھی یعنی فرعون سے بغاوت کرنا۔ لوگوں کو بغاوت پر ابھارنا۔ الارض سے مراد یا تو مصر کی زمین ہے یا فرعون کی ساری مملکت کی زمین یعنی تیرے ان کو چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ لوگ زمین مصر یا تیری مملکت میں فساد پھیلائیں گے۔ **ویذرک والھتک** اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ **یذرک** معطوف ہے **یفسدوا** پر۔ چونکہ وہاں ان پوشیدہ ہے اس لئے یہ بھی نصبی حالت میں

ہے۔ ہماری قراءت میں **الھتک** ہے جمع **الہ** کی۔ بعض قرائتوں میں **الاھتک** ہے الوہیت کے ہم معنی اس قراءة کے معنی یہ ہیں کہ حضرت موسیٰ تجھ کو اور تیری عبادت 'تیری معبودیت کو ترک کئے رہیں۔ ہماری قراءت کے معنی یہ ہیں کہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو ترک کئے رہیں اس میں گفتگو ہے کہ فرعون کے معبودوں سے کون سے معبود مراد ہیں۔ صحیح و قوی قول یہ ہے کہ اس نے اپنے نام کے بہت سے بت بنوا کر علاقہ میں بھیجے ہوئے تھے اور وہاں کے باشندوں کو حکم دیا تھا کہ ان کی عبادت کیا کریں۔ خلاصہ یہ کہ مصر کے باشندوں کو حکم تھا کہ خود فرعون کو پوجیں۔ مصر کے آس پاس کے لوگوں کو حکم تھا کہ چونکہ تم روزانہ فرعون تک نہیں پہنچ سکتے 'لہٰذا تم اس کے نام کے بتوں کو پوجو۔ اس لئے وہ کہا کرتا تھا کہ **انا ربکم الاعلیٰ** میں تمہارا بڑا رب ہوں یعنی وہ بت چھوٹے رب ہیں 'میں بڑا رب ہوں۔ بعض نے فرمایا کہ فرعون خود ستاروں کو پوجتا تھا یہ سمجھ کر کہ زمینی چیزوں کے رب وہ ہیں اور لوگوں سے اپنی پرستش کراتا تھا۔ کہتا تھا کہ انسانوں کا رب میں ہوں مگر یہ قول قوی نہیں کیونکہ فرعون نے کسی کی عبادت نہ کی بلکہ لوگوں سے اپنی عبادت کرائی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ **ماعلمت لکم من الٰہ غیری**۔ نیز اگر وہ خود ستاروں کی پرستش کرتا ہوتا تو وہ رب اعلیٰ کیسے کہلاتا۔ اس کے متعلق اور بہت سے قول ہیں مگر پہلا قول بہت قوی ہے۔ **قال سنقتل ابناءھم**۔ یہ فرعون کا جواب ہے مگر ان کے سوال کے بالکل ہی خلاف اس نے درباریوں کی بات کاٹتے ہوئے کہا کہ ہم بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل پھر شروع کردیں گے۔ جواب کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ ہم آہستہ آہستہ ان کی قوم کو ختم کردیں گے۔ اس طرح کہ ان کے بچوں کا ذبح پھر شروع کردیں گے نہ ان کی قوم بڑھے گی نہ ہمارا مقابلہ کرے گی (کبیر)۔ خیال رہے کہ فرعون نے اسرائیلی بچوں کا قتل بند کردیا تھا جب سے موسیٰ علیہ السلام نے اس کے گھر میں ہوش سنبھالا تھا۔ آج سے پھر اس حرکت کے شروع کرنے کا اعلان کردیا۔ دیکھو اس کی بزدلی کہ موسیٰ علیہ السلام اور موجودہ بنی اسرائیل کے قتل کی ہمت نہیں کرتا جو اس کے نزدیک واجب القتل تھے۔ بے قصور بچوں کے ذبح کا اعلان کردیا۔ فرعون جب موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتا تھا خوف سے گھبرا جاتا تھا۔ **و نستحی نساءھم**۔ یہ عبارت معطوف ہے سنقتل پر۔ اس میں دوسرے ظلم کا ذکر ہے **نستحی** کے معنی ہیں ہم ان کو زندہ چھوڑیں گے۔ انہیں قتل نہ کریں گے۔ خیال رہے کہ یہاں ابناء کے مقابل بنات نہ کہا بلکہ نساء کہا اس لئے کہ وہ اسرائیلی لڑکیوں کو زندہ اس لئے رکھتا تھا کہ یہ پوری عورتیں ہو کر ہماری خدمات کریں۔ آئندہ کے لحاظ سے انہیں نساء کہا۔ لہٰذا اس پر یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ ابناء کا مقابل بنات ہے نہ کہ نساء اور نساء کا مقابل رجال ہے نہ کہ ابناء۔ علت قتل بچوں کی ا۔یستہ ہے نہ کہ مرد ہونا اور لڑکیوں کو زندہ رکھنے کی وجہ ان کا آئندہ عورتیں بننا ہے نہ کہ فی الحال لڑکی ہونا۔ **وانا فوقھم قاھرون**۔ یہ عبارت معطوف ہے **نستحی** پر۔ انا سے مراد فرعون اور اس کی ساری قبطی قوم ہے۔ فوق سے مراد مکانی بلندی نہیں بلکہ درجہ کی بلندی مراد ہے۔ قہرون بنا ہے قہر سے ۔ معنی غلبہ جملہ اسمیہ بول کر اس نے یہ بتایا کہ جیسے ہم بنی اسرائیل پر موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے غالب تھے ایسے ہی اب بھی غالب ہیں۔ ہمارے قہر اور ہمارے غلبہ میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ ہم نے کچھ دن کے لئے عارضی طور پر اسرائیلی بچے ذبح کرنے بند کردیئے تھے۔ وہ اپنی جماعت کو یہ سمجھا رہا ہے کہ اسرائیلی لوگ مصر میں فساد بالکل نہیں پھیلا سکتے۔ ہم کو ان کی بالکل پرواہ نہیں ہے یہ ہمارے ہر طرح محکوم ہیں۔ ہم ان کے ہر طرح حاکم ہیں ہم کو ان کی بالکل پرواہ نہیں جیسے کہ اس

سے پہلے نہ تھی۔ (روح المعانی)

خلاصہ تفسیر: جب فرعون نے جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر انہیں سولی دے دی تو اس کے درباری بولے کہ فرعون! ہم کو تعجب اور افسوس اس پر ہے کہ تو نے جادوگروں کو تو سولی دے دی مگر جو اصل فسادی ہیں جن کی وجہ سے جادوگر ہمارے پنگل سے نکل گئے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور ان کی نسبی قوم بنی اسرائیل تو ان سے کچھ نہیں کہتا تو انہیں یوں ہی چھوڑے رہے گا ان سے کچھ نہ کہے گا تاکہ یہ لوگ ہمارے ملک میں فساد پھیلاتے پھریں۔ جادوگروں کی طرح اور لوگوں کو مومن بنائیں اور تجھے اور تیرے نام پر بنائے ہوئے بتوں کی عبادت نہ کریں نہ لوگوں کو عبادت کرنے دیں۔ بول تو ان کے متعلق کیا کہتا ہے۔ فرعون نے ان کی بات کاٹ کر کہا کہ تم فکر نہ کرو جیسے موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہم اسرائیلی بچوں کو ذبح کر دیتے تھے، بچیوں کو چھوڑ دیتے تھا تاکہ اسرائیلیوں کی نسل ختم ہو جاوے اور ان کی لڑکیاں جوان ہو کر ہماری خدمت کریں۔ یہی قتل ہم پھر شروع کر دیں گے جیسے ہم پہلے ان پر غالب تھے ویسے ہی اب بھی ہر طرح غالب ہیں ذبح کا کچھ عرصہ بند رہنا ایک عارضی چیز تھی۔ ہم ان کی قوم بڑھنے نہ دیں گے تاکہ آئندہ یہ لوگ خود ہی فنا ہو کر رہ جائیں۔ ہم کو ان کی کوئی پرواہ نہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** فرعون حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام بلکہ بنی اسرائیل سے بے حد مرعوب ہو چکا تھا اس لئے اس نے اپنے درباریوں کی بات کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ اوندھی بات کہی جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **دوسرا فائدہ:** فسادی لوگ علماء، صلحاء بلکہ حضرات انبیاء کو فسادی کہتے ہیں ان کے نزدیک اصلاح فساد ہے اور فساد اصلاح۔ یہ فائدہ **لیفسدوا** سے حاصل ہوا۔ آج بھی بے دین فسادی لوگ علماء دین کو فسادی کہتے ہیں اور تبلیغ دین کو فساد کہتے ہیں۔ یہ سبق بڑا پرانا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** فرعون صرف اپنی ہی پرستش نہیں کراتا تھا بلکہ اپنے نام کے بتوں کی پرستش بھی کراتا تھا۔ یہ فائدہ **الھتک** سے حاصل ہوا کہ **الہ** کے معنی اس کے بنائے ہوئے بت ہیں نہ کہ اس کی پرستش کے بت کہ وہ کسی بت کی پرستش نہیں کرتا تھا۔ **چوتھا فائدہ:** اپنے کو دوسروں پر غالب سمجھنا، دوسروں کو اپنا مغلوب جاننا، رب تعالیٰ پر نظر نہ رکھنا، فرعونی تکبر ہے مومن کے دل میں عجز و نیاز ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عجز کار انبیاء اولیاء است　　عاجزی محبوب درگاہ خدا است

پانچواں فائدہ: بے دین بڑا ہی بے عقل ہوتا ہے۔ عقل دین سے ملتی ہے۔ یہ فائدہ حاصل ہوا **سنقتل ابناءھم** سے۔ دیکھو فرعون کے نزدیک اگر جرم و قصور تھا تو موسےٰ علیہ السلام کا یا ان کی وجہ سے ان کی قوم کا تھا مگر قتل کسے کرنا چاہ رہا ہے، بے قصور بچوں کو نیز جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو چکے تو اب بچوں کو قتل کیوں کرا رہا ہے۔ جن کی رکاوٹ کے لئے بچے قتل کرائے وہ تو پیدا ہو چکے اور فرعون کا غرور خاک میں مل چکا اب اسرائیلی بچوں کو قتل کیوں کرا رہا ہے۔ یہ ہے اس بے دین کی بے وقوفی۔ **چھٹا فائدہ:** بے دین اپنی عزت و آبرو قائم کرنے یا قائم رکھنے کے لئے ہزارہا خون کر دینا گوارا کر لیتا ہے پھر بھی اسے عزت نہیں ملتی۔ یہ فائدہ بھی **سنقتل ابناءھم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو اب فرعون کا ان بے قصور اسرائیلی بچوں کو قتل کرانا صرف اپنی آبرو رکھنے کے لئے تھا تاکہ لوگوں میں میری خدائی میری عزت قائم رہے مگر پھر بھی قائم نہ رہی۔ دیکھو کیسا ذلیل و خوار ہو کر مرا اور اب تک اس پر کیسی پھٹکار پڑ رہی ہے عزت وہ ہے جو اللہ رسول کے دروازے سے ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **العزۃ للہ**

ولرسولہ وللمؤمنین۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: یہاں جو فرعون کا جواب بیان ہوا وہ اس کے درباریوں کے سوال کے مطابق نہیں انہوں نے کہا تھا کہ جز حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے تو انہیں کیوں قتل نہیں کرتا اس نے جواب دیا کہ ہم اسرائیل کے بچوں کو ذبح کریں گے۔ سوال ان کے قتل کا تھا نہ کہ بچوں کے قتل کا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر کبیر نے تو یہ دیا کہ ہم اس قوم کے بچوں کو قتل کریں گے تاکہ یہ قوم نہ رہے نہ بڑھے نہ ہمارا مقابلہ کرے۔ ہم اس قوم کو اس طرح ختم اور فنا کر دیں گے۔ ہم نے یہ عرض کر دیا کہ فرعون نے یہ جواب صرف اپنی شیخی شان برقرار رکھنے کے لئے دیا وہ اس سوال سے حیران ہو گیا۔ اس پریشانی حیرانی میں جواب دے بیٹھا۔ **دوسرا اعتراض:** فرعون اپنی پرستش لوگوں سے کراتا تھا وہ کسی کی پرستش نہیں کرتا تھا پھر **الھتک** کہنا کیونکر درست ہوا کہ تیرے معبودوں کو لوگ چھوڑ دیں گے۔ **جواب:** مفسرین نے اس کے بہت جواب دیئے ہیں۔ ا۔ فرعون خود ستاروں کو پوجتا تھا۔ یہ سمجھ کر کہ زمین کا معبود میں ہوں' آسمان کے معبود یہ تارے ہیں اور لوگوں کو بھی ان دونوں کی پرستش کا حکم دیتا تھا کہ میری بھی عبادت کرو' اور میرے معبودوں یعنی تاروں کی بھی۔ 2۔ فرعون خود گائے پوجتا تھا۔ لوگوں کو کہتا تھا کہ مجھے بھی پوجو' میری تجویز کردہ گایوں کو بھی اسی لئے آگے چل کر بنی اسرائیلی گائے پرست ہو گئے۔ 3۔ فرعون نے مصر سے دور رہنے والوں کے لئے اپنے نام کے چھوٹے بڑے بت بنا دیئے تھے اور مصر والوں کو حکم دیتا تھا کہ روزانہ خود مجھے پوجو۔ علاقہ کے لوگوں سے کہتا تھا کہ تم روزانہ میرے پاس نہیں پہنچ سکتے تو تم میرے نام کے بتوں کو پوجو۔ لہذا **الھتک** کے معنی یہ ہیں کہ تیرے بنائے ہوئے اور بنائے ہوئے بتوں کو چھوڑ دیں۔ فقیر کے نزدیک یہ ہی تیسری تحقیق قوی ہے۔ **اعلیحضرت قدس سرہ** کا ترجمہ بھی یہی بتا رہا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** فرعون نے لڑکوں کے لئے تو ابناء کہا اور لڑکیوں کے لئے نساء کہا یہ کیوں؟ ابناء کا مقابل بنات ہے اور نساء کا مقابل رجال ہے۔ یا تو رجال و نساء کہتا یا ابناء اور بنات کہتا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ نساء کہنے میں ان بچیوں کو چھوڑ دینے کی وجہ کا بیان ہے کہ میری یہ چھوڑی ہوئی بچیاں آگے چل کر نساء بنیں گی جو ہماری خدمات کے قابل ہوں گی۔ اس لئے میں انہیں قتل نہ کروں گا۔ **چوتھا اعتراض:** جیسے بچیاں جوان عورتیں ہو کر فرعون کی خدمت کرتیں ایسے ہی اسرائیل کے بچے جوان مرد بن کر فرعون کی خدمت کرتے تو وہ انہیں کیوں قتل کراتا تھا۔ **جواب:** موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے تو جناب موسیٰ کی آمد روکنے کے لئے لڑکوں کو قتل کراتا تھا مگر جب وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا تو اسرائیلی بچے اس لئے قتل کراتا تھا کہ اسرائیلی قوم باقی نہ رہے۔ آگے چل کر فنا ہو جاوے کہ قوم مردوں سے بنتی ہے صرف عورتوں سے نہیں بنتی۔ وہ قوم کو فنا کرنا چاہتا تھا مگر خود ہی فنا ہوا۔ **پانچواں اعتراض:** فرعون نے آخر میں یہ کیوں کہا کہ **وانافوقھم قاھرون۔** ہم ان پر غالب ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ وہ بادشاہ تھا۔ اسرائیلی اس کی رعایا تھے۔ بادشاہ رعایا پر غالب ہوتا ہے پھر یہ کہنے کی ضرورت کیا تھی۔ **جواب:** لوگوں نے دوبار فرعون کی بے بسی' مجبوری' معذوری موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں دیکھ لی تھی اسے میدان مقابلہ سے ٹوپی جوتی چھوڑ کر گوز لگاتا بھاگتا ہوا دیکھا تھا۔ فرعون اپنی یہ خفت مٹانے کے لئے لوگوں سے کہتا تھا کہ میری اس بے بسی اور بدحواسی کو دیکھ کر یہ نہ سمجھنا کہ میں مغلوب ہو گیا ہوں۔ وہ تو وقتی چیز تھی۔ میں پہلے کی طرح اسرائیل پر غالب' ظالم' ہر طرح قاہر ہوں۔ میری عزت میں کوئی کمی نہیں آئی اس لئے کہہ رہا ہے **وانافوقھم قاھرون۔**

تفسیر صوفیانہ: خدا کا خوف، نبی کی ہیبت، دلوں سے کفر و گندگی نکال دیتی ہے مگر جب، جبکہ دل میں تکبر و غرور نہ ہو۔ عجز و انکسار ہو۔ جادوگروں کے دلوں میں کفر، فسق وغیرہ سب کچھ تھا مگر بفضلہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے مقابل تکبر و غرور نہ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نبی کی ہیبت دل میں چھائی، خوف خدا دل میں آیا بس پھر کیا تھا۔ عمر بھر کا کفر و عناد دل میں سے نکل گیا۔ فرعون کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہیبت تو آتی وہ دوبار آپ کے مقابلہ میں بھاگا مگر چونکہ اس کے دل میں تکبر و غرور تھا اس لئے وہ ہیبت خوف خدا پیدا نہ کر سکی۔ لہٰذا اس کے دل سے نہ کفر نکلا نہ فسق و فجور۔ ہاں ہوا یہ کہ اس کی نخوت و غرور کا رخ اور محل استعمال بدل گیا بجائے موسیٰ علیہ السلام کے اسرائیلی بچوں کی طرف اس کا رخ ہو گیا۔ اس لئے کہتا ہے **وانا فوقھم قاھرون** موسیٰ علیہ السلام آپ کا عصا تو ایک ہی ہیں مگر جادوگروں اور فرعون کے دل دو قسم کے ہیں۔ اس لئے یہ فرق حال ہے کہ وہاں سجدے سجود ہیں یہاں نخوت و غرور۔ **لطیفہ**: مشرقی پاکستان میں 1971ء میں چار ماہ سے فساد، لوٹ مار، آتشزدگی وغیرہ عام ہو رہی تھی۔ ملک کے حالات قابو میں نہیں آتے تھے۔ تین ارب روپے کا مالی نقصان کیا۔ جانی نقصان اس کے علاوہ ہے کہ اچانک اللہ نے رحمت کی مارشل لاء کا اعلان ہوا۔ جلد ہی سب ٹھیک ہو گئے صرف مارشل لاء کے نام کی ہیبت نے گرتے ہوئے پاکستان کو بچا لیا۔ بڑے بڑے سرکش غائب ہو گئے جب مارشل لاء کے نام میں یہ ہیبت ہے کہ بڑے بڑے سرکش سیدھے ہو گئے تو اگر ہمارے دلوں میں اللہ رسول کے نام کی ہیبت آ جائے تو ہمارے نفس امارہ سرکش، یونہی شیاطین وغیرہ سب دب جاویں۔ فتح مکہ کے دن ہیبت مصطفیٰ کام کر رہی تھی کہ مکہ معظمہ میں فاتحین کا داخلہ امن و امان کے ساتھ ہوا کہ ایک خون نہ بہا۔ کسی کا مال و آبرو برباد نہ ہوئے۔ یہ ہے ہیبت نبی۔ آج پاکستان میں ایک مارشل لاء کے نام سے مطالبے، جلوس، ہڑتالیں، توڑ پھوڑ سب بند ہیں صرف نام نے کام کر دیا۔ اللہ کرے خدا رسول کے نام کی ہیبت ہمارے دلوں کو سیدھا کر دے۔ اللہ نصیب کرے۔ مسلمان کو چاہئے کہ دو چیزیں ذہن میں رکھے۔ ایک یہ کہ نبی ﷺ کو اللہ نے بہت قوتیں قدرتیں بخشی ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضور انور ہمارے ہر حال سے ہر وقت خبردار ہیں۔ انشاء اللہ پھر گناہ کی ہمت نہیں پڑے گی۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۟ۙ

فرمایا موسیٰ نے واسطے قوم کے اپنی مدد مانگو اللہ سے اور کرو صبر تحقیق زمین اللہ کی ہے

موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا اللہ کی مدد چاہو اور صبر کرو۔ بیشک زمین کا مالک اللہ ہے۔

يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا

وارث بناتا ہے اس کا جسے چاہے اپنے بندوں میں سے اور انجام ہے واسطے پرہیزگاروں کے کہا انہوں نے

اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وارث بنائے اور آخر میدان پرہیزگاروں کے ہاتھ ہے بولے ہم ستائے گئے

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ

ایذا دیئے گئے ہم پہلے سے اس کے کہ آئیں آپ ہمارے پاس اور پیچھے سے اس کے کہ آئے آپ ہمارے پاس فرمایا

آپکے آنے سے پہلے اور آپکے تشریف لانے کے بعد کہا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو

یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَیَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۵

قریب ہے رب تمہارا کہ ہلاک کردے دشمن کو تمہارے اور خلیفہ بنائے تم کو اس زمین میں پس نظر فرمائے کہ کیسے عمل کرتے ہو تم

ہلاک کرے اور اس کی جگہ زمین کا وارث تمہیں بنائے پھر دیکھے کیسے کام کرتے ہو

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیۃ میں فرعون کے مشورہ ظلم کا ذکر ہوا اب بنی اسرائیل کے مشورہ صبر کا تذکرہ ہے یعنی ظالموں کے مشورہ کے بعد مظلوموں کے مشورہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرعون کے نئے ظلم کے آغاز کا تذکرہ تھا اب اس کے مقابل تقویٰ و طہارت اور صبر وغیرہ کا ذکر ہو رہا ہے گویا زہر کے بعد تریاق کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرعونیوں کی پناہ کا ذکر ہوا کہ وہ لوگ اپنی پناہ یعنی فرعون کے پاس فریادی ہوئے۔ اب بنی اسرائیل کی پناہ کا تذکرہ ہے کہ یہ لوگ اپنی پناہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس پناہ لینے آئے اور آپ نے انہیں تسلی دی۔ گویا جھوٹی پناہ کے بعد سچی پناہ کا ذکر ہے یعنی دامن نبی کا۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ فرعون نے کہا کہ میں اسرائیل کو ہلاک کردوں گا اب فرمایا جا رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب خود فرعون و فرعونیوں کو ہلاک کردے گا یعنی جھوٹی دھمکی کے بعد سچی دھمکی کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ **قل عسی ربکم ان یهلک عدوکم**۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کی ہلاکت کا ذکر تھا جس کا ارادہ فرعون نے کیا۔ اب بنی اسرائیل کی خلافت کا ذکر ہے جس کا وعدہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی طرف سے کیا۔ **چھٹا تعلق**: پچھلی آیۃ میں فرعون کا جھوٹا دعویٰ نقل فرمایا گیا۔ **وانا فوقهم قاهرون** ہم بنی اسرائیل پر غالب ہیں۔ اب اس کے اس دعویٰ کی تردید کی جا رہی ہے کہ ہمیشہ غلبہ متقین و پرہیزگاروں کا ہوتا ہے گویا جھوٹے دعوے کے ذکر کے بعد سچے رب کے سچے وعدے کا ذکر ہو رہا ہے کہ متقی کی تکلیف اور فاسق کا غلبہ عارضی ہوتے ہیں۔

تفسیر: **قال موسی لقومه** اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے کہ فرعونیوں کے اس مشورہ کی خبر بنی اسرائیل کو پہنچی تو وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس فریادی ہوئے کہ اب ہم کیا کریں۔ تب آپ نے یہ فرمایا۔ قول یعنی کلام بہت قسم کا ہوتا ہے۔ دھمکی کا' تسلی کا' وعدہ کا' وعید کا' خبر کا' انشاء کا وغیرہ وغیرہ۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول یا تسلی کا ہے یا وعدے کا جو بھی ہو ہے رب تعالیٰ کی طرف سے۔ تسلی بھی اس کی طرف سے' وعدہ بھی اس کی طرف سے۔ زبان موسیٰ علیہ السلام کی ہے' فرمان رب تعالیٰ کا ہے' قوم سے مراد ہیں مومنین بنی اسرائیل جو اسرائیلی ابھی ایمان نہ لائے تھے یا جو قبطی ایمان لے آئے تھے' ان سے یہ کلام نہیں' جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ **استعینوا باللّٰه واصبروا** یہ قالوا کا مقولہ ہے۔ اس میں آپ نے بنی اسرائیل کو دو

حکم دیے۔ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا اور صبر کرنا چونکہ اللہ کی مدد پہلے ہوتی ہے، صبر، عبادت، تقویٰ بعد میں۔ اس لئے مدد مانگنے کا ذکر پہلے ہوا صبر کا بعد میں۔ ہم جو نیک کام کریں رب کی مدد سے کرتے ہیں۔ صبر تین قسم کا ہوتا ہے طاعات پر صبر، گناہوں سے صبر، آفت و بلاؤں میں صبر۔ یہاں تیسری قسم کا صبر مراد ہے۔ اس میں فرمایا گیا کہ ابھی تم پر فرعونی آفات اور آئیں گی مگر صبر کو ہاتھ سے نہ دینا۔ صبر تین قسم کا ہوتا ہے۔ مجبوری کا صبر، اخلاق کا صبر، رحم و کرم کا صبر۔ جب ظالم سے بدلہ لینے کی طاقت نہ ہو اور صبر کیا جاوے۔ یہ ہے مجبوری کا صبر۔ بدلہ لینے کی طاقت ہو مگر معافی دے دی جائے، یہ ہے اخلاق کا صبر اور ظالم پر باوجود اس کے ظلم کرنے کے رحم و کرم ہو، اسے نعمتیں دی جاویں، یہ ہے رحم و کرم کا صبر۔ آخری قسم کا صبر رب کی صفت ہے کہ وہ کافروں، مشرکوں، اپنے دشمنوں کو بھی روزی دیتا ہے۔ انہیں جلد ہی پکڑ نہیں کرتا۔ اسی لئے اس کا نام صبور ہے۔ دوسری قسم کا صبر خاص بندوں کے لئے ہے کہ قدرت کے باوجود مجرم کو جرموں کی سزا نہ دینا۔ پہلی قسم کا صبر مجبور و معذور لوگوں کا ہے یہی قسم یہاں مراد یعنی فرعون کی سختی پر صبر کرو گھبرا نہ جاؤ۔ خیال رہے کہ اس موقعہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مصیبت کے ٹلنے یا فرعون کی ہلاکت کی دعا نہ کی۔ آپ جانتے تھے کہ یہ وقت امتحان کا ہے اس وقت ایسی دعا کرنا شاید بے صبری میں شمار ہو جاوے۔ ان دو

حکموں کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دو بشارتیں دیں چنانچہ فرمایا۔ **ان الارض للّٰہ** یہ ان۔ بشارتوں کی تمہید ہے اور فرعون کے قول کی تردید۔ وہ کہتا تھا کہ زمین مصر میری اپنی ہے میں اس کا مالک و مختار ہوں اس لئے اسے **ان** سے شروع فرمایا کہ اس مضمون کا منکر فرعون موجود تھا۔ زمین سے مراد یا تو مصر کی زمین ہے جس کے ملکیت نامہ کا فرعون دعویٰ کرتا تھا یا ساری زمین ہے چونکہ فرعون آسمانوں پر اپنی ملکیت کا دعویٰ نہیں کرتا تھا اس لئے ان کا ذکر نہیں۔ **للّٰہ** میں لام ملکیت کا ہے نفع کا نہیں اور ملکیت سے حقیقی دائمی لازوال ملکیت مراد ہے۔ لہٰذا آیۃ واضح ہے **یورثھا من یشاء من عبادہ** یہ ہے موسیٰ علیہ السلام کا پہلا وعدہ بنی اسرائیل سے یعنی عنقریب اس زمین کے مالک و حاکم تم بنائے جاؤ گے۔ خیال رہے کہ یہاں وراثت سے مراد شرعی وراثت نہیں کہ وہ تو رشتہ دار کو ملتی ہے۔ اسرائیلی لوگ فرعون کے قرابت وار نہ تھے بلکہ اس سے مراد سلف کے بعد خلف کا مالک ہونا ہے یعنی اگلوں کے عذاب کے بعد پچھلوں کا مالک زمین بننا کبھی کسی کے عوض کسی کو دینا، وراثت کہا جاتا ہے۔ جنتی لوگ کہیں گے۔ **اور ثنا الارض** اللہ نے ہم کو زمین جنت کا وارث بنایا یعنی کافروں کا جنتی حصہ ہم کو بخشا جیسے ہمارا دوزخ کا حصہ کافر کو دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ وراثت کے معنی ہیں جانشینی جیسے علماء وارث رسول ہیں یعنی جانشین۔ کسی کی فنا کے بعد اس کی چیز کا مالک رہنا اس معنی سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا وارث ہے۔ **انا نحن نرث الارض** کسی کی چیز کا اس کی غیر موجودگی میں مالک بننا جیسے جنتی مومن کا کافر کے جنتی حصے کا مالک ہونا۔ چنانچہ جنتی کہیں گے **اور ثنا الارض** کسی کے مال کا اس کے مرنے کے بعد رشتہ کی بنا پر مالک ہونا یہاں وراثت تیسرے معنی میں ہے۔ وراثت مال کی بھی ہوتی ہے، حال کی بھی، کمال کی بھی، **من عبادہ** میں من بعضیت کا ہے یا **من یشاء** کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو چاہے زمین کا مالک کرے۔ **والعاقبتہ للمتقین** یہ موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا وعدہ ہے۔ عاقبت سے مراد عالم برزخ اور قیامت و بعد قیامت ہے چونکہ وہاں کی بھلائی برائی دنیاوی عقاید و اعمال کا نتیجہ ہیں اس لئے اسے عاقبت کہا جاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ عاقبت سے مراد دنیا ہی کا انجام ہو کہ اگرچہ کبھی عارضی غلبہ کفار و بدکار کو بھی مل جاتا ہے مگر آخر کار غلبہ ابرار کو ہوتا ہے۔ متقی کی تعریف، اس کے اقسام ان

اقسام کے احکام ہم پہلے پارے کے شروع میں **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ اس سے مراد مومنین صالحین ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ تم لوگ مومنین صالحین بنو اور اسی حال پر رہو تو دنیا بھی تمہاری ہے اور آخرت بھی تمہاری یا یہ دنیاوی مشکلات عارضی ہیں آخر کار کامیاب تم ہی ہو۔ **قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا** یہ وہ عرض و معروض ہے جو اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کی۔ قالوا کے متعلق دو باتیں خیال میں رہیں ایک یہ کہ بنی اسرائیل نے یہ فریاد نہ تو فرعون سے کی کیونکہ اس موذی سے رحم کی انصاف کی کوئی امید نہ تھی نہ براہ راست خدا تعالیٰ سے کی کیونکہ وہ لوگ جانتے تھے کہ جب رب تعالیٰ براہ راست ہم سے کچھ نہیں سنتا تو براہ راست ہماری کیسے سنے گا۔ حضرت موسیٰ ہمارے اور رب کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں۔ اس لئے انہوں نے حضرت موسیٰ سے فریاد کی کہ ہماری آپ تک رسائی ہے آپ کی رب تک۔ جیسے حضور کے صحابہ بارش وغیرہ کی دعا حضور سے کرواتے تھے حتیٰ کہ حضرت جبریل بھی مدینہ کی زمین میں آکر دعائیں مانگتے حضور سے آمین کہلواتے تھے۔ دوسرے یہ کہ یہ فریاد بعض اسرائیلیوں نے کی سب قوم کے نمائندہ بن کر اس لئے اسے ان سب کی عرض قرار دیا گیا اور قالوا فرمایا۔ **اوذینا** بنا ہے ایذا سے بمعنی ستانا یعنی ہم ستائے گئے یا ستائے جاتے رہے اس ایذاء سے مراد ہے بنی اسرائیل کو فرعون کا غلام بنائے رکھنا ان سے طرح طرح کے ظالمانہ ٹیکس وصول کرنا ان کو نہایت دشوار اور ذلیل کاموں پر لگانا۔ انہیں نظر حقارت سے دیکھنا پھر ان کے اسی ہزار بچے ذبح کرا دینا نجومیوں کی اس خبر سے کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہو گا جس سے تیرا ملک برباد اور تو ہلاک ہو گا۔ دعا کرنے کے چند طریقے ہیں۔ صراحۃً "مانگنا" اپنے دکھ درد کہنا' داتا کی تعریف کرنا۔ داتا کے مال و اولاد کو دعائیں دینا۔ داتا کے سامنے سائلانہ چہرہ لے کر خاموش کھڑا ہو جانا' داتا کی خوشی میں شریک ہو جانا۔ ان لوگوں نے مانگنے کا دوسرا طریقہ اختیار کیا یعنی دکھ درد کہنا۔ ظاہر یہ ہے کہ **تاتینا** میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت شریف مراد ہے **تاتی** بنا ہے **اتیان** سے بمعنی آنا۔ نبی کی دنیا میں تشریف آوری اور ہی شان کی ہوتی ہے اس لئے اسے ولادت نہ کہا بلکہ اتیان سے تعبیر کیا۔ قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے بھی ان بزرگوں کی تشریف آوری کو **بعثت** ' ارسال' مجیء فرمایا ہے۔ لہٰذا بنی اسرائیل کا آپ کی آمد کو **تاتینا** کہنا **ولدت** نہ کہنا بالکل درست ہے۔ **ومن بعد ما جئتنا** قوی یہ ہے کہ یہاں مجی یعنی آنے سے مراد ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا نبی بن کر مدین سے مصر میں تشریف لانا۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد اور آپ کے فرعون کی گود میں پہنچ جانے کے بعد اسرائیلی بچوں کا ذبح بند ہو گیا تھا۔ ان کی ڈیوٹی بھی آدھی کر دی تھی یعنی آدھے دن کام لیا تھا' باقی آدھا دن انہیں آرام کرنے کی چھٹی دیتا تھا مگر جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد اس مردود نے پھر اسرائیلیوں کی ڈیوٹی دگنی کر دی اور ان کے بچوں کے ذبح کا اعلان کر دیا۔ وہ حضرات یہ عرض کر رہے ہیں۔ اس عرض کا مقصود موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے ناراضی نہیں ہے بلکہ موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے تشریف لا کر ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ تم پر اب اللہ کا بڑا کرم ہو گا وہ سمجھے کہ فوراً ہو گا مگر فرعون کی طرف سے یہ اعلان ہو گیا تو گھبرا کر عرض کرنے لگے چونکہ فرعون نے بچوں کے ذبح کا اعلان کر کے فوراً اس پر عمل شروع کر دیا اس لئے **اوذینا صیغہ ماضی** بالکل درست ہے۔ خیال رہے کہ اتیان اور مجی دونوں ہم معنی ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں تکرار سے بچنے کے لئے پہلے انہوں نے کہا **تاتینا** بعد میں **جئتنا**۔ بعض نے کہا کہ زمانہ اور مکان کی آمد کو اتیان کہتے ہیں اور مجی اجسام و جواہر کی آمد کو۔ بعض نے کہا کہ آسانی سے آنے کو اتیان

کہتے ہیں اور مطلقاً" آنے کو بھی کہا جاتا ہے (معانی) یہاں یہ کوئی فرق نہیں ہو سکتا جیسا کہ ظاہر ہے **قال عسی ربکم ان یھلک عدوکم** یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب ہے آپ کا عسی فرمانا یا تو امید دلانے کے لئے ہے یا اس واقعہ کا قرب بیان کرنے کے لئے۔ کریموں کا امید دلانا بھی یقین دلانے کے لئے ہوتا ہے اس لئے عسی فرمانا مناسب ہے۔ **یھلک** سے مراد ہے عذاب سے ہلاک کرنا۔ دشمن سے مراد فرعون اور سارے فرعونی لوگ ہیں یعنی یہ اسم جنس ہے یعنی امید ہے یا قریب ہی ہے کہ تمہارا رب' اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن فرعونیوں کو ہلاک کردے۔ **و لیستخلفکم فی الارض** یہ عبارت معطوف ہے **یھلک** پر۔ استخلاف کے معنی فرعون کے بعد اسرائیلیوں کو خلیفہ سلطان بنانا۔ الارض سے مراد زمین مصر ہے چونکہ اسرائیلیوں کی سلطنت فرعونیوں کے پیچھے ہوگی لہذا اسے استخلاف کہنا بالکل درست ہے چونکہ موجودہ سارے اسرائیلی اس وقت موجود نہ ہوں گے۔ بعض تو فرعون کی ہلاکت سے پہلے وفات پا جائیں گے۔ بعض مصر کی خلافت و سلطنت ملنے سے پہلے وفات پاچکے ہوں گے۔ اس لئے عسی فرمانا بالکل مناسب ہوا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ بنی اسرائیل حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں مصر کے بادشاہ ہوئے مگر قرآن مجید کی دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی اسرائیلی سلطان ہوئے۔ فرماتا ہے **واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون مشارق الارض و مغاربھا** کیونکہ انہی کو ذلیل کیا گیا تھا یہی سلطان ہوئے (معانی و کبیر وغیرہ) لہذا ظاہر یہ ہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے یہ دونوں وعدے اس وقت موجودہ بنی اسرائیل سے تھے جو رب نے پورے فرما دیئے۔ **فینظر کیف تعملون** یہ عبارت معطوف ہے **یستخلف** پر چونکہ اسرائیلیوں کے ان اعمال کو دیکھنا انہیں خلافت دینے کے فوراً" بعد ہوگا۔ اس لئے ف ارشاد ہوئی یہ بھی خیال رہے کہ کہ نظر کے بہت معنی ہیں۔ غور و فکر' آنکھ سے دیکھنا' انتظار کرنا' دیکھنا' جاننا' یہاں آخری دو معنی میں سے کوئی معنی مراد ہیں کیونکہ پہلے تین معنی سے رب تعالیٰ پاک ہے۔ (کبیر) **کیف تعملون** سے یہ بتایا کہ رب تعالیٰ تمہارے اعمال کو بھی دیکھے گا اور اعمال کی کیفیت کو بھی۔ اس فرمان عالی کا مقصد یا تو یہ ہے کہ تم سلطنت پاکر آزاد نہ ہو جانا' بلکہ رب کے مطیع و فرمانبردار بن جانا۔ یا مقصد یہ ہے کہ تم فرعون سے آزادی اور سلطنت پاکر آزاد نہ ہو جانا یا مقصد یہ ہے کہ تم فرعون سے آزادی اور سلطنت پاکر بربادی کے کام کرو گے (از روح المعانی) تم اس وقت بدترین مخلوق ہو جاؤ گے اور ایسا ہی ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ اشارہ بالکل درست ثابت ہوا۔

خلاصہ تفسیر: فرعون کے اس مشورہ کی خبر اسرائیلیوں کو ہوئی تو وہ گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر عرض گزار ہوئے تب موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو دو حکم دیتا ہوں اور دو خوش خبریاں۔ حکم تو یہ ہیں کہ اللہ سے مدد مانگو فرعون کے مقابل اور فرعونی مصیبتوں اور آفتوں پر صبر کرو۔ صبر سے ہر مشکل حل ہو جاتی ہے۔ خوش خبریاں یہ ہیں کہ زمین مصر فرعون کی ملک نہیں یہ تو عارضی بادشاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ملک ہے وہ ہی مالک حقیقی ہے۔ سلف کے بعد خلف کو' اگلوں کے بعد پچھلوں میں سے جن بندوں کو چاہے اس کا مالک بنا وے۔ وہ فرعون کے بعد تم کو مالک بنائے گا۔ دوسری خوش خبری یہ ہے کہ عالم آخرت کی خوبیاں پرہیزگاروں یعنی مومنوں متقیوں کے لئے ہیں۔ دنیا تو کبھی فاسقوں بلکہ کافروں کو بھی مل جاتی ہے مگر آخرت پاکبازوں کے لئے ہی ہے۔ اسرائیلی بولے کہ اے موسیٰ! فرعون نے تمہاری پیدائش سے پہلے ہم پر بہت ستم توڑے اور اب جبکہ تم نبی ہو کر

مدین سے ہمارے پاس تشریف لائے تو پھر شروع کردیئے۔ درمیان میں کچھ روز کسی قدر ہم کو چین ملا تھا۔ ہم تو اس کے ظلم و ستم سے تنگ آچکے ہیں۔ آپ نے فرمایا' نہ گھبراؤ' عنقریب وقت آتا ہے کہ تمہارا رب' اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن فرعون کو سخت عذاب سے ہلاک کردے گا اور اس کے بعد پھر اس زمین کا بادشاہ تم کو بنائے گا مگر بادشاہت پاکر تم خود سرنہ بن جانا۔ وہ تمہارے اعمال بلکہ اعمال کے احوال دیکھے گا وہ عطاء تمہارا امتحان ہوگی۔ خیال رہے کہ اکثر انسان آرام میں سرکش ہو جاتا ہے۔ خیال رہے کہ اس موقعہ پر موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے اس مصیبت کے دفع فرمادینے کی دعا نہ کی بلکہ بنی اسرائیل کو صبر کی تلقین فرمائی کیونکہ یہ بھی ان کا امتحان تھا۔ امتحان ٹلا نہیں جاتا بلکہ دیا جاتا ہے۔ کامیابی کی دعا کی جاتی ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اپنے دکھ درد کی شکایت نبی سے کرنا جائز ہے کیونکہ وہ حضرات بحکم پروردگار دافع البلیات' شافی الامراض ہیں۔ یہ فائدہ **موسی لقومہ** سے اور **قالوا اوذینا** سے حاصل ہوا۔ دیکھو بنی اسرائیل فرعون کا مشورہ ظلم سن کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس فریادی ہوئے مرض کی شکایت حکیم سے' ظلم کی شکایت حاکم سے کرسکتے ہیں کہ یہ لوگ ان کے دفعیہ کے لئے من جانب اللہ مقرر ہیں۔ ایسے ہی ہر مصیبت میں فریاد نبی ولی سے کرسکتے ہیں۔ میاں محمد صاحب فرماتے ہیں۔

ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ ولیاں دے آئی
ولی دعا کرن جس ویلے' مشکل رہے نہ کائی

بلکہ فرعون اور فرعونی لوگ ہر مصیبت میں موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتے تھے۔ آپ دعا فرماتے تھے تو مصیبت دفع ہو جاتی تھی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **قالوا یموسی ادع لنا ربک بما عہد عندک** اس کی تفصیل ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ **دوسرا فائدہ:** ہر مصیبت میں دو کام کرنے چاہئیں' انشاء اللہ مصیبت دفع ہوگی ایک تو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا' دوسرے صبر کرنا۔ گھبرانا' رب کی ناشکری کرنا مصیبت کو دوگنا کردیتے ہیں۔ یہ فائدہ موسیٰ علیہ السلام کے فرمان **استعینوا** اور **اصبروا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ہر چیز کا مالک حقیقی رب تعالیٰ ہے کوئی کسی چیز کا کبھی مالک حقیقی نہیں۔ یہ فائدہ **ان الارض للہ** سے حاصل ہوا جو کسی بندہ کو کسی چیز کا ایک آن کے لئے مالک حقیقی مانے وہ مشرک ہے۔ اللہ کے مالک کردینے سے بندے ہر چیز کے مالک ہوسکتے ہیں۔ یہ فائدہ **یورثہا** سے حاصل ہوا۔ اسی لئے بندہ اپنی مملوکہ چیزوں کو فروخت بھی کرسکتا ہے اور عاریتہ'' ہبتہ'' کرایہ پر دے سکتا ہے یہ سب ملکیت کے احکام ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** دنیا نیک و بد' مومن و کافر سب کو مل جاتی ہے مگر آخرت کی خوبیاں صرف نیک کاروں کو ملیں گی۔ یہ فائدہ **العاقبتہ للمتقین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ عاقبت سے مراد آخرت ہو۔ **پانچواں فائدہ:** دنیاوی تکالیف مومن کے لئے عارضی ہوتی ہیں۔ انجام اس کے لئے بخیر ہی ہوتا ہے کافر کے لئے دنیاوی آرام و کامیابیاں عارضی ہوتی ہیں۔ اس کا انجام خراب ہی ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **العاقبتہ للمتقین** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ عاقبت سے مراد انجام ہو۔ **چھٹا فائدہ:** بنی اسرائیل پر فرعونی مظالم زیادہ تر موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے اور مدین سے لوٹنے کے بعد ہوئے۔ درمیان میں اس کے ظلم کچھ کم ہوگئے تھے۔ پہلے تو موسیٰ علیہ السلام کی آمد روکنے کے لئے پھر دوسری بار صرف اپنا بھرم رکھنے کے لئے کہ ہم اسرائیلیوں پر غالب ہیں۔ یہ فائدہ **من قبل** اور **من بعد**

سے حاصل ہوا بلکہ آپ کی ولادت سے پہلے بھی ذبح اولاد کے قانون میں میں اس نے ترمیم کردی تھی کہ ایک سال بچے ذبح کراتا تھا ایک سال نہیں کراتا تھا۔ ذبح کے سال موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ معافی کے سال حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی لئے آپ کی والدہ کو آپ کی پیدائش پر مصیبت پیش آئی حضرت ہارون کی پیدائش پر پیش نہ آئی۔ **ساتواں فائدہ**: انسان کو چاہئے کہ جب رب تعالیٰ اسے عزت 'دولت' حکومت دے تو رب تعالیٰ کی بندگی اور زیادہ کرے۔ اس زمانہ میں رب کو بھول نہ جاوے۔ یہ فائدہ **فینظر کیف تعلمون** سے حاصل ہوا۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا چاہئے کسی اور سے نہ مانگنا چاہیے۔ دیکھو ارشاد ہے **استعینوا باللہ** پھر تم لوگ نبیوں' ولیوں سے مدد مانگتے ہو نرے مشرک ہو۔ **جواب**: اس اعتراض کے جوابات ہم بارہا دے چکے ہیں۔ خصوصاً" سورۃ فاتحہ کی تفسیر **وایاک نستعین** کے تحت۔ نبیوں' ولیوں کی مدد درحقیقت رب تعالیٰ ہی کی مدد ہے جیسے آج ڈاکٹروں' حاکموں' مالداروں سے مدد مانگنا شرک نہیں کہ مدد رب کی ہوتی ہے اس کے مظہر یہ لوگ ہوتے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام نے بارہا انسانوں سے مدد مانگی ہے **من انصاری الی اللہ** اور **اعینونی** ہم کو ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم ہے **وتعاونوا علی البر والتقوی۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم** وغیرہ۔ اسکی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہے **الارض للہ** زمین صرف اللہ تعالیٰ کی ہے مگر دوسرا ارشاد ہے۔ **خلق لکم ما فی الارض جمیعا**" زمینی چیزیں تمہارے لئے پیدا فرمائیں۔ وہاں بھی لام ہے۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: یہاں لام ملکیت حقیقیہ کا ہے۔ اس آیت میں لام نفع کا ہے یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملک ہے مگر اس سے نفع بندے اٹھاتے ہیں۔ رب تعالیٰ نفع اٹھانے سے پاک ہے' بے نیاز ہے۔ **تیسرا اعتراض**: بنی اسرائیل کے ان شکووں سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کو موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ناپسند بلکہ ناگوار تھی کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کی ایک تشریف آوری سے پہلے بھی ہم پر مصیبت آئی اور دوسری تشریف آوری کے بعد بھی ہم مصیبتوں میں پھنسے۔ یہ ناگواری کفر ہے نبی کی تشریف آوری اللہ کی نعمت ہے۔ نعمت سے ناراضی کفر ہے **جواب**: اس کا جواب تفسیر کبیر خازن وغیرہ نے یہ دیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلیوں سے نصرت الہی اور فرعون کی تباہی کا وعدہ فرمایا تھا وہ سمجھے کہ ان باتوں کا ظہور ابھی چند دنوں میں ہو جائے گا مگر انہوں نے دیکھا یہ کہ بہتر ہزار جادوگر سولی دے دیئے گئے۔ ہمارے متعلق یہ مشورے ہو گئے۔ ہمارے بچوں کی ذبح کی اسکیم پھر بن گئی تب انہوں نے گھبرا کر یہ کہا کہ آپ نے تو ہم سے ہلاکت فرعون کا وعدہ فرمایا تھا مگر ہلاکت تو ہماری ہو رہی ہے۔ آپ کے وعدہ کا مطلب کیا ہے۔ **لہٰذا** یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کے وعدے کی تفصیل و تفسیر کرانا ہے نہ کہ ان کی تشریف آوری سے ناراضی۔ **چوتھا اعتراض**: **اوذینا** ہے ماضی' جس کے معنی ہیں ہم ستائے گئے۔ واقعی اسرائیلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے تو ستائے جا چکے تھے مگر آپ کے مدین سے تشریف لانے کے بعد تو ابھی ان پر کوئی ظلم نہیں ہوا تھا۔ صرف مشورہ ہی ہوا تھا تو ماضی کہنا اس کے لئے کیسے درست ہوا۔ **جواب**: اسرائیلیوں کی یہ عرض و معروض یا تو ذبح شروع ہو جانے کے بعد ہوئی یا انہیں خبر تھی کہ فرعون جو ارادہ کرلیتا ہے اس پر فوراً" عملدرآمد کرتا ہے چونکہ یہ ذبح یقینی تھا اس لئے اسے ماضی سے تعبیر کیا۔ رب فرماتا ہے **ونفخ فی الصور** حالانکہ نفخ صور قیامت میں ہو گا۔ پانچواں

اعتراض: موسیٰ علیہ السلام نے ہلاکت فرعون، خلافت بنی اسرائیل کو عسیٰ سے کیوں بیان فرمایا۔ یہ دونوں چیزیں تو یقینی تھیں۔ **جواب**: مفسرین نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں عسیٰ امید دلانے کے لئے ہے اور کریم کا امید دلانا یقینیات پر ہوتا ہے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا**" حالانکہ حضور انور کو مقام محمود یقیناً" ملنا ہے۔ دوسرے یہ کہ عسے فرمانا اس واقعہ کے ہونے کے لئے نہیں بلکہ موجودہ اسرائیلیوں کے پانے کے لئے ہے یعنی اے اسرائیلیوں ممکن ہے کہ تم لوگ یہ فرعون کی ہلاکت اپنی خلافت پالو اس وقت تک تم لوگ زندہ رہو کیونکہ اس ہلاکت اور خلافت کے وقت تک ان میں سے بعض وفات پاچکے ہوں گے۔ **چھٹا اعتراض**: **فینظر** کی ف سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کا ان کے اعمال کو دیکھنا ان کے عمل کے بعد ہوگا حالانکہ رب تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں وہ ہمیشہ سے سمیع و بصیر و علیم و خبیر ہے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: رب کی صفات قدیم ازلی واجب ہیں مگر اس کے فعل ایسے نہیں۔ یہاں فعل نظر مراد ہے نہ کہ صفت نظر جیسے رب تعالیٰ ازلی ابدی رازق ہے مگر اس نے زید کو رزق جب دیا جب کہ زید پیدا ہو چکا۔ اسی طرح وہ بصیر و خبیر تو ہمیشہ سے ہے مگر ان کے کاموں کو دیکھنا کاموں کے بعد ہوا۔ **ساتواں اعتراض**: بنی اسرائیل فرعون کے عزیز و قرابتدار نہیں تھے اور میراث صرف عزیز قرابتداروں ہی کو ملتی ہے پھر یہاں **یورثہا** فرمانا کیسے درست ہوا۔ **جواب**: یہاں میراث سے مراد شرعی میراث نہیں بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اگلے کے بعد پچھلے لوگ چیزوں کے مالک ہوں جسے کہتے ہیں خلف بعد سلف۔ اس لحاظ سے میراث فرمانا بالکل درست ہوا کیونکہ بنی اسرائیلی فرعون کے بعد مصر کے مالک ہوئے ایک معنی سے خود رب تعالیٰ کو مخلوق کا وارث کہا گیا ہے۔ **وانت خیر الورثین**۔

تفسیر صوفیانہ: اے انسان فرعون اور فرعونی لوگ ایسے ہی موسیٰ اور بنی اسرائیل سب تیرے اندر ہیں تیرا نفس گویا فرعون ہے۔ خواہشات باطلہ، غصہ، مغرور گویا اس کی قوم ہے۔ تیری روح گویا موسیٰ ہے۔ تیرا دل، عقل، سر گویا بنی اسرائیل ہے۔ تیری بشریت گویا مصر کی زمین ہے۔ دنیا، شیطان، طبیعت گویا فرعونی الہ ہیں۔ فرعونی نفس سے اس کی قوم، خواہشات، غضب و غرور نے کہا کہ تو نے موسیٰ روح اور ان کی قوم قلب و عقل کو کیوں چھوڑے رکھا ہے یہ تو بشریت میں فساد پھیلائیں گے، وہ تجھ کو "تیرے گھڑے ہوئے معبودوں دنیا و شیطان کی عبادت نہ کریں گے تو فرعون نفس بولا کہ ہم روح و قلب کے صفات اور ان کے نیک اعمال کو ریا، فخر کی چھری سے ذبح کرتے رہیں گے۔ جس سے ان کے اعمال باطل ہو جائیں گے اور ہم ان کی لڑکیوں یعنی ان کی صفات کو باقی رکھیں گے جن سے اعمال پیدا ہوں ہم ان پر مکر، حیلہ، فریب کے ذریعہ غالب ہیں تو موسیٰ روح نے اپنی قوم عقل و دل سے کہا کہ تم دونوں نفس پر جہاد کرنے میں اللہ کی مدد اور صبر سے کام لو۔ بشریت کی زمین کا مالک رب ہے جسے چاہے مالک بنادے۔ اچھا انجام، سعادت سعیدوں کے لئے ہے۔ تب قوم روح نے موسیٰ روح سے کہا کہ تیری واردات آنے سے پہلے ہم کو نفسانی عیوب نے ستایا اور تیری واردات آنے کے بعد بھی ہم ستائے گئے تب روح نے فرمایا کہ تم گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ نفس اور نفسانی عیوب کو الہامات ربانیہ کے ذریعہ فنا کردے گا اس کی ایذا تم سے دور کردے گا پھر اس بشریت پر تمہاری خلافت ہو گی کہ قلب و روح یہاں حکومت کریں گے پھر دیکھے گا کہ اے قلب، اے عقل تم کسی طرح اس میں عبودیت کے اعمال کرتے ہو اور اس کی ربوبیت کا حق کیونکر ادا کرتے ہو تمہیں ہوشیار رہنا چاہیئے۔ (روح البیان)۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ

اور البتہ تحقیق پکڑ لیا ہم نے فرعون کی آل کو ساتھ قحط سالیوں کے اور کمی سے پھلوں کی تاکہ وہ

اور بے شک ہم نے فرعون والوں کو برسوں کے قحط اور پھلوں کے گھٹانے سے پکڑا کہ کہیں وہ

یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ

نصیحت پکڑیں پھر جب آتی ان کے پاس بھلائی تو کہتے واسطے ہمارے ہے یہ اور اگر پہنچتی ان کو

نصیحت مانیں پھر جب انہیں بھلائی ملتی تو کہتے یہ ہمارے لئے ہے اور جب برائی پہنچتی تو

سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ

کوئی برائی تو بد فالی لیتے وہ ساتھ موسیٰ کے اور ان کے جو کہ ساتھ تھے ان کے خبردار ہو مگر بدفالی انکی نزدیک

موسیٰ اور اس کے ساتھیوں پر بد شگونی لیتے۔ سن لو ان کے نصیبے کی شامت تو اللہ کے ہاں

لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

اللہ کے ہے اور لیکن بہت سے ان میں کے نہیں جانتے

ہے لیکن ان میں اکثر کو خبر نہیں۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ان مصیبتوں آفتوں کا ذکر ہوا جو فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل پر آئیں۔ اب ان آفات کا ذکر ہے جو رب تعالیٰ کی طرف سے فرعون پر نازل ہوئیں گویا ظلموں کے بعد ظالموں کی سزا کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی یہ خبر بیان ہوئی کہ فرعون کو رب تعالیٰ کو ہلاک فرمائے گا۔ اب ان کی ہلاکت کا ذکر ہو رہا ہے گویا پیش گوئی کا ذکر پہلے ہوا اس کے ظہور کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی خلافت بنی اسرائیل کی بشارت کا ذکر ہوا۔ اب اس کی تمہید کا بیان یہاں سے شروع ہو رہا ہے کہ پہلے فرعون پر مصیبتیں آئیں پھر ہلاک ہوا پھر اسرائیل وہاں کے مالک و سلطان بنے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ہلاکت فرعون کا ذکر ہوا اب اس ہلاکت کی نوعیت کا تذکرہ ہے کہ وہ ایک دم ہلاک نہیں کیا گیا' بلکہ بڑی مصیبتوں اور آفتوں کے بعد۔

تفسیر: **ولقداخذنا ال فرعون**۔ چونکہ اگلا مضمون نہایت ہی اہم ہے' نیز ان آفات کے عذاب الٰہی ہونے کے فرعونی لوگ منکر تھے وہ ہر مصیبت کے متعلق کہتے تھے کہ یہ اتفاقی چیز ہے نیز حضور انور کے زمانہ کے بہت سے کفار اس واقعہ کے منکر تھے ان وجوہ سے اسے لام اور قد تحقیق سے شروع فرمایا۔ **اخذ** کے معنی ہیں پکڑنا مگر یہاں ہاتھ پکڑ نا لینا مراد نہیں بلکہ پکڑ فرمانا' آفات میں مبتلا کرنا' سزا دینا مراد ہے۔ ہلاکت کی پکڑ' بطش کہلاتی ہے اور مطلق پکڑ **اخذ** یہاں ہلاکت کی پکڑ مراد نہیں بلکہ عارضی پکڑ مراد ہے **ال** اور **اهل** دونوں کے معنی ہیں والا مگر ان دونوں لفظوں میں دو طرح فرق ہے ایک یہ کہ **اهل** عاقل، غیر عاقل

دونوں کی طرف نسبت ہو جاتا ہے مگر **آل** صرف عاقل کی طرف مضاف ہوتا ہے کہہ سکتے ہیں اہل بیت 'اہل علم' اہل زید مگر آل بیت یا آل علم نہیں کہہ سکتے۔ دوسرے یہ کہ اہل کی نسبت بڑے چھوٹے سب کی طرف ہو جاتی ہے مگر آل کی نسبت کسی بڑے کی طرف ہوتی ہے۔ آل رسول یا آل سلطان ہی کہا جاتا ہے۔ آل زید یا آل بکر نہیں کہتے۔ فرعون چونکہ دنیاوی وجاہت والا تھا لہٰذا اس کی طرف آل مضاف ہوا۔ لفظ آل تین معنی میں آتا ہے۔ اولاد 'گھر میں رہنے والے بیویاں بچے وغیرہ' متبعین 'ماتحت۔ یہاں تیسرے معنی میں ہے یعنی فرعونی لوگ کیونکہ فرعون کے اولاد نہ تھی اس کی بیوی صاحبہ کو اللہ تعالیٰ نے عذاب سے محفوظ رکھا وہ انہیں ان واقعات سے پہلے چومیخہ کرکے شہید کرچکا تھا۔ لہٰذا تیسرے معنی ہی مراد ہیں یعنی فرعون کے متبعین لہٰذا آل رسول حضور انور کی ساری امت ہے یعنی ہم نے قبطیوں کو اپنے عذابوں میں پکڑ لیا یا تو ان عذابوں سے اسرائیلی محفوظ رہے یا ان کے دل ان تکالیف سے متاثر نہ ہوئے۔ ان کے دلوں میں چین و سکون رہا یا یہ عذاب صرف قوم فرعون پر آئے تھے۔ رہے بنی اسرائیل تو وہ ان کی وجہ سے مصیبت میں پھنسے لہٰذا یہ مصیبتیں صرف قبطیوں کے لئے عذاب تھیں 'اسرائیلیوں کے لئے رحمت۔ **بالسنین** یہ متعلق ہے **اخذنا** سے۔ سنین جمع ہے سنہ کی۔ سنہ اور ارض اگرچہ مونث ہیں مگر انکی جمع واؤ نون سے آتی ہے 'مذکر کی طرح سنین 'ارضین۔ سنہ کے معنی ہیں سال یا برس مگر اصطلاح میں قحط کے سال کو سنہ کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس سے مشتق ہے **تسنتہ** ایک شاعر کہتا ہے **رجال مکتہ مسنتون عجاف** یعنی مکہ کے لوگ قحط میں مبتلا اور دبلے پتلے ہیں۔ (خازن) ایک اور شاعر کہتا ہے۔ شعر

دعانی من نجد فان سنینہ — لعبن بنا شیبا و شیبنا بنا مردا

حضور انور نے دعا کی تھی۔ **اللھم اجعل ھا سنین کسنی یوسف** بہرحال خصب کہتے ہیں ارزانی کو 'جدب کہتے ہیں قحط سالی کو۔ سنہ بمعنی جدب آتا ہے چونکہ فرعونیوں پر قحط سالی برسوں رہی اس لئے سنین جمع ارشاد ہوا۔ **و نقص من الثمرت**۔ یہ معطوف ہے سنین پر۔ ثمرات سے مراد مطلقاً" پھل ہیں 'دانوں کے علاوہ۔ دانہ پیٹ بھرنے کے کام آتا ہے جیسے گندم 'چنا وغیرہ۔ پھل لذت کے لئے کھائے جاتے ہیں جیسے انگور 'انار وغیرہ۔ دیہات میں تو دانے کا قحط ہو گیا 'شہروں میں پھلوں کا۔ لہٰذا دیہات سے دانے شہر میں نہیں آتے تھے اور شہروں سے پھل دیہات میں نہیں جاتے تھے حتیٰ کہ کھجور کے درخت پر صرف ایک کھجور لگتی تھی (معانی 'کبیر وغیرہ) بارش ہوتی نہ تھی حتیٰ کہ کنوئیں خشک ہو گئے تھے۔ دریا میں پانی نہ رہا تھا۔ **لعلھم یذکرون** اس فرمان میں اس قحط وغیرہ کی حکمت کا ذکر ہے۔ **لعل** بمعنی تاکہ ہے۔ **یذکرون** اصل میں **یتذکرون** تھا۔ ت کا ذال میں ادغام ہو گیا یعنی فرعونیوں پر یہ عذاب اس لئے بھیجے گئے کہ وہ لوگ نصیحت پذیر ہوں کیونکہ انسان آفتوں مصیبتوں میں رب کی طرف رجوع 'توبہ وغیرہ کرتا ہے اس جگہ تفسیر خازن نے کہا کہ فرعون کی عمر کل چھ سو بیس سال ہوئی جن میں چار سو سال اس نے سلطنت مصر کی۔ اپنے دور حکومت میں 220 سال تک۔ اس سے پہلے کبھی اس نے کوئی بیماری 'بھوک 'فکر وغیرہ نہیں دیکھی اس لئے وہ دعوئے خدائی کر بیٹھا۔ خیال رہے کہ دوسری عذاب والی قوموں کو اس قدر ڈھیل نہیں دی گئی جتنی ڈھیل فرعون کو دی گئی کہ اسے چھ بار مختلف عذاب آئے اور ہر عذاب کے بعد وہ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتا کہ **لئن کشفت عنا الرجز لنؤمنن لک و لنرسلن معک بنی اسرائیل**۔

اگر اس بار آپ نے عذاب دفع کر دیا تو ہم سب آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مردود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پرورش کیا تھا اصل پرورش کرنے والی حضرت آسیہ تھیں۔ انہیں رب نے ایمان صبر' شہادت سب کچھ دیا۔ **فاذاجاءتھم الحسنتہ** یہاں سے فرعونیوں کی سخت غفلت و انتہائی سرکشی کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ **اذا** کے معنی ہیں جب کبھی یعنی یہ ظرف دائمی کے لئے ہے۔ **جاءت** ارشاد ہوا کہ وہ محض رب کی طرف سے عطیہ تھیں۔ **ھم** کا مرجع وہ فرعونی لوگ ہیں جن کو قحط سالی وغیرہ سے پکڑا گیا تھا۔ الحسنۃ سے مراد دنیاوی بھلائیاں ہیں چارہ' پھلوں کی فراوانی' مال مویشی کی کثرت' رزق میں وسعت' ارزانی' مال کی فراوانی' امن' عافیت' تندرستی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے حسنہ کے یہی معنی بیان فرمائے (کبیر) غرضیکہ اس سے وہ حسنہ مراد نہیں جو **ربنااتنافی الدنیاحسنتہ** میں حسنہ سے مراد ہے یعنی توفیق خیر' ہدایت وغیرہ۔ **قالوالناھذہ** یہ اذا کی خبر ہے۔ یہاں بھی قالوا کے معنی ہیں وہ کہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ زبانی کہنا مراد ہے۔ لنا میں لام استحقاق کا ہے۔ **ھذہ** میں اشارہ مذکورہ حسنہ کی طرف ہے یعنی جب فرعونیوں کو دنیاوی بھلائی پہنچی تھی تو وہ کہتے تھے یہ ہم کو ہمارے استحقاق سے ملی ہے۔ ہم اس کے مستحق ہیں کیونکہ صدیوں سے ہم کو یہ نعمتیں ملتی رہی ہیں یا کہتے تھے کہ یہ نعمتیں ہماری کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ ہم نے محنت کر کے یہ سب کچھ کمائی ہیں۔ غرضیکہ رب تعالیٰ کا شکر نہیں کرتے تھے۔ **وان تصبھم سیئتہ** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے یہاں بھی **ان** عموم کے لئے ہے یعنی اگر کبھی۔ خیال رہے کہ خوبی کے لئے اذا ارشاد ہوا' برائی کے لئے ان۔ خوبی کے لئے **جاءت** ارشاد ہوا' برائی و مصیبت کے لئے **تصب** نیز وہاں الحسنہ معرف باللام ارشاد ہوا یہاں سیئۃ نکرہ ان تین فرقوں سے تین باتیں بتائی گئیں۔ 1۔ ان پر نعمتیں اکثر آتی تھیں' مصیبتیں کبھی کبھی۔ 2۔ نعمتیں رب کا کرم و مہربانی ہوتی تھیں کہ دنیا میں کفار پر بھی کرم ہے۔ مصیبتیں ان کی اپنی بلائی ہوئی۔ 3۔ نعمتیں اعلیٰ درجہ کی آتی تھیں' مصیبت معمولی۔ یہ ہے اس کریم کی شان بندہ نوازی کرم پروری۔ سیئہ سے مراد ہے قحط سالی' بیماریاں' مال مویشی میں کمی دوسری تکالیف۔ **یطیروابموسیٰ ومن معہ** یہ ان **تصبھم** کی خبر یہاں بھی **یطیروا** مضارع دوام کے لئے ہے یعنی بدفالی' بدشگونی لیتے تھے۔ خیال رہے کہ **یطیروا** اصل میں **یتطیروا** تھا باب تفعل سے ت کا طاء میں ادغام ہو گیا۔ اس کا مصدر **تطیر** ہے مادہ **طیر** بمعنی پرندہ' چڑیاں۔ **تعطیر** کے معنی ہیں پرندے اڑانا۔ اہل عرب چڑیوں پرندوں سے نیک و بد فالی لیتے تھے جب کسی کام کو چلتے تو راہ میں جو چڑیا یا کبوتر' کوا ملتا اسے اشارے سے اڑاتے اگر دائیں طرف اڑ جاتا تو اسے نیک فالی سمجھتے اور اسے سانح کہتے تھے اگر بائیں طرف اڑتا تو اسے منحوس سمجھتے۔ گھر لوٹ آتے' کام کو نہ جاتے' اسے بارح کہتے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

زجبرت بھا طیرا شمالی فان یکن ہواک الذی تھوی یھبک اجتنابھا

پھر **تطیر** بدفالی لینے کو کہا جانے لگا وہی محاورہ یہاں استعمال ہوا ہے۔ حضور فرماتے ہیں **لاطیرۃ وکہامتہ** اسلام میں پرندے اڑانا' بدفالی لینا کچھ بھی نہیں محض وہم ہے۔ **من معہ** میں من سے مراد حضرت ہارون اور مومنین بنی اسرائیل ہیں کیونکہ قبطی ایمان لائے نہ تھے۔ ایک دو آدمی جو ایمان لائے تھے انہوں نے اپنا ایمان چھپایا ہوا تھا ظاہر نہیں کرتے تھے لہٰذا

معیت سے ہمراہی یعنی مراد دین کی ہمراہی ہے یعنی جب فرعونیوں پر کوئی مصیبت آتی تھی تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی مومنین سے بد شگونی لیتے تھے۔ کہتے تھے کہ جب سے یہ لوگ ہمارے ملک میں ظاہر ہوئے تب سے ہم پر مصیبتیں بلائیں آنے لگیں یعنی وہ خود تو تھے منحوس مگر ساتھ اندھے بھی تھے کہ مبارک بندوں کو منحوس کہتے تھے۔ نبی اور ان کے صحابہ بڑی برکتوں والے ہوتے ہیں جہاں ان کے قدم پڑ جاویں وہ جگہ برکت والی ہو جاتی ہے۔ **الا انما طئرھم عند اللہ** یہ رب تعالیٰ کا اپنا فرمان ہے جس میں فرعونیوں کی بکواس کی پرزور تردید کی گئی ہے چونکہ اس زمانہ میں فرعونی لوگ اور آئندہ بھی کفار اس مضمون کے منکر تھے اور ہونے والے تھے اس لئے اسے الا اور انما سے شروع فرمایا۔ طائر کے معنی ہیں نحوست' ھم کا مرجع فرعونی لوگ ہیں۔ **عند** سے پہلے **من** پوشیدہ ہے یعنی وہ کفار منحوس خود ہیں اور ان کی نحوست رب کی طرف سے ہے جو ان پر لازم ہے۔ کفر نحوست ہے' ایمان و اسلام مبارک نعمت' اور ہو سکتا تھا کہ **طائر** بمعنی حصہ ہو۔ تو عند سے پہلے من پوشیدہ نہیں یعنی منحوس وہ خود ہیں اور ان کی نحوست اللہ کی طرف سے ہے جو ان پر لازم ہو چکی یا ان کی نحوست کا حصہ اللہ کے پاس محفوظ ہے جس کی سزا انہیں ضرور ملے گی۔ بعض قراءتوں میں **طیرھم** ہے۔ **طیر** یا تو **طائر** کی جمع ہے یا اسم جنس بلکہ طائر بھی اسم جنس ہے جو واحد جمع دونوں پر بولی جاتی ہے۔ ابن اعرابی کہتا ہے۔

کانہ تھتان یوم ماطر علی رء وس کرء وس طائر

دیکھو اس شعر میں طائر جمع ہے اس لئے اس جمع کا مضاف الیہ بنا (معانی) **ولکن اکثرھم لا یعلمون** یہ طائرھم پر معطوف ہے چونکہ بعض قبطی اپنی گمراہی و نحوست جانتے تھے مگر مانتے نہ تھے مگر بہت قبطی اس سے بے خبر تھے۔ وہ مومنین ہی کو منحوس جانتے تھے اس لئے یہاں **اکثرھم** فرمایا یا بعض قبطی ایمان لا چکے تھے' وہ تو موسیٰ علیہ السلام اور مومنین کو بڑا ہی مبارک جانتے مانتے تھے اس لئے **اکثر** فرمانا درست ہوا **یعلمون** کا مفعول پوشیدہ ہے۔ ضمیر یعنی بہت سے قبطی اپنی نحوست کو جانتے نہیں۔ اس لئے وہ موسیٰ علیہ السلام اور مومنین کی طرف اس کی نسبت کرتے تھے۔

خلاصہ تفسیر: موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دو خبریں دی تھیں۔ قبطیوں کی ہلاکت کی' سبطیوں یعنی بنی اسرائیل کی خلافت کی۔ ان کی ترتیب یہ تھی کہ پہلے ہلاکت فرعون ہو' پھر خلافت بنی اسرائیل۔ فرعون کی ہلاکت اچانک ہوئی بلکہ پہلے تو ان پر ہلکے عذاب مختلف شکلوں میں بھیجے گئے پھر بڑے عذاب۔ چھوٹے عذاب یہ تھے کہ ان پر کئی سال کی قحط سالی' پھلوں کی کمی مسلط کی گئی کہ گاؤں میں دانے کم کر دیئے گئے' شہروں میں پھل تاکہ اب بھی انہیں نصیحت ہو اور ایمان لے آئیں کیونکہ عموماً انسان مصیبتوں' آفتوں میں پھنس کر توبہ کر لیتا ہے مگر وہ لوگ ایسے سرکش تھے کہ ان سب سے ان کی آنکھیں نہ کھلیں بلکہ ان کا کفر و سرکشی اور زیادہ ہو گئی کہ جب کبھی ہم ان کو آرام دیتے' ارزانی' چیزوں کی فراوانی وغیرہ تو وہ کہتے کہ یہ آرام و راحت ہماری اپنی چیزیں ہیں۔ ہم اس کے مستحق ہیں نیز یہ آرام ہماری اپنی کوششوں سے ہیں اور جب کبھی ان پر آفت و مصیبت آتی تو کہتے یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھیوں کی نحوست سے ہیں۔ جب سے وہ مصر میں ظاہر ہوئے ہیں تب سے ہم پر یہ آفات آ رہی ہیں حالانکہ درحقیقت ان کی یہ آفات ان پر اللہ کی طرف سے عذاب کے طور پر تھیں۔ مگر ان میں کے اکثر لوگ یہ جانتے تھے کہ نبی اور مومنین تو برکت والے ہوتے ہیں ان کی برکتوں سے مصیبتیں دفع ہوتی ہیں آتی نہیں۔

لطیفہ: ابن ابی حاتم نے اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں حضرت عبد اللہ ابن عباس سے روایت کی کہ ان آفات کے دوران ایک بار مصر کے کنوئیں تالاب حتی کہ دریائے نیل بالکل خشک ہوگئے مصری لوگ فرعون کے پاس آ کر بولے کہ تو خدا بنتا ہے تو پانی دے وہ بولا کل پانی ملے گا رات کو ٹاٹ کا لباس پہن کر دریائے نیل پر گیا۔ سجدہ میں گر کر بولا کہ اے رب ایہ تو واقعہ ہے کہ تو رب ہے میں بندہ ہوں تو قادر ہے میں مجبور ہوں۔ میں اس کا اقرار کرتا ہوں میری عزت رکھ لے۔ سجدہ میں تھا کہ اس نے پانی کی آواز سنی سر اٹھایا تو دریائے نیل میں پانی آ رہا تھا اٹھا اور اپنے گھر پہنچا۔ دریا بھر چکا تھا پھر خدا ہی بنا رہا۔ (روح المعانی)

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالی کی طرف سے بھیجی ہوئی آفتوں مصیبتوں میں بھی صدہا حکمتیں ہوتی ہی۔ یہ آفتیں در حقیقت انسان کو بیدار کرنے اسے رب تعالی کے دروازے پر لگانے کے لئے آتی ہیں۔ یہ فائدہ **لقداخذنا** سے حاصل ہوا۔ ہماری نافرمانیاں ناشکریاں آفات آنے کی وجہ ہیں۔ رب فرماتا ہے **مایفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم** اگر تم شکر گذار رہو تو رب تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔ وہ تمہارا رب ہے۔ دشمن نہیں۔ **دوسرا فائدہ:** جسے نبی کے دروازے سے ہدایت نہ ملے اسے کہیں سے نہیں مل سکتی۔ دیکھو دنیاوی آفتیں ذریعہ ہدایت ہیں مگر فرعون کو ان سے ہدایت نہ ملی کیونکہ وہ جناب موسی کلیم اللہ کے دروازہ کا ٹھکرایا ہوا تھا۔ فرعونیوں نے ان آفتوں سے اور زیادہ کفر کمایا کہ انہیں موسی علیہ السلام کی وجہ سے بتایا۔ **تیسرا فائدہ:** نبی کی خدمات کفار بلکہ جانوروں کو بھی فائدہ دے دیتی ہے۔ یہ فائدہ **ولقداخذنا** سے حاصل ہوا کہ فرعون کو یہ ڈھیل اور اولا مصیبتیں بھیجی گئی کہ وہ ایمان لائے یہ رعایت اس لئے ملی کہ اس نے حضرت موسی کلیم اللہ کو دوست کما تھا۔ ابولہب نے حضور انور کی ولادت کی خوشی کی تو سوموار کے دن اس کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے اور انگلی سے اسے پانی ملتا ہے۔ ہدہد جانور مگر حضرت ابراہیم کا خدمت گار ہے تو وہ بڑا مبارک جانور مانا گیا۔ حضرت سلیمان کا خاص درباری ہوا اور اس کے ذریعہ ملکہ بلقیس بلکہ سارے یمن کو ایمان ملا۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالی کے مقبول بندوں یونہی نیک اعمال کو منحوس جاننا کفار کا کام ہے۔ ہمارے گناہ منحوس ہیں وہ حضرات تو مبارک ہیں۔ عیسی علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ **وجعلنی مبرکا این ماکنت** بلکہ ان سے نسبت رکھنے والی چیزیں برکت والی ہوتی ہیں۔ انہیں تبرک کما جاتا ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص یا زمزم کا پانی۔ یہ فائدہ **یطیروابموسی** سے حاصل ہوا۔ یہود مدینہ نے بھی ایک بار کہا تھا کہ جب سے مکہ معظمہ سے مسلمان مدینہ آئے مدینہ والوں پر آفات قحط سالیاں آگئیں۔ یہ وہی طریقہ ہے فرعونی۔ **مسئلہ:** اللہ تعالی برکت والا تبرک اللہ رب العلمین اس کے خاص بندے مبارک **وجعلنی مبرکا** جس چیز کو مبارک بڑے سے نسبت ہو وہ مبارک **انا انزلنہ فی لیلتہ مبرکتہ** **مسئلہ:** اگر کسی مبارک چیز میں منحوس چیزیں شامل کر دی جاویں تو اس سے ان کی برکت میں فرق نہ آوے گا۔ سونا یا موتی کیچڑ میں لتھڑ جاوے تو سونا ہی ہے۔ حضور انور نے اسی کعبہ اور صفا و مروہ کا طواف فرمایا جس میں بت رکھے ہوئے تھے۔ مبارک چیزوں مبارک بندوں کو منحوس کہنا طریقہ فرعونی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** دنیاوی راحت و آرام کو اپنی کوششوں کا نتیجہ سمجھنا طریقہ کفار ہے۔ یہ فائدہ **لناھذہ** سے حاصل ہوا۔ انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ راحت و آرام کو رب کا فضل سمجھے۔ تکالیف و مصیبتوں کو اپنے گناہوں کا نتیجہ جانے۔ **چھٹا فائدہ:** ان آیات سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ مذکورہ عذاب فرعونیوں پر مسلسل نہیں آئے بلکہ کبھی وہ ان میں مبتلا ہوتے تھے اور کبھی

چھوڑ دیئے جاتے تھے تاکہ وہ ان آفتوں کے آنے جانے پر غور کر کے توبہ کرلیں۔ یہ فائدہ **فاذا جاءتهم الحسنة** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** ایک ساعت کی فکر برسوں کے ذکر سے افضل ہے۔ فکر بہت طرح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد۔ حضور کی نعت' اپنے گناہوں میں غور رب کے انعام و کرام میں تفکر سب ہی اس میں داخل ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** جسمانی ہمراہی کے لئے ضروری ہے کہ وقت اور جگہ میں ہمراہی ہو مگر روحانی ہمراہی میں قیدیں نہیں۔ تاقیامت مسلمان حضور کے ساتھ ہیں **والذين معه** یہ فائدہ **ومن معه** سے حاصل ہوا کہ رب نے فرعون کو حضرت موسیٰ کا ساتھی نہ کہا اگرچہ وہ عرصہ تک حضرت موسیٰ کے ساتھ رہا۔ مومنین کو ان کا ساتھی فرمایا۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ہم نے آل فرعون کو قحط سالیوں وغیرہ سے پکڑا حالانکہ مصر میں اسرائیلی بھی تھے اور موسیٰ و ہارون علیہم السلام بھی۔ نبی اور مومنین کے ہوتے بستی پر عذاب نہیں آیا کرتے پھر ان حضرات کے ہوتے قبطیوں پر یہ عذاب کیوں آگئے۔ **جواب:** یہ قانون غیبی مہلک عذابوں کے لئے ہے' یہ عذابات مہلک نہ تھے بلکہ تکلیف دہ تھے' وہ بھی اسباب کے ماتحت تھے ہاں جب غرق فرعون کا وقت آیا تو حضرت موسیٰ و ہارون و مومنین کو قبطیوں سے الگ کر دیا گیا۔ **دوسرا اعتراض:** جب مصر میں قحط سالی کی بلا آئی تو بنی اسرائیل بھی اس بلا میں مبتلا ہو گئے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا کہ ہم نے آل فرعون کو قحط سے پکڑا وہ تو سب ہی پکڑے گئے۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس زمانہ قحط میں بنی اسرائیل کو ذکر اللہ غذا کا کام دیتا تھا۔ انہیں اس ذکر کی برکت سے قحط کی تکلیف محسوس نہ ہوتی تھی جیسے خروج دجال کے وقت مومنوں کے جانور' کھیتیاں' مال متاع' تباہ ہو جائے گا مگر ذکر اللہ ان کی غذا ہو گا۔ دوسرے یہ کہ اگر بنی اسرائیل کو قحط سے تکلیف ہوئی بھی ہو تو وہ ان کے لئے عذاب نہیں بلکہ ان کے لئے بلندی درجات کا ذریعہ تھی۔ تکلیف اور چیز ہے' رب تعالیٰ کی پکڑ کچھ اور۔ جیسے بچوں کا ذبح' اس آفت میں اسرائیلی گرفتار تھے مگر عذاب میں گرفتار نہ تھے۔ ان کی آزمائش تھی۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قحط وغیرہ سے صرف فرعون کی اولاد یا اس کے گھر والے ہی پکڑے گئے کہ فرمایا **ولقد اخذنا ال فرعون** تو کیا باقی کفار اس سے بچے رہے۔ **جواب:** یہاں **آل** ' بمعنی اولاد یا ' بمعنی اہل خانہ نہیں بلکہ ' بمعنی متبعین ہے یعنی سارے قبطی کفار۔ رب فرماتا ہے **واذ نجينكم من ال فرعون** ہم کہتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہاں بھی آل ' بمعنی امت ہے نہ کہ صرف اولاد یا ازواج۔ اس لئے **اولادہ وزوجه** نہیں آتا **الہ** آتا ہے۔
چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **انما طائرهم عند الله** ان کی نحوست رب تعالیٰ کے ہاں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ بعض چیزیں منحوس ہیں مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں کوئی چیز منحوس نہیں۔ آیت و حدیث میں تعارض ہے۔
جواب: حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کو کفار منحوس سمجھتے ہیں جیسے بعض جانور یا کانا آدمی یا الو وغیرہ۔ ان میں کوئی چیز منحوس نہیں ہے۔ کفر' شرک' اپنے بد اعمال یقیناً" منحوس ہیں بلکہ کفار کا زمانہ اور عذاب کا زمانہ تک منحوس ہے۔ رب فرماتا ہے **في يوم نحس مستمر مسئلہ:** اسلام میں نیک فال لینا جائز ہے۔ بد فالی بد شگونی لینا حرام ہے۔ نیک فال یہ ہے کہ ہم کسی کام کو جا رہے ہیں۔ کسی نے پکارا او' رشید' او سعید۔ ہم نے خیال کیا کہ اچھا نام سنا ہے انشاء اللہ کامیابی ہے۔ حضور ﷺ نے بارش کی نماز کے موقعہ پر اپنی چادر الٹ کر اوڑھی تاکہ یہ بارش کی فال ہو۔ حضور انور نے برے نام رکھنے سے منع فرمایا کہ برے

نام میں برکت نہیں ہوتی۔ **حکایت**: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا۔ آپ نے پوچھا۔ تیرا نام کیا ہے۔ بولا جمرہ (انگارہ) فرمایا تیرے باپ کا نام کیا ہے بولا شہاب (شعلہ) فرمایا تیرا قبیلہ کون سا ہے بولا حرقہ۔ فرمایا تیری بودوباش کہاں ہے بولا حرہ میں فرمایا جا تیرے گھر میں آگ لگ چکی ہے اس نے جاکر دیکھا تو واقعی آگ لگ چکی تھی۔ **حکایت**: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کسی کام کے لئے بلایا۔ جب وہ آیا تو اس کا نام پوچھا وہ بولا ظالم ابن سرق۔ فرمایا تو ظلم کرتا ہے تیرا باپ چوری۔ ہم تجھ سے کام نہیں کرائیں گے۔ حضور انور برے نام اچھے ناموں سے تبدیل کردیتے تھے۔ فرماتے ہیں بیمار نہ بنو ورنہ بیمار ہو جاؤ گے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ رنجوری بلاغ
رنج آرد تا بمیرد چوں چراغ

اس کی بحث۔ تفسیر روح البیان میں دیکھو۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت میں کیوں ارشاد ہوا کہ **اکثرھم لایعلمون** اکثر فرعونی یہ نہیں جانتے تھے۔ **جواب**: اس لئے کہ بعض فرعونی لوگ درپردہ ایمان لاچکے تھے وہ جانتے تھے کہ یہ مصیبتیں خود فرعونیوں کی بد عملیوں کا نتیجہ ہیں مگر وہ اکثر کفار ہی تھے اس لئے **اکثرھم** فرمایا گیا یا اکثر اس لئے فرمایا کہ عموماً لوگ دنیاوی آفات کو ظاہری اسباب کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ اپنے گناہوں کی طرف نسبت نہیں کرتے۔ ہوا لگی تو نزلہ ہو گیا نزلہ سے بخار آگیا یہ نہیں کہتے کہ مجھے میرے گناہوں کی شامت سے بخار آگیا۔ (تفسیر خازن وغیرہ)۔

تفسیر صوفیانہ: خدا رسی کے لئے بہت سواریاں ہیں۔ خدا کا خوف، نبی کی محبت، دنیاوی بلیات یہاں کے عیش و آرام، مخلوق میں غور و فکر وغیرہ مگر آخری تین سواریاں اگر سیدھی چلیں تو رب تک پہنچادیں، اگر ٹیڑھی چلیں تو دوزخ تک، تکالیف میں صبر، آرام میں شکر، مخلوق میں یہ فکر کہ ان کو کس نے پیدا فرمایا، کیسے پیدا کیا، ان کا بنانے والا بڑا ہی کارساز ہے وغیرہ وغیرہ رب تک پہنچاتے ہیں لیکن تکالیف میں بے صبری، آرام میں عیش پرستی، مخلوق کو خالق مان لینا یہ دوزخ کا راستہ ہے۔ رب تعالیٰ نے فرعونیوں کو آفات و بلیات کی سواریاں اپنے تک پہنچنے کے لئے دیں۔ فرمایا **لعلھم یذکرون** اس سے پہلے انہیں عیش و آرام کی سواری بھی اس لئے عطا ہوئی مگر انہوں نے ان سواریوں کو غلط استعمال کیا کہ راحتوں کو اپنا کمال سمجھا اور مصیبتوں کو مومنین، صالحین کا وبال جانا۔ اس لئے یہ سواریاں انہیں دوزخ میں لے گئیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ فال اور طیرہ دونوں میں علامات کے ذریعہ (انجام) کا پتہ لگایا جاتا ہے مگر طیرہ (بدشگونی) حرام ہے اور فال حلال بلکہ سنت کیونکہ حیوانی روح سے انسانی روح قوی تر ہے۔ انسان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ انجام کا پتہ دے سکتے ہیں۔ جانور اور ان کی بولیاں، ان کی حرکتیں انجام کا پتہ نہیں دیتیں پھر انسانوں میں جو باکمال انسان ہیں، ان کی ذات اور حالات، ان کی طرف منسوب چیزیں برکت والی ہیں۔ ان سے نیک فال لینا بہت ہی اچھا ہے۔ (از روح) بعض لوگ کہتے ہیں کہ جانور غراب (کوا) اچھا نہیں کہ اس نے نوح علیہ السلام کی نافرمانی کی۔ آپ نے اسے کشتی میں حکم دیا کہ اڑتا ہوا ابھا پانی کا پتہ لگا۔ وہ گیا پھر لوٹ کر نہ آیا۔ اس کا نام اچھا نہیں۔ اسی سے ہے غربت، اس سے ہے غراب البین وغیرہ (روح) حدیث پاک میں ہے کہ گرگٹ کو جہاں پاؤ مار دو کہ یہ دشمن ابراہیم علیہ السلام ہے کہ نمرود کی آگ کو پھونکیں مارتا تھا تاکہ روشنی ہو جاوے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے مقبول بندے مبارک اور جس وقت یا جگہ یا چیز کو ان

سے نسبت ہو جاوے۔وہ مبارک۔ حتی کہ ان کی فاتحہ کی شیرینی تبرک ہے اور مردود بندے منحوس مجیز گویا جس جگہ اور روقت کو ان سے نسبت ہو جاوے وہ منحوس۔ قوم ثمود کی زمین اُن کا کنواں منحوس ہے۔اس کی صدہا مثالیں ہیں۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ مقبول بندوں کے خلاف کفار کی بکواس کا جواب خود رب تعالیٰ دیتا ہے۔دیکھو فرعونیوں نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو منحوس کہا تو رب تعالیٰ نے ان کا خود جواب دیا۔ **الا طٰئرھم عند اللہ** دیکھو حضور انور سے ابولہب نے کہا تھا تیرا ہاتھ ٹوٹے تو رب نے جواب دیا۔ **تبت یدا ابی لھب** ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جاویں۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ

اور کہا انہوں نے جو لاؤ گے تم ہمارے پاس کوئی نشانی تاکہ جادو کردو تم ہم پر اس کے ذریعہ پس نہیں ہیں ہم تم

اور بولے وہ تم کیسی بھی نشانی لے کر ہمارے پاس آؤ کہ ہم پر اس سے جادو کردو ہم کسی طرح تم پر

بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ

پر ایمان لانے والے پس بھیجا ہم نے اوپر ان کے سیلاب اور ٹڈیں اور جوئیں اور

ایمان لانے والے نہیں تو بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور گھن (یا کلنی یا جوئیں)

وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا

مینڈک اور خون نشانیاں تفصیل کی ہوئی پس غرور کیا انہوں نے اور تھے وہ

اور مینڈک اور خون جدا جدا نشانیاں تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ

قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

قوم قصور کرنے والی.

مجرم قوم تھی۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں فرعونیوں پر دو آفتوں کے نزول کا ذکر ہو اتھا۔ انوں کا قحط پھلوں کی کمی اور ساتھ ہی ان کی ایک ہٹ دھرمی کا تذکرہ ہوا یعنی موسیٰ علیہ السلام کی طرف نحوست کو منسوب کرنا۔ اب ان کی دوسری ہٹ دھرمی کا ذکر ہے یعنی ان عذابوں کو موسیٰ علیہ السلام کا جادو کہنا اور اپنے کفر پر قائم رہنے کا اعلان کرنا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرعونیوں پر معمولی عذابوں کا ذکر ہوا قحط سالی' پھلوں میں کمی اب اس سے سخت تر عذابوں کا ذکر ہے یعنی طوفان' ٹڈی' خون وغیرہ کا عذاب گویا معمولی جھڑک کے بعد کچھ کڑی پکڑ کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ان عذابوں کا تذکرہ ہوا جنہیں فرعونی اتفاقی حادثات کہہ سکتے ہیں کہ قحط سالی' پھلوں میں کمی' بارش کی کمی یا

ناموافق ہوا' زمین کی کمزوری سے ہوئی۔ اب ان غیبی عذابوں کا ذکر ہے جن کو کسی حادثہ کی طرف نسبت نہیں کر سکتے یعنی جوں' خون' مینڈک وغیرہ کا عذاب۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں انہی تکالیف کا ذکر ہوا جن کا اثر بنی اسرائیل پر بھی پڑجاتا تھا یعنی قحط سالی' پھلوں کی کمی۔ اب ان عذابوں کا ذکر ہے جو خالص فرعونیوں پر وبال بنا تھا' اسرائیلی بالکل محفوظ رہے۔ خون' جوں' مینڈک وغیرہ۔

تفسیر: وقالوا مهما تاتنا به من آیته یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ۔ یا یہ معطوف ہے **یطیروا** پر اور واؤ عاطفہ ہے۔ **قالوا** کا فاعل فرعون اور فرعونی لوگ ہیں۔ **مهما** اسم شرط ہے مبتداء ہے اور اگلا مضمون شرط و جزاء ہو کر اس کی خبر۔ **مهما** کے دو معنی ہیں جب بھی اور جو کچھ یہاں بمعنی جو کچھ ہے کیونکہ اس کی تفسیر میں **من ایته** ارشاد ہوا۔ **مهما** کے متعلق تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ایک مستقل لفظ ہے کسی سے بنا نہیں ہے۔ عموم کی زیادتی بیان کرنے کے لئے آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ بنا ہے مہ اور ما سے۔ مہ اسم فعل ہے بمعنی ٹھہرو اور ما شرطیہ ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ اصل میں ما ما تھا۔ درمیان والے الف کو ہ بنا دیا گیا۔ پہلا ما شرطیہ ہے۔ دوسرا ابہام و عموم کے لئے۔ عربی شعراء نے بمعنی جب بھی استعمال کیا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

و انک مهما تعط بطنک سؤله
و فرجک تالا منتهی الرم اجمعا (معانی)

اس لئے منطقی لوگ اسے بمعنی کلما موجبہ کلیہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ **تاتنا** میں خطاب موسیٰ علیہ السلام سے ہے۔ **من ایته مهما** کا بیان ہے اس قحط اور پھلوں کی کمی کو آیت یا معجزہ کہنا ان کی طرف سے بطور مذاق و دل لگی تھا۔ فرعونی لوگ اسے معجزہ مانتے ہی نہ تھے وہ تو اسے اتفاقیات کہتے تھے یا موسیٰ علیہ السلام کا جادو آیت سے مراد یا موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا ہے یا مذکورہ قحط سالی اور پھلوں کی کمی یا دونوں چیزیں۔ **لتسحرنا بها** یہ عبارت تاتنا سے متعلق ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **به** اور **بها** دونوں ضمیروں کا مرجع مھما ہے چونکہ مھما لفظاً مذکر ہے معنی مونث' اس لئے مذکر و مونث دونوں ضمیریں اس کے لئے آگئیں بعض نے فرمایا کہ **به** مھما کی طرف لوٹتی ہے **اور بها** آیت کی جانب یعنی فرعونیوں نے عصا' ید بیضا' قحط سالی' پھلوں کی کمی دیکھ کر کہا کہ موسیٰ علیہ السلام آپ جو بھی معجزہ ہمارے پاس لائیں گے تاکہ اس کے ذریعہ ہم پر جادو کر دیں اور ہم کو اپنا امتی مومن بنائیں تو **فما نحن لک بمؤمنین** یہ عبارت مھما کی خبر ہے اس کی ف جزائیہ ہے۔ **لک** کا تعلق مومنین سے ہے یعنی ہم تو آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم آپ کو نبی نہیں مانیں گے۔ ہم آپ کی تصدیق نہیں کریں گے کیونکہ ہم اپنے کفر میں بڑے پختہ ہیں اس پر موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں ان پر یہ دعا فرمائی جس سے وہ پانچ عذاب ان لوگوں پر آئے

معنی گھومنا، چکر لگانا، پھیرنا اسی سے ہے طواف۔ رب فرماتا ہے **فطاف علیہا طائف من ربک وھم نائمون** الف نون زائد ہیں جیسے غفران، قرآن اور فرقان ہیں پانی کی طغیانی کو اسی لئے طوفان کہتے ہیں کہ وہ شہروں اور بستیوں کو گھیر لیتا ہے یہاں طوفان سے مراد یا تو سیلاب ہے زیادہ بارش کی وجہ سے یا دریا چڑھ آنے کی وجہ سے یا اس سے مراد طاعون ہے یا چیچک کی وبا حضرت عائشہ صدیقہ نے اس کی تفسیر موت سے کی۔ فرماتی ہیں کہ بمعنی زبان میں طوفان موت کو کہتے ہیں۔ ابو قلابہ نے چیچک سے تفسیر کی۔ طاعون اور چیچک پہلے فرعونیوں پر ہی آئی۔ اس سے پہلے دنیا والے اسے جانتے بھی نہ تھے مگر قوی یہ ہے کہ پانی کا طوفان ہے کیونکہ روایات میں ہے کہ پانی فرعونیوں کے کھیتوں، باغوں، گھروں میں کھڑا ہو گیا جو کھڑے آدمی کے منہ تک پہنچتا تھا جو بیٹھتا یا لیٹتا تھا وہ ڈوب جاتا تھا اس لئے وہ برابر سات دن تک کھڑے رہے پھر عجیب بات یہ تھی کہ ہر پست قد اور دراز قد کے منہ تک پانی تھا۔ اسرائیلیوں کے مکان بالکل صاف اور خشک تھے۔ ان پر یہ عذاب سات دن رہا۔ ہفتہ کے دن سے ہفتہ تک۔ **والجراد** یہ معطوف ہے **الطوفان** پر۔ **ارسلنا** کا مفعول ہے عربی میں **جراد** بمعنی ٹڈی ہے جسے پنجابی میں مکڑی کہتے ہیں۔ جراد جمع، جرادۃ واحد یہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ بحری (دریائی) بری (خشکی) کی اس کا نر پیلا ہوتا ہے مادہ کالی۔ یہ حلال ہے اس کے ذبح کی ضرورت نہیں۔ کھیتوں کو سب سے زیادہ نقصان یہی پہنچاتی ہے یہ جانور بہت بیماریوں کا علاج ہے جس کا پیشاب بند ہو جاوے وہ بڑی ٹڈی کی دھونی لے۔ انشاء اللہ پیشاب کھل جاوے گا اگر بارہ ٹڈیاں لے کر ان کے سر اور پر علیحدہ کر دیئے جاویں اس پر تھوڑی سی آس گھاس ملائی جاوے پھر اسے پیا جاوے تو استسقاء کی بیماری جاتی رہتی ہے۔ بحری مکڑی کا گوشت جزام کے لئے مفید ہے (روح البیان) اللہ تعالٰی کی بڑی مخلوق مکڑی ہے۔ **والقمل** ہماری قراءت میں قمل قاف کے پیش اور میم کے شد سے ہے۔ ایک قراءۃ میں قمل ق کے فتح اور میم کے سکون سے ہے (روح المعانی) بمعنی گھن (سسری) جو گندم وغیرہ کو لگ کر اسے برباد کر دیتی ہے۔ مفسرین نے قمل کی تین تفسیریں کی ہیں۔ گھن، چچڑی، (کلینی) جو جانوروں کے خصوصاً گائے بھینس کے جسم سے چمٹی ہوئی اس کا خون چوستی رہتی ہے۔ جوں، خواہ کپڑوں کی جوں ہو، خواہ سر کے بالوں کی، چچڑی کی قوت سامعہ بہت ہی قوی ہوتی ہے۔ وہ ایک دن کی راہ سے اونٹ کی پاؤں کی آہٹ سن لیتی ہے اس تک پہنچ کر اسے چمٹ جاتی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ قمل کھیت تباہ کرنے والے کیڑے (روح البیان) عام مفسرین نے اس کے معنی جوں کئے۔ جوں کی چند خصوصیات یاد رکھو۔ 1۔ اسے پکڑ کر زندہ چھوڑ دینا حافظہ کمزور کرتا ہے یہاں شامی نے فرمایا کہ ترش سیب کھانا، چوہے کا جھوٹا کھانا، جوں زندہ چھوڑ دینا نسیان پیدا کرتا ہے 2۔ حاملہ عورت کے متعلق اگر معلوم کرنا ہو کہ پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی تو جوں پر اس عورت کے دودھ کا قطرہ ٹپکا کر کسی انسان کی ہتھیلی میں رکھو اگر جوں اس دودھ سے نکل جائے تو لڑکی ہے اگر نہ نکل سکے تو لڑکا۔ 3۔ جس کا پیشاب بند ہو گیا ہو تو اس کے بدن کی جوں پیشاب کی نالی میں ڈالو۔ انشاء اللہ پیشاب آ جاوے گا۔ 4۔ ریشمی کپڑے میں جوں نہیں پڑتی اس لئے خارش کی بیماری اور جوں کی زیادتی میں مرد کو ریشم پہننا جائز ہے۔ حضور انور نے عبدالرحمن بن عوف اور زبیر ابن عوام کو جوں کی شکایت پر ریشم پہننے کی اجازت دی تھی۔ 5۔ حضور انور کے جسم و لباس پر مکھی کبھی نہ بیٹھی۔ آپ کو جوں نے کبھی تکلیف نہ دی۔ 6۔ جس کا خون خراب ہو اس کے کپڑوں، بدن میں جوں نہیں پڑتی۔ جذامی یا جسے جذام ہونے والا ہو اسے جوں نہیں پڑے گی **والضفادع** یہ معطوف ہے القمل پر۔ ضفدع جمع ہے ضفادع کی۔ بمعنی مینڈک۔ نر مینڈک کو

ضفدع کہتے ہیں مادہ مینڈکی کو ضفدعہ۔ مینڈک بہت قسم کے ہوتے ہیں بعض خشکی کے ہیں بعض تری کے۔ بعض بالکل خاموش ' بعض بولنے والے، جو بولتے ہیں ان کی آواز ان کے کانوں کے نیچے سے نکلتی ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ مینڈک اللہ تعالیٰ کا بہت ہی ذکر کرتا ہے۔ اس کی تسبیح سبحان الملک القدوس ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ مینڈک کو نہ مارو کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتش نمرود بجھانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ مینڈک میں عجیب کرشمے ہیں۔ 1۔ اگر کوئی عورت دریائی مینڈک کا منہ چیر کر اس میں تین بار تھوک دے پھر اسے پانی میں پھینک دے تو اسے پھر حمل قائم نہ ہو گا۔ 2۔ اگر مینڈک کا خون کسی عضو پر لیپ کر دیا جائے تو وہاں بال نہ اگیں گے 3۔ اگر کسی باغ یا گھر میں مینڈک بہت شور مچاتے ہوں تو وہاں پانی کی سطح پر طشت اوندھا کر کے رکھ دیا جاوے تو چپ ہو جائیں گے۔ دیکھو تفسیر روح البیان۔ مینڈک کا تیل قوت باہ کے لئے مفید ہے۔ **والدم** یہ معطوف ہے الضفادع پر۔ یہ فرعونیوں پر پانچواں عذاب تھا کہ ان کی ہر چیز میں بالکل تازہ خون بھر گیا ان پانچوں عذابوں کی تفصیل ابھی انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں آوے گی۔ **ایت مفصلت** یہ مذکورہ پانچوں چیزوں کا حال ہے۔ آیات جمع ہے آیت کی، معنی نشانی (معجزہ) یعنی یہ پانچوں عذاب فرعونیوں کے لئے ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں۔ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو مفصلات فرما کر یہ بتایا کہ یہ پانچوں عذاب ان پر یک دم نہیں آئے بلکہ آگے پیچھے اور کچھ فاصلے سے آئے۔ اس میں گفتگو ہے کہ ان میں فاصلہ کتنا ہوتا تھا (تفسیر خازن و روح البیان) نے فرمایا کہ ہر دو عذاب کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ ہوتا تھا۔ عذاب سات دن رہتا تھا پھر سکون ایک ماہ مگر تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ یہ پانچوں عذاب دس سال میں آئے۔ احمد نے کتاب الزہد میں نوف شامی سے روایت کی کہ بیس سال میں یہ عذاب دکھائے گئے۔ بہرحال یہ عذاب نہ تو یک دم آئے نہ مسلسل بلکہ فاصلوں سے۔ **فاستکبروا** اس فرمان عالی میں ان عذابوں کے نتیجہ کا ذکر ہے کہ وہ لوگ ایسے سرکش تھے کہ ان عذابوں میں مبتلا ہو کر بھی ایمان نہ لائے ' موسیٰ علیہ السلام کے آگے نہ جھکے چنانچہ ہر عذاب کے موقعہ پر فرعون موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کرتا تھا کہ اگر اب کے عذاب دفع ہو گیا تو ہم ایمان قبول کر لیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دیں گے پھر جب عذاب دفع ہو جاتا تو اپنے وعدے سے پھر جاتے جیسا کہ اگلی آیت میں آ رہا ہے **وکانوا قوما مجرمین** یہ جملہ نیا ہے جس میں فرعونیوں کا حال بیان کیا گیا ہے یعنی پوری فرعونی قوم عادی مجرم و سرکش تھی اس لئے موسیٰ علیہ السلام کے وعظ ' عذاب ' معجزات سے وہ راہ راست پر نہ آئے چونکہ قوم جمع ہے اس لئے اس کی صفت مجرمین جمع آئی۔

خلاصہ تفسیر: فرعونی لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کے چار معجزے دیکھے۔ عصا ید بیضا ' فرعونیوں پر سخت قحط سالی ' پھلوں میں کمی مگر وہ ایمان نہ لائے بلکہ سرکشی سے موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ خواہ کتنے اونچے معجزات ہم کو مسحور کرنے کے لئے دکھائیں ہم اپنے دین میں ایسے پختہ ہیں کہ آپ پر ایمان ہرگز نہیں لائیں گے تب موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے رب کریم فرعون سخت سرکش ' باغی ' عنادی ہے۔ اس کی قوم نے بڑی بد عہدی کی ہے تو ان پر ایسے عذاب بھیج جو فرعونیوں کے لئے نقمۃ (سزا) بنیں ' میری قوم کے لئے عبرت " (نصیحت) اور بعد والوں کے لئے عظۃ نصیحت ہوں بس آپ کی یہ بد دعا کرنی تھی کہ سب سے پہلے ان پر پانی کا عذاب (طوفان) آیا جو فرعونیوں کے گھروں میں قریباً قد آدم بھر گیا ' کھیتوں ' باغوں میں کھڑا ہو گیا ہر چھوٹے بڑے فرعونی کے گلے گلے پہنچ گیا شنبہ سے شنبہ تک رہا۔ کوئی فرعونی بیٹھ نہ سکا جو بیٹھا یا نیند میں جھونکا کھا کر گرا ڈوب

گیامگر لطف یہ تھا کہ اسرائیلیوں کے گھر بالکل محفوظ تھے آخر فرعونی اور فرعونیوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہت خوشامد کی' ایمان لانے' قوم اسرائیل کو آزاد کرنے کا مضبوط وعدہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ طوفان دفع ہوا۔ اللہ کی شان کہ پانی خشک ہونے کے بعد ان کے باغوں میں پھل' کھیتوں میں دانے پہلے سے کہیں زیادہ پیدا ہوئے تو بولے کہ یہ عذاب نہ تھا بلکہ یہ رحمت تھی اس نے ہمارے باغوں' کھیتوں میں کھاد کا کام دیا۔ ہم تو ایمان نہیں لاتے۔ ایک ماہ' یا ایک سال' یا کچھ کم و بیش آرام سے رہے پھر ان پر ٹڈیوں کا عذاب بھیجا گیا۔ پہلے ٹڈیاں ان پر بادل کی طرح چھا گئیں۔ دھوپ ختم ہو گئی پھر سارے مصر و علاقہ مصر پر گریں تو ایک گز اونچا فرش لگ گیا۔ کھیتیاں' باغات' مکانوں کے کواڑ بلکہ مکانوں کی چھتیں' فرعونیوں کے کپڑے بلکہ ان کے سارے سامان حتیٰ کہ کواڑوں وغیرہ کی کیلیں بھی کھا گئیں مگر بنی اسرائیل ان سے بالکل محفوظ رہے آخر کار فرعونی لوگ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پھر عاجزی کرنے آئے۔ ایمان تقویٰ اختیار اور ظلم ختم کر دینے کا وعدہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام جنگل میں تشریف لے گئے۔ عصا شریف سے چو طرفہ اشارہ کیا فوراً" ٹڈیاں چو طرفہ پھٹ گئیں جہاں سے آئی تھیں وہاں چلی گئیں۔ سارا علاقہ صاف ہو گیا جب فرعونی لوگ اپنے کھیتوں باغوں میں پہنچے تو دیکھا کہ قدرے دانہ اور پھل باقی ہے تو بولے یہ بقیہ پھل دانہ ہم کو کافی ہیں ہم ایمان نہیں لاتے' پہلے سے بھی زیادہ سرکش اور بد عمل ہو گئے۔ یہ عذاب بھی ایک ہفتہ رہا تھا۔ ایک ماہ یا ایک سال یا کچھ کم و بیش آرام سے رہے پھر رب تعالیٰ نے ان پر جوؤں کا عذاب بھیجا تو برا حال ہو گیا اس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام ایک ریت کے ٹیلہ پر گئے وہاں عصا مارا تو ریت کے ذرے جوؤں کی شکل میں تبدیل ہو کر فرعونیوں میں پھیل گئے ان کے کھیت' باغات' فرعونیوں کے بال کھال سب کچھ چاٹ گئے اگر فرعونی کرتہ جھاڑتا تو دو چار سیر جوئیں جھڑ پڑتیں اور پھر اتنی کی اتنی ہی رہتیں فرعونیوں کے سر مونچھیں بھوؤں' ہاتھ' پاؤں کے بال تک چٹ گئیں۔ کھانا پکاتے وقت دیگچی جوؤں سے بھر جاتی' آٹا جوؤں سے پر ہو جاتا۔ یہ عذاب بھی سات دن رہا مگر اسرائیلی محفوظ رہے آخر کار فرعونی چیخ پڑے۔ موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں عاجزی کرتے ہوئے حاضر ہوئے روئے' تڑپے' چلائے۔ ایمان و تقویٰ کا وعدہ کیا آخر کار موسیٰ علیہ السلام کو رحم آ گیا۔ دعا فرمائی اس عذاب سے نجات پائی۔ نجات پاتے ہی بولے کہ واقعی موسیٰ علیہ السلام بڑے جادوگر ہیں کہ انہوں نے عصا سے ریت کے ذروں کو جوئیں بنا دیا۔ ایمان نہ لائے' پہلے سے بھی زیادہ خبیث بن گئے۔ ایک ماہ یا ایک سال آرام سے گزرے کہ ان پر مینڈکوں کا عذاب آ گیا۔ فرعونیوں کے گھروں' کنوؤں' کھانا' پانی میں مینڈک ہی مینڈک تھے جہاں فرعونی بیٹھتا' اس کے چو طرفہ ایک ایک گز اونچے مینڈک ہوتے۔ بات کرنے کے لئے منہ کھولتا تو مینڈک اس کے منہ میں داخل ہو جاتا۔ کھانے کے لئے منہ کھولتا تو لقمہ پیچھے مینڈک پہلے منہ میں پہنچ جاتا۔ پکتی ہانڈیوں' پانی سے بھرے گھروں میں مینڈک ہی مینڈک تھے آخر کار فرعونی پھر موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں روتے پیٹتے' آہ و زاری کرتے حاضر ہوئے بولے اے موسیٰ! اس بار تو ہم مر گئے۔ دعا کر کہ یہ عذاب دفع ہو آپ نے دعا کی تو رب نے ایک غیبی ہوا بھیجی جس نے سارے مینڈکوں کو دریا میں پھینک دیا۔ عذاب دور ہوتے ہی پھر اپنے وعدے سے پھر گئے۔ پہلے سے زیادہ خبیث ہو گئے۔ ایک ماہ یا ایک سال بعد آخری پانچواں عذاب خون کا آیا۔ یہ پچھلے سب عذابوں سے سخت تھا اولاً" دریائے نیل کا پانی تازہ خالص خون بنا پھر کنوؤں' گھروں' لوٹے' گلاس کا پانی خون بنا پھر ہانڈی کا شوربا خون اب فرعونی پیاسے مرنے لگے تو درختوں کے پتے چباتے تاکہ ان کے رس سے پیاس بجھائیں مگر ان سے بھی خون ہی نکلا۔

اسرائیلی اس عذاب سے بالکل محفوظ تھے۔ فرعون نے حکم دیا کہ ایک پلیٹ میں قبطی اور اسرائیلی ایک ساتھ کھانا کھائیں تو یہ حالت ہوئی کہ قبطی کی جانب خون اور سبطی کی طرف شوربا پھر فرعون نے حکم دیا کہ سبطی یعنی اسرائیلی اپنے منہ میں پانی شوربا لے کر قبطی کے منہ میں اس کی کلی کردے تب یہ معلوم ہوا کہ اسرائیلی کے منہ میں پانی یا شوربا اور قبطی کے منہ میں پہنچتے ہی خون ہوتا تھا۔ اللہ نے قبطیوں کو اتنا ذلیل کیا کہ ان کے منہ میں اسرائیلیوں سے کلی کرادی اس سے پہلے وہ اسرائیلیوں کے ساتھ کھانا تو کیا ان کو اپنے ساتھ بٹھانا بھی گوارا نہیں کرتے تھے مگر تھے بد نصیب اس لئے ان کی آنکھیں ان سے بھی نہ کھلیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جس کے دل میں نبی کی عظمت نہ ہو اسے کوئی چیز حتی کہ عذاب الٰہی بھی ایمان نہیں دے سکتے۔ یہ فائدہ **فمانحن لک بمؤمنین** فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو فرعون اور فرعونی لوگ اتنے معجزات عذاب دیکھ کر ایمان نہ لائے کیونکہ ان کو موسیٰ علیہ السلام سے عقیدت نہ تھی جب رب تعالیٰ ایمان کی توفیق کسی کو دیتا ہے تو پہلے اس کے دل میں پیغمبر کا وقار پیدا کرتا ہے۔ نبی کے وقار سے خدا تعالیٰ کی ہیبت ' ایمانیات ' وقعت دل میں جاگزیں ہوتی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** کفر و شرک کا اصل سبب نبی کا مقام نہ پہچاننا ہے' نبی اور جادوگر میں' معجزے اور جادو میں فرق نہ کرنا ہے۔ یہ فائدہ **لتسحرنابها** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** یہ مذکورہ پانچ عذاب صرف فرعونیوں پر آئے تھے۔ بنی اسرائیل ان سے محفوظ رہے تھے۔ یہ فائدہ **فارسلنا علیہم** میں **علیہم** فرمانے سے حاصل ہوا البتہ یہ چیزیں فرعونیوں پر عذاب بھی تھیں اور قبطیوں ' سبطیوں کے لئے معجزات موسوی بھی۔ اس لئے رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی تعداد نو فرمائی ہے کہ ارشاد فرمایا **ولقد اتینا موسی تسع ایت بینت** دو عصا و ید بیضا۔ دانوں کا قحط ' پھلوں کی سخت کمی اور پانچ عذاب جو اس آیتہ میں مذکور ہیں نیز یہاں انہیں آیات فرمایا گیا کہ فرمایا **ایت مفصلت**۔ **چوتھا فائدہ:** فرعون بدترین کافر و ظالم تھا مگر جتنی ڈھیل اسے دی گئی اتنی کسی قوم کو نہیں دی گئی کہ پہلے اس پر ہلکے عذاب ' قحط ' پھلوں کی کمی بھیجی گئی پھر پانچ بار میں پانچ سخت عذاب بھیجے گئے پھر بہت عرصہ کے بعد اسے ہلاک کیا گیا کیونکہ یہ موسیٰ علیہ السلام کا مربی تھا کہ آپ کو اس نے پرورش کیا تھا اس لئے اس کو بچنے کے بہت ذریعے دیئے گئے۔ دوسری ہلاک شدہ قومیں کو اتنے مواقع نہیں دیئے گئے۔ یہ فائدہ **فارسلنا علیہم الطوفان** فرمانے سے حاصل ہوا۔ نبی کی خدمت کافر کو بھی کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا دیتی ہے۔ ابوطالب نے ایمان قبول نہیں کیا مگر حضور ﷺ کی خدمت کی وجہ سے وہ دوزخ میں نہیں رہیں گے بلکہ اس سے باہر رہیں گے ان کا عذاب بھی ہلکا ہو گیا **پانچواں فائدہ:** کافر کو کوئی عبادت نفع نہیں دیتی مگر نبی کی خدمت ' نبی کی ولادت کی خوشی منانا اسے بھی کچھ نہ کچھ فائدہ دے دیتی ہے۔ ابولہب نے حضور انور کی ولادت کی خوشی منائی تو اسے بھی پیر کے دن عذاب ہلکا ہوتا ہے اور کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے۔ دیکھو بخاری شریف کتاب الرضاع۔ **چھٹا فائدہ:** فرعونیوں پر گزشتہ دو عذاب یعنی دانوں کا قحط ' پھلوں کی کمی تو ایک ساتھ آئے تھے' مگر یہ پانچ عذاب آگے پیچھے آئے کچھ فاصلہ سے یعنی لگاتار مسلسل بھی نہ آئے۔ یہ فائدہ **مفصلات** فرمانے سے حاصل ہوا کہ ان دونوں کے متعلق مفصلات نہ فرمایا مگر یہاں مفصلات ارشاد ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** فرعونیوں کے ان پانچ عذابوں میں ترتیب یہ تھی کہ پہلے ان پر طوفان آیا پھر ٹڈی دل ' پھر جوں ' پھر مینڈک ' پھر خون۔ یہ فائدہ اس آیتہ کی ترتیب بیانی سے حاصل ہوا۔ ان ہی سے ہر اگلا عذاب پچھلے عذاب سے قوی ہوتا تھا۔

آٹھواں فائدہ: جو شخص نبی کے آگے نہ جھکے گا اسے کبھی ایمان نہیں مل سکتا، اکڑ سے پکڑ ہوتی ہے۔ یہ فائدہ **فاستکبروا** سے حاصل ہوا کہ فرعونی لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آگے نہ جھکے تو کافر رہے۔ شعر

وہ ہے آنکھ ان کا جو منہ تکے وہ ہیں لب جو محو ہوں نعت کے
وہ ہے سر جو ان کے لئے جھکے وہ ہے دل جو ہو ان پہ نثار ہے

اعتراضات: **پہلا اعتراض**: فرعونی لوگ ان عذابوں کو موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ مانتے ہی نہ تھے پھر انہوں نے انہیں آیتہ کیوں کہا **مهما تاتنا بایته** **جواب**: محض مذاق اور دل لگی سے یعنی جن چیزوں کو آپ معجزہ کہتے ہیں مگر واقعہ میں جادو ہیں۔ اس لئے وہ ساتھ ہی کہتے تھے **من ایته لتسحرنا**۔ **دوسرا اعتراض**: قوم لوط و ثمود یوں ہی قوم نوح وغیرہ تو اتنے اہتمام سے ہلاک نہیں کی گئیں جس اہتمام سے فرعون کو ہلاک کیا گیا۔ اس میں فرق کی کیا وجہ ہے کہ پہلے اس پر دو عذاب ہلکے آئے، قحط وغیرہ پھر پانچ عذاب ترتیب وار، پھر بہت عرصہ کے بعد ڈبویا گیا اتنے بڑے ظالم و کافر کو ڈھیل کیوں دی گئی۔ **جواب**: اس ڈھیل کی کئی وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ 1۔ اگرچہ فرعون بدترین کافر تھا مگر اس نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی۔ آپ پر بہت مال خرچ کیا اور عرصہ تک آپ سے بہت محبت کرتا رہا۔ ان وجوہ سے اسے یہ ڈھیل ملی۔ 2۔ فرعون سخی، بہت تھا حتی کہ اس کے مطبخ میں روزانہ ایک ہزار بکرے ذبح ہوتے تھے۔ جب اس کی ہلاکت کا وقت قریب ہوا تو ہامان نے اسے خیرات بند کر دینے کا مشورہ دیا چنانچہ اس نے کم کرتے کرتے آخر کار خیرات بالکل ہی بند کر دی حتی کہ اس کے ڈوبنے کے دن اس کے باورچی خانہ میں صرف ایک بکرا ذبح ہوا تھا وہ بھی صرف اپنے گھر کے لئے۔ اتنے دن تک اسے اس کی خیرات بچائے رہی۔ 3۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ اکثر رات کی تنہائیوں میں توبہ کرتا۔ رب کی بارگاہ میں اپنی بندگی، اس کی ربوبیت کا اقرار کر لیتا تھا اس سے عارضی طور پر بچ جاتا تھا۔ رب فرماتا ہے **وما کان اللہ معذبهم وهم یستغفرون** اس کا حوالہ ابھی تفسیر میں حدیث شریف سے پیش کیا گیا۔ **تیسرا اعتراض**: ان عذابوں کو موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کیوں قرار دے دیا گیا۔ گذشتہ قوموں پر عذاب آئے مگر وہ عذاب ان کے نبیوں کے معجزات نہیں کہلائے کہ یہاں فرمایا گیا۔ **ایت مفصلت** دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **ولقد اتینا موسی تسع ایت بینت**۔ **جواب**: واقعی یہ عذابات عجائبات کا مجموعہ تھے اس لئے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کہلائے۔ خیال تو کرو کہ پانی کا طوفان مصر میں اس طرح آیا کہ قبطیوں کے گھروں میں پانی قد آدم کھڑا ہو گیا اور اسرائیلیوں کے گھر خشک، حالانکہ دونوں کے مکانات ملے جلے، رلے ملے تھے۔ ایک پلیٹ میں شوربا ہے مگر قبطی کی طرف خون اور اسرائیلی کی طرف شوربا۔ لذیذ پانی، اسرائیلی کے منہ میں پانی مگر جب اس پانی کی کلی قبطی کے منہ میں کر دے تو خون۔ مکڑیاں قبطیوں کو پریشان کریں، اسرائیلیوں کو ان کی خبر بھی نہ ہو اور موسیٰ علیہ السلام کے اشارہ پر غائب ہو جائیں۔ یہ ہیں ان کے معجزات ہونے کی وجوہ۔ یہ خبریں محض عذاب نہ تھیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف بلانے کی دعوتیں تھیں محض عذاب تو غرق فرعون کے وقت آیا۔

تفسیر صوفیانہ: اگر انسان اللہ کا غلام بن جائے تو دنیا کی چیزیں اس کی خدام ہیں ہر چیز اس کی خدمت کرتی ہے اور اگر نبی کے

آستانہ سے باغی ہو جاوے تو دنیا کی ہر چیز اس کے مقابل اللہ کا لشکر ہے وہ چاہے تو پانی کے قطروں' ٹڈی' جوں' مینڈک وغیرہ معمولی اور کمزور مخلوق کے ذریعہ بڑے سے بڑے جابر بادشاہوں کے ہوش بگاڑ دے۔ دیکھو فرعون وہ جابر شخص تھا کہ اپنے کو خدا کہتا تھا مگر جوں' ٹڈی وغیرہ کی تاب نہ لا سکا۔ انسان کو چاہئے کہ اپنی حقیقت کو پہچانے تاکہ رب کی معرفت نبی کی عظمت اس کے دل میں جاگزیں ہو کہ یہ ہی انسانی زندگی کا مقصد ہے ہم اور ہماری کمزوریاں' مجبوریاں رب تعالیٰ کا پتہ ہیں۔ **حکایت** مامون الرشید بادشاہ منبر پر خطبہ دینے اپنے کام سنانے کھڑا ہوا۔ ایک مچھر اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ مامون داہنے ہاتھ سے مارے تو وہ بائیں طرف ہو جاوے' یہ بایاں ہاتھ ہلائے تو مچھر داہنی طرف ہو جاوے۔ اسے بات کرنا مشکل ہو گئی آخر اس نے اپنی گفتگو یہ کہتے ہوئے بند کر دی کہ خدا تعالیٰ نے مچھر کیوں پیدا کیا جو اتنا پریشان کرتا ہے۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ مچھر اس لئے پیدا کیا گیا کہ تجھے اپنی حقیقت معلوم ہو جاوے۔ اس نے تجھ جیسے بادشاہ کی بولتی بند کر دی' تجھے بات نہ کرنے دی' تجھ میں رب کی معمولی مخلوق کے مقابلہ کی طاقت نہیں تو کون ہے جو اللہ یا اس کے نبی کا مقابلہ کر سکے وہاں زور نہیں چلتا زاری کام آتی ہے۔ شعر

زور را بگذار' زاری را بگیر ۔۔۔ رحم سوئے زاری آید اے فقیر

صوفیاء فرماتے ہیں کہ معجزے کا مقصد صرف ایک ہے یعنی نبی کی نبوت کا ثبوت جیسے سرکاری کام کے لئے وردی پیٹی بلہ' معجزے سے خدا تعالیٰ یا ایمان یا قوانین اسلام نہیں پہچانے جاتے۔ یہ تمام کچھ نبی سے پہچانے جاتے ہیں پھر معجزات تین طرح کے ہوتے ہیں۔ بعض وہ جو صرف دلیل نبوت ہوں' بعض وہ جو اس کے ساتھ کفار کے لئے تکلیف دہ بھی ہوں' بعض وہ جو دلیل ہونے کے ساتھ اطاعت والوں کو آرام دہ بھی ہوں۔ عصا اور ید بیضا صرف دلیل نبوت تھا۔ عصا نے نہ کسی کو کاٹا نہ ہلاک کیا یہ چھ معجزات فرعونیوں کے لئے تکلیف دہ بھی تھے۔ ہمارے حضور کے بعض معجزات کھانے پانی وغیرہ میں برکات۔ یہ دلیل نبوت بھی تھے اور مومنین کے لئے آرام دہ بھی۔ جو لوگ ان معجزات کے ذریعہ اپنا عجز و نیاز' نبی کی قدرت و طاقت پہچان لیتے ہیں وہ مومن صحابی عارف بن جاتے ہیں جو اپنی اکڑ میں رہتے ہیں وہ مردود بارگاہ ہو جاتے ہیں۔ جادوگر صرف ایک معجزہ یعنی عصا دیکھ کر اپنی کمزوری حضرت موسیٰ کی قوت جان گئے وہ سب کچھ بن گئے۔ فرعون اپنی اکڑ میں رہا مارا گیا' وہاں اکڑ پر پکڑ ہے۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ

اور جب کبھی نازل ہوتا اوپر انکے عذاب تو بولتے اے موسیٰ دعا کیجئے واسطے ہمارے رب سے اپنے اس وجہ

اور جب ان پر عذاب پڑتا ۔۔۔ کہتے اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس کا

لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾

کہ عہد کیا اس نے پاس آپکے البتہ اگر دور کر دیں آپ ہم سے یہ عذاب تو ایمان لائیں گے ہم آپ پر اور ضرور بھیجیں گے ہم ساتھ

تمہارے پاس ہے۔ بیشک اگر تم ہم سے عذاب اٹھا دو گے تو ہم ضرور تم پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُم بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ

آپکے ہی اسرائیل کو۔ پس جب دور کر دیتے ہم عذاب ان سے اس وقت تک کہ پہنچنے والے تھے وہ اس پر تو اچانک وہ پلٹ جاتے تھے

کر دیں گے۔ پھر جب ان سے عذاب اٹھا لیتے ایک مدت کیلئے جس تک انہیں پہنچنا ہے جبھی وہ پھر جاتے۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں فرعونیوں پر عذابات مذکورہ کے اسباب کا ذکر تھا فرعونیوں کی سرکشی' ان کا کفر و عناد' اب ان آیات میں مذکورہ عذابات کے دفع ہونے کے سبب کا تذکرہ ہے۔ یعنی فرعونیوں کا موسے علیہ السلام کے سامنے عجز و نیاز کرنا' دعا کی خواہش کرنا گویا مرض کے اسباب کے ذکر کے بعد شفا کے اسباب کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرعونیوں کے تکبر و غرور کا ذکر ہوا۔ **فما نحن لک بمؤمنین** اب ان آیات میں ان کے اس غرور کے خاک میں مل جانے اور موسیٰ علیہ السلام کے سامنے سرنیاز رگڑنے کا تذکرہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ نبی کے مقابل کسی کی فرعونیت نہیں چلا کرتی۔ اس میں بھی لوگوں کو تعلیم ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ان قدرتی عذابوں کا ذکر ہوا جو فرعون کی کسی تدبیر سے نہیں ٹل سکے۔ اب دعا موسوی کی تاثیر کا ذکر ہے کہ یہ عذاب جو کسی تدبیر سے نہ ٹل سکتے تھے۔ ایک دعا موسوی نے انہیں ٹال دیا تاکہ پتہ لگے کہ نبوت کا فیض دنیا کی تمام تدبیروں سے بڑھ کر ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ فرعونیوں پر مذکورہ عذابات نہ تو ایک دم جمع ہو کر آئے نہ مسلسل بلکہ آگے پیچھے آئے اور ہر دو عذابوں کے درمیان فاصلہ تھا۔ آیات مفصلات۔ اب اس فاصلہ کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ کوئی چیز پہلے عذاب کو ختم کر دیتی تھی اور دوسرے عذاب کو آنے نہ دیتی تھی گویا یہ آیات پچھلی آیات کی تفصیل ہیں۔

تفسیر: **ولما وقع علیهم الرجز** عام مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لما عموم شرط کے لئے ہے۔ بمعنی **کلما** یعنی جب کبھی۔ چونکہ ان عذابوں کا نزول آسمانی اسباب سے تھا اس لئے **وقع** ارشاد ہوا۔ وقوع کہتے ہیں اوپر سے نیچے گرنے کو اور چونکہ یہ عذابات ان پر اچانک آتے تھے اس لئے نزول نہیں فرمایا' وقع فرمایا' وقع سے بتایا کہ وہ عذابات آسمانی تھے' زمینی نہ تھے۔ زمینی تکالیف کو انسان دفع بھی کر لیتا ہے مگر آسمانی عذاب میں بالکل بے بس ہوتا ہے۔ دریا کا پانی بند وغیرہ سے روکا جا سکتا ہے آسمانی پانی کسی سے نہیں رکتا۔ جہاں انسانی تدبیر بیکار ہو جاتی ہے وہاں نبی کی دعا کام بناتی ہے۔ ان عذابوں سے فرعونی بے بس ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام ہی طرف بھاگے چونکہ یہ عذابات صرف قبطیوں پر آتے تھے' اسرائیلی ان سے محفوظ رہتے تھے اس لئے **علیهم** ارشاد ہوا۔ **الرجز** میں الف لام عہدی ہے اور اس سے گزشتہ پانچ عذابوں کی طرف اشارہ ہے **رجز** بمعنی عذاب ہے چونکہ یہ اسم جنس ہے کہ ایک اور بہت پر بولا جا سکتا ہے اس لئے **رجز واحد** سے پانچوں مذکورہ عذابوں کو بیان فرمایا گیا یعنی قبطیوں پر جب بھی یہ مذکورہ عذاب آپڑتے تھے یہ تفسیر حسن' قتادہ' مجاہد وغیرہم کی ہے مگر ابو عبداللہ فرماتے ہیں کہ **لما** بمعنی **اذا** ہے اور **رجز** سے مراد ان پانچ عذابوں کے علاوہ چھٹا عذاب ہے۔ وہ عذاب سرخ رنگ کا برف تھا جو قبطیوں پر برسا جس سے بہت قبطی ہلاک ہو گئے۔ ابن جبیر فرماتے ہیں کہ رجز بمعنی طاعون ہے جو ان پانچ عذابوں کے بعد فرعونیوں پر پھیلی جس سے ایک دن میں ستر ہزار قبطی ہلاک ہو گئے حتیٰ کہ ان کو دفن نہ کیا جا سکا۔ ان کی لاشیں ویسے ہی پڑی رہیں (روح المعانی)

خازن 'کبیر وغیرہ) مگر پہلی تفسیر قوی ہے۔ **قالوایموسی** جیسے **لما** عموم شرط کے لئے تھا۔ معنی جب 'بھی ایسے ہی **قالوا** ماضی استمراری ہے یعنی کہتے تھے۔ اس کا فاعل فرعون اور فرعونی سب ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کو نہ تو اپنے دربار میں بلا کر یہ کہتا تھا نہ راستہ چلتے ملاقات کر کے یہ کہتا تھا بلکہ سب آپ کے دروازے پر آکر یہ عرض و معروض کرتے تھے کیونکہ سائل داتا کے در پر جاتے ہیں نیز وہ ایک ایک دو دو کر کے نہ آتے تھے 'بلکہ سارے مل کر ہجوم کر کے آتے تھے۔ اسی لئے **قالوا** جمع ارشاد ہوا۔ نبیوں 'ولیوں کے دروازہ پر بھیڑ در حقیقت رب کے دروازہ پر بھیڑ ہے اس وقت کوئی کسی کا نمائندہ نہیں ہوتا تھا۔ رب چاہتا ہے کہ میرے پیاروں کے دروازوں پر فریادیوں بھکاریوں کی بھیڑ لگی ہو اور فریاد رسی کے لئے شور مچا ہو۔ البتہ جناب کلیم کے دروازے پر وقتی بھیڑ تھی مگر محبوب کے دروازے پر دائمی بھیڑ ہے۔ اس زمانہ میں پیغمبر کو نام لے کر پکارنا ممنوع نہ تھا اس لئے مومن و کافر سب ہی نبی کو نام لے کر پکار لیتے تھے یہ تو ہمارے حضور ﷺ کی شان ہے کہ آپ کو نام لے کر پکارنا ممنوع ہے **لا تجعلوادعاء الرسول** لہٰذا 'ان کا اس طرح پکارنا بے ادبی کے لئے نہ تھا۔ وہ بے ادبی کرتے بھی کیسے ' وہ تو اپنی غرض کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ **ادع لنا ربک** یہ **قالوا** کا مقولہ ہے۔ اس عرض و معروض میں قبطیوں نے اپنے سارے عقیدوں سے پھر جانے کا ذکر ہے۔ وہ نہ تو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانتے تھے نہ موسیٰ علیہ السلام کو نبی۔ نہ وہ رب تعالیٰ سے دعا مانگنے کے قائل تھے مگر اس عرض و معروض میں دعا کے بھی قائل ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بھی اور رب تعالیٰ کی الوہیت کے بھی 'اور موسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ عظمیٰ ہونے کے بھی کہ خود رب سے انہوں نے دعا نہ کی بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے دعا کے لئے کہا پھر ربنا نہ کہا ربک کہا یعنی وہ رب جسے آپ رب کہتے ہیں 'وہ رب نہیں جسے ہم رب کہتے ہیں یعنی فرعون کیونکہ اس کی ربوبیت تو ہم کو معلوم ہو گئی وہ تو خود مصیبتوں میں گرفتار ہے یہی فرعون کا بھی حال ہوا کہ وہ اپنے سارے دعوے چھوڑ بیٹھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی ساری باتیں مان گیا۔ سچ ہے ڈنڈا وہ کام کرتا ہے جو برسوں کا وعظ نہیں کرتا چونکہ صراحتہً "ان باتوں کا اقرار نہیں تھا لہٰذا یہ عرض و معروض ان لوگوں کا ایمان نہ بنی نہ وہ اس سے مومن ہوئے جیسے آج بہت سے کفار حضور انور کی نعت لکھتے پڑھتے ہیں مگر اس سے مومن نہیں ہو جاتے مومن بننے کے لئے کلمہ پڑھنا اور ساری باتوں کا صاف اقرار کرنا ضروری ہے۔ **بما عهد عندك** مزے کی بات تو یہ ہے۔ اس میں نبوت موسوی اور آپ کے قرب خصوصی کا صراحتہً " ذکر ہے۔ سب مانتے ہیں کہ اس میں ب توسل کی ہے یعنی اس کے وسیلہ سے آپ دعا کریں مگر گفتگو اس میں ہے کہ **ما** سے کیا مراد ہے۔ قوی قول یہ ہے کہ **ما** مصدر یہ ہے اور عہد سے مراد نبوت ہے۔ **عهد** کا فاعل رب تعالیٰ ہے 'عندک' **عهد** کا ظرف ہے چونکہ نبوت بھی نبی اور رب کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے اس لئے نبوت کو عہد کہا گیا کہ نبی نے رب تعالیٰ سے تبلیغ کرنے ' تبلیغ میں جو مشقتیں پڑیں انہیں برداشت کرنے کا وعدہ کیا ہوتا ہے اور رب تعالیٰ نے نبی سے ان کی حفاظت 'ان کی عزت و عظمت باقی رکھنے 'ان کی دعائیں قبول فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے چونکہ وہ عہد وقتی نہیں بلکہ دائمی ہے اس لئے **عندك** ارشاد ہوا یعنی **عهدا ثابتا عندك** یعنی اے موسیٰ علیہ السلام اپنی نبوت کے وسیلہ سے آپ ہمارے لئے رب سے دعا فرماویں یعنی ہمارے وسیلہ آپ ہیں اور آپ کا وسیلہ آپ کی نبوت ہے (معانی) بعض مفسرین نے فرمایا کہ **بما عهد** میں ب قسم کی ہے معنی یہ ہیں کہ آپ کو آپ کی نبوت کی قسم ضرور ہمارے لئے دعا کریں (معانی)۔ ہو سکتا ہے کہ **عهد** سے مراد وہ خصوصی

دعا ہو جو حضرات انبیاء کرام کو رب تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے کہ اگرچہ ان کی ساری دعائیں مقبول ہیں مگر رب تعالیٰ کا ان سے وعدہ ہوتا ہے کہ آپ ہم سے ایک دعا کرنا جو ضرور قبول ہوگی جس کے متعلق حضور انور فرماتے ہیں کہ سارے نبیوں نے اپنی دعا یہاں مانگ لی مگر میں نے وہ دعا قیامت کے لئے محفوظ رکھی ہے۔ اس سے اپنی امت کی شفاعت کروں گا مگر پہلی تفسیر قوی ہے۔ خیال رہے کہ قبطی لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کا مقبول الدعاء ہونا بارہا آزمالیا تھا کہ آپ کی دعا سے قحط دور رہوا' باغوں میں پھل لگے اور دوسرے عذاب نمبروار دور ہوئے۔ اس لئے وہ یہ کہہ رہے تھے۔ (روح المعانی) **لئن کشفت عنا الرجز** یہ فرعون اور فرعونیوں کا دوسرا کلام ہے جس میں دفع عذاب کے شکریوں کا ذکر ہے اس میں لام تاکید کا ہے ان شرطیہ۔ **کشفت** بنا ہے **کشف** سے۔ بمعنی دور کرنا' کھولنا چونکہ یہاں کشف کے ساتھ رجز کا ذکر ہے نہ کہ غطاء و یا غشاوہ کا۔ لہذا بمعنی دور کرنا ہے۔ اس عذاب دور کرنے کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف نسبت کیا کہ اگر اے موسیٰ علیہ السلام ہم سے آپ عذاب دور کریں کے اس نسبت پر نہ تو موسیٰ علیہ السلام نے کوئی اعتراض فرمایا' نہ رب نے عتاب کیا بلکہ رب اور کلیم دونوں نے اس نسبت کو جائز رکھا بغیر ترمیم ان کی بات مانی۔ **عنا** سے مراد قبطی ہیں کیونکہ اسرائیلیوں پر تو یہ عذاب آتے ہی نہ تھے۔ **الرجز** سے مراد وہ ہی عذاب ہیں جن میں وہ مبتلا ہوتے تھے اور جن کے دفع کرنے کی دعا کراتے تھے۔ **لنؤمنن لک** یہ لئن کشفت کی جزاء ہے اور قبطیوں کا پہلا وعدہ۔ ایمان سے مراد شرعی ایمان ہے یعنی باقاعدہ کلمہ پڑھ کر مومنین کی جماعت میں آجانا اب تک انہیں لغوی ایمان حاصل تھا' شرعی ایمان حاصل نہ تھا۔ **لک** میں لام یا تو بمعنی ب ہے یعنی ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ یا لام اپنے ہی معنی میں ہے یعنی ہم آپ کے توسل سے رب تعالیٰ پر ایمان لے آئیں گے۔ یہ بات خیال میں رہے۔ **ولنرسلن معک بنی اسرائیل** یہ عبارت معطوف ہے لنؤمنن پر۔ اس میں دوسرے وعدہ کا ذکر ہے چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے قبطیوں سے مطالبہ یہی کیا تھا کہ **ارسل معی بنی اسرائیل** میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور میں انہیں ان کے آبائی وطن فلسطین لے جاؤں اس لئے انہوں نے یہی کہا یہ نہ کہا کہ ہم آپ کی اور اسرائیلیوں کی بڑی عزت کریں گے یہاں ہی رکھیں گے' انہیں بڑے عہدے دیں گے یعنی ہم کو آپ کا مطالبہ منظور ہے۔ آپ عذاب دفع کریں' ہم اسرائیلیوں کو آزاد کریں۔ **فلما کشفنا عنھم الرجز** یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام ان کے لئے دعا کرتے تھے تو ہم ان کی دعا کی وجہ سے عذاب دور کردیتے تھے۔ اس جملہ کے اس کے مطابق معنی ہیں جو پہلے جملوں کے کئے گئے یعنی جب ہم قبطیوں سے عذاب دور کردیتے تھے موسیٰ علیہ السلام کی دعا' آپ کے عرض، معروض سے۔ (خازن) **الی اجل ھم بالغوہ** یہ متعلق ہے کشفنا کے' اجل سے مراد ہے فرعونیوں کے ڈوبنے' ہلاک ہونے کی میعاد جو عند اللہ مقرر تھی اس سے پہلے یہ لوگ ہلاک کئے جانے والے نہ تھے یعنی ان عذابوں کا دور کرنا ایک عارضی چیز تھی۔ ہلاکت کے وقت تک ان کا پہنچنا ضروری تھا۔ اجل طے شدہ وقت کو کہتے ہیں۔ اس لئے موت کو اجل کہتے ہیں۔ **اذا ھم ینکثون** یہ خبر ہے **فلما کشفنا** کی۔ **اذا** بمعنی اچانک ہے یعنی مفاجاتیہ ہے۔ **ینکثون** بنا ہے **نکث** سے۔ بمعنی النقض یعنی مضبوط وعدہ توڑنا یعنی وہ فرعونی لوگ عذاب دفع ہوتے ہی اپنے کئے ہوئے وعدے توڑ دیتے تھے کہ نہ تو خود ہی ایمان لاتے تھے اور نہ ہی بنی اسرائیل کو آزاد کرتے تھے۔ **نکث** کے لغوی معنی ہیں کاتے ہوئے سوت کو ادھیڑ دینا پھر اصطلاح میں مضبوط وعدہ توڑنے کو

نکث لینے لگے۔ وہ معنی یہاں مراد ہے۔ **ینکثون** کامفعول پوشیدہ ہے **عہدھم یامواعیدھم** چونکہ مذکورہ وعدے فرعون کرتا تھا فرعونیوں کی معرفت اس لئے عہد توڑنے کو سب کی طرف منسوب کیا گیا۔

خلاصہ تفسیر: مذکورہ عذابوں کے آنے اور ان کے اٹھ جانے کی تفصیل یہ ہے کہ جب ان عذابوں میں سے کوئی عذاب فرعونیوں پر آتا تھا تو وہ اسکی تاب نہ لا کر موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آتے تھے۔ بعض بلاواسطہ اور بعض دوسرے کے ذریعہ سے۔ اور عرض کرتے تھے کہ اے موسیٰ علیہ السلام اپنے اس رب سے جس کو آپ رب کہتے ہیں ہمارے لئے اپنی نبوت کے توسل سے یا جو رب نے آپ سے دعا قبول فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے اس وعدے کے وسیلے سے دعا کریں جو وعدہ آپ کے پاس محفوظ ہے اگر آپ یہ عذاب ہم سے دور کردیں گے تو ہم آپ سے دو وعدے کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اپنے کفر و شرک سے توبہ کرلیں گے۔ دوسرے یہ کہ ہم آپ کی قوم بنی اسرائیل کو آزاد کردیں گے کہ آپ جہاں چاہیں انہیں لے جائیں۔ اے محبوب ان کی ڈھٹائی کا یہ حال تھا کہ ہم جب بھی ان سے عذاب دفع فرماتے حالانکہ دفع فرمانا بھی عارضی طور پر ہوتا تھا تاکہ وہ اپنی ہلاکت کے وقت تک بچے رہیں اس وقت ہلاک ہوں۔ تو وہ عذاب اٹھتے ہی اپنے کئے ہوئے عہد و پیمان توڑ دیتے تھے کہ نہ تو ایمان لاتے تھے نہ بنی اسرائیل کو آزاد کرتے تھے۔ خیال رہے کہ دو قوموں سے آئے ہوئے عذاب دفع ہوئے ہیں قوم یونس علیہ السلام سے تو بالکل ہٹ گیا اور قوم فرعون سے عارضی طور پر ہٹ گیا۔ باقی کسی قوم سے آیا ہوا عذاب نہیں ٹلا کیونکہ یہ دونوں قومیں ان عذابوں کے موقعہ پر پیغمبر کی طرف بھاگیں۔ قوم یونس تو مستقل بھاگی کہ ان پر ایمان لے آئی قوم فرعون نے عارضی طور پر کلیم اللہ کی طرف پناہ لی کہ ایمان کا وعدہ کیا مگر پورا نہ کیا جس طرح کی نبی کی پناہ لی اسی طرح کی پناہ ملی۔ مستقل اور عارضی۔ معلوم ہوا کہ نبی کی پناہ بڑی کام آتی ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے گزشتہ قوموں کے کام یا کلام جو قرآن میں نقل فرمائے ہیں اگر ساتھ ہی عتاب یا عذاب کا ذکر ہے تو ہم کو ان سے بچانے روکنے کے لئے نقل فرمائے جیسے **لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم** اور اگر ان کے ساتھ رحم و کرم کا ذکر ہے تو ہم سے کرانے کے لئے ذکر فرمائے۔ یہاں فرعونیوں کا کلام رحمت کے ساتھ ذکر کیا کہ **فلما کشفنا عنھم العذاب** اس کا مقصد یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم بھی آفات میں نبی کا وسیلہ اختیار کیا کرو۔ یہ بھی خیال رہے کہ ایمان بالشرط یوں ہی تقویٰ بالشرط باطل ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں مگر چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا واسطہ بیچ میں تھا اس لئے اس مشروط ایمان پر بھی ان سے عذاب دفع ہوتے رہے۔ یہ دفع عذاب ان کے اس غلط وعدے پر نہ تھا بلکہ دعاء موسوی پر تھا۔

فائدے: ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** فرعون اور سارے فرعونی دل سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے قائل ہو چکے تھے صرف زبان سے انکار کرتے تھے۔ یہ فائدہ **یموسی ادع لنا** سے حاصل ہوا اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی الوہیت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے پہلے کی طرح انکاری ہوتے فرعون کو رب مانتے تو موسیٰ علیہ السلام سے دعا کیلئے یوں عرض کرتے فرعون سے جاکر فریاد کرتے۔ **دوسرا فائدہ:** مصیبت و آفات دفع کرانے کے لئے بزرگوں کے آستانہ پر حاضری دینا ان سے دعا کرانا انسانی فطرت کا تقاضا ہے جو اس سے روکتا ہے وہ فطرت کا مقابلہ کرتا ہے۔ دیکھو فرعونی لوگ کافر تھے مگر فطری تقاضے کی بنا پر موسیٰ علیہ السلام سے دعا کراتے تھے جو اس سے منع کرے وہ فرعون اور فرعونیوں سے بھی بدتر ہے۔ وسیلہ اولیاء

وسیلہ انبیاء ایسا مسئلہ ہے جس کے کافر بھی قائل ہیں۔ **تیسرا فائدہ**: رب کے کام مقبول بندوں کی طرف نسبت کئے جا سکتے ہیں۔ یہ فائدہ **لئن کشفت** سے حاصل ہوا۔ دیکھو آیا ہوا عذاب دفع کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر فرعونی لوگ موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ اے موسیٰ آپ ہم سے یہ عذاب دفع کر دیں اور نہ موسیٰ علیہ السلام انہیں اس سے منع کرتے تھے نہ ان کا رب۔ حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی نے حضور انور سے جنت مانگی کہ عرض کیا **اسئلک مرافقتک فی الجنته** یا رسول اللہ میں آپ سے جنت میں آپ کی ہمراہی مانگتا ہوں (مسلم شریف)۔ **چوتھا فائدہ**: دل سے اللہ رسول کو مان لینا' زبان سے اقرار نہ کرنا ایمان نہیں۔ دلی اعتراف کے ساتھ زبانی اقرار ایمان کے لئے ضروری ہے۔ یہ فائدہ **لنؤمنن لک** سے حاصل ہوا کہ عذاب دفع ہونے پر ہم ایمان لائیں گے حالانکہ دل سے وہ آپ کو نبی مان ہی چکے تھے ورنہ دعا کرانے نہ آتے۔ **پانچواں فائدہ**: ایمان کے ارکان میں نبی پر ایمان رکن اعلیٰ ہے کہ اصل ایمان نبی کو ماننا ہے جس میں سارے ایمانیات آجاتے ہیں۔ یہ فائدہ بھی **لنؤمنن لک** سے حاصل ہوا کہ ان لوگوں نے **لنؤمنن بربک یا بالقیامته یا بالملئکته** نہ کہا۔ اے موسیٰ ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور جب موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو توحید' قیامت' فرشتے وغیرہ سب پر ایمان لے آئے۔ **چھٹا فائدہ**: حضرات انبیاء کرام بڑے عالی ظرف ہوتے ہیں۔ بڑے موذیوں ظالموں کو بھی دعائیں دے دیتے ہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم پر فرعون نے بہت ظلم کئے تھے مگر وہ جب بھی دعا کے لئے حاضر ہوتا آپ دعا کر دیتے تھے۔ یہ تو جلالی والے پیغمبر کا کرم ہے تو رحمت للعالمین کے خلق کا کیا پوچھنا۔ حضور انور نے ہند' وحشی' عکرمہ ابن ابو جہل کو یکدم معافی دے دی اگر ہم جیسے گنہگار حضور سے بھیک مانگیں تو ضرور ملے گی۔ **ساتواں فائدہ**: رب نہیں چاہتا کہ اس کے نبی پر کسی کافر کا احسان رہ جائے۔ ان کا احسان ہر کافر و مومن پر ہے۔ دیکھو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش پر خرچ کیا تھا موسیٰ علیہ السلام نے چھ دفعہ اس سے عذاب دفع کرا دیا۔ **آٹھواں فائدہ**: انبیاء کرام کے اوصاف کا وسیلہ پکڑنا بھی جائز ہے۔ یہ فائدہ **بما عهد** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ عہد سے مراد نبوت ہو کہ نبوت نبی کی صفت ہے۔ اسی کے توسل سے دعا کرائی جا رہی ہے لہٰذا یوں دعا کرنا کہ الٰہی محمد مصطفےٰ ﷺ کی مقبول نمازوں محبوب سجدوں کا صدقہ ان کی کالی کملی ان کی زلفوں کے طفیل ہمارے گناہ بخش دے۔ بالکل درست ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کی ذات' نبی کی صفات' نبی کے کام بلکہ نبی سے نسبت رکھنے والی چیزوں کے وسیلہ سے دعا کرنا قبولیت کا ذریعہ ہے۔ حضرات صحابہ نے حضور کے چچا حضرت عباس کے وسیلہ سے حضور کی قبر انور کے وسیلہ سے بارش کی دعائیں کی ہیں بلکہ حضور کے لباس کے وسیلہ سے شفا حاصل کی ہے اس کے لئے ہماری کتاب وسیلہ اولیاء کا مطالعہ کرو۔ **نواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں سے قبولیت دعا کا وعدہ فرما لیا ہے۔ یہ فائدہ **بما عهد** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ عہد سے مراد قبولیت دعا کا وعدہ ہے حتیٰ کہ اگر وہ حضرات قانون سے وراء کی دعا مانگیں رب وہ بھی قبول کر لیتا ہے۔ رب تعالیٰ انہیں مافوق القانون احکام دیتا ہے۔ وہ عمل کرتے ہیں کہ اپنے بچہ کو ذبح کرو' اپنے کو نمرود کی آگ میں ڈال دو' اپنے بیوی بچوں کو بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ دو وغیرہ تو وہ بھی فوق القانون دعائیں مانگ لیتے ہیں۔ رب قبول کرتا ہے کہ خدایا مجھے اپنا دیدار دے۔ **رب ارنی** رب نے یہ نہ فرمایا نہ دکھائیں گے بلکہ فرمایا تم دیکھ نہیں سکو گے۔ خدایا! مجھے مردے جلا کر دکھا خدایا! آسمان سے غیبی دسترخوان اتار۔ کہ قانون ہے کہ پانی آسمان سے آئے گندم

زمین میں پیدا ہو ' پٹے ' روٹی پکے یہاں ۔ مگر مولی آسمان پر ہی گندم بو ' وہاں ہی پسے وہاں ہی روٹیاں پکیں ۔ فرمایا منظور ہے **انی منزلھا** یا جیسے بانجھ بوڑھی عورتوں سے بچہ پیدا ہونا **والدوانا عجوز عقیم** یہ گنہگار احمد یار اپنے محبوب مختار کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ حضور! اگر مجھ سیاہ کار کی بخشش قانون سے وراء بھی ہو ' تب بھی مجھے بخشوا لو۔ رب آپ کی دعا قانون سے ورا بھی قبول فرماتا ہے۔

ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی　　مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

دسواں فائدہ: پیغمبر کی دعا کافروں کے متعلق قبول ہو جاتی ہے۔ ان کی دعا کفار سے بھی آفت ٹال دیتی ہے۔ یہ فائدہ **فلما کشفنا** سے حاصل ہوا تو مومنوں کو کیوں فائدہ نہ دے گی وہ حضرات دافع البلاء ہوتے ہیں۔ دیکھو فرعونیوں کی ایک بلا نہیں بلکہ بہت سی بلائیں موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ٹلتی رہیں جو شخص کلمہ پڑھ کر یہ کہے کہ پیغمبر کی دعا سے کچھ نہیں ہوتا وہ فرعون اور فرعونیوں سے بھی بدتر ہے کہ فرعونیوں کو دعاء موسوی پر یقین تھا۔ کافر کو کوئی عبادت نفع نہیں دیتی مگر نبی کی دعا نفع دیتی ہے۔

گیارھواں فائدہ: کافر اپنی بد بختی کی وجہ سے نبی کی دعا کا فائدہ محفوظ نہیں رکھتا اسے ضائع کر دیتا ہے۔ یہ فائدہ **الی اجل ھم بالغوہ** سے حاصل ہوا نبی کا کام ہے فائدہ دینا۔ ہمارا کام ہے اس فائدہ کو محفوظ رکھنا۔ بارش کا کام ہے دانہ کھیتوں میں پیدا کر دینا مگر دانہ کو محفوظ رکھنا کسان کا کام ہے۔ ان فیوض کی حفاظت کا ذریعہ نبی کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ شکر نعمت کی قید ہے۔

بارھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کا جو عذاب نبی کے منگانے ان کی بد دعا سے آوے ' اسے کوئی تدبیر نہیں ٹال سکتی۔ یہ فائدہ **ھم بالغوہ** سے حاصل ہوا۔ دیکھو فرعونیوں سے یہ مذکورہ عذاب آتے اور ٹلتے رہے مگر غرق کا عذاب نہیں ٹلا کیونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی بد دعا سے آیا تھا۔ ان عذابوں کو رب صرف وعدہ ایمان سے ٹالتا رہا مگر ڈوبنے کا عذاب فرعون کے ایمان لانے اس کے اعلان کرنے پر بھی نہیں ٹلا کہ وہ کہتا رہا **امنت انہ لا الہ الا الذی امنت بہ بنو اسرائیل** کیونکہ وہ عذاب موسیٰ علیہ السلام کا منگایا ہوا تھا۔ یہ ہی مطلب ہے اس شعر کا

خدا جس کو پکڑے چھڑا لیں محمد　　محمد جو پکڑیں چھڑا کوئی نہیں سکتا

دیکھو فرعونیوں پر رب تعالیٰ کے بھیجے ہوئے عذاب موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ٹلتے رہے ' رب دور فرماتا رہا مگر موسیٰ علیہ السلام کا منگایا ہوا عذاب رب نے فرعون کی کلمہ پڑھ لینے کے باوجود دفع نہیں فرمایا۔ دوسرا کوئی مارے تو ماں سے شکایت کرو مگر جب ماں ہی مارے تو بچہ کسے پکارے۔ **تیرھواں فائدہ:** اللہ رسول سے کئے ہوئے وعدے توڑنا بدترین جرم ہے۔ یہ فائدہ **اذا ھم ینکثون** سے حاصل ہوا بلکہ کسی بندے سے وعدہ کرنا اللہ رسول کا نام لے کر ' رب کی قسم کھا کر نبی کو ضامن بنا کر۔ اس کا توڑنا بھی سخت جرم ہے اس پر کفارہ واجب ہے۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: فرعونی لوگ جب موسیٰ علیہ السلام سے دعا کرانے حاضر ہوتے تھے تو انہیں بے ادبی سے نام لے کر کیوں پکارتے تھے۔ انہیں یا نبی اللہ یا رسول اللہ کیوں نہیں کہتے تھے۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے محاورہ میں نام لے کر پکارنا بے ادبی نہ تھی۔ وہ تو فرعون بادشاہ کو یا فرعون کہہ کر پکارتے تھے۔ دوسرے یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے گھر میں پرورش پائی یہ لوگ آپ کے بچپن شریف سے ہی نام لے کر پکارتے تھے۔ اسی عادت کی

بنا پر انہوں نے یا موسیٰ کہا تیسرے یہ کہ وہ لوگ کافر تھے اور کفار پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے۔ یہ تو ہمارے حضور کا کمال ہے کہ جن لوگوں میں حضور انور نے پرورش پائی انہوں نے بھی حضور انور کو نام لے کر نہ پکارا یا رسول اللہ یا حبیب اللہ ہی کہہ کر پکارا جیسے حضرت عباس وغیرہ۔ **دوسرا اعتراض**: فرعونی لوگ تو فرعون کو اپنا رب جانتے مانتے تھے پھر موسیٰ علیہ السلام سے کس رب سے دعا منگواتے تھے کہ **ادع لنا ربک**۔ **جواب**: وہ لوگ یا تو فرعون کو زمین کا خدا مانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو آسمان کا رب یا وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر دل میں فرعون کی ربوبیت کے انکاری ہو چکے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لا چکے تھے اسی عقیدے کی بنا پر یہ کہتے تھے۔ **تیسرا اعتراض**: اگر وہ لوگ توحید اور موسوی رسالت کے دل سے اقراری ہو گئے تھے تو مومن ہو گئے پھر وہ یہ کیوں کہتے تھے کہ اگر آپ نے عذاب دفع کر دیا تو ہم مومن ہو جائیں گے۔ **جواب**: وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو جان پہچان گئے مگر صراحۃً نہ مانے تھے۔ ایمان جاننے پہچاننے کا نام نہیں نبی کو نبی ماننے کا نام ہے بلکہ زبان سے اقرار کرنا ایمان کی شرط ہے۔ کفار عرب حضور کو جانتے تھے مگر چونکہ مانتے نہ تھے لہٰذا کافر رہے۔ **یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم**۔ **چوتھا اعتراض**: **بما عھد عندک** کیوں ارشاد ہوا۔ **عھد** کے بعد ب اور الی آتا ہے **عند** نہیں آتا۔ **جواب**: یہاں صرف عہد کرنا مراد نہیں بلکہ عہد کا موسیٰ علیہ السلام کے پاس محفوظ رہنا مراد ہے یعنی رب تعالیٰ نے آپ سے قبولیت دعا کا وعدہ کیا ہے اور وہ وعدہ ختم نہ ہو چکا بلکہ باقی ہے یعنی ایک دو دعاؤں کی قبولیت کا وعدہ نہ تھا بلکہ ساری دعاؤں کی قبولیت کا وعدہ تھا اس وعدے کے توسل سے آپ دعا کریں۔ آپ ہمارے لئے وسیلہ ہیں اور وہ عہد و پیمان آپ کے لئے وسیلہ دعا ہیں۔ **پانچواں اعتراض**: تم نے کہا کہ اس عرض و معروض سے پتہ لگا کہ نبیوں ولیوں سے دفع بلا کے لئے دعا کرانا انہیں دافع البلیات جاننا جائز ہے یہ تو فرعونیوں کا عقیدہ تھا وہ مشرک و کافر تھے ان کے قول و فعل سے مسلمان دلیل کیسے پکڑ سکتے ہیں۔ **جواب**: فرعونی لوگ یہ عرض و معروض موسیٰ علیہ السلام سے کرتے تھے اور ان کی اس عرض کو نہ تو موسیٰ علیہ السلام شرک کہتے تھے نہ خدا تعالیٰ بلکہ موسیٰ علیہ السلام یہ سن کر ان کے لئے دعا کر دیتے تھے اور رب تعالیٰ عذاب دور فرما دیتا تھا لہٰذا ان کے یہ الفاظ دو جگہ رجسٹری ہو گئے۔ بارگاہ کلیم الٰہی میں اور بارگاہ الٰہی میں۔ ان رجسٹریوں سے پتہ لگا کہ یہ عرض کرنا بالکل جائز تھا۔ بعض صحابہ نے حضور انور سے جنت مانگی۔ مصیبتوں کے دفع کرنے کے لئے عرض کیا۔ اس کے حوالے ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ **چھٹا اعتراض**: تم نے کہا کہ کفار کو بھی نبی کی دعا فائدہ پہنچا دیتی ہے مگر نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کے لئے دعاء نجات کی جو قبول نہ ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کے لئے دعا مغفرت کی جو منظور نہ ہوئی۔ ہمارے حضور انور نے اپنے چچا ابو طالب کی مغفرت کی دعا کی جو منظور نہ ہوئی پھر تم نے یہ کیوں کہا۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک اجمالی اور دوسرا تفصیلی۔ جواب اجمالی تو یہ ہے کہ ہماری یہ گفتگو دنیاوی مصیبتیں ٹلنے یا اخروی عذاب ہلکا ہونے کے متعلق ہے کہ پیغمبر کی دعا سے کفار سے بھی دنیاوی آفات ٹل جاتی ہیں۔ کفار مکہ سخت قحط میں گرفتار ہو چکے تھے۔ حضور انور کی دعا سے بارش ہوئی ارزانی آئی حضور کی برکت سے ابو طالب کا اخروی عذاب ہلکا ہوا۔ ابولہب کو اس کے مرنے کے بعد سخت عذاب کے باوجود کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے (بخاری شریف) مگر اخروی بخشش چونکہ کفار کے لئے ناممکن ہے فیصلہ الٰہی کے خلاف ہے اس لئے اسے کوئی نہیں دلا سکتا وہ حضرات اولاً تو اس کی دعا کرتے

نہیں اور اگر کرنا چاہیں تو انہیں روک دیا جاتا ہے کہ آپ یہ دعا نہ کریں۔ **یابراھیم اعرض عن ھذا انہ قد جاء امر ربک وانھم اتیھم عذاب غیر مردود** جواب تفصیلی یہ ہے کہ نوح علیہ السلام نے کنعان کے لئے دعاء نجات نہیں کی جب آپ نے عرض کیا کہ **ان ابنی من اھلی** اس وقت اسے ڈوبے ہوئے چھ ماہ ہو چکے تھے اسے مچھلیاں کھا کر ہضم بھی کر چکی تھیں کیونکہ آپ کی یہ عرض کشتی سے اترتے وقت ہے۔ اس عرض کا مقصد وہ ہے جو ہم نے اپنے حاشیہ القرآن میں عرض کیا کہ مولیٰ مجھ سے قوم کہے گی کہ آپ نے تو خبر دی تھی کہ آپ کے گھر والے غرق سے محفوظ رہیں گے۔ آپ کا بیٹا کیوں ڈوب گیا تو میں قوم کو کیا جواب دوں گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کے لئے دعاء مغفرت کی مگر آزر کے وعدہ ایمان کی بناء پر رب فرماتا ہے۔ **وما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ** آزر نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا دعا نے اپنا اثر نہ کیا۔ حضور کی دعا ابو طالب کے لئے کچھ ترمیم سے قبول ہوئی کہ ان کو دوزخ سے بچالیا گیا۔ آگ کے جھیرے میں رکھا گیا اور آئندہ کے لئے حضور انور کو اس دعا سے منع فرمادیا گیا تاکہ لوگ یہ مسئلہ معلوم کرلیں کہ مشرکین و کفار کے لئے دعاء مغفرت نہیں کرنی چاہئے۔ یہ واقعہ بھی تبلیغ ہے۔ **ساتواں اعتراض: الی اجل ھم بالغوہ** سے معلوم ہوا کہ فرعونیوں پر عذاب آنا اور جانا طے شدہ پروگرام کے مطابق تھا پھر موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا اس سے کیا تعلق اور ان کا فرعونیوں پر کیا احسان۔ اللہ ہی نے عذاب بھیجے اس نے ہی دفع کئے۔ **جواب:** اس کا جواب الزامی تو یہ ہے کہ ہماری بیماریاں ان کے علاج پرہیز پھر بیماریوں کا جانا سب رب کے پروگرام کے مطابق ہے تو پھر حکیم کا ہم پر کیا احسان ہے۔ یوں ہی ہماری پیدائش پرورش مطابق پروگرام کے ہے تو حکیم، ماں باپ کا ہم پر کتنا احسان ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ دعاء موسوی بھی پروگرام کے مطابق تھی کہ دعا سے عذاب جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیاوی آفات دل کی گندگی کا گرم علاج ہیں جیسے گندے لوہے کے لئے آگ اور نبی کی دعا اس کا سرد علاج جیسے گندے کپڑے کے لئے پانی و صابن۔ ان دونوں چیزوں سے غافل دل بیدار گندہ دل ستھرا ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے سرکش آفتوں میں پھنس کر بندے بن جاتے ہیں مگر جس دل کی سیاہی اصلی ہو اور گندگی ذاتی اور جو دل بذات خود کوئلے کی طرح کالا ہو جائے تو یہ دونوں چیزیں وہاں بھی اپنا اثر تو دکھاتی ہیں مگر عارضی طور پر کہ یہ عارضہ مٹتے ہی وہ دل پھر اپنی اصلی سیاہی پر آجاتا ہے۔ کالا کوئلہ آگ میں رہنے سے سرخ ہو جاتا ہے اس پر چونا پڑ جاوے تو سفید نظر آتا ہے مگر پانی سے ملنے یا بجھنے میں پھر اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ فرعون اور فرعونیوں کے دل اصلی کالے تھے ان پر دنیاوی آفات کی تپش نے اثر تو کیا۔ یوں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں نے اپنا رنگ دکھایا مگر وہ اثر و رنگ ٹھہر نہ سکا کیونکہ عارضی رنگ اصلی رنگ کو نہیں مٹاتا۔ اسی لئے جب انہیں تھوڑی سی بھی راحت ملتی تھی تو وہ اپنی اصلی کیفیت کی طرف لوٹ جاتے تھے۔ اب پڑھو **فلما کشفنا عنھم** اس کے برعکس مومن کی غفلت گنہگاری عارضی ہوتی ہے وہ تھوڑی "کلیف" پاکر ایک دن اللہ والوں کی صحبت پاکر توبہ کرلیتا ہے اور اپنے اصلی رنگ یعنی ایمان کی طرف پلٹ جاتا ہے۔ دیکھو حضرت عمر کو جناب سعید بن زید اور ان کی بہن کے دو لفظوں نے جگادیا پھر حضور انور کی نگاہ کرم نے فاروق اعظم بنادیا۔ فرعونی جادوگروں کے لئے موسوی نگاہ کی ایک جھلک کام کر گئی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ فرعونیوں کے لئے دافع بلا حضرت موسیٰ کی دعا ہوتی تھی ورنہ شرط پر معلق ایمان بالکل معتبر نہیں۔ اسی لئے فرعون ڈوبتے وقت ایمان لایا

غرق ڈوب گیا۔ قارون ڈھنستے وقت بار بار ایمان و تقوی کا اعلان کرتا رہا۔ موسیٰ علیہ السلام برابر زمین سے کہتے رہے۔ **خذیہ** اسے پکڑ لے وہ دھنستا چلا گیا۔ سراقہ ابن مالک کو جب زمین نے پکڑا تو حضور انور نے زمین سے چھوڑنے کو فرمایا تو چھوڑ دیا گیا۔ یہ ہے نبی کی دعا کا فیض ہماری دعائیں ساری نیکیاں گویا صفر ہیں۔ نبی ﷺ عدد اگر صفر عدد سے ملے تو سب کچھ ہے عدد مٹا دو تو نرا صفر کچھ نہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا

بس بدلہ لیا ہم نے ان سے تو ڈبو دیا ہم نے ان کو گہرے دریا میں بوجہ اس کے کہ تحقیق انہوں نے جھٹلایا

تو ہم نے ان سے بدلہ لیا تو انہیں دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ ہماری آیتیں جھٹلاتے تھے اور

عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾

آیتوں کو ہماری اور تھے وہ ان سے غافل

ان سے بے خبر تھے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی ان دعاؤں کا ذکر ہوا جن سے فرعونیوں پر آئے ہوئے عذاب ٹل گئے۔ اب موسیٰ علیہ السلام کی اس بد دعا کا ذکر ہے جس نے فرعون کو مع اس کی قوم کے ہلاک کیا گویا نبی کی دعا کے ایک رخ کا ذکر پہلے ہوا دوسرے رخ کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ پہلی دعائیں ڈوبتوں کو ترانے والی تھیں اور اسی زبان کی یہ بد دعا غرق کرنے والی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ان چھوٹے عذابوں کا ذکر ہے جو آئے اور گئے۔ اب اس بڑے عذاب کا ذکر ہے جو آیا مگر گیا نہیں بلکہ فرعونیوں کو لے گیا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرعونیوں کی بد عہدیوں کا ذکر ہوا کہ ایمان لانے کا وعدہ کر کے پھر جاتے تھے۔ اب ان بد عہدیوں کے نتیجہ کا تذکرہ ہے گویا جرم کا ذکر پہلے تھا اس کی سزا کا ذکر اب ہے۔

تفسیر: **فانتقمنا منهم** یہ جملہ گزشتہ جملوں پر معطوف ہے لہذا ف عاطفہ ہے مگر صرف بعدیت بیان کرنے کے لئے ہے فوراً کے لئے نہیں۔ کیونکہ فرعونیوں پر عذاب گزشتہ مذکورہ عذابوں سے عرصہ کے بعد آیا۔ ان کے فوراً بعد نہیں آیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ ف معنی فوراً ہی ہو مگر فوراً سے مراد اس جہان کا فوراً نہیں بلکہ دوسرے عالم کا فوراً ہے کہ وہاں کا ایک دن یہاں کا ایک ہزار سال ہے یا احساس کے لحاظ سے فوراً مراد ہے کیونکہ گزشتہ دراز زمانہ بھی کم محسوس ہوتا ہے گویا فرعون کو محسوس یہ ہوا کہ فوراً ہی عذاب آیا۔ انتقام بنا ہے **نقمته** سے جیسے انعام **نعمته** سے۔ انتقام مقابل ہے انعام کا (مدارک) انتقام کے لغوی معنی ہیں نعمت چھین لینا عذاب دینا (خازن) عرف میں برائی کے عوض سزا کا نام انتقام ہے یعنی بدلہ لینا اس کا صلہ

من آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے نافرمانوں 'انہیں ستانے والوں سے ان کا بدلہ لیتا ہے۔ وہ اپنا بدلہ نہیں لیتا اور ان کے غلاموں کو بدلہ دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یوں ہی حضرات انبیاء اپنا بدلہ کسی سے نہیں لیتے بلکہ رب کے مجرم سے بدلہ لیتے ہیں۔ **منهم** میں **هم** کا مرجع فرعونی لوگ ہیں یعنی کافر قبطی۔ خیال رہے کہ یہاں بدلہ سے مراد فرعون کے کفر' دعوی خدائی' موسیٰ علیہ السلام کو ستانا' اسرائیلیوں کے بچوں کو عرصہ تک ذبح کرتے رہنا' جادوگروں کو ان کے ایمان لانے پر سولی دینا ان سب جرموں کا بدلہ مراد ہے عرصہ کے سارے جرموں کا بدلہ اس کا غرق ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مظلوم بندوں کا بدلہ خود لیتا ہے یعنی محبوب 'منسوب' مظلوم لوگوں کا بدلہ ان سے لیا۔ خیال رہے کہ دنیا کی مصیبتیں کافروں کے لئے بدلہ ہوتی ہیں۔ غافلوں کے لئے بیدار کرنا' محبوبوں کے لئے درجات بڑھانا فرعون پر گزشتہ چھ عذاب جگانے کے لئے آئے' یہ بدلہ کے لئے' ہلاک کرنے کے لئے۔ **فاغرقنهم في اليم** یہ عبارت **انتقمنا** کی تفسیر ہے لہذا اس میں ف تفسیریہ ہے اس صورت میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ف تفریع کی ہے یا عطف کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ **انتقمنا** کے معنی ہیں ہم نے بدلہ لینے کا ارادہ فرمایا کیونکہ ڈبونا ہی تو ان کا بدلہ تھا پھر وہ بدلہ پر متفرع یا معطوف نہیں ہو سکتا۔ پہلی تفسیر قوی ہے۔ دوسری جگہ رب فرماتا ہے۔ **ونادى نوح ربه فقال رب** یہ فقال رب تفسیر ہے نادی کی وہاں بھی ف تفسیریہ ہے (معانی) **ايم** یا تو سریانی لفظ ہے جسے عربی میں منتقل کیا گیا ہے یا عربی لفظ ہے بنا ہے ام سے - معنی مقصد و ارادہ۔ اسی سے ہے تیمم مٹی کا ارادہ کرنا اس کے معنی ہیں گہرا دریا جس کی تھاہ کا پتہ نہ لگے یا دریا کی خطرناک موجیں یا دریا کا وسط یعنی منجدھار۔ بعض کا خیال ہے کہ صرف کھاری دریا کو ہی یم کہتے ہیں۔ میٹھے کو نہیں کہتے مگر یہ غلط ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فاقذفيه في اليم** دریائے نیل جس میں موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے تابوت میں رکھ کر بہایا اسے یم فرمایا گیا حالانکہ دریائے نیل میٹھا ہے (معانی' خازن)۔ ہاں یہاں یم سے مراد کھاری ہے کیونکہ فرعون بحر قلزم میں ڈبویا گیا وہ کھاری ہی ہے۔ گہرے سمندر میں لوگ قصد و ارادہ کرکے جاتے ہیں اس لئے اسے یم کہا جاتا ہے (مدارک) خیال رہے کہ بحر کی جمع ابحر بھی آتی ہے اور ابحار بھی مگر یم کی جمع مطلقاً" نہیں آتی نہ جمع تکسیر نہ جمع سالم (معانی)۔ خلاصہ یہ ہے کہ دوسری قوموں پر عذاب آئے۔ فرعونیوں پر عذاب آیا نہیں بلکہ وہ خود عذاب کے پاس گئے کیونکہ مصر میں یوسف علیہ السلام نبی اور ان کے بھائیوں کی قبریں تھیں۔ **بانهم كذبوا بايتنا**۔ اس میں فرعونیوں کو غرق کرنے کے سبب قریب کا ذکر ہے کہ اگرچہ رب تعالیٰ نے فرعون کے سارے جرموں 'سارے' ظلموں کا بدلہ لیا مگر اس بدلہ لینے کی وجہ اس کا آیات الہیہ کا جھٹلانا تھا اگر وہ ایمان قبول کر لیتا تو سارے جرم معاف کر دیئے جاتے 'کسی کا بدلہ نہ دیا جاتا۔ **كذبوا** میں مبالغہ ہے کہ انہوں نے "عملاً" "قولاً" "فعلاً" ہر طرح جھٹلایا اور عرصہ تک جھٹلایا۔ آیات سے مراد توریت کی آیتیں نہیں کہ توریت تو اس کے ڈوبنے کے بعد آئی بلکہ اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے معجزات' آپ کے فرمان بلکہ خود موسیٰ علیہ السلام ہیں کہ نبی آیات الہیہ ہوتے ہیں۔ **وكانوا عنها غفلين**۔ یہ عبارت معطوف ہے **كذبوا** پر اور اس میں ڈوب جانے کی دوسری وجہ مذکور ہے **عنها** کی ضمیر کا مرجع یا تو آیات ہیں تو غفلت سے مراد بے خبری نہیں بلکہ بے پرواہی ہے کیونکہ وہ لوگ ان آیات سے بے خبر نہ تھے وہ سب دیکھ چکے تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ بے خبر کو عذاب نہیں دیتا اور یا اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا بدلہ اور غرق کا عذاب۔ تو غافل - معنی بے خبر ہے کیونکہ فرعونی لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ ہم کو ڈبو کر ہلاک کر دیا جاوے گا۔

وہ سمجھتے تھے کہ جیسے گذشتہ عذاب عارضی اتفاقی تھے آئے اور گئے۔ ایسے ہی ہم پر آئندہ یا تو عذاب آئے گا نہیں اور اگر آیا تو یوں ہی گذر جائے گا چنانچہ جب فرعون کو ڈوبنے کا یقین ہو گیا تو چلا اٹھا کہ **امنت انه لا اله الا الذی امنت به بنو اسرائیل** لہذا آیت بالکل واضح ہے کہ یہ غفلت بھی جرم ہے۔

خلاصہ تفسیر: جب فرعون اور فرعونی لوگ مذکورہ بالا عذابوں سے نہیں سنبھلے ہر بار ایمان وغیرہ کا وعدہ کرتے اور توڑتے رہے آخر کار ہم نے ان سے ان کی ساری بے ایمانیوں وعدہ خلافیوں سارے جرموں سارے ظلموں کا بدلہ ایک بار ہی لے لیا کہ انہیں گہرے دریا یعنی بحر قلزم میں ڈبو دیا۔ انہوں نے بہت جرم و ظلم جمع کر لئے تھے مگر اس سزا کا سبب قریب یہ ہوئے کہ وہ ہماری نشانیوں کو قولاً عملاً جھٹلاتے رہے اور باوجودیکہ موسیٰ علیہ السلام انہیں بار بار عذاب وہلاک سے ڈراتے رہے مگر وہ اس سے غافل یا بے پرواہی رہے۔ یہ غفلت اور بے پرواہی سخت جرم ہے۔ غرق فرعون کا مفصل واقعہ ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ کل رات کو بنی اسرائیل کو اپنے ہمراہ لے کر مصر سے نکل جاؤ۔ بنی اسرائیل کی عورتوں نے قبطی عورتوں سے ان کا زیور مانگا۔ بولیں کہ کل ہم نے ایک شادی میں جانا ہے ان کی مراد شادی سے اپنی نجات تھی۔ قبطی عورتیں یہ ہی مروجہ شادی سمجھیں۔ انہوں نے بہت زیور دے دیا۔ موسیٰ علیہ السلام راتوں رات چھ لاکھ بنی اسرائیلوں کو لے کر مصر سے روانہ ہو گئے جن میں مرد عورتیں بچے سب ہی تھے۔ سورج نکلنے پر فرعون کو ان کی روانگی کی خبر ہوئی۔ وہ مع بارہ لاکھ قبطیوں کے اسرائیلیوں کو پکڑنے نکلا جب موسیٰ علیہ السلام بحر قلزم کے کنارہ پر پہنچے تو پیچھے سے فرعون بھی پہنچ گیا۔ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اب کیا بنے گا۔ آگے سمندر ہے پیچھے فرعون۔ ہم تو پکڑے گئے فرمایا ہرگز نہیں! میرے ساتھ میرا رب ہے حکم الٰہی آیا کہ آپ سمندر میں لاٹھی ماریں۔ آپ نے لاٹھی ماری تو سمندر میں بارہ خشک راستے بن گئے جن میں بے تکلف اسرائیلی داخل ہو گئے۔ یہ بارہ قبیلے تھے۔ ہر قبیلہ ایک راستے پر چل دیا۔ سمندر میں پانی دیواروں کی طرح کھڑا ہو گیا یہ تماشہ فرعون دیکھ رہا تھا آخر کار اسرائیلی بخیریت پار گذر گئے اور فرعونی لوگ سارے کے سارے دریا کے بیٹ میں داخل ہو گئے تب سمندر کے پانی کو حکم الٰہی پہنچا کہ مل جا چنانچہ پانی مل گیا اور سارے فرعونی ڈوب گئے۔ اس کی تفصیل پہلے پارہ میں گزر چکی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم کی بنا پر مجرم قوم کو ہلاک کرنے سے پہلے چھوٹے عذاب بھیجتا ہے یہ چھوٹے عذاب بڑے عذاب کی اطلاع ہوتے ہیں جو ان سے سنبھل گیا وہ بچ گیا جو نہیں سمجھا وہ مارا گیا۔ دیکھو فرعون کو ڈبونے سے پہلے رب تعالیٰ نے اس پر سات عذاب بھیجے جب وہ باز نہ آیا تو آخر میں ہلاک کیا گیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

تو مشو مغرور بر حلم خدا
دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کا بدلہ ظالموں سے خود لیتا ہے۔ یہ فائدہ **فانتقمنا منهم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو

فرعونیوں نے ظلم کیا اسرائیلیوں پر مگر ان کا بدلہ لیا رب تعالیٰ نے۔ یوں ہی جو کوئی اللہ کے مقبولوں سے اچھا سلوک کرتا ہے تو اس کا اجر رب تعالیٰ دیتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ شعر

خواہی کہ خدائے بر تو بخشد
با خلق خدا بکن نکوئی

تیسرا فائدہ: اللہ کے مقبول بندوں کی قبروں کی برکت سے بستیوں پر عذاب نہیں آتے ان کی قبریں گنہگار بستی کے لئے گویا تعویذ ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ **اغرقنهم فی الیم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو قوم عاد و ثمود' قوم لوط و شعیب پر عذاب ان کے گھروں ہی میں آئے کہ وہ بھی ہلاک ہوئے ان کی بستیاں بھی اجاڑ دی گئیں مگر فرعونیوں پر عذاب مصر میں نہ آیا بلکہ انہیں مصر سے دور نکال کر بحر قلزم میں ڈبویا گیا۔ مصر آج تک آباد ہے' اس لئے کہ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر' ان کے مغفور و مرحوم بھائیوں کی قبریں تھیں۔ آج قریباً" ہر شہر میں اللہ والے اور ان کی قبریں ہیں۔ ان کی برکتوں سے ہم گنہگار اور ہمارے گھر بچے ہوئے ہیں بلکہ حضور انور ﷺ کی قبر شریف ساری زمین کو غیبی عام عذابوں سے بچائے ہوئے ہے۔ **وما کان اللہ لیعذبهم وانت فیهم**۔ **چوتھا فائدہ:** عذاب الٰہی صرف نبی کے جھٹلانے انہیں ستانے ان کی بددعا لینے پر آتا ہے اس کے سوا انسان کیسے ہی گناہ کرے عذاب نہیں آتا۔ یہ فائدہ **بانهم کذبوا بایتنا** سے حاصل ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں شعر

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد تا دل صاحب دلے نہ آمد بدرد

دیکھو فرعون شرک' کفر' دعویٰ خدائی' بے قصور بچوں کا ذبح' یہ سب کچھ کرتا رہا مگر عذاب کب آیا جب اس نے موسیٰ کو جھٹلایا۔ **پانچواں فائدہ:** کافر جب مسلمان ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے کفر کے زمانے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے حتیٰ کہ اس کے بعض مظالم بھی۔ یہ فائدہ بھی **بانهم کذبوا** سے اشارۃ" حاصل ہوا۔ دیکھو اگر فرعون ایمان لے آتا تو اس نے زمانہ کفر میں جو بچے قتل کرائے تھے۔ اسرائیلیوں پر ظلم ڈھائے تھے' سب معاف ہو جاتے۔ کفار مکہ نے زمانہ کفر میں مسلمانوں پر بہت ظلم کئے مگر جب وہ ایمان لائے تو سب معاف ہوئے حتیٰ کہ ابو سفیان بلکہ وحشی بلکہ ھند کے سارے ظلم و ستم امیر حمزہ پر وحشیانہ ظلم سب معاف ہو گئے۔ اب ان کو مسلمان کہتے ہیں رضی اللہ عنہم۔ ہاں زمانہ کفر کا لیا ہوا قرض' مارا ہوا پیسہ معاف نہیں ہو سکتا وہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا کیونکہ گذشتہ قتلوں کا بدلہ نہیں ہو سکتا مگر قرض کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔ **مسئلہ:** زمانہ کفر میں بندوں کے مارے ہوئے حقوق اگر قابل ادا ہیں تو اسلام لانے کے بعد ادا کرنے پڑیں گے جیسے مالی حقوق' قرض' امانت' گروی وغیرہ جو مار لئے گئے ہوں اور اگر ناقابل ادا ہوں تو وہ اسلام لانے سے معاف ہو جاتے ہیں جیسے قتل یا زخمی کرنا کہ یہ دونوں اگرچہ حق العبد ہیں مگر اسلام لانے کے بعد معاف ہو جائیں گے یوں ہی اگر کفر و اسلام کی جنگ میں مسلمان کافر کے ہاتھ سے مارا جائے پھر یہ کافر مسلمان ہو جائے' تو قاتل و مقتول دونوں جنتی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ یہ فرق خیال میں رہے۔ **چھٹا فائدہ:** بے پرواہی والی غفلت جرم ہے اس پر سزا ہے گی اتفاقی غفلت معاف ہے۔ یہ فائدہ **کانوا عنها غفلین** سے حاصل ہوا کہ فرعون کو اس کی غفلت پر سزا ملی۔ **مسئلہ:** اگر کوئی شخص اتفاقاً" سو تا رہ جاوے اور نماز قضا ہو جائے تو گنہگار نہیں مگر جو دانستہ طور پر رات کو بلا وجہ جاگتا رہے پھر صبح کو نماز قضا ہو جاوے تو گنہگار ہے کہ اس غفلت میں اس کی بے پرواہی کا دخل ہے۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: یہاں **فانتقمنا** ف سے ارشاد ہوا ف بمعنی فوراً ہوتی ہے مگر فرعون بہت عرصہ کے بعد ڈوبا۔ اس نے برسوں تک تو اسرائیلی بچے ذبح کئے پھر برسوں موسیٰ علیہ السلام کو دکھ دیئے۔ جادوگروں کو سولی دی۔ حضرت آسیہ کو چومیخہ کیا پھران واقعات کے سالہا سال کے بعد غرق ہوا توف فرمانا کیونکر درست ہوا۔ یہاں ثم فرمانا چاہئے تھا۔ **جواب:** یا تو یہاں ف بمعنی پھر ہے نہ کہ فوراً یا چونکہ دنیا کے بہت سے سال رب کے ہاں ایک پل کے ہوتے ہیں۔ فرماتا ہے **ان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون** اس لئے ف ارشاد ہوا۔ یعنی یہاں کا فوراً نہیں بلکہ رب کے نزدیک کا فوراً ہے اور ہو سکتا ہے کہ فرعون کے احساس کا فوراً مراد ہو کیونکہ پچھلا دراز زمانہ بھی چھوٹا معلوم ہوتا ہے بلکہ ایک ہی وقت ایک کے لئے بڑا ہوتا ہے دوسرے کے لئے چھوٹا۔ ایک ہی رات سونے والے کے لئے چھوٹی محسوس ہوتی ہے بیمار جاگنے والے کے لئے دراز جو محبوب کے ساتھ ہوا سے پل بھر کی محسوس ہوتی ہے۔ قیامت کا دن کفار غافلوں کے لئے پچاس ہزار سال کا ہوگا مومنوں کے لئے چار رکعت کی بقدر کیونکہ وہ محبوب کے دیدار میں مست ہوں گے۔ معراج کی رات حضور انور نے ہزاروں سال کا سفر کیا مگر واپسی پر بستر گرم پایا اور زنجیر ہلتی ہوئی یعنی یہاں ایک آن۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال مردہ رکھا گیا۔ زندہ ہونے پر دیکھا کہ انگور کے رس پر ایک آن گذر رہی تھی کہ وہ خراب نہیں ہوا تھا اور مردہ گدھے پر سو سال کہ اس کی ہڈیاں بھی سفید ہو گئی تھیں۔ **دوسرا اعتراض:** بدلہ لینا رب تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔ معافی دینا اس کی شان ہے پھر **فانتقمنا** کیوں ارشاد ہوا کہ ہم نے فرعونیوں سے بدلہ لیا۔ **جواب:** ظالم سے مظلوم کا بدلہ لینا عین انصاف ہے۔ اسے چھوڑ دینا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں سے اسرائیلی مظلوم بچوں، مومن جادوگروں کا بدلہ لیا۔ یہ عین انصاف تھا نیز موذی کو سزا دینا ضروری ہے۔ سانپ کو مار دینا ضروری زندہ چھوڑ دینا لوگوں پر ظلم ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے فرعونیوں کو صرف آیات الہیہ کے انکار کی سزا دی کہ فرمایا **کذبوا بایتنا** تو اس کے سارے مظالم معاف کر دیئے۔ **جواب:** اس کے سارے جرم و قصور کی ہی سزا دی گئی مگر آیات کا انکار اس سزا کا قریبی سبب ہوا۔ دوسرے جرم دور کے سبب۔ ہر عاقل بالغ مسلمان پر نماز فرض ہے مگر وقت پر۔ تو عقل و بلوغ نماز کی فرضیت کا دور کا سبب ہے اور وقت قریب کا سبب۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ فرعونیوں کو ان کی غفلت کی سزا دی گئی مگر دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ رب تعالیٰ غافل پر عذاب نہیں بھیجتا۔ **وما کان ربک لیهلک القری بظلم واهلها غافلون۔** آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی فوائد میں گزر گیا کہ بے خبری کی غفلت معاف ہے مگر بے پرواہی کی غفلت پر پکڑ ہے۔ فرعونیوں کی غفلت بے خبری کی نہ تھی بلکہ بے پرواہی کی تھی۔ لہٰذا سزا ملی۔ بے خبری اور جھٹلانا جمع نہیں ہو سکتے۔ خبر پہلے ہوتی ہے جھٹلانا بعد میں۔ لہٰذا ساری آیات درست ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے محبوب پر احسان محب پر احسان ہے بلکہ جسے محبوب سے نسبت ہو اس کے ساتھ سلوک محب پر احسان ہے جس کا بدلہ محب دیتا ہے یوں ہی محبوب سے بدسلوکی محب پر بدسلوکی ہے جس کا بدلہ محب لیتا ہے کسی کے بچہ کو ہم روپیہ دیں یا اسکی شادی میں کچھ خرچ کر آویں یا کسی موقعہ پر اس بچہ کے کمیوں نوکروں پر خرچ کر آویں تو یہ اس بچہ کے باپ پر سلوک ہے جس کا بدلہ وہ باپ ہزارہا موقعوں پر دیتا ہے یوں ہی کسی کے بچہ کو قتل کر دیا مار دیا تو بدلہ میں اس کا باپ سزا دیتا ہے۔

حکومت کے نوکر کی بے حرمتی کرو تو حکومت سزا دیتی ہے۔ حضرات انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں اُن کی خدمت ان پر خرچ اللہ تعالیٰ پر قرض ہے جو ہزار ہا ثنا ء کرم کو وصول ہو گا۔ **ان شاء اللہ من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضعفہ لہ اضعافا کثیرۃ**۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے محبوب بندے بنی اسرائیل ان محبوب کے منسوب۔ ان کے بچے ان منسوبوں کے چہیتے پیارے فرعون اور اس کی ذریت نے ان منسوبوں پر ظلم کیا تو اللہ نے ان سب کا بدلہ لیا کہ ان کا بیڑہ غرق کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام بلکہ ان کے متبعین آیات الٰہیہ تھے۔ فرعونی ان کے آیات الٰہیہ ہونے سے غافل تھے۔ انہوں نے ان آیات کو جھٹلایا اس کا برا انجام دیکھ لیا۔ رب کا کرم چاہئے تو اس کے بندوں سے اچھا سلوک کرو۔ خدمت کا نتیجہ رحمت ہے۔ غفلت و نفرت کا نتیجہ نقمت یعنی عذاب ہے۔ **فانتقمنا** سبق دے رہا ہے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَا

اور وارث بنایا ہم نے اس قوم کو جو کمزور سمجھی جاتی تھی زمین کے مشرقوں کا اور اس کے مغربوں

اور ہم نے اس قوم کو جو دبا لی گئی تھی اس زمین کے پورب پچھم کا مالک کر دیا جس میں ہم نے

رِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْٓ

کا وہ زمین کہ برکت دی ہم نے اس میں اور پورا ہو گیا فرمان رب کا تمہارے اچھا اوپر

برکت رکھی۔ اور تیرے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا۔

اِسْرَآءِیْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ

بنی اسرائیل کے اس وجہ سے کہ صبر کیا انہوں نے۔ اور ہلاک کر دیا ہم نے وہ جو کرتا تھا فرعون اور اس کی قوم

بدلہ ان کے صبر کا۔ اور ہم نے برباد کر دیا جو کچھ فرعون اور اس کی قوم بناتی اور جو

وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور وہ جو اٹھاتے تھے وہ لوگ

چھتیاں اٹھاتے تھے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: گذشتہ آیت میں فرعون کی ہلاکت کا ذکر ہوا اب ہلاکت کی نوعیت کا تذکرہ ہے کہ ساری برباد شدہ قوموں کی بستیاں بھی ایسی اجاڑ دی گئیں کہ کبھی آباد ہی نہ ہوئیں کیونکہ وہاں سے نبی اور مومنین نکال لئے جاتے تھے۔ مگر اتنی بڑی مجرم قوم کو ایسے ہلاک کیا گیا کہ مصر کی بستی قائم رہی اسے پھر بنی اسرائیل

سے آباد لیا گیا جس میں ہزاروں اولیاء اللہ ہوئے کیونکہ اس میں اولیاء یا انبیاء قبروں میں آرام فرما تھے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ظالم فرعونیوں کی سزاؤں اور آخر کار ان کی ہلاکت کا ذکر ہوا اب مظلوم بنی اسرائیل کی دنیاوی جزاؤں کا ذکر ہو رہا ہے گویا تصویر کا ایک رخ دکھانے کے بعد دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: گذشتہ پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے اس وعدے کا ذکر فرمایا گیا تھا جو آپ نے بنی اسرائیل سے کیا تھا یعنی زمین مصر کی حکومت اسرائیلیوں کو ملنا **ان الارض للہ**۔ اب اس وعدہ کے پورا ہونے کا تذکرہ ہو رہا ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے ایسی حالت میں فرعون اور فرعونیوں کی ہلاکت 'بنی اسرائیل کی حکومت کی خبر دی جب اسے عقل نہیں مانتی تھی پھر وہ سب کچھ آنکھوں نے دیکھ لیا تاکہ پتہ لگے کہ نبی قیامت' جنت' دوزخ کے متعلق جو خبریں دیتے ہیں' وہ سچی ہیں۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی ان برکتوں کا ذکر ہوا جو فرعونی لوگ عارضی طور پر حاصل کر لیتے تھے کہ ان سے عذاب ٹل جاتے تھے پھر ان کی وعدہ خلافیوں کی وجہ سے آجاتے تھے' اب آپ کی اس مستقل برکت کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل کو حاصل ہوئی یعنی مشرق و مغرب کی حکومت کا مل جانا۔

تفسیر: واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون۔ یہ عبارت یا تو معطوف ہے **اغرقنھم** پر اور واؤ عاطفہ ہے یا نیا جملہ اور واؤ ابتدائیہ۔ **اورثنا** بنا ہے ورث یا ارث سے۔ جس کے لغوی معنی ہیں کسی کی موت کے بعد' دوسرے کا اس کی املاک کا مالک بننا۔ شرعی ارث میں رشتہ داری شرط ہے چونکہ بنی اسرائیل ملک مصر وغیرہ کے مالک بنے فرعون کی ہلاکت کے بعد' اس لئے واورثنا ارشاد ہوا ملکنا نہیں فرمایا۔ قوم سے مراد بنی اسرائیل ہیں چونکہ لفظ قوم لفظاً" واحد ہے معنیً "جمع اس لئے اس کی صفت الذین جمع لائی گئی چونکہ فرعون ہر سال بلکہ ہر ماہ بلکہ ہر دن نت نئے طریقوں سے اسرائیلیوں کو دباتا انہیں ذلیل کرتا رہتا تھا اس لئے **کانوا یستضعفون** ماضی استمراری ارشاد ہوا۔ ان کے بچوں کو ذبح کرتا تھا۔ ان کی عورتوں کو اندرون خانہ کاموں میں لگاتا تھا۔ مردوں سے نہایت ذلیل اور سخت کام لیتا تھا ان پر بھاری ٹیکس' بیگار وغیرہ ان کے علاوہ تھے۔ اس ایک کلمہ میں وہ سب باتیں ذکر فرما دیں۔ اس طرح بیان فرمانے میں اللہ کے لطف و کرم کا ذکر ہے اس لئے الیہود یا بنی اسرائیل نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی تاکہ پتہ لگے کہ کمزوروں' ذلیلوں کو زور عزت دے دینا' رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ظہور ہے۔ **مشارق الارض ومغاربھا**۔ یہ عبارت اورثنا کا دوسرا مفعول ہے اس کا پہلا مفعول القوم تھا چونکہ ہر دن کا مشرق و مغرب جدا گانہ ہوتا ہے اس لئے قرآن مجید میں انہیں جمع بھی ارشاد فرمایا جاتا ہے اور چونکہ مشرق و مغرب دو دو کنارے ہیں جہاں پہنچ کر سورج کا طلوع و غروب پلٹ جاتا ہے اس لئے مشرقین و مغربین تثنیہ ارشاد ہوتا ہے اور چونکہ ان کی سمت ایک ایک معین ہے اس لئے اسے مشرق و مغرب واحد بولا جاتا ہے' اس میں گفتگو ہے کہ یہاں ارض سے کونسی زمین مراد ہے اور کون سے بنی اسرائیل اس کے مالک ہوئے یہ ہی جو مصر سے نکلے تھے یا ان کی اولاد۔ اس کے متعلق مفسرین کے پانچ قول ہیں۔ 1۔ ارض سے مراد زمین مصر ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی میں یہی نکلے ہوئے لوگ مصر میں پہنچے اور پورے مصر اور اس کے علاقہ کے مالک ہوئے۔ یہ قول ہے ابو شیخ کا جو وہ حضرت لیث بن سعد سے روایت فرماتے ہیں۔ 2۔ ارض سے مراد زمین مصر و شام دونوں ہیں جن پر فرعون کا قبضہ تھا اور یہی نکلنے والے اسرائیلی اس کے مالک ہوئے۔ 3۔ ارض سے مراد صرف زمین شام ہے۔ یہ قول ہے حسن' قتادہ' زید بن اسلم کا۔ 4۔ ارض سے مراد بیت المقدس ہے اور اس کے مالک یہ نکلنے والے اسرائیلی نہیں ہوئے

بلکہ ان کی اولاد ہوئی انہوں نے قوم عمالقہ کو برباد کر کے وہاں قبضہ کیا موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بہت عرصہ بعد۔5۔ارض سے مراد ساری روئے زمین ہے بنی اسرائیل اس کے مالک ہوئے زمانہ سلیمانی میں کیونکہ حضرت سلیمان تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوئے۔(معانی، صاوی، کبیر، خازن وغیرہ) مگر پہلا قول قوی ہے کیونکہ قرآن مجید میں دوسری جگہ فرعونیوں کے متعلق ارشاد ہوا **کم ترکوا من جنت و عیون** اور اسرئیلیوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ **کذلک واور ثنہا قوما آخرین**۔ ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعونی لوگوں کے باغات و چشمے و عمارات پر بنی اسرائیل نے قبضہ کیا نیز انہیں اسرائیلیوں کو فرعونیوں نے ذلیل کیا تھا نہ کہ ان کی اولاد کو نیز قرآن مجید نے دوسری جگہ فرمایا **و نرید ان نمن علی الذین استضعفوا** ان وجوہ سے ترجیح اس کو ہے کہ یہ ہی بنی اسرائیلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات شریف میں مصر میں داخل ہوئے اور فرعون کی ساری املاک کے مالک ہوئے۔(از کبیر و صاوی) جناب کلیم کی اطاعت سے بنی اسرائیل کو دنیا و دین دونوں جہان کی نعمتیں عطا ہوئی۔ نبی کی اطاعت سے صرف دین نہیں ملتا بلکہ دنیا و دین دونوں ملتے ہیں۔ **التی برکنا فیھا** یہ عبارت یا تو صفت ہے مشارق و مغارب کی یا ارض کی۔عام مفسرین نے اسے ارض کی صفت کہا مگر بعض نے کہا کہ یہ مشارق و مغارب کی صفت ہے کیونکہ اگر ارض کی صفت ہو تو موصوف اور صفت کے درمیان فاصلہ ہو جاوے گا مغاربہا کا یہ درست نہیں جیسے کوئی کہے **ام امر ھند و ابوھا العماقتہ** (صاوی، معانی) مگر عام مفسرین اسے ارض کی صفت مانتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ مغاربہا ارض کا اجنبی نہیں اگر زمین سے مراد ہے زمین بیت المقدس تو برکت سے مراد ہے حضرات انبیاء کرام کا وطن ہونا۔ وہاں ان کے مزارات ہونا ہے اور اگر زمین شام مراد ہے تو برکت سے مراد ہوگی وہاں کے پھل، فروٹ، باغات، نہریں وغیرہ اور اگر زمین مصر مراد ہے تو برکت سے وہ زیب و زینت، عمارات، باغات، نہریں وغیرہ مراد ہوں گی جو فرعون نے وہاں بنا رکھے تھے۔ رب فرماتا ہے **کم ترکوا من جنت و عیون** اور ہو سکتا ہے کہ برکت سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کی قبور ہوں بہرحال مصر کی زمین بھی کئی وجہ سے مبارک ہے۔ اسے فرعون کے منحوس قدم اس مرتبہ سے نہ نکال سکے۔ **و تمت کلمت ربک الحسنی** یہ عبارت معطوف ہے اور تاپر۔ سارے قرآن مجید میں کلمت لمبی ت سے صرف یہاں ہی آیا ہے۔ باقی ہر جگہ کلمۃ گول ت سے آیا۔ یہاں تمام مقابل نقصان کا نہیں ہے بلکہ معنی پورا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ کلمۃ رب سے مراد اللہ کا وعدہ ہے جو بنی اسرائیل سے فرمایا گیا حسنی کلمہ کی صفت ہے حسنی فرما کر بتایا کہ وہ وعدہ کرم تھا وعید عذاب نہ تھی اس وعدہ سے یا تو وہ وعدہ مراد ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کیا تھا **ان یھلک عدوکم و یستخلفکم فی الارض** چونکہ نبی کی بات رب تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے اس لئے کلمہ رب فرمایا گیا یا رب کا یہ وعدہ ہے **و نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم ائمۃ و نجعلھم الوارثین** ایک قراءت میں کلمات ربک الحسنی ہے۔ تو کلمات جمع اور حسنی واحد جیسے رب کا فرمان **مارب اخری**۔(معانی) **علی بنی اسرائیل** یہ صفت ہے کلمت کی یہاں علی نقصان کے لئے نہیں بلکہ لزوم کے لئے ہے یعنی اللہ کا اچھا وعدہ جو بنی اسرائیل پر لازم ہو چکا تھا وہ پورا ہو گیا کہ فرعونی ہلاک ہو گئے اور یہ لوگ ان کی املاک کے مالک ہو گئے۔ **بما صبروا** یہ عبارت متعلق ہے تمت کے اس میں ب سببیہ اور ما مصدریہ ہے صبر سے مراد ہے بنی اسرائیل کا فرعون کی مصیبتوں پر عرصہ تک صبر کرنا جب اللہ تعالیٰ کا وعدہ

پورا ہوا ان کے سخت مصیبتوں پر صبر کئے رہنے کی وجہ سے کہ ان کا صبر اس وعدے کے پورا ہونے کا ذریعہ بنا جیسے مجاہدین بدر کا صبر اللہ تعالیٰ کے وعدہ نصرت کا سبب بنا۔ **ودمرنا ماکان یصنع فرعون وقومہ** یہ عبارت معطوف ہے اور شاید ودمرنا تدمیر سے ہے۔ جس کی اصل دمار ہے۔ معنی ہلاکت۔ ما سے مراد فرعون' ہامان اور اس کے دوسرے امراء کے محل اور بلند عمارتیں ہیں اور اس کی وہ عمارت جو اس نے ہامان سے بنوائی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو اس پر چڑھ کر دیکھوں۔ خیال رہے کہ ان عمارات کا تباہ ہونا کسی زلزلہ یا طوفان کی وجہ سے نہ ہوا بلکہ عرصہ تک ویران پڑے رہنے' مرمت نہ ہونے کی وجہ سے ہوا اس سے پتہ لگا کہ بنی اسرائیل مصر میں بہت عرصہ کے بعد پھر آباد ہوئے عرصہ تک مصر ویران پڑا رہا چونکہ فرعون مسلسل یہ عمارات بنوا تا رہا اور مرتے وقت تک ان کی مرمت کراتا رہا اس لئے **یصنع** مضارع ارشاد ہوا۔ **وماکانوا یعرشون** یہ معطوف ہے **ماکان یصنع** پر **یعرشون** بنا ہے **عرش** سے۔ معنی چھت اس سے یا تو مکانات کی مضبوط چھتیں بنانا مراد ہے یا انگور وغیرہ کی بیلیں چھانے کے لئے چھتیں بنانا مراد ہے دوسرے معنی قوی ہیں کیونکہ مکانات کی چھتوں کا ذکر تو **کان یصنع** میں ہو چکا یعنی ہم نے فرعونوں کی عمارات بھی ہلاک کر دیں اور ان کے باغات وغیرہ بھی کہ وہ سب عرصہ تک ویران رہنے کی وجہ سے برباد ہو گئے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ! ہم نے فرعونیوں کو غرق فرمانے کے بعد اس زمین مصر کا بادشاہ اس قوم کو بنا دیا جسے فرعونیوں نے عرصہ تک دبائے رکھا اپنا غلام بنائے رکھا پھر یہ بھی خیال رہے کہ ہم نے انہیں یہ زمین مشرقوں مغربوں کے ساتھ اس کے سارے اطراف و جوانب عطا فرما دیے جن میں ہم نے بڑی برکتیں دے رکھی تھیں کہ اسے فرعونیوں نے خوب آباد سرسبز و شاداب بنایا تھا اور وہاں اولاد یعقوب کی قبور واقع تھیں وہ وہاں ہی مدفون تھے۔ آپ کے رب نے جو بنی اسرائیل سے اچھا وعدہ فرمایا تھا وہ ان کے صبر و برداشت و تحمل کی وجہ سے پورا ہو گیا اور ہم نے فرعونیوں کی عمارات ان کے باغات باغوں کے انتظامات سارے کے سارے تباہ و برباد کر دیئے کہ نہ کوئی ان کا دیکھنے بھالنے والا رہا نہ وہ قائم رہیں نہ فرعون رہا نہ اس کے ظلم۔ اس پر لعنت دائمی رہی۔

نہ زیاد کا وہ ستم رہا نہ یزید کی وہ رہی جفا
جو رہا تو نام حسین رہا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

یوں ہی نہ ابو جہل رہے گا نہ ابولہب۔ ان جیسے لوگوں پر تاقیامت پھٹکار رہے گی۔ سورج آپ ہی کا چڑھے گا چرچے تمہارے اور تمہارے غلاموں ہی کے ہوں گے۔ خیال رہے کہ مصر بربادی سے محفوظ رہا کیونکہ وہاں اولیاء اللہ دفن ہیں یعنی اولاد یعقوب یوں ہی جس دل میں محبت اولیاء ہو وہ برباد نہیں ہوتا۔ مکہ معظمہ آباد رہا۔ اصحاب فیل پر عذاب باہر ہی آیا کیونکہ اسے اللہ کے خلیل نے آباد کیا تھا۔ مدینہ منورہ آباد تو کیا طاعون کی بیماری' بے وقت بارش' پانی کی طغیانی اور ہزارہا آفات سے محفوظ ہے کیونکہ وہاں اللہ کے حبیب جلوہ گر ہیں تو جس دل کو' جس گھر کو' جس قبر کو' جس جگہ کو حضور انور آباد کریں وہ تاقیامت آباد ہی رہے۔ ان واقعات میں بہت نصیحت ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حقیقی مالک الملک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ بندے اس کی عطا سے عارضی طور پر ملک اور املاک کے مالک ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **واورثنا القوم** سے حاصل ہوا۔ کوئی قوم کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ اس ملک یا اس گھر یا اس چیز کا میں دائمی مالک ہو گیا۔ فرعون کا ملک بنی اسرائیل کو دے دیا گیا اب بھی دن رات بادشاہ نا لکین بدلتے رہتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے بعض بندوں کو اپنے ملک کا اپنی چیزوں کا مالک کر دیتا ہے۔ ہم اپنی چیزوں کو فروخت بھی کر سکتے ہیں' کرایہ پر بھی دے سکتے ہیں۔ یہ فائدہ بھی **واورثنا القوم** سے حاصل ہوا۔ اسی طرح رب تعالیٰ بعض بندوں کو ملکوت کا مالک بنا دیتا ہے انہیں ملکوت دکھا دیتا ہے۔ فرماتا ہے **وکذلک نری ابرھیم ملکوت السموت والارض** اور فرماتا ہے **وسخرنا له الریح**۔ **تیسرا فائدہ:** زمین مصر بڑی برکت والی ہے کیونکہ وہاں اولاد یعقوب علیہ السلام کی قبور ہیں وہ حضرات خود بھی مبارک ہوتے ہیں۔ **وجعلنی مبرکا این ماکنت** اور ان کی قبور بھی مبارک ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ التی بارکنا فیھا کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کہ ارض سے مراد زمین مصر ہے۔ **چوتھا فائدہ:** جس زمین میں بزرگان دین رہتے ہوں وہ مبارک ہے اگرچہ وہاں کفار اشرار بھی ہوں یعنی اخیار کی برکت اشرار کی نحوست سے نہیں مٹتی۔ یہ فائدہ بھی التی بارکنا سے حاصل ہوا۔ دیکھو زمین مصر میں فرعون' ہامان' اور بڑے بڑے شیاطین تھے مگر رب تعالیٰ نے اسے زمین کے متعلق فرمایا۔ **بر کنا** مکہ معظمہ میں ابو جہل وغیرہ بہت کافر تھے۔ مدینہ منورہ میں عبداللہ ابن ابی وغیرہ بہت منافق تھے مگر اس کے باوجود مکہ تو معظمہ رہا اور مدینہ منورہ رہا ایک پیارے محبوب ﷺ کے قدم پاک کی برکت سے۔ لہذا اجمیر اور بغداد شریف ہیں اگرچہ وہاں کفار رہتے ہوں' کفر کرتے ہوں بلکہ جس زمین میں اللہ کا بندہ آئندہ آکر بسنے والا ہو وہ پہلے ہی سے مبارک ہے۔ حضرت سلیمان نے زمین مدینہ کی اس وقت تعظیم کی جبکہ ایک ہزار برس کے بعد وہاں حضور انور ﷺ آباد ہونے والے تھے۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے نبیوں' ولیوں کا وعدہ خود رب تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ ان کا فرمان کلمۃ اللہ ہوتا ہے جو ہو کر رہتا ہے۔ یہ فائدہ کلمۃ ربک سے حاصل ہوا کہ بنی اسرائیل سے موسیٰ علیہ السلام نے غلبہ کا' فرعون کی بربادی کا وعدہ فرمایا۔ رب نے فرمایا۔ **تمت کلمت ربک** تمہارے رب کی بات پوری ہوئی ان حضرات کی زبان کن کی کنجی ہوتی ہے۔ **چھٹا فائدہ:** کبھی اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا ظہور خاص اسباب سے ہوتا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کا ظہور بنی اسرائیل کے صبر سے ہوا۔ یہ فائدہ **بما صبروا** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** بنی اسرائیل اگرچہ مصر میں آئے' وہاں کے مالک ہوئے مگر فوراً نہ آئے۔ انہوں نے فرعونی محلات وغیرہ پر قبضہ نہیں کیا۔ وہ تو ویران ہو کر برباد ہو چکے تھے۔ یہ فائدہ **دمرنا ماکان یصنع فرعون** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** یونہی بنی اسرائیل نے فرعون کے باغات وغیرہ استعمال نہ کئے وہ بھی اجڑ چکے تھے۔ بنی اسرائیل مصر میں ایک عرصہ کے بعد پہنچے۔ یہ فائدہ **وما کانوا یعرشون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ یعرشون کے معنی ہوں وہ انگوروں کے لئے چھت بناتے تھے۔ فرعونیوں نے یہ عمارات باغات چھوڑے تھے مگر بنی اسرائیل نے ان کے بعد برتے نہیں لہٰذا یہ آیۃ کریمہ اس کے خلاف نہیں کہ **کم ترکوا من جنت وعیون**

اعتراضات: **پہلا اعتراض:** بنی اسرائیل فرعونیوں کے رشتہ دار نہ تھے پھر ان کے مال کے وارث کیوں بنے ورثہ تو رشتہ

سے ملتا ہے پھر اورثنا فرمانا کیسے درست ہوا۔ **جواب**: یہاں وراثت سے شرعی وراثت مراد نہیں ہے۔ جس میں رشتہ و قرابت ضروری ہوتا ہے بلکہ یہاں اس کے معنی ہیں کسی کی موت کے بعد اس کی چیزوں کا مالک بننا۔ لہذا اس میں قرابت کی ضرورت نہیں۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت میں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی۔ **القوم الذین کانوا یستضعفون** صرف الیہود یا بنی اسرائیل فرمادینا کافی تھا۔ وہ مختصر بھی تھا۔ **جواب**: اتنی دراز عبارت میں رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا عظیم الشان بیان ہوا کہ وہ کمزوروں کو قوی کرنے "مملوکوں کو مالک کرنے" پرجا کو راجہ بنانے پر قادر ہے۔ جس سے مکہ معظمہ کے کمزور مسلمانوں کو تسلی ہو اور وہ بھی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہو جاویں۔ نیز یہ بتانا مقصود تھا کہ اسرائیلی بذات خود ضعیف و ناتواں نہ تھے۔ نبی زادے ناتواں نہیں ہوا کرتے بلکہ انہیں کمزور سمجھا گیا تھا۔ فرعونیوں نے اپنی حماقت سے انہیں ضعیف جانا ہوا تھا۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل مصر کے مالک نہ ہوئے تھے بلکہ زمین فلسطین کے مالک بنائے گئے تھے کیونکہ ارض کے متعلق ارشاد ہوا **بر کنا فیھا** برکت والی زمین فلسطین کو فرمایا گیا ہے **الذی بر کنا حولہ** نوٹ: یہ دلیل ان کی ہے۔ جو کہتے ہیں اسرائیلی مصر میں نہیں پہنچے تھے بلکہ فلسطین میں پہنچے تھے۔ **جواب**: حق یہ ہی ہے کہ وہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ حیات شریف میں ہی مصر میں واپس آئے اور وہاں آباد ہوئے۔ اسی کا یہاں ذکر ہے۔ زمین مصر اس لئے برکت والی تھی اور ہے کہ یہاں یوسف علیہ السلام کی قبر شریف تھی۔ دوسرے اولاد یعقوب وہاں ہی قبروں میں محو خواب ہیں بلکہ زمین فلسطین کو بھی مبارک اسی لئے کہا گیا کہ وہ آرام گاہ انبیائے کرام ہے حتیٰ کہ مقام خلیل الرحمن میں ستر ہزار نبی آرام فرما ہیں۔ فقیر نے زیارت کی ہے اس قول کی چند دلیلیں ہیں۔ 1۔ یہاں بنی اسرائیل کو اس زمین میں فرعون کا وارث فرمایا **واورثنا القوم** ظاہر ہے کہ فرعون مصر ہی کا بادشاہ تھا۔ اس کی وراثت بنی اسرائیل کو مصر ہی میں ملی۔ 2۔ یہاں ارشاد ہوا کہ ہم نے اسی قوم کو اس زمین کا وارث بنایا جو بہت کمزور سمجھی جاتی تھی جو دبالی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ کمزور اور دبائے ہوئے لوگ یہی بنی اسرائیل تھے جو فرعون کے زمانہ میں تھے۔ فلسطین فتح کرنے والے تو ان لوگوں کی اولاد تھے جنہوں نے قوم عمالقہ سے جنگ کر کے فلسطین پر سلطنت کی۔ 3۔ یہاں ارشاد ہوا کہ آپ کے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا۔ ظاہر ہے کہ رب نے انہی موجودہ بنی اسرائیلیوں سے وعدہ فرمایا تھا **عسی ربکم ان یھلک عدوکم ویستخلفکم** نہ کہ ان کی اولاد سے 4۔ یہاں ارشاد ہوا **بما صبروا** یعنی بنی اسرائیل کے صبر کی وجہ سے ہم نے ان کا وعدہ پورا کر دیا تھا اور ظاہر ہے کہ صبر انہی اسرائیلیوں نے کیا تھا نہ کہ ان کی اولاد نے انہی کو اس صبر کا بدلہ ملا۔ 5۔ یہاں بنی اسرائیل کے مالک بنانے کے ساتھ فرعون کی عمارات "باغات کی تباہی کا ذکر فرمایا **ودمرنا ما کان یصنع** جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو چیز فرعون کی تباہ کی گئی اسی کی زمین وغیرہ کا بنی اسرائیل کو مالک بنایا گیا۔ 6۔ دوسری جگہ ارشاد باری ہے **ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا۔ و نری فرعون وھامن وجنودھما منھم ما کانوا یحذرون**۔

شام و فلسطین: شام و فلسطین بالکل ملے ہوئے علاقے ہیں۔ شام کا دار الخلافہ دمشق ہے اور فلسطین کا دار الخلافہ عمان۔ ان میں موٹر سے چند گھنٹے کا راستہ ہے۔ حدیث شریف میں شام کے بڑے فضائل آئے ہیں چنانچہ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ایوب انصاری سے روایۃ کی کہ برکتیں شام کی طرف ہجرت کر جائیں گی۔ ابن عساکر نے حمزہ ابن ربیعہ سے روایت کی کہ

سارے نبی یا شام میں رہے یا شام میں گئے یا شام کی انہیں سیر کرائی گئی۔ (معراج النبی)۔ احمد نے عبداللہ ابن حوالہ سے روایت کی کہ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ حضور میرے لئے کوئی شہر تجویز کریں جہاں میں رہوں۔ فرمایا تم شام میں رہنا وہ اللہ کی بہترین زمین ہے جہاں آخر میں نیک بندے پہنچ جائیں گے۔ ابن عساکر نے واثلہ ابن اسقع سے روایت کی کہ میں نے حضور انور کو فرماتے سنا کہ شام کو اختیار کرو کہ وہ اللہ کی چھانٹی ہوئی منتخب زمین ہے۔ حاکم نے حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ اللہ کے نیک بندے شام کی طرف کھچ جاویں گے۔ احمد' ترمذی' طبرانی' ابن حبان' حاکم نے زید بن ثابت سے بروایت صحیح روایت کی کہ مبارک ہے شام حضور نے فرمایا۔ عرض کیا گیا کیوں۔ فرمایا وہاں فرشتے اپنے پر پھیلائے ہوئے سایہ کر رہے ہیں (معانی) شام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دارالہجرت ہے۔ شام ہی میں قیامت قائم ہوگی مگر خیال رہے کہ زمین شام و فلسطین کی یہ عظمتیں زمین حرمین طیبین کے ماسواء پر ہیں۔ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے بعض طبقے عرش اعظم سے افضل ہیں۔ شام کو شام کہنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اسے سام ابن نوح نے بسایا یا یہ کہ وہ مکہ معظمہ سے جانب شام یعنی بائیں واقع ہے جیسے یمن جانب یمین داہنی طرف ہے یا یہ کہ وہاں پہاڑ مثل شامات کے واقع ہیں یعنی سرخ و سفید مٹی کی طرح۔ شام کا حدود اربعہ یہ ہے عریش مصر' منشہ' فرات اور قبر ھود علیہ السلام۔ ان چار حدود کے درمیان کی زمین شام ہے۔ **چوتھا اعتراض**: نحوی قاعدہ سے **التی بارکنا** **الارض** کی صفت نہیں ہو سکتی کیونکہ للارض اور التی کے درمیان ہے **ومغاربھا** اور موصوف و صفت کے بیچ میں کوئی فاصلہ نہیں چاہئے۔ **جواب**: بعض صاحبوں نے فرمایا کہ التی صفت ہے مشارق و مغارب کی۔ بعض نے فرمایا کہ یہ صفت ارض کی ہے مگر مغاربھا اجنبی نہیں موصوف و صفت میں اجنبی کا فاصلہ ممنوع ہے کیونکہ مغارب و مشارق ارض کے کنارے ہی تو ہیں۔ نیز مغاربھا میں ہا ضمیر للارض کی طرف ہے۔ **پانچواں اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا۔ **بما صبروا** جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا وعدہ پورا ہوا بنی اسرائیل کے صبر کی وجہ سے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اللہ کے وعدے کسی کے صبر یا بے صبری پر موقوف نہیں پھر **بما صبروا** فرمانا کیسے درست ہوا۔ **جواب**: وعدہ کا ظہور اسباب سے ہوتا ہے جیسے ماں باپ کے سبب سے ہماری پیدائش' بیماریوں کے ذریعہ ہماری موت' غذا اور دوا کے ذریعہ ہمارا زندہ رہنا یہ سب ارادہ الٰہی وعدہ الٰہی ہیں مگر ان کا ظہور مذکورہ اسباب سے ہے۔ **چھٹا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ **ودمرنا ما کان** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مصر پر عذاب آیا جس سے مصر بھی تباہ کر دیا گیا حالانکہ مصر محفوظ رہا فرعونیوں کو باہر نکال کر ہلاک کیا گیا۔ **جواب**: فرعونی مصنوعات' عمارات' باغات کی بربادی کسی غیبی عذاب سے نہیں ہوئی بلکہ عرصہ تک ویرانی کی وجہ سے ہوئی کہ فرعونی ہلاک ہو گئے اسرائیلی پہنچے نہیں اس لئے باغات سوکھ گئے۔ عمارات گر کر ختم ہو گئیں۔ **ساتواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے فرعونی چیزیں نہیں برتیں وہ برباد ہو گئیں مگر دوسری آیات اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے فرعون کی متروکہ چیزیں واپس آکر استعمال کیں۔ ان میں تعارض ہے۔ **جواب**: فرعون کی متروکہ زمین اسرائیلیوں نے برتی مگر عمارات باغات نہیں برتے۔ لہذا دونوں باتیں درست ہیں اس لئے یہاں **یصنع** اور **یعرشون** فرمایا گیا اور وراثت کے متعلق مشارق الارض و مغاربھا ارشاد ہوا جس سے معلوم ہوا کہ زمین کے اطراف بنی اسرائیل نے برتے اور فرعونی مصنوعات ان کے واپس پہنچنے سے پہلے برباد کر دی گئیں۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہے کہ طاقت وروں کو ہلاک کر دیتا ہے ان کی جگہ کمزوروں کو قائم فرماتا ہے۔ جہاں زاری ہے وہاں رحمت باری ہے کچھ دن آزمائش کے ہوتے ہیں۔ بظاہر قلب انسانی کمزور ہے نفس امارہ تگڑا مگر جب رب تعالیٰ کا فضل دستگیری کرے تو فرعونی نفس اور فرعون کے فرعونی صفات مغلوب ہوتے ہیں اور موسے قلب اور صفات قلب کے اسرائیلی اس کے وارث۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جہاں اللہ والوں کے قدم اور ان کی قبریں ہوں وہ جگہ ایسی مبارک ہو جاتی ہے کہ اسے فرعونیوں کی نحوست منحوس نہیں کر سکتی۔ ان حضرات کو جس زمین جس زمان جس آن سے نسبت ہو جاوے وہ مبارک ہو جاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ **وجعلنی مبرکا این ما کنت** وہ جہاں بھی ہوں مبارک ہیں ایسے ہی جس دل میں اللہ والوں کا گزر ہو جاوے تو وہ قلب و قالب مبارک ہو جاتے ہیں اگرچہ دل گنہگار ہو قلب مجرم ہو مگر ان کی برکت ان تمام گناہوں کی نحوست پر غالب آجاتی ہے۔ جب بزرگوں کے قدم سے زمین کے دن پھر جاتے ہیں اسے درجے مل جاتے ہیں تو جس مبارک پیٹ میں وہ رہیں اس کے درجے کیوں نہ بڑھیں گے۔ اس لئے کسی نبی کی والدہ کافرہ نہیں ہوتیں۔ صوفیاء کے نزدیک صبر افضل ہے شکر سے کہ صبر اللہ کی رحمتوں کی چابی ہے۔ **الصبر مفتاح الفرج**۔ دیکھو بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا مگر اس وعدے کا ظہور ان لوگوں کے صبر کے ذریعہ سے ہوا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ

اور گزار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پس آئے وہ اوپر ایک قوم کے جو ٹھہرے ہوئے تھے اوپر

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار اتارا تو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا کہ اپنے بتوں کے آگے

لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ

اپنے بتوں کے بولے اے موسیٰ بناؤ واسطے ہمارے معبود جیسے واسطے ان کے معبود ہیں فرمایا بیشک تم لوگ ایسی

آسن مارے تھے بولے اے موسیٰ ہمیں ایک خدا بنا دے جیسا ان کے لئے اتنے خدا ہیں بولا تم ضرور جاہل لوگ

تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

قوم ہو جو جہالت کرتے ہو بیشک یہ لوگ ہیں کہ ہلاک کی ہوئی ہے وہ چیز ہے کہ وہ ہیں جس میں اور باطل ہے وہ جو عمل کرتے تھے وہ لوگ

ہو　یہ حال تو بربادی کا ہے جس میں یہ لوگ ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں نرا باطل ہے

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** : پچھلی آیات میں بحر قلزم میں پیش آنے والے واقعات کا ذکر ہوا یعنی فرعونیوں کا ڈوبنا اسرائیلیوں کی نجات اب بحر قلزم سے پار کے واقعات کا ذکر ہو رہا ہے گویا فرعون کا قصہ ختم ہو جانے کے بعد اسرائیلیوں کا قصہ شروع فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** : پچھلی آیات میں فرعونیوں کے ڈبو دیئے جانے کا

ذکر ہوا اب اسرائیلیوں کی نجات کا ذکر فرمایا جارہا ہے گویا تصویر کا ایک رخ دکھانے کے بعد دوسرا رخ دکھایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ بحر قلزم میں فرعونی ڈبو دیئے گئے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نہ تھے' اب ارشاد ہے کہ اسی بحر قلزم سے اسرائیلی پار نکل گئے کیونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ دریا ایک لوگوں کے حال مختلف تاکہ تا قیامت مثال قائم ہو جاوے کہ دنیا کے سمندر سے وہی محفوظ رہے گا جس کے ہاتھ میں نبی کا دامن ہو گا ورنہ دنیا اسے لے ڈبو دے گی۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے نبی اسرائیل پر انعامات کا ذکر ہوا اب بنی اسرائیل کی سرکشیوں اور احسان فراموشیوں کا تذکرہ ہے تاکہ حضور ﷺ اور مومنوں کو تسلی دی جاوے کہ اسرائیلی پہلے سے ہی سرکش ہیں۔ اپنے نبی کی موجودگی میں سرکشی سے باز نہ رہے تو آپ کے زمانہ میں ان کی سرکشی عجیب بات نہیں۔ **لطیفہ:** ایک یہودی نے حضرت علی سے کہا کہ آپ لوگ اپنے نبی کے بعد آپس میں لڑ پڑے۔ ابھی تو تمہارے نبی کا پانی بھی خشک نہیں ہوا۔ جناب علی نے برجستہ جواب دیا کہ تم اسرائیلی تو اپنے نبی کی موجودگی میں جھگڑ پڑے تھے جبکہ تمہارے پاؤں بحر قلزم کے پانی سے خشک نہیں ہوئے تھے۔ اس پر اسرائیلی بہت شرمندہ ہوا۔ (مدارک)

تفسیر: وجوزنا ببنی اسرائیل البحر ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے جس میں اسرائیلیوں کے متعلق نئے قصہ کا آغاز ہے **جاوزنا** بنا ہے مجاوزہ سے' بمعنی آگے بڑھ جانا اس کے بعد ب متعدی کرنے کے لائی گئی تو معنی ہوئے بڑھا دیا پار لگانا۔ بحر سے مراد ہے بحر قلزم جنہوں نے اس سے مراد لیا' دریائے نیل انہوں نے سخت غلطی کی دیکھو تفسیر روح المعانی اور روح البیان۔ قلزم ایک بستی کا نام ہے جو مکہ معظمہ اور مصر کے درمیان ہے اس کے نام سے اسے سمندر کا نام بحر قلزم ہوا۔ (روح البیان) جیسے بحر ہند' بحیرہ عرب' بحر فارس وغیرہ یہ واقعہ محرم کی دس تاریخ جمعہ کو ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ہلاکت کی خوشی میں روزہ رکھا اب تک یہود عاشورہ کو روزہ رکھتے ہیں۔ (خازن) اسلام میں بھی پہلے یہ روزہ فرض رہا اب بھی سنت ہے اس خوشی میں ----- **فاتوا علی قوم** یہ عبارت معطوف ہے جاوزنا پر ف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کے پار ہونے پر پیش آیا یہ لوگ فوراً" مصر واپس نہ آئے بلکہ شام یا کسی اور طرف روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ ان لوگوں کو مقام ریف یا مقام رکہ میں جو سمندر سے قریب ہے' ایک قوم ملی یہ لوگ یا تو کنعانی تھے جن سے جنگ کرنے کا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا یا عمالقہ تھے یا قبیلہ لخم ابن عبد البر نے لخم کو ترجیح دی یہ لوگ لخم ابن عدی ابن عمرو ابن سبا کی اولاد تھے۔ (معانی' خازن' بیضاوی' کبیر وغیرہ) بنی اسرائیل ان لوگوں پر گزرے تھے کہ ان کی بستی دوران سفر انہیں راہ میں پڑی تھی وہاں ٹھہرے نہ تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ یہی بتا رہا ہے۔ بہرحال بنی اسرائیل دراز سفر میں جارہے تھے کہ ان کی بستی پر گزرے۔ **یعکفون علی اصنام لھم** یہ عبارت صفت ہے قوم کی۔ **یعکفون** بنا ہے عکف یا عکوف سے' بمعنی ٹھہرنا' کسی جگہ جم کر بیٹھ جانا۔ اسی سے ہے اعتکاف یعنی روزے دار کا مسجد میں آکر ٹھہر جانا' وہاں سے نہ نکلنا۔ یہاں عکف سے مراد یا تو بتوں کی عبادت پر قائم رہنا ہے' یہ اس ساری قوم کا حال تھا یا اس سے مراد بتوں کے سامنے آسن مار کر بیٹھ جانا ہے یہ کام ان کے خاص پنڈتوں کا تھا۔ اصنام جمع ہے صنم کی' بمعنی بت صنم اور وثن کبھی ہم معنی ہوتے ہیں۔ کبھی صنم مجسمہ بت کو کہتے ہیں اور وثن فوٹو وغیرہ کو یہ بت یا تو گائے تھی یا گائے کے پتھر کے مجسمے یا پیتل کی گائیں (معانی) یہ بچھڑا پرستی کی پہلی بنیاد تھی یعنی اسرائیلی دوران

سفر میں ایک ایسی قوم پر گزرے جو بچھڑا پرستی پر قائم تھی یا بچھڑے کے سامنے ان کے پنڈت وغیرہ آسن مارے بیٹھے تھے تو **قالوا یموسی** حق یہ ہے کہ یہ قول ان سارے اسرائیلیوں کا نہیں ان میں ستر حضرات تو خاص اولیاء میں سے تھے۔ حضرت یوشع علیہ السلام تو بعد میں نبی ہوئے (از تفسیر کبیر) چونکہ اکثر لوگوں نے یہ کہا تھا اس لئے **قالوا** ارشاد ہوا۔ ان کی شریعت میں نبی کو نام لے کر پکارنا ممنوع نہ تھا اس لئے **یموسی** کہا۔ **اجعل لنا الها کما لهم الهة** اس عبارت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جیسے ان لوگوں نے اپنے لئے پتھر پیتل کے بچھڑے معبود بنا لئے ہیں' آپ بھی ہمارے لئے کوئی الہ بنا دیجئے۔ ہاتھ آپ کا سر ہمارے ہوں۔ دوسرے یہ کہ آپ ہم کو کسی چیز کی پرستش کی اجازت دے دیجئے۔ تجویز آپ کی ہو عبادت ہماری ہو۔ دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ خیال رہے کہ ان کا یہ کلام کفر و ارتداد نہیں ہوا ورنہ موسیٰ علیہ السلام انہیں ارتداد کی سزا دیتے اور دوبارہ ایمان لانے کا حکم دیتے۔ دیکھو آگے چل کر بنی اسرائیل نے بچھڑا پوجا تو انہیں رب کی طرف سے سخت سزا دی گئی۔ انہوں نے کہا کہ آپ کوئی بت ہمارے لئے تجویز فرما دیں جسے ہم قبلہ بنا کر سامنے رکھیں اور اس کے ذریعہ رب تعالیٰ کی عبادت کریں (از کبیر) نیز انہوں نے خود کوئی مورتی وغیرہ بنا کر اس کی پرستش شروع نہیں کر دی بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے اس کی اجازت چاہی۔ امام بغوی کا قول تفسیر خازن نے نقل فرمایا کہ ان کا یہ قول رب کی توحید میں شک کی بنا پر نہ تھا اس لئے آپ نے اس کا جواب نرم دیا کہ ارشاد فرمایا۔ **قال انکم قوم تجهلون** یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب ہے۔ آپ کا یہ فرمان یا تو جھڑک کے طور پر ہے یا تعجب کے لئے ہے۔ **تجهلون** فرمایا۔ **جاهلون** نہ فرمایا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی سرکشیاں' جہالتیں بارہا دیکھ چکے تھے اور آئندہ بھی دیکھنے والے تھے وہ لوگ جہالتیں نت نئی کرتے ہی رہتے تھے۔ **تجهلون** کا مفعول ارشاد نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ عقاید' اعمال' احوال میں ہر طرح کی جہالت کرتے تھے۔ ابھی فرعونیوں کا انجام ان پر عتاب الٰہی دیکھ چکے تھے خود اپنے پر اللہ تعالیٰ کی کرم نوازیاں' مہربانیاں بارہا آزما چکے تھے۔ فرعونیوں کے شرک اور فرعون پرستی بھی ان کو معلوم تھی یہ بھی خبر تھی کہ ان پر اس بت پرستی کی وجہ سے عذاب آیا پھر خود ہی اس بت پرستی کی اجازت مانگ رہے ہیں اس سے بڑھ کر اور جہالت کیا ہو گی۔ **لطیفه** ترمذی نے بروایت ابو واقد قریش فرمایا کہ جب حضور انور ﷺ غزوہ حنین میں مع صحابہ کرام تشریف لے گئے تو راستہ میں مشرکین کے ایک درخت پر گزر ہوا جس پر مشرکین اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے اس درخت کی پرستش کی نیت سے اس درخت کا نام ذات انواط تھا تو حضور کے ساتھ بولے یا رسول اللہ! ہمارے لئے بھی کوئی ذات انواط درخت مقرر فرما دیں ان لوگوں کی طرح حضور انور نے ارشاد فرمایا سبحان اللہ! تم نے مجھ سے وہ کہا جو اسرائیلیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ان کفار کی طرح ہمارے لئے بھی کوئی معبود مقرر فرما دیں پھر فرمایا تم لوگ یعنی مسلمان پچھلی امتوں کے نقش قدم پر چلنے لگے (ترمذی' خازن) **ان هولاء متبر ما هم فيه** اس فرمان عالی میں ان مشرکین کے عقائد کی برائی ان کے اعمال کے نقصان کا ذکر ہے **هولاء** سے اشارہ اسی بت پرست قوم کی طرف ہے۔ **متبر** بنا ہے **تبار** سے بمعنی ہلاکت۔ رب فرماتا ہے **ولا تزد الظالمين الا تبارا** اور فرماتا ہے۔ **تبرنا تبتيرا** ریزہ ریزہ شدہ سونے یا لوہے کو تبر کہتے ہیں (کبیر) اس سے مراد ان بت پرستوں کے باطل عقیدے ہیں یعنی جن عقائد میں یہ لوگ مبتلا ہیں ان کے لئے بقاء نہیں۔ عنقریب یہ لوگ اور ان کے عقائد سب کچھ برباد و ہلاک ہو جائیں گے۔ ان کے بت انشاء اللہ ہمارے ہاتھوں ہی توڑے

جائیں گے (معاف) **وباطل ما کانوا یعملون** یہ عبارت معطوف ہے متبر ہے۔ اس فرمان میں ان بت پرستوں کے اعمال کا ذکر ہے پہلے ان کے عقاید کا ذکر ہو لہ ما ہے مراد یا تو بت ہیں تب عمل سے مراد ان کا غذر رہنا ہے یا ان کی اور بد عملیاں یعنی جو اعمال یہ دنیا میں کرتے رہے وہ سب کے سب غلط ہیں۔ ان کا کوئی نفع انہیں نہ ملے گا بلکہ الٹا نقصان ہی اٹھاویں گے اگرچہ ان کی نیت یہ ہی ہو کہ ہم ان بتوں کے ذریعہ رب تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں یہ بت ہم کو رب تک پہنچاتے ہیں اگر تم نے ان جیسے عقیدے و اعمال اختیار کئے تو تمہارا انجام بھی یہی ہونا ہے غرضیکہ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ آخرت میں ان کے کفریہ عقائد برباد ہو جائیں گے۔ قبر و حشر میں ساتھ نہ رہیں گے اور ان کی نیکیاں باطل ہو کر وہاں کام نہ آئیں گی۔ دوسرا یہ کہ دنیا میں ان کافرین آگے اعمال برباد ہو جائیں گے ہم ہی انہیں ختم کریں گے دونوں تفسیریں حق ہیں۔

خلاصہ تفسیر: فرعون کا انجام تو وہ ہوا جو ہم نے بیان فرمایا اب بنی اسرائیل کا حال سنو یہ فرعون کی غرقابی اپنی سلامتی دریا کا چیرنا ان کا خیریت سے پار لگ جانا سب کچھ دیکھ کر سمندر پار ہو کر ابھی کچھ آگے ہی گئے تھے کہ راستہ میں مقام ریف یا مقام رقہ میں پہنچے۔ وہاں کے کنعانی یا لخمی لوگوں کو بچھڑا پرستی کرتے اس کے آگے دو زانو بیٹھے آسن مارے دیکھا تو ان کے دل میں بت پرستی کا شوق پیدا ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام سے بولے کہ اے موسیٰ! ہم کو بھی اجازت دیجئے کہ ہم بھی بچھڑا پرستی کریں یا آپ ہی ہمارے لئے کوئی بت تجویز فرما دیجئے کہ ہم اس کی پرستش کیا کریں یا آپ اپنے ہاتھ سے ہمارے لئے بچھڑے کے مجسمے بنا دیجئے تاکہ ہم ان کی طرح اسے پوجیں۔ ہم کو ان کا یہ عمل بڑا پسند آیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے نہایت حیرت سے فرمایا کہ تم ایسی قوم ہو کہ جہالتیں کرتے ہی رہتے ہو۔ تم نے سمندر سے پار ہونے پر بلکہ خشک سمندر میں پہنچ کر جہالت کی باتیں کیں کہ تم سب ایک راستہ سے نہ گزرے تمہارے ہر قبیلہ نے الگ راستہ مانگا پھر تم نے مجھے پریشان کیا کہ مجھ سے کہا ہمیں دوسرے قبیلوں کی خبر نہیں تو پانی کی دیواروں میں تمہارے لئے روزن کئے گئے اب تم نے یہ غضب کیا کہ ابھی ابھی اللہ کا عذاب فرعونیوں پر اور اس کی رحمت اپنے پر دیکھ کر آرہے ہو اور پھر اسی کام کی اجازت چاہتے ہو جس سے وہ لوگ ہلاک ہوئے تم عجیب قوم ہو جہالتیں کرتے ہی رہتے ہو۔ یہ لوگ جن بتوں کو پوجتے ہیں عنقریب یہ بت ہمارے ہاتھوں ہی مٹائے جائیں گے۔ تم بت شکن ہو بت پرست کیوں بنتے ہو ان بت پرستوں کے اعمال محض بے فائدہ باطل اور نقصان دہ ہیں۔ خیال رہے کہ یہ بت پرست قوم عمالقہ تھے۔ اسی قوم پر بنی اسرائیل نے جہاد کیا موسیٰ علیہ السلام کے بعد۔ نیز اس قوم کو بنی اسرائیل کے ہاتھوں ہلاک کیا گیا۔ آپ کا یہ فرمان اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے یہ بھی خیال رہے کہ یہ عرض و معروض کرنے والے سارے لوگ نہ تھے۔ ان میں حضرت ہارون و یوشع و کالب ابن یوحنا اور بہت سے اولیاء کاملین بھی تھے۔ یہ عرض ان عوام اسرائیلیوں نے کی تھی جو ابھی راسخ الایمان نہ تھے جیسا کہ ہم ابھی تفسیر میں بحوالہ بیان کر چکے ہیں۔ یہ بات خوب خیال میں رہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بچھڑا پرستی گائے کی پرستش بہت پرانی بیماری ہے۔ اس کی ابتداء قوم عمالقہ سے ہوئی ان سے بنی اسرائیل نے سیکھی ان سے ہندوستانی ہندوؤں نے یہ عمل شروع کیا۔ یہ فائدہ **یعکفون علی اصنام** سے حاصل ہوا۔ حیرت ہے کہ ان بے وقوفوں نے گائے جیسے کمزور، بے کس، بے بس جانور کو معبود کیسے سمجھ لیا۔ اس میں کونسی طاقت و قوت دیکھی۔ **دوسرا فائدہ:** انسان بڑا ہی بھولنے والا، زود فراموش ہے۔ دیکھو

اسرائیلیوں نے عرصہ تک فرعونیوں کے مظالم سے پھر انہیں ڈوبتے دیکھا اپنے پر رب تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں دیکھیں مگر اس کے باوجود سمندر سے نکلتے ہی شرک و بت پرستی کی خواہش کرنے لگے۔ یہ فائدہ **اجعل لنا الٰھا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: نبوت کا فیضان نبی کی صحبت کا اثر سب کو یکساں نہیں پہنچتا۔ دیکھو حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی صحبت سے بہت اسرائیلی اولیاء اللہ بن گئے۔ حضرت ہارون و یوشع اور کالب ابن یوحنا جیسے حضرات نبی بن گئے مگر بہت سے لوگ ایسے پھپھے رہے کہ بہت جلد کفر و شرک کی طرف مائل ہو گئے۔ یہ فائدہ بھی **اجعل لنا الٰھا** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: کفر کا وہم و خیال اس کی طرف میلان کفر نہیں بلکہ ارادہ کفر' کفر ہے۔ یہ فائدہ **تجھلون** سے حاصل ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بت پرستی کی خواہش کرنے والوں کے متعلق **تجھلون** فرمایا **تکفرون** یا **کفرون** نہیں فرمایا نہ انہیں مرتد قرار دیا نہ انہیں دوبارہ مسلمان کیا' نہ ان پر عذاب الٰہی آیا۔ خیال رہے کہ ارادہ کفر کچھ اور چیز ہے' خیال کفر اور میلان الی الکفر کچھ اور چیز ہے۔ ان کے احکام جدا گانہ ہیں۔ **پانچواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو علم غیب بخشا تھا کہ آپ نے بنی اسرائیل کو قوم عمالقہ کے انجام' ان کی ہلاکت و بربادی کی خبر دی اور پھر بعد میں ایسا ہی ہوا۔ یہ فائدہ **ھولاء متبر** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: الٰہ وہ ہے جو ہمیں بنائے۔ وہ الٰہ نہیں ہے جسے ہم بنائیں۔ یہ فائدہ بھی **قوم تجھلون** سے حاصل ہوا کہ آپ نے ان بیوقوفوں سے فرمایا کہ تم رے جاہل ہو کہ کہتے ہو **اجعل لنا الٰھا** ہمارے لئے معبود بنا دے۔ جو بنایا جاوے۔ وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: قوم عمالقہ صرف گائے پوجتی تھی جیسا کہ تفاسیر سے ثابت ہے تو اصنام جمع کیوں فرمایا۔ صنم فرمانا چاہیے تھا۔ **جواب**: وہ لوگ گائے بھی پوجتے تھے پھڑا بھی۔ گائے کے مجسمے بھی پھر پیتل' تانبے کے' یہ تھے ان کے مختلف بت جیسے ہندوستان کے ہندو' کہ وہ گائے کے مجسمے بھی پوجتے ہیں۔ لہٰذا اصنام جمع فرمانا بالکل درست ہوا۔ **دوسرا اعتراض**: اگر یہ اسرائیلی بچھڑے کو قبلہ کی طرح بنانا چاہتے تھے کہ اسے سامنے رکھ کر سجدہ کریں مگر اللہ کو سجدہ کریں نہ کہ بچھڑے کو تو اس میں کیا حرج تھا آخر مسلمان بھی کعبہ کو سامنے رکھ کر اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کیوں منع فرمایا (آریہ سماج)۔ **جواب**: اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہم پہلے پارہ میں دے چکے ہیں کہ مسلمان کا سجدہ اللہ کو ہوتا ہے' کعبہ کی طرف ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کعبہ اٹھا کر اور جگہ رکھ دیا جائے تو اسے کوئی سجدہ نہ کرے مگر مشرک کا سر مورتی کی طرف جھکتا ہے کہ جدھر مورتی ادھر پجاری کا سر۔ لہٰذا مورتی یا بچھڑا مشرک کا الٰہ ہے' کعبہ مسلمان کا الٰہ یا معبود نہیں۔ **تیسرا اعتراض**: ارادہ کفر بھی کفر ہے۔ جب اسرائیلیوں نے اس کا ارادہ کر لیا اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے معبود بنا دیں تو وہ کافر ہو گئے۔ لہٰذا چاہیے تھا کہ موسیٰ علیہ السلام انہیں دوبارہ مسلمان کرتے' انہیں کفر کی سزا دیتے۔ **جواب**: وہاں ارادہ کفر نہ تھا بلکہ بت پرستی کا خیال تھا اس کی پسندیدگی تھی۔ انہیں یہ خبر نہ تھی کہ بت پرستی کفر ہے اس لئے وہ مرتد نہ ہوئے۔ ہاں بے سمجھ کم عقل ہوئے کہ اتنی ہوتی بات نہیں سمجھ سکے اس لئے انہیں جاہل کہا' کافر نہ کہا۔ **چوتھا اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جاہلون کیوں نہ فرمایا تجھلون مضارع کیوں فرمایا۔ **جواب**: آپ نے تجھلون فرما کر یہ بتایا کہ تم ہمیشہ جہالت' سرکشی کی باتیں کرتے رہتے ہو۔ تمہاری عادت ہے جہالت کی باتیں' جہالت کے کام کرنا۔ یہ مقصد جاہلون فرمانے سے حاصل نہ ہوتا۔ **پانچواں اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے ان بت پرستوں کے متعلق دو باتیں فرمائیں۔ متبر اور باطل۔ ان دونوں میں کیا فرق ہے نیز

ماھم فیه اور **ماکانوایعملون** میں کیا فرق ہے۔ **جواب:** ان کے فرق ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے کہ متبر کے معنی ہیں ہلاک و برباد' باطل کے معنی ہیں بیکار بے فائدہ **ماھم فیه** سے مراد ان لوگوں کی بدعقیدگی ہے۔ اور **ماکانوا یعملون** سے مراد ان کے اعمال ہیں۔ یعنی ان کی بدعقیدگیاں ان کے لئے ہلاکت ہیں۔ اور ان کے اعمال برباد ہیں۔ جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ چونکہ بدعقیدگی بڑا جرم ہے' بدعملی اس کے بعد ہے۔ اس لئے بدعقیدگی کے متعلق سخت لفظ فرمایا اور بدعملی کے لئے ہلکا لفظ۔ لہذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ **چھٹا اعتراض:** ایمان فطری جو میثاق کے دن ملا تھا اور ایمان بعد موت۔ ان کے ذریعہ نجات کیوں نہیں ملتی۔ دنیا میں آکر جو ایمان حاصل ہو وہی ذریعہ نجات ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ ان دونوں ایمانوں میں نبی کا واسطہ نہیں۔ میثاقی ایمان میں براہ راست رب سے ایمان ملا تھا اور بعد موت آنکھوں سے دیکھ کر' اس لئے ان سے نجات نہیں۔ دنیا میں ایمان نبی کی زبان سے ہے یعنی ایمان بالغیب لہذا بخشش کا ذریعہ ہے اگر کوئی دنیا میں ساری ایمانیات مان لے مگر نبی سے تعلق نہ رکھے شیطان کی طرح تو اس کی بھی نجات نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے سخت بیماری سے شفا حاصل ہو جانے کے بعد جسم میں نقاہت و کمزوری رہتی ہے جس کی وجہ سے معمولی سی ہوا' ذراسی بدپرہیزی نقصان دیتی ہے اور نقاہت جاتے رہنے پر انسان ہر طرح قوی ہو جاتا ہے۔ مخالف ہوا وغیرہ کا مقابلہ کرلیتا ہے ایسے ہی مرض کفر کے جاتے رہنے پر دلی نقاہت باقی رہتی ہے کہ ذراسی بے احتیاطی پر انسان بہک جاتا ہے۔ یہ اسرائیلی مومن تو ہو گئے تھے مگر ابھی تک ان میں کفر کے بعد والی نقاہت اور ضعف باقی تھا جس کی وجہ سے یہ لوگ ان بت پرستوں کو دیکھ کر پھسل گئے اور کفر کی طرف راغب ہو گئے چونکہ حکیم مطلق جناب کلیم اللہ ساتھ تھے اس لئے انہوں نے سنبھال لیا نیز انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اس کفر کی اجازت چاہی کفر کیا نہیں اس لئے درست ہو گئے۔ انسان کو چاہئے کہ مرتے دم تک کسی کامل کی نگاہ میں رہے تاکہ وہ پھسلنے پر ہمیں سنبھالتا رہے۔ نہ معلوم کب اور کس طرح شیطان ہم کو بہکاوے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر !!
ہست بس پر آفت و خوف و خطر

بڑے میلے بڑی بھیڑ میں اگر بچہ اپنے مربی کی انگلی چھوڑ دے تو گم ہو جاتا ہے۔ دنیا ایک میلہ ہے اگر ہم مرشد کامل کا دامن چھوڑ دیں تو گمراہ ہو جاویں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ فرعونی جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے جادو کرنے کی اجازت مانگی تو ان کے لئے جادو رحمت بن گیا کہ وہ اس میں شکست کھا کر ایمان والے ہو گئے۔ ان اسرائیلیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کفر و شرک کرنے کی اجازت مانگی تو ان کے لئے یہ اجازت مانگنا اللہ کی رحمت ہو گیا کہ وہ لوگ اس سے بچ گئے۔ اتباع اور اجازت شیخ بڑی چیز ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ و رسم منزلہا

ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی

اگر نہ ہو تو مسلماں ہے کافر و زندیق

ایمان ہم کو میثاق کے دن ملا تھا۔ دنیا میں آتے وقت تک ہمارے ساتھ رہا پھر دنیا میں ساتھ پھر ان شاء اللہ قبر و حشر میں ساتھ جاوے گا۔ مومن جو نیکیاں کرلیتا ہے وہ بھی ایمان کی برکت سے ساتھ جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے مومن قبر میں رب تعالیٰ دین اور نبی کو پہچان لیتا ہے۔ کافر کو کفر دنیا میں آکر ملتا ہے کہ وہ پیدائش تک فطرت پر تھا پھر مرنے سے پہلے چھوڑ جاتا ہے کہ مرتے وقت اسلام کی حقانیت کا اقرار کرلیتا ہے پھر کافر کی نیکیاں اس کے ساتھ نہیں جاتیں گناہ ساتھ جاتے ہیں۔ مومن کی نیکیاں ساتھ جاتی ہیں گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ مطلب ہے اس فرمان کا کہ **انھؤلاء متبر ماھم فیہ وبطل ماکانوا یعملون۔**

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۴۰ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ

فرمایا کیا خدا کے غیر کو تلاش کروں میں تمہارے لئے معبود حالانکہ بزرگی دی اس نے تم کو سارے جہا نوں پر اور جبکہ نجات دی ہم

کہا کیا اللہ کے سوا تمہارا اور کوئی خدا تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں زمانہ بھر پر فضیلت دی اور یاد کرو جب ہم

مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ

نے تم کو متبعین فرعون سے جو چکھاتے تھے تم کو سختی عذاب کی کہ قتل کرتے تھے بیٹوں کو تمہارے اور

نے تمہیں فرعون والوں سے نجات بخشی کہ تمہیں بری مار دیتے تمہارے بیٹے ذبح کرتے اور

يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۱۴۱ ع

زندہ رکھتے تھے بیٹیوں کو تمہاری اور اس میں آزمائش تھی طرف سے رب تمہارے کے بڑی ۔

تمہاری بیٹیاں باقی رکھتے اور اس میں تمہارے رب کا بڑا فضل ہوا۔

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اسرائیلیوں کے ایک واہیات مطالبہ کا ذکر ہوا یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود کی تلاش۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی چار طرح تردید فرمائی۔ ان میں سے دو تردیدوں کا ذکر پہلے ہوا یعنی اسرائیلیوں کا محض جاہل ہونا اور کفار کے عقاید و اعمال کا باطل ہونا اور دو تردیدوں کا ذکر ان آیات میں ہے یعنی اسرائیلیوں کو دنیا بھر پر فضیلت دینا اور انہیں فرعونیوں سے نجات دینا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے جلالی جوابوں کا ذکر ہوا تھا۔ اب ان آیات میں آپ کے جمالی جوابات کا تذکرہ ہے چونکہ فطرت انسانی بمقابلہ جمال کے جلال کو زیادہ مانتی ہے اسلئے جلال کا ذکر پہلے ہوا جمال کا بعد میں۔ یہ ترتیب نہایت موزوں ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ایک جواب تو وہ مذکور ہوا جس کا تعلق اسرائیلیوں سے تھا ان کا جاہل، بے عقل، بے شعور ہونا اور ایک جواب وہ مذکور ہوا جس کا تعلق بت پرست عمالقہ سے تھا یعنی ان کے عقاید کا باطل ہونا، اعمال کا برباد ہونا۔ اب ایسے دو جوابوں کا ذکر ہے جس کا تعلق باری تعالیٰ کی ذات کریم سے ہے یعنی اس کا بنی اسرائیلیوں پر خاص کرم و فضل فرمانا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کو جاہل فرمایا گیا۔ جاہل بھی ایسا جو مسلسل جہالتیں کرے۔ اب اس جہالت کی تفصیل و تشریح فرمائی جارہی ہے۔ گویا یہ آیتیں گزشتہ

آیات کی شرح ہیں یعنی تم لوگ ایسے جاہل ہو کہ اپنے منعم کے احسانات کو بہت جلد بھول جاتے ہو۔ رب کی مسلسل نعمتیں دیکھو۔ اپنی نافرمانیوں میں مسلسل غور کرو۔

تفسیر: قال اغیر اللہ ابغیکم الھا فرمان عالی موسیٰ علیہ السلام کے جوابات کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ آپ نے اپنی گفتگو کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا۔ چونکہ جواب کی روش بدل گئی کہ پہلے جلالی جواب تھا اب جمالی۔ اس لئے قال دوبارہ ارشاد ہوا یعنی موسیٰ علیہ السلام نے وہ بات بھی کہی اور یہ بات بھی۔ **اغیر اللہ** میں ہمزہ انکاری سوال کے لئے ہے یا تعجب کے لئے۔ قرآن مجید میں دون کی طرح غیر بھی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ دشمن 'اجنبی' بے تعلق 'ماسواء' یہاں آخری معنی میں ہے یعنی ماسوا اللہ کیونکہ کسی ماسوا اللہ کی عبادت نہیں کوئی ماسوا اللہ معبود نہیں نہ فرشتہ نہ نبی نہ کوئی اور مخلوق **ابغی** بنا ہے بغاوت سے بھی بمعنی سرکشی اور بغی سے بھی بمعنی تلاش و جستجو۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے۔ **کم** سے پہلے لام پوشیدہ ہے۔ اصل میں **ابغی لکم** تھا۔ رب فرماتا ہے **یبغونکم الفتنۃ** وہاں بھی اصل میں **یبغون لکم** تھا (تفسیر کبیر) **الھا** یا تو ابغی کا مفعول ہے اور غیر اللہ اس کا حال مقدم یا غیر اللہ ابغی کا مفعول بہ تھا اور **الھا** اس کا حال (معانی) **وھو فضلکم علی العلمین** یہ عبارت لفظ اللہ سے حال ہے۔ لہذا واؤ حالیہ۔ **فضل** بنا ہے فضل سے جس کا مادہ فضل یا فضیلت ہے بمعنی بزرگی۔ عالمین سے مراد یا تو اس زمانہ کے جہان والے ہیں تب فضیلت سے مراد مطلق بزرگی ہے کیونکہ واقعی اس زمانہ میں بنی اسرائیل جہان والوں سے افضل تھے جیسے آج حضور انور کی امت جہان والوں سے افضل ہے یا فضیلت سے مراد ہے مذکورہ نعمتیں عطا فرمانا یعنی اسرائیلیوں کے لئے سمندر چیرنا۔ ان کی خاطر فرعون کو ہلاک فرمانا۔ فرعونیوں کے ملکے عذابوں سے اسرائیلیوں کو محفوظ رکھنا جیسے خون 'مینڈک وغیرہ اس صورت میں عالمین سے مراد تاقیامت جہان والے ہیں کیونکہ یہ نعمتیں کسی اور امت کو نہیں ملیں (خازن 'روح البیان' کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ یہاں العالمین سے فرشتے اور انبیاء کرام علیحدہ ہیں یہ استثناء عقلی (روح المعانی) کیونکہ عام مسلمان فرشتوں سے افضل نہیں۔ **واذ انجینکم من ال فرعون** یہ جملہ علیحدہ ہے۔ اس کا واؤ ابتدائیہ ہے۔ یہ فرمان رب تعالیٰ کا ہے 'موسیٰ علیہ السلام کا نہیں جیسا کہ اگلے کلام کی روش سے معلوم ہوا۔ یہاں **اذکرو** فعل پوشیدہ ہے یعنی وہ وقت یاد کرو 'یاد رکھو یا اس وقت کا چرچا و تذکرہ کرو۔ اس میں خطاب یا تو حضور انور ﷺ کے زمانہ کے بنی اسرائیل سے ہے یا ان بنی اسرائیل سے جنہوں نے مذکورہ مطالبہ کیا تھا کہ ہمارے لئے ایک معبود بنا دیجئے اس صورت میں رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر یہ وحی بھیجی اور موسیٰ علیہ السلام نے ان اسرائیلیوں سے فرمایا۔ یہ پوری آیت پہلے پارہ میں گزر چکی اس کی پوری تفسیر وہاں مطالعہ کرو۔ آل فرعون سے مراد فرعون کی پولیس اور فوج ہے جو بنی اسرائیل کو ستانے پر مسلط تھی۔ آل کے معنی آل اور اہل میں فرق بارہا بیان ہو چکے ہیں۔ **یسومونکم سوء العذاب** یہ عبارت یا تو آل فرعون سے حال ہے یا اس کی صفت۔ **یسومون** بنا ہے سوم سے بمعنی طلب کرنا اور پہنچانا کہا جاتا ہے سام السلعۃ۔ اس نے سامان طلب کیا۔ (روح البیان)۔ سوء العذاب میں صفت مضاف ہے موصوف کی طرف۔ اصل میں عذاب سوء تھا۔ یہاں سوء صفت مشبہ ہے یہ ہی مصدر بھی ہوتا ہے یعنی فرعونی لوگ تم کو سخت عذاب دیتے تھے۔ عذاب کا ماخذ اس کے معنی پہلے پارہ میں عرض کئے جا چکے ہیں۔ **یقتلون ابناءکم** یہ عبارت سوء العذاب کا بیان

ہے۔ **یقتلون** باب تفعیل ارشاد ہوا تاکہ پتہ لگے کہ وہ عرصہ تک تمہارے بیٹے چن چن کر ڈھونڈ ڈھونڈ کر ذبح کرتے رہے۔ اس ذبح کی وجہ پہلے بیان کی جاچکی ہے کہ انہیں کاہنوں نے خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل کا ایک بچہ بڑا ہو کر تیری سلطنت کا خاتمہ کر دے گا وہ بولا کہ میں ان کے کسی بچے کو بڑا ہونے ہی نہ دوں گا چونکہ یہ بچے لڑکپن میں بلکہ پیدا ہوتے ہی ذبح کر دیئے جاتے تھے اس لئے **ابناءکم** فرمایا۔ **رجالکم** نہ فرمایا۔ **ویستحیون نساءکم** یہ عبارت معطوف ہے **یقتلون** پر۔ صرف لڑکیوں کا زندہ رہنا لڑکوں کا نہ ہونا بھی ماں باپ کے لئے عذاب ہوتا ہے۔ اس لئے اسے بھی عذاب کے سلسلے میں بیان فرمایا چونکہ وہ چاہتا تھا کہ یہ لڑکیاں جوان ہو کر قبطیوں کی خدمت کریں۔ اس لئے یہاں بنات نہ فرمایا بلکہ نساء فرمایا کہ زندہ چھوڑنے کی وجہ ان بچیوں کا آگے چل کر عورتیں بننا تھا۔ **وفی ذالکم بلاء من ربکم عظیم**۔ یہ جملہ علیحدہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے ذلکم میں اشارہ یا تو گزشتہ سارے عذابوں مصیبتوں کی طرف ہے یا ان تمام انعامات کی طرف جو پہلے مذکور ہوئے۔ پہلی صورت میں بلاء بمعنی محنت ہے۔ دوسری صورت میں بمعنی نعمت لفظ بلاء دونوں پر بولا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے **ویلوناھم بالحسنات والسیات** خلاصہ یہ ہے کہ بلاء بمعنی آزمائش آتا ہے۔ آزمائش محنت سے بھی ہوتی ہے اور نعمت سے بھی۔ عظیم صفت ہے بلاء کی اور من ربکم اسی بلاء کی پہلی صفت ہے یعنی ان مذکورہ مصیبتوں میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارا بڑا ہی امتحان تھا۔ یا ان نعمتوں اس نجات میں تمہارے رب کی طرف سے تم پر بڑا ہی فضل و کرم تھا تم ان باتوں پر غور کرو اور اسی کی اطاعت کرو۔ تم بڑے ناسمجھ ہو کہ رب تعالیٰ تم پر ایسے انعام و اکرام کرے اور تم اس کی ایسی نافرمانی کرو۔

خلاصہ تفسیر: جب بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے بت سازی اور بت پرستی کی اجازت کی درخواست کی تو پہلے آپ نے ملامت کی پھر کفر اور کفار کا انجام بتایا پھر انہیں اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات یاد دلائے جو ان پر خصوصیت سے ہوئے چنانچہ فرمایا کہ اے بیوقوفو! کیا میں تمہارے لئے ماسوی اللہ کو خدا بناؤں تمہارے لئے کوئی اور خدا تلاش کروں۔ اس کے کرم و احسانات تم پر بے شمار ہیں۔ اسی نے اے اسرائیلیو! آج تم کو زمانہ بھر پر بزرگی دی ہے کہ تم کو اولاد انبیاء کیا۔ تمہاری خاطر سارے قبطیوں کو ڈبویا۔ تمہارے لئے سمندر چیرا۔ تمہارے محلوں، تمہاری گلی کوچوں میں قبطیوں پر عذاب آئے تم محفوظ رہے۔ رب نے فرمایا کہ اے اسرائیلیو! تم ہمارا یہ احسان بھی یاد کرو کہ تم فرعونیوں کے ہاتھوں گرفتار تھے۔ وہ تم کو طرح طرح کے عذاب دیتے تھے حتیٰ کہ تمہارے چھوٹے بچوں کو تمہارے سامنے ذبح کرتے تھے۔ تمہاری بچیوں کو زندہ چھوڑتے تھا تاکہ وہ جوان ہو کر ان کی خدمت گار بنیں۔ ہم نے تم کو ان سے نجات دی، اس میں تمہاری آزمائش ہے کہ دیکھیں تم ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہو یا نہیں۔ تم پر لازم ہے کہ ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرو۔ تم بجائے شکر کے الٹی نافرمانی کرتے ہو اور اس قدر جلد بت پرستی کی کوشش کرتے ہو۔

فائدے: اس آیہ کریمہ سے چند ایک فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: خدا وہ نہیں جو تلاش کرکے بنایا جاوے اور جس کا خدا بننا ہماری تلاش پر موقوف ہو بلکہ خدا وہ ہے جس کی رحمت بندوں کو تلاش کرے۔ یہ فائدہ **ابغیکم** سے حاصل ہوا کہ لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا۔ **اجعل لنا الھا** ہمارے لئے خدا بناؤ۔ آپ نے **ابغیکم** فرمایا۔ اور فرمایا **وھو فضلکم** یہ ہے اس کی رحمت کی تلاش۔ **دوسرا فائدہ**: نبی کی قوم ہونا، نبی کی اولاد ہونا فضیلت کا باعث ہے۔ یہ فائدہ

وھو فضلکم سے حاصل ہوا۔ دیکھو بنی اسرائیل کی بزرگی کا سبب یہ تھا کہ وہ آل یعقوب علیہ السلام تھے اور موسے علیہ السلام کے ہم قوم ایسے ہی آج سید حضرات افضل ہیں کہ وہ حضور انور کی اولاد ہیں بشرطیکہ مومن ہوں۔ ایمان چھوڑ دینے پر نہ مومن رہتا ہے نہ سید۔ قابیل اور کنعان نبی کے بیٹے تھے مگر بدتر خلوق ہوئے۔ **تیسرا فائدہ:** گناہ کی وجہ سے نسبی فضیلت نہیں جاتی رہتی۔ موتی کیچڑ میں لتھڑ کر موتی ہی رہتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **فضلکم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام سے کہنا کہ ہمارے لئے کوئی رب تلاش کرو' سخت گناہ تھا جس پر آپ نے سخت عتاب فرمایا مگر اس کے باوجود وہ بنی اسرائیل عالمین سے افضل رہے۔ نسبی فضیلت کو کفر مٹا دیتا ہے۔ دیکھو کشتی نوح میں گدھوں' کتوں کو جگہ تھی مگر کافر بیٹے کنعان کو جگہ نہ تھی۔ **چوتھا فائدہ:** کفر کا خیال دوہم' کفر نہیں۔ ارادہ کفر' رضایا کفر اور خیال کفر میں فرق ہے۔ پہلی دونوں چیزیں کفر ہیں اور خیال کفر' کفر نہیں۔ یہ فائدہ **وھو فضلکم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو ان اسرائیلیوں نے کفر و بت پرستی کا خیال کیا مگر انہیں عالمین سے افضل فرمایا گیا وہ افضل ہی رہے **پانچواں فائدہ:** الوہیت وہ چیز ہے جو نہ کسی کے بنانے سے بنے نہ رائے علم سے۔ الہ وہ ہے جو سب کو بنائے کوئی اسے نہ بنائے۔ یہ فائدہ **اغیر اللّٰہ ابغی** سے حاصل ہوا۔ قوم نے کہا تھا **اجعل لنا الھا** ہمارے لئے معبود بنا دو۔ بلکہ نبوت بلکہ خاص ولایت بھی نہ کسب سے حاصل ہو نہ کسی کی رائے سے۔ یہ عطا ربانی ہے۔ حق یہ ہے کہ ولایت کسبی وہبی میں کسب اور نظر کو دخل ہے مگر ولایت عطائی میں کسی چیز کو دخل نہیں۔ حضرت مریم پیدائشی ولی تھیں بغیر کسب کے اور حضرت آصف بن برخیا علم کے ذریعہ ولی ہوئے۔ **وقال الذی عندہ علم من الکتب** ہاں یہ ہوا ہے کہ کسی نبی کی دعا سے اللہ نے کسی کو نبی بنایا۔ جیسے حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھنا عبادت ہے۔ خواہ قول سے یاد رکھے یا عمل سے۔ یہ فائدہ **اذ انجینکم** سے حاصل ہوا کہ اس سے پہلے **اذکروا** پوشیدہ ہے۔ اب تک نجات بنی اسرائیل کی یادگار میں عاشورہ کا روزہ سنت ہے۔ لہذا حضور کی ولادت' معراج وغیرہ کی یادگاریں منانا عبادت ہے۔ دو چیزیں یاد رکھنی چاہیں اپنا گزرا وقت اگرچہ بہت پرانا ہو' اور اللہ کی نعمت اگرچہ بہت پہلے ہو چکی ہو کہ ان دو باتوں سے دل میں تکبر نہیں پیدا ہو گا اور اللہ تعالیٰ کے شکر کی توفیق ملے گی۔ دیکھ لو آج ظہر و عصر کی نماز میں امام قراءۃ آہستہ کرتا ہے تاکہ مسلمانوں کو اپنا وہ گزرا وقت یاد رہے کہ جب وہ کفار کے غلبہ کی وجہ سے ان وقتوں میں اونچی آواز سے نماز نہیں پڑھ سکتے تھے اور آج رمضان میں بہت عبادت کی جاتی ہے کیونکہ اس مہینہ میں قرآن کی نعمت ملی۔ بقر عید میں قربانی اور نماز ادا کی جاتی ہے کیونکہ اس تاریخ میں حضرت ابراہیم و اسماعیل کو امتحان میں کامیابی کی نعمت ملی۔ **ساتواں فائدہ:** اتباع کرنے والوں کو آل کہا جاتا ہے۔ یہ فائدہ من آل فرعون سے حاصل ہوا کہ فرعونی پولیس و فوج کو آل فرعون فرمایا گیا۔ لہذا ہر متقی مسلمان آل رسول ہے' اس معنی سے۔ **آٹھواں فائدہ:** اولاد کا ماں باپ کے سامنے قتل اللہ کی بڑی آزمائش ہے جو اس آزمائش میں پورا اترے اس کا بڑا درجہ ہے۔ یہ فائدہ **بلاء من ربکم عظیم** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے اسرائیلیوں کے بچوں کے قتل کو بلاء عظیم فرمایا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کے لئے فرمایا **ان ھذا لھو البلؤ المبین** غور کرو کہ حضرت امام حسین کا درجہ اللہ کے ہاں کتنا بلند ہو گا جن کی گود میں علی اصغر تین دن کے پیاسے تیر سے قتل کئے گئے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ **نواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھی بلاء عظیم یعنی بڑی آزمائشیں ہیں اس آزمائش

میں کوئی کوئی پورا اترتا ہے۔ یہ فائدہ بھی بلاء من ربکم عظیم سے حاصل ہوا جبکہ ذالکم سے مراد نجات دینا ہو۔

اعتراضات: **پہلا اعتراض:** اللہ کے ہاں نسب کوئی چیز نہیں۔ افضلیت اعمال سے ہے۔ رب فرماتا ہے **ان اکرمکم عنداللہ اتقکم**۔ بد عمل سید سے نیک اعمال والا غیر سید افضل ہے۔ **جواب:** یہ غلط ہے۔ اولاد نبی ہونا اللہ کی خاص رحمت ہے۔ تمہاری پیش کردہ آیۃ میں خطاب کفار عرب سے ہے کہ کفر کے ہوتے نسب سے شرافت نہیں ملتی۔ یا اس آیۃ کا مقصد یہ ہے کہ اولاد رسول اپنے کو اعمال سے بے نیاز نہ جانے بلکہ دوسروں سے زیادہ نیکیاں کرے ورنہ بتاؤ بنی اسرائیل کو عالمین سے افضل کیوں فرمایا گیا جب کہ وہ بت پرستی کی خواہش بھی کر چکے تھے۔ اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب الکلام المقبول فی طہارۃ نسب الرسول دیکھو۔ **دوسرا اعتراض:** کیا بنی اسرائیل فرشتوں سے نبیوں سے بھی افضل تھے کیونکہ عالمین میں تو یہ حضرات بھی داخل ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک ظاہری دوسرا تحقیقی۔ ظاہری جواب تو یہ ہے کہ یہاں العالمین سے فرشتے اور انبیاء خارج ہیں۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے اسرائیلی انبیاء بھی داخل ہیں اور واقعی انسان رسول سارے فرشتوں بلکہ رسول فرشتوں سے بھی افضل ہوئے۔ لہذا فرمان عالی بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض:** کیا بنی اسرائیل حضور ﷺ اور حضرات خلفاء راشدین فاطمہ زہراؓ عائشہ صدیقہ اور امت محمدیہ سے بھی افضل ہیں کہ العلمین میں یہ سب داخل ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ہم نے بہت تفصیل سے پہلے پارہ میں دے دیا ہے کہ العالمین سے مراد اس زمانہ میں موجودہ مخلوق ہے۔ یہ حضرات بعد میں دنیا میں تشریف لائے۔ حضور ﷺ افضل الخلق ہیں اور حضور کی امت افضل الامم۔ **جعلنکم امۃ وسطا**۔

دہر میں سب سے تو بڑا' تجھ سے بڑی خدا کی ذات
قائم تیری ذات سے سارا نظام کائنات!!

چوتھا اعتراض: اگر اولاد نبی ہونا افضلیت کا باعث ہے تو چاہیے کہ سارے انسان افضل ہوں کیونکہ سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور وہ تو نبی ہیں۔ **جواب:** واقعی انسان دوسری مخلوق سے افضل ہے۔ **ولقد کرمنا بنی ادم** خیال رہے کہ یہاں حقیقت انسانیہ کا ذکر ہے نہ کہ افراد انسانی کا یعنی انسانیت افضل ہے ملکیت سے یہ افضلیت مطلقہ ہے جو اولاد آدم ہونے کی وجہ سے مطلقاً" انسان کو دوسری مخلوق پر حاصل ہے پھر ان انسانوں میں بعض کسی نبی کی اولاد ہیں کہ دوسرے ان کی اولاد نہیں جیسے بنی اسرائیل کہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں دوسرے لوگ نہیں۔ یا آج سید حضرات جو حضور انور کی اولاد ہیں دوسرے لوگ نہیں۔ اسی نسب کی وجہ سے وہ دوسرے انسانوں سے افضل ہیں۔ غرض کہ مطلق افضلیت اور خصوصی افضلیت میں فرق ہے۔ **پانچواں اعتراض:** **یسومونکم** اور **یقتلون** اسی طرح **یستحیون** حال ہے۔ حالانکہ یہ واقعات تو پہلے ہو چکے تھے جیسا کہ **انجینا** ماضی سے معلوم ہوا۔ **جواب:** کبھی گزشتہ واقعہ کو ذہن نشین کرنے کے لئے حال سے بیان کر دیتے ہیں۔ جیسے **احمل فوق راسی خبزا** یا جیسے **انی اعصر خمرا** یا جیسے **انی اری فی المنام انی اذبحک** یہ سب ماضی ہیں جنہیں حال سے بیان فرمایا اور اردو میں کہا جاتا ہے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں فلاں جگہ جا رہا ہوں فلاں سے یہ کہہ رہا ہوں۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیۃ میں ابناء کا مقابلہ نساء سے کیوں فرمایا۔ یا تو ابناء کے مقابلہ میں بنات فرمایا جاتا یا نساء کے

مقابلہ میں رجال ارشاد ہوتا۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** اس کی وجہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فرعون بنی اسرائیل کی لڑکیاں اس لئے زندہ چھوڑتا تھا کہ وہ جوان ہو کر ماں باپ پر بوجھ پڑیں اور فرعونیوں کی خدمت کریں۔ یہ دونوں باتیں ان کے جوان ہو جانے نساء بن جانے پر بنی تھیں۔ نساء فرمانے میں چھوڑنے کی وجہ کی طرف اشارہ ہے مگر فرعون اپنی اسکیموں میں بری طرح ناکام رہا۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ کی تلاش و جستجو اس کی رضا کی طلب بہترین عبادت ہے اور اس کی تلاش کے ٹھکانے حضرات انبیاء کرام کے آستانے ہیں مگر غیر خدا کو خدا بنا کر اس کی تلاش انتہائی حماقت و جہالت ہے۔ نبی کے آستانہ پر غیر خدا کی تلاش بڑی محرومی ہے۔ نبی سے خدا مانگو بلکہ خدا سے بھی خدا کو مانگو۔ شعر

محمد از تو می خواہم خدا را خدایا از تو عشق مصطفیٰ را

پیغمبر کے دروازے ایمان و عرفان، رحمت رحمان کی دکانیں ہیں جہاں سے اس قسم کے سودے ملتے ہیں عقیدت و محبت کی رقم لے جاؤ اعلیٰ درجے کے سودے خرید و۔ ان کے در سے شرک و کفر بت سازی و بت پرستی مانگنا ایسا ہی ہے جیسے سونے چاندی کی دکان سے سبزی گوشت مانگنا۔ جیسی دکان ویسے سودے۔ اس لئے آپ نے فرمایا **افغیر اللہ ابغی** دیکھو حضور انور سے کفار نے عذاب مانگا تو حضور سے کہلوایا گیا کہ میرے پاس وہ نہیں جو تم مانگتے ہو اگر میرے پاس تمہاری مانگی چیز ہوتی تو اب تک فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ مطلب یہی ہے کہ میں رحمت والا نبی ہوں میرے پاس عذاب کہاں میری دکان میں رحمت کے سودے ہیں۔

شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ جس قدر رب کے احسانات زیادہ ہوں اسی قدر بندے کا شکر زیادہ ہو کہ شکر نعمت کی قید ہے۔ اس سے نعمت ٹھہرتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے۔ **لئن شکرتم لازیدنکم** صوفیاء فرماتے ہیں کہ بزرگوں سے نسب اور نسبت دونوں اللہ کی دائمی نعمتیں ہیں۔ دیکھو بنی اسرائیل کو یہ نعمتیں دائمی حاصل تھیں۔ فرعونیوں سے نجات وقتی نعمت تھی۔ پہلی نعمت کی وجہ سے وہ اس زمانہ میں عالمین سے افضل ہوئے۔ دوسری نعمت سے وہ امن و امان میں رہے مگر وہ ان نعمتوں کو ہضم نہ کر سکے بد ہضمی کا شکار ہوئے تو اب وہ اسرائیلی بدترین خلق ٹھہرے۔ اللہ نعمت دے تو اسے سنبھالنے کی توفیق بھی بخشے رب تعالیٰ کبھی دے کر آزماتا ہے کبھی چھین کر۔ بندہ کو چاہئے کہ ہر قسم کی آزمائش میں پورا اترے وہی کامل ہے۔ بنی اسرائیل کو رب نے مصیبتوں راحتوں سے آزمایا۔ وہ اس آزمائش میں آخر کار فیل ہوئے۔ اس کا نتیجہ آج دیکھا جا رہا ہے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ

اور وعدہ لیا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا اور پورا کیا ہم نے ان کو ساتھ دس کے پس پورا ہوا وعدہ ان کے رب

اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ فرمایا اور ان میں دس اور بڑھا کر پورا کیا تو اس کے رب کا وعدہ پوری

لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ

کا چالیس رات سے اور فرمایا موسیٰ نے بھائی اپنے ہارون سے کہ نیابت کرو تم میری قوم میں میری اور درستی کرنا اور نہ پیروی

چالیس رات کا ہوا اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میری قوم پر میرے نائب رہنا اور اصلاح

سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾
کر و راستہ کی فساد والوں کے
کرنا اور فسادیوں کی راہ کو دخل نہ دینا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اسرائیلیوں پر اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نعمت کا ذکر فرمایا گیا یعنی فرعونیوں سے انہیں نجات دینا۔ اب ان کو دوسری اعلیٰ نعمت عطا فرمانے کا تذکرہ ہے یعنی انہیں توریت عطا فرمانے کی تمہید گویا ضرر دفع فرمانے کے بعد نعمت خاصہ عطا فرمانے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ان نعمتوں کا ذکر ہوا جو بنی اسرائیل کو براہ راست عطا ہوئیں۔ عذابوں سے محفوظ رکھنا ان کے دشمن قبطیوں کو ان میں مبتلا فرمانا۔ اب ان نعمتوں کا تذکرہ ہے جو ان لوگوں کو ان کے نبی موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ عطا ہوئیں یعنی رب تعالیٰ سے قرب خصوصی اور اس سے ہم کلامی کہ نبی پر انعام ان کی ساری قوم پر انعام ہے۔ ہمارے حضور کی معراج ہم سب پر رب تعالیٰ کا احسان عظیم ہے۔ نبی پر انعام امت کے لئے باعث فخر ہے اور امت پر انعام نبی کے لئے باعث خوشی۔ دیکھو حضور انور ام حرام بنت ملحان کے گھر اپنی امت کے مجاہدوں کو بادشاہی شان میں خواب میں دیکھا تو خوش ہوئے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تمام جہانوں پر بزرگی دی۔ اب اس بزرگی کی ایک وجہ کا ذکر ہے کہ ان کے نبی کو کلیم اللہ بنایا اور اسرائیلیوں کو کلیم اللہ کی قوم بنایا۔ اونچوں سے نسبت اونچا کر دیتی ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ذکر ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ ان مذکورہ نعمتوں کا شکریہ ادا کریں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ خود موسیٰ علیہ السلام شکریہ ادا کرنے کے لئے کوہ طور پر بلائے گئے۔

تفسیر: **وواعدنا موسیٰ ثلثین لیلۃ** حضرات انبیاء کرام کو وحی تین طرح کی ہوتی ہے۔ وحی دوامی، وحی منامی، وحی مقامی، جو بذریعہ فرشتہ بیداری میں ہوتی رہتی ہے وہ وحی دوامی ہوتی ہے ان کی خوابیں وحی منامی اور جو کلام کسی جگہ پر بلا کر کیا جاوے وہ وحی مقامی ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کو طور پر بلا کر خاص کلام فرمانا۔ یا حضور انور کو معراج میں قاب قوسین میں بلا کر کلام فرمانا۔ **فاوحی الی عبدہ ما اوحی**۔ موسیٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ وحی دوامی سے ہوا۔ قوی یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے لہٰذا اس کا واو ابتدائیہ ہے۔ ہماری قراءۃ میں **واعدنا** واو پر کھڑے الف سے ہے یعنی باب مفاعلہ کا ماضی جس کے معنی ہوتے ہیں دو کا ایک دوسرے سے کسی چیز کا وعدہ کرنا چونکہ اس موقع پر رب نے موسیٰ علیہ السلام سے توریت دینے کا وعدہ کیا اور ان سے تیس دن روزے اعتکاف، عبادات کا وعدہ لیا گویا رب کریم اور موسیٰ کلیم نے الگ الگ چیزوں کا وعدہ کیا۔ لہٰذا **واعدنا** باب مفاعلہ سے ارشاد ہوا۔ (روح المعانی) ایک قراءۃ میں **وعدنا** ہے واو پر زبر فتحہ سے ضرب کا ماضی۔ تو معنی بالکل واضح ہیں پہلے سے نفع بخش چیز دینے کی خبر کو وعدہ کہتے ہیں اور نقصان دہ چیز کی خبر کو وعید۔ اس کا ماضی **اوعدنا** آتا ہے باب افعال سے۔ موسیٰ عجمی نام ہے۔ اسکی پوری تحقیق ہم پہلے پارہ میں کر چکے ہیں کہ یہ بنا ہے **موے** بمعنی پانی اور **سا ے** بمعنی ساگوان کی لکڑی مگر عربی میں استرہ کو موسے کہا جاتا ہے۔ وہ اسم مفعول ہے اس کا فعل بمعنی مونڈنا اس ۔ میس سے ہے بمعنی تیز حرکت چونکہ

استرا مونڈنے کا آلہ بھی ہے اور ہر سرپر حرکت بھی کرتا ہے اس لئے اسے موسیٰ کہا جاتا ہے۔ (روح البیان) ثلاثین دوسرا مفعول ہے **وعدنا** کا اور لیلۃ اس کی تمیز۔ خیال رہے کہ عربی میں رات پہلے ہوتی ہے دن بعد میں نیز عربی مہینہ شروع ہوتا ہے چاند دیکھ کر۔ چاند رات میں دیکھا جاتا ہے نیز رات وصال کا وقت ہے دن فراق کا۔ نیز رات سجدہ سجود اور خصوصی مناجات کا وقت ہے دن روزے کا وقت۔ ان وجوہ سے تیس دن نہ فرمایا بلکہ تیس راتیں ارشاد ہوا۔ تیس راتوں سے مراد ہے ذیقعدہ کا پورا مہینہ۔ **واتممنها بعشر** یہ عبارت معطوف ہے **وعدنا** پر۔ اس کی ترتیب یہ ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام کو پہلے تیس دن طور پر رہنے وہاں روزے، چلے، عبادات کرنے کا حکم دیا گیا۔ جب یہ مدت پوری ہوئی اور رب سے کلام کرنے اس سے توریت لینے کا وقت آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کرلی تاکہ منہ سے کسی طرح کی مہک نہ آوے۔ فرشتوں نے یا خود رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ روزے دار کے منہ کی مہک مشک سے زیادہ پیاری ہوتی ہے تم نے مسواک کیوں کرلی۔ اچھا اب دس روزے اور رکھو تاکہ پھر وہی خوشبو پیدا ہو۔ تب توریت عطا ہو گئی۔ لہٰذا بجائے تیس رات کے چالیس رات پوری ہوئیں۔ اس لئے اس طرح بیان فرمایا گیا کہ تیس کا ذکر علیحدہ دس کا علیحدہ۔ سورہ بقرہ میں ہے کہ اربعین لیلۃ۔ وہاں اجمال ہے اور یہاں تفصیل۔ چنانچہ دسویں ذی الحجہ تک آپ نے وہاں روزے رکھے اور اسی تاریخ کو آپ رب تعالیٰ کی ہم کلامی سے مشرف بھی ہوئے توریت بھی آپ کو دی گئی (خازن، بیان، معانی وغیرہ) **اتممنا** بمعنی زدنا ہے یعنی ہم نے تیس راتوں پر دس راتیں اور زیادہ فرما دیں ورنہ تیس کا عدد دس سے کامل نہیں ہوتا وہ تو خود ایک کامل عدد ہے۔ (از روح البیان) **فتم میقات ربه اربعین ليلة** یہ عبارت گزشتہ مضمون کا تتمہ ہے۔ ف محض تاخیر کے لئے ہے **تم** بنا ہے تمام سے۔ بمعنی پورا ہونا۔ تمام اور کمال میں فرق ہم **اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي** کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔ میقات بمعنی وقت ہے مگر وقت تو ہر وقت و زمانہ کو کہہ دیتے ہیں اور میقات کسی خاص مقرر کام کے وقت کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے میقات حج کہ اس زمانہ میں ارکان حج ادا کئے جاتے ہیں چونکہ یہ زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عبادات اور رب تعالیٰ کی عنایات کے لئے مقرر ہوا تھا اس لئے اسے میقات فرمایا اور چونکہ یہ تقرر خود رب تعالیٰ نے کیا تھا اس لئے اسے میقات ربہ فرمایا۔ اربعین لیلۃ میقات کا حال ہے۔ بعض نے فرمایا کہ تم بمعنی بلغ ہے اور میقات اس کا فاعل، اربعین لیلۃ مفعول (روح البیان) خیال رہے کہ یہ فرمان عالی اس وہم کو دفع فرمانے کے لئے ہے کہ شاید دس راتیں انہی تیس میں کی ہیں جیسے کہا جاتا ہے **اتممت العشرة بدرهمين** یعنی دو درہم سے دس کو پورا کیا یعنی یہ دو درہم دس کے علاوہ نہیں۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ یہ دس راتیں ان تیس راتوں سے علاوہ تھیں جن سے وہ چالیس بن گئیں یعنی ان کے رب کا مقرر کردہ وقت چالیس راتیں ہو کر پورا ہو گیا۔ قرآن مجید میں ہے **تلك عشرة كاملة وقال موسى لاخيه هرون اخلفني** اس فرمان عالی میں شروع واقعہ کی طرف رجوع ہے۔ بمعنی کہا تھا موسیٰ علیہ السلام نے اس سفر میں جاتے وقت۔ **هرون اخيه** کا بدل یا بیان ہے۔ ہارون، یہ لفظ عجمی ہے۔ ہماری قرآت میں ہارون نون کے فتحہ سے ہے۔ ایک قرآۃ میں ہارون نون کے پیش سے ہے۔ اصل میں یا ہارون تھا۔ (روح المعانی) **اخلف** بنا ہے **خلف** سے۔ بمعنی پس پشت کسی کا نائب ہونا چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو رب نے رسالت بھی دی تھی اور اسرائیل کی ریاست بھی۔ ان پر سیاست بھی بخشی تھی۔ حضرت ہارون کی طرف صرف

رسالت عطا ہوئی۔ ریاست و سیاست عطا نہ ہوئی۔ حضرت ہارون نبوت میں اصل تھے' رسالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے۔ اس لئے آپ نے جناب ہارون کو ریاست یا سیاست میں اپنا خلیفہ بنایا ورنہ نبی دوسرے نبی کا خلیفہ نہیں ہوتا۔ (روح البیان و معانی) اس لئے حضرت ہارون کو قرآن مجید نے موسیٰ علیہ السلام کا وزیر فرمایا۔ صرف موسیٰ علیہ السلام کو معجزات اور کتاب عطا ہوئی صرف ان سے ہی رب نے کلام فرمایا۔ (معانی) یہ بات خیال رہے۔ **فی قومی**۔ یہ متعلق ہے **اخلفنی** کے۔ قوم سے مراد امت ہے کہ بنی اسرائیل صرف موسیٰ علیہ السلام کی ہی امت تھے۔ نسبی قوم مراد نہیں کہ اس معنی سے بنی اسرائیل حضرت ہارون کی بھی قوم تھے۔ قوم بہت قسم کی ہوتی ہے۔ نسبی' ملکی' پیشہ کی' دینی و زبانی وغیرہ مگر ایک معنی سے امت نبی کی قوم ہوتی ہے۔ **واصلح**۔ یہ معطوف ہے **اخلفنی** پر یہ بنا ہے **اصلاح** سے' معنی درست رکھنا یا درست کرنا یعنی میرے پیچھے ان کے عقاید درست رکھنا۔ یہ بہکنے نہ پائیں۔ جب میری موجودگی میں ایک خدا اپنانے کا مطالبہ کر بیٹھے تو میرے پیچھے کیا کریں گے یا ان کے اعمال درست کرتے رہنا یہ بدکاریوں میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ آپ کے یہ اندیشے درست ثابت ہوئے۔ **ولا تتبع سبیل المفسدین**۔ یہ عبارت معطوف ہے **اصلح** پر سبیل سے مراد رائے' مشورہ ہے۔ مفسدین سے مراد وہ اسرائیلی ہیں جن کی طبیعت میں شر تھا جنہیں موسیٰ علیہ السلام بارہا آزما چکے تھے۔ ان شرپسندوں کا سردار سامری تھا یعنی اے ہارون ان میں جو شرپسند لوگ ہیں ان کے مشورہ پر عمل نہ کرنا۔ یہ بری باتوں کو اچھی کر کے دکھاتے ہیں اس وصیت و نصیحت سے معلوم ہو رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ بالکل درست تھا۔

خلاصہ تفسیر: موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ڈوبنے سے پہلے بنی اسرائیل سے مصر میں وعدہ فرمایا تھا کہ جب تمہارا دشمن ہلاک ہو جاوے گا تو تم کو رب تعالیٰ اپنی کتاب عطا فرمائے گا جس میں کرنے نہ کرنے کے احکام تفصیل وار بیان ہوں گے۔ فرعون کی ہلاکت کے بعد جب آپ قوم کو لے کر بخیریت تمام شام میں پہنچے تو اپنے رب سے اس کتاب کے متعلق دعا کی تب رب نے حکم دیا کہ آپ طور پر آئیں اور وہاں تیس دن کا چلہ کریں تب ہم آپ کو توریت عطا فرماویں گے (خازن' روح البیان و معانی و کبیر' بیضاوی وغیرہ) چنانچہ موسیٰ علیہ السلام حسب الحکم طور پر پہنچے۔ وہاں تیس روزے وصال کے طریقہ پر رکھے کہ نہ دن میں کچھ کھایا نہ رات میں۔ مسلسل دن رات کے روزے رکھے۔ (روح البیان) جب تیس دن پورے ہوئے اور آپ خاص پہاڑ طور پر حاضر ہونے لگے تو دل میں خیال آیا کہ شاید میرے منہ سے مشک آ رہی ہو اور میں دربار خداوندی میں جا رہا ہوں۔ یہ سوچ کر مسواک کر لی۔ پھر پہاڑ پر پہنچے تو فرمان الہٰی آیا کہ اے موسیٰ تمہارے منہ سے وہ خوشبو کیوں جاتی رہی جو پہلے آتی تھی۔ عرض کیا کہ مولیٰ! میں نے مسواک کر لی ہے۔ فرمایا وہ خوشبو ہم کو مشک و عنبر سے پیاری ہے۔ اب دس روزے اور رکھو تاکہ پھر وہی خوشبو تمہارے منہ میں پیدا ہو۔ چنانچہ آپ نے دس روزے اور رکھے۔ اس طرح چالیس دن کا چلہ پورا کیا۔ یکم ذیقعدہ سے روزے شروع کئے اور دسویں ذی الحجہ کو چلہ پورا فرمایا۔ اسی دن توریت عطا ہوئی یعنی دسویں ذی الحجہ کو مگر بعض محققین و مفسرین نے فرمایا کہ توریت ماہ رمضان میں عطا ہوئی۔ ہم اس کے متعلق پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے طور کی طرف چلتے وقت اپنے بھائی جناب ہارون کو تین ہدایتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ میری غیر موجودگی میں تم میرے نائب ہونا۔ میری امت بنی اسرائیل کا بہت ہی خیال رکھنا۔ دوسرے یہ کہ ان لوگوں کے عقاید درست رکھنا' بگڑنے نہ دینا' انہیں برے

کاموں سے روکتے رہنا۔ تیسرے یہ کہ ان لوگوں میں جو فسادی لوگ ہیں ان کا کوئی مشورہ کوئی رائے نہ ماننا کہ یہ فسادی لوگ ہیں یہ فسادی کا مشورہ دیں گے۔ جیسا کہ مجھے تجربہ ہو چکا ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** موسیٰ علیہ السلام بڑے درجے والے نبی ہیں۔ اللہ کے کلیم اور بنی اسرائیل کے پہلے صاحب کتاب نبی ہیں مگر ہمارے حضور ﷺ اللہ کے حبیب ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کتاب لینے طور پر جاتے ہیں مگر قرآن حضور کے پاس حضور کے گھر میں آیا۔ شعر

کلام لینے کو جاتے تھے طور پر موسےٰ
تمہارے گھر میں خدا کا کلام آتا ہے

دوسرا فائدہ: دن سے رات افضل ہے کہ دن فراق کا وقت ہے۔ یہ فائدہ **ثلثین لیلۃ** سے حاصل ہوا کہ یہاں راتوں کا ذکر فرمایا دنوں کا نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کو چالیس کا عدد بڑا پیارا ہے۔ یہ فائدہ **واتممنھا بعشر** سے حاصل ہوا۔ ہم نے چالیس کے عدد کی خصوصیات اپنی کتاب جاء الحق حصہ اول میں بیان کئے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں بچے پر ہر انقلاب چالیس دن میں آتا ہے پھر بعد ولادت نفاس کی انتہائی مدت چالیس دن' انسان کی عمر کی پختگی چالیس سال میں ہوتی ہے۔ حضرات انبیاء کرام کو عموماً" نبوت چالیس سال کی عمر میں ملی۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا۔ **اربعین لیلۃ۔ چوتھا فائدہ:** حضرات صوفیاء صفائی قلب کے لئے چلے کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ آیتہ کریمہ ہے۔ ہمارے حضور ﷺ نے اولاً" چھ مہینے غار حرا میں چلے کئے پھر وحی شروع ہوئی۔ یہ فائدہ بھی اربعین لیلتہ سے حاصل ہوا۔ چلے میں عبادت' ترک دنیا' لوگوں سے علیحدگی' گوشہ نشینی سب کچھ ہوتی ہے وہ سب اس آیتہ سے ثابت ہوا۔ موسے علیہ السلام کو یہ چلہ خود ان کے وطن میں نہ کرایا گیا نہ کسی شہر میں بلکہ طور پہاڑ پر جو بستیوں سے دور خشک پہاڑ ہے جہاں علیحدگی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** سلطان کی غیر موجودگی میں وزیر کا نائب سلطان بننا اور اس کے پیچھے اس کے کام سرانجام دینا سنت انبیاء سے ثابت ہے۔ یہ فائدہ **اخلفنی فی قومی** سے حاصل ہوا۔ ہمارے حضور ﷺ جب غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے تو حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم کو مسجد نبوی شریف کا امام اور حضرت علی المرتضیٰ کو مدینہ پاک میں اپنا قائم مقام بنا کر تشریف لے گئے۔ **چھٹا فائدہ:** نائب خلیفہ کا تقرر پہلے چاہئے سلطان کی روانگی بعد میں تاکہ ملک خلیفہ سے خالی نہ رہے۔ یہ فائدہ بھی **اخلفنی** سے حاصل ہوا کہ موسے علیہ السلام نے سفر شروع فرمانے سے پہلے اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔ اس لئے حضور انور کے دفن پر خلیفہ کا تقرر مقدم کیا گیا کہ دو شنبہ کو حضور کی وفات ہوئی اور چہار شنبہ کو دفن۔ اس دوران میں خلیفہ کا تقرر ہو گیا۔ اب بھی بادشاہ کے فوت ہو جانے پر دو سرا صحبہ زیا بادشاہ پہلے مقرر ہو جاتا ہے بعد میں پہلا سلطان دفن کیا جاتا ہے۔ خدا کی شان کہ یہ قانون آج کفار میں بھی جاری ہے جب کسی ملک کا بادشاہ دو سرے ملک جاتا ہے تفریح' سفر یا سیر یا کسی اور کام کے لئے تو پہلے اتنے دن کے لئے اپنا نائب مقرر کرتا ہے پھر روانہ ہوتا ہے۔ یوں ہی جب ہر ملک کا بادشاہ مرتا ہے تو دفن سے پہلے اس کی جگہ دو سرا سلطان مقرر ہوتا ہے پھر پہلے کو دفن کیا جاتا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** یہ عارضی سلطان بعد میں اصلی سلطان نہ بنے گا اس کے لئے علیحدہ چناؤ ہو گا۔ دیکھو حضرت ہارون اس موقعہ پر چالیس دن کے لئے موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ بنے مگر موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام آپ کے خلیفہ ہوئے۔ لہذا

غزوہ تبوک میں حضرت علی کے خلیفہ ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں کہ آپ ہی حضور کے بعد بلا فصل خلیفہ ہوں۔ عارضی چند روزہ خلافت اور ہے دائمی خلافت کچھ اور۔ عارضی چند روزہ خلیفہ حضرت علی ہوئے' دائمی خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق ہوئے۔ **آٹھواں فائدہ:** مبلغ کو چاہئے کہ صرف ایک بار تبلیغ کر دینے پر اکتفانہ کرے بلکہ قوم کے افعال و احوال پر نظر رکھے کہ وہ بگڑنے نہ پائے۔ یہ فائدہ **اصلح** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** خلافت نبوی نبوت کے خلاف نہیں یعنی نبی دوسرے نبی کا خلیفہ ہو سکتا ہے مگر یہ خلافت نبوت میں نہ ہو گی بلکہ سیاست وغیرہ میں ہو گی کیونکہ نبوت نہ تو کسی عمل سے ملتی ہے نہ میراث سے نہ ہبہ سے نہ کسی اور ذریعہ سے۔ یہ تو محض عطا ربانی ہے۔ رب فرماتا ہے **اللہ اعلم حیث یجعل رسلتہ**۔ یہ فائدہ بھی **اخلفنی** سے حاصل ہوا۔ نبی خلیفۃ اللہ ہوتے ہیں ان کے وزیر وغیرہ خلیفہ نبی۔ **دسواں فائدہ:** نبی کی امت نبی کی قوم ہے۔ یہ فائدہ **قومی** سے حاصل ہوا۔ لہٰذا سارے مومن حضور انور کی قوم ہیں حضور سرکار ان سب کے حامی و الی ہیں ﷺ۔ **گیارھواں فائدہ:** نبی کسی امتی کا حکم نہیں مان سکتے کہ وہ حاکم ہوتے ہیں امت محکوم۔ رب فرماتا ہے۔ **وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ**۔ مگر مومنین کی رائے ان کا مشورہ قبول فرما سکتے ہیں۔ شریر کفار کا مشورہ بھی قبول نہیں فرماتے۔ یہ فائدہ **ولا تتبع سبیل المفسدین** سے حاصل ہوا کہ سبیل سے مراد رائے مشورہ ہے اور مفسدین سے مراد شرارتی اسرائیلی۔ رب مومنوں کے متعلق فرماتا ہے۔ **وشاورھم فی الامر**۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: رب تعالیٰ نے یہاں چالیس راتوں کو الگ الگ کر کے کیوں بیان فرمایا۔ تیس کا علیحدہ دس کا علیحدہ۔ سورہ بقرہ کی طرح اربعین ہی کیوں نہ فرمادیا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ تیس اور دس کے تعین میں فرق تھا کہ اولاً "تیس راتوں کا وعدہ تھا پھر موسیٰ علیہ السلام کے مسواک کر لینے پر دس کا اضافہ ہوا اگر یہ تفصیل نہ کی جاتی تو یہ فرق معلوم نہ ہوتا کہ نبی کے عمل سے احکام شرعیہ بدل جاتے ہیں۔ نیز پھر سورہ بقرہ کی آیتہ کی شرح نہ ہوتی۔ **دوسرا اعتراض:** ہماری قراءت میں **وعدنا** ہے بابِ مفاعلہ سے۔ جس کے معنی ہیں ایک دوسرے سے وعدہ کرنا مگر وہاں وعدہ صرف رب کی طرف سے تھا کہ ہم تم کو توریت دیں گے تو یہ باب کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کبھی باب مفاعلت یکطرفہ کے لئے بھی آتا ہے کہا جاتا ہے **قاطعت اللص** میں نے چور کا ہاتھ کاٹا۔ یہاں یک طرفہ کے لئے ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں دو طرفہ وعدہ تھا کہ رب تعالیٰ نے عطاء توریت کا وعدہ فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام نے رب سے طور پر چلہ' روزہ عبادت وغیرہ کا وعدہ کیا۔ بہرحال **وعدنا** بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض:** رب نے یہاں فرمایا۔ **واتممنھا بعشر** ہم نے اسے دس دن سے پورا فرمادیا حالانکہ یہ دس دن تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک عمل شریف کی وجہ سے ہوئے انہیں رب نے اپنی طرف کیوں منسوب فرمایا۔ **جواب:** تاکہ معلوم ہو کہ نبی کے افعال رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں حتی کہ ان کی خطائیں بھی رب کی طرف سے ہوتی ہیں۔ ان خطاؤں میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ سارے عالم کا ظہور حضرت آدم علیہ السلام کی ایک خطا کا صدقہ ہے۔ حضور انور کی فجر نماز قضا ہوئی۔ یہ قضا رب کی طرف سے ہوئی اس سے صدہا احکام شرعیہ ثابت ہوئے۔ اس قضا پر ہماری لاکھوں ادائیں قربان ہوں۔ تیری قضا قضائے رب تیری ادا ادائے رب۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں تیس اور دس راتوں کا ذکر فرما کر چالیس کی تصریح فرمائی یہ کیوں؟ بالکل ظاہر ہے کہ تیس اور دس چالیس ہی

ہوتے ہیں۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ تاکہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ یہ آخری اس تیس میں شمار ہیں بلکہ یہ دس ان تیس کے علاوہ ہیں جن سے مل کر چالیس کا عدد پورا ہوا۔ **پانچواں اعتراض:** حضرت موسےٰ علیہ السلام نے جناب ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ کیوں بنایا۔ ہر نبی **مستقل** ہوتے ہیں۔ کوئی کسی کا خلیفہ نہیں ہو سکتا پھر یہ خلافت کیسی۔ **جواب:** یہاں خلافت نبوت میں نہ تھی بلکہ ریاست و سیاست میں تھی یا آپ **مستقل** نبی تھے اور رسالت میں موسیٰ علیہ السلام کے اس وقت کے خلیفہ تھے۔ **چھٹا اعتراض:** حضرت ہارون علیہ السلام نبی ہیں اور نبی ہمیشہ اصلاح ہی کرتے ہیں پھر آپ نے کیوں فرمایا **اصلح** لوگوں کی اصلاح کرو۔ **جواب:** صرف تاکید کے لئے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔ **ولکن لیطمئن قلبی**۔ (تفسیر کبیر)۔ **ساتواں اعتراض:** نبی کبھی کسی فسادی کی اتباع نہیں کیا کرتے پھر آپ نے ہارون علیہ السلام سے یہ کیوں فرمایا کہ **ولا تتبع سبیل المفسدین**۔ **جواب:** یہ فرمان عالی دوسرے لوگوں کو سنانے کے لئے ہے۔ جیسے رب فرماتا ہے۔ **یاایھا النبی اتق اللہ** یا فرماتا ہے۔ **ولا تتبع کل حلاف مھین** بہت جگہ کہنا کسی سے ہوتا ہے سنانا کسی اور کو۔ **آٹھواں اعتراض:** موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ روزے میں مسواک کرنا ممنوع ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے روزے میں مسواک کی تو رب تعالیٰ نے ان سے دس روزے اور رکھوائے پھر احناف اسے جائز کیوں کہتے ہیں۔ (شوافع)۔ **نوٹ:** امام شافعی کے ہاں روزے میں دوپہر کے بعد مسواک کرنا ممنوع و مکروہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بلا کراہت جائز بلکہ ہر وضو کی سنت ہے۔ یہ اعتراض حضرات شوافع کا ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔ کچھ الزامی اور کچھ تحقیقی۔ الزامی جوابات یہ ہیں کہ پھر چاہئے کہ مسواک روزے کی توڑنے والی ہو مگر یہ مذہب آپ کا بھی نہیں۔ 2۔ چاہیے کہ روزے میں مسواک کر لینے سے دس روزے بطور کفارہ رکھنے پڑیں مگر یہ مذہب آپ کا بھی نہیں۔ 3۔ چاہیے کہ روزے میں مسواک ہر وقت ممنوع ہو مگر آپ کا مذہب یہ ہے کہ دوپر کے بعد ممنوع ہے اس سے پہلے بلا کراہت جائز۔ 4۔ چاہئے کہ روزے میں مسواک بالکل حرام ہو مگر آپ کا یہ مسلک نہیں۔ آپ دوپہر کے بعد جائز مانتے ہیں مگر مکروہ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات سے تھا کہ مسواک کر لینے پر دس روزے اور رکھوائے جائیں۔ اس وجہ سے ان کا چلہ چالیس دن کا پورا ہوا۔ انہیں طور پر حاضری زیادہ میسر رہے ورنہ مسواک کرنے سے روزہ دار کی خلوف نہیں جاتی رہتی۔ وہ تو معدہ خالی ہونے سے پیدا ہوتی ہے نہ کہ دانتوں کے میل سے۔ یہ خلوف بہرحال رہتی ہے مسواک کرو یا نہ کرو۔ خلوف اور بخیر میں بڑا فرق ہے۔ بخیر منہ کی بو جو بیماری یا دانتوں کے میل سے پیدا ہوتی ہے۔ خلوف وہ جو معدہ خالی ہونے کی وجہ سے منہ سے محسوس ہوتی ہے۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: موسیٰ علیہ السلام اس سفر میں جاتے وقت رب تعالیٰ کا ذکر کرنا بھول گئے۔ حضرت ہارون کے حوالہ اپنی قوم کو کر گئے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ تیس دن کے بعد قوم بچھڑا پرست ہو گئی مگر ہمارے حضور ﷺ نے اپنی امت خدا کے حوالہ کی کہ عرض کیا۔ **اللہ خلیفتی علی امتی**۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ آج تک آپ کی امت بت پرست نہ بنی۔ دیکھو یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی وداع کرتے وقت انہیں اپنے بیٹوں کے حوالے کیا تو برسوں کے لئے جدائی ہو گئی پھر جب دوسری بار غلہ لینے بیٹوں کو بھیجا تو بنیامین کو اللہ کے حوالے کیا کہ فرمایا۔ **فاللہ خیر حافظا** اس کی برکت

سے بچھڑے یوسف بھی مل گئے۔ انسان کو چاہئے کہ ہر چیز اللہ کے سپرد کرے۔ موسیٰ علیہ السلام نے طور پر مسلسل تیس دن بغیر کھائے پئے گزارے اور یہ وقت عبادت تھا مگر جناب خضر سے ملاقات کرنے جب گئے تو ایک دن بغیر کھائے نہ گزار سکے کہ فرمایا۔ **اتنا غداءنا لقد لقینا من سفرنا ھذا نصبا** کہ وہ امتحان تھا (روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی چالیس دن مقرر تھے مگر ان کا ظہور ترتیب وار ہوا۔ اولاً تیس پھر دس کیونکہ چالیس میں عجیب راز ہیں۔ فرمایا نبی ﷺ نے جو چالیس دن مداومت سے اخلاص سے عبادات کرے تو اس کے دل میں حکمت کے سرچشمے ظاہر ہوتے ہیں۔ نیز چالیس میں چار دہائیاں ہوتی ہیں اور اسلام میں چار میں بڑے کمالات ہیں۔ ہم نے عرض کیا ہے۔ شعر

چار رسل، فرشتے چار، چار کتب ہیں دین چار — سلسلے دونوں چار چار لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب خاک و باد سب کا انہی سے ہو ثبات — چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

چلے میں خلقت سے علیحدگی، رب سے تعلق اس چلہ کی جان ہے۔ اس لئے رب نے موسیٰ علیہ السلام کو علیحدگی میں بلایا۔ ہمارے حضور نے غار حرا میں چلہ فرمایا۔ خلوت و تنہائی فیضان الٰہی کے لئے اکسیر ہے۔ حضرت احمد ابن حضرویہ نے رب تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ رب نے فرمایا اے احمد! سب لوگ مجھ سے چاہتے ہیں مگر بایزید مجھ کو چاہتا ہے۔ ابراہیم ابن ادھم فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت جبریل نے فرمایا کہ یہ فہرست محبین کے ناموں کی ہے میں نے کہا کہ اس کے نیچے میرا نام محبین الٰہی کے محبین میں لکھ لو۔ غیبی آواز آئی کہ اے جبریل! ابراہیم کا نام محبین الٰہی میں لکھو اور سرفہرست لکھو۔ غرضیکہ رب تعالیٰ سے قرب کا بہترین ذریعہ مخلوق سے خلوت ہے۔ (از روح البیان)

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِىْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ

اور جبکہ آئے موسیٰ واسطے وعدے کے اپنے اور کلام کیا ان سے رب نے انکے عرض کیا اے رب میرے دکھا دے مجھ کو

اور جب موسیٰ ہمارے وعدے پر حاضر ہوا اور اس سے اس کے رب نے کلام فرمایا عرض کی اے میرے رب مجھے اپنا دیدار

لَنْ تَرٰىنِىْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِىْ

دیکھوں میں طرف تیرے فرمایا ہرگز نہیں دیکھو گے تم مجھ کو اور لیکن دیکھو تم طرف پہاڑ کے پس اگر ٹھہرا رہے وہ جگہ اپنی پس عنقریب

دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔ فرمایا تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ پس اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ

دیکھو گے تم مجھ کو پس جب تجلی کی رب نے ان کے واسطے پہاڑ کے تو کر دیا اس کو ٹکڑے اور گر گئے موسیٰ بیہوش ہو کر پس جب ہوش

تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ گرے بیہوش

قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۴۳﴾

ہوا تو بولے پاکی ہے تیری توبہ کی میں نے طرف تیرے اور میں پہلا ہوں مسلمانوں میں سے۔
پھر جب ہوش ہوا بولے پاکی ہے تجھے میں تیری طرف رجوع لایا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور کی طرف سفر پھر وہاں چلہ کشی کا ذکر ہوا۔ اب چلہ کشی کے بعد کے واقعات کا ذکر ہے۔ گویا تمہید کا ذکر پہلے ہوا مقصود کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ان مختلف مشقتوں کا ذکر ہوا جو موسیٰ علیہ السلام نے راہ خدا میں اٹھائیں۔ فرعونیوں کی طرف سے تکالیف، خود بنی اسرائیل کی سرکشی، سفر میں چلتے، قوم کی فکر اب ان انعامات کا ذکر ہے جو رب تعالیٰ کی طرف سے جناب کلیم کو عطا ہوئے۔ گویا کام کے بعد انعام کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ذکر ہوا جو رب تعالیٰ نے فرمایا وہ موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ اب ارشاد ہے کہ جو موسیٰ علیہ السلام نے کہا رب نے کیا۔ گویا ماننے کا ذکر پہلے ہوا منوانے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ محبت کی ابتدا ماننے سے ہوتی ہے۔ اس کی انتہا منوانے پر۔

تفسیر: **ولما جاء موسی لمیقاتنا** یہ عبارت نیا جملہ ہے۔ **لما** بمعنی اذا شرطیہ ہے۔ **جاء** سے مراد موسیٰ علیہ السلام کا اپنی عبادت گاہ سے طور پہاڑ پر کلام ربانی سننے، تورات لینے کے لئے حاضر ہونا ہے جہاں پہلے یعنی تیس دن پہلے پورے ہونے پر حاضر ہوئے تھے یعنی وادی سینا سے طور سینا پر حاضری **لمیقاتنا** میں لام بمعنی ب ہے جیسے **اقم الصلوة لدلوک الشمس** یا **اتینه عشر من الشهر**۔ **میقات** بمعنی وقت ہے اس سے مراد چالیس دن پورے ہونے کا وقت ہے چونکہ یہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوا تھا۔ اسی لئے اسے **لمیقاتنا** فرمایا۔ (از روح البیان و معانی وغیرہ) یعنی جب موسیٰ علیہ السلام ہمارا مقرر کردہ وقت پورا کر لینے پر وادی سینا سے طور سینا پر آئے۔ ظاہر یہ ہے کہ طور پر آپ اکیلے گئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ اور کوئی نہ تھا۔ جیسا کہ **جاء** اور **ارنی** اور **انظر** وغیرہ کے واحد فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس وقت آپ کے ساتھ ستر آدمی اور بھی تھے مگر پہلا قول قوی ہے۔ **وکلمه ربه** یہ عبارت **جاء** پر معطوف ہے۔ کلمہ فعیل فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے کہ سلسلہ کلام وہیں تک باقی رہا۔ **ہ** فرما کر یہ بتایا کہ یہ کلام بلا واسطہ جبریل تھا۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب کلیم ہے فرشتے کے واسطے سے کلام تو ہر نبی سے ہوتا رہا۔ خیال رہے کہ عطاء نبوت کے وقت بھی رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور آج عطاء توریت کے وقت بھی کلام کیا پہلے کلام کی تفصیل سورہ طٰہٰ شریف میں ہے۔ اس کلام کی تفصیل بھی قرآن مجید میں ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ تمہاری قوم کو سامری نے گمراہ کر دیا وغیرہ **ربه** فرما کر یہ بتایا کہ یہ کلام نہایت ہی کرم و رحمت کا خلوت میں تھا۔ جیسا کہ مہربان پالنے والا اپنے پیارے پلنے والے سے کرتا ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ یہ کلام ایسے ہی تھا جیسے دنیا میں ایک دوسرے سے ہوتا ہے مگر فرق یہ ہوتا تھا کہ لگاتار تھا۔ بیچ میں سانس کے لئے وقفہ نہ تھا۔ نیز کسی خاص جہت سے نہ تھا ہر طرف سے تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہر جز سے کلام سنا یعنی از سر تا پا آپ گوش بن چکے تھے۔ ہر بال کلام سن رہا تمام ہر طرف سے۔ (روح البیان و صاوی وغیرہ) یہ واقعہ نویں بقر عید جمعرات کے دن ہوا۔

عطاء تورت دسویں بقر عید جمعہ کو (صاوی) اس کے متعلق یہ ایک قول ہے۔ خیال رہے کہ اس کلام فرمانے کا مطلب یہ نہیں کہ پہلے رب خاموش تھا آج جناب کلیم اللہ سے کلام کیا پھر خاموش ہو گیا۔ رب تعالیٰ خاموشی سے پاک ہے۔ بلکہ ہوا یہ کہ موسے علیہ السلام کے کان شریف سے حجاب اٹھا دیئے گئے جس سے وہ کلام قدیم آپ نے سن لیا جو ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ اس کی کیفیت نامعلوم ہے (صاوی) **قال رب ارنی انظر الیک** یہ عبارت **لما** کی جزا ہے۔ اس میں **ارنی** کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے۔ **جمالک یا ذاتک** **انظر** جواب ہے **ارنی** کا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبیوں کی دعائیں نقل فرمائیں۔ کہیں تو اس لئے کہ اور لوگ بھی یہ دعا مانگا کریں کیونکہ یہ نبی کی دعا ہے جیسے **ربنا ظلمنا انفسنا** اور کہیں اس لئے کہ دوسرے لوگ یہ دعا نہ مانگیں۔ یہ دعائیں نہیں مانگ سکتے۔ جیسے **ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء**۔ یہاں موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا دوسروں کو روکنے کے لئے نقل فرمائی گئی کہ کوئی یہ دعائے دیدار نہ کرے۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے یہاں واحد متکلم کے صیغے عرض کئے ربنا نہ کہا رب کہا۔ یوں ہی **ارنی** اور **انظر** دونوں واحد متکلم کے صیغے آئے۔ روایت اور نظر دونوں کے معنی ہیں دیکھنا مگر روایت عام ہے نظر خاص کیونکہ روایت خواب' خیال' دل میں الہام' نظر وغیرہ سب کو کہا جاتا ہے مگر نظر صرف آنکھ سے دیکھنے کو کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **وارنا مناسکنا** اور فرماتا ہے **انی اری فی المنام**۔ لہٰذا **ارنی** اور **انظر** دونوں ایک نہیں۔ یعنی اے میرے رب! مجھے اپنی ذات یا اپنا جمال دیدار دکھادے کہ میں اپنی آنکھ سے تجھے دیکھ سکوں یعنی صرف دل یا خیال کا دیدار نہیں مانگتا بلکہ آنکھ کا دیدار چاہتا ہوں کہ جیسے تو نے میرے کان سے حجاب اٹھا دیا تو میں نے تیرا کلام قدیم سن لیا۔ ایسے ہی میری آنکھ سے پردہ ہٹادے تاکہ تیرا جمال دیکھ لوں کیونکہ جس کا کلام سنا جا سکتا ہے اس کا دیدار بھی کیا جا سکتا ہے (صاوی) اس میں گفتگو ہے کہ جناب کلیم نے دیدار کی آرزو کیوں کی۔ حق یہ ہے کہ محض شوق اور عشق الٰہی میں کی کہ آپ اس کے کلام سے ایسے محظوظ ہوئے کہ سبحان اللہ۔ تو خیال فرمایا کہ جس کے کلام میں ایسی لذت ہے اس کے دیدار میں کیا لطف ہو گا اس لئے بے تکلف یہ عرض کر دیا۔ اس کے علاوہ اور توجیہات بالکل لغو ہیں جن کا نقل کرنا بھی اچھا نہیں۔ یہاں دو باتوں پر دھیان رہے ایک یہ کہ اللہ والے کبھی قانون کے وراء کی دعا کر لیتے ہیں تو نہ وہ گنہگار ہوتے ہیں' نہ رب ان کی دعا کو رد کرتا ہے۔ دنیا میں دیدار الٰہی کی دعا قانون کے وراء کی دعا ہے۔ اگر ہم یہ دعا کریں تو گنہگار ہو جاویں۔ مگر ان کی شان وراء ہے۔ دوسرے یہ کہ انتظار و محنت' عبادات کے بعد جو خوشی حاصل ہو' اس میں بڑا مزہ آتا ہے۔ اس بار کلام الٰہی بہت محنت' سفر وغیرہ کے بعد عبادات' انتظار کے بعد میسر ہوا تو اس کی بہت لذت آئی' تب دیدار کی تمنا کی۔ تیسرے یہ کہ جناب کلیم کی یہ دعا عشق الٰہی' شوق دیدار الٰہی میں تھی لہٰذا محبوب تھی۔ ستر اسرائیلیوں نے جو کہا تھا **لن نومن لک حتی نری اللہ جهرۃ** وہ موسیٰ علیہ السلام پر بے اعتقادی کی وجہ سے تھا لہٰذا عتاب آگیا۔ ایک ہی لفظ مختلف نیتوں سے مختلف تاثیر رکھتا ہے۔ **قال لن ترنی** یہ آپ کی عرض و معروض کا جواب ہے مگر ایسا نازو انداز والا جواب ہے کہ اس سے شان کلیمی کا پتہ چلتا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ تم کو ہم نہیں دکھائیں گے بلکہ فرمایا کہ تم نہ دیکھ سکو گے پھر یہ بھی نہ فرمایا کہ کبھی نہ دیکھ سکو گے بلکہ فرمایا کہ ابھی نہ دیکھ سکو گے کیونکہ لن دوام و ہمیشگی نہیں چاہتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **و لن یتمنوہ ابدا بما قدمت ایدیهم** یعنی اہل کتاب موت کی ہرگز تمنا نہ کریں گے۔ کب' اب اس زندگی میں۔ ورنہ قیامت میں تو وہ تمنائے موت کریں گے۔ **یمالک**

لیقض علینا ربک ایسے ہی یہ ہے۔ یہاں رویت ٭ معنی نظر ہے یعنی یہاں ان آنکھوں سے نہ دیکھو گے۔ خواب و خیال کشف سے دیکھنے کی نفی نہیں کی۔ اس میں گفتگو ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ابھی کیوں نہ دیکھ سکیں گے۔ 1۔ یا اس لئے کہ اس زندگی میں خدا کا دیدار خلاف قانون ہے۔ قیامت اور بعد قیامت ان کے غلام مومنین بھی رب کو دیکھیں گے۔ 2۔ یا اس لئے کہ بیداری میں ظاہری آنکھوں سے زمین پر رہ کر خدا کا دیدار خلاف قانون ہے۔ اس آنکھ میں تو سورج دیکھنے کی بھی تاب نہیں پھر خالق سورج کو کیسے دیکھ سکتی ہیں۔ معراج میں حضور انور نے معراج میں دوسرے عالم جاکر رب کا دیدار کیا وہ عالم ہی دوسرا تھا۔ 3۔ بشریت کے حجاب میں رہ کر رب کا دیدار خلاف قانون ہے۔ حضور انور نے معراج میں جب رب کا دیدار کیا تو اس وقت حضور نے لباس بشریت اتار دیا خود سراپا نور ہو گئے تھے پھر نور نے نور کو دیکھا۔ موسیٰ علیہ السلام اس وقت اس مقام پر نہ تھے۔ 4۔ دیدار الٰہی کا دروازہ حضور انور کی آنکھوں پر کھلنے والا ہے۔ دروازہ کھلنے سے پہلے دوسرا دیدار نہیں کر سکتا جیسے قیامت میں حضور انور سے پہلے کوئی نبی بھی کسی کی شفاعت نہیں کرے گا ایسے ہی جب حضور انور دیدار الٰہی کا دروازہ کھول دیں گے تب دوسرے بھی دیدار کر سکیں گے۔ 5۔ قیامت سے پہلے جمال یار کے لئے کسی ایسے آئینہ کی ضرورت ہے جو جلال کو جمال کر کے دکھاوے جیسے سورج دیکھنے کے لئے گہرے رنگ والا دودھا شیشہ۔ وہ آئینہ صرف رخ پاک مصطفےٰ ﷺ ہے جس کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کو حضور کی معراج کی رات رب کا دیدار کرایا گیا۔ حضور انور نے بار بار رب کو دیکھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بار بار حضور کے رخسار کے ذریعہ رب کا دیدار کیا۔ وہ آئینہ ابھی تشریف نہیں لایا تھا۔ اس وقت دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی اس تجلی کی تاب نہیں رکھتی تھی۔ نہ فرشتہ نہ کوئی اور مخلوق۔ عشاق کہتے ہیں کہ خود رب نے اپنا جمال و کمال حضور انور ﷺ میں دیکھا جیسے مصنف اپنا علمی کمال اپنی اعلیٰ کتاب میں دیکھتا ہے۔ اعلیٰ کاریگر اپنی کاریگری اپنی مصنوع میں ملاحظہ کرتا ہے۔ حضور مخلوق بلکہ خالق کے لئے بھی آئینہ کمال کبریا ہیں۔ **ولکن انظر الی الجبل** یہ عبارت **لن ترانی** پر معطوف ہے۔ اس فرمان عالی میں موسیٰ علیہ السلام کی دوسری طرح عزت افزائی ہے کہ آپ کی خواہش تھکا" رد نہیں فرمائی بلکہ انہیں بتا کر سمجھا کر بلکہ دکھا کر ثابت کیا کہ آپ کی آنکھوں میں ہمارے جمال کی تاب نہیں۔ اگرچہ رب کے **لن ترانی** فرمانے سے ہی انہیں اس کا علم الیقین ہو گیا تھا مگر رب نے چاہا کہ انہیں اس مسئلہ کا عین الیقین بلکہ حق الیقین ہو جائے جیسے حضرت ابراہیم کو مردہ جلا کر دکھایا۔ **انظر** میں آنکھ سے دیکھنے کا حکم ہے۔ **جبل** سے مراد یا تو کوہ زبیر ہے جو اس وقت بہت ہی بڑا پہاڑ تھا۔ بعض نے فرمایا کہ وہ کوہ طور ہے جس کے دامن میں کھڑے ہو کر آپ رب تعالیٰ سے یہ عرض معروض کر رہے تھے۔ اسی کو ترجیح ہے (صاوی۔ روح المعانی۔ روح البیان وغیرہ) غالبا" آپ کلام الٰہی کی لذت میں ایسے محو تھے کہ سامنے والے پہاڑ سے بھی بے توجہ تھے۔ **انظر الی الجبل** کہہ کر پہاڑ کی طرف متوجہ کر دیا۔ انسان محویت میں اپنے کو بھی بھول جاتا ہے۔ جیسے مصری عورتیں جنہوں نے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ یعنی اے موسیٰ! آپ کے ہمارے درمیان یہ پہاڑ واسطہ ہے ہم اس پر اپنی تجلی ڈالتے ہیں آپ اس پر اپنی نظر ڈالیں۔ یہ پہاڑ ہماری تجلی تمہاری نگاہ کا مرکز ہے۔ اس سے پتہ لگا کہ یہاں رب کا دیدار کسی آئینہ سے ہو سکتا ہے بلاواسطہ نہیں۔ یہی قانون قدرت ہے۔ **فان استقر مکانہ فسوف ترانی**۔ اس عبارت میں ایک ممکن کو دوسرے ممکن پر معلق فرمایا گیا ہے۔ **استقر** بنا ہے **استقرار** سے۔ اس کا مادہ **قرار** ہے ٭ معنی ٹھہرا رہنا' ہٹ نہ جانا' پھٹ نہ جانا' کانپ نہ جانا۔ اس کا فاعل وہ ہی

زبیریا طور پہاڑ ہے جسے جمال یار کا آئینہ بنایا گیا۔ مکان · بمعنی جگہ۔ یہاں جگہ سے پہاڑ کی جگہ مراد ہے۔ **سوف ترانی** سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر پہاڑ اپنی جگہ ٹھہرا رہتا تو موسیٰ علیہ السلام کو علیحدہ دیدار کرایا جاتا۔ صرف اس پہاڑ کے دیکھنے پر کفایت نہ ہوتی۔ اس تجلی کے لئے پہاڑ کو اس لئے منتخب کیا گیا کہ وہاں اس وقت سب سے قوی و مضبوط مخلوق پہاڑ ہی تھا۔ جب تجلی الٰہی پردہ نہ ٹھہر سکا تو دوسری چیزیں کیا ٹھہرتیں۔ اس سے حضور انور کی قوت معلوم ہوتی ہے کہ تجلی الٰہی کو حضور نے جھیلا۔ خیال رہے کہ یہاں پہاڑ کا ٹھہرنا ممکن تھا نا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کا دیدار الٰہی ممکن ہی تھا کہ ممکن پر جو چیز موقوف ہو ممکن ہی ہوتی ہے۔ انشاء اللہ اس کا ثبوت ابھی آ رہا ہے۔ **سوف** قرب بیان کرنے کے لئے ہے۔ اس سے مراد زندگی شریف میں رب کا دیدار ہے۔ ورنہ قیامت میں سب ہی اور بعد وفات بعض خاص بندے دیدار کریں گے۔ **فلما تجلی ربہ للجبل** ف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرماتے ہی تجلی کا واقعہ ہوا ان دونوں میں کوئی فاصلہ نہ ہوا۔ ورنہ **ثم** آتا۔ تجلی کا مادہ جلوت ہے · بمعنی ظہور۔ اس سے ہے جلوہ اور جلوت۔ علماء فرماتے ہیں کہ پہاڑ پر رب نے اپنی صفاتی تجلیوں سے ایک تجلی کی جھلک ڈالی۔ بعض احادیث میں ہے کہ یہ جھلک چھنگلی کے آدھے پورے کے برابر تھی (بیان۔ معانی) بعض روایت میں ہے کہ سوئی کے ناکے کے برابر تھی۔ (صاوی) **للجبل** میں لام · بمعنی علی ہے۔ **جبل** سے مراد وہی زبیر یا طور پہاڑ ہے۔ اس تجلی ڈالنے کی حقیقت ہمارے خیال سے وراء ہے۔ بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ سورج کی شعاع آئینہ میں پڑے اور وہ شیشہ آتشی ہو کہ اس سے کپڑے وغیرہ میں آگ لگ جائے۔ یا کوئی شیشہ خود ہی پھٹ جائے یا جیسے کسی چیز پر بیٹری سے شعاع ڈالی جائے جس سے وہ شے پھٹ کر فنا ہو جائے۔ آج کل سائنس نے ایسی زہریلی شعاعیں ایجاد کی ہیں جن سے شہر کے شہر فنا ہو جاتے ہیں۔ یہ تو مخلوق کا حال ہے۔ پھر خالق کی شان اس سے وراء ہے **جعلہ دکا** یہ **لما** تجلی کی پہلی جزاء ہے۔ غور کرو کہ یہاں **اندک** یا **تدلک** نہ فرمایا بلکہ **جعلہ دکا** فرمایا۔ یعنی وہ پہاڑ خود نہ پھٹا بلکہ رب نے اس کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ اس کا پھٹنا رب کے فعل سے ہوا اور ظاہر ہے کہ رب تعالیٰ جو بنائے وہ ممکن ہی ہوتا ہے۔ نہ تو واجب بنانے کے لائق ہے نہ محال (غیر ممکن) جب پہاڑ کا ریزہ ریزہ ہونا ممکن ہوا تو اس کا قائم رہنا بھی ممکن ہوا۔ (خزائن۔ روح البیان) یہ گفتگو بے حد نفیس۔ خیال میں رکھنی چاہئے۔ **دکا** مصدر ہے · بمعنی کوٹنا **دک** · بمعنی ریزہ ریزہ کرنا یہاں · بمعنی اسم مفعول ہے **مدکوک** اس میں گفتگو ہے کہ پہاڑ کو کس طرح سے پاش پاش کیا۔ بعض نے فرمایا کہ پہاڑ میں دراڑیں راستے پیدا ہو گئے۔ یعنی رہا ایک ہی مگر پھٹا ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ وہ ریت کی طرح ہو گیا ذرہ ذرہ۔ بعض نے فرمایا کہ اس کے سات حصے ہو گئے۔ ایک حصہ تو وہاں ہی رہا تین حصے اڑ کر مکہ معظمہ پہنچے جن سے وہاں تین پہاڑ قائم ہو گئے۔ ثور، ثبیر، حراء اور تین حصے مدینہ منورہ پہنچے جن سے تین پہاڑ وہاں قائم ہو گئے۔ احد، رقان، مراس۔ (تفسیر روح البیان۔ صاوی، ابن کثیر وغیرہ) **وخر موسی صعقا** یہ عبارت معطوف ہے **جعلہ** پر اور یہ تجلی مذکورہ کا دوسرا نتیجہ ہے۔ **خر** بنا ہے **خرور** سے خرور اور سقوط دونوں کے معنی ہیں گرنا مگر سقوط میں دھماکہ ہوتا ہے خرور میں یہ لازم نہیں۔ یعنی دھم سے گر جانا سقوط ہے۔ **صعقا** صفت مشبہ ہے **صعقتہ** کا۔ · بمعنی غشی و بے ہوشی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس اور حسن نے معنی غشی کئے۔ بعض نے معنی کئے موت۔ مگر پہلا قول صحیح ہے کہ آگے ارشاد ہے **فلما افاق**۔ اور ظاہر ہے کہ **افاقہ** غشی کے بعد ہو سکتا ہے نہ کہ موت کے بعد یعنی تجلی پڑی پہاڑ پر ادھر کلیم اللہ کی نگاہ پڑی

پہاڑ پر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ادھر پہاڑ پھٹا ادھر موسے علیہ السلام غش کھا کر گرے۔ آج ہسپتالوں میں بعض چیزیں دکھا کر بیمار کو بے ہوش کر کے اپریشن کر دیا جاتا ہے۔ لہذا اس کا انکار نہ چاہئے۔ حق یہ ہے کہ آپ ایک دن بے ہوش رہے۔ جمعرات کو غشی طاری ہوئی' جمعہ کو افاقہ ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ ایک ہفتہ غشی رہی یعنی دوسرے جمعہ کو افاقہ ہوا۔ واللہ ورسولہ اعلم (از روح البیان وغیرہ) خیال رہے کہ غشی چند وجہ سے ہوتی ہے۔ ضعف بیماری۔ جیسے حضور انور نے وفات کے قریب تین بار مسجد میں تشریف لانے کا ارادہ کیا مگر غشی آگئی۔ بہت خوشی کی غشی جیسے حضرت بلال کو جب حضرت صدیق اکبر خرید کر حضور کی بارگاہ میں لائے تو حضرت بلال حضور کو دیکھ کر غش کھا کر گر گئے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی تو دونوں باپ بیٹا غش کھا کر گرے۔ بہت غم کی غشی جیسے حضرت فاطمہ حضور انور ﷺ کی وفات پر غش کھا گئیں۔ زیادہ حیرت' برداشت نہ ہونے کی غشی۔ لذت کی زیادتی کی غشی۔ موسیٰ علیہ السلام کو یہ غشی یا تو خوشی کی غشی تھی یا لذت کی زیادتی کی' یا متحمل نہ ہونے کی۔ آخری احتمال قوی ہے۔ **فلما افاق** اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام صرف بے ہوش ہوئے تھے آپ کی وفات نہ ہوئی تھی۔ ورنہ بجائے **افاق** کے **بعث یا احیی** فرمایا جاتا۔ یہاں ف صرف بعدیت بیان کرنے کے لئے ہے نہ کہ فوراً" کے لئے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو فوراً" ہوش نہ آیا تھا بلکہ ایک دن یا ایک ہفتہ کے بعد آیا۔ افاقہ کے معنی ہیں بیماری کے بعد صحت۔ غشی کے بعد ہوش آنا۔ **قال سبحنک تبت الیک** اس کلام میں کچھ عرض کرنے سے پہلے رب تعالیٰ کی حمد ہے **سبحنک** کہ بارگاہ الٰہی میں عرض کرنے کا یہ ادب ہے یعنی اے میرے رب تو پاک ہے مخلوق کی صفات و حالات سے اور اس سے کہ ہماری نگاہیں تجھے دیکھیں بلکہ تو ہمارے خیال و گمان و وہم کے احاطہ سے پاک ہے۔ میں آئندہ تیرے دیدار کی آرزو سے توبہ کرتا ہوں۔ ایسا آئندہ کبھی نہ کروں گا۔ خیال رہے کہ یہ توبہ گناہ سے توبہ نہیں بلکہ اس مطالبہ سے توبہ ہے جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام تحمل نہ کر سکیں۔ شعر

زاہداں از گناہ توبہ کنند عارفاں از اطاعت استغفار

وانا اول المؤمنین۔ اس کلام میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شان اور رب تعالیٰ کے خاص احسان کا ذکر فرمایا۔ یہاں اولیت سے مراد حقیقی اولیت نہیں بلکہ اضافی اولیت ہے کیونکہ اول المومنین تو حضور ﷺ ہیں۔ یعنی عالم ارواح میں پہلے مومن' پہلے عارف' رب کے پہلے عابد حضور ہی ہیں۔ **ھو الاول والاخر** اور عالم اجسام میں پہلے عارف' پہلے مومن حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ یعنی اپنی جماعت اپنی امت میں پہلا مومن میں ہوں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تیری ذات یہاں دنیا میں دیکھنے سے وراء ہے۔ اس پر مشاہدہ کے پہلا ایمان لانے والا میں ہوں کہ مجھ سے پہلے کسی نے یہ نظارہ نہ کیا جو میں نے کیا اس صورت میں اول سے حقیقی اولیت مراد ہے۔ (از روح المعانی)

خلاصہ تفسیر: جب موسیٰ علیہ السلام اس بار توریت لینے طور پر پہنچے اور انہوں نے عبادات و ریاضات' چلے کی دوسری مدت یعنی چالیس دن پورے کرنے صحراء طور میں۔ پھر یہ دوسری مدت پوری کر کے طور پر ہماری بارگاہ میں حاضر ہوئے اور رب تعالیٰ نے حسب وعدہ ان سے کلام فرمایا تو اس کلام کی لذت میں وہ ایسے محو ہوئے کہ انہیں رب تعالیٰ کے دیدار کا شوق پیدا ہو گیا۔ انہوں نے خیال فرمایا کہ جب اس کے کلام میں یہ لطف و لذت ہے تو اس کے دیدار میں کیسی فرحت کیسی لذت کیسا سرور ہو گا۔

نہایت ہی شوق کی حالت میں عرض کر بیٹھے کہ مولی مجھے اپنی ذات اپنا جمال اپنا دیدار دکھاوے۔ اس طرح کہ دکھانے والا تو ہو اور ان آنکھوں سے تجھے دیکھوں۔ رب نے فرمایا کہ اس وقت تم مجھے نہ دیکھ سکو گے۔ اس دنیا میں ان آنکھوں سے ہمارا دیدار کرنا ممکن تو ہے مگر ہے خلاف قانون۔ کوئی اس کی تجلی کو یہاں نہیں جھیل سکتا۔ وہ آنکھ تو اس کے بنائے ہوئے سورج کی تاب نہیں لاتی 'خیرہ ہو جاتی ہے۔ تو ہمارے سامنے کیا ٹھہرے گی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سامنے والا پہاڑ طور یا زبیر جو بہت مضبوط و طاقت ور ہے تم اس پر نظر کرو' ہم اس پر تجلی ڈالتے ہیں اگر یہ پہاڑ تجلی پڑنے پر اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو ہم تم کو بھی اپنا دیدار دے دیں گے۔ چنانچہ رب موسیٰ نے اپنی تجلی صفات میں ایک تجلی کی جھلک سی پہاڑ پر ڈالی۔ وہاں ہی موسیٰ علیہ السلام کی نظر تھی تو سماں یہ بندھا کہ ادھر تو پہاڑ پھٹ کر ٹکڑے ہو گیا یا اس طرح کہ ریت بن گیا یا اس طرح کہ اس میں شگاف پڑ گئے۔ ادھر موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے۔ پھر جب عرصہ کے بعد انہیں ہوش آیا تو ان کے مبارک منہ شریف سے جو پہلا لفظ نکلا وہ یہ تھا کہ مولا تو دکھائی دینے سے پاک بلکہ تو وہم و فکر کے احاطہ سے وراء ہے۔ شعر

تو دل میں تو آتا ہے ' سمجھ میں نہیں آتا
پہچان گیا میں تری پہچان یہی ہے

ایسی ایسی دعا ایسی التجا سے میری توبہ۔ میں کبھی یہ التجا نہ کروں گا۔ میں پہلا مومن ہوں جس نے یہ نظارہ دیکھ کر یقین کیا کہ تو کسی کو دکھائی دینے سے پاک ہے اوروں کو اس کا یقین ہونا چاہئے۔ مجھے اس کا عین الیقین بلکہ حق الیقین حاصل ہو گیا۔ **نوٹ:** روایت میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام سے اس کلام کا وقت آیا تو آپ نے غسل کیا اعلیٰ لباس پہنا۔ رب العالمین نے سات سات کوس ارد گرد میں اندھیرا کر دیا۔ اس علاقہ سے شیطان 'جانور 'کیڑے مکوڑے نکال دیئے حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہنے والے فرشتوں کو بھی آپ سے الگ کر دیا۔ آپ پر آسمان کے دروازے کھول دیئے۔ آپ نے سب کا ملاحظہ فرمایا۔ عرش کو دیکھا۔ لوح پر قلم چلنے کی آواز سنی۔ پھر رب سے ہم کلامی کی (روح البیان 'خزائن العرفان وغیرہ) رب نے آپ سے بارہ سو کلمات میں کلام کیا۔ آپ نے ہمہ تن گوش بن کر ہر رونگٹے سے یہ کلام سنا۔ یہ کلام زبان پر بربسہ میں ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ تمام زبانوں میں کلام فرمایا۔ (روح المعانی) بعض روایات میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اس واقعہ کے بعد اپنی قوم میں واپس گئے تو جو بھی آپ کو دیکھتا' بے ہوش ہو جاتا تھا۔ بلکہ روح المعانی نے یہاں فرمایا کہ چالیس دن تک موسیٰ علیہ السلام کے رخ پاک کی یہ حالت رہی کہ جو آپ کو دیکھتا مر جاتا تھا اور آپ سات کوس سے چیونٹی دیکھ لیتے تھے اندھیری رات میں۔ (معانی) اس واقعہ سے پتہ لگا کہ موسیٰ علیہ السلام کی طاقت برداشت پہاڑ سے بھی زیادہ تھی کہ پہاڑ کے ٹکڑے اڑ گئے مگر آپ کا کوئی عضو ضائع نہ ہوا۔ عقل خراب نہ ہوئی 'دیوانگی و جنوں طاری نہ ہوئے۔ صرف عارضی طور پر غشی آئی۔ یہ ہے طاقت کلیمی۔

دیدار الٰہی

دیدار الٰہی کے متعلق تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ دنیا میں ان آنکھوں سے بیداری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن بھی ہے واقع بھی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اس موقعہ پر رب کو دیکھا' دیکھنے کے بعد بے ہوش ہو گئے۔ یہ قول شیخ ابراہیم کورانی کا ہے۔

(روح المعانی) دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ کا دیدار بالکل ناممکن ہے۔ اسے نہ تو کوئی اس دنیا میں دیکھ سکے' نہ مرنے کے بعد' نہ قیامت میں' نہ جنت میں۔ یہ قول معتزلہ کا ہے۔ تیسرے یہ کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن تو ہے مگر واقع نہیں۔ مرنے کے بعد بعض مقبولین کو دیدار ہوتا ہے' قیامت میں مومنین کو یونہی جنت میں دیدار ہوگا۔ نیز حضور انور نے معراج کی رات ذات الٰہی کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ یہ قول اہلسنّت کا ہے۔ یہی قول صحیح و قوی ہے۔ یہی ہمارا مذہب ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔ 1۔ ناممکن چیز کی دعا مانگنا حرام ہے جیسے کوئی کہے کہ خدایا مجھے خدا بنادے یا مجھے اب حضور انور کے بعد نبی بنادے وغیرہ اور انبیاء کرام حرام سے معصوم ہیں اگر دیدار الٰہی ناممکن ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کبھی اس کی دعا و تمنا نہ کرتے۔ آپ کا دعائے دیدار کرنا اس کے ممکن ہونے کی دلیل ہے۔ 2۔ اس دعا پر رب العالمین نے کوئی عتاب نہیں فرمایا۔ اگر یہ ناممکن ہوتا تو اس پر عتاب آتا۔ 3۔ اللہ تعالیٰ نے اس دیدار کو ایک ممکن چیز پر موقوف فرمایا کہ اگر پہاڑ تجلی کے بعد ٹھہرا رہا تو تم بھی دیدار کرلینا۔ پہاڑ کا ٹھہرا رہنا ممکن تھا کہ اس کے پھٹ جانے کے متعلق فرمایا۔ **جعلہ دکا** "جو شے مجعول ہو وہ ممکن ہوتی ہے۔ جب پہاڑ کا پھٹنا ممکن ہوا تو اس کا ٹھہرا رہنا بھی ممکن تھا۔ 4۔ یہاں رب تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ **لن تستطیع** بلکہ فرمایا **لن ترانی**۔ یعنی دیدار کے وقوع کی نفی کی' امکان کے وقوع کی نفی نہیں فرمائی۔ 5۔ اللہ تعالیٰ نے معراج میں حضور انور کو اپنا دیدار دیا۔ حضور فرماتے ہیں۔ **ان اللہ تعالٰی اعطی موسی الکلام و اعطانی الرویتہ و فضلنی بالمقام المحمود و الحوض المورود**۔ یہ حدیث روح المعانی نے اس جگہ بغیر ضعیف کے نقل فرمائی۔ اس کی تائید اس آیت سے ہے۔ **مازاغ البصر و ماطغی** اور **ولقد راٰہ نزلۃ اخری** وہاں دیدار الٰہی مراد ہے نہ کہ دیدار حضرت جبرئیل کیونکہ وہاں ہے **فاوحی الی عبدہ ما اوحی**۔ حضور انور خدا کے بندے ہیں نہ کہ حضرت جبریل کے۔ 6۔ رب تعالیٰ بعد موت شہداء کو دیدار دیتا ہے اور اس نے خصوصیت سے حضرت جابر کے والد عبداللہ کو دیدار دیا بعد شہادت **کلمہ ربہ کفاحا**" (حدیث)۔ 7۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس پر تعجب کی کیا بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلت جناب ابراہیم کو اور کلام حضرت موسیٰ کو اور اپنا دیدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بخشا۔ (تفسیر خازن۔ سورۃ النجم) 8۔ حضرت ابن عباس' ابوذر' کعب' حسن' ابوہریرہ' احمد بن حنبل وغیرہم حضرات کا مذہب ہے کہ معراج میں حضور انور نے اپنے سر کی آنکھوں سے رب کو دیکھا۔ حضرت انس' قتادہ' بلکہ عبداللہ ابن عمر کا یہی قول ہے (خازن' سورۃ النجم)۔ 9۔ رب تعالیٰ کفار کے متعلق فرماتا ہے۔ **کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون**۔ وہ قیامت میں اپنے رب سے حجاب میں رہیں گے جس سے پتہ لگا کہ مومن بے حجاب رب کا دیدار کریں گے کہ دیدار سے محرومی کفار پر عذاب ہوگا۔ 10۔ رب تعالیٰ مومنوں کے متعلق فرماتا ہے۔ **وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ**۔ قیامت میں بعض چہرے تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔ 11۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنتی اپنے رب کو اس طرح دیکھیں گے جیسے آج چودھویں رات کا چاند۔ دیکھا جاتا ہے جبکہ ابر و غبار نہ ہو۔ لہٰذا تم نماز فجر اور نماز عصر کی پابندی کرو (حدیث)۔ بہرحال دیدار الٰہی احادیث و آیات قرآنیہ' اقوال صحابہ و ائمہ مجتہدین سے ثابت ہے۔ اس کا انکار محض بے دینی ہے۔ اس کی نفی پر کوئی قوی دلیل نہیں' نہ آیت نہ حدیث۔ 12۔ بلکہ عقل کا تقاضا بھی ہے کہ دیدار الٰہی قیامت و جنت میں مومنوں کو نصیب ہو کہ رب فرماتا ہے۔ **لہم فیہا مایشاءون**۔ جنتی لوگ جو چاہیں گے وہ پائیں گے۔ جیسے موسیٰ علیہ

السلام کو رب کا کلام سن کر دیدار کا شوق ہوا۔ انشاء اللہ وہاں رب کا کلام سن کر ضرور شوق دیدار ہو گا جو پورا کیا جائے گا۔ اس کے ناممکن ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کسی کا کلام یا آواز سن کر اس کا عشق اور اس کے دیدار کا شوق پیدا ہوتا۔ عشق دیدار پر موقوف نہیں گفتار سے بھی ہو جاتا ہے۔ یہ فائدہ **کلمہ ربہ قال رب ارنی** سے حاصل ہوا۔ لہٰذا مومن کو چاہئے کہ کلام اللہ اور کلام رسول اللہ پڑھا اور سنا کرے تاکہ ان کی محبت دل میں پیدا ہو۔ یہ محبت تمام کامیابیوں کی چابی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** جس سے محبت و عشق و دیدار منع ہے اس کا کلام اس کی آواز بھی نہ سنے کہ یہ عمل ایک حرام کام کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا عورتوں کے گانے ان کی لوچ دار باتیں ان کی آواز نہ سنے۔ رب فرماتا ہے **فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض**۔ اے بیبیو! اجنبی مردوں سے نرم لوچ دار بات نہ کرو کہ اس سے دلی بیماری والے لالچ کریں گے اجنبی عورت کی آواز بلکہ ان کے زیوروں کی آواز کا بھی پردہ چاہئے۔ شعر

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد　　بسا کیں دولت از گفتار خیزد

تیسرا فائدہ: عشق الٰہی میں دیدار الٰہی کی خواہش ثواب ہے مگر نبی پر بے اعتقادی کی بنا پر دیدار کی تمنا کفر ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا **لن نؤمن لک حتی نری اللہ جھرۃ**۔ ان پر عذاب آ گیا۔ **فاخذتھم الصعقۃ**۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے دیدار الٰہی کی خواہش کی شوق و عشق الٰہی میں آپ کا درجہ اور بلند ہو گیا۔ ایک ہی چیز ایک کے لئے ایمان ہے دوسرے کے لئے کفر۔ شعر

موسیا آداب داناں دیگر اند　　سوختہ جاناں و داناں دیگر اند

چوتھا فائدہ: دنیاوی زندگی میں بحالت بیداری ان آنکھوں سے خدا کا دیدار ممکن ہے اگرچہ واقع نہیں۔ یہ فائدہ **لن ترانی** اور **فان استقر** سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی۔ **مسئلہ:** خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن بھی ہے واقع بھی۔ ہمارے حضور ﷺ نے بہت بار خواب میں خدا کو دیکھا۔ امام اعظم ابو حنیفہ نے ایک سو بار رب کو خواب میں دیکھا۔ یہاں تفسیر روح المعانی میں فرمایا کہ میں نے تین بار رب کو خواب میں دیکھا۔ ان خوابوں کی تفصیل و تاریخ و ترتیب بیان کی (روح المعانی)۔ **پانچواں فائدہ:** نبی پر عارضی طور پر غشی بے ہوشی طاری ہو سکتی ہے ہاں انہیں دیوانگی دائمی غشی نہیں ہو سکتی کہ یہ چیزیں تبلیغ کے لئے مانع ہیں۔ یہ فائدہ **خر موسیٰ صعقا**" سے حاصل ہوا۔ البتہ حدیث قرطاس میں حضرت عمر کا کہنا **اھجر استفھموہ** بالکل درست ہے یعنی حضور انور نے کاغذ منگایا۔ حضرت عمر نے کہا کہ پوچھو کیا حضرت پر غشی ہے اس میں یہ فرما رہے ہیں یا واقعی کاغذ کی طلب ہے۔ **چھٹا فائدہ:** بعض اولیاء اللہ مجذوب ہوتے ہیں۔ ان کی مجذوبیت کی اصل یہی آیت ہے۔ وہ حضرات **خر موسیٰ صعقا**" کے مظہر ہوتے ہیں۔ نیز مصری عورتوں کا جمال یوسفی دیکھ کر ہاتھ کاٹ لینا مجذوبیت و محویت کی اصل ہے۔ **ساتواں فائدہ:** مجذوب فقراء پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے۔ یہ فائدہ بھی **خر موسیٰ صعقا** سے حاصل ہوا۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام ایک دن رات یا ایک ہفتہ بے ہوش رہے۔ اس زمانہ میں آپ نے کوئی عبادت نہ کی نہ ان عبادات کی قضا کی۔ نیز مصری عورتوں پر اپنے ہاتھ کاٹ لینے کی سزا جاری نہ ہوئی۔ جب مستان جمال یوسفی مست ہو

بے خودی میں ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور انہیں درد محسوس نہ ہوا تو ان مستان جمال الٰہی کا کیا پوچھنا۔ ابھی گجرات میں ایک مست فقیر کے پاؤں پر ٹریکٹر گزر گیا جس سے اس کی ہڈیاں بالکل ٹوٹ گئیں مگر وہ نہ رویا نہ چیخا۔ علاج کے لئے ہسپتال گیا۔ پولیس نے ٹریکٹر والے کو پکڑا تو یہ مست بولا کہ اسے چھوڑ دو کسی اور کو تکلیف ہوئی ہوگی مجھے نہیں ہوئی۔ اس مست کا نام سائیں یوسف ہے۔ میں نے اسے دیکھا' نہایت اطمینان سے بیٹھا ہوا پایا۔ **آٹھواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کی ضد پوری فرماتا ہے اگرچہ وہ قانون سے وراء کی دعا کریں۔ یہ فائدہ **فلما تجلی ربہ** سے حاصل ہوا۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے قانون سے وراء کی خواہش کی یعنی دیدار الٰہی جو خلاف قانون ہے۔ **لا تدرکہ الابصار**۔ مگر رب نے ان کی بات قبول کی اور خود ان سے اقرار کرالیا کہ آئندہ ایسی خواہش نہ کروں گا۔ وہ حضرات رب کے احکام جو قانون سے وراء ہوں' مان لیتے اور ان پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ اپنا بچہ ذبح کرو' اپنے کو آگ نمرود میں ڈالو۔ اپنے بیوی بچوں کو بے آب ودانہ جنگل میں چھوڑ آؤ وغیرہ تو ان کی خلاف قانون دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں۔ اس کی تفسیر وہ حدیث ہے۔ **لو اقسم علی اللہ لابرہ**۔ **نواں فائدہ**: توبہ سے پہلے رب تعالیٰ کی حمد سنت انبیاء ہے۔ یہ فائدہ **سبحنک** سے حاصل ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے توبہ سے پہلے **سبحنک** عرض کیا۔ یہ ہی دعاؤں کا حال ہے کہ دعا سے پہلے حمد الٰہی بلکہ درود شریف پڑھے' توبہ کرے پھر دعا مانگے۔ انشاء اللہ قبول ہوگی۔ **دسواں فائدہ**: نبی اپنی امت میں پہلے صاحب ایمان ہوتے ہیں۔ پھر امت والے بعد کے مومن بلکہ ان کے صدقہ کے مومن ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **انا اول المسلمین** فرمانے سے حاصل ہوا۔ نیز نبی اور امت کے ایمان میں کئی طرح فرق ہوتا ہے۔ اس کی تحقیق ہم تیسرے پارہ میں آخر سورۃ بقرہ **امن الرسول بما انزل الیہ** کی تفسیر میں کرچکے ہیں۔ وہاں مطالعہ کرو۔

اعتراضات: **پہلا اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی اور نبی کو کلیم اللہ ہونے کا درجہ کیوں عطا نہ ہوا۔ اس میں ان کی کیا خصوصیت ہے۔ **جواب**: مفسرین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ نعمت بقدر مشقت ملتی ہے۔ جناب موسیٰ نے راہ خدا میں مشقتیں بہت زیادہ برداشت کیں۔ آپ کی قوم پر آپ کی وجہ سے بہت آزمائشیں آئیں۔ بچوں کا ذبح وغیرہ۔ اس کا انعام بھی ان کو خصوصیت سے یہ عطا ہوا۔ مگر حقیر کے نزدیک یہ جواب کچھ ضعیف سا ہے۔ زیادہ مشقتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اٹھائیں۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ **واذا ابتلی ابرھیم ربہ بکلمت فاتمھن**۔ ہمارے حضور نے جو مشقتیں راہ خدا میں اٹھائیں۔ وہ تو بیان سے باہر ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ داد حق ہے۔ جس پر جیسا کرم ہو جاوے۔ **دوسرا اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے کلام الٰہی تو عطاء نبوت کے وقت بھی سنا تھا جیسا کہ سورۃ طٰہٰ میں ہے۔ اس وقت دیدار کا شوق آپ کو کیوں نہ ہوا۔ آج کیوں ہوا۔ **جواب**: یا اس لئے کہ اس وقت کلام اچانک ہوا تھا اور ختم ہوگیا تھا۔ اس بار چالیس دن عبادات کرا کے پرلطف کلام فرمایا گیا تھا۔ ان عبادات اور دراز حاضری کی وجہ سے لذت زیادہ آئی۔ عبادات سے لذت بڑھ جاتی ہے۔ جنت کی نعمتوں کا جو لطف مومنین متقین کو آوے گا وہ حور و غلمان اور اس جماعت کو نہ آوے گا جو جنت بھرنے کے لئے پیدا کی جاوے گی۔ یوں ہی مومنہ جنتی عورتوں کا حسن حوران بہشتی سے زیادہ ہوگا کہ ان پر عبادات کا حسن بھی ہوگا جیسا کہ ہم نے اس تفسیر میں پہلے تحقیق کی ہے۔ آج پابند شریعت متقی مسلمان کے وعظ و نعت خوانی میں جو مزہ آتا ہے وہ خلاف شرع واعظین و نعت خوانوں کے وعظ و نعت میں نہیں آتا۔ بزرگوں کے آستانہ کی روکھی سوکھی روٹی میں جو لذت ہوتی ہے وہ اوروں کے پلاؤ زردہ میں نہیں ہوتی۔

غرضیکہ عبادات الٰہی کام، کلام، بولنے، سننے، کھانے، پینے، سونے، جاگنے بلکہ جینے مرنے میں لذت پیدا کر دیتی ہے بلکہ اگر مجمع میں ایک آدمی بھی کامل ہو تو سارے مجمع میں رنگ لگ جاتا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ یہ عشق و شوق بھی رب کی طرف سے تھا۔ جب چاہا دل میں پیدا کر دیا۔

میری طلب بھی تمہارے کرم کا صدقہ ہے!
قدم یہ اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں!

گفت اللہ گفتنت لبیک ماست — ایں گداز و سوز و درواز پیک ماست

تیسرا اعتراض: رویت اور نظر دونوں کے معنی ہیں دیکھنا پھر **ارنی انظر الیک** کیسے درست ہوا۔ **انظر** جواب کیسے بنا **ارنی** کا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ رویت عام ہے۔ خواب میں دیکھنا دل سے دیکھنا (کشف) خیال میں دیکھنا آنکھ سے دیکھنا سب کو رویت کہتے ہیں مگر **نظر** صرف آنکھ سے دیکھنے کو کہتے ہیں۔ اس فرق کی وجہ سے **انظر الیک** جواب بن گیا **ارنی** کا۔ گویا یہ **ارنی** کی شرح ہے۔ دوسرے یہ کہ **ارنی** کا فاعل رب تعالیٰ ہے، **انظر** کا فاعل موسیٰ علیہ السلام یعنی دکھا تو اور دیکھوں میں۔ ایسا نہ ہو کہ تو دکھائے مگر میں نہ دیکھوں۔ اس فرق کی وجہ سے جواب بن گیا۔ اسی لئے آپ نے **اری** نہیں فرمایا، بلکہ **انظر** فرمایا یعنی میں آنکھ سے تجھے دیکھوں۔ **چوتھا اعتراض: لن ترانی** سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو دیدار الٰہی کبھی نہیں ہوا نہ زندگی میں نہ بعد وفات نہ جنت میں۔ جب انہیں دیدار نہیں تو اور کس کو ہو سکتا ہے (منکرین دیدار)۔ دیکھو **لا ترانی** نہ فرمایا بلکہ **لن ترانی** فرمایا جو مستقبل کے لئے آتا ہے۔ **جواب:** یہ غلط ہے کیونکہ **لن** مستقبل کے لئے تو آتا ہے مگر نفی کی ہمیشگی کے لئے نہیں آتا اگر ابدا بھی فرمایا جاتا تب تمہارا سوال درست ہوتا۔ **پانچواں اعتراض:** رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تدرکہ الابصار** رب کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں معلوم ہوا کہ رب کا دیدار ناممکن ہے (منکرین دیدار)۔ **جواب:** اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ دیکھنا اور ہے **ادراک** یعنی پانا کچھ اور یہاں دیکھنے کی نفی نہیں بلکہ نگاہوں سے پا لینے کی نفی ہے احاطہ کر کے دیکھنا پانا ہے بغیر احاطہ دیکھنا نظر ہے تم سمندر کو سورج کو قدرے دیکھ تو لیتے ہو مگر انہیں پاتے نہیں ان کا احاطہ نہیں کرتے۔ انسان یا درخت کو دیکھتے ہیں تو اسے نظر سے گھیر بھی لیتے ہیں کہ اس کا حدود اربعہ کر لیتے ہیں اتنا لمبا اتنا چوڑا اتنا موٹا رب تعالیٰ کو اس طرح دیکھنا ناممکن ہے۔ دوسرے یہ کہ **الابصار** میں لام عہدی ہے یعنی یہ دنیاوی آنکھیں رب کا دیدار نہیں کر سکتیں جنت میں آنکھیں ہی دوسری ہوں گی ان کی قوت ہی کچھ اور ہو گی ان سے رب کا دیدار ہو گا۔ تیسرے یہ کہ **الابصار** میں لام استغراقی ہے یعنی ساری آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں صرف مومنین کی آنکھیں اسے دیکھیں گی اس کی تفسیر وہ آیات ہیں **الی ربھا ناظرۃ** یا **انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون** لہٰذا دونوں آیات درست ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضور انور نے رب کا دیدار نہیں کیا پھر تم دیدار کے قائل کیسے ہو گئے (معتزلہ)۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں (۱) ام المومنین عائشہ صدیقہ تو جسمانی معراج کا بھی انکار فرماتی ہیں حالانکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی چونکہ آپ جسمانی معراج کا انکار فرماتی ہیں تو دیدار کا بھی انکار کرتی ہیں کہ دیدار تو معراج میں ہوا ہم چونکہ معراج جسمانی کے قائل ہیں تو دیدار کے بھی قائل ہیں۔ (2) صرف عائشہ صدیقہ دیدار کا انکار فرماتی ہیں مگر

حضرت ابن عباس 'ابوذر 'کعب 'حسن 'ابو ہریرہ 'احمد ابن حنبل 'انس 'قتادہ 'عبداللہ ابن عمر جیسے جلیل القدر صحابہ و تابعین فرماتے ہیں کہ دیدار الٰہی حضور انور نے کیا تو ظاہر ہے کہ اس بارے میں جمہور صحابہ کا قول مانا جاوے گا(3) ام المومنین عائشہ صدیقہ نفی دیدار کی روایت پیش نہیں فرماتیں بلکہ آیت **لا تدرکه الابصار** سے استدلال کرتی ہیں یہ ان کا اپنا اجتہاد صحابہ مذکورین حضور انور کا فرمان پیش فرماتے ہیں اور ظاہر ہے کہ روایت کے مقابل صرف روایت و اجتہاد معتبر نہیں (4) ام المومنین معراج جسمانی اور دیدار کا انکار فرماتی ہیں وہ حضرات ان کا اثبات فرماتے ہیں جب ثبوت و نفی میں تعارض ہو تو ثبوت کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ نفی بے خبری کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے (5) ام المومنین فرماتی ہیں کہ معراج کی رات میں حضور انور کے پاس حجرے میں تھی۔ تمام رات حضور انور میرے حجرے میں رہے کہیں نہ گئے پھر آپ کو معراج کیسے ہو گئی حالانکہ حضور کو معراج جناب ام المومنین کے نکاح میں آنے سے پہلے ہوئی ہے یعنی ہجرت سے پہلے ام ہانی کے مکان سے جس کا پتہ انہیں نہ لگا غرضیکہ معراج اور دیدار کا انکار آپ اس لئے فرماتی ہیں کہ آپ کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ **ساتواں اعتراض**: مسلم شریف کی روایت ہے کہ کسی نے حضور انور سے پوچھا کہ کیا آپ نے رب کو دیکھا تو حضور نے فرمایا **نور انی اراہ** تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھوں معلوم ہوا کہ حضور انور نے رب کا دیدار نہیں کیا۔ **جواب**: اس حدیث کی عبارت معترض نے درست نہیں پڑھی ترجمہ بھی غلط کیا یہ عبارت ہے **نور انی اراہ** میں نے اسے دیکھا ہے وہ نور ہے یعنی **انی** مرکب ہے **ان ادری** متکلم سے **اری** حال ہے مگر بمعنی ماضی جیسے **یذبحون ابناءکم** اس لئے کہ مسلم شریف میں اس حدیث سے متصل انہیں ابوذر کی روایت یوں ہے۔ **رایت نورا** (مسلم کتاب الایمان 99) یہ حدیث تمہاری پیش کردہ حدیث کی شرح ہے نووی نے تمہاری پیش کردہ حدیث کی ایک قراءۃ یوں بیان کی **نورانی اراہ** میں نے اسے دیکھا ہے وہ نورانی ہے لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جو ہم نے ابھی دیدار الٰہی کے ثبوت میں پیش کیں نہ آیت دیدار کے خلاف۔ **آٹھواں اعتراض**: اللہ تعالیٰ نور ہے **اللہ نور السموت والارض** اور ہماری آنکھیں نور کو نہیں دیکھ سکتیں۔ دیکھو فرشتے روح نور ہیں جو آنکھ کو نظر نہیں آتے تو خدا تعالیٰ کیسے نظر آ سکتا ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نور نہیں وہ خالق نور ہے کیونکہ نور یا تو وہ جسم ہے یا وہ عرض جو خود ظاہر ہو دوسروں کو ظاہر کرے اور رب تعالیٰ جسم ہونے اور عرض ہونے دونوں سے پاک ہے نووی نے شرح مسلم میں اسی 99 میں **نورانی اراہ** کی شرح میں فرمایا **ومن المتخیل ان تکون ذات اللہ تعالیٰ نورا" اذا النور من جملتہ الاجسام واللہ یجل عن ذلک ھذا مذھب جمیع ائمتہ المسلمین** یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کا نور ہونا غیر ممکن ہے کیونکہ نور جسم ہے رب جسمانیت سے پاک ہے یہ مسلمانوں کے سارے اماموں کا مذہب ہے یہ ہی عبارت تفسیر خازن میں سورۂ والنجم کی تفسیر زیر آیت **لقد رای من ایت ربه الکبری** کی ہے۔ تفسیر بیضاوی نے سورہ نور **اللہ نور السموت والارض** کی تفسیر میں فرمایا کہ نور ایک کیفیت ہے جو خود ظاہر ہو دوسروں کو ظاہر کرے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی ذات نور نہیں ہے۔ آیت کریمہ اللہ نور السموت میں نور بمعنی منور ہے یعنی وہ آسمانوں زمین کو روشن کرنے والا ہے۔ **نواں اعتراض**: اللہ تعالیٰ رنگ اور سمت و جہت سے پاک ہے اور اس کے بغیر آنکھ دیکھ نہیں سکتی آنکھ در حقیقت رنگت ہی کو دیکھتی ہے۔ **جواب**: دیدار کی یہ شرطیں اس جسمانی محدود آنکھ کے لئے ہیں

معراج میں حضور انور کی آنکھ ان کمزوریوں سے وراء تھی نیز جنت میں ہر جنتی کی آنکھ اس کمزوری سے پاک کردی جاوے گی۔ اس عالم کو اس جہان پر قیاس نہ کرو بعض اولیاء اس دنیا میں احوال و اعمال کو ان کی شکلوں میں دیکھ لیتے ہیں غرضیکہ دیدار الٰہی برحق ہے مگر اس کی کیفیت نامعلوم ہے دیدار الٰہی کی مکمل بحث انشاءاللہ سورہ والنجم میں ہوگی۔ یہاں بطور اختصار کچھ عرض کیا گیا نہ معلوم میری عمر وفا کرے یا نہ کرے اور سورہ والنجم شریف کی تفسیر لکھنا مجھے میسر ہو یا نہ ہو۔ رب تعالیٰ توفیق دے اور قبول فرمائے۔ **دسواں اعتراض:** کیا موسیٰ علیہ السلام کی تمنا دیدار کرنا گناہ تھا اگر تھا تو نبی معصوم نہیں اگر نہیں تھا تو بہ کس سے کی کہ عرض کیا **تبت الیک** توبہ تو گناہ سے ہوتی ہے۔ **جواب:** ہماری توبہ گناہ سے ہوتی ہے حضرات انبیاء و اولیاء کی توبہ نیکی کرنے پر بھی ہوتی ہے آپ نے اس جرات سے توبہ کی یعنی اے مولیٰ اب تمنائے دیدار کی جرات و ہمت کبھی نہ کروں گا۔ توبہ کی بہت قسمیں ہیں۔

زاہداں از گناہ توبہ کنند! عارفاں از اطاعت استغفار !

گناہ کے لئے چند شرطیں ہیں (1) رب تعالیٰ کی طرف سے ممانعت ہونا (2) ممانعت یاد ہونا اس ممانعت کے سمجھنے میں غلطی نہ کرنا اسے صحیح طور پر سمجھنا۔ ان کے بغیر گناہ نہیں ہوتا اگر ممانعت کے سمجھنے میں غلطی کی تو خطا ہے اگر یاد نہ رہے تو نسیان یعنی بھول ہے ہمارے رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو آرزوئے دیدار سے منع کب کیا تھا کہ تم دیدار نہ مانگنا نیز اگر یہ گناہ ہوتا تو اس پر عتاب آتا انہیں یہ نظارہ دکھایا نہ جاتا۔ **گیارھواں اعتراض:** موسیٰ علیہ السلام نے یہ کیوں کہا کہ میں پہلا مومن ہوں پہلے مومن تو حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ وہ پہلے نبی ہیں۔ **جواب:** اس کے دو جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے ایک یہ کہ یہاں اولیت اضافی مراد ہے یعنی اپنی قوم میں پہلا مومن میں ہوں اور لوگ میرے بعد بلکہ میرے تابع ہوکر مومن ہوں گے دوسرے یہ کہ تیرے جمال تجلی کو دیکھ کر ایمان لانے والا سب سے پہلا میں ہوں آپ سے پہلے کسی نبی سے نہ رب نے کلام فرمایا نہ تجلی دکھائی اس صورت میں اولیت سے حقیقی اولیت مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے جناب موسیٰ علیہ السلام سے بھی کلام فرمایا اور حضور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مگر حضرت موسیٰ کلام کے طالب تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلام بلکہ متکلم کے بھی مطلوب اس لئے ان دونوں کلاموں میں کئی طرح فرق ہے ایک فرق یہ کہ

کلام لینے کو جاتے تھے طور پر موسیٰ تمہارے گھر میں خدا کا کلام آتا ہے

دوسرے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام گئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلائے گئے تھے۔

طور اور معراج کے قصے سے ہوتا ہے عیاں!

اپنا جانا اور ہے ان کا بلانا اور ہے !

تیسرے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام سے صرف کلام ہوا۔ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاً "دیدار دکھایا پھر کلام سنایا۔

ابن یعقوب کو اللہ نے صورت بخشی ید بیضا کی کلیم اللہ کو نعمت بخشی

ہر نبی کو کوئی رحمت کوئی نعمت بخشی میری سرکار کو بے پردہ زیارت بخشی

یہ تھے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی تمنا کی مگر محبوب ﷺ کو رب نے تقاضوں سے بلایا دیدار دکھایا۔

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

کسی دل جلے عاشق نے کیا خوب کہا ہے۔

ارنی بگوید آنکس کہ بگفت **لن ترانی** — تو بایں جمال و خوبی سر طور گر خرامی

اے محبوب اگر طور پر تم اسی خوبی و جمال سے جلوہ **لن ترانی** فرمانے والا **ارنی** فرمائے۔ پانچویں یہ کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے اہتمام سے طور پر گئے اور حضور کے لئے سواری لباس بلانے والی برات وغیرہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے۔ چھٹے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے پہاڑ کو دیدار کے لئے آڑ بنایا آپ کے لئے ہر آڑ پہاڑ دی گئی بغیر واسطہ دیدار دکھایا۔ ساتویں یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک تجلی صفت کی تاب نہ لاسکے حضور انور نے عین ذات کا نظارہ کیا پلک بھی نہ جھپکی **مازاغ البصر وماطغی**۔

تو عین ذات می نگری و در تبسمی — موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات

صوفیاء فرماتے ہیں کہ عشق وہ چیز ہے جو خاکی کو خاک سے افلاک پر پہنچاتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

جسم خاک از عشق برافلاک شد! — کوہ در رقص آمد و **چالاک** شد!
عشق جان طور آمد عاشقا — طور مست و خر موسیٰ صعقا

بعد قیامت کوہ طور کعبہ معظمہ مسجد نبوی بیت المقدس جنت میں رکھے جائیں گے۔ دیکھو روح البیان یہی مقام۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ہویت و خودی باقی رکھتے ہوئے خدا کا دیدار مانگا تو عرض کیا ارنی جس میں متکلم ہے تو دیدار نہ کر سکے۔ حضور انور نے معراج میں اپنی اناختم کر دی لباس بشریت اتار کر نور ہو کر نورانی جوڑا پہن کر حاضری دی۔ بے سوال بے حجاب یار کو دیکھا بلکہ اپنے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کو بار بار دیدار کرایا۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام امت مصطفوی کے متعلق نماز کم کرانے کے بہانے بار بار حضور انور کو بارگاہ قدس میں بھیجتے رہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

مصطفیٰ آئینہ روئے خداست — منعکس در وے ہمہ خوئے خداست

اللہ تعالیٰ کا روا اس کی ہر خو یعنی ذات و صفات ان سب کا آئینہ ذات پاک مصطفیٰ ہے ان کو دیکھا تو خدا کو دیکھا ان کے پاس آئے تو خدا کے پاس آئے ان کے ہاں سے نکالے گئے تو خدا کے ہاں سے نکالے گئے۔ آئینہ صرف ظاہری اعضاء کا عکس لیتا ہے اندر کے صرف اندرونی اعضاء کا حضور انور وہ آئینہ خدا نما ہیں جو رب تعالیٰ کی ذات ظاہر و باطن صفات سب ہی کا عکس لوگوں پر ظاہر کرتا ہے

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ فَخُذْ

کہا رب نے اے موسیٰ بے شک میں نے چن لیا تم کو اوپر لوگوں کے ساتھ پیغامات کے اپنے اور ساتھ کلام کے اپنے پس
فرمایا اے موسیٰ میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے تو لے جو میں نے

مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

لے لو وہ جو دوں میں تم کو	اور ہو جاؤ تم	شکر گزاروں میں
تجھے عطا فرمایا	اور	شکر والوں میں ہو

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں اس نعمت کا ذکر ہوا جو موسیٰ علیہ السلام نے مانگی مگر اسے پا نہ سکے یعنی دیدار الٰہی اب ان نعمتوں کا ذکر ہے جو آپ نے نہ مانگیں مگر رب نے اپنے فضل سے عطا فرمائیں یعنی رسالت و کتاب اور کلام بلاواسطہ اس میں بندوں کو تعلیم دی گئی کہ اگر رب تعالیٰ تمہاری کوئی دعا قبول نہ کرے تو اس کی ان نعمتوں میں غور کرو جو اس نے تم کو بغیر مانگے دی ہوئی ہیں اس پر رب کا شکر کرو دیکھو موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے مگر انہیں نبوت دی گئی۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی توبہ کا ذکر ہوا اب اس توبہ پر خصوصی انعام کی عطا کا ذکر ہو رہا ہے گویا موسیٰ علیہ السلام کے عمل کا ذکر پہلے ہوا۔ رب کی عطا خصوصی کا ذکر اب ہے۔ رب کو موسیٰ علیہ السلام کی یہ ادا پسند آئی کہ انہوں نے دیدار نہ ملنے پر رب کی شکایت نہیں کی بلکہ قصور کی نسبت اپنی طرف کر کے توبہ کی آپ نے یہ جرات کیوں کی اس میں بندوں کو تعلیم ہے۔ دعا قبول نہ ہونے پر رب کی شکایت نہ کیا کرو اپنے قصوروں میں غور کر کے توبہ کیا کرو۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے ایک تکلیف دہ واقعہ کا ذکر ہوا کہ آپ نے دیدار کی تمنا کی جو پوری نہ ہوئی اس سے آپ کو غم ہوا اب اس غم و رنج کے دفعیہ کا ذکر ہے کہ ہم نے انہیں دوسری نعمتیں ایسی بخشیں جن سے ان کا غم غلط ہو جاوے گویا زخم کے بعد مرہم کا ذکر ہے بلکہ بہت سے مرہموں کا۔ اس میں بندوں کو تعلیم ہے کہ اگر رب تعالیٰ تمہاری کوئی دعا قبول نہ کرے تو غمگین نہ ہوں۔

تفسیر **قال یموسی** یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کے ہوش میں آجانے کے بعد کا ہے کیونکہ بے ہوشی یا غشی کی حالت میں نہ وحی آئی نہ الہام نہ کشف وغیرہ۔ نبی پر نیند میں خواب یا وحی آسکتی ہے مگر غشی میں یہ وحی بھی نہیں آسکتی بیداری میں تین قسم کی وحی آسکتی ہیں۔ وحی جلی، کشف، الہام اور موسیٰ علیہ السلام کے لئے بے واسطہ کلام غرضیکہ بیداری کی وحی بہت قسم کی ہے نیند میں وحی صرف ایک تھی یعنی خواب۔ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ نبیوں کو ان کے ناموں سے پکارا پھر ان پکاروں کو اسی طرح نقل فرمادیا یہ ہمارے حضور کی خصوصیت ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور کو صفات عالیہ سے پکارا **یایہاالنبی یایہاالرسول** خیال رہے کہ رب تعالیٰ کا حضرات انبیاء کرام کا پکارنا صرف اظہار کرم کے لئے ہوتا ہے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے نہیں ہوتا کہ وہ حضرات ہر وقت متوجہ الی اللہ رہتے ہیں کسی وقت اس سے غافل نہیں ہوتے تم جیسے غافلوں کو پکارنا بیدار کرنے کے لئے ہوتا ہے کفار کو پکارنا اظہار غضب کے لئے۔ دوسرے نبیوں کے نام ان کے والدین نے ان کی پیدائش کے بعد رکھے **محمد** وہ نام ہے جو رب نے رکھا اور عالم کی پیدائش سے پہلے رکھا **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ انی اصطفیتک علی الناس** یہ عبارت **قال** کا مفعول ہے **اصطفاء** کی تحقیق تیسرے پارہ میں **واصطفک علی نساء العلمین** کی تفسیر میں کی جاچکی ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ لفظ بنا ہے صفو سے بمعنی صاف شفاف باب افتعال میں آکر

اس کے معنی ہوئے بین لینا چن لینا چھانٹ لینا یعنی صاف صاف لے لینا گندے چھوڑ دینا۔ شریعت میں یہ ایک خاص درجہ ہے جو خاص بندوں کو عطا ہوتا ہے یہ چناؤ بہت قسم کا ہے اعلیٰ قسم کا چناؤ ہمارے حضور کا ہوا حتی کہ آپ کا نام شریف مصطفےٰ ہوا۔

ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لا جواب نام ہوا مصطفےٰ تم پہ کروڑوں درود!

حضور کی ذات سارے صفات سارے اعمال سارے احوال مصطفیٰ ہیں یعنی چنے ہوئے۔ چونکہ اس میں بزرگی دینے کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے اس کے بعد **علی** آیا موسیٰ علیہ السلام کا یہ چناؤ صرف انسانوں پر تھا فرشتے اس سے خارج تھے اس لئے کہ وہ رب کے رسول بھی ہیں اور بلاواسطہ رب سے کلام بھی کرتے ہیں اس لئے **علی الناس** فرمایا **علی الخلق** نہیں فرمایا (تفسیر روح البیان) یا یوں کہو کہ انسان ساری مخلوق میں افضل **ولقد کرمنا بنی ادم** اور موسیٰ علیہ السلام ان انسانوں میں سب سے **افضل** لہذا آپ مخلوق میں افضل ہوئے۔ **الناس** میں الف لام عہدی ہے اس سے مراد یا تو بنی اسرائیل ہیں یا اس زمانہ کے سارے لوگ کیونکہ آپ حضرت ہارون سے افضل تھے کہ توریت کلام الٰہی عصا وغیرہ آپ ہی کو ملے۔ حضرت ہارون آپ کے متبع آپ کے وزیر تھے اس سے پتہ لگا کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت خلیل اللہ اور محمد مصطفیٰ ﷺ سے افضل نہ تھے یہ ایسا ہے جیسے بنی اسرائیل سے کہا گیا **وانی فضلتکم علی العلمین**۔

مسئلہ: اس پر ساری امت کا اجماع ہے کہ حضور ﷺ افضل المرسلین سید الخلق اجمعین ہیں بعد خدا حضور ہی کا درجہ ہے۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

دہر میں سب سے تو بڑا تجھ سے بڑی خدا کی ذات

قائم ہے تیری ذات سے سارا نظام کائنات!

مگر اس میں اختلاف ہے کہ حضور انور کے بعد درجہ کس نبی کا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ حضور کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا درجہ ہے مگر ترجیح اسے ہے کہ حضور انور کے بعد درجہ ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے دلائل انشاء اللہ اپنے مقام پر بیان ہوں گے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں الناس سے سارے انسان مراد ہیں اور جزوی فضیلت کا یہاں ذکر ہے یعنی کلیم اللہی کی عظمت صرف موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی کہ آپ کے سواء کسی نبی نے زمین پر رہ کر اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کلام نہیں کیا۔ **برسلتی و بکلامی**۔ ہماری قراءۃ رسالات جمع ہے ایک قرات میں ہے **برسالتی** واحد (روح المعانی) رسالۃ مصدر ہے مصدر اگرچہ واحد جمع دونوں پر بولا جاتا ہے مگر مختلف نوع بیان کرنے کے لئے جمع بھی آجاتا ہے جیسے ضربات بہت قسم کی چوٹیں۔ یہاں بمعنی اسم مفعول ہے یعنی بھیجی ہوئی خبریں اس سے مراد ہے توریت شریف کی آیات کیونکہ ہر آیت ایک علیحدہ پیغام ہے یا اس سے مراد توریت کی تختیاں۔ **کلامی** سے مراد ہے بلاواسطہ رب تعالیٰ کا کلام فرمانا یا رب سے کلام کرنا لہذا ی متکلم یا تو کلام کا فاعل مضاف الیہ ہے یا مفعول۔ کیونکہ آپ سے پہلے کسی نبی کو کتاب نہ دی گئی بعض کو صحیفے دیئے گئے کتاب والے پہلے نبی آپ ہیں نہ آپ سے پہلے کسی نبی سے بلاواسطہ کلام ہوا اس لئے **برسلتی** اور **کلامی** فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ **برسلتی** میں ب سببیہ ہے یعنی اے موسیٰ میں نے تم کو اپنی توریت اپنے بلاواسطہ کلام کے ذریعہ لوگوں سے افضل کیا ان ہی سے چن لیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی عزت و عظمت توریت اور کلام ربانی کی وجہ سے ہے۔ خیال رہے کہ اس

کے برعکس قرآن مجید کو حضور انور سے عزت ملی کہ آپ پر اترا اور حضور کا قرآن مجید سے شرف زیادہ ہوا۔ اسی لئے قرآن مجید مکی مدنی ہوا اس میں آیات سکتے رفعے رکوع حضور کی وجہ سے بنے بلکہ اس میں سوز و گداز حضور کے پڑھنے کی وجہ سے پیدا ہوا۔ حکیم ترمذی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے مرفوعاً روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے تین دن میں ایک لاکھ چالیس ہزار کلمات موسیٰ علیہ السلام سے فرمائے جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں (1) اے موسیٰ زہد و تقویٰ سے بہتر انسان کا کوئی عمل نہیں (2) اے موسیٰ مجھ سے بہت قریب کرنے والی چیز حرام سے بچنا ہے (3) اے موسیٰ بہترین عبادت میرے خوف سے رونا ہے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے رب اے مخلوق کے مالک اے قیامت کے مالک اے ذوالجلال والاکرام ان لوگوں کو جزا کیا ملے گی فرمایا اے موسیٰ زاہدین کے لئے میری جنت حلال ہے۔ حرام سے پرہیز کرنے والوں کے لئے بے حساب بخشش ہے۔ میرے خوف سے رونے والوں کے لئے میں خود ہوں ان کا رفیق اعلیٰ (روح المعانی) روح المعانی نے اور بہت سے کلام نقل فرمائے **فخذما اتیتک** یہ عبارت معطوف ہے گزشتہ پر اور ف عاطفہ یا یہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے اور ف جزائیہ **خذ** کے معنی ہیں لو قبول کرو یا سنبھالو محفوظ رکھو **اتیتک** سے مراد یا توریت شریف ہے یا جناب کلیم کے سارے درجات و مراتب یعنی اے موسیٰ جو توریت یا جو درجات آپ کو دیئے گئے انہیں مضبوطی سے سنبھالے رہنا کوئی کام کوئی حرکت، جنبش ایسی نہ کرنا جو تمہارے درجہ کے خلاف ہو نعمت پانے سے نعمت سنبھالنا مشکل ہے۔ **وکن من الشکرین** یہ عبارت معطوف ہے **خذ** پر یا تو یہ دوسرا حکم ہے یا **خذما اتیتک** کا بیان یعنی ان نعمتوں کو اس طرح سنبھالو کہ ان کا شکریہ ادا کرتے رہو کہ شکر سے نعمت ضائع نہیں ہوتی بلکہ زائد ہوتی ہے شکر کے معنی اس کے اقسام شکر قولی، عملی اور دلی پھر ان کے احکام و درجات دوسرے پارہ میں **واشکروالی ولا تکفرون** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں ابن ابی شیبہ نے بروایت کعب روایت کی کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولیٰ اس کے شکر کا طریقہ تو ہی مجھے بتا فرمایا کہ پڑھتے رہو **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر**۔ (روح المعانی) یہ شکر قولی ہے رہے شکر عملی وہ تو بے انتہا ہیں۔

خلاصہ تفسیر: جب موسیٰ علیہ السلام غشی سے ہوش میں آئے اور وہ کلمات توبہ وغیرہ کے عرض کئے تو رب تعالیٰ نے جواب میں نہایت کرم نوازی سے فرمایا کہ اے موسیٰ اگرچہ ہم نے تم کو اپنا دیدار ہزارہا حکمتوں کی بنا پر نہیں دیا مگر تم کو اور بہت سی نعمتیں بخشیں۔ ان ہی سے ایک یہ ہے کہ ہم نے تم کو تمام موجودہ انسانوں میں سے چن لیا خاص فرمالیا کہ تم کو آیات توریت اور تختیاں عطا فرمائیں اور تم سے بلاواسطہ کلام فرمایا تم کو کلیم اللہ کا لقب دیا کہ تم نے ہمارا کلام خود ہم سے سنا تم ان نعمتوں کو ان درجات کو مضبوطی سے سنبھالے رہنا تمہارے اعمال اقوال افعال ایسے ہوں جو تمہاری شان کے لائق ہوں اور تم ہمیشہ جانی "لسانی" ارکانی ہر طرح کا شکر ادا کرتے رہنا۔ **روایت** ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے کلام فرمایا تو اس وقت آپ اونی جبہ پہنے ہوئے تھے۔ جس میں بٹن کے بجائے کانٹے ببول کے تھے کمر پر پٹکا تھا طور کی ایک چٹان سے ٹیک لگائے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام لذت کلام سے بے خودی کی حالت میں پکار اٹھے کہ مولیٰ تو قریب ہے کہ تجھ سے مناجات (سرگوشی) کروں یا تو دور ہے کہ تجھے منادات (پکارنا) کروں فرمایا اے موسیٰ میں اپنی یاد کرنے والوں کا ہم نشین ہوتا ہوں اس کلام کے بعد جو آپ کے چہرہ انور کو دیکھتا

تھا بے ہوش ہو جاتا تھا چنانچہ پھر آپ نے وفات تک اپنے چہرے پر نقاب رکھا ایک دن آپ کی زوجہ نے عرض کیا کہ میں آپ کے دیدار سے محروم ہوں آپ نے نقاب اٹھایا تو آپ کے چہرے سے سورج کی سی شعاعیں نمودار ہوئیں جس کی آپ تاب نہ لا سکیں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا بولیں دعا کریں کہ میں جنت میں بھی آپ کی بیوی رہوں فرمایا اگر اس کی آرزو ہے تو میرے بعد کسی سے نکاح نہ کرنا کہ عورت اپنے آخری خاوند کے ساتھ ہوگی (روح البیان) اسی لئے حضور ﷺ کی ازواج حضور کی وفات کے بعد کسی سے نکاح نہیں کر سکتیں **ولا ان تنكحوا ازواجه من بعده ابدا۔**

فائدے: اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں پر بڑا ہی مہربان ہے کہ ان کا دل میلا نہیں ہونے دیتا یہ فائدہ **انی اصطفیتک** سے حاصل ہوا دیکھو موسیٰ علیہ السلام کو دیدار الٰہی میسر نہ ہونے کا غم ہو سکتا تھا رب تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے کلیم میں نے تم کو بڑے بڑے درجات سے نوازا ہے یہ کلام تسلی کے لئے ہے اگر وہ حضرات کسی مومن کی شفاعت کریں تو ناممکن ہے کہ رب ان کی شفاعت قبول نہ فرمائے ان کا دل میلا ہونے دے۔

تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کی دھلیں ۔۔۔ کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

اگر حضور چاہیں تو ہم جیسے کمزوروں کا بیڑا پار لگوا دیں ہم جیسے فاجروں فاسقوں کو متقی بنا دیں۔ شعر اعلیٰ حضرت۔

ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی ۔۔۔ مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کوئی خصوصی درجہ عطا فرمایا جس سے وہ حضرات دوسروں سے ممتاز ہوئے۔ یہ فائدہ **انی اصطفیتک** سے حاصل ہوا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو توریت اور اپنی ہم کلامی سے نوازا مگر خیال رہے کہ حضور ﷺ کی اس میں شان نرالی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** حضرت موسیٰ علیہ السلام جناب ہارون علیہ السلام سے افضل ہیں کہ آپ سلطان ہیں اور حضرت ہارون وزیر اعظم قرآن مجید میں ہے **وزیرا" من اهلی** بلکہ اپنے ماں باپ بلکہ حضرت خضر علیہ السلام سے بھی افضل کہ وہ حضرات بھی الناس میں داخل ہیں یہ فائدہ علی الناس سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** موسیٰ علیہ السلام پہلے صاحب کتاب اور صاحب شریعت پیغمبر ہیں گذشتہ بعض نبیوں کو صحیفے عطا ہوئے یہ فائدہ **برسلتی** سے حاصل ہوا کہ رسالاۃ سے مراد توریت شریف کی آیات ہیں اس سے مراد صرف نبوت نہیں کہ نبوت تو آپ سے پہلے اور نبیوں کو بھی عطا ہو چکی تھی۔ **پانچواں فائدہ:** جسے اللہ تعالیٰ کوئی خصوصی درجہ عطا کرے اسے چاہئے کہ وہ اس درجہ کو سنبھالے نعمت ملنا اور چیز ہے اور نعمت سنبھالنا کچھ اور یہ فائدہ **فخذ ما اتیتک** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ ہر مومن کو چاہئے کہ اپنے ایمان و اعمال کی حفاظت کرے مگر حق یہ ہے کہ۔

دل پہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دزد رجیم ۔۔۔ الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا

سلامتی ایمان و اعمال بھی مدینہ والے سرکار کے کرم سے ہو سکتی ہے سفر دراز ہے منزل دور ہے راستہ پر خطر ہے قدم قدم پر ڈکیتی کا اندیشہ ہے جب خیریت سے یہ سب کچھ پل صراط کے پار ہو جاویں تب سمجھیں کہ محنت ٹھکانے لگی۔

راہ پر خاو ہے کیا ہوتا ہے پاؤں انگار ہے کیا ہوتا ہے

چھٹا فائدہ: ہر شخص کو نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے پھر جیسی نعمت ویسا شکر یہ شکر نعمت کو سنبھالنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ فائدہ **وکن من الشکرین** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کا اصطفاء یعنی چناؤ ہوا تو چاہئے کہ ان کو بھی مصطفیٰ کہا جاوے حالانکہ مصطفےٰ صرف۔ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کو کہا جاتا ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ وصف اور چیز ہے لقب کچھ اور لقب رب تعالیٰ کی طرف سے خصوصی عطا ہے دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں **واخلق لکم من الطین کھیئتہ الطیر** مگر آپ کو کسی معنی سے خالق نہیں کہہ سکتے۔ دوسرے یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاص اصطفاء عطا ہوا برسالاتی و بکلامی مگر حضور ﷺ کو مطلق اصطفاء عطا ہوا کہ آپ کا ہر وصف ہر حال ہر عمل مصطفےٰ یعنی چنا ہوا ہے لہذا یہ لفظ مصطفےٰ حضور ہی کے لئے سجتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضور انور اور موسیٰ علیہ السلام کے چناؤ میں چند طرح فرق ہے کلیم اللہ کا چناؤ وقتی تھا حضور کا چناؤ دائمی ازلی ابدی۔ موسیٰ علیہ السلام کا چناؤ خاص جگہ کے لئے تھا حضور انور کا چناؤ ہر جگہ کے لئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ذات کا چناؤ ہوا حضور انور کی ذات آپ کے اوصاف آپ کے افعال احوال حتیٰ کہ آپ کے کھانے پینے سونے جاگنے نکاح کرنے حتیٰ کہ آپ کے شہر مدینہ منورہ کا چناؤ ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو رب نے اپنے کلام کے لئے چنا حضور انور کو اپنی ذات کے لئے چنا کہ حضور رب کے ہیں اور رب حضور کا حتیٰ کہ جو حضور کا ہو جاوے وہ بھی رب کا ہے بادشاہ کچھ موتی اپنے دوستوں بال بچوں کے لئے چنے اور ایک شاندار موتی اپنے تاج میں لگانے کے لئے چنے ان چناؤ میں بڑا فرق ہے۔ **دوسرا اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نبی ہیں اور نبی فرشتوں سے افضل ہوتے ہیں پھر **علی الناس** کیوں ارشاد ہوا۔ **علی الخلق** کیوں نہ فرمایا۔ **جواب**: اس کے کئی جواب ہیں آسان جواب یہ ہے کہ انسان دوسری مخلوق سے افضل ہے۔ **و لقد کرمنا بنی ادم** جب موسیٰ علیہ السلام دوسرے انسانوں سے افضل ہوئے تو ساری خلقت سے افضل ہوئے۔ **تیسرا اعتراض**: جب موسیٰ علیہ السلام سارے انسانوں سے افضل ہوئے تو چاہئے کہ حضور ﷺ سے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے بھی افضل ہوں مگر تم کہتے ہو کہ حضور ﷺ سید الکونین ہیں (یہودی) **جواب**: **الناس** میں الف لام استغراقی نہیں بلکہ عہدی ہے۔ آپ اس زمانہ کے سارے لوگوں سے افضل تھے نہ کہ تمام زمانہ کے لوگوں سے۔ **چوتھا اعتراض**: زمانہ موسوی میں حضرت خضر علیہ السلام بھی موجود تھے تو کیا آپ ان سے بھی افضل ہیں اگر افضل ہیں تو آپ ان کی شاگردی کرنے کیوں گئے۔ **جواب**: واقعی موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر سے افضل ہیں کہ آپ صاحب شریعت صاحب کتاب صاحب کلام نبی ہیں۔ خضر علیہ السلام میں یہ خصوصیات نہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کو علم لدنی خصوصیت سے عطا ہوا یہ ان کی جزوی فضیلت ہے انشاء اللہ ہم سولہویں پارے کی تفسیر میں عرض کریں گے کہ موسیٰ علیہ السلام نے شاگردی کی خواہش کی مگر شاگردی کی نہیں صرف چند حرف کہے کہ

مجھ سے کوئی بات مت پوچھنا حالانکہ شاگرد تو پوچھنے کیلئے ہوتے ہیں استاد بتانے کے لئے اس قید سے پتہ لگا کہ آپ شاگرد نہیں بنا رہے ہیں بعض باتیں دیکھ کر واپس آگئے بلکہ خضر علیہ السلام نے آپ کو اپنا شاگرد نہیں بننے دیا اسی لئے کڑی شرط لگالی یہ سب پھر من اللہ تعالیٰ تھا۔ خیال رہے کہ خضر علیہ السلام ہمارے حضور کے امتی اور صحابی ہیں بیعت الرضوان میں حضور انور سے بیعت کر چکے ہیں انشاء اللہ اس کی تحقیق ہم سورہ الفتح شریف کی آخری آیات کی تفسیر میں کریں گے اگر اللہ تعالیٰ نے اتنی زندگی اور توفیق بخشی **وما ذلک علی اللہ بعزیز**۔ **پانچواں اعتراض**: **رسالتہ** مصدر ہے جو واحد اور جمع سب پر بولا جاتا ہے پھر رسالات جمع کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ جب مصدر کی نوعیتیں بیان کرنا ہوں تو جمع لایا جاتا ہے **جلستہ جلسات یا ضربتہ ضربات**۔ یہاں رسالتوں کی بہت سی نوعیتیں بتانا مقصود ہیں چونکہ کلام ایک ہی نوعیت کا تھا اس لئے وہ واحد ہی لایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے الست کے دن ہر نبی کو کسی نہ کسی کمال کے لئے منتخب فرمایا تھا دنیا میں تشریف لانے پر ان کے اس انتخاب کا ظہور ہوا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو رسالت و کلام کے لئے منتخب فرمالیا گیا تھا جس کا ظہور طور کے اس واقعہ پر ہوا اور حضور محمد مصطفےٰ ﷺ کو اپنے دیدار خاص کے لئے منتخب فرمایا تھا جس کا ظہور معراج کی رات ہوا **اصطفیتک** فرمانے میں دو باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ اے موسیٰ تمہارا یہ انتخاب آج نہیں بلکہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ دوسرا یہ کہ تمہارا انتخاب تو ہوا ہے کلام کے لئے اور تم مانگ رہے ہو دیدار یہ تو تمہارے انتخاب کے علاوہ کی چیز ہے تمہیں کیسے عطا ہو یہ تو کسی اور ہی کا حصہ ہے۔ ہم نے جو تم کو رسالت، کلام وغیرہ عطا کیا اسی کو قبول کرو اسی پر قناعت کرو۔ تمہارے ضمیر میں اس کی طاقت شامل کی گئی ہے ہاں اس نعمت کا شکریہ ادا کرو تو تم کو عنقریب دیدار بھی عطا کیا جاوے گا کہ **لئن شکرتم لازیدنکم** شکر پر زیادتی نعمت کا وعدہ ہے وہ زیادتی کیا ہے رب کا دیدار فرماتا ہے **للذین احسنوا الحسنیٰ و زیادۃ** نیک کاروں کے لئے جنت بھی ہے اور زیادتی بھی۔ زیادتی کیا ہے رب کا دیدار جو محض اس کے فضل سے ملے گا اور اے موسیٰ تم اکیلے ہی شکر نہ کرو بلکہ شکر بھی کرو اور شاکرین کی جماعت میں داخل ہو (از روح البیان مع زیادہ)۔

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور تحریر فرمادی ہم نے واسطے ان کے تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت (وعظ) اور تفصیل ہر چیز کی پس لو اسے

اور ہم نے اس کے لئے تختیوں میں لکھ دی ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل اور فرمایا اے موسیٰ اسے

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ﴿۱۴۵﴾

ساتھ طاقت کے اور حکم دو قوم کو اپنی پس اچھی خبر ہی اس کے قریب ہی دکھاؤں گا میں تم کو گھر بدکاروں کا

مضبوطی سے لے اور اپنی قوم کو حکم دے کہ اس کی اچھی باتیں اختیار کریں عنقریب ہی تمہیں دکھاؤں گا بے حکموں کا گھر

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اے موسیٰ ہم نے تم کو اپنی رسالتوں سے چن لیا اب ان رسالتوں اور پیغامات کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے یعنی وہ رسالتیں کیا تھیں توریت شریف کی آیتیں گویا یہ آیت گزشتہ آیت کی تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد تھا کہ اے موسیٰ ہم نے تم کو اپنے کلام سے چن لیا ایک کلام وقتی طور پر تھا جو طور پر ہوا دوسرا کلام دائمی جو توریت میں آپ سے کہا گیا وقتی کلام کے ذکر کے بعد دائمی کلام کی عطا کا ذکر ہے گویا تقریری کلام کے بعد تحریری کلام کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کو حکم تھا کہ ہمارے اس پیتاؤ کو مضبوطی سے پکڑو اب اس مضبوطی سے پکڑنے کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ اس کتاب کو پختگی سے تھامو **فخذھا بقوۃ**۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کو شکر کرنے کا حکم دیا گیا کہ **کن من الشکرین** اب اس شکر کی تفصیل فرمائی جارہی ہے کہ خود بھی توریت پر عمل کرو اور اپنی قوم کو بھی عمل کا حکم دو **وامر قومک** ہر چیز ہر نعمت کا شکریہ علیحدہ ہے نبوت کا شکریہ یہ ہے کہ لوگوں کو ہدایت دی جاوے علم دین کا شکریہ ہے کہ تبلیغ دینی کی جاوے۔

تفسیر: وکتبنا لہ ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے للذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ **قال یموسی** پر معطوف ہو اور واؤ عاطفہ ہو چونکہ توریت موسیٰ علیہ السلام کو ایک دم اور لکھی ہوئی ملی وہ قرآن مجید کی طرح جبریل علیہ السلام کی زبانی حسب توقع حسب ضرورت نہ عطا ہوئی اس لئے **کتبنا** ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ توریت کی تحریر ایک تو لوح محفوظ میں ہوئی وہ تو زمین و آسمان کے بننے سے پہلے ہوئی ساری آسمانی کتب اس میں لکھی گئیں **بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ** اور ایک تحریر توریت کی تختیوں میں ہوگی یہ یکم ذی الحجہ کو شروع ہوئی نویں کو ختم ہوئی دسویں کو عطا ہوئی اس تحریر کے قلم چلنے کی آواز موسیٰ علیہ السلام سنتے تھے (خازن) یہاں یہ ہی دوسری تحریر مراد ہے جیسا کہ فی الالواح سے ظاہر ہے یہ تحریر حضرت جبریل علیہ السلام نے بحکم خداوندی کی اس قلم سے کی جس سے ذکر لکھا گیا تھا نور کی نہر سے روشنائی لی گئی (خازن۔ بیان) اس کے متعلق اور کئی روایات ہیں چونکہ یہ تحریر رب تعالیٰ کے حکم سے ہوئی تھی اس لئے **کتبنا** ارشاد ہوا یعنی ہم نے لکھی۔ قرآن مجید ستائیسویں رمضان کی شب یعنی شب قدر میں سارا کا سارا لوح محفوظ سے نقل کر کے پہلے آسمان پر بیت العزت میں لایا گیا رب فرماتا ہے **شھر رمضان الذی انزل فیہ القران** اور فرماتا ہے **انا انزلنہ فی لیلۃ القدر** پھر پہلے آسمان بیت العزت سے تیئیس سال میں حضور انور پر اتار آگیا۔ **لہ** کی ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے یعنی **لاعطاءہ** ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو دینے کے لئے یہ کتاب لکھی ورنہ عمل کے لئے تو سارے بنی اسرائیل کے لئے لکھی گئی تھی یا یوں کہو کہ قوم کے لئے عمل کے واسطے لکھی موسیٰ علیہ السلام کے لئے عمل اور علم تمام علوم غیبیہ اسرار الہیہ ہر شے کی تفصیل کے لئے لکھی گئی للذا **لہ** فرمانا بالکل درست ہے یا یوں کہو کہ براہ راست تو موسیٰ علیہ السلام کے لئے لکھی گئی ان کے واسطے ان کے وسیلے سے دوسروں کے لئے کہ کتاب پر عمل نبی کراتے ہیں اس لئے قرآن مجید کے متعلق کہیں ارشاد ہے کہ اے محبوب ہم نے آپ پر ہی اتارا ہے اے مسلمانو ہم نے تم سب پر یا تم سب کی طرف اتارا مختلف نسبتیں مختلف اعتبار سے ہیں **فی الالواح** اس کا تعلق **کتبنا** سے ہے الواح جمع ہے لوح کی۔ بمعنی تختی اس میں بہت گفتگو ہے کہ یہ تختیاں کس چیز کی تھیں۔ کتنی تھیں اور کتنی بڑی تھیں اس کے متعلق علماء کرام کے بہت قول ہیں۔ (1) حسن بصری فرماتے ہیں کہ لکڑی کی تھیں (2) کلبی فرماتے ہیں کہ

بہترین زبرجد کی تھیں (3) سعید ابن جبیر کہتے ہیں کہ سرخ یاقوت کی تھیں (4) ابن جریج کہتے ہیں کہ زمرد کی تھیں (5) بعض علماء فرماتے ہیں کہ بیری کی لکڑی کی تھیں (6) وھب کہتے ہیں کہ پتھر کی تھیں ان تختیوں کی تعداد میں بھی گفتگو ہے ا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ سات تھیں 2- فراء کہتے ہیں کہ صرف دو تھیں یہاں دو پر الواح جمع بولا گیا ہے جیسے **فقد صغت قلوبکما** میں دو دلوں کو قلوب جمع فرمایا۔ 3- وھب فرماتے ہیں کہ کل دس تھیں۔ 4- مقاتل کہتے ہیں کہ کل نو تھیں۔ 5- ربیع ابن انس کہتے ہیں کہ جب توریت اتری ہے تو ستر اونٹ کا وزن تھیں۔ توریت شریف صرف چار صاحبوں نے حفظ کی موسیٰ علیہ السلام۔ یوشع ابن نون۔ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام (خازن' روح المعانی وغیرہ) عام مفسرین فرماتے ہیں کہ ان تختیوں کی لمبائی موسیٰ علیہ السلام کے قد کے برابر دس ہاتھ تھی (روح البیان' خازن وغیرہ) مگر احتیاط یہ ہے کہ ان امور میں بحث نہ کی جاوے ان پر کوئی صریحی نص وارد نہیں ہوئی (تفسیر کبیر) توریت شریف میں بہت چیزیں تھیں مگر دو چیزیں بہت اہم تھیں ایک تو **من کل شیءٍ موعظۃ** اس عبارت کی ترکیب یہ ہے کہ اس میں من زائدہ ہے۔ بعضیت کے لئے اور **کل شئی کتبنا** کا مفعول ہے موعظہ بیان ہے **کل شیءٍ** کا اور **کل شیءٍ** سے مراد' احکام شرعیہ ہیں جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی عمل فرمادیں اور بنی اسرائیل بھی یعنی ہم نے توریت پر یہ علم شرعی لکھا جو ان سب کے لئے وعظ و نصیحت تھا (روح البیان)۔ خیال رہے کہ توریت شریف سے پہلے آسمانی صحیفے مختلف پیغمبروں پر آئے مگر ان میں دعائیں اخلاقی باتیں وغیرہ تھیں۔ باقاعدہ شرعی احکام توریت شریف میں آئے ان میں عبادات' معاملات' جرموں پر سزائیں وغیرہ سب کچھ تھا جیسا کہ **من کل شیءٍ** سے معلوم ہو رہا ہے توریت شریف میں دوسری اہم خبر یہ تھی کہ **وتفصیلاً لکل شیءٍ** اس عبارت میں تفصیل معطوف ہے **موعظۃ** پر **لکل شیءٍ** متعلق ہے تفصیل کے۔ تفصیل کے معنی ہیں ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ بیان فرمانا یہ بنا ہے فصل سے۔ بمعنی جدائی علیحدگی یہاں **کل شیءٍ** سے مراد سارے واقعات عالم ہیں اس سے مراد احکام شرعیہ نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کا ذکر تو پہلے **من کل شیءٍ** سے ہو چکا مگر یہ تفصیل در موز و اشارات ہی تھی جو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے کرم سے خاص علماء نے ہی سمجھیں ہر ایک نہ سمجھے۔

روایت: بیہقی نے دلائل الاعجاز میں اور طبرانی نے حضرت محمد ابن یزید ثقفی سے روایت کی کہ قیس ابن خرشہ اور کعب احبار نے ایک ساتھ سفر کیا راہ میں مقام صفین پر گزرے وہاں کعب احبار ٹھہر گئے ادھر ادھر دیکھا پھر بولے کہ اس زمین میں مسلمانوں کی ایسی خونریزی ہو گی کہ ایسی کہیں نہ ہو گی قیس بولے کہ یہ تو علوم غیبیہ سے ہے تمہیں کیسے معلوم ہوا کعب بولے زمین کا کوئی چپہ کوئی حصہ نہیں جس پر واقع ہونے والے قیامت تک کے واقعات توریت میں نہ لکھے ہوں۔ ہر واقعہ توریت میں موجود ہے (روح المعانی) اس روایت سے پتہ لگا کہ توریت میں علوم غیبیہ کی تفصیل تھی صرف شرعی احکام ہی نہ تھے یہ تحقیق خیال میں رہے **فخذھا بقوۃ** یہ عبارت معطوف ہے **کتبنا** پر اور ف عاطفہ ہے اس کے بعد **امرنا یا قلنا** پوشیدہ ہے۔ **خذ** میں خطاب ہے موسیٰ علیہ السلام سے توریت کو لینے سے مراد ہے اس کے احکام پر عمل کرنا اس کے ارشادات میں غور کرنا۔ ممکن ہے کہ اسے حفظ کرنا بھی مراد ہو چونکہ توریت کے احکام بہت سخت تھے اور سارے کے سارے یکدم آگئے تھے نیز اس کے اشارات بہت باریک تھے اس کا حفظ کرنا بہت ہی مشکل تھا ان وجوہ سے فرمایا گیا **بقوۃ** اور خطاب کیا گیا صرف موسیٰ علیہ السلام کو

یعنی اے موسیٰ آپ اپنی پوری قوت و طاقت سے توریت کے احکام پر عمل کریں اس کے اشارات میں غور کریں اس کی غیبی خبریں معلوم کریں اسے حفظ کریں یہ حکم آپ کو ہے اسرائیلیوں کو نہیں **وامر قومک یاخذو باحسنها** معطوف ہے **خذها** پر **امر** سے مراد ہے وجوبی تاکیدی حکم یعنی تم بنی اسرائیل سے کہو کہ یہ توریت کتاب اللہ ہے جو مجھے رب نے تنہائی میں دی اور یہ بھی کہو کہ اس پر عمل کریں یہ سب کچھ ایک تمہاری زبان سے ہوگا۔ **قومک** سے مراد موسیٰ علیہ السلام کی نسبی قوم یعنی بنی اسرائیل ہیں کیونکہ توریت صرف انہیں کے لئے آئی تھی وہ ہی اس کے مکلف تھے یہاں پکڑنے سے مراد ہے عمل کرنا کہ عمل کرنا سب پر فرض تھا اس کے اشارات میں غور کرنا صرف موسیٰ علیہ السلام اور علماء پر ضروری تھا عوام پر نہ تھا احسن یا تو ۔ بمعنی حسن ہے لہٰذا اس سے سارے احکام شریعہ مراد ہیں کہ وہ سب ہی اچھے تھے یا احسن اپنے ہی معنی میں ہے تب اس کی بہت توجیہیں ہیں۔ (۱) فرائض واجبات تو احسن تھے۔ اولاً ہر عمل کرنا فرض تھا۔ نوافل و مستحبات حسن تھے ان پر عمل کرنا فرض نہ تھا صرف ثواب تھا (2) توریت کے عزیمت والے احکام احسن تھے یعنی بہت ہی اچھے اور رخصت والے احکام حسن یعنی اچھے تھے ان پر عمل فرض نہ تھا (3) صرف فرائض ادا کرنا حسن تھا اور فرائض و نوافل و مستحبات جمع کرنا احسن تھا (4) مجرم کو معاف کر دینا اس کے ظلم پر صبر کرنا احسن تھا۔ بدلہ لینا حسن تھا (از خازن و روح البیان وغیرہ) یا شریعت کے احکام احسن تھے جن پر عمل لازم تھا اور طریقت کے احکام جن پر عمل بہتر تھا حسن نماز میں رکوع سجود فرض ہے ولی اخلاص سے نماز پڑھنا حسن۔ دوزخ سے بچنے جنت حاصل کرنے کے لئے نماز پڑھنا احسن ہے رضاء الٰہی کیلئے حسن۔ گرمی کے روزے احسن تھے سردی کے روزے حسن (روح المعانی)۔ بہرحال توریت کے سارے احکام اچھے تھے مگر بعض صرف اچھے اور بعض بہت ہی اچھے چونکہ توریت پوری کی پوری حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھی اور توریت کے الفاظ معانی بنی اسرائیل کو ملے وہ اس کے اسرار تک نہ پہنچ سکتے تھے اس لئے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا **فخذها** اور بنی اسرائیل کے لئے فرمایا **یاخذو باحسنها** یہ فرق یاد رہے۔ **ساوریکم دار الفسقین** اس فرمان عالی میں توریت پر عمل کرنے پر بشارت ہے یا عمل نہ کرنے پر دھمکی لہٰذا **فاسقین** سے مراد یا تو فرعونی لوگ ہیں اور **دار فاسقین** سے مراد ملک مصر یعنی اگر تم توریت پر عامل رہے تو عنقریب مصر اور فرعونی عمارات کا تم کو مالک بناؤں گا تم کو وہاں بساؤں گا یا فاسقین سے مراد گزشتہ ہلاک شدہ قومیں ہیں قوم عاد و ثمود وغیرہ اور دار فاسقین سے مراد ان کی اجڑی بستیاں ہیں یا دار فاسقین سے مراد دوزخ کے طبقے ہیں جہاں کفار رکھے جائیں گے یعنی اگر تم نے نافرمانی کی تو تم کو عبرت کے لئے ہلاک شدہ قوموں کی اجڑی بستیاں دکھاؤں گا یا بعد قیامت تم کو دوسرے کفار کے ساتھ دوزخی طبقوں میں رکھا جاوے گا (تفسیر خازن۔ روح المعانی۔ بیان۔ کبیر وغیرہ) بہرحال یہ فرمان ترغیب و ترہیب دونوں کا ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ دار فاسقین سے مراد جبارین اور قوم عمالقہ کی بستیاں ہیں اور دکھانے سے مراد اسرائیلیوں کو وہاں داخل کر دینا ہے فاتحانہ شان سے اور وہاں کا بادشاہ بنا دینا (روح المعانی) یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوا حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں۔ تو غشایہ ہے کہ جیسے جنگ سے پہلے فوج کو جنگ کی ٹریننگ دی جاتی ہے ایسے ہی مومن کو چاہئے کہ جہاد سے پہلے روحانی ٹریننگ کرے گناہ سے کنارہ کشی ذکر اللہ کی کثرت لہٰذا یہ بھی جنگ کی روحانی تیاری ہے ذکر اللہ تقویٰ وہ ہتھیار ہے جو مومن کے پاس ہے کافر کے پاس نہیں یعنی اے اسرائیلیو چونکہ تم کو قوم جبارین پر فتح دینا ان کے

ملک کا بادشاہ بناتا ہے لہٰذا تم توریت پر عمل کرو۔ خیال رہے کہ ایک قراءۃ میں **ساوریکم** ہے واؤ کے ساتھ یہ لفظ یا توورٰی سے بنا۔ معنی اشارۃ ”بتانا دکھانا۔ اسی سے ہے **توریہ** بنا ہے **رای** سے باب افعال میں اس کا مصدر اراءۃ ہے اس میں واؤ زائدہ ہے جیسے **اهریق** میں ہ زائدہ ہے یہ اصل میں **ساوریکم** تھا اور ہو سکتا ہے کہ **اری** کے پیش کو اشباع کیا گیا یعنی کھینچ کر پڑھا گیا ہو جس سے واؤ بن گیا جیسے قرآن مجید میں ہے **ویخلدفیهمهانا** یکھو فیہ کی ضمیر کا کسر کھینچ کر پڑھا جاتا ہے جس سے ی کی آواز پیدا ہوتی ہے یا **اوریکم** تھا دو ہمزہ سے بقاعدہ صرفی دوسرا ہمزہ واؤ بن گیا۔

خلاصہ تفسیر: ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس موقعہ پر توریت تختیوں میں لکھی توریت میں دو چیزیں خصوصی طور پر تھیں سارے شرعی احکام کی نصیحت یہ بنی اسرائیل کے عمل کے لئے تھی دوسرے ہر چیز کی تفصیل جس میں علوم غیبیہ اسرار الٰہیہ رموز و اشارات وغیرہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور علماء بنی اسرائیل کے لئے تھی ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ توریت کو مضبوطی سے پکڑلیں کہ اس پر پوری طور پر عمل کریں اس کے علوم اپنے سینہ میں جمع کریں اور اپنی قوم بنی اسرائیل کو حکم دیں کہ توریت میں عام احکام اچھے ہیں مگر بعض احکام بہت ہی اچھے۔ ان بہت ہی اچھے احکام پر ضرور بالضرور عمل کریں کہ وہ واجبات اور فرائض ہیں باقی اچھے احکام پر بھی کریں تو اچھا ہے کہ وہ مستحبات و نوافل ہیں اگر انہوں نے توریت پر عمل کیا تو ہم ان کو فرعونیوں کی بستی مصر کا بادشاہ بنا دیں گے یہ انعام تو دنیا میں ملے گا اور اخروی انعام اس کے علاوہ ہے۔

حکایت: حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب توریت لائے اور اس کا مطالعہ کیا تو رب سے عرض کیا کہ مولیٰ میں نے توریت میں ایک امت کا ذکر پڑھا کہ وہ خیر الامم ہو گی اچھی باتوں کا حکم کرے گی بری باتوں سے منع تمام کتب پر ایمان لائے گی ہمیشہ جہاد کرے گی حتیٰ کہ دجال سے جہاد کرے گی خدایا وہ امت مجھے دے فرمایا اے موسیٰ وہ امت محمد مصطفیٰ ﷺ ہے عرض کیا مولیٰ ایک ایسی امت کا ذکر پڑھا جو رب تعالیٰ کی بہت حمد کرے گی۔ سورج کی رفتار کی پیمائش کرے گی ہر ارادے پر انشاء اللہ کہے گی مولیٰ وہ امت مجھے دے فرمایا وہ امت محمد مصطفیٰ ہے عرض کیا مولیٰ میں نے ایسی امت کا ذکر بھی پڑھا جو اپنی قربانیاں کفارات و صدقات خود کھایا کرے گی غیبی آگ سے جلوایا نہ کرے گی رب ان کی مانے گا وہ امت مجھے دے فرمایا وہ امت محمدیہ ہے عرض کیا مولیٰ ایک امت کا میں نے ذکر پڑھا کہ وہ رب کی مانے گی رب ان کی مانے گا وہ قیامت میں شفاعت کرے گی اسی کی شفاعت قبول ہو گی مولیٰ وہ امت مجھے دے فرمایا وہ امت محمدیہ ہے عرض کیا میرے مولیٰ ایسی امت کا ذکر بھی میں نے پڑھا جو سفر میں بلندی پر چڑھتے وقت تکبیر کہے گی نشیب میں اترتے وقت حمد کرے گی ساری زمین اس کی مسجد ہو گی مٹی اس کی طہارت کا ذریعہ (تیمم) ان کے چہرے ہاتھ پاؤں آثار وضو سے چمکیں گے وہ امت مجھے دے دے فرمایا وہ امت محمدیہ ہے عرض کیا اے مولیٰ ایسی امت کا ذکر بھی میں نے پڑھا جو نیکی کا ارادہ کرنے پر ایک نیکی کا ثواب پائے گی اور کر لینے پر دس گنا سے سات سو گنا تک ثواب پائے گی وہ امت مجھے دے دے فرمایا وہ امت محمدیہ ہے عرض کیا میں نے ایسی امت کا ذکر بھی پڑھا ہے جن کی کتاب ان کے سینوں میں ہو گی ان کی نماز کی صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح ہوں گی وہ مسجدوں میں ذکر الٰہی ایسا کرے گی جیسے شہد کی مکھیاں تو انہیں پیار اور تجھے پیاری وہ امت مجھے دے دے فرمایا وہ امت محمدیہ ہے آخر میں عرض کیا کہ مولیٰ پھر تو مجھے محمد مصطفیٰ کے اصحاب میں سے کر دے اس سوال پر رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وہ بشارتیں دیں جو یہاں مذکور ہیں انی

اصطفيتك على الناس سے **دار الفسقين** تک اس پر موسیٰ علیہ السلام بہت ہی خوش ہوئے (تفسیر خازن) مقاتل کہتے ہیں کہ توریت کی ابتدا میں یہ تھا کہ میں اللہ رحمٰن و رحیم ہوں میرا شریک کسی کو نہ بناؤ ڈکیتی نہ کرو زنا نہ کرو۔ ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو۔ (روح البیان)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: قرآن مجید توریت سے زیادہ افضل زیادہ عام ہے چند وجہ سے (1) توریت لکھی ملی قرآن مجید پڑھا ہوا نازل ہوا پڑھنے سے وہ فوائد حاصل ہوتے ہیں جو لکھنے سے نہیں حاصل ہوتے (2) توریت ایک دم آئی قرآن آہستہ آہستہ تئیس سال میں (3) توریت کی آیات کا شان نزول کوئی نہ تھا مگر قرآنی آیات کے مختلف شان نزول ہیں کہ بہت سے احکام کی آیتیں حضرات صحابہ سے کسی واقعہ پر ہوئیں جیسے تیمم کی حضرت عائشہ صدیقہ کے ہار گم ہونے پر نازل ہوئی تاکہ تاقیامت لوگوں پر ان حضرات کا احسان رہے (4) توریت شریف صرف بنی اسرائیل کے لئے آئی قرآن ساری خدائی کے لئے (5) توریت شریف ایک خاص وقت تک کے لئے آئی قرآن مجید ہمیشہ کے لئے (6) توریت میں صرف احکام یا علوم غیبیہ تھے قرآن میں شفا بھی ہے ہر مرض کی دوا بھی۔ رب فرماتا ہے **وننزل من القران ما هو شفاء ورحمة للمومنين** قرآن مجید میں سوز و گداز بھی ہے کہ بغیر سمجھے ہوئے پڑھو جب بھی تڑپا دیتا ہے فرماتا ہے **ترى اعينهم تفيض من الدمع**۔ (7) توریت پر عمل کرنے سے دار فاسقین کی حکومت کا وعدہ ہوا قرآن پر عمل کرنے سے ساری روئے زمین پر حکومت کا وعدہ ہوا **وعد الله الذين امنوا وعملوا الصلحت يستخلفنهم في الارض** وغیرہ (8) توریت کی ترتیب اس کا جمع فرمانا رب کی طرف سے ہوا مگر قرآن مجید کی ترتیب حضور انور نے دی تاکہ حضور کے علم غیب کا پتہ لگے کہ مدینہ میں بیٹھے ہوئے لوح محفوظ کو دیکھتے ہیں کہ وہاں کی ترتیب کے مطابق کیا۔ یہ فائدہ **كتبنا۔ موعظة تفصيلا** اور **وامر قومك** سے حاصل ہوا غرضیکہ جیسے حضور سید الانبیاء افضل الرسل ہیں ویسے ہی حضور کا قرآن افضل الکتب ہے۔ **دوسرا فائدہ**: کتاب اللہ صرف نبی کے لئے آتی ہے پھر نبی کے ذریعہ ان کی تفسیر سے امت کو ملتی ہے یہ فائدہ **وكتبنا له** سے حاصل ہوا غرضیکہ نبی نزول کتاب کا منتہا ہوتے ہیں اور تبلیغ کتاب کا مبدا۔ **تیسرا فائدہ**: کتاب اللہ کی حفاظت نبی کے ذریعہ سے ہوتی ہے نبی اسے مضبوط پکڑتے ہیں تو کتاب محفوظ رہتی ہے یہ فائدہ اشارۃً **"فخذ ها بقوة** سے حاصل ہوا اسی لئے نبوت منسوخ ہوتے ہی کتاب منسوخ ہو جاتی ہے ہمارے نبی کی نبوت منسوخ نہیں تو قرآن مجید بھی منسوخ نہیں۔ **چوتھا فائدہ**: کتاب اللہ پر عمل نبی کے حکم سے فرض ہوتا ہے جس آیت پر عمل کرنے سے نبی روک دیں اس پر عمل حرام ہوتا ہے یہ فائدہ **وامر قومك** سے حاصل ہوا قرآن مجید میں ایسی آیات موجود ہیں جن پر عمل نہیں ہوتا کیوں اس لئے کہ نبی نے منع فرما دیا۔ قرآن مجید کے بعض احکام پر عمل سب پر فرض جیسے **اقيموا الصلوة** بعض احکام پر عمل کچھ لوگوں پر ہے سب پر نہیں جیسے **واتوا الزكوة** بعض احکام پر عمل صرف بہتر ہے جیسے قرض کی تحریر بعض احکام پر عمل صرف جائز جیسے احرام سے فارغ ہونے پر شکار کرنا یہ تمام فرق نبی نے کئے۔ توریت کا کتاب اللہ ہونا یہ نبی کی صرف ایک زبان سے ثابت اس پر عمل نبی کے فرمان سے ہے۔ اس کی نفیس بحث ہم پہلے پارے میں **ما ننسخ من اية** کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ **پانچواں فائدہ**: توریت شریف کی تختیاں، قلم روشنائی تحریر یا کھدائی سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے تھا سے انسانی

صنعت سے بچایا گیا تھا یہ فائدہ **کتبنا** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: توریت شریف میں شریعت موسوی کے سارے احکام موجود تھے اور اس میں سارے علوم غیبیہ بھی تھے۔ احکام شرعیہ بنی اسرائیل کے لئے اور علوم غیبیہ اسرار الٰہیہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خاص خدام کے لئے یہ فائدہ دو جگہ **کل شیء** فرمانے سے حاصل ہوا ایک تو **موعظتہ** کے ساتھ دوسرے تفصیل کے ساتھ کہ فرمایا **وتفصیلا لکل شیء**۔ **ساتواں فائدہ**: کتاب اللہ کے متعلق کسی امتی کا علم نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ نبی ساری کتاب کے پورے عالم ہوتے ہیں امتی اس کے کچھ حصے۔ کے دیکھو یہاں موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا **خذها بقوة** پوری توریت پوری قوت سے لو مگر بنی اسرائیل کے متعلق ارشاد ہوا **یاخذوا باحسنها** پوری کتاب نہیں بلکہ اس کا ایک حصہ لو یہاں **بقوة** بھی ارشاد نہیں ہوا۔ قرآن کو جیسا حضور ﷺ نے جانا اور سمجھا ویسا انسان تو کیا حضرت جبریل نے بھی نہ جانا نہ سمجھا۔ حضور کے لئے قرآن **تبیانا لکل شیء** تعالیٰ ہر چیز کا بیان اور پھر پڑھایا خاص رحمٰن نے فرماتا ہے **الرحمٰن ۝ علم القرآن**۔ **آٹھواں فائدہ**: کتاب اللہ پر عمل کرنے سے اخروی ثواب کے علاوہ دنیا میں عزت عظمت بلکہ سلطنت، حکومت ملتی ہے یہ فائدہ **ساوریکم دار الفسقین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ**: کتاب اللہ کو چھوڑنے کا وبال بھی دنیا میں بھی آجاتا ہے اخروی سزا علاوہ ہے یہ فائدہ **ساوریکم دار الفسقین** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ جب بھی کسی انسان سے کلام کرتا ہے تو نبی کے ذریعہ سے کرتا ہے بے واسطہ نبی نہیں کرتا بلکہ کتاب اللہ کے ذریعہ اور کبھی کتاب اللہ کے علاوہ نبی کی زبان کے ذریعہ یہ فائدہ بھی **ساوریکم** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے یہ خطاب موسیٰ علیہ السلام کی معرفت کیا۔

مسئلہ: توریت میں نور، ہدایت، نصیحت، علوم غیبیہ وغیرہ سب تھے اس پر نبیوں نے عمل کیا۔ **یحکم بها النبیون** قرآن مجید میں یہ تمام صفات موجود ہیں ان کے علاوہ قرآن مجید شفاء ہے۔ اس میں سوز و گداز ہے یہ ناقابل نسخ ہے اس کے حافظ ہوتے ہیں۔ اس پر قریب قیامت عیسیٰ علیہ السلام عمل کریں گے۔ معراج کی رات سارے نبیوں نے بیت المقدس میں اور سارے فرشتوں نے بیت المعمور میں قرآن والی نماز پڑھی لہٰذا قرآن مجید توریت سے افضل ہے۔

پہلا اعتراض: توریت شریف سارے بنی اسرائیل کے لئے تھی تو **وکتبنا له** کیوں فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے لکھی۔ **جواب**: اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو دینے کے لئے لکھی واقعی عطاء کتاب صرف نبی کو ہوتی ہے۔ عمل ساری امت کرتی ہے۔ **له** فرمانا عطا کے لحاظ سے ہے۔ کتاب اللہ بلاواسطہ نبی کو ملتی ہے ان کے واسطے سے امت کو یا کتاب اللہ کے سارے مضامین نبی کو ملتے ہیں تھوڑے مضامین امت کو اسی لئے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا **فخذها** اور بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا **یاخذوا باحسنها**۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ توریت شریف میں بھی کل علوم غیبیہ کی تفصیل تھی اور قرآن مجید میں بھی تفصیل **کل شیء** ہے فرماتا ہے **وتفصیل کل شیء** لازم آیا کہ توریت و قرآن یکساں ہیں اور حضور ﷺ کی طرح موسیٰ علیہ السلام کو بھی سارے علوم غیبیہ عطا ہوئے ہوں پھر حضور اعلم الخلق نہ رہے (وہابی)۔ **جواب**: یہاں عطا توریت کے وقت کا ذکر ہے اس وقت واقعی اس میں سارے احکام بھی تھے اور سارے علوم غیبیہ کی تفصیل بھی مگر یہ دوسری چیز رہی نہیں جب موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں گرا دیں تو **تفصیل کل شیء** اٹھالی گئی۔

رب فرماتا ہے **فلما سکت عن موسی الغضب اخذ الالواح وفی نسختھا ھدی ورحمۃ للذین ھم لربھم یرھبون**۔ دیکھو اب اس میں صرف ہدایت و رحمت ہی رہ گئی تفصیل نہ رہی مگر قرآن مجید میں تفصیل تھی بھی اور رہی بھی۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیۃ کریمہ میں موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا **خذھا بقوۃ** اور قوم کو حکم ہوا **یاخذوا باحسنھا** بیان میں فرق کیوں ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں دیا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ساری توریت کا علم عطا ہوا۔ بنی اسرائیل کو احکام توریت کا یہ فرق ظاہر فرمانے کے لئے بیان میں فرق ہوا۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا **یاخذوا باحسنھا** توریت کی اچھی باتیں لے لو کیا توریت میں کچھ باتیں بری بھی تھیں اگر نہیں تھیں تو احسن کی قید کیوں لگائی گئی۔ **جواب**: یہ احسن قبیح کا مقابل نہیں بلکہ حسن کا مقابل ہے توریت شریف میں سارے احکام اچھے تھے مگر بعض بہت ہی اچھے بعض احکام عزیمت تھے بعض رخصت بعض جائز بعض مستحب بعض واجب بعض فاضل بعض افضل جیسے ظالم سے قصاص لینا جائز تھا معاف کرنا بہتر بدلہ لینا جائز صبر کرنا بہتر بعض نے فرمایا کہ احسن۔ بمعنی حسن ہے (تفسیر صاوی) جیسے **ولذکر اللہ اکبر** (کبیر) روح المعانی نے اس کے اور بہت جوابات دیئے ہیں یہ جوابات کافی ہیں۔ **پانچواں اعتراض**: ارشاد ہوا **ساوریکم** یہ قاعدہ صرفی سے درست نہیں۔ **ساریکم** چاہئے بغیر واؤ کے اب افعال کا مضارع۔ **جواب**: اس لفظ کی تین قراءتیں ہیں **ساورثکم** ث سے یعنی میں تم کو وارث بناؤں گا (صاوی) **ساریکم** چاہیے بغیر واؤ کے (جلالین) ہماری قراءۃ **ساوریکم** ہے واؤ اور ی سے اس کی چار وجہیں ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ یہ لفظ **رای** سے نہیں بلکہ **وری** سے ہے۔ یا اس میں واؤ زائدہ ہے۔ یا یہ واؤ نہیں ہے بلکہ الف کا پیش کھینچ کر پڑھا گیا ہے۔ جس سے واؤ محسوس ہوتا ہے جیسے **یخلد فیہ** میں ہ کا کسرہ کھینچ کر پڑھا جاتا ہے تو ی محسوس ہوتا ہے۔ **چھٹا اعتراض**: تم نے کہا کہ **لکل شیء** میں ہر چیز سے مراد ہے سارے علوم غیبیہ مگر بہت سے مفسرین نے **کل شیء** سے مراد لئے ہیں دینی احکام یعنی توریت میں سارے شرعی احکام تھے نہ کہ سارے واقعات عالم۔ لہٰذا اس سے تمہارا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ **جواب**: **کل شیء** عام ہے قرآن مجید کے عام کو مشہور حدیث بھی خاص نہیں کر سکتی چہ جائیکہ کسی مفسر کی اپنی رائے وہ مفسرین اس تخصیص کے لئے نہ کوئی آیۃ پیش کرتے ہیں۔ نہ حدیث متواتر۔ لہٰذا ان کا یہ قول قابل قبول نہیں نیز سارے احکام کا ذکر تو **من کل شیء موعظۃ** میں ہو چکا اگر **تفصیلا لکل شیء** میں بھی وہ ہی مراد ہوں تو آیۃ میں بے فائدہ تکرار ہو گی لہٰذا یہ ہی بات درست ہے کہ **من کل شیء** سے سارے شرعی احکام مراد ہیں اور **تفصیلا لکل شیء** سے سارے واقعات عالم، امور غیبیہ، اسرار الہیہ تاکہ آیۃ میں تکرار نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ: کتاب اللہ ایک ہوتی ہے مگر اس کی عبادات ہدایت مختلف ہر بالغ مومن کے لئے بدنی عبادات ہیں۔ مالی عبادات امیر مومن کے لئے۔ سیاسی انتظامی احکام حکام اور سلاطین کے لئے۔ اس کے رموز علماء کے لئے اس کے اسرار خاص اولیاء کے لئے اس کے اشارات نبی کے لئے ہیں غرضیکہ شریعت وکیل والوں کے لئے طریقت دل والوں کے لئے۔ حقیقت روحانی لوگوں کے لئے۔ معرفت سر والوں کے واسطے اس جانب اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے کہ **من کل شیء موعظۃ** بنی اسرائیل کے لئے تھے اور **تفصیلا لکل شیء** موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خاص خدام کے لئے کتاب ایک ہے مگر

اس کے مضامین مختلف پھران مضامین کو حاصل کرنے والے اشخاص مختلف ہیں سمندر کلپانی سب کے لئے ہے مگر وہاں کے موتی خاص غوا صین کے لئے۔ عنبر وغیرہ مخصوص جماعت کے لئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن کے لئے طلب حلال دنیا حسن ہے طلب آخرۃ احسن۔ پھر طلب مولی اور بھی احسن۔ عاشق کو چاہئے کہ طلب مولی میں رہے۔ اس لئے ارشاد ہوا **یاخذوا باحسنها** جو لوگ طلب آخرت چھوڑ کر طالب دنیا بن گئے ان کی جگہ دوزخ ہے وہ ہیں فاسقین میں۔ انہیں کے متعلق ارشاد ہوا **ساوریکم دار الفسقین** طالبین آخرت کی جگہ جنت ہے اور طالبین مولی کی جگہ **فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر** حافظ فرماتے ہیں۔

سایہ طوبی و دلجوئی حور ولب حوض — بہوائے سر کوئے تو برفت از یادم

نیست برلوح دلم جز الف قامت دوست — چہ کنم حرف دگر یاد نداد استادم

یعنی اے محبوب تمہاری یاد کی وجہ سے میں جنت حور و قصور طوبی حوض سب کچھ بھول گیا میری دل کی تختی پر تیری دراز قامت کا الف تو ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ مجھے استاد ازل نے اور کچھ یاد کرایا ہی نہیں میں اس میں گویا مجبور ہوں کتاب اللہ گویا خدا رسی کی مضبوط رسی ہے جس کا اوپری کنارہ نبی کے ہاتھ میں ہے اور نچلا کنارہ امت کے ہاتھ میں۔ اس رسی کو نبی پکڑے سب کو اٹھانے اور چڑھانے کے لئے امت پکڑنے کے لئے ہے اوپر چڑھنے کے لئے اسی لئے موسی علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ توریت کو مضبوطی سے پکڑو اور بنی اسرائیل سے بھی کہا گیا کہ اسے پکڑو مگر پکڑنے کی نوعیت میں فرق ہے پھر جتنا بوجھ بھاری اس میں اتنی رسی مضبوط چاہئے۔ خیال رہے کہ نیچے والے کو صرف رسی نہیں چڑھاتی بلکہ کھینچنے والے کی طاقت و قوت چڑھاتی ہے یوں ہی کتاب اللہ خود رب تک نہیں پہنچاتی نبی کا زور پہنچاتا ہے اس لئے فرمایا **فخذها بقوة** کیونکہ قوت موسوی سے لوگ رب تک پہنچیں گے یا یوں سمجھو کہ کتاب کو استاد بھی چھوتا ہے شاگرد بھی مگر استاد پڑھانے کے لئے شاگرد پڑھنے کے لئے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاِنْ

عنقریب پھیروں گا میں اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو غرور کرتے ہیں زمین میں بغیر حق کے اور دیکھتے

اور میں اپنی آیتوں سے انہیں پھیروں گا جو زمین میں ناحق اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور اگر سب نشانیاں

يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ

ہیں وہ ہر نشانی کو تو نہ ایمان لائیں گے وہ ان پر اور اگر دیکھیں وہ راستہ ہدایت کا تو نہ بنائیں وہ اسے

دیکھیں ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کی راہ دیکھیں اس میں چلنا پسند نہ کریں اور اگر گمراہی کا راستہ نظر

سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا

راستہ اور اگر دیکھیں وہ راستہ گمراہی کا تو بنا لیتے ہیں اس کو راستہ یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ہوئے

پڑے تو اس میں چلنے کو موجود ہو جائیں یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان سے بے خبر بنے اور جہنم

بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ

وہ ان سے غافل اور وہ لوگ کہ جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو اور ملنے کو آخرت سے ضبط ہو گئے اعمال

نے ہماری آیتیں اور آخرت کے دربار کو جھٹلایا ان کا سب کیا دھرا اکارت گیا

الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

ان کے نہیں سزا دیئے جائیں گے وہ مگر اس کی جو وہ کرتے تھے

نہیں سزا دیئے جائیں گے وہ مگر اس کی جو وہ کرتے تھے.

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالٰی کی وہ نعمتیں بیان ہوئیں جو بنی اسرائیل کو عطا ہوئیں اب بنی اسرائیل کی ناشکری کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے ان کی ناقدری کی گویا کریم کی عطا کے بعد بندوں کی ناقدری کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مفید نعمتیں عطا فرمانے کا ذکر ہوا اب ان عیوب کا تذکرہ ہے جن کی وجہ سے ان نعمتوں سے فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا یعنی تکبر و غرور نبی کے فرمانوں سے سرکشی۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمتوں کا ذکر ہوا کہ انہیں اللہ کے کلام اللہ کی کتاب سے نوازا گیا اب تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جس قوم سے پالا پڑا وہ بڑی ہی سرکش تھی گویا نبی کی شان کے بعد قوم کی سرکشی کا تذکرہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ پیغمبر کا فیض ہر ایک کو نہیں ملتا اس کے لئے عجز و انکسار تواضع کی ضرورت ہے۔

تفسیر: ساصرف عن ایتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق۔ اس جملہ کی پانچ تفسیریں ہیں۔ (1) آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو فرعونیوں کو دکھائے گئے ید بیضاء عصا اور چھوٹے عذاب جو بڑے سے پہلے آئے اور **الذین** سے مراد فرعونی لوگ ہیں **الارض** سے مراد زمین مصر ہے (تفسیر صاوی)۔ (2) آیات سے مراد آیات توریت اور **الذین** سے مراد سرکش بنی اسرائیل ہیں اور **الارض** سے مراد زمین فلسطین ہے جہاں اسرائیلی غرق فرعون کے بعد آباد کئے گئے۔ (3) آیات سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں اور **الذین** سے مراد بنی اسرائیل ہیں **الارض** سے مراد زمین فلسطین ہے۔ (4) آیات سے مراد توریت کی آیات نعت جن میں حضور انور کے فضائل کا ذکر ہے اور **الذین** سے مراد ہے حضور انور کے زمانہ میں موجود بنی اسرائیل اور **الارض** سے مراد ہے زمین مدینہ۔ (5) آیات سے مراد ہیں آیات قرآنیہ **الذین** سے مراد ہیں سارے متکبر انسان الارض سے مراد ہے ساری زمین۔ یہ پانچ تفسیریں ہیں پہلی تین تفسیروں میں **قال** پوشیدہ ہے یعنی رب تعالٰی نے فرمایا تھا موسیٰ علیہ السلام سے لہذا **ساصرف** کا مستقبل ہونا اس زمانہ کے لحاظ سے ہے آخری دو تفسیروں میں **قال** کی ضرورت نہیں **ساصرف** کا مستقبل ہونا موجودہ وقت کے لحاظ سے ہے (از خازن وغیرہ) بلکہ خازن نے **ایک** تفسیر اور بھی کی ہے کہ آیاتی سے مراد زمین و آسمان کی مخلوق میں اللہ کی نشانیاں اور **الذین** سے عام متکبر لوگ مراد ہیں **اصرف** بنا ہے صرف سے بمعنی پھیر دینا یہاں دل و دماغ کا پھیر دینا مراد ہے کہ انسان آیات سنے اور دیکھے مگر ان میں غور نہ کرے اس کے دل کا رخ ادھر نہ ہو۔ تکبر کی نسبت جب انسان کی طرف ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں بہ **تکلف** اپنے کو بڑا جاننا کہ ہو چھوٹا مگر اپنے کو سمجھے

برا یہ عیب ہے اور جب اس کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں بہت ہی بڑا باب تفعّل **تکلف** کے لئے بھی آتا ہے اور زیادتی کے لئے بھی **فی الارض** فرما کر یہ بتایا کہ یہ لوگ رہتے تو ہیں زمین میں مگر ان کا دماغ ہوتا ہے آسمان میں اگر یہ بہت بڑے ہیں تو آسمان میں پہنچ کر دکھائیں **انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا**۔ تکبر چند قسم کا ہوتا ہے۔ اللہ رسول کے مقابل تکبر یہ کفر ہے۔ مسلمانوں کے مقابل تکبر کرنا یہ حرام ہے کفار کے مقابل اپنے کو بڑا جاننا خصوصاً" جہاد کے موقعہ پر یہ تکبر عبادت ہے پہلے دو تکبر ناحق ہیں تیسرا تکبر حق ہے اس لئے بغیر الحق ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ تکبر کے نتیجہ میں رب تعالیٰ اس کے دل و دماغ کو آیات کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ صرف کا خلق رب کی طرف سے ہوتا ہے اس لئے **ساصرف** فرمایا گیا **وان یروا کل ایتہ لا یومنوا بھا** یہ عبارت معطوف ہے **یتکبرون** پر عطف تفسیری ہے جس نے تکبر کی شرح کر دی **یروا** میں رویت سے مراد ہے آنکھوں سے دیکھنا اور ممکن ہے کہ مطلقاً" جاننا معلوم کرنا مراد ہو تو دیکھنا سننا سب ہی اس میں داخل ہو گا **کل آیتہ** میں وہی چھ احتمال ہیں جو ابھی عرض کئے گئے **بھا** کی ب یا صلہ کی ہے یا سببیہ یعنی ان آیتوں پر ایمان نہ لائیں گے یا ان آیتوں کے ذریعہ اللہ رسول پر ایمان نہیں لائیں گے **وان یروا سبیل الرشد لا یتخذوہ سبیلا**"۔ یہ عبارت معطوف ہے **وان یروا** پر اس عبارت میں ان کی بد عقیدگی کا ذکر تھا اس میں ان کی بد عملی کا تذکرہ ہے۔ ہماری قراءۃ میں رشد کے پیش شین کے سکون سے ہے۔ حمزہ اور کسائی کی قراءۃ میں **رشد** ہے ر اور شین کے فتحہ سے ایک قراءۃ میں رشاد ہے تینوں کے معنی ہیں ہدایت جیسے **سقم۔ سقم۔ سقام** تینوں کے معنی ہیں مرض بعض نے فرمایا کہ رشد پیش سے درستی ہے اور رشد فتحہ سے دین پر استقامت ہے (روح المعانی) یہاں **سبیل الرشد** سے مراد ہدایت اور اصلاح ہے یعنی یہ لوگ اگر ہدایت اور خدا رسی کا راستہ آنکھوں دیکھ لیں تب بھی اسے اختیار نہیں کرتے ان کے دل یہ راستہ قبول نہیں کرتے **وان یروا سبیل الغی یتخذوہ سبیلا**" یہ عبارت پہلے **وان یروا** پر معطوف ہے اس میں کفار کا دوسرا حال مذکور ہے **سبیل غی** کے معنی ہیں گمراہی کا راستہ اس سے مراد ان کے کافرانہ مشرکانہ اعمال ہیں چونکہ ان کے اعمال کے ساتھ بد عقیدگی ہوتی تھی اس لئے اسے گمراہی کی راہ فرمایا جس گناہ کو انسان نیکی سمجھ کر کرے وہ گمراہی ہے یعنی اگر یہ کافر کوئی راستہ گمراہی کا دیکھتے ہیں تو اسے بے دھڑک اختیار کر لیتے ہیں بلکہ اسے خدا رسی کا ذریعہ اور رب کا راستہ سمجھتے ہیں **ذلک بانھم کذبوا بایتنا** اس عبارت میں ان کی مذکورہ بد عقیدگیوں بد عملیوں کی وجہ بتائی گئی ہے یعنی کفار کی یہ حرکتیں اس لئے ہیں کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے رہتے ہیں آیات سے مراد ہیں وہ عقلی دلائل جو اسلام کی حقانیت' کفر کے جھوٹے ہونے پر رہبری کرتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے آیات توریت یا آیات قرآنیہ مراد ہوں (از روح المعانی و خازن وغیرہ) مگر قوی یہ ہے کہ یہاں آیات سے مراد عقلی دلائل اور انبیاء کرام کے معجزات ہیں پہلی آیات سے مراد آیات کتاب تھیں لہذا اس میں دور نہیں۔ **وکانوا عنھا غفلین**۔ یہ عبارت **کذبوا** پر معطوف ہے۔ غفلت سے مراد دیدہ دانستہ بے خبر رہنا ہے۔ یعنی وہ جان بوجھ کر آیات الہی سے بے توجہ رہے یہ غفلت بے علمی کی نہیں بلکہ بے توجہی کی ہے **والذین کذبوا بایتنا ولقاء الاخرۃ**۔ یہ نیا جملہ ہے جس میں ان کی مذکورہ حرکتوں کا نتیجہ بتایا گیا ہے جب **الذین کفروا** اکثر کے ساتھ آئے تو اس سے انس و جن سے سب مراد ہوتے ہیں کیونکہ دوزخ سب جن و انس کے لئے ہے اور جب **الذین** ایمان و

تقویٰ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد صرف انسان ہوں گے کیونکہ جنت صرف انسانوں کے لئے ہے لہٰذا یہاں **الذین** سے سارے کافر جن و انس مراد ہیں **کذبوا** سے مراد ہے دلی و زبانی یا ان میں سے کسی چیز سے جھٹلاتے رہنا حتیٰ کہ ایسی حالت پر موت آ جائے **ایتنا** سے مراد یا توریت و انجیل کی آیتیں ہیں یا قرآن مجید کی آیتیں یا حضور ﷺ کے معجزات ہیں کہ ان میں سے ہر چیز رب کی معرفت ' آیۃ و نشانی ہے یا خود حضور انور کی ذات کریمہ کہ حضور انور راز سر تاپا اللہ کی نشانی ہیں بلکہ حضور کا ہر عضو ہر حال صدہا نشانیوں کا مجموعہ ہے۔ آخرت سے مراد یا تو قیامت ہے یا جنت دوزخ وغیرہ یہ پوری عبارت مبتدا ہے اور **حبطت اعمالھم** خبر اعمال سے سے مراد کفار کی نیکیاں ہیں جیسے غریبوں کی دستگیری کرنا حاجی کی خدمت کرنا مقروضوں کے قرض ادا کرنا وغیرہ۔ **حبط** سے مراد ہے ان کی جزا نہ ملنا بخشش نہ ہونا۔ خیال رہے کہ کافر کی نیکیوں سے اس کے عذاب میں کمی ہو سکتی ہے مگر نجات ناممکن ہے نجات کے لئے ایمان شرط ہے۔ اعمال میں بدنی 'مالی' مجموعہ بدنی و مالی سب ہی داخل ہیں۔ کافر کے سارے نیک اعمال ضائع ہیں۔ **ھل یجزون الا ماکانوا یعملون** یہاں **ھل** استفہام انکاری ہے جزا ' معنی سزا ہے عمل سے مراد ہے برے اعمال یعنی ان کے نیک اعمال تو برباد ہو جائیں گے مگر بد عملیاں باقی رہیں گی۔ خیال رہے کہ کفر سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ گناہ باقی رہتے ہیں اور ایمان سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں کفر کے زمانہ کی نیکیاں اب قبول ہو جاتی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے لہٰذا پہلے اعمال سے نیک اعمال مراد ہیں اور ان اعمال سے برے اعمال مراد ہیں لہٰذا آیۃ ظاہر ہے ہو سکتا ہے کہ عمل میں بد عقیدگیاں بھی داخل ہوں کہ یہ بھی عمل ہے۔ یاد رکھو کافر و مشرک کو اس کی بد عملیوں کی سزا ضرور ملے گی وہ آخرت کے لحاظ سے مکلف ہے یوں ہی اسے نیک اعمال نہ کرنے کی بھی سزا ملے گی کہ تم نے نماز کیوں نہ پڑھی یہ فرمان ان سب کو شامل ہے وہ خود کہیں گے **لم نک من المصلین۔ لہٰذا کانوا یعملون** میں ترک نماز وغیرہ سب کچھ داخل ہے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس آیۃ کی چند تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ آیات توریت میں ایمان 'عرفان' ہدایت وغیرہ سب کچھ ہے مگر ان سے فائدہ سب نہیں اٹھائیں گے جو لوگ اس زمین فلسطین میں ناحق غرور و تکبر کریں گے ' آپ سے آپ کے احکام سے منہ موڑیں گے باطل طور پر اپنے کو بڑا جانیں گے ہم ان کے دل توریت سے اس طرح پھیر دیں گے کہ انہیں آیات میں غور کرنے کی توفیق ہی نہ دیں گے اگر وہ تمہارے سارے معجزے دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے ان کا حال یہ ہے کہ ہدایت کی راہ بھی اختیار نہیں کرتے گمراہی کو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تو ہیں مگر ان کی عظمتوں سے جان بوجھ کر بے خبر بنے رہتے ہیں۔ یہ قانون خیال میں رکھیں کہ جو ہماری آیتوں کا انکار کرے آخرت کا منکر ہو اس کی ساری نیکیاں برباد ہیں جس کی کوئی جزا نہیں ہے اور سارے گناہ برقرار ہیں کہ ان کو سزا ضرور ملے گی نیز ہم بغیر گناہ کسی کو سزا نہیں دیتے۔ مومن کو چاہئے کہ رب تعالیٰ کی بے نیازی سے ڈرتا رہے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھر میں رکھا مگر اسے ایمان نہ ملا اس گھر میں حضرت آسیہ تھیں موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے ایمان اور ایمانیات سے مالا مال ہو گئیں۔ یوں ہی فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے بہت سے معجزے دیکھے۔ عصا 'ید بیضا' خون 'مینڈک' مکڑی 'جوں کے عذاب مگر ایمان نہ لایا جادو کر صرف دو گھڑی

موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر رہے اور آپ کا صرف ایک معجزہ دیکھا 'عصا' ید بیضاء وغیرہ کچھ نہ دیکھا مگر مومن عارف سب کچھ بن گئے یہ ہے رب کی بے نیازی کی شان حضور والے دور اور دور والے حضور۔ وجہ فرق یہ تھی کہ فرعون نے اپنے کو موسیٰ علیہ السلام سے بڑا جانا جادوگروں نے اپنے عجز و انکسار کا اقرار کیا تکبر وہ دلی بخار ہے جس سے دلی آنکھیں کان سب بیکار ہو جاتے ہیں اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ انسان اپنی ابتداء اور انتہا میں غور کرے پہلے بھی خاک تھا آئندہ بھی خاک ہوگا تو زندگی میں تکبر کیسا۔

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: بندوں کی ہدایت بھی رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اور گمراہی بھی اسی کی طرف سے ہے اچھی چیزوں کی طرف میلان اور ان سے رکاوٹ۔ بندوں کو چاہیئے کہ ہمیشہ رب سے ہدایت کی دعا کریں۔ یہ فائدہ **ساصرف** سے حاصل ہوا۔ یہ آیتہ معتزلہ کے مقابلہ میں اہل سنت کی قوی دلیل ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے **ومن یضلل اللہ فلا ھادی لہ**۔ **دوسرا فائدہ**: اگر توفیق خداوندی دستگیری نہ کرے تو آیات قرآنیہ دل میں اترتی ہی نہیں صرف کان تک پہنچتی ہیں۔ یہ فائدہ بھی **عن ایتی** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: تکبر و غرور بد ترین عیب ہے اس کی وجہ سے انسان ایمان 'ہدایت وغیرہ تمام ربانی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے یہ فائدہ **الذین یتکبرون** سے حاصل ہوا۔ سب کو شیطان گمراہ کرتا ہے اور شیطان کو تکبر و غرور نے گمراہ کیا جیسا کہ **ابی واستکبر وکان من الکفرین** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: تکبر حق بھی ہوتا ہے اور ناحق بھی ناحق تکبر یا حرام ہے یا کفر مگر حق تکبر عبادت ہے اس سے انسان میں کفار کے مقابل جرات ہمت اور دنیا میں خودداری پیدا ہوتی ہے مسلمانوں کے مقابل تکبر حرام ہے اللہ رسول کے سامنے تکبر کفر مگر جہاد میں کفار کے مقابل مجاہد غازی کا تکبر عین عبادت ہے۔ یہ فائدہ **بغیر الحق** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: آیات سے ہدایت نہیں ملتی آیات ذریعہ ہدایت ہیں اگر رب کا کرم شامل حال ہو تو ہدایت ملتی ہے۔ یہ فائدہ **ان یروا کل ایتہ** سے حاصل ہوا رب فرماتا ہے **یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا**۔ **چھٹا فائدہ**: اگر نبی کا فیضان دل پر وارد نہ ہو تو وہاں قرآن اور آیات الٰہیہ نہیں پہنچتے پہلے نبی کا فیضان آتا ہے پھر قرآن اس لئے کافر کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کرتے ہیں پھر قرآن پڑھاتے ہیں۔ یہ فائدہ **لا یتخذوہ سبیلا** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: کفر سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں کافر کتنی ہی نیکیاں کرے مگر جنتی نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ **حبطت اعمالھم** سے حاصل ہوا ہاں یہ ہو گا کہ کافر کا عذاب اس کی نیکیوں کی وجہ سے ہلکا ہو جاوے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے نوشیرواں 'حاتم طائی' کافر تھے مگر ان کا عذاب ہلکا ہے نوشیرواں کا اس کے انصاف کی وجہ سے حاتم طائی کا اس کی سخاوت کی وجہ سے۔ **آٹھواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ کفار کے نا سمجھ بچوں کو یوں ہی انہیں جو دیوانگی پاگل پن میں جئے اس میں مرے دوزخ نہ دے گا کیونکہ انہوں نے کفر یا بد عمل نہ کئے یہ فائدہ **ھل یجزون الا ما کانوا یعملون** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ**: کافر کی بد عملیاں قائم رہتی ہیں جن کی اسے سزا ملے گی۔ یہ فائدہ بھی **الا ما کانوا یعملون** سے حاصل ہوا کہ یہاں جزاء بمعنی سزا ہے۔ **دسواں فائدہ**: کافر دنیا میں ایمان کا بھی مکلف ہے اور ایمان کے بعد نیک اعمال کرنے کا بھی کہ اسے حکم ہے کہ ایمان لائے اور ایمان لا کر نیکیاں کرے قیامت میں اسے کفر کی بھی سزا ملے گی اور نماز وغیرہ ادا نہ کرنے کی بھی یہ فائدہ بھی اشارۃً "**الا ما کانوا یعملون**" سے حاصل ہوا۔ **گیارھواں فائدہ**:

جیسے نیک اعمال کا ثواب دوسرے کو بخشا جا سکتا ہے ایسے گناہ کا عذاب دوسرے کو نہیں بخشا جا سکتا کو ہاں تو اپنی کرنی اپنی بھرنی ہے یہ فائدہ بھی **هل یجزون الا ماکانوا یعملون** سے حاصل ہوا غرضیکہ دوزخ صرف کسبی ملے گی مگر جنت کسبی بھی ہو وہبی بھی عطائی بھی۔ **بارھواں فائدہ**: کسی کافر کو کوئی مسلمان اپنے نیک اعمال کا ثواب نہ بخشے اگر بخشے گا تو پہنچے گا نہیں یہ فائدہ **حبطت اعمالهم** سے حاصل ہوا جب ان کے اپنے نیک اعمال ہی ضبط ہیں تو دوسرے کے اعمال انہیں کیسے پہنچیں۔

پہلا اعتراض اس آیتہ کریمہ سے معلوم ہوا کہ غرور کرنے والوں کو آیات الہیہ میں غور کرنے کی توفیق نہیں ملتی تو چاہئے کہ غیر متکبر لوگ ہدایت پر ہوا کریں حالانکہ بہت سے متواضع اور منکسر المزاج لوگ بھی کافر رہتے ہیں تو یہ آیتہ کیسے درست ہوئی۔ **جواب**: آیت کا مطلب یہ ہے کہ متکبری تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے روکے جاتے ہیں کہ ان کے دل ادھر متوجہ نہیں ہوتے پھر یہ متکبرین سردار اپنے ماتحتوں کو ایمان سے روکتے ہیں جیسے شیطان کو براہ راست رب کی طرف سے پھٹکار ہوئی پھر شیطان دوسروں کو بہکا تا گمراہ کرتا ہے یہ ہی حال کفار کے سرداروں ماتحتوں کا ہے۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں **یتکبرون** کے ساتھ بغیر حق کیوں ارشاد ہوا تکبر تو ہمیشہ ناحق ہی ہوتا ہے۔ **جواب**: حق والوں کے مقابل تکبر ناحق ہے مگر ناحق والوں کے مقابل تکبر بالکل حق بلکہ باعث ثواب ہے یعنی حضرات انبیاء کرام اولیاء اللہ مومنین کے مقابل تکبر کرنا اپنے کو ان سے اونچا جاننا کفر ہے کیونکہ وہ حضرات حق ہیں مگر کفار سے اپنے کو اونچا جاننا خصوصاً میدان جہاد میں یہ ہے تو تکبر مگر ہے عبادت کیونکہ کفار ناحق ہیں ان کے مقابل تکبر حق ہے۔ لہٰذا بغیر حق فرمانا بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں تکبر کے ساتھ **فی الارض** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب**: اس میں اشارۃً یہ بتایا کہ زمین سب سے زیادہ عجز و انکسار والی ہے اور سب سے نیچی ہے کہ پانی، ہوا، آگ، آسمان وغیرہ سب اس سے اونچے ہیں تو آدمی کو چاہیے کہ تکبر نہ کرے کہ اس کی اصل بھی مٹی ہے آخر کار مٹی ہونے والا ہے اور رہتا بھی ہے زمین پر پھر تکبر کیوں کرتا ہے۔

اے برادر چو عاقبت خاک است ‏ ‏ ‏ خاک شو پیش از آنکہ خاک شوی!

چوتھا اعتراض: اس آیتہ کریمہ میں تین جگہ **ان یروا** ارشاد ہوا ایک کے بعد **لا یومنوا بها** ارشاد ہوا دوسری کے بعد **لا یتخذوه سبیلا** ارشاد ہوا تیسرے کے بعد **یتخذوه سبیلا** ارشاد ہوا ان تینوں میں کیا فرق ہے۔ **جواب**: پہلی جگہ ان کی بدعقیدگیوں کا ذکر ہے دوسری جگہ ان کے نیک اعمال قبول نہ کرنے کا تذکرہ ہے تیسری جگہ ان کے برے اعمال کرنے کا تذکرہ ہے غرضیکہ ان کے تین جرم تین طرح ذکر فرمائے گئے۔ چونکہ ایمان نہ لانا تمام بد عملیوں کی اصل ہے اس لئے اس کا ذکر پہلے ہوا دوسرے عیوب کا ذکر بعد میں فرمایا گیا۔ **پانچواں فائدہ**: اس آیتہ میں دور معلوم ہوتا ہے کہ آیات پر ایمان نہ لانے کی وجہ بیان ہوئی آیتوں کا جھٹلانا دیکھو اوپر ارشاد ہے **وان یروا کل ایة لا یؤمنوا بها** اور آخر میں ارشاد ہوا **ذلک بانهم کذبوا بایتنا** سبب اور مسبب ایک ہی ہے اس کو دور کہتے ہیں۔ **جواب**: پہلی آیات سے مراد ہے کتاب اللہ کی آیتیں اور آخر میں آیات سے مراد ہیں حضرات انبیاء کرام کی ذات ان کی صفات ان کے معجزات۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ کفار نے ہمارے نبیوں ان کی صفات ان کے معجزات کا انکار کیا اس وجہ سے وہ آیات قرآنیہ وغیرہ پر ایمان نہیں لا سکتے کہ نبی پر ایمان تمام پر ایمان کا ذریعہ ہے نبی کا انکار ساری چیزوں کے انکار کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ ان کے آستانے سے جدا نہ کرے۔

دل کو ان سے خدا جدا نہ کرے ۔ بے کسی لوٹ لے خدا نہ کرے

چھٹا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **کانوا عنھا غٰفلین** وہ لوگ غافل رہے دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ رب تعالیٰ غافلوں کو سزا نہیں دیتا تو چاہئے کہ یہ لوگ سزا کے مستحق نہ ہوں۔ **جواب**: غفلت کی دو وجہ ہوتی ہیں۔ ایک نبوت کے احکام کسی تک نہ پہنچنا اس وجہ سے ان پر مطلع نہ ہونا۔ دوسرے اپنی کوتاہی یعنی احکام نبی سے لاپرواہ رہنا ان میں غور نہ کرنا۔ پہلی غفلت پر رب تعالیٰ پکڑ نہیں فرماتا مگر دوسری غفلت پر ضرور پکڑ فرماتا ہے یہاں یہی دوسری غفلت مراد ہے۔ **ساتواں اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ کفار کے کفر کی وجہ سے ان کی نیکیاں ضبط ہو جاتی ہیں مگر احادیث سے ثابت ہے کہ کفار کو بھی ان کی نیکیوں کا پھل مل جاتا ہے حتیٰ کہ ابولہب کو حضور انور کی ولادت کی خوشی کی وجہ سے دوزخ میں پانی ملتا ہے (بخاری شریف) یہ آیت اس حدیث کے مخالف معلوم ہوتی ہے۔ **جواب**: ضبطی اعمال کا مطلب ہے دوزخ سے نجات نہ پاسکنا۔ جنت میں نہ جا سکنا۔ رہا عذاب ہلکا ہو جانا یا دنیاوی نعمتیں مل جانا یہ کفار کے نیک اعمال سے بھی ہو سکتا ہے۔ سخی یا عادل کافر کنجوس یا ظالم کافر کے مقابل ہلکے عذاب میں ہوں گے۔ جیسے حاتم طائی یا نوشیرواں یا ہمارے حضور کے چچا ابو طالب کہ ان سب کے عذاب ہلکے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: انسان میں قدرت نے دو قسم کی آگ ودیعت رکھی ہے ایک آگ تکبر و غرور کی دوسری آگ عشق و محبت کی۔ دونوں قسم کی آگ کا کام ہے جلا دینا فنا کر دینا۔ تکبر کی آگ ایمان، عرفان، نیک اعمال وغیرہ تمام چیزوں کو جلا کر خاکستر بنا دیتی ہے۔ مگر عشق رسول، محبت نبی کی آگ دل کے تمام عیوب فنا کر ڈالتی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں **العشق نار تحرق ما سوی المحبوب**۔ عشق وہ آگ ہے جو محبوب کے ماسواء سب کو جلا ڈالتی ہے بلکہ لطف یہ ہے کہ عشق رسول کی آگ تکبر و غرور کی آگ کو بھی جلا دیتی ہے یعنی آگ کو آگ جلا دیتی ہے۔

اے عشق تیرے صدقہ جلنے سے چھٹے سستے ۔ جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے!

یہی آگ انسان کے سارے کس بل نکال دیتی ہے اسے بالکل سیدھا کر دیتی ہے۔

اقبال عشق نے ترے سب بل دیئے نکال ۔ مدت سے آرزو تھی کہ سیدھا کرے کوئی

سارے نفسانی فرق و امتیاز کو عشق کی آگ ہی جلا کر فنا کرتی ہے۔ شیطانی لوگوں کی صحبت وہ تیلی ہے جس کے لگتے ہیں تکبر کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور رحمانی لوگوں کی صحبت ان کے ارشادات بلکہ ان کی نگاہ وہ تیلی ہے جس سے عشق رسول کی آگ بھڑک اٹھتی ہے بندہ عشق رسول کی آگ میں فنا ہو کر بقاباللہ کا درجہ پاتا ہے پھر کہتا ہے۔

بلاد اللہ ملکی تحت حکمی ۔ ووقتی قبل قلبی قد صفالی

اس کا تکبر بالکل برحق ہوتا ہے اس آیت کریمہ میں پہلے قسم کے ناجائز تکبر کا ذکر ہے کہ ارشاد ہوا کہ جو لوگ زمین میں ناجائز تکبر و غرور کریں گے انہیں آیات الٰہیہ سے محروم رکھا جاوے گا کہ وہ اللہ کی ساری آیات دیکھ کر ایمان نہ لائیں گے کیونکہ پتھر میں کیل نہیں گڑھتی۔ ٹھنڈے لوہے میں ہتھوڑا اثر نہیں کرتا۔ ان کا حال یہ ہے کہ یہ لوگ ہدایت سے متنفر گمراہی کی طرف مائل ہیں۔ ہدایت کی ساری نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے گمراہی کو بغیر نشانی بغیر دلیل کے قبول کر لیتے ہیں۔ اس ناجائز تکبر کا یہ نتیجہ ہے آگ کھیت یا باغ کو جلا سکتی ہے مگر اسے آباد نہیں کر سکتی تکبر آگ ہے جو ایمان کی کھیتی جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ یہاں

یہ نہیں کہا کہ ہم متکبرین سے آیتوں کو پھیر دیں گے بلکہ یہ فرمایا کہ ہم آیتوں سے متکبرین کو پھیر دیں گے۔ مطلب واضح ہے کہ ایسے متکبرین تک آیتیں تو پہنچیں گی مگر ان کے دل و دماغ آیۃ تک نہیں پہنچیں گے۔ اندھے کے پاس سورج کی شعاعیں دھوپ تو پہنچتی ہیں مگر اندھا روشنی شعاعوں دھوپ تک نہیں پہنچتا۔ نیز بعض متکبرین قرآنی آیات کے الفاظ تک نہیں پہنچتے جیسے ابوجہل وغیرہ اور بعض متکبرین الفاظ تک تو پہنچ جاتے ہیں مگر مضامین اور فیوض تک نہیں پہنچتے جیسے بے دین علماء جو ہمیشہ قرآن سے بے دینی ہی لیتے ہیں یہی حضور انور کے جمال کا حال ہے۔

ہر ایک کا حصہ نہیں دیدار کسی کا   بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ سبیل رشد یعنی صراط مستقیم وہ ہے جو رب تک پہنچائے اس کی علامت یہ ہے کہ (1) اولیاء اللہ اس راہ پر چلتے ہوں۔ رب فرماتا ہے **صراط الذین انعمت علیھم** (2) اس کی منزل مقصود رب تعالیٰ ہو رب فرماتا ہے **ان ربی علی صراط مستقیم** (3) اس میں نشان ہدایت حضور محمد مصطفیٰ ہوں ﷺ رب فرماتا ہے **انک المرسلین علی صراط مستقیم**۔ جس راہ پر یہ تین نشان ہوں وہ سبیل رشد ہے وہ صراط مستقیم ہے۔ مختلف پلیٹ فارموں پر یک رنگ ریل گاڑیاں کھڑی ہیں مگر تم یہ دیکھو کہ انجن کا رخ کدھر ہے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ

اور بنایا قوم نے موسیٰ کی پیچھے سے ان کے اپنے زیوروں سے بچھڑا یعنی ایک جسم کہ جس کے لئے آواز تھی

اور موسیٰ کے بعد اس کی قوم اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا بیٹھے بے جان کا دھڑ گائے کی طرح آواز کرتا

اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ وَلَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا

کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ بیشک وہ نہیں کلام کرتا ان سے اور نہیں ہدایت دیتا ان کو راستہ کی بنا لیا ان لوگوں

کیا نہ دیکھا کہ وہ ان سے نہ بات کرتا ہے اور نہ انہیں کچھ راہ دیتا ہے اسے لیا اور وہ

ظٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ

نے اس بچھڑے کو اور تھے وہ ظالم۔ اور جب ڈالا گیا ہاتھوں کے بل اور دیکھا انہوں نے کہ بیشک گمراہ ہو گئے وہ

ظالم تھے اور جب وہ گرے اپنے ہاتھوں پر اور سمجھے کہ ہم بہکے بولے اگر ہمارا رب

لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَیَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۱۴۹﴾

تو بولے کہ البتہ اگر نہ رحم کرے گا ہم پر رب ہمارا اور نہ بخشے گا ہم کو تو البتہ ہو جاویں گے ہم نقصان والوں میں سے

ہم پر مہر نہ کرے اور ہمیں نہ بخشے تو ہم تباہ ہوئے

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کا طور پر جانا وہاں انہیں توریت ملنا وغیرہ نعمتوں کا ذکر ہوا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے ان کی قوم نے کیا کیا گویا نبی کے انعامات کے ذکر کے بعد قوم کی بد کرداریوں کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** اب تک قبطیوں کے پنجے میں پھنسے ہوئے اسرائیلیوں کی آزادی کا ذکر ہوا اب ان کی روحانی بربادی کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ انہیں یہ آزادی راس نہ آئی وہ گمراہ ہو گئے گویا عطاء نعمت کے بعد اس نعمت کی ناشکری کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیتہ میں فرمایا گیا کہ متکبرین لوگ آیات الٰہیہ سے محروم رہتے ہیں ان میں غور نہیں کرتے اب اس کی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ دیکھو بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی بہت سی آیات دیکھ کر بھی بت پرست ہو گئے گویا پچھلی آیتہ میں ایک دعویٰ کا ذکر تھا اب اس کی دلیل ارشاد ہو رہی ہے۔

تفسیر: واتخذ قوم موسیٰ۔ یہ جملہ نیا ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے **اتخاف** کے معنی ہیں بنانا۔ ڈھالنا عقیدے میں کسی کو کچھ سمجھنا یہاں بنانے یا ڈھالنے کے معنی میں ہے کیونکہ آگے اس کا مفعول عجلاجسدا آ رہا ہے اگرچہ ڈھالنے والا صرف سامری تھا مگر چونکہ قریبا" سارے اسرائیلیوں نے اس کی اس کام میں مدد کی تھی نیز وہ اس حرکت سے راضی تھے اس لئے ساری قوم کی طرف یہ کام منسوب کیا گیا قوم موسیٰ سے مراد آپ کی نسبی قوم یعنی بنی اسرائیل ہے نہ کہ مذہبی قوم کیونکہ بچھڑا پوج کر یہ لوگ مرتد ہو چکے تھے مرتد آدمی مومن خاص کر نبی کا مذہبی ام قوم نہیں ہو سکتا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کے سوا باقی سارے بنی اسرائیلی بچھڑے کی پرستش میں پھنس چکے تھے اسی لئے آپ نے بعد میں صرف حضرت ہارون کے لئے دعا کی **رب اغفر لی ولاخی** لہٰذا یہاں قوم سے مراد ساری قوم مراد ہے بعض نے فرمایا کہ اکثر لوگ اس شرک میں گرفتار ہو گئے تھے کچھ محفوظ بھی رہے لہٰذا یہاں قوم سے مراد اکثر قوم ہے یہ دوسرا قول قوی ہے (تفسیر کبیر' خازن وغیرہ) خیال رہے کہ سامری کا نام موسیٰ تھا اس کی ماں اسے ایک پہاڑی پر پھینک گئی تھی جس کا نام سامرہ تھا چونکہ یہ حرام کا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی پرورش کے لئے حضرت جبریل کو مقرر فرمایا اس لئے اس کا نام موسیٰ جبریل ہے اور لقب سامری اللہ کی شان ہے کہ فرعون کے گھر پرورش پانے والے موسیٰ تو نبی اور کلیم ہوئے اور حضرت جبریل کی آغوش میں پرورش پانے والا موسیٰ کافر و بے دین ہوا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا لمرء لم یخلق سعید امن الازل   فقد خاب من ربی و خاب المومل

فموس الذی رباہ جبریل کافر   و موسیٰ الذی رباہ فرعون مرسل

دیکھو تفسیر صاوی یہ ہی مقام بہرحال بچھڑا بنانے والا موسیٰ جبریل یعنی سامری تھا لیکن قوم کی اس کی مددگار اس کی حرکات سے راضی **من بعدہ من حلیھم**۔ یہ دونوں جار مجرور متعلق ہیں **اتخذ** کے پہلا من ابتدائیہ ہے دوسرا **من** جنسیت کا **بعدہ** کے معنی ہیں بعد ذہابہ حلی جمع ہے **حلیتہ** کی یا **حل** کی جیسے **تلی** کی جمع **تلی** ہے حل کے معنی ہیں زیور یعنی جو آراستگی کے لئے پہنا جاوے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ زیور فرعونیوں کا تھا جو اسرائیلی ایک شادی کے بہانہ سے ان سے مانگ لائے تھے۔ غرق فرعون سے ایک دن پہلے۔ تاکہ فرعونی لوگ اپنے اس زیور کو چھیننے کے لئے اسرائیلیوں کا پیچھا کریں اور بحر قلزم میں غرق ہوں۔ بعض نے فرمایا کہ فرعونیوں کے ڈوبنے کے بعد سمندر نے ان کا سارا زیور کنارہ پر پھینک دیا جسے بنی اسرائیل نے اٹھا لیا۔

یہ سارا زیور اب بنی اسرائیل کے قبضہ میں تھا بلکہ یہ سب اس سبب سے مالک ہو چکے تھے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **ولغمتہ کانوافیہافکھین کذلک واورثنہاقوما"اٰخرین**۔ بہرحال یہ زیور مال غنیمت نہ تھا تاکہ اسرائیلی اس کے مالک نہ ہو سکتے۔ یہ وراثت کا تھا (تفسیر کبیر) بعض نے فرمایا کہ یہاں زیور کی نسبت بنی اسرائیل کی طرف صرف قبضہ کی ہے ملکیت کی نہیں (روح المعانی) بہرحال سامری نے سارے اسرائیلیوں سے زیور جمع کیا **عجلا" جسدا" لہ خوار** یہ **اتخذ** کا مفعول ہے **عجل** کہتے ہیں گائے کے بچے یعنی بچھڑے کو اور گھوڑی کے بچے کو مہر گدھی کے بچے کو جحش بکری کے بچے کو حمل بھیڑ کے بچے کو جدی شیر کے بچے کو شبل ہاتھی کے بچے کو دغفل کتے کے بچے کو جرو ہرنی کے بچے کو خشف بجو کے بچے کو فرعل گوہ کے بچے کو وسیم سور کے بچے کو خنوص سانپ کے بچے کو حریش شترمرغ کے بچے کو رال مرغی کے بچے کو فروج چوہے کے بچے کو درص اور گھونس کے بچے کو حسل کہتے ہیں (روح المعانی) **عجل** کی جمع **عجاجیل** آتی ہے اس کے مادہ کو **عجلہ** کہا جاتا ہے چونکہ بنی اسرائیل نے اس کی پرستش میں جلدی کی تھی اس سے بچھڑے کا نام عجل ہوا۔ انہوں نے اس کی پرستش چالیس دن کی جس کی سزا میں یہ لوگ چالیس سال میدان تیہ میں قید رہے (روح البیان) **جسدا** یا تو عجل کا بدل ہے یا عطف بیان یا صفت۔ اس کے معنی ہیں جسم۔ بعض نے فرمایا کہ جسم عام ہے اور **جسد** خاص بعض نے فرمایا کہ رنگت والے جسم کو جسم کہتے ہیں مگر بے رنگ والے کو جسد جیسے ہوا (روح المعانی) جسد فرما کر یہ بتایا کہ وہ محض بچھڑے کا مجسمہ نہ تھا جیسے آج ہندو گائے بیل کا مجسمہ، پتھر، پیتل کا بنا لیتے ہیں بلکہ کھال گوشت ہڈی خون وغیرہ کا مجموعہ تھا جیسے سوڈا کاسٹک پڑتے ہی میدہ، تیل وغیرہ صابن بن جاتے ہیں ان کی حقیقت تبدیل ہو جاتی ہے ایسے ہی حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کی ٹاپ کے نیچے کی خاک اس سونے کے بچھڑے میں پڑتے ہی اس کی حقیقت تبدیل ہو گئی کہ خوار، جسدا کی صفت ہے یعنی وہ محض بے جان جسم ہی نہ بنا بلکہ اس میں زندگی پیدا ہو گئی وہ آواز کرنے لگا۔ خیال رہے کہ بچھڑے کی آواز کو خوار کہتے ہیں بکری کی آواز کو ثغاء بھیڑ کی آواز کو لیاء اور بکرے کی شہوت والی آواز کو نبیب کتے کی آواز کو نباح۔ شیر کی آواز کو زئیر، بھیڑیے کی آواز کو عواء اور دعوعہ، سور کی آواز کو قباع بلی کی آواز کو مواء گدھے کی آواز کو نہیق گھوڑے کی آواز کو صہیل اونٹنی کی آواز کو رغاء ہاتھی کی آواز کو صئی، ہرنی کی آواز کو نغم اور خرگوش کی آواز کو ضغیب، باز کی آواز کو صرصرہ، شکرہ کی آواز کو عقعقہ، کبوتر کی آواز کو ہدیر، قمری کی آواز کو ہمہ، چڑیا کی آواز کو سقسقہ، کوے کی آواز کو نعیق اور نعیب مرغ کی آواز کو زقاء، مرغی کی آواز کو نقیقہ، سانپ کی آواز کو فحیح، مینڈک کی آواز کو نقیق، مکڑی کی آواز کو حریر، چوہے کی آواز کو صئی کہتے ہیں (روح المعانی) غرضیکہ **جسدا** فرما کر یہ بتایا کہ وہ محض سونے کا مجسمہ نہ تھا بلکہ سونا گوشت پوست ہی تبدیل ہو گیا تھا جس سے وہ واقعی بچھڑا بن گیا تھا اور **لہ خوار** فرما کر یہ بتایا کہ وہ محض بے جان جسم نہ تھا بلکہ زندگی والا تھا آواز دیتا تھا **الم یروا انہ لا یکلمھم ولا یھدیھم سبیلا"**۔ اس فرمان عالی میں یہود کی انتہائی حماقت اور بے عقلی کا ذکر ہے ہمزہ اظہار بے وقوفی کے لئے سوال فرمانے کا ہے اور رویت سے مراد یا تو دل کا غور ہے یا آنکھوں سے دیکھنا۔ ہ کی ضمیر بچھڑے کی طرف ہے۔ کلام سے مراد ہے سوال جواب کے طور پر کلام گفتگو کرنا **ھم** فرما کر یہ بتایا کہ ان سے کلام نہیں کرتا۔ صرف آواز کرنا اور چیز ہے گفتگو کرنا کچھ اور۔ یوں ہی وہ انہیں دنیاوی یا اخروی راستہ نہیں بتاتا اگر کوئی بھولا بھٹکا مسافر اس سے راستہ پوچھے تو وہ بتا نہ سکے آخرت کا راستہ بتانا تو بڑی بات ہے جب اس کی مجبوری

معذوری کا یہ حال ہے تو وہ محض بے جان جماد ہوا جملو خدا کیسے ہو سکتا ہے یہ ایسی موٹی بات ہے جسے بے عقل دیوانے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کلام بھی کرتا ہے اور انہیں ہدایت بھی دیتا ہے بواسطہ انبیاء کرام عموماً اور بذریعہ کشف' الہام' سچی خواب خصوصاً" **اتخذوہ وکانوا ظلمین** یہاں **اتخذوہ** میں ان بچھڑا پرستوں کی ساری حرکتوں کا ذکر ہے وہ لوگ بچھڑے کو سجدے بھی کرتے تھے اس کے آگے باجے بھی بجاتے تھے اس کے ارد گرد گھومتے ناچتے گاتے بجاتے بھی تھے (روح البیان) جب وہ بولتا تو سب اس کے آگے سجدے میں گر جاتے اور جب وہ چپ ہو جاتا تو یہ لوگ گانے بجانے ناچنے لگتے تھے۔ (روح المعانی) یہاں ظالم ' بمعنی مشرک و کافر و فاسق ہے **کانوا** یا تو ' بمعنی صار ہے یا اپنے ہی معنی میں ہے یعنی وہ کافر ہو گئے یا کافر تھے ان کا ظلم ایک قسم کا نہ تھا بہت قسموں کا تھا کہ بچھڑا بنانے سے پہلے ان میں سرکشی بت پرستی کا مادہ تھا اسی لئے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہمارے لئے کوئی معبود بنا دیجئے اور بچھڑا بناتے وقت وہ مشرک ہوئے اور بچھڑا بنانے کے بعد بدکار ہوئے کہ بھنگڑا ناچ کرنے لگے شور و پکار کرنے لگے ظالم ' بمعنی سرکش 'مشرک' بدکار۔ **ولما سقط فی ایدیھم** اس فرمان عالی میں ان پجاریوں کے دوسرے حال کا ذکر ہے یہاں عرب کا ایک خاص محاورہ استعمال ہوا ہے اس کی اصل عبارت یوں ہے **سقط فی ھم وایدیھم** شرمندہ و نادم آدمی اپنا ہاتھ منہ سے چباتا ہے اس کا منہ اور دانت اس کے ہاتھ کی انگلیوں پر کاٹنے کے لئے واقع ہوتے ہیں۔ **فی بمعنی علی** ہے (صاوی) **یا سقط** کا فاعل لازم ہے بہرحال **سقط** معروف کو مجہول بنایا گیا اور **فی ایدیھم** اس کا نائب فاعل کر دیا گیا جیسے **مر بزید** یعنی جب ندامت و شرمندگی ان کے ہاتھوں پر واقع ہوئی یا ان کے دانتوں نے ان کے ہاتھوں کو چبایا یعنی وہ شرمندہ ہوئے اپنے ہاتھ چبانے لگے اپنے کئے پہ سخت نادم ہوئے۔ اس فرمان عالی سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ پجاری حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے پہلے ہی اپنے کئے پر نادم ہو گئے تھے مگر اس ندامت کا ظہور موسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر ہوا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ محاورہ نزول قرآن سے پہلے عرب میں مشہور نہ تھا اس لئے اس عبارت کی توجیہ میں بہت دشواری محسوس کی گئی بعض نے کہا کہ **سقط سقاط** سے بنا ہے ' بمعنی بہت گناہ بعض نے کہا کہ **سقط** سے بنا **سقط** وہ شبنم ہے جو سردیوں میں زمین پر پھیلی ہوتی ہے بعض نے کہا کہ اس کا کوئی مصدر نہیں ہے نہ گردان ہے۔ یہ افعال غیر منصرفہ میں سے ہے (روح المعانی) **وراوا انھم قد ضلوا**۔ یہ عبارت معطوف ہے **سقط** پر اور دوسری شرط ہے رویت سے مراد ہے دلی یقین۔ **ضلال** سے مراد کفر ہے یعنی انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے کافر ہو چکے **قالوا لئن لم یرحمنا ربنا ویغفر لنا لنکونن من الخسرین**۔ یہ مذکورہ شرطوں کی جزا ہے۔ قول سے مراد یا تو دلی قول ہے یعنی سوچنا یا زبانی قول یعنی زبان سے کہنا رحمت پہلے ہوتی ہے بخشش بعد میں آقا کو مجرم غلام پر پہلے رحم آتا ہے پھر اس کا قصور معاف کرتا ہے **خاسرین** بنا ہے **خسارہ** سے ' بمعنی پورا نقصان جس میں اصل پونجی بھی جائے اور تاجر کا گھر بار بھی نیلام ہو جاوے (دیوالیہ) یعنی انہوں نے دل میں سوچا یا زبان سے اقرار کیا کہ اگر رب تعالیٰ ہم پر رحم نہ کرے ہمارے یہ گناہ نہ بخشے تو ہم بڑے نقصان میں رہیں گے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سب کچھ موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے ہی ہوا کیونکہ آپ کی واپسی کا ذکر تو آگے ہو رہا ہے اور یہ غور و خوض ان میں سے بعض نے کیا مگر تفسیر روح المعانی' خازن وغیرہ نے فرمایا کہ یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر ہوا اور ان سب نے یہ کہا۔ ترتیب بیانی ترتیب واقعہ

کے خلاف ہے واللہ ورسولہ اعلم۔ بہرحال ان کو اپنی حرکتوں پر شرمندگی ہوئی۔ توبہ کے دو رکن ہیں۔ دل سے اپنے کئے پر شرمندگی اور زبان سے معافی کے الفاظ **وراوا انہم قدضلوا** میں دلی شرمندگی کا ذکر ہے اور **قالوا** میں زبانی الفاظ کا یا تو انہوں نے لوگوں سے یہ کہا تاکہ علانیہ گناہ کی علانیہ توبہ ہو یا موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تاکہ اللہ کے نبی ان کی توبہ کے گواہ بن جاویں۔ خیال رہے کہ ان کی یہ توبہ قبول ہوئی اس لئے قرآن مجید میں بغیر تردید کے ذکر کی گئی اگلا واقعہ قتل کا یہ اس گناہ کا کفارہ تھا توبہ اور کفارہ میں فرق ہے جیسے روزہ رمضان توڑنے والا توبہ بھی کرے اور کفارہ کے ساتھ روزے بھی رکھے چونکہ فرعونی جادوگر کافر تھے مگر مرتد نہ تھے سی لئے ان پر کفارہ نہ ہوا یہ لوگ مرتد تھے۔ ان پر کفارہ لازم ہوا۔

خلاصہ تفسیر: موسیٰ علیہ السلام توطور پر توریت لینے ' رب سے کلام کرنے گئے ادھر قوم موسیٰ نے یہ غضب کیا کہ ان کی غیر موجودگی میں اپنے اس زیوروں سے بچھڑا بنالیا جو فرعونیوں سے حاصل کیا تھا وہ صرف سونے کا مجسمہ نہ تھا بلکہ اس کا جسم گئے کا تھا کھال گوشت و پوست وغیرہ کا مجموعہ پھر بے جان نہ تھا بلکہ جاندار تھا چنانچہ وہ بچھڑے کی طرح آواز نکالتا تھا یہ لوگ عجیب چیز دیکھ کر اس کی پرستش کرنے لگے۔ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ وہ بچھڑا نہ تو ان سے گفتگو کرتا ہے ' صرف بے معنی آواز دیتا اور چیز ہے گفتگو اور سوال جواب کچھ اور چیز اور نہ ہی وہ دنیاوی ' اخروی ہدایت دیتا ہے وہ تو محض جمادات ' حیوانات میں سے ہے ان لوگوں نے ہر طرح سے اسے معبود بنایا کہ جب وہ بولتا تو اس کے سامنے سجدہ میں گر جاتے جب خاموش ہوتا تو اس کا طواف کرنے لگتے اس کے آگے ناچتے کودتے گاتے بجاتے تھے اچھلتے کودتے تھے وہ اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے نرے ظالم یعنی فاسق و کافر تھے پھر جب انہیں اپنے کئے پر سخت شرمندگی ہوئی اور وہ سمجھے کہ ہم تو گمراہ ہوگئے خواہ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے پہلے کہ ان میں بعض لوگ شرمندہ ہوگئے یا موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد کہ سب ہی توبہ کر گئے تو بولے کہ اگر رب تعالیٰ ہم پر رحم نہ کرے ہم کو نہ بخشے تو ہم بالکل تباہ ہو جائیں گے کہ ہماری دنیا بھی برباد ہو جاوے گی اور آخرت بھی۔ غرضکہ وہ وہ بایں الفاظ توبہ کرنے لگے۔ خیال رہے کہ موسیٰ جبریل یعنی سامری بڑا کاریگر بھی تھا اور بنی اسرائیل میں مانا ہوا بھی۔ اس نے سب اسرائیلیوں سے کہا کہ اپنا فرعونی زیور میرے حوالہ کرو انہوں نے حوالہ کر دیا اس نے بچھڑا بنایا اس کے منہ میں وہ مٹی ڈالی جو حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ سے مس ہوئی تھی اس سے سونے کا بچھڑا اصل بچھڑا بن گیا۔ زندہ ہو کر آواز کرنے لگا سامری بولا کہ خدا یہ ہے اس کی پرستش کرو سب اس کی پرستش میں گرفتار ہو گئے۔ اسے سجدے کرنے لگے اس کے آگے ناچنے کودنے گانے بجانے تھرکنے لگے اس کا پورا واقعہ ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضور ﷺ کے صحابہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب سے کہیں افضل ہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام صرف چالیس دن ان سے غائب رہے تو یہ سارے ہی بت پرست ہو گئے مگر اصحاب رسول اللہ برسوں حضور انور سے جدا رہے مگر دین پر پورے قائم رہے۔ دیکھو مہاجرین حبشہ کے حالات یوں ہی وہ ضعفاء مومنین جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ نہیں پہنچ سکے۔ یہ فائدہ **واتخذ قوم موسیٰ** سے حاصل ہوا فقط قوم موسیٰ میں غور کرو۔ **دوسرا فائدہ**: گناہ کرنا کرانا گناہ میں مدد کرنا اس سے راضی ہونا سب جرم ہے۔ یہ فائدہ قوم موسیٰ فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ بچھڑا صرف سامری نے بنایا تھا مگر رب نے ساری قوم کو بنانے والا بتایا کیونکہ وہ لوگ یا مددگار تھے یا اس سے راضی یہ ہی حال

نیکیوں کا ہے کہ نیکی کرنا کرانا اس سے راضی ہونا سب نیکی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** کوئی شخص اولاد رسول ہونے صحبت یافتہ نبی ہونے نیز اپنے علم و عمل پر نازاں ہو کر بروں کی صحبت اختیار نہ کرے کہ بری صحبت اچھوں اچھوں کا بیڑا غرق کر دیتی ہے یہ فائدہ بھی قوم موسیٰ فرمانے سے حاصل ہوا کہ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے اکثر نبی انہیں میں آئے موسیٰ علیہ السلام کے برسوں کے ساتھی تھے انہوں نے فرعون کو ڈوبتے اور جادوگروں کو سجدے میں گرتے دیکھا اور بہت سے معجزے دیکھے مگر سامری کی چند روزہ صحبت نے انہیں برباد کر دیا ہم لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔ **چوتھا فائدہ:** بزرگوں کے تبرکات کایا پلٹ دیتے ہیں ان کی برکت سے حقیقت بدل جاتی ہے۔ دیکھو حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک نے سونے کے بچھڑے کو سچ مچ کا بچھڑا بنا دیا یعنی سونے کو گوشت ہڈی کھال بال میں تبدیل کر دیا اور اس میں روح ڈال دی یہ فائدہ **عجلا جسدا** سے حاصل ہوا ہمارے حضور کا نام اکسیر اعظم ہے انسان کی کایا پلٹ دیتا ہے۔

چونام این است نام اورچہ باشد! گرامی تر بود ازہرچہ باشد!

پانچواں فائدہ: کافر حربی کا مال اگر مسلمان کے قبضہ میں آ جاوے تو مسلمان اس کے مالک ہو جائیں گے یہ فائدہ **من حلیھم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب نے فرعون کے زیوروں کا مالک بنی اسرائیل کو قرار دیا۔ **چھٹا فائدہ:** اس مٹی کی برکت سے سونا حقیقۃً "بچھڑا بن گیا تھا اور اس میں زندگی پیدا ہو گئی یہ فائدہ **جسدا** " اور **لہ خوار** سے حاصل ہوا کہ **خوار** گائے کی آواز کو کہتے ہیں نہ کہ سیٹی وغیرہ کو نیز عجل اصل بچھڑے کو کہتے ہیں نہ کہ بچھڑے کے مجسمہ کو۔ **ساتواں فائدہ:** جھوٹے نقلی صوفیوں کا قوالیوں وغیرہ میں ریاکاری کا ناچنا کودنا دھمال کرنا وجد کی سی شکل بنانا حرام ہے کہ یہ انہیں بت پرست اسرائیلیوں کی نقل ہے وہ لوگ بچھڑے کے آگے گاتے ناچتے تھے۔ مسلمان کو سکون و اطمینان چاہئے حضرات صحابہ کرام حضور انور کی بارگاہ میں ایسے ادب و سکون سے بیٹھتے تھے **کان علی رؤسھم الطیر** گویا ان کے سروں پر چڑیاں ہیں جیسا کہ احادیث شریف میں ہے حضور انور کی مجلس شریف میں سکون' وقار' ادب و احترام تھا (تفسیر روح البیان) اس جگہ روح البیان نے وجد' رقص' قوالی وغیرہ پر بہت گفتگو کی ہے مگر ان کی یہ گفتگو نقلی بناوٹی رقص اور وجد کے متعلق ہے بعض دل والے صوفیاء جو فنا فی الرسول کے درجہ میں ہیں جن کا وجد غیر اختیاری ہے۔ ان کا حکم جدا گانہ ہے رب تعالیٰ ایسے دل والوں کے متعلق فرماتا ہے **واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع** اور فرماتا ہے **تقشعر منه جلود الذین یخشون ربھم** ان بزرگوں کے لئے قوالی ایسی ہے جیسے مریض کے لئے دوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قوالی وغیرہ دردِ دل کی دوا ہے جسے یہ درد نصیب ہو وہ یہ دوا اپئے بے درد نہ پئے۔ ہم نے اس کی مکمل بحث جاء الحق حصہ اول میں کی ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** کلام بھی رب تعالیٰ کی صفت ہے اس کا انکار کفر ہے یہ فائدہ **لا یکلمھم** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے بچھڑے کی الوہیت کی نفی فرمائی اس کے کلام نہ کرنے سے اگر رب تعالیٰ بھی کلام نہ فرماتا تو وہ بھی **الٰہ** نہ ہوتا۔ **نواں فائدہ:** گناہ پر پچھتانا اپنے کو مجرم سمجھنا رب تعالیٰ سے معافی کی درخواست کرنا ہمارے اسلام میں توبہ ہے کہ گزشتہ دینوں میں صرف یہ کام توبہ نہ تھے۔ یہ فائدہ **ولما سقط۔ قالوا لئن لم یرحمنا** سے حاصل ہوا دیکھو بخاری۔ اسرائیلیوں نے یہ سب کچھ کیا مگر توبہ کے لئے انہیں اپنے کو قتل کے لئے پیش کرنا پڑا۔

پہلا اعتراض: یہ زیور فرعونیوں کا تھا نہ کہ اسرائیلیوں کا اسرائیلی تو ان سے عاریتہ "مانگ کر لائے تھے۔ پھر **حلیھم** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب**: مفسرین نے اس اعتراض کے بہت جواب دیئے ہیں قوی اور آسان جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ زیور بنی اسرائیل کے لیتے وقت تو عاریت تھے مگر فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد اسرائیلیوں کی ملک بن گئے جیساکہ حربی کفار کے مال کا حال ہوتا ہے قرآن کریم ان تمام چیزوں کے متعلق فرماتا ہے **واورثنھاقوما" اخرین**۔ یہ جواب تفسیر کبیر نے دیا۔ **دوسرا اعتراض**: بنی اسرائیل نے شادی کا جھوٹا بہانہ کیوں کیا اور فرعونیوں کا زیور کیوں لیا جھوٹ بولنا پرایا مال دھوکہ سے لینا بہرحال برا ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب تفسیر روح المعانی نے یہ دیا کہ یہ جھوٹ نہ تھا بلکہ یا تو تھا شادی سے مراد تھی خوشی کا دن اور واقعی خوشی غرق فرعون کی سارے اسرائیلیوں کو تھی۔ زیور مانگنے میں بہت حکمتیں تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ فرعونی لوگ اپنا زیور وصول کرنے کے لئے اسرائیلیوں کا پیچھا کریں۔۔ بحر قلزم پر انہیں پائیں اور اس ذریعہ سے ہلاک کئے جائیں ورنہ ممکن تھا کہ فرعون ان کا پیچھا نہ کرتا نیز اس رات اسرائیلی فرعونیوں کے ہاں خدمت کے لئے نہ جائیں بلکہ مصر سے روانہ ہو جائیں فرعونیوں کو رات بھر اطمینان رہے کہ وہ اپنی شادی میں مصروف ہیں یہ سب کچھ حکم رب العالمین سے کیا گیا۔ **تیسرا اعتراض**: اسرائیلی وہ زیور فرعونیوں سے مانگ کر لائے تھے اور عاریت امانت ہوتی ہے جس کا یہ مانگنے والا مالک نہیں ہوتا حضور انور نے ہجرت میں حضرت علی کو ساتھ نہ لیا ان سے فرمایا کہ ان خونخوار کفار کی امانتیں میرے پاس ہیں تم وہ ادا کر کے آنا اور امانت قرض تو حربی کافر کا بھی ادا کیا جاوے گا پھر موسیٰ علیہ السلام نے یہ زیور اسرائیلیوں کے پاس کیوں رہنے دیا۔ **جواب**: چونکہ فرعونی سارے ڈوب کر ہلاک ہو گئے تھے کہ ان کے بچے عورتیں تک ختم کر دیئے گئے تھے تو اب یہ مال امانت نہ رہا بلکہ کفار کا متروکہ مال ہو گیا ایسے متروکہ مال کے مسلمان مالک ہو جاتے ہیں حضور انور اور مسلمان بنی قریظہ اور بنی نضیر کے مالوں کے مالک ہوئے۔ کفار مکہ زندہ تھے لہٰذا ان کی امانتیں ادا کی گئیں۔ کافر حربی کا مال غنیمت اور جبرا" چھینا ہوا اور چھوڑا ہوا یعنی متروکہ مال مسلمان کو حلال ہے۔ **چوتھا اعتراض**: یہ بچھڑا صرف سامری نے بنایا تھا مگر رب نے فرمایا **اتخذقوم موسی** ساری قوم نے نہ بنایا تھا پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جواب ہیں (1) ایک شخص کا کام ساری قوم کی طرف نسبت کیا جا سکتا ہے جیسے کوئی ایک پٹھان ایک کام کرتا ہو تو کہا جاتا ہے کہ پٹھان یہ کرتے ہیں (2) یہاں بنانے سے مراد ڈھالنا گھڑنا نہیں بلکہ اسے معبود بنانا اس کی پرستش کرنا ہے یہ سب نے کیا (3) واقعی بنایا تھا صرف سامری نے مگر بنوایا تھا سب نے چنانچہ سب نے اپنے قبضہ کا زیور اس کے حوالہ کیا بنانے میں اس کی مدد کی اس کے اس کام سے راضی ہوئے لہٰذا سب کو بنانے والا قرار دیا گیا۔ **چوتھا اعتراض**: یہ بچھڑا سچ مچ بچھڑا نہ تھا نہ اس میں زندگی پیدا ہوئی تھی بلکہ بچھڑے کا مجسمہ تھا جیسے آج کل ہندو "لوہے" پتھر" پیتل کی پوری گائے کا مجسمہ بنا کر اس کی پرستش کرتے ہیں اس کی ناک میں سامری نے ایسے سوراخ رکھے تھے کہ اس میں ہوا داخل ہو کر نکلتی تو اس سے سیٹی کی سی آواز نکلتی تھی۔ **نوٹ**: یہ اعتراض معتزلہ کا ہے جو عموما" معجزات و کرامات کے منکر ہیں ایسی باتیں ان ہی کو سوجھتی ہیں (از تفسیر کبیر وغیرہ)۔ **جواب**: یہ آیت کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے قرآن کریم نے اسے عجل یعنی بچھڑا فرمایا بچھڑے کا مجسمہ بچھڑا نہیں کہلاتا۔ نیز اسے جسد افرمایا بچھڑے کا مجسمہ بچھڑے کا جسم نہیں کہلاتا۔ نیز سیٹی کی آواز کو خوار نہیں کہا جاتا۔ خوار خاص گائے کی آواز کو کہتے ہیں نیز سورہ طہٰ میں ہے کہ سامری نے موسیٰ علیہ السلام سے

عرض کیا **فقبضت قبضتہ من اثر الرسول فنبذتھا** میں نے حضرت جبریل کے آثار قدم پر سے ایک مٹھی مٹی لے لی تھی وہ میں نے اس بچھڑے کے منہ میں ڈال دی جس سے معلوم ہوا کہ یہ سارا کرشمہ اس مٹھی بھر مٹی کا تھا نہ کہ ناک کے سوراخوں کا۔ **پانچواں اعتراض**: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مٹھی بھر خاک پڑتے ہی سونا گوشت پوست ہڈیاں، رگیں وغیرہ سب کچھ بن جاوے بچھڑے میں یہ سب چیزیں ہوتی ہیں۔ **جواب**: یہ تبدیلیاں قرآن سے بھی ثابت ہیں اور عقلی دلائل سے بھی۔ حضرت عزیر کا گدھا مٹی ہو چکا تھا مگر آپ کے سامنے وہ پورا گدھا بنا حضرت ابراہیم کے پرندے آپ کے بلانے پر اصل چڑیاں بنے۔ حضرت مریم کے سامنے کھجور کا خشک ڈنڈا آپ کا ہاتھ لگنے سے سبز کھجور بنا اور فوراً اس نے پھل دیئے آج سر کا میل جوں اور چارپائی کا میل کھٹمل بن جاتا ہے۔ حضرت مسیح مٹی کا پرندہ بناتے پھونک مارتے تھے تو اصل چڑیا بن جاتی تھی یہ سارے واقعات قرآن مجید میں صراحتہً مذکور ہیں اللہ تعالیٰ ہر طرح قادر ہے۔ **چھٹا اعتراض**: قبور اولیاء انبیاء بھی نہ کسی سے کلام کریں نہ کسی کو ہدایت دیں وہ بھی سامری کے بچھڑے کی طرح ہیں تم ان پر کیوں سر جھکاتے ہو۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ قرآن مجید کعبہ معظمہ، صفا مروہ پہاڑ، آب زمزم بلکہ خود خدا تعالیٰ نہ ہم سے کلام کرتا ہے نہ براہ راست ہدایت دیتا ہے تم ان کی تعظیم کیوں کرتے ہو۔ **جواب**: تحقیقی یہ ہے کہ گفتگو بچھڑے کو خدا یا معبود ماننے والوں سے ہے تعظیم دوسری چیز ہے۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ رسولوں فرشتوں کے ذریعہ ہم سے کلام کرتا ہے جیسے بادشاہ حکام یا چپڑاسیوں کے ذریعہ ہم سے کلام کرتا ہے۔

ساتواں اعتراض: ساری قوم نے بچھڑا پوج لیا تھا یا اکثر نے اس آیتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سواء جناب ہارون کے سب نے ہی پوجا۔ **جواب**: اس میں دو قول ہیں صحیح قول یہ ہے کہ اکثر نے پوجا تھا تھوڑے لوگ اس سے محفوظ رہے تھے۔ رب فرماتا ہے **ومن قوم موسی امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون** جس سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں قوم موسیٰ کی ایک جماعت حق پر رہی (تفسیر کبیر) نیز توبہ کے لئے پجاریوں کو غیر پجاریوں کے ہاتھوں قتل کرایا گیا اگر سب نے پرستش کر لی ہوتی تو یہ کیونکر ہوتا۔ **آٹھواں اعتراض**: مفسرین **سقط فی ایدیھم** کے معنی کرتے ہیں وہ لوگ شرمندہ ہوئے اس کے معنی تو یہ ہیں کہ گرایا گیا ان کے ہاتھوں میں اس کو شرمندگی سے کیا تعلق۔ **جواب**: قرآن مجید نے یہاں عرب کا ایک خاص محاورہ استعمال فرمایا ہے وہ لوگ ندامت و شرمندگی کے لئے یہ ہی عبارت استعمال کرتے ہیں اس میں **فی بمعنی علی** یعنی جب ان کے سر ان کے ہاتھوں پر گرائے گئے شرمندہ آدمی اپنا سر جھکا کر اپنے ہاتھوں پر رکھ لیتا ہے یا یہ لفظ سقط سے نہیں بلکہ سقط وغیرہ سے ہے۔ دیکھو ہماری تفسیر جو ہم نے ابھی کی بہرحال عرب کا محاورہ استعمال ہوا ہے۔ **نواں اعتراض**: اس آیتہ کریمہ میں بچھڑے کی الوہیت کی نفی کی دو دلیلیں ارشاد ہوئیں۔ اس کا لوگوں سے کلام نہ کرنا اور کسی کو ہدایت نہ دینا اللہ تعالیٰ لوگوں سے کلام نہیں کرتا نہ انہیں ہدایت دیتا ہے ہم نے اس کا کلام کبھی نہیں سنا تو چاہئے کہ وہ الٰہ نہ ہو۔ **جواب**: رب تعالیٰ بواسطہ فرشتہ نبیوں سے اور بواسطہ نبی ہم سب سے کلام بھی فرماتا ہے اور ہدایت بھی دیتا ہے۔ بچھڑے میں یہ کمال کہاں اس آیتہ کی تفسیر وہ آیت ہے **لہ دعوۃ الحق والذین یدعون من دونہ لا یستجیبون لھم** اگر رب ہم سے کلام نہ فرمائے ہم کو ہدایت نہ دے تو ہم سب گمراہ ہو جاویں حضرات انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی ہستی اس کی الوہیت کی دلیلیں ہیں رب وہ ہے جسے حضرات انبیاء کرام

رب کہیں۔ **دسواں اعتراض**: اس آیتہ سے معلوم ہوا کہ چونکہ بچھڑا کلام وہدایت نہیں کرتا اس لئے وہ **الٰہ** نہیں تو حضرات انبیاء کرام ہم سے کلام بھی کرتے ہیں ہم کو ہدایت بھی دیتے ہیں تو چاہئے کہ وہ حضرات الٰہ ہوں۔ **جواب**: آیتہ کریمہ کا منشاء یہ ہے کہ بچھڑا تو تم سے بھی بد تر ہے کہ تم ایک دوسرے سے گفتگو بھی کرتے رہتے ہو اور ایک دوسرے کو راستہ بھی بتاتے رہتے ہو۔ بتوں میں تو یہ بھی قوت وطاقت نہیں وہ بت تو تم پرستش کرنے والوں سے بھی کمزور ہیں پھر تمہارے معبود کیسے بن گئے یہ مطلب نہیں کہ جو کلام کرے راہ دکھائے۔ وہ خدا ہو جائے۔

تفسیر صوفیانہ: یہ بچھڑا دو چیزوں کا مجموعہ تھا فرعونی سونا اور حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے ٹاپ کی خاک۔ یہ خاک بڑی ہی متبرک تھی اس خاک کو سامری منافق نے استعمال کیا کہ یہ بچھڑے کے منہ میں ڈالی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خاک نے اپنا اثر کر دیا کہ سونے کو گوشت و پوست وغیرہ بنا دیا اور اس میں زندگی پیدا کر دی مگر اس کی زندگی سے بنی اسرائیل کے دل مردے ہو گئے یعنی بچھڑے کی زندگی لوگوں کی موت کا باعث بنی کیونکہ سونا فرعون کا صحبت یافتہ تھا اور اس خاک کا استعمال کرنے والا ایک منافق تھا اسی لئے اس سے لوگوں کو ہدایت نہیں ملی گمراہی ملی۔ اگر یہ ہی خاک شریف موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل پر استعمال کرتے تو وہ سب اس کی برکت سے عارف باللہ بن جاتے۔ جس سے پتہ لگا کہ قرآن وحدیث ضرور متبرک ہیں مگر ان کے ذریعہ علم دین ملنے کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ معلم عالم دین ہو عالم بے دین نہ ہو دوسرے یہ کہ طالب علم کی فطرت خراب نہ ہو اگر ان دونوں شرطوں میں ایک میں فرق ہو تو وہ پڑھائے گا قرآن مگر سکھائے گا بے دینی اس کے وعظ و نصیحت سے لوگ دین سے بیگانہ ہو جائیں گے لہٰذا چاہئے کہ علم دین عالم دین سے سیکھو اس بچھڑے کی آواز سے لوگوں کی عقل ماری گئی کہ فقط بے معنی آواز سن کر اسے خدا مان بیٹھے انہوں نے یہ غور نہ کیا اگر ہر آواز دینے والی چیز خدا ہو جاوے تو ہر بانسری اور باجا خدا ہو جاوے۔ موسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے پر ان کی آنکھیں کھلیں **وراوا انھم قد ضلوا** بری اور اچھی صحبتوں کا اثر حیوانات بلکہ نباتات و جمادات پر بھی پڑتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ سامری کے بچھڑے اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی میں بڑا فرق ہے اگرچہ وہ اونٹنی بھی نبی کا معجزہ تھی اور یہ بچھڑا بھی حضرت جبریل کی کرامت مگر وہ اونٹنی حضرت صالح علیہ اسلام کی حمایت ان کی تائید کے لئے تھی۔ مگر یہ معجزہ نبی کے مقابلہ میں بنایا گیا تھا اس لئے بچھڑے کی تعظیم کفر ہوئی اور اونٹنی کی تعظیم ایمان۔ گنگا کا اور زم زم کا پانی دونوں اللہ کی مخلوق ہیں مگر زمزم کی نسبت نبی سے ہے گنگا کی نسبت بتوں سے ایسے ہی جو عالم قرآن وحدیث کے ذریعہ حضور کی اہانت کرے وہ سامری کا بچھڑا ہے جو حضور کی حمایت کرے وہ اونٹنی صالح علیہ السلام کی ہے۔ **سقط فی ایدیھم** کے معنی یہ ہیں کہ ڈالی گئی ہدایت ندامت ان کے ہاتھوں میں یعنی اور رب نے ہدایت بخشی۔ چونکہ ہدایتہ اور دعا کے مقبول الفاظ عرشی نعمتیں ہیں جو فرشی بندوں کو ملتی ہیں اس لئے اسے سقوط فرمایا یعنی گرنا چونکہ اچانک یہ ہدایتہ آئی تھی آہستگی سے نہیں۔ اس لئے نزول نہ کہا چونکہ لینا پکڑنا اکثر ہاتھ سے ہوتا ہے اس لئے **فی ایدیھم** فرمایا یعنی جب انہیں رب کی طرف سے ہدایتہ دی گئی اور معافی مانگنے کے الفاظ القاء کئے گئے تو دل میں وہ شرمندہ ہوئے اور زبان سے انہوں نے یہ الفاظ کہے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ

اور جب لوٹے موسیٰ طرف اپنی قوم کے سخت غصہ میں غمگین فرمایا برا ہے وہ جو پیچھے کیا تم نے

اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف پلٹا غصہ میں بھرا ہوا جھنجھلایا ہوا کہا تم نے کیا بُری جانشینی کی

مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ

میرے میرے پیچھے کیا جلدی کی تم نے حکم سے رب اپنے کے اور ڈال دیں تختیاں اور پکڑا سر

میرے بعد کیا تم نے اپنے رب کے حکم سے جلدی کی اور تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال

یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ۚ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۤ ۖ

اپنے بھائی کا کھینچتے ہوئے انہیں طرف اپنی کہا اے بیٹے میری ماں کے بیشک قوم نے کمزور سمجھا مجھے اور قریب تھے

پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگا کہا اے میری ماں جائے قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ

فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ

کہ قتل کر دیتے مجھ کو پس نہ طعنہ دلاؤ مجھ پر دشمنوں سے اور نہ کرو مجھ کو ساتھ قوم ظالم کے کہا اے رب میرے

مجھے مار ڈالیں تو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا اور مجھے ظالموں میں نہ ملا عرض کی اے میرے

اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۖ ۫ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ ع

بخش دے مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر تو ہم کو اپنی رحمت میں اور تو زیادہ رحم والا ہے سارے رحم والوں سے

رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت کے اندر لے لے اور تو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا ہے

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کی بچھڑا پرستی کا ذکر ہوا اب اس بد عملی کی سزا کے بیان کی تمہید ہو رہی ہے گویا جرم کے ذکر کے بعد اس کی سزا کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت ہارون علیہ السلام کی نرم دلی، تحمل و برداشت کا ذکر ہوا کہ ان کی نرمی طبیعت سے بنی اسرائیل نے غلط فائدہ اٹھایا کہ ان کے موجود ہوتے ہوئے بچھڑا اپنا لیا اسے پوج لیا اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سخت گیری آپ کی ہیبت خداداد کا ذکر ہے کہ آپ کے تشریف لاتے ہی سارے شرک پسند یہودی سیدھے ہو گئے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے وہاں رہنے کے ساتھ بنی اسرائیل کی آپ کے پیچھے بد عملیوں کا ذکر ہوا اب موسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے اور اپنی قوم میں رہنے کے مشاغل کا تذکرہ ہے گویا جناب کلیم اللہ کے جانے کے بعد ان کے آنے کے واقعات کا ذکر ہو رہا ہے کہ گئے تھے انتہائی شوق ذوق میں واپس ہوئے انتہائی غیظ و غضب میں۔

تفسیر: ولما رجع موسی الی قومہ ۔ یہ نیا جملہ ہے لہٰذا واؤ ابتدائیہ لوٹنے سے مراد ہے توریت شریف لے کر واپس

آئے۔ قوم سے مراد ساری وہ قوم ہے جو آپ کے پیچھے فلسطین میں رہ گئی تھی ان میں حضرت ہارون علیہ السلام بھی تھے ان میں پجاری بھی تھے اور اس سے محفوظ رہنے والے حضرات بھی۔ لہٰذا قوم سے مراد سارے بنی اسرائیل ہیں چونکہ آپ اس وقت سیدھے اپنی قوم کے پاس پہنچے تھے۔ پہلے اپنے گھر نہ گئے تھے اس لئے **الی وطنہ یا الی بیتہ** نہ فرمایا نیز اگلا مضمون بھی قوم سے تعلق رکھتا ہے اس لئے قوم ہی کا ذکر کیا **غضبان اسفا** "یہ دونوں رجع کے فاعل موسیٰ سے حال ہیں یا **غضبان** موسیٰ کا حال ہے اور **اسفا** غضبان کا حال۔ غضبان بنا ہے غضب سے **اسفا** بنا ہے **اسف** سے۔ اسی سے ہے **اسیف** حضرت عائشہ صدیقہ نے حضور کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ **ان ابابکر رجل اسیف** اس میں گفتگو ہے کہ غضب اور اسف میں کیا فرق ہے اس کے متعلق چند قول ہیں۔ (۱) غضب ہر غصہ کو کہتے ہیں مگر اسف بہت سخت غصہ کو لہٰذا اسفا بیان ہے غضبان کا۔ غضب اور اسف دونوں بالکل ہم معنی ہیں لہٰذا اسفا تاکید ہے غضبان کی (3) غضب بمعنی غصہ ہے اور اسف بمعنی غم۔ خیال رہے کہ غضب سے غم ہوتا ہے اور کبھی غم سے غضب یعنی اپنی قوم پر آپ کو غصہ بھی تھا اور ان کی حرکت سے غم بھی (4) ماتحت کے عمل پر غضب ہوتا ہے اور اپنے سے اعلیٰ کے عمل پر اسف یعنی رنج و غم موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی حرکتوں پر غصہ ہوا اور خدا تعالیٰ کی ڈھیل پر رنج و غم ہوا (معانی۔ کبیر۔ خازن وغیرہ) یا بچھڑا پوجنے والوں پر آپ کو غصہ آیا اور مومنین کی سستی سے آپ کو غم ہوا یا اس کے برعکس۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ موسیٰ علیہ السلام کے تین حالات بیان فرمادیئے۔ دل کا حال غضبان اسفا۔ زبان شریف کا حال **قال بئسما خلفتمونی** ہاتھ شریف کا حال **والقی الالواح** چونکہ دل بادشاہ ہے باقی اعضاء رعایا دل میں محبت ہو تو زبان سے الفاظ آنکھوں سے نظر اور طرح کی نکلتی ہے اس لئے پہلے دل کا حال بیان ہوا پھر زبان و ہاتھ کا چنانچہ ارشاد ہے **قال بئسما خلفتمونی من بعدی** اس فرمان عالی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس میں خطاب بچھڑے کے پجاریوں سے ہے اس صورت میں **ما** موصولہ ہے اس سے مراد ان کی پرستش ہے معنی یہ ہیں کہ برے ہیں وہ کام جو تم نے میرے پیچھے میری غیر موجودگی میں کئے۔ **خلفتمونی** تم نے میرے پیچھے کئے **من بعدی** میری غیر موجودگی میں۔ یا یہ خطاب ہے حضرت ہارون اور ان کے ساتھی مومنین سے جو اس پرستش سے محفوظ رہے تو **ما** مصدریہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ تم نے میری غیر موجودگی میں میری نیابت بری طرح کی کہ تبلیغ نہ کی۔ بت پرستوں سے نرمی برتی آپ نے طور پر جاتے وقت حضرت ہارون سے کہا تھا **لاخیہ ھرون اخلفنی فی قومی** تفسیر کبیر نے دوسری توجیہ کو ترجیح دی بعض نے پہلی توجیہ کو (روح المعانی وغیرہ) یعنی اے ہارون اور مومنین تم نے قوم کی فطرت بھی دیکھ لی تھی کہ فرعون سے نجات پاتے ہی ایک قوم کو بچھڑا پوجتے دیکھا تو بولے **اجعل لنا الھا کما لھم الھۃ** اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک معبود بنادو جیسے کہ ان کے لئے معبود ہیں اور میری تبلیغ بھی دیکھی تھی کہ میں نے کس طرح انہیں سیدھا رکھا پھر تم نے انہیں پرستش کرنے دی (خازن)۔ نبی کی خلافت دو قسم کی ہوتی ہے وقتی اور دائمی موسیٰ علیہ السلام نے اس موقعہ پر حضرت ہارون وغیرہ کو وقتی خلیفہ کہا تھا آپ کے بعد دائمی خلیفہ یوشع علیہ السلام ہوئے تھے یہاں وقتی خلافت کا ذکر ہے جو چند روزہ تھی۔ **اعجلتم امر ربکم** اس میں خطاب بچھڑا پرستوں سے ہے اس میں الف انکاری بلکہ عتاب کے سوال کا ہے اس عبارت کی ترکیب میں بہت گفتگو ہے روح المعانی نے فرمایا کہ اصل عبارت یوں تھی **عن اعجلتم عجا امر کم ربکم** کیونکہ تعجیل کے بعد **عن** آتا ہے یعنی کیا

تم نے اس چیز سے جلدی کی جس کا تم کو رب نے حکم دیا تھا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتظار۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو طور سے واپسی میں کچھ دیر لگ گئی تو سامری بولا کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی آؤ تم کو خدا میں دکھاتا ہوں اس کی عبادت کرو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں **عجلتم** بمعنی **ترکتم** ہے یعنی کیا تم نے اپنے رب کا حکم چھوڑ دیا۔ خیال رہے کہ عجلت اور سرعت دونوں کے معنی ہیں جلدی مگر وقت سے پہلے کسی کام کو کرنا عجلت ہے اور وقت میں پھرتی سے کام لینا سرعت۔ اسی لئے اکثر عجلت کی برائی کی جاتی ہے اور سرعت کی تعریف ایک شاعر کہتا ہے۔ کہ

تعجیل کار شیاطیں بود!

مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں کبھی عجلت بمعنی سرعت آجاتا ہے کہ **عجلت الیک رب لترضی** یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ **عجلتم** بمعنی **سبقتم** ہے اسی لئے اس کے بعد **عن** نہیں آیا بعض نے فرمایا کہ **عجلتم** بمعنی **ترکتم** ہے اور **امر ربکم** سے مراد ہے ایمان و تقویٰ کا حکم یعنی کیا تم نے اپنے رب کا حکم بہت جلدی چھوڑ دیا کہ چالیس دن کے اندر تم لوگ مرتد' بچھڑے کے پجاری بن گئے **والقی الالواح** یہ عبارت معطوف ہے **قال بئسما** پر قوی یہ ہی ہے۔ اس کا حال ہونا ضعیف ہے **القی** بنا ہے **القاء** سے بمعنی ڈالنا' پٹخنا' پھینکنا۔ الواح جمع ہے لوح کی۔ بمعنی تختی اس سے توریت شریف کی تختیاں مراد ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تختیاں اتنی تھیں جو ہاتھوں میں اٹھائی جاسکتی تھیں اگر ساٹھ ستر اونٹ کا وزن ہوتیں تو ڈالنے یا پھینکنے کی کیا صورت ہوتی ڈالنے میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ آپ نے پھرتی سے رکھیں جو حس میں پھینکنا معلوم ہوا (روح المعانی) پھینکنا حسی تھا نہ کہ حقیقی دوسرے یہ کہ واقعی آپ نے ہاتھ سے گرا ہی دیں مگر توہین کے لئے نہیں بلکہ جوش غضب میں بے اختیاری طور پر یہ کام سرزد ہوا بے خودی میں' اور غصہ محض للہ کے لئے تھا یا سامری پر غصہ آیا کہ اس نے بچھڑا بنایا کیوں۔ یا قوم پر کہ انہوں نے پوجا کیوں۔ یا ہارون علیہ السلام پر کہ انہوں نے لوگوں کو پرستش سے منع کیوں نہیں کیا۔ تیسرا احتمال زیادہ قوی ہے جیسا کہ **اگلے** مضمون سے ظاہر ہے موسیٰ علیہ السلام بہت ہی تیز مزاج تھے حتیٰ کہ سخت غصہ میں آپ کے سر کی ٹوپی جل جاتی تھی (روح المعانی) خیال رہے کہ گرا دینے سے توریت کے سات حصے اٹھائے گئے جن میں **تفصیل کل شی** تھی اور علم غیب تھا صرف ایک حصہ باقی رہا جس میں وعظ و نصیحت' حلال و حرام تھا (خازن۔ مدارک۔ بیضاوی۔ روح المعانی وغیرہ) یہ بات خوب یاد رکھی جائے توریت آئی تھی تو اس میں علوم غیبیہ اور **تفصیل کل شی** بھی تھے مگر جو باقی رہی تو اس میں صرف احکام تھے۔ **واخذ براس اخیہ یجرہ الیہ** یہ عبارت معطوف ہے **القی الالواح** پر اس میں موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے عمل کا ذکر ہے **راس** یعنی سر سے مراد ہے سر کے بال پٹے یا زلفیں۔ **اخیہ** سے مراد ہیں حضرت ہارون علیہ السلام جو آپ کے سگے بھائی تھے آپ سے تین سال عمر میں زیادہ تھے مگر رتبہ موسیٰ علیہ السلام کا بڑا تھا کہ آپ سلطان تھے اور حضرت ہارون وزیر یہاں صرف سر کے بال پکڑنے کا ذکر ہے مگر سورہ طہٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت ہارون کے سر کے بال بھی پکڑے اور ڈاڑھی بھی **قال ابن ام لا تاخذ بلحیتی ولا براسی** خیال رہے کہ اس عمل میں بھی حضرت ہارون کی توہین مقصود نہیں بلکہ جس جوش اور جھنجلاہٹ میں آپ نے توریت کی تختیاں ڈالیں اس جوش میں حضرت ہارون سے یہ سلوک کیا۔ **یجرہ** حال ہے **اخذ** کے فاعل سے۔ یہ بنا ہے **جر** سے بمعنی کھینچنا' گھسیٹنا۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے کوہ

طور پر ہی موسیٰ علیہ السلام کو خبر دے دی تھی کہ بچھڑا سازی سامری نے کی ہے مگر آپ نے حضرت ہارون پر یہ سختی کی اس الزام میں کہ اے ہارون تم نے انہیں ان حرکات سے روکا کیوں نہیں۔ روح المعانی نے فرمایا کہ اس عتاب میں قوم کو ڈرانا مقصود تھا کہ وہ یہ حالات دیکھ کر اپنے کرتوت سے جلد توبہ کریں سوچیں کہ جب حضرت ہارون پر یہ عتاب ہو رہا ہے تو بچھڑا پرستی کرنے والوں کا کیا حال ہو گا یہ توجیہ بہت ہی نفیس ہے حضرت ہارون آپ کے اپنے بھائی تھے بھائی بھی بڑے اور نبی بھی اپنوں پر عتاب دوسروں کے لئے عبرت ہوتا ہے **قال ابن ام** اس عبارت میں **قال** کا فاعل حضرت ہارون ہیں علیہ الصلوۃ والسلام چونکہ آپ موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں اس لئے اس کے معنی ہو سکتے ہیں کہا۔ چونکہ آپ حضرت موسیٰ سے عمر میں بڑے ہیں اس لئے معنی ہو سکتے ہیں فرمایا چونکہ آپ وزیر ہیں اور موسیٰ علیہ السلام سلطان اس لئے معنی ہو سکتے ہیں عرض کیا قرآن مجید میں یہ **قال** ایسا ہے جس میں تین احتمال ہیں ابن سے پہلے یا پوشیدہ ہے اور **ام** کے بعد **ی** متکلم اصل میں **یا ابن امی** تھا ہماری قراءت میں ام میم کے فتح سے ہے ایک قراءۃ میں **ام** میم کے کسرہ سے ہے حضرت ہارون جناب موسیٰ کے حقیقی بھائی ہیں والد کا نام عمران ہے ماں کا نام یوحائذ بنت۔ مصر ابن لاوی ہے بعض نے فرمایا کہ ان کا نام محیانہ ہے یا کہ یار ضایا بازخت بہر حال ہیں حقیقی بھائی مگر صرف ماں کا نام لیا کیونکہ ماں کے نام میں محبت کے جوش مارنے کی تاثیر ہے اس نام سے دل میں محبت و راحت کا دریا جوش مارنے لگتا ہے غصہ ختم ہو جاتا ہے اردو گیتوں میں بھائی کو ماں جایا بلکہ میا جایا کہا جاتا ہے جیسے رسول کا نام محبت کا سرچشمہ ہے کسی مسلمان سے لڑائی میں کہہ دو اے میرے رسول کے امتی دیکھو پھر کیا نظارہ ہوتا ہے کیونکہ ماں کے سینہ سے دودھ ملا ہے حضور انور کے سینہ سے قرآن و ایمان ملا ہے بلکہ رب تعالیٰ کو مہربان کرنے کے لئے حضور کا نام اکسیر ہے۔ اس نام کی تاثیر ہے ملانا نام مبارک میں دو میم ہیں جس سے دونوں ہونٹ مل جاتے ہیں حضور مخلوق کو خالق سے اور مخلوق میں بعض کو بعض سے ملاتے ہیں حضرت سفینہ کے سامنے جب شیر غرا کر آیا تو آپ نے شیر سے کہا **انا مولی رسول اللہ** (مشکوٰۃ) صرف اس خطاب سے ہی موسیٰ علیہ السلام کا جوش ختم ہو گیا **ان القوم استضعفونی**۔ یہ ہے **قال** کا اصل مقولہ قوم سے مراد بچھڑے کے پجاری اسرائیلی ہیں نہ کہ مومنین۔ پجاری بہت زیادہ تھے مومنین بہت تھوڑے استضعاف کے معنی ہیں کسی کو کمزور سمجھنا خواہ وہ واقع میں کمزور ہو یا نہ ہو حضرت ہارون واقع میں بہت قوی تھے کہ اللہ کے نبی تھے مگر ظاہری اسباب جماعت جتھا ان بچھڑا پرستوں کے پاس زیادہ تھا اس لئے انہوں نے حضرت ہارون کو کمزور محسوس کیا **وکادوا یقتلوننی** یہ عبارت معطوف ہے **استضعفونی** پر اور کمزور سمجھنے کا نتیجہ بیان کر رہی ہے یعنی میں نے انہیں بت پرستی سے روکا تو وہ میرے دشمن ہو گئے میرے قتل کے درپے ہو گئے **فلا تشمت بی الاعداء**۔ **تشمت** بنا ہے **شماتت** سے جس کے معنی ہیں دشمن کی مصیبت پر خوشی یا طعنہ۔ اعداء سے مراد وہ بچھڑا پرست اسرائیلی ہیں اگرچہ وہ لوگ حضرت ہارون کے عزیز و قرابت دار تھے مگر کفر و شرک کی وجہ سے آپ نے انہیں دشمن کہا یعنی اے بھائی میرے ذریعہ دشمنوں کو نہ خوش کرو یا انہیں طعنہ دینے کا موقعہ نہ دو انہیں مجھ پر نہ ہنساؤ کہ وہ سمجھیں کہ حضرت ہارون کے بھائی بھی ان پر ناراض ہو گئے۔ بھائیوں میں چل گئی اس سے میرا وقار ان کی نظر میں اور بھی کم ہو جائے **ولا تجعلنی مع القوم الظلمین** یہ عبارت معطوف ہے **لا تشمت** پر یعنی اے بھائی مجھے عتاب میں ظالم قوم کا ساتھی نہ بناؤ کہ ان کے ساتھ مجھ پر بھی عتاب کرو۔ خیال رہے کہ یہاں ہمراہی صرف عتاب میں مراد ہے عقیدہ یا اعمال میں

امرائی مراد نہیں یا یہ مطلب ہے کہ آپ مجھے ظالمین میں سے نہ سمجھیں کہ میں نے تبلیغ نہ کر کے اپنے پر ظلم کیا اور ان بت پرستوں نے بت پرستی کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اے بھائی واقعہ یہ نہیں ہے (معانی) کبھی جعل ۔ معنی سمجھنا بھی آتا ہے رب فرماتا ہے **وجعلوا الملئکۃ الذین ھم عباد الرحمن**۔ اب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جلال اور حضرت ہارون کے ملال کا اثار فرمانے کا ذکر ہوا کہ آپ نے ماں کا نام لیا' ابن ام اب اس اثار کے نتیجے کا ذکر ہو رہا ہے کہ ماں کا نام سنتے ہی حضرت موسیٰ کا جلال جمال میں تبدیل ہو گیا بجائے غضب کے رحمت کا دریا جوش مارنے لگا چنانچہ ارشاد ہوا۔ **قال رب اغفر لی ولاخی** یہ موسیٰ علیہ السلام کا فرمان بطور جواب ہے آپ نے حضرت ہارون سے کوئی معذرت نہ کی بلکہ انہیں اپنی دعامیں شامل کر کے ان کو جواب بھی دے دیا اور ان کے زخمی دل پر مرہم بھی رکھ دیا اللہ کا نام زخمی دلوں کا مرہم ہے۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

اے بہ یادت نالہ مرغ سحرا — اے کہ نامت مرہم زخم جگر

غرضکہ خدا کا نام نبی کی دعا مرحم زخم جگر ہوتی ہے رب فرماتا ہے **ان صلوتک سکن لھم** حضور کی دعا سے دلوں کو چین و سکون ملتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اس موقعہ پر نہ آپ سے کوئی گناہ ہوا نہ حضرت ہارون سے حضرات انبیاء کرام کا دعا مغفرت فرمانا امت کو تعلیم دینے کے لئے ہوتا ہے نیز۔

عابداں از گناہ توبہ کنندا — عارفاں از عبادت استغفار

نیز اس دعا سے تمام قوم کو بتادیا کہ آپ اپنے بھائی پر ناراض نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے یہ دعا بلند آواز سے مانگی جو حضرت ہارون نے بھی سنی اور قوم نے بھی۔ جسے سن کر حضرت ہارون کو تسلی ہوئی دشمنوں کو مایوسی بعض موقعہ پر اونچی آواز سے دعا کرنا اچھا ہے۔ عام حالات میں آہستہ رب فرماتا ہے **ادعوا ربکم تضرعا وخفیتہ۔ وادخلنا فی رحمتک** یہ عبارت معطوف ہے **اغفر لی** پر اور یہ دوسری دعا ہے۔ رحمت سے مراد کوئی خاص رحمت ہے یا بلندی درجات یا خصوصی قرب ہے ورنہ ایمان 'عرفان 'نبوت 'کتاب الہیٰ کی عطاء 'کلام الہیٰ کی عزت تو آپ کو پہلے ہی سے حاصل تھیں۔ اس دعا میں اپنے اور حضرت ہارون کے لئے ایک ہی ضمیر سے دعا کی گئی **ادخلنی واخی** نہ فرمایا جس سے بے انتہا مہربانی ظاہر ہوتی ہے **وانت ارحم الرحمین**۔ یہ دعا کا تتمہ ہے کہ دعا کو حمد الہیٰ پر ختم کیا تاکہ پتہ لگے کہ دعا کے بعد حمد سنت انبیاء ہے یعنی اے مولیٰ تیرے بہت سے بندے رحمت و کرم کا پیکر ہیں۔ ماں باپ بعض دوست 'خویش و اقارب رحیم ہوتے ہیں مگر تو تمام رحیموں سے بڑھ کر رحمت والا ہے کہ سب کی رحمتیں محدود ہیں۔ تیری رحمت غیر محدود اسی لئے ہم تجھ سے یہ دعائیں کر رہے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ادھر قوم کی بچھڑا پرستی کا حال تم نے سن لیا ادھر موسیٰ علیہ السلام کا حال سنو آپ طور سے اپنی قوم اسرائیلیوں کی طرف غصہ میں بھرے ہوئے جھنجلائے ہوئے لوٹے کیونکہ اس واقعہ کی اطلاع انہیں طور پر ہی مل چکی تھی آپ نے اولاً کافر یا مومن قوم سے خطاب کیا فرمایا تم نے میرے پیچھے جو کام کئے وہ بہت ہی برے ہیں یا اے مومن اسرائیلیو تم نے میرے پیچھے میری نیابت بڑی بری طرح کی کہ میری طرح بت پرستوں کو تبلیغ نہیں کی۔ کیا تم لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے جلد بازی کی کہ میرے واپس آنے کا انتظار نہیں کیا یہ فرمایا اور سخت غصہ کی حالت میں توریت کی تختیاں ڈال دیں اور ادھر اپنے بھائی

ہارون کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچے کہا کہ تم نے بت پرستی روکنے میں سستی کیوں کی۔ جناب ہارون نے کہا اے میرے ماں جائے پہلے میری بات تو سن لے میں نے تبلیغ میں بالکل سستی نہیں کی قوم نے مجھے بہت ہی کمزور سمجھا۔ میری جان کے پیچھے پڑ گئے وہ تو مجھے قتل ہی کرنے لگے تھے اب تم تو مجھ پر ان دشمنوں کو نہ ہنساؤ کہ تمہاری باتیں سن کر لوگ کہیں گے کہ دونوں بھائیوں میں چل گئی مجھے ان ظالموں کا ساتھی نہ بناؤ میں نے کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ مولیٰ مجھے بھی بخش دے اور میرے اس بھائی کو بھی اور ہم دونوں کو اپنی خصوصی رحمتوں میں داخل فرما ہماری خطاؤں سے درگذر فرما تو سارے رحم والوں سے بڑھ کر رحم والا ہے ہم پر رحم کر تیری رحمت سے کوئی بے نیاز نہیں اور تیری رحمت کسی سے دور نہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ کے لئے غصہ کرنا سنت انبیاء ہے اس پر بڑے اجر و ثواب کی امید ہے موسیٰ علیہ السلام کا یہ غیظ و غضب خالص اللہ تعالیٰ کے لئے تھا **الحب للہ والبغض للہ** بڑی عبادت ہے یہ فائدہ **غضبان اسفا** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** صرف اپنی اصلاح کافی نہیں دوسروں کو ہدایت دینا بھی ضروری ہے یہ فائدہ **بئسما خلفتمونی** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ یہ خطاب مومنین سے ہو۔ **تیسرا فائدہ:** اصحاب موسیٰ علیہ السلام سے حضور انور کے صحابہ افضل ہیں یہ فائدہ **بئسما خلفتمونی من بعدی** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس میں خطاب بچھڑا پرستوں سے ہو۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کو صرف دس دن کی دیر لگی تو آپ کے ساتھ رہنے والے اسرائیلی بت پرست بن گئے۔ حضور سید عالم ﷺ بارہا عرصہ تک مدینہ منورہ سے باہر رہے مگر صحابہ کرام کی کسی عبادت میں فرق نہ آیا۔ حضور کی وفات کے بعد صحابہ نے ہی اسلام کو سنبھالا اسے پھیلایا جس کی مثال نہیں ملے گی۔ خلافت حیدری میں صحابہ میں اجتہادی خطا کی بنا پر جنگیں ہوئیں مگر کوئی عقیدہ اسلامیہ سے نہ پھرا ان جنگوں میں بھی **رحماء بینھم** کی جھلک تھی اس کے لئے ہماری کتاب امیر معاویہ کا مطالعہ کرو۔ **چوتھا فائدہ:** جوش اور بے خودی کی حالت کے افعال پر شرعی احکام مرتب نہیں ہوتے۔ دیکھو توریت شریف کتاب تھی اس کی تختیاں قابل احترام تھیں ان کی توہین خلاف ایمان مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ گرادیں اور رب کی طرف سے عتاب نہ ہوا کہ یہ سب کچھ جوش اور بے خودی میں ہوا اور وہ جوش اور بے خودی رب کے لئے تھی۔ ایک صحابی نے نماز مغرب کی امامت کی نشہ میں تھے۔ سورہ کافرون کی تلاوت کی اور چاروں جگہ **لا** چھوڑ گئے جس سے معنی کفریہ بن گئے مگر اس پر کچھ عتاب نہ ہوا صرف یہ فرمایا گیا کہ آئندہ نشہ میں نماز کے قریب بھی نہ جانا یہ امام حضرت علی تھے رضی اللہ عنہ۔ یہ رعایت کیوں ہوئی اس لئے کہ بے خود بے ہوش تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے　　　اس میں روضہ کا سجدہ ہو کہ طواف

لہذا مجذوب فقیروں کے اقوال و اعمال پر پکڑ نہیں ان کے جذب والے اقوال و اعمال نہ کرو یہ واقعہ اس قاعدے کی اصلی دلیل ہے۔ خیال رہے کہ کہ اللہ کے رسول' اللہ کی کتاب سے افضل ہوتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام توریت کی تختیوں سے افضل تھے۔ کلام اللہ اور کتاب اللہ کا فرق یاد رکھو۔ **پانچواں فائدہ:** بادشاہ' وزیر کو' ماں باپ اولاد کو استاد شاگرد کو پیر مرید کو اگر بے قصور بھی سزا دے دیں تو ان پر قصاص لازم نہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون پر بلا قصور سختی کی مگر بعد میں نہ ان

سے معافی مانگی نہ انہیں قصاص دیا نہ رب نے ان چیزوں کا حکم دیا صرف دعا میں انہیں شریک کرلیا۔ ایسی حالت میں چھوٹے بڑے کا فرق بھی اٹھ جاتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام جناب موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں تین سال بڑے تھے مگر واقعہ یہ پیش آگیا۔ ایوب علیہ السلام نے اپنی بے قصور بیوی یعنی رحمت کو سو کوڑے مارنے کی قسم کھالی جب تندرست ہوئے تو رب نے فرمایا **وخذ بيدك ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث** آپ انہیں جھاڑو مار دو قسم نہ توڑو۔ اس سختی پر عتاب نہ فرمایا۔ **چھٹا فائدہ:** ماں کے نام میں عجیب تاثیر ہے اس نام سے دل میں محبت جوش مارتی ہے کیونکہ ماں نے بچپن میں اپنا دودھ پلایا ہوتا ہے اس دودھ کی یہ تاثیر ہے۔ یہ فائدہ ابن ام فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضرت ہارون نے جناب موسیٰ کا غصہ دور کرنے کے لئے انہیں ام' ماں کی طرف نسبت کیا نہ تو **اخی** کہا نہ **ابن ابی** نہ نام لیا اس وجہ سے کہ ماں کا حق زیادہ ہے ماں کی رضا میں رب تعالیٰ کی رضا ہے۔

حکایت: حضور انور کے زمانہ میں ایک شخص کی جان کنی کا وقت آیا تو اس کی زبان سے کلمہ طیبہ نہ نکل سکا۔ لوگوں نے بارگاہ نبوت میں یہ ماجرا عرض کیا۔ حضور انور تشریف لائے آتے ہی کلمہ پڑھانے کی کوشش کی مگر زبان نے کام نہ کیا حضور انور نے پوچھا کہ کیا یہ نماز روزے میں سستی کرتا تھا عرض کیا گیا کہ وہ ان کا بہت ہی پابند تھا فرمایا کہ یہ اپنے ماں باپ کا نافرمان تو نہ تھا لوگوں نے کہا ہاں نافرمان تھا۔ فرمایا اس کی ماں کو بلاؤ وہ آئی ملاحظہ فرمایا کہ وہ کانی اور بہت بوڑھی تھی حضور انور نے فرمایا اپنے اس بیٹے کو معافی دے دے وہ بولی میں معاف نہ کروں گی اس نے مجھے بہت ستایا ہے مجھے طمانچہ مار کے کانا کردیا۔ فرمایا اچھا لکڑیاں اور آگ لاؤ ہم اسے جلائیں گے اس بوڑھی کے سامنے۔ کیونکہ تو اسے معاف نہیں کرتی وہ بولی حضور میں نے معاف کیا میں نے معاف کیا میں نے اسے نو ماہ پیٹ میں رکھا دو سال دودھ پلایا اس لئے نہیں کہ یہ میرے سامنے آگ میں جلے ماں کا یہ کہنا تھا کہ مرنے والے کی زبان پر کلمہ جاری ہوگیا (روح البیان) دوستو جب ماں جس کی رحمت اولاد پر معمولی سی ہے اپنے بچہ کو آگ میں نہیں جلنے دیتی تو رب ارحم الراحمین ہے امید ہے کہ ہم گنہگاروں کو آگ میں نہیں جلائے گا معافی دے گا۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

لطف خدا بیشتر از جرم ماست نکتہ سربستہ چہ دانی خموش
ولا طمع مہر از لطف بے نہایت دوست کہ مہر سرمہ رالطف بے نہایت او

(روح البیان)

ساتواں فائدہ: جب حالات ہوں اور جان کا خطرہ ہو تو تبلیغ نہ کرنا گوشہ نشینی اختیار کرلینا بھی جائز ہے یہ فائدہ **وكادوا يقتلوننى** سے حاصل ہوا دیکھو ہارون علیہ السلام نے جب حالات بگڑتے دیکھے تو بچھڑا پرستوں سے علیحدگی اختیار کرلی اور آپ کے اس عمل پر اعتراض نہیں کیا گیا۔ **آٹھواں فائدہ:** رعب و دبدبہ رب کی طرف سے کسی کسی کو ملتا ہے دیکھو قوم اسرائیل حضرت ہارون علیہ اسلام سے نہ دبی بلکہ ان کے مقابلہ میں آگئی مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایسی مرعوب ہوئی کہ آپ نے ان کا بنایا پوجا ہوا بچھڑا ان کے سامنے جلا دیا مگر وہ خاموش دیکھتے رہے انہیں حکم دیا کہ اپنے کو قتل کے لئے پیش کردو تو سب ہی گردنیں پیش کرکے بیٹھ گئے جیسا کہ پہلے پارہ میں گزر چکا یہ تھا رعب و دبدبہ کلیم اللہی۔ ہمارے حضور کا رعب مومن کے دل میں اب تک ہے بڑے بڑے بہادر نام پاک سن کر کانپ جاتے ہیں۔ مدینہ منورہ کی حاضری کے موقعہ پر پہلے سلام شریف میں

بڑے بڑوں کے حواس گم ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ حضور کا رعب ہر مومن کے دل میں اور بھی زیادہ کرے۔ علماء کو چاہئے کہ ہمیشہ حضور کی شان امت کو سنایا کریں تاکہ دلوں میں ہیبت پیدا ہو اسی ہیبت پر ایمان کی بنیاد قائم ہے۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو محبوبیت کا معجزہ بھی دیا **تھا والقیت علیک محبۃ منی** اور رعب کا بھی جو یہاں مذکور ہے مگر یہ دونوں معجزے ان کی حیات شریف تک تھے حضور کے یہ دونوں معجزے اب تک ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ جس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ **نواں فائدہ:** اسلامی بادشاہ حکام 'سید' استاد حتی کہ ہر گھر بار والا آدمی حضور انور کا خلیفہ ہے ہر شخص غور کرے کہ میں نے حضور انور کی اچھی خلافت کی یا بری خلافت اگر خود بھی ٹھیک رہا اور اپنے بال بچوں ماتحتوں کی اصلاح بھی کی تو اچھا خلیفہ ہے اگر ان باتوں سے غافل رہا تو برا خلیفہ یہ فائدہ **بئسما خلفتمونی** سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** دعا عام بھی کرنی جائز ہے اور خاص بھی مگر سنت یہ ہے کہ ابتدا اپنے سے کرے یہ فائدہ **رب اغفر لی ولاخی** سے حاصل ہوا۔ حضرت خلیل نے دعا کی **رب اغفر لی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب۔** **گیارہواں فائدہ:** دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ شروع بھی کرے رب تعالیٰ کی حمد سے اور ختم بھی کرے حمد پر دو طرفہ حمد ہو بیچ میں عرض مدعا ہو۔ یہ فائدہ **رب** اور آخر میں **انت ارحم الراحمین** فرمانے سے حاصل ہوا پھر حمد الہٰی کرے جو اپنے مدعیٰ کے مطابق ہو۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے رب سے مغفرت مانگی تو ربوبیت 'رحمت سے اس کی حمد کی اگر کسی پر بددعا کی جاوے تو القہار الجبار کہا جاوے۔ **بارھواں فائدہ:** مرتد و کافر مومن کے دشمن ہیں اگرچہ رشتہ دار قرابتہ والے ہی ہوں۔ یہ فائدہ **فلا تشمت بی الاعداء** سے حاصل ہوا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے بچھڑا پرست اسرائیلیوں کو دشمن کہا حالانکہ وہ لوگ آپ کے ہم نسب تھے۔ **تیرھواں فائدہ:** جیسے ماں باپ کو اپنی اولاد کی جسمانی تکلیف سے دکھ ہوتا ہے یوں ہی نبی کو امتی کے گناہوں سے رشتہ روحانی کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے۔ یہ فائدہ اس آیت سے حاصل ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی بچھڑا پرستی دیکھ کر بہت ہی صدمہ ہوا۔ فرماتا ہے **عزیز علیہ ما عنتم** جیسے روح کو جسم پر عضو کی تکلیف کی خبر ہے یوں ہی حضور کو امتی کے ہر دکھ درد کی خبر ہے۔ ابھی آخر جولائی 1971ء میں امریکہ نے اپالو پندرہ چاند پر بھیجا جس میں تین آدمی ہیں چاند زمین سے دو لاکھ چھیاسٹھ ہزار میل ہے مگر وہاں سے امریکہ والے ان کے دلوں کی دھڑکن کی آواز سن رہے ہیں ان کے لباس میں سوراخ ہو گیا وہ سو رہے تھے انہیں امریکہ سے جگایا اور بتایا کہ تمہارے کپڑے میں سوراخ ہو گیا۔ آکسیجن ضائع ہو رہی ہے یہ ہے نار اور سائنس کی طاقت تو نبی کے نور کی طاقت کیسی ہو گی۔

پہلا اعتراض: توریت شریف کلام الہٰی ہے اس کی بے ادبی کفر ہے اس کی تختیاں پٹخنا اس کی سخت بے ادبی ہے پھر موسیٰ علیہ السلام نبی نے یہ کام کیوں کیا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو پٹخنا کفر ہے۔ **جواب:** قرآن مجید کو پٹخنا تو البتہ کفر ہے جبکہ توہین کی غرض سے ہو وہاں یہ خیال بھی نہ تھا۔ آپ کا یہ عمل جوش غضب میں ہوا جب کہ آپ بے خود ہو گئے تھے ایسی حالت میں شرعی احکام جاری نہیں ہوتے۔ **دوسرا اعتراض:** حضرت ہارون علیہ السلام نبی ہیں اور نبی کی ادنیٰ توہین کفر ہے پھر موسیٰ علیہ السلام نے ان کی توہین کیوں کی نیز وہ موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی ہیں بڑے بھائی کا احترام ضروری ہے۔ **جواب:** اس کا جواب وہی ہے جو ابھی پہلے اعتراض کے جواب میں عرض کیا گیا کہ ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے نیز موسیٰ علیہ السلام درجہ میں

حضرت ہارون سے بڑے ہیں کہ جناب ہارون صرف نبی ہیں مگر آپ نبی بھی ہیں رسول بھی صاحب کتاب بھی صاحب معجزات بھی کلیم اللہ بھی۔ نیز آپ سلطان ہیں حضرت ہارون وزیر۔ آپ ہی کی دعا سے جناب ہارون نبی ہوئے ان وجوہ سے آپ بڑے ہیں اگر بڑا چھوٹے پر سختی کرے تو اس میں اس کی توہین نہیں ہوتی۔ **تیسرا اعتراض**: اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام اصل واقعہ سے بے خبر تھے ورنہ آپ بجائے سامری کے بے قصور بھائی پر غصہ کیوں کرتے معلوم ہوا کہ آپ کو علم غیب نہ تھا۔ **جواب**: قرآن کریم فرمارہا ہے کہ آپ کو سارے واقعہ کا علم کوہ طور پر ہی ہو چکا تھا۔ رب تعالیٰ نے آپ کو خبر دے دی تھی کہ **اضلهم السامری** انہیں سامری نے گمراہ کر دیا آپ کا حضرت ہارون سے یہ برتاؤ دوسروں کو دکھانے دھمکانے ڈرانے کے لئے تھا کہ جب بے قصور بھائی پر آپ اس درجہ ناراض ہیں صرف تبلیغ میں کوتاہی کے احتمال سے پھر ہمارا کیا حال ہو گا۔ ہم تو بڑے ہی مجرم ہیں یا یوں کہو کہ جیسے توریت کی تختیوں کا گرادینا انتہائی جوش میں ہوا ایسے ہی یہ عمل بھی اسی وجہ سے ہوا۔ **چوتھا اعتراض**: تم نے کہا کہ استاد سے شاگرد کا پیر سے مرید کا باپ سے اولاد کا نبی سے امتی کا قصاص نہیں لیا جاتا مگر حدیث شریف سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی کے سامنے اپنے کو قصاص کے لئے پیش فرمایا کہ تو مجھ سے اپنا بدلہ لے لے۔ وہ حدیث تمہارے اس قول اور قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب**: حضور انور کا اپنے کو قصاص کے لئے پیش فرمانا انتہائی عدل کا اظہار اور امت کی تعلیم کے لئے ہے وہاں بھی آپ پر قصاص لازم نہ تھا خود اپنے کو پیش فرمادیا بطور تبرع قصاص لازم ہونا اور چیز ہے غیر لازم چیز کو اختیار فرمانا کچھ اور۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے قوم کی بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر اپنی جان کا خطرہ محسوس فرما کر خاموشی اور گوشہ نشینی اختیار کی قوم کو شرک و بت پرستی کرنے دی مگر حضرت زکریا و یحیی علیہما السلام نے تبلیغ احکام کرتے ہوئے شہادت اختیار کر لی کہ اس زمانہ کا بادشاہ اپنی سوتیلی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا تھا آپ نے اسے روکا اور شہید کر دیئے گئے ان انبیاء کرام کے عملوں میں یہ فرق کیوں ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حضرت زکریا و یحیی علیہما السلام نے عزیمت پر عمل کیا اور حضرت ہارون نے رخصت پر دونوں جائز ہیں اور یہ سارے حضرات اللہ کے پیارے ہیں دوسرے یہ کہ حضرت زکریا و یحیی علیہما السلام سے بادشاہ نے اس نکاح کے جواز کا فتویٰ مانگا تھا جو آپ نے نہ دیا بلکہ اسے حرام ہی کہا اور شہید کر دیئے گئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے بھی زبانی تبلیغ برابر کی بت پرستی کی حمایت نہ کی ہاں ان بت پرستوں سے جنگ نہیں کی کیونکہ جہاد کے اسباب آپ کے پاس نہ تھے۔ لہذا ان دونوں بزرگوں کے عمل میں کوئی فرق نہیں۔ عزیمت اور رخصت کا فرق ہمارے فتاویٰ میں ملاحظہ کرو۔ **چھٹا اعتراض**: جہاد کے اسباب تو موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی نہ تھے آپ بھی ساری قوم کے سامنے گویا اکیلے ہی تھے پھر آپ نے بت پرستی کیسے بند کر دی یہی کام حضرت ہارون نے کیوں نہ کیا۔ **جواب**: موسیٰ علیہ السلام کا رعب اور دبدبہ خاص عطیہ ربانی تھا آپ کی ہیبت سے وہ لوگ مرعوب ہو گئے حتیٰ کہ آپ نے بچھڑا ان کے سامنے ذبح کیا اسے جلا کر راکھ بنا کر ہوا میں اڑا دیا دریا میں بہادیا۔ سامری اور ساری قوم دیکھتی رہی کچھ نہ بولی بلکہ سب نے آپ کے فرمان پر اپنے کو قتل کے لئے پیش کر دیا یہ تھی ہیبت کلیم اللہی علیہ الصلوۃ والسلام۔ **ساتواں اعتراض**: اگر یہ دونوں حضرات بالکل حق بجانب تھے کسی سے کوئی قصور سرزد نہ ہوا تھا تو دعاء مغفرت کے کیا معنی کہ عرض کیا۔ **رب اغفر لی ولاخی** معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون سے بھی گناہ ہوا کہ قوم کو

بت پرستی سے نہ روکا اور موسیٰ علیہ السلام سے بھی کہ انہوں نے اپنے بڑے بھائی کو ذلیل کیا اور توریت کی تختیاں پٹک دیں۔

نوٹ ضروری: آج کل بعض بے دین عصمت انبیاء کے منکر ہیں یہ اعتراض انہیں کا ہے وہ لوگ بڑی بدتمیزی سے یہ اعتراض کرتے ہیں۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی' دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر گناہ کر کے ہی استغفار پڑھی جاتی ہے تو ہم ہر نماز کے آخر میں سلام سے پہلے پڑھتے ہیں **رب اغفرلی ولوالدی** اور روزہ افطار کے وقت پڑھتے ہیں۔ **اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت فاغفرلی ماقدمت وما اخرت** حج کے ہر رکن کے ادا کے وقت استغفار پڑھی جاتی ہے تو چاہئے کہ نماز روزہ حج وغیرہ ساری عبادات گناہ ہو جائیں نیز حضور ﷺ استنجاء سے فارغ ہونے پر استغفار پڑھتے تھے بلکہ ہر مجلس میں سو سو بار استغفار پڑھتے تھے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ۔

زاہداں از گناہ توبہ کنند! عارفاں از اطاعت استغفار!

حضرات **انبیاء** کرام کی دعاء مغفرت گناہوں کی بنا پر نہیں ہوتی اس کی اور صدہا وجہیں ہوتی ہیں ورنہ حق العبد کی معافی خود حق والے سے مانگی جاتی ہے صرف استغفراللہ کہنے سے اس کی معافی نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جناب ہارون سے معافی مانگنا پڑتی یا انہیں قصاص دینا لازم ہوتا صرف **رب اغفرلی** فرمانا کافی نہ ہوتا یہ جواب خوب اچھی طرح سمجھ لو۔ خلاصہ یہ ہے کہ استغفار کی چند صورتیں ہوتی ہیں (1) گناہ کر کے معافی مانگنا (2) نیکی کر کے معافی مانگنا کہ خدایا یہ نیکی تیری بارگاہ کے لائق نہیں ہوئی (3) ایسے ہی عام حالات میں استغفار پڑھتے رہنا حتی کہ صبح کو 70 بار استغفار پڑھنا گھر میں اتفاق اور رزق میں برکت کا ذریعہ ہے (4) کسی کو دعا دینے اسے خوش کرنے کے لئے دعاء مغفرت کرنا یعنی دعا دے کر اسے راضی کرنا یہاں چوتھی قسم کا استغفار ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جب بندے کو اللہ تعالیٰ سے بہت قرب ہو جاتا ہے تو معاملہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ جرم کرتے ہیں رب کا اور غصہ آتا ہے بندہ کو بندہ اپنے رب کی طرف سے بدلہ خود لیتا ہے۔ دیکھو ان **بچھڑا پرست** اسرائیلیوں نے شرک کر کے رب کا جرم کیا تھا مگر غیظ و غضب کسے ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسکے برعکس جب کوئی قوم جرم کرتی ہے اس بندے کا تو غضب ہوتا ہے رب تعالیٰ کو فرماتا ہے **فلما اسفونا انتقمنا منھم** اور فرماتا ہے **لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** یہاں تک کہ **ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون** دیکھو انسان بے ادبی کرے حضور انور کی اور اعمال ضبط کرے رب تعالیٰ یوں ہی جو قوم راضی کرتی ہے اس کے بندہ کو تو انعام دیتا ہے خدا تعالیٰ۔ فرماتا ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم** میری اتباع کرو رب تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

منبر و محراب سازم بہر تو! در محبت قہر من در قہر تو

یہ غیظ و غضب رب تعالیٰ کو بہت ہی محبوب ہے کہ یہ **البغض للہ** اور **الغیظ للہ** ہوتا ہے اس غصہ و غضب کی حالت میں جو فعل اس بندہ خاص سے سرزد ہوتے ہیں وہ بھی خدا کو پیارے ہوتے ہیں کہ یہ سب اس پیارے بندے کی ادائیں ہوتی ہیں اور پیاری کیفیت میں سرزد ہوتی ہیں۔ دیکھو حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے اسی **الغضب للہ** کی حالت میں توریت کی تختیاں بھی پھینک دیں اور حضرت ہارون نبی اللہ کے ساتھ یہ مذکورہ معاملہ بھی کیا مگر رب تعالیٰ کو جناب کلیم اللہ کے یہ اعمال ایسے

محبوب ہوئے کہ انہیں بغیر تردید و ملامت قرآن کریم میں نقل فرمایا یہ نقل محبوبیت کی علامت ہے۔ رب کے پیارے بندوں کو منالو رب راضی ہو جاتا ہے۔ اور اس منانے والے کے جرموں پر نظر نہیں فرماتا بلکہ اس کی نسبت پر نظر فرماکر مہربانی ہی کرتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نبی کو ضعیف و کمزور سمجھنا کفار کا طریقہ ہے اور ایسا سمجھنے والے رب کے دشمن ہیں۔ دیکھو اس آیت میں **استضعفونی** فرماکر انہیں دشمن قرار فرمادیا **فلا تشمت بی الاعداء** یہ ہی اسرائیلی دشمن نبی قرار دیئے گئے۔

حکایت: ایک فاحشہ عورت اپنے یار کے ساتھ بازار میں جارہی تھی۔ سڑک پر کیچڑ تھی سامنے سے ایک مست فقیر ننگے پاؤں آ رہا تھا جب وہ اس کے پاس سے گزرا تو کیچڑ کی چھینٹیں اس فاحشہ کے کپڑوں پر پڑیں اس کے یار نے اس مست کو طمانچہ مارا مست کو خبر بھی نہ ہوئی۔ جب یہ دونوں اپنے گھر کی چھت پر چڑھنے لگے تو اس کے یار کا پاؤں پھسلا گر کر مرگیا۔ کسی نے اس مست سے کہا کہ تو نے تو خون کردیا تجھے طمانچہ مارنے والا گر کر مرگیا۔ مست بولا اس میں تعجب کی کیا بات ہے فاحشہ کے کپڑے خراب ہوئے تو اس کے یار کو غصہ آیا۔ جب اس نے مجھے مارا تو میرے یار میرے پروردگار کو غضب آیا اس نے بدلہ لے لیا یہ تو یاروں کا

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ
تحقیق وہ لوگ کہ بنایا جنہوں نے بچھڑا عنقریب پہونچے گا انہیں غضب طرف سے ان کے رب کے اور خواری
بیشک وہ جو بچھڑا لے بیٹھے عنقریب انہیں ان کے رب کا غضب اور ذلت پہنچنا ہے دنیا کی
فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ الَّذِیْنَ عَمِلُوا
زندگی دنیا میں اور اسی طرح سزا دیتے ہیں ہم جھوٹ گھڑنے والوں کو　　اور وہ لوگ جنہوں نے عمل
زندگی میں　　اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں بہتان بازوں کو　　اور جنہوں نے برائیاں کیں اور ان
السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْۤا٘ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ
کیئے برے پھر توبہ کی پیچھے سے اس کے اور ایمان لائے تحقیق رب آپ کا بعد اس کے البتہ
کے بعد توبہ کی اور ایمان لائے　　تو اس کے بعد تمہارا رب بخشنے
رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾
بخشنے والا رحم والا
والا مہربان ہے۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اس رنج و غم کا ذکر ہوا جو موسیٰ علیہ السلام کو اسرائیلیوں کی بچھڑا پرستی سے ہوا اب اس عتاب یا عذاب کا ذکر ہے جو خود ان شرک کرنے والوں پر ہوا گویا بچھڑا پرستی کے دنتیجے ہوئے جن میں سے ایک کا ذکر پہلے ہوا دوسرے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان خوش نصیب

لوگوں کا ذکر ہوا جو بچھڑا پرستی سے محفوظ رہے جیسے حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے متبعین کہ ان پر اللہ کی رحمتیں ہوئی اب ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اس میں پھنس گئے گویا مخلصین کے بعد مردودین کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** بچھڑا پرستی کے موقعہ پر اسرائیلیوں کے تین گروہ ہو گئے تھے ایک وہ جنہوں نے یہ حرکت قطعاً" نہ کی دوسرے وہ جنہوں نے بچھڑا پرستی کی مگر بعد میں توبہ کرلی۔ تیسرے وہ جو اس پر قائم رہے اور بغیر توبہ مرے جیسے سامری اور اس کے بعض ساتھی۔ پچھلی آیات میں پہلی جماعت کا ذکر ہوا اب ان دو آیتوں میں آخری دو جماعتوں کا ذکر ہے ایک آیتہ میں تیسری جماعت کا اور دوسری آیتہ **ثم تابوا** میں دوسری جماعت کا۔

تفسیر: ان الذین اتخذوا العجل۔ چونکہ اس آیتہ کے مضمون کے موجودہ اور گذشتہ یہودی منکر تھے وہ اپنے کو اس جرم کے باوجود جنت کا ٹھیکیدار سمجھتے تھے کہتے تھے **لن یدخل الجنتہ الا من کان ھودا**" اس لئے اسے **ان** سے شروع فرمایا لفظ **الذین** یعنی وہ لوگ کبھی عظمت و احترام کے لئے ہوتا ہے اور کبھی حقارت و ذلیل کرنے کے لئے اس کا پتہ اگلے مضمون سے لگتا ہے چونکہ یہاں بچھڑا پوجنے ان پر غضب آنے وغیرہ کا ذکر ہے لہذا یہاں **الذین** حقارت و ذلیل کرنے کے لئے ہے **اتخذوا العجل** میں چار احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد وہ یہودی ہیں جنہوں نے بچھڑا پوجا بعد میں توبہ کی یا نہ کی یہ لوگ چھ لاکھ آٹھ ہزار تھے اور بارہ ہزار وہ تھے جو اس لعنت سے محفوظ رہے۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بحر قلزم سے چھ لاکھ بیس ہزار اسرائیلی پار لگے تھے جن میں سے کل بارہ ہزار بچھڑا پرستی سے محفوظ رہے باقی چھ لاکھ آٹھ ہزار اس میں پھنس گئے (تفسیر صاوی) دوسرے یہ کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے بچھڑا پرستی کی اور اس پر مرگئے توبہ نہ کی جیسے سامری اور اس کے کچھ ساتھی۔ تیسرے یہ کہ اس سے پجاریوں کی اولاد مراد ہے خواہ کبھی ہوں۔ ماں باپ کے کام اولاد کی طرف عموماً" منسوب ہوتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ ان سے مراد حضور انور کے زمانہ کے موجودہ یہودی ہیں بنی نضیر بنی قریظہ۔ اگرچہ بچھڑا پرستی کا واقعہ ان یہود مدینہ سے ہزارہا سال پہلے ہو چکا تھا مگر چونکہ یہ یہودی ان بچھڑا پرستوں کے حمایتی تھے ان کے اس عمل کی تائید کرتے ان کی اولاد ہونے پر فخر کرتے تھے اس لئے انہیں پجاریوں میں شمار کیا گیا یوں ہی پرانے نیک کاروں کے حمایتی ان کے مداح اگرچہ صدہا سال بعد پیدا ہوں مگر انہیں میں شمار کئے جائیں گے۔ ان چار احتمالوں کی بناپر غضب اور ذلت میں بھی چار احتمال ہوں گے۔ عام مفسرین نے پہلا احتمال اختیار کیا اور غضب سے مراد لیا توبہ کرنے والوں کا قتل اور ذلت سے مراد لیا ان توبہ کرنے والوں کے سامنے بچھڑا ذبح ہو کر دریا میں بہایا جانا مگر ابن جریج نے دوسرا احتمال اختیار فرمایا اور حضرت عبداللہ ابن عباس نے چوتھے قول کو ترجیح دی انہوں نے غضب سے مراد لیا۔ بنی قریظہ کا مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونا اور ذلت سے مراد لیا بنی نضیر کا حجاز سے نکالا جانا جو حضور ﷺ کے زمانے میں پھر خلافت فاروقی میں واقع ہوا (تفسیر خازن۔ کبیر وغیرہ) فقیر کے نزدیک پہلا قول کچھ ضعیف سا ہے کیونکہ توبہ کرنے والوں کا ذکر تو دوسری آیتہ میں نہایت رحمت و کرم کے ساتھ ہے۔ **ان ربک من بعدھا لغفور رحیم** پھر ان پر غضب و ذلت کے کیا معنی نیز تائبین کا قتل ہونا ان کے لئے فخر و عزت کا باعث تھا ان کی موت شہادت کی موت ہوئی اسے غضب یا ذلت کیسے کہا جاسکتا ہے لہذا قول دوم قوی ہے کہ اس سے مراد شرک پر مرنے والے اسرائیلی ہیں۔ نیز انہیں رب نے مفترین فرمایا **وکذلک نجزی المفترین** تائبین مفتری جھوٹے نہ رہے تھے وہ تو

مخلصین مومنین ہو کر مرے۔ ان کا قتل افتراء کی سزا نہ تھا بلکہ توبہ تھا۔ **اتخذوا** کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے **الٰھا** " اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ھذا الٰھکم والٰہ موسی فنسی** یعنی جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود سمجھ لیا۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں **اتخاذ** سے مراد ہے بچھڑا ڈھالنا بنانا سامری نے بنایا تھا سارے پجاریوں نے اس کی مدد کی تھی کہ اسے اپنا سونا دیا تھا اس طرح اس کا تعاون کیا تھا اس صورت **اتخذوا** کا دوسرا مفعول پوشیدہ نہیں صرف ایک ہی مفعول **العجل** کافی ہے۔ (روح المعانی) **سینالھم غضب من ربھم و ذلۃ فی الحیوۃ الدنیا** جیسے **ان الذین** کی چار مذکورہ تفسیریں ہیں ایسے ہی غضب اور **ذلۃ** کی چار تفسیریں ہیں جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا چونکہ دوسری تفسیر قوی ہے کہ اس سے مراد وہ ہیں جو بغیر توبہ اس شرکیہ عقیدے پر مرے جیسے سامری اور اس کے ہم نوا تو غضب سے مراد یا تو مرے بعد اور قیامت میں عذاب الٰہی ہے اور ذلت سے مراد دنیا میں انکی رسوائی، خواری لوگوں کی پھٹکار ہے اس صورت میں **حیوۃ الدنیا** کا تعلق صرف ذلت سے ہے اور یا غضب سے مراد دنیاوی عذاب جیسے سامری کا لوگوں سے کٹتے پھرنا کہ **لا مساس** کہ جو کوئی اس سے چھو جاتا تو اسے بھی بخار آجاتا اور سامری کو بھی۔ بقیہ تفسیریں ابھی کچھ پہلے عرض کی گئیں **وکذلک نجزی المفترین** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے **ذالک** میں اشارہ ہے مذکورہ غضب و ذلۃ کی طرف مفترین سے مراد ہیں تمام وہ لوگ جو اسلام میں جھوٹے عقیدے ایجاد کریں یعنی ہمارا یہ قانون ہے کہ ہم جھوٹے عقیدے گھڑنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں کہ ان پر غضب اور ذلت نازل ہوگی۔ ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ تاقیامت یہ سزا ہر بدعتی کو ملتی رہے گی مالک ابن انس فرماتے ہیں کہ ہر بدعتی اپنی موت پر ذلت و خواری دیکھے گا۔ خیال رہے کہ بدعتی وہ ہے جو دین میں برے عقیدے گھڑے (تفسیر خازن) یہاں تک ان کا ذکر ہوا جو بچھڑا پرستی کے عقیدے پر ہی مرے **والذین عملوا السیئات ثم تابوا** اس میں بنی اسرائیل کی تیسری جماعت کا ذکر ہے جو بچھڑا پرستی کے بعد تائب ہو گئے اور ایمان پر مرے یا شہید ہوئے **عملوا** فرما کر بتایا کہ خواہ ایک دو بار گناہ کئے ہوں یا عرصہ تک اور **سیئات** جمع فرما کر بتایا کہ ایک دو گناہ کئے ہوں یا بہت سے پھر خواہ دلی گناہ کئے ہوں یعنی بد عقیدگیاں یا بدنی گناہ یعنی بد عملیاں **ثم** فرما کر بتایا کہ خواہ کتنے ہی عرصہ کے بعد توبہ کرے، بہرحال قبول ہے فوراً" توبہ کرنا شرط قبول نہیں۔ پرانا پاپی بھی توبہ کر سکتا ہے۔ توبہ کے معنی اس کے اقسام ہر قسم کے احکام ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ ہمارے اسلام میں توبہ کی شرائط بہت آسان ہیں گزشتہ دینوں میں یہ شرائط بہت سخت تھیں چنانچہ اس موقعہ پر بچھڑا پرست قتل کئے گئے یہ قتل یا تیاری قتل ان کی توبہ ہوئی **من بعدھا** یہ متعلق ہے **تابوا** کے **ھا** کا مرجع **سیات** ہے یہاں بھی بعدیت میں بڑی گنجائش ہے گناہ کے فوراً" بعد توبہ کرے یا عرصہ بعد غرضکہ موت سے پہلے توبہ کرے قبول ہے رب تعالیٰ توبہ کی توفیق دے **وامنوا** یہ عبارت معطوف ہے **تابوا** پر کفر سے توبہ کے لئے دو شرطیں ہیں ایک تو کفریہ عقیدے سے بیزار ہو جانا دوسرے اسلامی عقائد اختیار کر لینا اس لئے **تابوا** کے بعد **امنوا** کا ذکر ہوا ایمان کے معنی اس کے ارکان و شرائط پہلے پارہ کے شروع میں عرض کئے جا چکے ہیں **ان ربک من بعدھا لغفور رحیم** یہ عبارت **والذین** کی خبر نہیں بلکہ پوشیدہ خبر کی دلیل ہے خبر تو **یغفر لھم** ہے **بعدھا** میں ہا کی ضمیر یا **سیات** کی طرف ہے یا توبہ و ایمان کے مجموعہ کی طرف۔ غفور بنا ہے غفران سے رحیم رحمت سے غفران اور رحمت میں کئی طرح فرق ہے جو بارہا بیان کیا جا چکا ہے یعنی اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ اور ایمان کے بعد بخشے

والا بھی ہے مہربان بھی چونکہ ان اسرائیلیوں نے توبہ کرلی لہٰذا ان کے گناہ بخش دیئے گئے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس آیۃ کریمہ کی چار تفسیریں ہیں جن میں سے ایک تفسیر قوی اور آسان ہے ہم اس کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جن لوگوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا کہ اس کی عبادت کرتے رہے اس پر مرتے دم تک قائم رہے توبہ نہ کی انہیں عذاب اخروی تو مرے بعد ہو گا دنیا میں ان پر دو عذاب نازل ہوں گے ایک اللہ تعالیٰ کا سخت غضب کہ وہ عزت والے تھے ذلیل ہو جائیں گے ان کا جسم بیماری اور وبابن جائے گا کہ ان کا سردار سامری لوگوں کے پاس بیٹھ نہ سکے گا ان سے مل جل نہ سکے گا جو اسے چھو جاوے گا تو دونوں بخار میں مبتلا ہو جائیں گے۔ دوسرے سخت ذلت و رسوائی کہ ان کا بنایا ہوا بچھڑا خود ان کے سامنے ذبح کر کے جلا کر راکھ بنا کر دریا میں بہادیا جاوے گا اور یہ دیکھتے رہیں گے کچھ نہ کہہ سکیں گے۔ ان کے ساتھی اپنے کو موسیٰ علیہ السلام کے حوالہ کر کے اپنی گردنیں قتل کے لئے جھکادیں گے۔ ہمارا یہ قانون ہے کہ جو اللہ پر بہتان باندھتے ہیں ہم انہیں ایسی ہی سخت سزائیں دیا کرتے ہیں۔ رہے دوسرے پجاری جنہوں نے بت پرستی اور رب کی نافرمانی سامری کی اطاعت وغیرہ کر تو لی مگر پھر وہ اپنے کرتوتوں پر نادم ان سے تائب ہو گئے اور دوبارہ ایمان لائے تو ہم ان کے سارے گناہ بخش دیں گے کیونکہ ہم بخشنے والے غفور بھی ہیں اور رحم فرمانے والے رحیم بھی۔ گناہ کتنے ہی سنگین ہوں مگر ہماری بخشش گناہوں سے بڑی ہے۔ ابو نواس کہتا ہے۔

يا رب ان عظمت ذنوبى كثرة　　فلقد علمت بان عفوك اعظم

ان كان لا يرجوك الا محسن　　فبمن يلوذو يستجير المجرم

اے مولیٰ اگرچہ میرے گناہ بڑے بھی ہیں اور بہت بھی مگر مجھے یقین ہے کہ تیری معافی ان سب سے زیادہ بڑی ہے اگر صرف نیک کار ہی تجھ سے آس لگا سکتے ہیں تو اے مولیٰ مجرم کس کی پناہ لیں اور کہاں جاویں۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔

ولما قسا قلبى وضاقت مذاهبى　　جعلت الرجاء ربى لعفوك سلما!

تعاظمنى ذنبى فلما قرنته　　لعفوك ربى كان عفوك اعظما!

اے مولیٰ جب میرا دل سخت ہو گیا اور تمام راستے بند گئے تو میں نے اپنی امید کو تیری معافی تک پہنچنے کے لئے زینہ بنالیا۔ مجھے اپنے گناہ بہت ہی بڑے محسوس ہوئے مگر جب میں نے ان گناہوں کو تیری معافی سے ملایا تو تیری معافی بہت ہی عظیم الشان پائی۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

انا مذنب انا مخطى انا عاصى!　　هو غافر هو راحم هو عافى

قابلتين ثلثة بثلثة　　وستغلبن اوصافه اوصافى

میں گنہگار خطاکار بدکار ہوں وہ بخشنہار رحیم اور معافی دینے والا ہے میں نے اپنے تین عیوب کا اس کے تین اوصاف سے مقابلہ کیا تو اس کے رحم کے اوصاف کو دیکھا کہ میرے عیوب پر غالب ہوں گے غرضکہ کوئی مجرم رب سے مایوس نہ ہو (معانی)

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** گناہ کرنے والا کرانے والا اس میں تعاون کرنے والا سب ہی مجرم ہیں بلکہ یہ سب ایک ہی زمرہ میں داخل ہیں یہ فائدہ **الذین اتخذوا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ بچھڑا ڈھالنے والا

صرف سامری تھا مگر رب نے سارے اسرائیلیوں کو بنانے والا قرار دیا کہ **اتخذوا** جمع ارشاد فرمایا کیونکہ وہ سب اس حرکت میں سامری کے مددگار تھے یہ ہی حال نیکیوں کا ہے کہ نیکی کرنے والا کرانے والا اس میں مدد دینے والا سب ہی ثواب کے مستحق ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** کبھی گناہوں کا وبال دنیا میں بھی آجاتا ہے کہ مجرم پر اس کے گناہوں کی وجہ سے دنیا میں عذاب آجاتے ہیں یہ فائدہ **سینالهم** اور **فی الحیوة الدنیا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** گناہوں کا انجام ذلت ہے اس کے برعکس نیکیوں کا انجام دونوں جہان میں عزت و عظمت ہے یہ فائدہ **وذلته فی الحیوة الدنیا** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ **چوتھا فائدہ:** اعتبار کا خاتمہ کا ہے زندگی خواہ کیسی ہی ہو یہ فائدہ **اتخذوا العجل** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ **اتخذوا** کے معنی ہیں مرتے دم تک بچھڑے کو معبود سمجھا فرمایا نبی ﷺ نے **الامر بالخواتیم** اعتبار خاتمہ کا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** قانون الٰہی ہے کہ شرک کے موجد کو رسوا کیا جاتا ہے یہ فائدہ **نجزی المفترین** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** ایسا کوئی گناہ نہیں جس کی توبہ نہ ہو ہر گناہ حتی کہ کفر شرک بھی قابل معافی ہے یہ فائدہ **عملوا السیئات** سے حاصل ہوا ہاں جیسا گناہ ویسی توبہ۔ کفر سے توبہ ایمان ہے۔ فسق سے توبہ تقوی ہے۔ غفلت کی توبہ بیداری ہے پھر ہر توبہ کے لئے ایک وقت ہے اگر توبہ وقت میں ہو تو انشاء اللہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ **ساتواں فائدہ:** اگر دیر سے توبہ کی جاوے مگر ہو صحیح اور وقت میں تو بھی قبول ہے یہ فائدہ **ثم تابوا** میں **ثم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ **ثم** دیر کے لئے آتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

اے کہ پنجاہ رفت در خوابی! مگر ایں پنج روز دریا بی!

لہذا پرانا پاپی بھی رب کی رحمت سے ناامید نہ ہو جب خدا تعالیٰ توفیق دے توبہ کرے۔ **آٹھواں فائدہ:** توبہ گناہ کے بعد چاہئے گناہ سے پہلے توبہ کیسی۔ گناہ میل ہے توبہ اس کا صابن کپڑا پہلے میلا ہوتا ہے بعد میں دھویا جاتا ہے یہ فائدہ **تابوا من بعدها** سے حاصل ہوا لہذا قسم توڑنے کا کفارہ توڑنے کے بعد ہونا چاہئے نہ کہ اس سے پہلے (حنفی) شوافع کے ہاں کفارہ پہلے بھی دیا جاسکتا ہے۔ **نواں فائدہ:** گناہوں سے توبہ کے لئے ایمان شرط ہے کافر کی توبہ گناہ بھی قبول نہیں۔ یہ فائدہ **وامنوا** سے حاصل ہوا کہ توبہ کے ساتھ ایمان کا ذکر ہوا توبہ گویا صابن ہے ایمان پانی' صابن بغیر پانی کپڑے پر لگتا ہی نہیں۔ **دسواں فائدہ:** توبہ سے صرف بخشش ہی نہیں ہوتی بلکہ رحمت بھی ہوتی ہے یعنی معافی کے ساتھ انعام ملتا ہے یہ فائدہ **لغفور رحیم** سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ توبہ مقبول کی توفیق دے۔

پہلا اعتراض: بچھڑا پرستوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ **سینالهم غضب** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ان پر غضب اور ذلت کا عذاب آیا نہ تھا بلکہ آنے والا تھا اگر ان سے مراد وہ بچھڑے کے پجاری ہی ہوتے تو مستقبل کا صیغہ ارشاد نہ ہوتا بلکہ ماضی فرمایا جاتا کیونکہ ان پر تو عذاب آچکا تھا معلوم ہوا کہ اس سے بچھڑا پرستوں کی اولاد مراد ہے یعنی حضور انور کے زمانہ کے یہود (حضرت ابن عباس) جناب ابن عباس کی یہ دلیل تفسیر کبیر وغیرہ نے نقل فرمائی۔ **جواب:** یہاں خطاب حضور ﷺ سے نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے اور یہ فرمان عالی کوہ طور کا ہے جبکہ رب تعالیٰ نے حضرت کلیم کو قوم کے اس جرم کی خبر دی ساتھ ہی بتادیا یعنی اے موسیٰ تمہاری قوم شرک میں گرفتار ہو گئی اور ان کو ہم یہ سزائیں دیں گے لہذا آیت واضح ہے۔ **دوسرا اعتراض:** ان دونوں آیتوں میں دو متضاد باتیں فرمائی گئیں۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ ہم ان کو ضرور سزائیں دیں گے

دوسری میں ارشاد ہوا کہ ہم انہیں بخش دیں گے **لغفور رحیم** آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا پہلی آیت میں روئے سخن ان لوگوں کی طرف ہے جو بغیر توبہ کئے بچھڑا پرستی پر قائم رہتے ہوئے فوت ہوئے اور دوسری آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جو توبہ کرکے اپنے جرم کی معافی کرا بیٹھے لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں ہاں اگر پہلی آیت میں سارے بچھڑا پرست مراد ہوں تائبین بھی اور غیر تائبین بھی جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا تب تعارض ہو گا۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں **ثم تابوا** ارشاد ہوا جس سے معلوم ہوا کہ دیر بعد بھی توبہ قبول ہے مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **ثم یتوبون من قریب** جس سے معلوم ہوا کہ توبہ گناہ کے فوراً بعد کی جاوے تب قبول ہوتی ہے آیات میں تعارض ہے۔ **جواب**: وہاں تمہاری پیش کردہ آیت میں عنقریب سے مراد ہے موت سے پہلے اور توبہ سے مراد ہے کفر سے توبہ واقعی کفر و شرک سے توبہ موت سے پہلے مقبول ہے۔ موت کے وقت ملائکہ عذاب دیکھ کر توبہ کرنا قبول نہیں دیکھو فرعون عذاب غرق دیکھ کر ایمان لایا جو قبول نہ ہوا۔ یہاں اس آیت میں تعارض نہیں۔

مسئلہ: کفر سے توبہ غرغرہ سے پہلے چاہئے۔ غرغرہ کی حالت میں ایمان لانا قبول نہیں گناہوں سے توبہ غرغرہ بلکہ بعد غرغرہ بلکہ قیامت میں بھی قبول ہو گی یہ سب کچھ احادیث سے ثابت ہے۔ **چوتھا اعتراض**: بچھڑا پرستوں نے جرم تو ایک کیا تھا مگر فرمایا گیا **والذین عملوا السیات** جنہوں نے بہت گناہ کئے یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: یا تو وہ روزانہ چالیس دن تک بچھڑا پوجتے رہے ہر دن کی پرستش علیحدہ جرم تھی یا انہوں نے سامری کو سونا دیا یہ جرم پھر بچھڑا بنانے میں مدد کی یہ جرم پھر اس کی پوجا کی یہ جرم پھر اس کے سامنے بھنگڑا ناچ گاتے بجاتے رہے۔ **بعض صوفیاء فرماتے ہیں** کہ کفر تمام گناہوں کی جڑ ہے بلکہ کافر کی ہر عادت بلکہ ہر نیکی کو جرم بنا دیتا ہے کہ اس کا کھانا پینا سونا جاگنا چلنا پھرنا جرم ہے **لہٰذا عملوا السیئات** فرمایا گیا اس کے برعکس مومن کی عادات عبادات ہیں کہ وہ ہر کام عبادت کرنے کے لئے کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: نفس انسان گویا سامری کا بچھڑا ہے اور نفس پرست گویا اس کے پجاری ہیں۔ رب فرماتا ہے **افرءیت من اتخذ الٰھه ھواہ** بدترین عابد وہ ہیں جو عابدین **ھوا** ہوں جو لوگ اس بچھڑے کے پجاری بن کر جیے وہ شہوات میں پھنس کر غضب الٰہی کے مستحق ہوں گے اور برے عیوب میں گرفتار ہو کر دنیا و آخرت میں ذلیل ہوں گے۔ بندہ نفس کبھی عزت نہیں پاتا۔ بعض دعویدار کرتے ہیں نفس کی پوجا اور اسے سمجھتے ہیں خدا رسی کا ذریعہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں ایسے بہتان والوں کو ہمیشہ ذلت و غضب کا عذاب ہو گا ہاں جو لوگ **ھوی** سے توبہ کرکے **ھدی** کی طرف رجوع کریں۔ طغیان سے عرفان کی طرف کفران سے شکر کی طرف دوڑیں تو اللہ تعالیٰ ان کے سارے گناہ بخش دے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ توبہ دو طرح کی ہے توبہ ظاہری اور توبہ باطنی۔ شریعت میں ظاہر گناہوں سے توبہ کرنا اعضاء کو طاعات میں لگا دینا ظاہری توبہ ہے اور دل کو غفلت سے ذکر کی طرف پھیرنا توبہ باطنی ہے کہ اگر کسی وقت زبان خاموش بھی ہو تو دل خاموش نہ ہو۔ نفس کی توبہ ہے اسے دنیاوی تعلق سے علیحدہ کرکے رجوع الی اللہ میں مشغول کر دینا عقل کی توبہ ہے باطنی آیات اور آثار کی حقیقت میں غور کرنا۔ روح کی توبہ یہ ہے کہ اس پر معرفت الٰہی کی تجلی پڑے۔ سر کی توبہ ہے کہ دنیا و عقبیٰ سے منہ موڑ کر مولیٰ کے ساتھ مشغول ہونا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گریہ ابری تو نادم ہو خویش | توبہ کن زانہا کہ کردستی تو پیش
مر اگر بگذشت بخش این دم است | آب توبہ وہ اگر او بے نم است
چوں بر آرند از پشیمانی انین! | عرش لرزد از انین مذنبین!

توبہ کی قبولیت کی شرط یہ ہے کہ انسان اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرے کہ نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں جو گناہ سرزد ہو جاوے اس کے بعد نیکی ضرور کر لی جاوے۔

حکایت: بنی اسرائیل میں ایک شخص نے گائے کے سامنے اس کا بچہ ذبح کیا اس کا ہاتھ خشک ہو گیا کسی علاج سے آرام نہ آیا کچھ عرصہ بعد ایک چڑیا کا بچہ اپنے گھونسلے سے گر گیا ماں تڑپنے لگی اس نے وہ بچہ اٹھا کر گھونسلے میں رکھ دیا ماں کو چین آ گیا اللہ تعالیٰ نے اس کا خشک ہاتھ درست کر دیا یہ ہے توبہ اور اس پر رب تعالیٰ کی رحمت (روح البیان) ہمارے گناہوں سے ہم پر سختیاں آتی ہیں توبہ سے رحمتیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ دوسری آیت **والذین عملوا السیئات** کے تین جز ہیں ایک **والذین عملوا السیئات** اس میں بندوں کے جرموں کا ذکر ہے یعنی دل کی بیماری کا دوسرا جز **ثم تابوا** اس میں مذکورہ بیماری کے علاج اور دوا کا تذکرہ ہے یہ دونوں کام بندوں کے ہیں تیسرا جز **ان ربک** اس میں اس علاج کے نتیجہ کا ذکر ہے اور رب کی رحمتوں کا۔ ان تینوں جزوں والی میں اتنی وسعت ہے جو بیان نہیں ہو سکتی۔ **الذین** میں قیامت تک کے سارے مجرم داخل ہیں کوئی ہوں کہیں ہوں کبھی ہوں۔ **عملوا** میں وسعت کہ ایک بار گناہ کریں یا کرتے رہیں۔ **سیئات** میں وسعت کہ دل کے اور ظاہری اعضاء کے کسی طرح کے گناہ کریں **تابوا** میں وسعت کہ کبھی بھی توبہ کریں بشرطیکہ ایمان پر قائم رہیں۔ **ربک** فرما کر یہ بتایا کہ ہم غفور بھی ہیں رحیم بھی۔ اس لئے کہ تمہارے رب ہیں جو ہمارے دروازہ پر ہم کو رب محمد سمجھ کر آوے اس کے لئے ہم غفور بھی ہیں رحیم بھی غفور کے معنی ہیں وہ ذات جس کو بخشنے کی عادت قدیم ہے اور رحیم کے معنی وہ جس کو رحم کرنے کی قدیمی عادت ہے یعنی اے بندو تم کو تو گناہ کرنے کی دس بیس سال کی عادت ہے مجھے بخشنے کی ہمیشہ سے عادت غفور وہ جو بندوں کو وہ نہ دے جو ان کے لائق ہے یعنی سزا و غضب۔ رحیم وہ جو بندوں کو وہ دے جو اس کی شان کے لائق ہے گناہ پر سزا نہ دینا مغفرت ہے کبھی گناہ کا ذکر نہ کرنا نامہ اعمال سے مٹا دینا رحمت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں سے فرمانا **لا تثریب علیکم الیوم** بخشش تھی پھر والد صاحب سے کبھی کا ذکر نہ کرنا نیل کا ذکر کرنا رحمت تھا۔ یا گناہ پر سزا نہ دینا مغفرت ہے گناہ کو نیکی میں تبدیل کر دینا رحمت **فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات**۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِىْ نُسْخَتِهَا

اور جب ٹھہر گیا موسے سے غصہ تو اٹھا لیں انہوں نے تختیاں | اور ان کی عبارت میں
اور جب موسیٰ کا غصہ تھما تختیاں اٹھا لیں | اور ان کی تحریر میں

هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ۝

ہدایت اور رحمت تھی واسطے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے خوف کرتے ہیں

ہدایت اور رحمت ان کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آنے کا ذکر ہوا اب آپ کے غصہ جانے کا تذکرہ ہے کہ بنی اسرائیل کی بچھڑا پرستی پر آپ کو سخت طیش و غصہ آیا اور ان کی معذرت پر غصہ جاتا رہا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان کاموں کا ذکر ہوا جو موسیٰ علیہ السلام سے غصہ میں ظاہر ہوئے اب آپ کے ان اعمال کا تذکرہ ہے جو غصہ فرو ہونے کے بعد آپ سے ظاہر ہوئے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کو توریت ملنے آپ سے گر جانے کا ذکر ہوا اب توریت کے اٹھانے کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی گذشتہ آیات میں یہ بتایا گیا تھا کہ توریت جب ملی تھی تو اس میں کیا کیا تھا اب ارشاد ہے کہ جب اٹھائی گئی تو اس میں کیا بچا تھا گویا اترنے کے وقت کا ذکر فرمانے کے بعد اٹھانے کے وقت کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر: ولما سكت عن موسى الغضب اخذ الالواح یہ عبارت نئی ہے یہاں سے نیا واقعہ شروع ہو رہا ہے۔ ہماری قراءت میں **سکت** ہے **سکوت** سے مشتق باب نصر کا ماضی مطلق۔ ایک قراءت میں سکت ہے تفعیل کا ماضی مطلق مجہول ایک قراءت میں اسکت ہے باب افعال کا ماضی مجہول ایک قراءت میں سکن ہے **نون** سے مگر ہماری قراءت زیادہ مشہور ہے (معانی) خیال رہے کہ سکوت کے معنی ہوتے ہیں خاموش ہو جانا چپ ہو جانا یعنی کلام ختم کر دینا اور صمت کے معنی ہیں منہ بند کر لینا **سکت** اور صمت کا یہ فرق خیال رکھنا چاہئے (کبیر) سکون کے معنی ہیں ٹھہر جانا جوش یا حرکت کا بند ہو جانا یہاں یا تو سکت بمعنی سکن ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اس معنی پر ہے یا اپنے ہی معنی پر ہے بطور تشبیہ سکون کو سکوت فرمایا گیا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ عبارت در حقیقت یوں تھی **لما سکت موسیٰ من الغضب** مگر اسے برعکس فرمایا گیا جیسے کہا جاتا ہے **ادخلت القلنسوة فی راسی** حالانکہ سر ٹوپی میں جاتا ہے سر میں ٹوپی نہیں جاتی (خازن۔ کبیر۔ روح المعانی) جناب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ کس نے رفع کیا۔ اس میں نفیس قول ہیں۔ (1) حضرت ہارون علیہ السلام کی معذرت نے (2) اسرائیلیوں کے وعدہ توبہ نے کہ ہم شرمندہ ہیں اس حرکت سے توبہ کر لیں گے (3) بلاواسطہ خود رب تعالیٰ نے (روح المعانی) خیال رہے کہ غصہ تین طرح کا ہوتا ہے۔ شیطانی، نفسانی، رحمانی۔ نیکیوں سے اور نیکوں پر غصہ شیطانی ہے۔ جو اکثر حرام ہوتا ہے کبھی کفر۔ ذاتی معاملات میں ایک دوسرے پر غصہ نفسانی ہے کبھی جائز کبھی ناجائز۔ برائیوں اور بروں پر غصہ رحمانی ہے یہ عبادت ہے موسیٰ علیہ السلام کو غصہ رحمانی آیا شرک و کفر دیکھ کر۔ اس غصہ میں انسان سے جو کام سرزد ہوں وہ سب رحمانی ہیں لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کا تختیاں ڈالنا اپنے بھائی پر سختی کرنا بھی رحمانی کام تھے کہ رحمان کے لئے تھے پھر غصہ جانا بھی تین طرح کا ہوتا ہے سکون شیطانی، سکون نفسانی اور سکون رحمانی موسیٰ علیہ السلام کا یہ سکون غضب رحمانی یعنی رحمان کے لئے تھا جو قوم کی توبہ سے ہوا اب جو کام اس سکون سے ہوں گے وہ بھی رحمانی ہیں۔ یہاں **اخذ** بمعنی اٹھالینا ہے **الواح** سے مراد وہی پھینکی ڈالی

ہوئی تختیاں ہیں جن میں توریت لکھی ہوئی تھی۔ اس سے مراد باقی ماندہ تختیاں ہیں کیونکہ ڈال دینے پر دو تہائی حصہ اٹھالیا گیا تھا جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد ساری ڈالی ہوئی تختیاں ہیں نہ کوئی تختی ٹوٹی نہ اٹھائی گئی مگر پہلی توجیہ قوی ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا جوش جاتا رہا تو آپ نے ڈالی ہوئیں تختیاں اٹھالیں **وفی نسختها هدی ورحمة** اس جملہ میں واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ الواح کا حال ہے **نسخة** مصدر ہے بمعنی مفعول یہ بنا ہے **نسخ** سے بمعنی نقل کرنا جیسے خلقۃ بمعنی مخلوب جو کتاب دوسری کتاب سے من وعن نقل کی جاوے وہ نسخہ ہے اور نقل کرنے والا ناسخ اب نسخ بمعنی تحریر و کتابت استعمال ہوتا ہے چونکہ توریت کی تختیوں میں توریت شریف لوح محفوظ سے من وعن ویسے ہی نقل کی گئی تھی جیسی اس میں تھی لہٰذا اسے نسخہ فرمایا گیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تختیوں کو ڈال دینے پر یہ سب تختیاں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں اور ناقابل فہم ہو گئی تھیں اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے پھر چالیس روزے رکھے۔ تب آپ کو دو تختیوں میں توریت دی گئی چونکہ ان دو تختیوں میں پچھلی تختیوں کی توریت نقل کر دی گئی تھی اس لئے اسے نسخہ کہا گیا (خازن۔ کبیر۔ معانی روح وغیرہ) **واللہ و رسولہ اعلم** بہرحال نسخہ فرمانا بالکل درست ہے۔ مولانا عطار حضور کی نعت میں فرماتے ہیں۔

نسخہ کونین را دیباچہ اوست   جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

یعنی عالم اجسام ایک نسخہ کتاب ہے جو عالم ارواح سے نقل کیا گیا اس نسخہ کا دیباچہ جس لئے یہ کتاب شروع کی گئی اور تمام جہان براتی ہے دولہا حضور ہیں تمام جہان غلام ہے آقا حضور ہیں۔ سلطان کی طفیل اس کے نوکر بھی دولہا کے طفیل اس کے براتی بھی دعوت کھا لیتے ہیں ہم سب بندگان ہیں حضور خواجہ یعنی دولہا یا سلطان ہیں۔ **هدی** اور **رحمة** مبتدا موخر ہے **هدی** سے مراد ہے گمراہی سے ہدایت۔ رحمۃ سے مراد ہے عذاب سے رحمت اور چھٹکارا (کبیر) یعنی اب ان تختیوں میں یہ دو چیزیں رہ گئی تھیں۔ ہدایت اور رحمت بیان **کل شی** اٹھالیا گیا تھا یوں ہی تفصیل **کل شی** اس میں نہ رہی تھی **للذین ھم لربھم یرھبون** یہ عبارت متعلق ہے **هدی** اور **رحمة** سے **للذین** میں لام صلہ یا نفع کا ہے چونکہ کتاب اللہ کی ہدایت اور رحمت صرف مومنین خائفین کے لئے مفید ہوتی ہے۔ کفار و منافقین اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اس لئے **للذین** ارشاد ہوا اور **لربھم** میں لام تعدیہ کا ہے اس کا تعلق **یرھبون** سے ہے جیسے **ان کنتم للرؤیا تعبرون** کبھی مقدم مفعول پر لام لگا دیتے ہیں (خازن۔ کبیر۔ معانی وغیرہ) خوف ہر ڈر کو کہتے ہیں اور **رھبت** انتہائی ڈر کو لہٰذا خوف **رھبت** سے عام ہے ان دونوں میں اور کئی طرح فرق کئے گئے ہیں۔ یہ فرمان عالی ایسا ہی ہے جیسے **هدی للمتقین** میں ارشاد ہوا کہ قرآن مجید پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے نیز اس میں بتایا گیا کہ توریت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہدایت نہ تھی وہ تو ہدایت یافتہ پیدا ہوئے تھے۔

خلاصہ تفسیر جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور جوش جاتا رہا اس لئے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے معذرت بہت نفیس طریقہ سے کر دی یا اس لئے کہ بچھڑے کے پجاریوں نے توبہ مقبول کا وعدہ کر لیا یا اس طرح کہ رب تعالیٰ نے آپ کو سکون قلب عطا فرما دیا تو آپ نے وہ تختیاں نہایت احترام سے اٹھالیں اب ان تختیوں کی شان یہ تھی کہ ان کے نسخے ان کی تحریر

کتابت میں اللہ سے ڈر رکھنے والوں کے لئے اچھے عقیدے اچھے اعمال کی ہدایت بھی اور ان کے لئے رحمت بھی یعنی دوزخ سے بچنے کا ذریعہ بھی تھی تفصیل **کل شی** اور بیان **کل شی** باقی نہ رہا تھا مگر یہ رحمت وہدایۃ ان لوگوں کے لئے تھی جو اپنے رب کی رضا کے لئے اس سے ڈرتے ہیں نہ کہ محض ریاکاری کے لئے۔ اخلاص کا خوف رحمت کا ذریعہ ہے۔ خیال رہے کہ نبی سب کچھ رب کے ہاں سے لے کر پیدا ہوتے ہیں دنیا میں انہیں جو کچھ عطا ہوتا ہے در حقیقت اس کا ظہور ہوتا ہے اسی لئے عیسی علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ۔ نبی صاحب کتاب نماز زکوۃ والا ہوں حالانکہ آپ کو کتاب نماز وغیرہ بہت عرصہ بعد ملیں غرضکہ عطا کی جگہ اور ہے دنیا ظہور کی جگہ ہے دیکھو تڑکا پھر سویرا پھر اجیالا پھر ہلکی پیلی دھوپ پھر تیز دھوپ یہ سب کچھ سورج کے ظہور کے حالات ہیں سورج میں مکمل نور پہلے ہی موجود ہے اس لئے ارشاد ہوا کہ توریت ان ڈرنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت تھی یہ نہ فرمایا کہ موسی علیہ السلام کے لئے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالی اور اس کے بندوں کی غضب کی آگ بجھانے کے لئے توبہ ' معذرت اکسیر ہے دنیا کی آگ ' پانی مٹی وغیرہ سے بجھتی ہے۔ وہ آگ آنکھوں کے پانی دل کے اخلاص سچی توبہ سے بجھتی ہے یہ فائدہ **ولما سکت** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ موسی علیہ السلام کا غصہ حضرت ہارون کی معذرت اور قوم کے ارادہ توبہ سے ٹھنڈا ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** قوم کی بچھڑا پرستی پر حضرت موسی علیہ السلام کو اتنا غصہ آیا تھا کہ آپ میں حالت جذب پیدا ہو گئی تھی اسی جذب کی حالت میں مذکورہ افعال آپ سے سرزد ہوئے۔ بے خودی کے اعمال پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے۔ یہ فائدہ بھی **لما سکت** سے حاصل ہوا جس سے معلوم ہوا کہ سکون اور سکوت اب حاصل ہوا۔ بعض صوفیاء حالت جذب میں ایسے کلام اور ایسے کام کر لیتے ہیں جو عقل و نقل کے خلاف ہوتے ہیں مگر ان پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے۔ ان سب کا ماخذ یہ ہی آیت ہے۔ سبحانی ما اعظم شانی اور اسی طرح **مافی جبتی الا اللہ** وغیرہ اس جذب کے نتیجے ہیں آپ نے ہوش آتے ہی احترام و ادب سے تختیاں اٹھالیں۔ **تیسرا فائدہ:** جب موسی علیہ السلام کو توریت دی گئی تو اس میں ہدایت ' رحمت ' نصیحت ہر چیز کی تفصیل ہر چیز کا بیان سب کچھ تھا مگر جب موسی علیہ السلام نے تختیاں گرا دیں اور پھر اٹھالیں تو اس میں ہدایت و رحمت تو رہ گئی مگر تفصیل اور **کل شی** کا بیان اٹھالیا گیا یہ فائدہ **فی نسختها هدی ورحمته** سے حاصل ہوا دیکھو ابھی پچھلے رکوع میں توریت کے متعلق اشارہ تھا **وکتبنا له فی الالواح من کل شیء** اور ارشاد ہوا تھا **وتفصیلا لکل شیء** مگر یہاں ان دونوں چیزوں کا ذکر نہیں یہاں صرف **هدی** اور **رحمته** ارشاد ہوا۔ مگر قرآن مجید **تفصیل لکل شیء** آیا بھی تھا اور رہا بھی۔ **چوتھا فائدہ:** نبی کو اپنی امت کی بد عملی بد عقیدگی پر غصہ آتا ہے ان کی توبہ سے وہ غصہ دور ہو جاتا ہے یہ فائدہ مذکورہ دونوں واقعات سے حاصل ہوا اگر مسلمان گناہ کرتے وقت یہ خیال کرے کہ اس سے میرے نبی ناراض ہوں گے تو انشاء اللہ گناہ کی ہمت نہ کرے رب فرماتا ہے **عزیز علیه ما عنتم**۔

پہلا اعتراض: یہاں غصہ کے لئے **سکت** کیوں ارشاد ہوا **اسکن** کیوں نہیں فرمایا گیا غصہ ساکن ہوتا ہے ساکت یعنی خاموش نہیں ہوتا۔ خاموشی کلام سے ہوتی ہے سکون حرکت و جوش سے ہوتا ہے۔ **جواب:** مفسرین نے اس اعتراض کے بہت جواب دیئے ہیں جن میں سے بعض جواب ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے ایک یہ کہ یہاں سکوت ' بمعنی سکون ہے کیونکہ

ایک قراءامیں سکن ہے۔ دوسرے یہ کہ سکت اپنے ہی معنی میں ہے مگر حقیقتہ "اس کا فاعل غضب نہیں بلکہ موسی علیہ السلام ہیں اور عبارت میں قلب ہے یعنی موسی علیہ السلام پہلے غصہ میں اپنے بھائی کو اور دوسروں کو بہت عتاب فرمارہے تھے مگر جب آپ خاموش ہوگئے کیونکہ غصہ جاتا رہا۔ تیسرے یہ کہ یہاں غصہ کے ٹھہر جانے کو سکوت یعنی خاموشی فرمایا اس میں استعارہ ہے استعارہ کی بحث اور اس کے اقسام **علم بلاغت** میں دیکھو۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا **و فی نسختها** توریت تو تختیوں میں تھی وہ نسخہ نہ تھی نسخہ تو کاغذ پر ہوتا ہے۔ نسخہ کے معنی ہیں نقل کی ہوئی چیز خواہ کاغذ پر ہو یا کسی اور چیز پر چونکہ توریت شریف لوح محفوظ سے ان تختیوں میں نقل کی گئی تھی' من وعن بالکل مطابق اس لئے اسے نسخہ فرمایا گیا **تیسرا اعتراض**: سیدنا عبداللہ ابن عباس وغیرھم مفسرین کا قول تو یہ ہے کہ توریت کی کوئی تختی نہ ٹوٹی نہ کم ہوئی جتنی اور جیسی تختیاں عطا ہوئی تھیں ویسی ہی موسی علیہ السلام نے اٹھالیں پھر توریت میں سے **تفصیل کل شیء** اور **کل شیء موعظته** کیسے ختم ہوگیا۔ **جواب**: ان بزرگوں کا قول یہ ہے کہ تختیاں کم نہ ہوئیں مگر ان کے مضامین کم ہوگئے ان میں سے بعض مضامین اٹھا لئے گئے یہ کسی نے نہیں کہا کہ مضامین پورے کے پورے باقی رہے کہ یہ قرآن کریم کے صراحتہ" خلاف ہے جیسا کہ ابھی فوائد بلکہ تفسیر میں بھی عرض کیا گیا۔ **چوتھا اعتراض**: اس آیت میں فرمایا گیا کہ توریت میں ہدایت اور رحمت تھی رب سے ڈرنے والوں کے لئے تو کیا دوسروں کے لئے وہ ہدایت و رحمت نہ تھی نیز ہدایت و رحمت کی ضرورت زیادہ گمراہوں کو ہوتی ہے اللہ سے ڈرنے والے تو پہلے ہی سے ہدایت پر ہیں۔ **جواب**: اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہم **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں چونکہ کتاب اللہ کی ہدایت و رحمت سے فائدہ متقی ہی اٹھاتے ہیں اس لئے انہیں کا ذکر فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ: غصہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک حلم و بردباری نہ ہونے کی وجہ سے یہ غصہ عیب ہے کہ اس کی بنا کمزوری پر ہے کہ انسان اپنے نفس سے دب جاوے۔ دوسرا غصہ اللہ تعالی کے لئے کہ اس کے مخالفین پر طیش آجاوے یہ غصہ کمال ہے کہ اس کی بنا رضاء ذوالجلال ہے ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ پہلا غصہ نفسانی بدلہ پر ابھارتا ہے۔ غصہ ور اپنا بدلہ لینے پر ٹھنڈا ہوجاتا ہے مگر دوسرا غصہ مجرم کی توبہ پر ٹھنڈا ہوتا ہے۔ یہ غصہ سنت انبیاء و اولیاء ہے جسے **البغض للہ** کہا جاتا ہے موسی علیہ السلام کا غصہ یہ ہی دوسری قسم کا تھا اسی لئے حضرت ہارون کی معذرت اور قوم کے وعدہ توبہ پر ختم ہوگیا۔ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ جو کہے کہ موسی علیہ السلام میں حلم و بردباری نہ تھی وہ کافر ہے کہ نبی کو عیب لگاتا ہے (صاوی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کا دل گویا زمین ہے خوف الہی اس کا ہل ہے جس سے یہ زمین قابل کاشت بنتی ہے آنکھیں گویا کنواں ہیں جن سے ایک زمین کو پانی دیا جاتا ہے توبہ تخم ہے جس کی کاشت کی جاتی ہے توریت رحمت بھی تھی ہدایت بھی مگر اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے جن کے دل کی زمین میں خوف کے ہل نے نرمی پیدا کردی ہو **رھبوت** بہتر ہے **رحموت** سے کیونکہ فصل پہلے ہوتا ہے لباس وزیور بعد میں خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ تمہارا پالا ہوا کتا تمہارے ہاتھ سے سوبار مار کھائے پھر تم اسے ٹکڑا دکھاؤ تو دم ہلاتا آجاتا ہے یہ صفت ہے خاشعین کی اے بندے اگر تجھ پر رب ہزار بار سختی کرے مگر تو **حی علی الصلاۃ** کی آواز پر دوڑا ہوا مسجد میں آجا حافظ کہتے ہیں ۔

وفا کنیم ملامت کشیم و خوش باشیم　　　که در طریقت ما کافری است رنجیدن

مولانا فرماتے ہیں۔

لا تخافوا هست نزل خائفاں   هست درخور از برائے خائف آں
ہر کہ ترسد اورا ایمن کنند   مر دل ترسندہ را ساکن کنند
آنکہ خوفش نیست چوں گوئی مترس   درس چہ دہی نیست او محتاج درس

غرضکہ یہ آیت غضب اللہ اور خوف باللہ کی جامع ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہر نیک مجلس میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ **ابغونی فی ضعفاء کم** مجھے اپنے ضعیفوں میں ڈھونڈ لیا کرنا اور مومنوں کی اچھی باتیں سن کر اچھے اعمال دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور ہر بری مجلس میں شیطان ہوتا ہے۔ فرمایا حضور نے کہ جب اجنبی مرد و عورت خلوت کریں تو تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ بدر اور ہجرت کی رات کفار کی مجلس شوری میں شیطان رائے دینے آیا تھا شیخ نجدی بنکر ہماری ہر مجلس میں رب ہوتا ہے **مایکون من نجوی ثلثة الا هو رابعهم** غار ثور میں حضور نے صدیق سے کہا تھا **ان اللہ معنا** آج شروع اگست ۱۹۶۹ء میں اپالو ۱۱ کے تین خلاباز جب چاند کے سفر سے واپس آرہے تھے تو ابھی وہ زمین سے دو لاکھ میل دور تھے کہ امریکہ میں سائنس دانوں کی کانفرنس میں یہ خلاباز بذریعہ ٹیلی ویژن شریک ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے اور مشورہ دیتے تھے یوں ہی نبی اپنی امت کی نیک مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔ جن کی آنکھ میں ٹیلی ویژن ہو وہ دیکھ بھی لیتی ہے۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ

اور چھانٹ لئے موسیٰ نے قوم میں سے اپنی ستر (۷۰) مرد واسطے وعدہ گاہ کے ہماری۔ پس جب پکڑ لیا انکو

اور موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر مرد ہمارے وعدے کے لئے چنے پھر جب انہیں زلزلہ نے لیا

الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۖ

زلزلہ نے عرض کیا اے رب میرے اگر چاہتا تو تو موت دے دیتا انہیں اس سے پہلے اور مجھے کیا موت دیتا ہے

موسیٰ نے عرض کی اے رب میرے تو چاہتا تو پہلے ہی مجھے اور انہیں ہلاک کر دیتا کیا تو ہمیں اس

اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ

تو ہم کو اس وجہ سے جو کیا بیوقوفوں نے ہم سے نہیں ہے یہ مگر فتنہ (آزمائش) تیرا گمراہ کرتا ہے

کام پر ہلاک فرمائے گا جو ہمارے بے عقلوں نے کیا وہ نہیں مگر تیرا آزمانا تو اسے بہکائے

تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

تو اس سے اس کو جسے تو چاہے اور ہدایت دیتا ہے تو جسے چاہے تو والی ہے ہمارا پس بخشدے

جسے چاہے اور راہ دکھائے جسے چاہے تو ہمارا مولیٰ ہے تو ہمیں بخش دے

وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ (۱۵۵)

تو ہم کو اور رحم کر اوپر ہمارے اور تو بہتر ہے بخشنے والوں سے

اور ہم پر مہر کر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غصہ ٹھنڈا ہونے کا ذکر ہوا اب غضب الٰہی کے جوش کے ٹھنڈا ہونے کا ذکر ہے گویا ان کے غضب فرو ہونے کے بعد رب تعالیٰ کے غضب فرو ہونے کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کے جرم کا ذکر ہوا اب اس کی توبہ کی تمہید ہو رہی ہے کہ انہوں نے توبہ کے لئے اپنے نمائندے طور پر بھیجے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ توریت میں ہدایت بھی باقی رہی اور رحمت بھی۔ اب اس ہدایت و رحمت کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ اس رحمت کی برکت سے بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوئی گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا اس آیت میں اس دعویٰ کا ثبوت دیا جارہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غصہ فرو ہونے کا ذکر ہوا جو بھائی کی معذرت اور قوم کی شرمندگی سے ہوا اب رب تعالیٰ کے غضب کی آگ ٹھنڈی ہونے اس کے راضی ہونے کا تذکرہ ہے چونکہ نبی کی رضا رب کی رضا کا ذریعہ ہے اور ذریعہ مقصود سے پہلے ہوتا ہے جیسے وضو نماز سے پہلے ہے اس لئے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے غضب فرو ہونے کا ذکر ہوا۔ **ولماسکت عن موسی الغضب** اب اس کے بعد رب کے غضب فرو ہونے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: واختار موسی قومہ یہ آیت کریمہ انتہائی مجمل ہے اس لئے مفسرین نے اس کے متعلق بہت گفتگو کی ہے۔ وجہ اجمال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر اپنے ساتھ دوبار ستر اسرائیلیوں کو لے گئے ہیں ایک جب جبکہ آپ رب تعالیٰ سے کلام کرنے توریت لینے وہاں گئے تو اکیلے نہ گئے بلکہ ستر کو ساتھ لے گئے۔ دوسرے بچھڑا پرستی کے بعد مجرموں کی طرف سے بطور نمائندہ معذرت کرنے کے لئے ستر آدمیوں کو ساتھ لے گئے پہلے موقعہ پر ان ستر نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم کو آپ پر اعتماد نہیں آپ ہم کو رب کا دیدار کرادیں وہ ہمارے سامنے ہو کر ہم سے آپ کی نبوت وغیرہ کے متعلق بغیر حجاب کلام فرمادے تب وہ ستر کے ستر ہلاک کئے گئے اور دوسری بار بچھڑا پرستی کے جرم میں یہ نمائندے ہلاک کئے گئے کیونکہ یا تو ان لوگوں نے بھی یہ پرستش کی تھی یا انہوں نے پجاریوں کو روکنے میں نرمی کی تھی۔ اب گفتگو یہ ہے کہ یہاں کونسا واقعہ بیان ہو رہا ہے پہلا یا دوسرا بعض مفسرین نے فرمایا کہ پہلا واقعہ بیان ہو رہا ہے ان کی دلیل وہ آیت ہے **فقالوا ارنا اللہ جہرۃ فاخذتہم الصعقۃ بظلمہم ثم اتخذوا العجل** وہاں بتایا گیا کہ اس واقعہ کے بعد بچھڑا پرستی ہوئی مگر امام سدی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں پہلے میقات کا ذکر ہے اور اس آیت میں دوسرے میقات اور دوسرے واقعہ کا ذکر ہے یہ واقعہ دوبار ہوا ہے (تفسیر روح المعانی و خازن وغیرہما) فقیر بلکہ عام مفسرین کے نزدیک یہ دوسرا قول ہی قوی ہے کیونکہ یہاں اس سے پہلے بچھڑا پرستی کا ذکر ہوا اور بعد میں بھی اسی کا تذکرہ ہے درمیان میں یہ واقعہ دوسرا بیان ہو تو تسلسل کے خلاف ہوگا تفسیر خزائن العرفان وغیرہ نے بھی اسکو ترجیح دی ہے۔ اختار بنا ہے اختیار سے جس کا مادہ ہے خیر۔ اختیار کے معنی ہیں خیر خیر کو چھانٹ لینا اصطلاح میں اس

کے معنی ہوتے ہیں منتخب کر لینا چن لینا **قومہ** سے پہلے **من** پوشیدہ **من قومہ** تھا اختیار کے بعد عموماً **من** پوشیدہ ہوتا ہے جیسا کہ ان شعروں میں ہے۔

منا الذی اختیر الرجال سماحتہ — وجوداً اذاھب الریاح الزعازع

فقلت لہ اختر قلوما سمینتہ — ونابا علا بامثل نابک فی الحیا

ان دونوں شعروں میں اختیر اور اختر کے بعد **من** پوشیدہ ہے **قومہ** سے مراد یا تو پجاری اسرائیلی ہیں یا وہ جو پوجا سے محفوظ رہے تھے۔ دوسرا احتمال قوی ہے **سبعین رجلا**" یہ مفعول ہے اختار کا۔ واقعہ یہ تھا کہ اس وقت بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے آپ نے ہر قبیلہ سے چھ چھ آدمی طور لے جانے کے لئے منتخب کئے تو ہو گئے بہتر آپ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے مجھے ستر آدمی لانے کا حکم دیا ہے تم میں سے دو صاحب نکل جاؤ جو میرے ساتھ نہ جائیں۔ اس پر کوئی آمادہ نہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ رہ جانے والوں کو وہ ہی درجہ و ثواب ملے گا جو میرے ساتھ جانے والوں کو ملے گا اس پر حضرت یوشع ابن نون اور کالب ابن یوحنا ٹھہر گئے باقی ستر آدمی آپ کے ساتھ گئے یہاں اس کا ذکر ہے **لمیقاتنا** ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ میقات دو ہوئے ہیں ایک میقات کلامی جس میں موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا ہوئی اس موقعہ پر آپ نے دیدار الٰہی کی آرزو کی۔ دوسرا میقات معذرت یا میقات توبہ جو عطاء توریت اور بچھڑا پرستی کے بعد ہوا۔ قوی یہ ہے کہ یہاں یہ ہی دوسرا میقات مراد ہے۔ لفظ میقات وقت سے بنا ہے۔ بمعنی مقرر کرنا میقات کے معنی ہیں مقرر کردہ جگہ یا مقرر کردہ وقت۔ چنانچہ حج و عمرہ میں احرام باندھنے کی جگہ کو میقات کہتے ہیں۔ یعنی احرام کے لئے مقرر کردہ جگہ یہاں یا تو وقت معین مراد ہے یا جگہ مقررہ اعلٰحضرت قدس سرہ کا ترجمہ نہایت جامع ہے جس میں دونوں احتمال ہیں اگر میقات سے مراد مقرر جگہ ہو تو اس سے مراد طور اور اس کے آس پاس کا جنگل وادی سینا ہے اور اگر وقت مقرر معنی ہوں تو اس سے مراد دو تاریخیں ہیں جن میں وہاں پہنچنا مقرر ہو چکا تھا اس سے مراد طور اور وادی سینا ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی پھر وہاں ہی موسیٰ علیہ السلام سے چلہ کرایا گیا۔ وہاں ہی توریت شریف عطا ہوئی اسی جنگل میں موسیٰ علیہ السلام کو نعلین شریف اتارنے کا حکم ہوا تھا **فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی** چونکہ اس جنگل میں خصوصیات تھیں اس وجہ سے میقات توبہ قرار دیا گیا۔ **فلما اخذتھم الرجفتہ** یہ عبارت معطوف ہے **واختار** پر اس میں ف صرف بعدیت بیان کرنے کے لئے ہے فوراً" کے معنی میں نہیں **ھم** کا مرجع وہ ہی ستر آدمی ہیں کہ زلزلہ اور موت انہیں پر وارد ہوئے موسیٰ علیہ السلام محفوظ رہے **رجفتہ** کے معنی ہیں زلزلہ خواہ بادل کی گرج سے ہو یا ویسے ہی مگر ہر زلزلہ کو **رجفہ** نہیں کہتے بلکہ مہلک اور فنا کرنے والوں کو کہتے ہیں چونکہ اس زلزلہ سے وہ ستر کے ستر مر گئے تھے اس لئے اسے **رجفہ** فرمایا گیا حق یہ ہے کہ ان ستر کو موت آگئی تھی محض غشی نہ ہوئی تھی جیسا کہ **اتھلکنا** سے معلوم ہو رہا ہے۔ انہیں زلزلہ سے کیوں موت دی گئی یا اس لئے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم آپ کو نہ مانیں گے جب تک رب کو دیکھ نہ لیں یا اس لئے کہ بچھڑا پرستوں کو روکنے میں سستی کی تھی۔ دوسری وجہ قوی ہے جیسا کہ ابھی ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ واقعہ میقات توبہ کا ہے نہ کہ میقات کلامی کا۔ **قال رب لو شئت اھلکتھم من قبل** یہ عبارت **اخذتھم** کی جزا ہے موسیٰ علیہ السلام نے یہ عرض معروض اپنی دعا کی تمہید کے طور پر کی۔ اس میں رب تعالیٰ کی قدرت تامہ کا ذکر ہے **لو شئت** فرما کر یہ عرض کیا کہ زندگی

پوری ہونے عمر ختم ہونے کا تو پابند نہیں تو اگر چاہے تو بندوں کی عمر ختم ہونے سے پہلے ہی انہیں ہلاک کردے چاہے تو اور مہلت دے دے تو بڑی قدرتوں والا ہے **اهلكتهم** سے معلوم ہوا کہ ان سب کی موت واقع ہو گئی تھی صرف بے ہوش نہ ہوئے تھے **من قبل** سے مراد یا تو مطلقاً "پہلے ہے یا بچھڑا پرستی کا وقت ہے یا یہاں طور پر پہنچنے سے پہلے کا وقت مراد ہے **وایای** یہ معطوف ہے **هم** ضمیر پر اور مفعول ہے **اهلكت** کا اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام کی اپنی ذات بابرکات ہے اور **من قبل** سے مراد یا تو وہ وقت ہے جب آپ نے دیدار الٰہی کی تمنا کی تھی اور آپ پر غشی آ گئی تھی یا مراد ہے غرق فرعون کا دن۔ مقصد یہ ہے کہ اے مولیٰ اگر تو چاہتا تو ان کو اس وقت ہلاک کر دیتا جب یہ لوگ بچھڑا پرستوں سے الگ نہ ہوئے ان سے ملے رہے انہیں منع کرنے میں سستی کرتے رہے اور مجھے اس وقت وفات دے دیتا جب میں طور پر غش کھا کر گرا تھا یا اے مولیٰ اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے سب کو فرعون کے ڈوبتے وقت ہی فنا کر دیتا مگر تو نے ایسا نہ کیا ہم پر رحم کیا اب بھی ہم کو تیری رحمت کی امید ہے رحم فرما تو رحیم ہے تو کریم ہے اب بھی رحم فرما کیونکہ ان لوگوں کی موت میری بدنامی کا ذریعہ ہوگی کہ لوگ کہیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام ان سب کو مروا آئے میں کسے کسے جواب دوں گا **اتهلكنا بما فعل السفهاء منا** یہ دعا کی دوسری تمہید ہے اس میں الف انکاری سوال کے لئے ہے یعنی اے مولا ہم کو یقین ہے کہ تو ہمیں ہلاک نہ فرمائے گا بلکہ ہلاک شدگان کو میری دعا سے زندہ فرمادے گا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو ہلاک شدگان میں داخل فرمایا تاکہ رحمت الٰہی کا دریا جوش میں آجاوے یعنی مولیٰ میں بھی اسی جماعت میں داخل ہوں ان کی ہلاکت میری وفات ہے **سفهاء** سے مراد یا تو دیدار الٰہی کی تمنا کرنے والے ہیں کہ یہ تمنا ان سب نے نہیں کی تھی بلکہ بعض نے کی تھی مگر ہلاک ہوئے سب یا اس سے مراد بچھڑا پوجنے والے ہیں مگر دوسری بات قوی ہے کیونکہ یہ واقعہ میقات توبہ کا ہے **سفهاء** جمع ہے **سفيه** کی یعنی بے وقوف اور ہلکی عقل والے نادان ناسمجھ اس کی تحقیق پہلے پارے کی تفسیر میں ہو چکی ہے۔ **منا** سے مراد ہے قوم بنی اسرائیل یعنی اے مولیٰ مجھے تیری رحمت و کرم سے امید قوی ہے کہ تو ان ستر کو جن میں میں بھی شامل تھا ان نادانوں جہلا کی وجہ سے ہلاک نہ کرے گا نہ ہلاک رکھے گا کہ یہ معاملہ میری عزت کا ہے **ان هي الا فتنتك** یہ نیا جملہ ہے اس میں پہلے جملہ کی تاکید ہے **هي** کا مرجع یا تو ان ستر کی ہلاکت ہے یا ان لوگوں کا دیدار الٰہی کی تمنا کرنا ہے یا قوم کی بچھڑا پرستی ہے۔ **فتنة** کے معنی آزمائش بھی ہیں جیسے **انما اموالكم واولادكم فتنة** اور فساد بھی جیسے **الفتنة اشد من القتل** یہاں معنی آزمائش ہے اگرچہ ایسا دو معنی والا لفظ جس سے ایک اچھے ہوں دوسرے معنی خراب اللہ تعالیٰ کے لئے بولنا منع ہے مگر آپ نے مقام ناز میں یہ عرض کیا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **هي** کا مرجع خود فتنہ ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے **ان هو الا زيد** اس میں **هو** کا مرجع خود زید ہے (روح البیان) یہاں تفسیر روح المعانی نے عجیب بات فرمائی کہ ابن ابی حاتم نے بروایت راشد ابن سعد نقل کیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مولیٰ بچھڑے میں روح کس نے ڈالی فرمایا میں نے۔ عرض کیا کہ مولیٰ پھر تو نے ہی ان پجاریوں کو گمراہ کیا رب نے فرمایا کہ اے میرے کلیم میں نے اس بچھڑے کے ذریعہ لوگوں کے دل کی پختگی و خامی کو ظاہر فرمایا۔ گویا بچھڑا بنی اسرائیل کے دلوں کا آئینہ تھا جس نے ان کے دلوں کا حال بتا دیا بلکہ دکھا دیا **تضل بها من تشاء** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے جو فتنہ کا بیان کر رہی ہے یا اس کا حال ہے یا **فتنتك** کے کاف کا حال ہے **بها** میں ب سببیہ ہے ہا کا مرجع فتنہ ہے یعنی اے رب کریم تو جسے چاہے اس فتنہ کے ذریعہ

گمراہ کردے جو اس فتنہ میں گرفتار ہو جاوے وہ ہلاک ہو جاوے یا جو اس پر صبر نہ کرے یا جو راضی برضانہ ہو یا جو تیرے اس امتحان پر زبان اعتراض دراز کرے وہ گمراہ ہو جاوے (روح المعانی) **وتھدی من تشاء** جتنے معنی **تضل** کے کئے گئے اس کے مقابل اتنے ہی معنی اس عبارت کے ہوں گے یعنی جسے تو چاہے ہدایت دے یا ہدایت پر رکھے جو اس فتنہ سے الگ رہے یا جو راضی برضا رہے یا جو تیرے امتحان پر اعتراض نہ کرے اسے تو ہدایت دیتا ہے وغیرہ چونکہ ہدایت کا ذریعہ رب کا فضل ہے نہ کہ فتنہ اس لئے یہاں **بھانہ** فرمایا گیا **انت ولینا** یہ بھی آئندہ دعا کی تمہید ہے ولی کے معانی ہم دوسرے مقام پر عرض کر چکے ہیں یہ لفظ یا تو ولی ۔ بمعنی قرب سے بنا ہے یا ولایت ۔ بمعنی ملکیت و تصرف سے یا ولی ۔ بمعنی حفاظت و نصرت سے یعنی اے مولی تو ہمارا ناصر ہمارا حافظ دینی و دنیاوی کاموں میں متولی ہے یا تو ہم سے ہماری جانوں سے زیادہ قریب ہے **فاغفر لنا وارحمنا** یہ اصل دعا ہے اس میں ف ترتیب کی ہے یعنی چونکہ تو ہمارا والی وارث حافظ ناصر ہے لہٰذا ہم کو بخش دے ہم پر رحم کر۔ اس دعا میں آپ نے اپنی ذات کو ان سب کے ساتھ شامل فرمایا تاکہ جلد قبول ہو یعنی میں بھی اس جماعت میں داخل ہوں اس لئے مجھ پر مع ان کے رحم فرما۔ خیال رہے کہ مغفرت خطا بخشنے کو کہا جاتا ہے اور رحمت عطاء انعام کو یعنی ہمارے خطاؤں کو معاف کر اور ہم پر اپنے کرم کی بارش فرما یہاں تفسیر خازن نے عجیب بات فرمائی فرمایا کہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ مولی ان لوگوں سے بچھڑا پرستی یا طلب دیدار کا جرم ہوا اور مجھ سے یہ خطا ہو گئی کہ میں نے **ان ھی الا فتنتک** کہہ دیا یہ لفظ شاید تیری شان کے لائق نہ ہو ان کے وہ جرم بخش دے میری یہ خطا معاف فرمادے اور مجھے اور انہیں اپنی رحمت دے انہیں ان کے حال کے لائق اور مجھے میری شان کے لائق رحمتیں عطا فرما۔ **وانت خیر الغفرین** یعنی تیرے بندے بھی اپنے ماتحتوں کو بخشتے ان پر رحم کرتے ہیں مگر تو ان سب سے زیادہ بخشنے والا ہے دنیا میں اکثر لوگ بخشش و رحمت کسی غرض سے کرتے ہیں مگر تیری یہ رحمتیں بے غرض ہیں لوگ تو ایک دو جرم بخشتے ہیں مگر تیری بخشش انتہاء سے وراء ہے۔

گنہ رضا کا حساب کیا وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا ۔۔۔ مگر اے عفو تیرے عفو کا تو حساب ہے نہ شمار ہے

خلاصہ تفسیر: اس واقعہ کے بعد موسی علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل میں سے ستر آدمیوں کو کوہ طور پر لے جانے کے لئے منتخب فرمایا جو اپنی ساری قوم کے نمائندہ بن کر پجاریوں کی طرف سے معذرت کریں یہ ستر آدمی ان لوگوں میں سے لئے جو اس پرستش سے محفوظ رہے تھے ان لوگوں نے یہ غضب کیا کہ طور پر پہنچ کر رب تعالیٰ کے دیدار کی تمنا کی یا چونکہ ان لوگوں نے پجاریوں کو اس جرم سے روکنے میں کچھ سستی کی تھی اور ان کے ساتھ رہنا سہنا نہ چھوڑا تھا ان سے گلے ملے رہے۔ اس وجہ سے ان پر ایک چیخ آئی جس سے زلزلہ پیدا ہوا اور وہ ستر کے ستر ہلاک ہو گئے۔ موسی علیہ السلام نے جب یہ حادثہ دیکھا تو خیال فرمایا کہ اگر اب میں اکیلا اپنی قوم میں واپس گیا تو میری قوم تو پہلے ہی سرکش اور بدگمان ہے وہ مجھ پر الزام لگائے گی کہ ان ستر کو میں ہلاک کرا آیا تب آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور نہایت عجز و انکسار سے عرض کیا کہ اے میرے مولی تو قادر مطلق ہے اگر تو چاہتا تو ان لوگوں کو طور پر آنے سے پہلے ہی قوم کے سامنے ہلاک کر دیتا بلکہ اگر تو چاہتا تو مجھے بھی وفات دے دیتا تاکہ مجھے پھر ان کے قتل کی تہمت نہ لگتی تو چاہتا تو بحر قلزم میں ہم سب کو موت دے دیتا تو چاہتا تو بچھڑا پوجتے وقت لوگوں کو مار دیتا اب یہاں جو انہیں ہلاک فرمایا میرے مولی اس میں میری آبرو کا خطرہ ہے ان کی ہلاکت تیری بڑی سخت اور کڑی آزمائش ہے یا

ان لوگوں کی بچھڑے کی پرستش تیری آزمائش ہے اس آزمائش کے ذریعہ تو جسے چاہے گمراہ کرے کہ وہ تیری آزمائش پر اعتراض کرکے کافر ہو جاویں اور جسے چاہے ہدایت دے کہ وہ تیری حکمتوں کا اقرار کرکے ہدایت میں اور ترقی کر جاویں اے مولیٰ کیا بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ تو بعض کے قصور کی وجہ سے ہم سب کو فنا کر دے مجھے تیرے کرم سے امید ہے کہ تو ایسا نہ کرے گا بچھڑا پرستی دوسروں کی ہے یہ لوگ اس سے محفوظ رہے ہیں۔ میرے مولیٰ تو ہمارا لولی و وارث حافظ و ناصر ہے ہم سب کو بخش دے کہ ہمارے قصوروں سے درگزر فرما اور ہم پر کرم کی نظر اور رحمت فرما تیرے بندے بھی اپنے ماتحتوں پر رحم کرم کرتے ان کے قصوروں سے درگزر کرتے ہیں مگر تو ان سب سے بڑا رحیم و کریم ہے کہ ان کی رحمت و کرم وقتی ہوتی ہے تیری دائمی ان کی رحمت و کرم خصوصی اور کسی غرض سے ہوتی ہے اور تیرا رحم و کرم عمومی اور بے غرض ہے۔

فائدے: اس آیتہ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** تمام گناہوں میں رب تعالیٰ کا بھی مجرم ہوتا ہے اور نبی کا بھی کہ نبی کو گناہ سے تکلیف ہوتی ہے رب کی نافرمانی گویا دونوں کی نافرمانی ہے اس لئے توبہ کے لئے نبی سے بھی معافی چاہئے اور رب تعالیٰ سے بھی بلکہ نبی سے پہلے معافی چاہئے کہ ان کی معافی رب کی معافی کا ذریعہ ہے یہ فائدہ اس ترتیب ذکری سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی رضا کا ذکر پہلے کیا **ولما سکت عن موسی الغضب** اور اپنی رضا کا ذکر بعد میں۔ اور حقوق العباد مارنے میں انسان تین جرم کرتا ہے۔ رب تعالیٰ کا نبی کا اور حق والے انسان کا وہاں توبہ کے لئے تین معافیاں حاصل کرنا ضروری ہے ہم لوگ جو گناہ کرکے حضور سے معافی مانگتے ہیں اس کی اصل یہ آیتہ ہے۔ **دوسرا فائدہ:** کبھی توبہ کی قبولیت میں دیر کی جاتی ہے اس دیر میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ **واختار موسی** سے حاصل ہوا کہ ان بچھڑا پرستوں کی توبہ بہت شرائط سے بہت عرصہ میں قبول ہوئی۔ دیکھو آدم علیہ السلام کی توبہ تین سو برس بعد قبول ہوئی۔ حضرت کعب ابن مالک کی توبہ پچاس دن بعد قبول ہوئی ابو لبابہ کی توبہ بہت عرصہ بعد قبول ہوئی۔ پوری مجرم قوم کی طرف سے بعض خاص لوگوں کا توبہ کرنا ان کا نمائندہ بن کر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونا درست ہے یہ فائدہ **سبعین رجلا** سے حاصل ہوا کہ بچھڑا پرستی کی تھی لاکھوں نے ان کی طرف سے معذرت کرنے صرف ستر آدمی طور پر گئے لہٰذا بزرگوں کے ذریعہ توبہ کرنا ان سے دعا کرانا جائز اور بڑی پرانی سنت ہے۔ موجودہ کچہریوں کی وکالتوں کی اصل یہ آیت ہے کل قیامت میں اس وکالت کا ظہور اس طرح ہو گا کہ حضور ﷺ جن گنہگاروں سیہ کاروں پر کرم فرمائیں گے انہیں بارگاہ الٰہی میں پیش ہونے ہی نہ دیں گے۔ ہم کو اپنے پیچھے رکھ کر معافی وغیرہ کرا دیں گے بلکہ حضور کو رسول اللہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں دنیا میں رب تعالیٰ ہمارے سامنے نہیں اور حضور کے ذریعہ ہم سے کلام احکام فرماتا ہے اگر رب تعالیٰ ہمارے سامنے ہوتا تو رسول کی ضرورت نہ ہوتی اسی طرح حضور کو **رسولکم یا رسولنا** اس لئے کہا جاتا ہے کہ قیامت میں گنہگاروں کو پس پشت رکھ کر رب تک ہماری عرض و معروض پہنچائیں گے بخشوائیں گے۔ **تیسرا فائدہ:** پیغمبر کو اختیار ہوتا ہے کہ جس کام کے لئے جسے چاہیں منتخب کرلیں یہ انتخاب بالواسطہ رب تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے یہ فائدہ **واختار موسی** سے حاصل ہوا لہٰذا حضور ﷺ نے جس عہدے کے لئے جسے منتخب فرمایا درست کیا جناب عثمان کو حدیبیہ کے موقع پر اپنی طرف سے صلح کی بات چیت کرنے کو حضور نے منتخب کیا بلکہ تاقیامت دین کی مختلف خدمات کے لئے مختلف جماعتوں شخصوں کا انتخاب حضور کی طرف سے ہوتا رہے گا خدا کرے ہم گنہگار

بھی کسی انتخاب میں آجائیں۔

تم تو جس خاک کو چاہو وہ بنے بندہ پاک　　میں نبی کس کو بناؤں جو خفا تم ہو جاؤ

غرضکہ نبی بھی مخلوق کے بارگاہ الٰہی میں وسیل ہیں اور ولی بھی مگر نبی کا انتخاب رب کی طرف سے ہوتا ہے اور ولی کا انتخاب نبی کی طرف سے ہے۔ **چوتھا فائدہ**: توبہ کے لئے کسی خاص مقام پر خاص تاریخ میں جانا بالکل درست ہے یہ فائدہ **لمیقاتنا** سے حاصل ہوا۔ دیکھو بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام معذرت کرنے کیلئے طور پر خاص وقت ہی لے گئے ایک موقعہ پر رب نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ **ادخلوا الباب سجدا و قولوا حطتہ** بیت المقدس میں جا کر کہو کہ معافی دے لہٰذا بعض لوگوں کا بعض بزرگ مقامات پر جاکر دعائیں مانگنا بالکل درست ہے۔ خیال رہے کہ چند جگہ توبہ و عبادت جلد قبول ہوتی ہے زندہ ولی کے پاس **ھنالک دعا زکریا ربہ** حضرت مریم کے پاس زکریا علیہ السلام نے دعا مانگی۔ بزرگوں کی قبروں کے پاس **ادخلوا الباب سجدا و قولوا حطتہ** دیکھو بیت المقدس میں نبیوں کی قبریں تھیں وہاں جاکر توبہ کرنے کا بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا۔ کسی بزرگ کی عبادت گاہ یا چلہ گاہ پر جاکر جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا **و اختار موسیٰ قومہ سبعین رجلا لیمقاتنا** حضور انور نے صفا مروہ پہاڑوں پر ان کے درمیان راستہ میں کہیں چل کر کہیں بھاگ کر دعائیں مانگی ہیں سعی کرتے وقت کیونکہ یہ حضرت ہاجرہ کا مقام ہے۔ حضرت امام شافعی دعا کرنے کے لئے مصر سے بغداد امام اعظم کے مزار پر حاضر ہوتے تھے۔ **چوتھا فائدہ**: کبھی بعض کے قصور کی وجہ سے بے قصوروں پر بھی عتاب بلکہ بلائیں آجاتی ہیں۔ یہ فائدہ **اخذتھم الرجفتہ** سے حاصل ہوا۔ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں بروں کی صحبت سے بچو۔ بچھڑا پرستی اور لوگوں نے کی تھی مگر ان کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے ان لوگوں پر بھی عتاب ہو گیا۔ **پانچواں فائدہ**: نبی کی دعا سے تقدیر بدل جاتی دن پھر جاتے ہیں کبھی مردے جی جاتے ہیں یہ فائدہ **رب لوشئت** سے حاصل ہوا۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا سے ان ستر مردوں کو زندہ کیا گیا۔ **چھٹا فائدہ**: اگر رب تعالیٰ چاہے تو ہم کو ہماری عمر ختم ہونے سے پہلے بھی موت دے سکتا ہے عمر وغیرہ کے پابند ہم ہیں رب تعالیٰ پابند نہیں یہ فائدہ **لوشئت اھلکتھم من قبل** سے حاصل ہوا۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولیٰ اگر تو چاہتا تو ہم سب کو آج سے پہلے وفات دے دیتا حالانکہ ابھی ان سب کی عمریں باقی تھیں۔ **ساتواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ سے بندہ امید کبھی نہ توڑے اسی کا دروازہ بے آس والوں کی آس ہے یہ فائدہ **اتھلکنا** کے سوال سے حاصل ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولیٰ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تو ہم سب کو بعض کے جرموں کی وجہ سے ہلاک کر دے یعنی مجھ کو امید قوی ہے کہ تو ایسا نہ کرے گا معلوم ہوا کہ ستر آدمیوں کے مرجانے کے باوجود آپ نے رب تعالیٰ سے امید نہ توڑی۔ **آٹھواں فائدہ**: بعض الفاظ ایسے ہیں جو اللہ کے مقرب بندے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کر سکتے ہیں۔ دوسرا کہے تو بے دین ہو جاوے جیسا منہ ویسی بولی یہ فائدہ **الا فتنتک** سے حاصل ہوا۔ ہم اگر لفظ فتنہ کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کریں تو بے دین ہو جاویں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

درحق او مدح در حق توذم!　　در حق او شہد درحق تو سم

ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ فتنہ۔ بمعنی آزمائش بھی نہیں بول سکتے۔ **نواں فائدہ**: امتحان میں سب ہی پاس نہیں ہوا کرتے

بعض قبل بھی ہو جاتے ہیں بلکہ فیل زیادہ ہوتے ہیں پاس کوئی کوئی ہوتا ہے دیکھو یہاں تضل اور تہدی دونوں کا ذکر ہے بلکہ گمراہی کا ذکر پہلے ہے ہدایت کا ذکر بعد میں۔ **دسواں فائدہ**: دعا مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے بھی اللہ کی حمد کرے بعد میں بھی بیچ میں عرض مدعا کرے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا کے ختم پر فرمایا **وانت خیر الغفرین**۔ **گیارھواں فائدہ**: جیسی دعا ہو اس قسم کی رب کی حمد کرے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے مغفرت کی دعا کی تو آخر میں فرمایا **انت خیر الغفرین** کہیں فرمایا **انت خیر الرزقین** وغیرہ دعاء مغفرت کے لئے رب کی صفت غفاریت کا ہی ذکر چاہئے رب کے بہت نام اسی لئے ہیں کہ ہر قسم کا حاجت مند اسے اپنی حاجت کے موافق نام سے یاد کرے۔ **بارھواں فائدہ**: بزرگوں کے چلہ گاہوں کے پاس کھڑے ہو کر دعا مانگنا وہاں جاکر توبہ کرنا بڑی پرانی سنت ہے وہاں سفر کرکے جانا زیارت کرنا سب سنت قدیمہ ہے یہ فائدہ **لمیقاتنا** سے حاصل ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام ان ستر شخصوں کو وہاں طور پر توبہ کے لئے سفر کرا کر لے گئے جہاں آپ چلہ کر چکے تھے۔ غرضکہ یہ چار جگہ توبہ کی میقات ہیں۔

پہلا اعتراض: یہ ستر آدمی ہلاک نہیں بلکہ بے ہوش ہوئے تھے کیونکہ ابھی ان کی عمریں باقی تھیں۔ وہ لوگ ہوش میں آکر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ واپس آگئے عمر ختم ہونے سے پہلے موت ناممکن ہے۔ رب فرماتا ہے **اذا جاء اجلهم فلا يستاخرون ساعته ولا يستقدمون** (بعض منکرین معجزات)۔ **جواب**: ہم اس اعتراض کا جواب تیسرے پارہ میں تفصیل سے دے چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ تمہاری پیش کردہ آیتہ میں قانون خداوندی کا ذکر ہے اور یہاں اور ان جیسی دوسری آیات و احادیث میں قدرت خداوندی کا ذکر ہے قانون کے پابند ہم ہیں رب تعالیٰ نہیں وہ بڑی قدرتوں والا ہے اسی لئے وہاں **لا يستاخرون** اور **لا يستقدمون** ارشاد ہوا کہ بندے اپنی کوشش اپنے زور سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے اگر رب تعالیٰ آگے پیچھے کرے تو وہ قادر ہے عزیر علیہ السلام اور ان کا گدھا ایک سو سال وفات یافتہ رہے پھر زندہ کئے گئے اس کی پوری تحقیق تیسرے پارہ کی تفسیر میں ملاحظہ کرو۔ **دوسرا اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا **اتهلكنا بما فعل** یہ تو رب تعالیٰ پر اعتراض ہے خدا پر اعتراض نبی کی شان سے بعید ہے کہ یہ خلاف ایمان ہے۔ **جواب**: یہ عرض کرنا اعتراض نہیں بلکہ رحم کی درخواست ہے نہایت ہی عمدہ پیرایہ میں۔ یعنی اے مولیٰ کیا ہو سکتا ہے کہ تو ہم کو اسی طرح ہلاک کر دے نہیں ایسا نہیں ہو سکتا کہ تو کریم و رحیم ہے ہم کو تیری رحمت و کرم سے بڑی امیدیں ہیں مانگنے کے ڈھنگ مختلف ہوتے ہیں۔ **تیسرا اعتراض**: جناب کلیم نے عرض کیا **ان هى الا فتنتك** اس میں سخت گستاخی ہے فتنہ کو رب کی طرف نسبت کرنا بارگاہ الوہیت کی بے ادبی ہے پھر اتنے بڑے پیغمبر نے کیوں کی ہم کسی شریف انسان کو فتنہ گر یا فتنہ انگیز نہیں کہہ سکتے چہ جائیکہ رب تعالیٰ کی ذات۔ **جواب**: عربی زبان میں فتنہ کے معنی ہیں امتحان آزمائش عامہ۔ بلاء ابتلاء ہر آزمائش کو کہتے ہیں مگر فتنہ عام آزمائش کو۔ رب فرماتا ہے **انما اموالكم واولادكم فتنته** نیز یہاں فتنہ کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف خلق کی نسبت ہے یعنی یہ تیرا قائم کردہ امتحان ہے جس میں کوئی کوئی کامیاب ہوگا۔ اگر ان تین باتوں میں کوئی بات بے ادبی یا رب تعالیٰ پر اعتراض کی ہوتی تو آپ صرف **فاغفر** نہ فرماتے بلکہ ایمان کی تجدید کرتے کہ رب پر اعتراض کفر ہے اور کفر صرف ایمان سے دور ہوتا ہے۔ **چوتھا اعتراض**: آخر موسیٰ علیہ السلام نے ان ستر صاحبوں کی اتنی پرزور شفاعت کیوں کی۔ موت تو

ہر شخص کو آئی ہی ہے جب بھی آئے۔ **جواب**: اس لئے کہ یہاں آپ کی عزت کا سوال تھا اگر آپ اکیلے قوم میں واپس جاتے تو وہ لوگ آپ کو ان کے قتل کا الزام لگاتے۔ رب تعالیٰ کو نبی کی عزت کا بہت پاس ہوتا ہے اس لئے رب نے ان مردوں کو زندہ فرما کر آپ کے ساتھ بھیجا۔ اتنا بڑا کام صرف آپ کی عزت و عظمت کے لئے ہوا دیکھو یوسف علیہ السلام کی عزت محفوظ رکھنے کے لئے عالمگیر قحط سالی بھیجی وہ بھی مسلسل سات برس کی۔ **پانچواں اعتراض**: اس کی کیا وجہ ہے کہ اصحاب موسیٰ عرصہ تک آپ کے ساتھ رہنے کے باوجود صرف چالیس روز کی جدائی میں بچھڑا پرست بن گئے مگر حضور کے صحابہ ایک آن حضور کی صحبت میں رہ کر ایسے پختہ ہو گئے کہ انہیں دنیا کی کوئی تکلیف کوئی لالچ ایمان سے ہٹا نہ سکی جیسے حضرت بلال یا ابو جندل یا ابوذر غفاری۔ **جواب**: اس لئے کہ قرآن مجید کو رب نے ایسی ایک صفت بخشی ہے جو کسی آسمانی کتاب کو نہ بخشی یعنی درد دل سوز و گداز وغیرہ اور اپنے محبوب کو ایک ایسی صفت بخشی جو کسی نبی کو نہ بخشی یعنی محبوبیت مطلقہ مسلمانوں کو رب نے عشق رسول بخشا کسی امت کو ان کے نبی کا ایسا عشق نہ بخشا اس عشق کی جلوہ گری ہے کہ مومن گمراہ نہیں ہوتے۔ **چھٹا اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے قوم کی بت پرستی دیکھی تو بہت ہی غضب و غصہ کا اظہار فرمایا پھر ان ستر کے مرجانے پر بھی آپ کو جوش آگیا مگر ہمارے حضور کو کبھی نہ غصہ آیا نہ جوش۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو بڑا وسیع ظرف اور عالی ہمتی عطا فرمائی ہے دیکھو موسیٰ علیہ السلام کو تجلی صفت کی برداشت نہ ہوئی بے ہوش ہو گئے مگر ہمارے حضور نے عین ذات کی زیارت کی تبسم فرماتے رہے یہ ہے ہمت و ظرف۔ سمندر کلیانی پتھر پڑنے سے گدلا نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ کے مقبول بندوں پر دو وقت آتے ہیں نیاز کا اور ناز کا نیاز کی گفتگو کا انداز اور ہوتا ہے اس میں ادب و احترام انتہا درجہ کا ہوتا ہے مگر ناز کی گفتگو کا طریقہ بلکہ الفاظ کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔ اس میں جوش عشق کی جھلک ہوتی ہے یہ آیت کریمہ ناز و نیاز کی جامع ہے ادب اور جوش عشق دو جداگانہ چیزیں ہیں جوش عشق میں شرعی احکام مرتب نہیں ہوتے کہ بندہ بے خود ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ (از روح البیان)

گفتگو عاشقاں درکار رب جوشش عشقست نے ترک ادب
ہرکہ کرد از جام حق یک جرعہ نوش نے ادب ماند درو عقل و ہوش!

اس آیت کریمہ میں **اتهلكنا** اور **ان هي الا فتنتك** یوں ہی **تضل بها** ان سب عرض و معروض میں حضرت عشق کی جلوہ گری ہے ان میں الفاظ، طرز ادا کچھ اور ہی ہیں اور **انت ولينا** اور **فاغفر لنا** اور **وارحمنا** اور **انت خير الغفرين** میں نیاز مندی کا ظہور ہے اس کے الفاظ طرز ادا جداگانہ ہے ان مقبولوں کی دونوں ادائیں رب کو پیاری ہیں اس لئے رب نے ان کا ذکر بغیر تردید فرمایا پتہ لگا کہ دونوں ادائیں قبول ہیں۔ صوفیاء کے نزدیک عفو سزا مغفرت ہے عطا و کرم رحمت ہے چونکہ ضرر کا دفع پہلے ہے نفع کے حصول پر۔ اس لئے یہاں مغفرت کا ذکر پہلے ہوا رحم کا بعد میں۔ عوام گناہ کر کے مغفرت مانگتے ہیں خواص نیکی کر کے۔ وہ کہتے ہیں کہ مولیٰ ہماری نیکیاں تیرے دربار کے لائق نہیں معافی دے دے **فاغفر لنا** میں دونوں مغفرتوں کا ذکر ہے نبی کی شرکت بلکہ نبی کے نام سے عیبوں کے عیب چھپ جاتے ہیں۔ اس لئے **فاغفر لنا** میں آپ نے اپنے کو سب میں شامل فرمایا کریم بندے اپنے ماتحتوں کے جرم بخش دیتے ہیں مگر رب کریم مجرموں کے جرم بخش کر

انہیں نیکیوں میں تبدیل فرمادیتا ہے کہ ہر جرم پر بجائے سزا کے عطا فرماتا ہے **فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات** اس لئے آپ نے رب کو **خیر الغفرین** کہا یعنی تمام بخشنے والوں سے بڑھ کر بخشنے والا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے آم ملتے ہیں باغ میں دانہ ملتا ہے کھیت میں پانی کنوئیں میں دوا ہسپتال میں ملتی ہے ایسے ہی قبولیت اور عبادت کی برکت اللہ والوں کی چلہ گاہوں سے ملتے ہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے چلہ گاہ کو میقات توبہ قرار دیا گیا اگرچہ رب تعالیٰ کی رحمت ہر جگہ ہے مگر ملتی ان جگہوں پر ہے۔ سارے تار میں پاور ہے مگر روشنی وہاں ملتی ہے جہاں بلب ہو اس سے طریقت کے بہت مسائل نکلتے ہیں۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ
اور لکھ تو واسطے ہمارے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بے شک ہم نے رجوع کیا طرف تیرے
اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی لکھ اور آخرت میں بے شک جو تیری طرف رجوع لائے فرمایا
قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ
فرمایا رب نے سزا میری پہنچاتا ہوں میں وہ اسے جسے چاہتا ہوں اور رحمت میری نے گھیرا ہے ہر چیز کو
میرا عذاب میں جسے چاہوں دوں اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔
فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا
پس عنقریب لکھوں گا میں وہ رحمت واسطے ان کے جو پرہیزگاری کرتے ہیں اور دیتے ہیں زکوٰۃ حالانکہ وہ
تو عنقریب میں نعمتوں کو ان کے لئے لکھ دوں گا جو ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر
يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٦﴾
ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں
ایمان لاتے ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: موسیٰ علیہ السلام نے ستر آدمیوں کی ہلاکت دیکھ کر چار دعائیں مانگیں جن میں سے دو کا ذکر پچھلی آیتہ میں ہوا مغفرت اور رحمت اور بقیہ کا ذکر اس آیت میں ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کا تتمہ ہے **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں یہ ذکر ہوا کہ گمراہی اور ہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اب موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر ہے کہ مولیٰ ہم کو گمراہوں میں سے نہ بنا ہدایت یافتگان میں سے بنا۔ گویا کریم کی دین کا ذکر ہو چکا اب بندہ کی مانگ کا ذکر ہے اور اس میں مانگنے کا طریقہ بتایا جارہا ہے۔

مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو ۔۔۔ در کریم سے بندہ کو کیا نہیں ملتا

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ **انت ولینا** تو ہمارا والی ہے اب موسیٰ علیہ السلام کی طلب کا ذکر ہے کہ جب تو ہمارا مولیٰ ہے ہم بندے ہیں تو بندوں کا کام ہے مانگنا مولیٰ کا کام ہے دینا گویا ذکر ولایت کے بعد ثبوت ولایت کا تذکرہ ہے کہ دوسرے ولی مانگنے والوں سے گھبراتے ہیں مگر رب کریم مانگنے والوں سے خوش ہوتا ہے۔

تفسیر: واکتب لنا یہ عبارت معطوف ہے گزشتہ پچھلی عبارت پر لہٰذا اس کا واؤ عاطفہ ہے۔ **اکتب** بنا ہے **کتابته** سے کتابت کے کئی معنی ہیں لازم کر دینا' لکھ دینا' مقدر کر دینا۔ یہاں سارے معنی درست ہیں یعنی ہمارے لئے لازم کر دے' لکھ دے یا لکھ لے' ہمارے مقدر میں کر دے۔ خیال رہے کہ ہمارے اعمال و احوال کی تحریریں چار ہیں۔ ایک لوح محفوظ میں قلم قدرت سے جو عالم بننے سے پہلے ہو چکی۔ بچے کی پیشانی میں جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ ہر سال شب قدر میں یہ تحریر فرشتوں کے صحیفوں میں ہوتی ہے سال بھر کے واقعات و حالات کی۔ انسان کے نامہ اعمال میں عمل کر چکنے کے بعد۔ تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہاں یہ چوتھی تحریر مراد ہے یعنی ہم کو نیک اعمال کی توفیق دے کہ ہم نیکیاں کریں اور تو ہمارے نامہ اعمال میں لکھے۔ باقی مفسرین نے فرمایا کہ کتابتہ سے مراد ہے لازم و ثابت کر دینا۔ یعنی ہم پر نیکیاں لازم فرما دے' ہم کو توفیق خیر دے **لنا** میں لام نفع کا ہے یا لزوم کا۔ **لنا** فرما کر آپ نے اپنی ذات کریم کو مسلمانوں میں شامل فرما دیا تاکہ آپ کی شمولیت کی برکت سے ان لوگوں کے حق میں دعا قبول ہو جاوے ورنہ آپ کے لئے تو حسنہ یعنی بھلائی اول ہی سے لکھی جا چکی تھی نبوت سے بڑھ کر کونسی بھلائی ہو سکتی ہے پھر صاحب توریت صاحب کلام الٰہی ہونا اس پر سونے پر سہاگہ ہے۔ **فی هذه الدنیا** یہ عبارت یا تو متعلق ہے **اکتب** کے یا **حسنته** کے پہلا احتمال قوی ہے چونکہ دنیا سامنے ہے آخرت غائب اس لئے دنیا کے لئے **هذه** ارشاد ہوا دنیا کے لفظی معنی اس کی حد ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ دو قبروں یعنی ماں کے پیٹ اور قبر کے درمیان دنیا ہے۔ بعد موت سے دوسرا صور پھونکنے تک برزخ ہے۔ اور دوسرے نفخہ سے ابد الآباد تک آخرت۔ اعمال کی جگہ دنیا ہے۔ انشاء اللہ آرام کی جگہ برزخ ہے اور انعام کی جگہ آخرت۔ اسی لئے دنیا کی زندگی ان دونوں زندگیوں سے چھوٹی ہے کہ کام کم کریں آرام و انعام زیادہ۔ **حسنته** قوی یہ ہے کہ یہ اکتب کا مفعول ہے اور **فی هذه الدنیا** اسی اکتب کا متعلق تھا۔ **حسنته** صفت مشبہ ہے اور اس کا مصدر **حسن** ہے۔ معنی خوبی و نیکی۔ اس کا مقابل ہے **سیئته**۔ معنی برائی و بدی اسکی تنوین تعظیم کی یعنی بڑی خوبی عطا فرما چونکہ **حسنته** اسم جنس ہے لہٰذا اس میں تمام نیکیاں خوبیاں داخل ہیں۔ اچھی زندگی جسے **حیوة طیبته** کہا جاتا ہے۔ حلال اور وسیع روزی' ایمان پر استقامت' نیک اعمال کی توفیق۔ اچھا خاتمہ۔ علم دین' گناہوں سے حفاظت۔ مقبولوں کی صحبت ان سے محبت وغیرہ' عشاق کے نزدیک دنیا کی بھلائی یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز **حسنه** بن جائے حتیٰ کہ کھانا' پینا' سونا جاگنا' جینا مرنا و کاندار ی نوکری کرنا وغیرہ۔ یہ جب ہو سکتا ہے جبکہ ہر کام سنت رسول کی نقل کے لئے کیا جاوے۔ **وفی الاخرة** یہ عبارت معطوف ہے **فی هذه** پر یہاں حسنہ پوشیدہ ہے کیونکہ پہلے حسنہ کا ذکر ہو چکا **آخرة** سے یا تو برزخ اور قیامت اور بعد قیامت تمام ہی مراد ہیں تو آخرت کی بھلائی سے چند بھلائیاں مراد ہوں گی برزخ کے امتحان میں کامیابی وہاں کامیابی کے بعد آرام و چین۔ قیامت کی دحشت و دہشت سے حفاظت' حساب کی آسانی' نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں ملنا' چہرہ سفید ہونا'

رب تعالیٰ کی نظر کرم ور حمت 'پل صراط سے بہ آسانی گزر۔ پھر جنت میں داخلہ 'دنیاوی **اعمال** کا اچھا بدلہ۔ رب تعالیٰ کا دیدار و رضا وغیرہ یا آخرت سے مراد ہے بعد قیامت کی زندگی تو آخرت کی بھلائی سے آخری بھلائیاں مراد ہوں گی یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں غرضکہ یہ دعا بہت ہی جامع ہے۔ ہم نمازوں کے آخر میں دعا مانگتے ہیں۔ **ربنا اتنا فی الدنیا حسنتہ و فی الاخرۃ حسنتہ و قنا عذاب النار** اس کا ماخذ جناب کلیم اللہ کی یہ دعا ہے نیز قرآن مجید اور حدیث شریف میں ہم کو یہ دعا سکھائی گئی ہے۔ **انا ھدنا الیک** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے یا **اکتب لنا** کی وجہ سے **نا** سے مراد موسیٰ علیہ السلام اور طور پر آپ کے ساتھ آنے والے وہ ستر آدمی جو وہاں زلزلہ سے ہلاک کئے گئے جن کا ذکر ابھی ہو چکا یا سارے بنی اسرائیل مراد ہیں۔ **ھدنا بنا ہے ھود** سے بمعنی لوٹنا توبہ کرنا ایک شاعر کہتا ہے۔

انی امرء عما جنیت ھائد

عرب کے بعض بلیغ کہتے ہیں۔

یاراکب الذنب ھد ھد واسجد کانک ھد ھد

یعنی اے گنہگار توبہ کر توبہ کر اور ہد ہد کی طرح سجدے کرتا رہ۔ یہاں **ھدنا** یا تو معروف ہے یا مجہول یعنی ہم تیری طرف لوٹے یا لوٹائے گئے کہ تیری رحمت نے ہم کو تیری طرف لوٹایا کہ میں نے تیرے دیدار کی دعا سے توبہ کرلی۔ ان حاضرین نے اس کلام سے توبہ کی کہ **لن نؤمن لک حتی نری اللہ** اور سارے اسرائیلیوں نے **بچھڑا** پرستی سے توبہ کی (معانی بیضاوی وغیرہ) یعنی چونکہ ہم سب نے تیری بارگاہ میں توبہ کی تیری طرف رجوع کیا اور تو اپنے دروازہ سے کسی تائب کو محروم نہیں لوٹاتا اس لئے ہم پر رحم فرما (روح البیان) **قال عذابی اصیب بہ من اشاء** اس فرمان عالی میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا جواب ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے موسیٰ ہمارے پاس چار چیزیں ہیں۔ عذاب 'رحمت عام جس کا ظہور دنیا میں ہے۔ رحمت خاصہ جس کا ظہور آخرت میں ہو گا رحمت خاص الخاصہ جو صرف امت محمدیہ کو عطا ہو گی اس خبر میں عذاب کا ذکر ہے **من اشاء** میں **من** سے مراد مجرم گنہگار بندے ہیں اس میں نیک کار بندے داخل نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم جس مجرم کو چاہیں گے عذاب دیں گے جسے چاہیں گے بخش دیں گے یہ مطلب نہیں کہ جس متقی 'ولی نبی کو چاہیں گے عذاب دیں لہذا مطلب واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں اس تفسیر کی بنا پر عذاب سے مراد اخروی عذاب ہے اور **من اشاء** سے مراد گنہگار مومن ہیں کیونکہ کفار پر ضرور عذاب دائمی ہو گا کسی کافر کی بخشش نہ ہوگی۔ رہے گنہگار مومن ان کو یا رحمت بخشش یا شفاعت کے پانی سے صاف و پاک کرکے یا دوزخ کی آگ میں بٹھا کر میل دور کرکے جنت کے قابل بنایا جاوے گا جیسے مسجد میں آنے نماز پڑھنے کے لئے اولا" غسل یا وضو کرایا جاتا ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ **یغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء** اور ہو سکتا ہے کہ عذاب سے مراد دنیاوی غیبی عذاب ہو اور **من اشاء** سے مراد کفار ہوں یعنی دنیاوی عذاب ان کفار پر آئیں گے جنہیں ہم عذاب دینا چاہیں دیکھو قوم شعیب علیہ السلام پر کم تولنے کی وجہ سے۔ قوم لوط پر خباثت کی بنا پر عذاب آئے اب بھی کفار یہ جرم کر رہے ہیں مگر عذاب نہیں آتے معلوم ہوا کہ مشیت پر موقوف ہیں رحمت عامہ کے متعلق ارشاد ہوا کہ **ورحمتی وسعت کل شیئی** اس فرمان عالی میں رحمت سے مراد رب تعالیٰ کی رحمت عامہ ہے جس کا ظہور دنیا میں ہو رہا ہے جیسے زندگی 'صحت 'دھوپ 'ہوا 'رزق 'لباس وغیرہ

ان کی تفصیل ہم بسم اللہ کی تفسیر الرحمٰن الرحیم میں کر چکے ہیں۔ ان نعمتوں کے لحاظ سے رب کا نام رحمٰن ہے۔ **کل شئی** سے مراد ہر مومن کافر، متقی، فاسق انسان بلکہ سارے جن وانس، حیوانات، جمادات وغیرہ مخلوق ہے کیونکہ کوئی مخلوق اس کی اس رحمت سے خارج نہیں۔ خیال رہے کہ عذاب کے متعلق **اصیب بہ** ارشاد ہوا مضارع سے مگر یہاں وسعت ماضی ارشاد ہوا جس سے معلوم ہوا کہ رحمت الٰہی رب کا کرم ہے اور عذاب الٰہی ہمارے گناہوں کے سبب سے ہے عذاب خاص وقت میں آتا ہے مگر رحمت میں وسعت کا ذکر ہو لیا یہ بھی خیال رہے کہ رحمت بھی اللہ کے ارادہ سے ہی ہے اور عذاب بھی مگر رحمت میں اس کا ذکر نہیں ہوا جس سے پتہ لگا کہ رحمت عذاب پر سبقت لئے ہوئے ہے (از معانی)۔ **فساکتبها للذین یتقون** اس فرمان عالی میں رحمت کی دوسری قسم یعنی رحمت خاصہ کا ذکر ہے جیسے ایمان، عرفان، توفیق خیر، قبر میں کامیابی حشر میں نجات، جنت کا داخلہ وغیرہ **یتقون** بنا ہے تقویٰ سے۔ معنی ڈرنا یا بچنا تقویٰ کے معنی اس کے اقسام وغیرہ ہم **هدی للمتقین** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ تقویٰ کے دو رکن ہیں ممنوعات شرعیہ سے بچنا۔ احکام پر عمل کرنا جسے ان دونوں کی توفیق ملے وہ کامل متقی ہے یعنی رحمت خاصہ صرف پرہیزگاروں کے نامزد کروں گا۔ **ویؤتون الزکوٰة** یہ عبارت معطوف ہے **یتقون** پر اور صلہ ہے **الذین** کا اگرچہ تقویٰ میں زکوٰۃ بھی داخل تھی مگر چونکہ یہودی اول درجہ کے بخیل تھے اور بخیل ہیں انہیں زکوٰۃ بہت ہی گراں تھی اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا **والذین هم بایتنا یؤمنون** چونکہ ایمان ساری عبادات کی صحت اور قبولیت کی شرط اول ہے اس لئے اس کا ذکر آخر میں بطور حال فرمایا آیت سے مراد کتاب اللہ کی ساری آیتیں نبی کے سارے معجزات اور ان کے سارے فرمان ہیں یعنی یہ رحمت خاصہ ان لوگوں کو ملے گی جو پرہیزگار بھی ہوں ایماندار بھی چونکہ ساری اسلامی عبادتیں وقت مقرر پر ہیں جیسے نماز کے ارکان قیام رکوع وغیرہ مگر ایمان دائمی جیسے نماز کے لئے طہارت ستر عورت قبلہ کو منہ کہ اول سے آخر تک چاہئے یوں ہی ایمان اول سے آخر تک ضروری کہ سانس کی طرح ہر وقت دل میں رہے اس لئے ایمان کا ذکر تقویٰ اور زکوٰۃ کے بعد فرمایا یعنی جو یہ کام کریں مگر بشرطیکہ آخر دم تک مومن رہیں۔

خلاصہ تفسیر: طور پر ستر آدمیوں کی ہلاکت دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں چند دعائیں کیں جن میں سے تین دعاؤں کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا ایک کا اشارۃً "**اتهلکنا**" دو کا صراحتہً "**فاغفر لنا وارحمنا**" دو دعاؤں کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے چنانچہ آپ نے عرض کیا کہ خدایا ہماری ساری قوم یعنی بنی اسرائیل کے مقدر میں دنیا کی خاص بھلائی بھی لکھ دے اور آخرت کی بھلائی بھی کر دنیا میں ہم کو خیر کی توفیق اچھا کر تمام قوموں پر شرف عطا فرما۔ آخرت میں مغفرت، رحمت، دوسروں پر اظہار شرف عطا کر۔ کیونکہ ہم سب نے اے مولیٰ تیری طرف رجوع کر لیا ہے کہ بچھڑا پرستوں نے اپنے اس جرم سے توبہ کر لی ہے۔ ان ستر آدمیوں نے جنہوں نے تیرے دیدار کا تقاضا کیا تھا اس سے رجوع کر لیا حتیٰ کہ میں نے جو تیرے دیدار کا شوق کیا تھا اس سے توبہ کر لی کہ میں عرض کر چکا ہوں **سبحنک تبت الیک** مولیٰ جب ہم سب تیری طرف رجوع کر چکے ہیں تو اپنے کرم سے تو بھی ہماری یہ دعا قبول فرما اس کے جواب میں رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ ہمارے پاس ایک تو عذاب ہے اور تین رحمتیں ہمارے عذاب کا معاملہ یہ ہے کہ ہم کسی بے قصور کو عذاب نہیں دیتے قصور والوں میں سے جس کو چاہتے ہیں عذاب دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں بخش دیتے ہیں۔ رہی میری رحمتیں تو ہماری رحمت عامہ، رزق، صحت، دنیا کی دوسری نعمتیں

یہ تو ہر بندہ کو گھیرے ہوئے ہیں کہ ہر مومن کافر مطیع اور نافرمان کو پہنچ رہی ہیں۔ رہی دوسری رحمت یعنی رحمت خاصہ عرفان اور اپنا قرب وغیرہ یہ ہم ان کے مقدر میں کرتے ہیں جو پرہیزگار ہوں خصوصاً" زکوۃ دیتے ہوں ساتھ ہی وہ ہماری ساری آیات پر ایمان رکھتے ہوں کہ کوئی نیکی بغیر ایمان قبول نہیں ہوتی لہٰذا تمہاری یہ دعا ان خاص لوگوں کے حق میں قبول ہے کہ ہم متقیوں کو اس رحمت سے نوازیں گے تمہاری دعا کچھ ترمیم کے ساتھ قبول ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: نبی کی شفاعت برحق ہے دنیا میں اور آخرت میں اس شفاعت کی برکت سے اللہ کی رحمتیں ملتی ہیں یہ فائدہ **واکتب لنا** سے حاصل ہوا دیکھو موسی علیہ السلام نے اپنی ساری قوم کے لئے دنیا و آخرت کی دعا فرمائی جو قدرے ترمیم سے قبول ہوئی اور قوم کے کام آئی۔ **دوسرا فائدہ**: نبی اپنی قوم کے مختار مطلق ہوتے ہیں کہ ان کی طرف سے بارگاہ الٰہی میں عرض معروض کرتے ہیں اور رب تعالیٰ کا جواب ان تک پہنچاتے ہیں یہ فائدہ **انا ھدنا الیک** سے حاصل ہوا انشاء اللہ حضور انور کی مختاری قیامت میں ہر ایک دیکھ لے گا۔ **تیسرا فائدہ**: بہتر یہ ہے کہ رب تعالیٰ سے دنیا اور دین دونوں کی بھلائی مانگے صرف ایک بھلائی پر قناعت نہ کرے یہ ہی سنت انبیاء ہے یہ فائدہ **فی الدنیا حسنتہ" وفی الاخرۃ** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: دوسری دعاؤں سے جامع دعا مانگنا بہتر ہے جس کے الفاظ تھوڑے ہوں معنی وسیع یہ فائدہ **حسنتہ**" فرمانے سے حاصل ہوا کہ حسنہ لفظ تو نہایت ہی مختصر ہے مگر اس میں ہر بھلائی داخل ہے۔ **پانچواں فائدہ**: اپنے نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا کرنا بہتر ہے یہ فائدہ **انا ھدنا الیک** سے حاصل ہوا کہ موسی علیہ السلام نے رجوع الی اللہ کے وسیلہ سے دین دنیا کی بھلائی رب سے مانگی اور جب ہمارے اعمال جن کی مقبولیت مشکوک ہے وسیلہ دعا اور وسیلہ کرم بن سکتے ہیں تو وہ نبی کریم ﷺ جو یقیناً" مقبول محبوب ہیں ان کا توسل بالکل برحق ہے بلکہ حضور انور وسیلہ عظمی ہیں جس کا ظہور انشاء اللہ کل قیامت میں ہو گا کہ لوگ اپنے اعمال لے کر بارگاہ الٰہی میں حاضر نہیں ہوں گے۔ حضور کو پہلے تلاش کریں گے پھر حضور کے دامن میں چھپ کر بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ **چھٹا فائدہ**: اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے دیکھو یہاں عذاب کے لئے **اصیب** مستقبل ارشاد ہوا اور رحمت کے لئے وسعت' ماضی نیز عذاب کے لئے **من** فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ عذاب صرف جن و انس کو ہو گا مگر رحمت کے لئے **کل** فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ رحمت ہر عاقل غیر عاقل کو پہنچتی رہے گی۔ **ساتواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت خاص انسانوں کو ہی ملتی ہے نہ تو عام مخلوق کو ملتی ہے نہ عام انسانوں کو یہ فائدہ **للذین یتقون** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: تقوی کے لئے ایمان ایسا شرط ہے جیسے نماز کے لئے طہارت یعنی نیک اعمال کرنا برے اعمال سے بچنا جب ہی مفید ہے جبکہ یہ کام کرنے والا مومن ہو ایمان مدار قبولیت بلکہ مدار جواز ہے یہ فائدہ **بایتنا یؤمنون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: موسی علیہ السلام نے اپنی اس دعا میں **اکتب** کیوں فرمایا کہ ہمارے لئے بھلائی لکھ **اتنا** کیوں نہ کہا کہ ہمیں بھلائی دے۔ **جواب**: قولی عطا سے تحریری عطا افضل بھی ہوتی ہے اور پختہ بھی یعنی تو ہمارے نصیب میں دین و دنیا کی خوبیاں لکھ دے تاکہ ہمارے لئے وہ لازم ہو جاویں یا یہ معنی ہیں کہ تو ہم کو بھلائی کی توفیق دے اور جب ہم بھلائی کریں تو تو اسے ہمارے نامہ اعمال میں لکھ دے عمل بھی اور اس کی اخروی جزا بھی جب رب سے مانگے تو خوب اچھی چیز مانگے اس کے ہاں کمی

کس چیز کی ہے۔ **دوسرا اعتراض**: اس دعا میں دنیا کی بھلائی کا ذکر آخرت کی بھلائی سے پہلے کیوں ہوا آخرت کی بھلائی افضل ہے افضل کا ذکر پہلے چاہئے تھا۔ **جواب**: اس اعتراض کا مکمل جواب ہم دوسرے پارہ کی تفسیر میں دے چکے ہیں کہ دنیا کی بھلائی آخرت کی بھلائی کا ذریعہ ہے نیک اعمال کرو تو جنت پاؤ ذریعہ کا ذکر پہلے ہوا اصل مقصود کا ذکر بعد میں۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ گناہوں سے معصوم اور محفوظ مخلوق کو بھی عذاب دیا جا سکتا ہے کہ فرمایا گیا **اصیب بہ من اشاء** لہذا فرشتوں، نبیوں، ولیوں کو بھی عذاب ہو سکتا ہے (بعض گستاخ وہابی)۔ **جواب**: اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہم مسئلہ امکان کذب کی تحقیق میں دے چکے ہیں دیکھو پہلا پارہ آیت **ان اللہ علی کل شیء قدیر** یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس آیت میں **من** سے مراد ہر مکلف گنہگار ہے یعنی جس گنہگار مسلمان کو ہم چاہیں گے عذاب دیں گے اسے انبیاء کرام خاص اولیاء اللہ سے کوئی تعلق نہیں ورنہ یہ آیت ان تمام آیات کے خلاف ہو جاوے گی جن میں مقبول بندوں سے اللہ کے وعدوں کا ذکر ہے جیسے **وکلا وعد اللہ الحسنی** یا جیسے **وعد اللہ الذین امنوا** اللہ تعالیٰ جھوٹ وعدہ خلافی سے پاک ہے۔ **چوتھا اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے یہ کیوں عرض کیا کہ **واکتب لنا فی ھذہ الدنیا حسنۃ** کیا رب نے انہیں دین د دنیا کی بھلائی نہیں دی تھی وہ تو نبی ہیں نبی کو ہر قسم کی بھلائی عطا ہوتی ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے بہت جواب ہو سکتے ہیں آسان جواب یہ ہے کہ درحقیقت آپ کی یہ دعا قوم کے لئے تھی اپنے کو اس میں داخل فرمایا تاکہ دعا زیادہ قابل قبول ہو جاوے دیکھو ہم اپنی دعا کے آگے پیچھے درود شریف پڑھتے ہیں حضور کو دعائیں دیتے ہیں کیوں؟ تاکہ حضور کے نام کی شمولیت سے ہمارا کام بن جاوے۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت کریمہ کے دو جزوں میں اختلاف ہے۔ **رحمتی وسعت کل شیء** سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رحمت سب کو ملتی ہے پھر فرماتا ہے **فساکتبھا للذین یتقون** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رحمت صرف پرہیزگاروں کو ملتی ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اللہ کی رحمت کئی قسم کی ہے رحمت عامہ، دنیاوی رزق وغیرہ سب کو ملتی ہے مگر رحمت خاصہ مومنوں متقیوں کو پہلے جز میں رحمت عامہ کا ذکر ہے دوسرے جز میں رحمت خاصہ کا تذکرہ ہے لہذا دونوں جز بالکل حق ہیں۔ **چھٹا اعتراض**: تقویٰ میں سارے نیک اعمال کرنا اور سارے گناہوں سے بچنا داخل ہے پھر اس کے بعد زکوۃ کا ذکر کیوں ہوا کہ فرمایا **یتقون ویؤتون الزکوۃ**۔ **جواب**: بنی اسرائیل بڑے کنجوس تھے زکوۃ و خیرات سے بہت ہی بچتے تھے اس لئے زکوۃ کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا مقصد یہ ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ تو سارے اسرائیلیوں کے لئے رحمت خاصہ کی دعا فرما رہے ہیں مگر ہمارا قانون یہ ہے کہ ہم رحمت خاصہ متقیوں خصوصاً" سخیوں، زکوۃ دینے والوں کو عطا فرمایا کرتے ہیں یہ کنجوس اس رحمت کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: دین موسوی جب تک منسوخ نہ ہوا تھا تب تک یہودیت اللہ کی نعمت تھی جس پر فخر کیا جا سکتا تھا اس کے ذریعہ دعائیں کی جاتی تھیں دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بطور شکر عرض کیا **انا ھدنا الیک** اور اس کو قبولیت دعا کا ذریعہ بنایا مگر جب سے وہ دین منسوخ ہوا تب سے یہودیت لعنت بن گئی اب جو اپنے یہودی ہونے کا اقرار کرے وہ کافر ہے سردیوں میں آگ راحت ہے گرمیوں میں تکلیف دہ۔ اس کا خیال رہے رب نے یہاں عذاب کے مقابل رحمت کا ذکر کیا نہ کہ ثواب کا کیونکہ عذاب وہ سزا ہے جو کسی جرم پر دی جاوے بغیر جرم سزا ظلم ہے۔ رب ظلم سے پاک ہے مگر رحمت وہ ہے جو بغیر استحقاق کرم کیا

جاوے وہاں عمل کی شرط نہیں اس میں بتایا کہ عذاب بغیر عمل نہیں ہو تاہاں رحم و کرم بغیر عمل بھی ہو گا اللہ کی وہ رحمت جو ہمیشہ ہر چیز کو گھیرے ہے جس کا کوئی کنارہ یا حد نہیں وہ میرے محبوب ﷺ ہیں جن کے متعلق ارشاد ہوا **ورحمتی وسعت کل شیء** حضور ہر چیز کو محیط ہیں جیسے سورج اپنی نورانیت سے دنیا بھر کو گھیر لیتا ہے از آدم تا قیامت ہر ایک کو حضور کی رحمت سے حصہ ملا اس کی تفسیر وہ آیت ہے **وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین** حضور انور کے سوا کوئی رحمت تمام عالموں کے لئے نہیں کسی کو رحمۃ للعلمین نہیں کہہ سکتے۔ سورج بارش آسمان و زمین سمندر ان کی حدیں ہیں مگر حضور کی رحمت کی کوئی حد نہیں۔ **لہذا کل شیء** سے مراد ہر ماسوی اللہ 'جنت اور وہاں کی مخلوق 'فرشتے 'جن و انس وغیرہ ہیں مقصد یہ ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام تم تو صرف اپنی جماعت کے لئے دعاء رحمت کر رہے ہو مگر میری رحمت یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ عالم کو ایسے گھیرے ہوئے ہیں کہ جس کا میں رب ہوں اس کے لئے وہ رحمت ہیں۔ میرا نام ہے رب العالمین ان کا نام ہے رحمۃ للعالمین ان کی رحمت عامہ سارے عالم کو ملے گی اور ان کی رحمت خاصہ مومنین متقین کو عطا ہو گی۔ ان کی تشریف آوری پر دنیا میں غیبی عذاب آنا بند ہو جائیں گے تم کو چاہئے کہ ان کے توسل سے ہم سے دعا کیا کرو۔ خلاصہ فرمان یہ ہے کہ اے موسیٰ میری رحمت عامہ تو ہر چیز کو گھیرے ہے اس کے لئے دعا کرو یا نہ کرو۔ ایسی کوئی چیز نہیں جس کا میں رب ہوں اور محمد مصطفیٰ اس کے لئے رحمت نہ ہوں۔ رہی رحمت خاصہ جس کی آپ نے دعا کی ہے دنیا و آخرت کی بھلائی وہ ہم آپ کی امت کو دیں گے بشرطیکہ ان میں تین صفات ہوں تقویٰ 'سخاوت 'ایمان۔ اور خاص الخاص رحمت وہ امت محمدیہ کے لئے محفوظ رکھی گئی ہے وہ کسی دوسری امت کو نہیں مل سکتی اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ

وہ لوگ جو پیروی کریں گے اس رسول کی نبی کی ماں والے کی کہ پائیں گے وہ اس کو لکھا ہوا

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے

مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ

نزدیک اپنے توریت اور انجیل میں حکم کریں گے وہ

لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی

بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ

رسول ان کو اچھی بات کا اور منع کریں گے وہ ان کو برائی سے اور حلال کریں گے وہ واسطے

کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں

وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ

ان کے طیب چیزیں اور حرام کریں گے وہ ان پر بری چیزیں اور اتار دیں گے وہ ان سے بوجھ ان کے اور وہ

انہیں حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتار دے گا

كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا

طوق جو تھے اوپر ان کے پس وہ لوگ جو ایمان لائیں ان پر اور عزت کریں ان کی اور مدد کریں انکی

تو وہ جو ان پر ایمان لائیں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی

النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿﴾

اور پیروی کریں اس نور کی جو اتارا جاوے گا ساتھ انکے وہ ہی کامیاب ہیں۔

پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہ ہی بامراد ہوئے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا اور اس دعا کی قبولیت کا ذکر ہوا اب اسی قبولیت کا تتمہ ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ کی دعا قبول ہے اور اس کا تکملہ و تتمہ یہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا ذکر ہوا مگر کچھ ترمیم کے ساتھ۔ اس قبولیت میں ایک اور ترمیم فرمائی جا رہی ہے کہ ہم آپ کی قوم کو دین دنیا کی بھلائی دیں گے مگر اس شرط سے کہ وہ نبی آخر الزمان پر ایمان لائیں ان کی مدد خدمت و تعظیم کریں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی دو رحمتوں کا ذکر ہوا ایک رحمت عامہ جو ہر چیز کو گھیرے ہے **رحمتی وسعت کل شیئ** دوسری رحمت خاصہ جو صرف مومن متقیوں کو پہنچتی ہے اب رب کی تیسری رحمت کا ذکر ہے جو صرف امت محمدیہ پر ہوگی۔ گویا رحمت خاصہ کے لئے تین شرطوں کا ذکر ہوا۔ تقویٰ، زکوٰۃ، ایمان اور رحمت عامہ کے لئے ایک شرط کا ذکر ہے اتباع محمد رسول اللہ گویا تینوں دعائیں کچھ ترمیم سے قبول ہوئیں۔

تفسیر: **الذین یتبعون** ظاہر یہ ہے کہ **الذین** گزشتہ **الذین** یعنی **للذین یتقون** کا بیان ہے پہلے تین صفتوں کا بیان ہوا تقویٰ، زکوٰۃ دینا، آیتوں پر ایمان رکھنا اب چوتھی صفت کا بیان ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا یعنی رحمت خاصہ کے حق دار وہ ہیں جو ان چار صفتوں سے موصوف ہوں اور ہو سکتا ہے کہ یہ **الذین** ایک پوشیدہ فعل کا فاعل یا مفعول ہو یعنی خاص الخاص رحمت وہ لوگ پائیں گے یا ہم ان کو دیں گے **الذین** سے مراد وہ بنی اسرائیل ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے سارے مسلمان مراد ہوں خواہ بنی اسرائیل ہوں یا کوئی اور پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں کہ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا ذکر ہے۔ قوی یہ ہے کہ **یتبعون** معنی مستقبل ہے یعنی اتباع کریں گے کب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حضور انور کی اتباع ناممکن تھی کہ اس وقت دین محمدی آیا ہی نہ تھا یوں ہی اس آیت کے سارے مضارع معنی مستقبل ہیں۔ **یجدونہ۔ یامرھم۔ یحل۔ یحرم** وغیرہ یہ بات بہت اچھی طرح خیال رہے لہٰذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے اس پر اعتراض نہیں۔ اتباع صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ یا حاکم و عالم کی اتباع نہیں اور اطاعت اللہ تعالیٰ کی بھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اور حاکم و علماء کی بھی۔ دیکھو آیت کریمہ **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی** کسی کا فرمان بغیر تحقیق ماننا اطاعت ہے کسی کی نقل بغیر سوچے سمجھے کرنا اتباع۔ حضور انور کے اقوال کی پیروی اطاعت افعال کریمہ کی نقل اتباع دونوں ہی ضروری ہیں۔ **یتبعون** کا فاعل وہ ہی بنی اسرائیل ہیں جو حضور انور کا زمانہ پائیں جو

الذین سے مراد تھے اس کے بعد حضور ﷺ کے نو صفات عالیہ ارشاد ہوئے چنانچہ فرمایا گیا۔ **الرسول النبی الامی** سے آخر تک مفعول ہے **یتبعون** کا اس میں حضور کے تین صفات ہیں رسول 'نبی 'امی' رسول اور نبی میں چند طرح فرق کیا جاتا ہے۔ 1- اللہ کی نسبت سے حضور رسول ہیں اور مخلوق کی نسبت سے نبی یعنی رسول الخالق ہیں اور نبی الخلق ہیں چونکہ رسالت نبوت سے افضل ہے اس لئے رسول کا ذکر پہلے ہوا نبی کا بعد میں رب فرماتا ہے **وکان رسولا نبیا**" لہٰذا نبوت منسوخ ہو سکتی ہے رسالت منسوخ نہیں ہو سکتی گذشتہ انبیاء کرام اب نبی نہیں رسول اللہ اب بھی ہیں **امنت باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ** -2- صاحب کتاب پیغمبر رسول ہیں اور عام پیغمبر نبی اس لئے نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور رسول تین سو تیرہ -3- غیبی خبریں دینے والے پیغمبر نبی ہیں جہاں عقل کی رسائی نہ ہو۔ اور فیوض ربانی دینے والے پیغمبر رسول ہیں یعنی نبی ہیں پیغام رساں اور رسول ہیں فیضان رساں حضرت جبریل نے بی بی مریم سے کہا تھا **انما انا رسول ربک لاھب لک غلما" زکیا**۔ پھر رسول یعنی فیضان رساں دو طرح کے ہیں بے اختیار 'بااختیار' بے اختیار حضرت جبریل ہیں کہ قرآن میں انہیں رسول فرمایا بے اختیار۔ اور بااختیار رسول انسانوں کے رسول۔ اس لئے لوگ انسانی رسولوں کے امتی ہوئے حضرت جبریل کا امتی کوئی نہیں۔ پھر تین سو تیرہ رسولوں میں سب کی فیض رسانی محدود تھی خاص وقت اور خاص قوم کے لئے۔ ہمارے حضور کی فیض رسانی غیر محدود ہے کہ حضور نے سب کو ہمیشہ فیض دیا اور دیں گے چھوٹا ڈول بڑا ڈول 'ٹیوب ویل اور دریا بادل سب ہی پانی دیتے ہیں مگر ان کے دین میں فرق ہے۔ -4- رسول و نبی دونوں ہم معنی ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔ -5- اللہ کی طرف سے تبلیغ کرنے والا رسول ہے۔ اللہ کے نزدیک بڑی شان بڑے درجہ والا نبی ہے یعنی نبی **نبوۃ** سے بنا ' معنی بلندی درجات (تفسیر روح المعانی و کبیر) یا نبی **نبا** سے بنا ' معنی خبر۔ نبی خبر والا یعنی غیبی خبر دینے والا یا سب کی خبر رکھنے والا یا خبر لینے والا اس کی تفصیل ہماری کتاب مواعظ نعیمیہ میں مطالعہ کرو **امی** کی تفسیر ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ بنا ہے **ام** اور یا نسبتی سے ام سے مراد یا تو **ام القری** یعنی مکہ معظمہ ہے امی ' معنی مکی ہے یعنی مکہ میں پیدا ہونے والے یا **ام** بنا ہے **امۃ** عربیہ سے جو لکھنے پڑھنے سے عموما" علیحدہ تھے یعنی بے پڑھے لکھے جماعت میں پیدا ہونے والے یا **ام** ' معنی ماں ہے یعنی شاندار ماں والے کہ جناب آمنہ جیسی شان والی بی بی جو محمد مصطفیٰ کی ماں ہیں نہ پیدا ہوئی نہ پیدا ہو۔ بے مثال نبی کی بے مثال ماں رضی اللہ عنہا یا **امی** کے معنی ہیں ماں کے پیٹ سے عالم و عارف پیدا ہونے والے جن کے دامن پر کسی کی شاگردی کسی کی مریدی کسی سے فیض لینے کا دھبہ نہیں۔ شعر

لکھے نہ پڑھے جناب والا شاگرد رشید حق تعالیٰ

نگار من کہ بمکتب نرفت و خط نہ نوشت بغمزہ مسالہ آموخت و صد مدرس شد

قلم اعلیٰ جن کا خادم ہو لوح محفوظ جس کی کتاب ہو اللہ کے نوشتہ پر جس کی نظر ہو وہ کس کا شاگرد ہو۔ یا **ام** ' معنی اصل ہے رب فرماتا ہے **وعندہ ام الکتب** یعنی عالم کی اصلیت والا شعر۔

تو اصل وجود آمدی از نخست دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

دیکھو تفسیر روح البیان حضور رسول بھی ہیں 'نبی بھی 'امی بھی ﷺ **الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التورتہ**

والانجیل یہ حضور ﷺ کی چوتھی صفت ہے یہاں بھی **یجدون** بمعنی مستقبل ہے کیونکہ جب موسیٰ علیہ السلام کو حضور کے یہ صفات سنائے گئے تب انجیل نہیں آئی تھی نہ لوگوں نے اس میں حضور کے صفات پڑھے تھے **یجدون** کا فاعل وہ ہی بنی اسرائیل ہیں جو حضور انور کے زمانہ میں موجود ہوئے اور ان کے بعد والے اسرائیلی۔ توریت وانجیل میں حضور انور کے نام آپ کے کام آپ کے صفات آپ کے احوال بالتفصیل موجود تھے **عندھم** یا تو ظرف ہے **یجدون** کا یا **مکتوبا**" کا **عندھم** فرما کر یہ بتایا کہ حضور انور کی ذات و صفات ہر وقت ان کے پاس حاضر رہیں گی کسی وقت ان سے غائب نہ ہوں گی۔ (روح المعانی) حضور کا نام ان میں ایسا مشہور و معروف ہو گا کہ وہ حضور کے نام کے وسیلہ سے جنگوں میں فتح، بیماریوں میں صحت، مصیبتوں میں نجات، آفتوں میں رہائی کی دعائیں کیا کریں گے۔ رب فرماتا ہے **وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا** توریت وانجیل کے لفظی معنی اور یہ کہ یہ لفظ عربی ہیں یا عبرانی اگر عربی ہیں تو ان کے لغوی معنی کیا ہیں ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

پیش زانکہ نقش احمد رو نمود ۔۔۔ نعت او ہر گبر را تعویذ بود
سجدہ می کردند کے رب بشر ۔۔۔ در عیاں اونیش ہرچہ زودتر
نقش اومی گشت اندر راہ شاں ۔۔۔ در دل و در گوش در افواہ شاں!
ایں ہمہ تعظیم و تفخیم وودار ۔۔۔ چوبدیدند شی بصورت بر وبار
قلب آتش دہد دردم شد سیاہ ۔۔۔ قلب را در قلب کے بود است راہ!

یعنی حضور انور کی تشریف آوری سے پہلے حضور کا نام سارے کفار کا تعویذ تھا وہ سجدے کر کے دعائیں مانگتے تھے کہ مولیٰ انہیں جلد سے جلد بھیج ان کے دلوں، کانوں، زبانوں میں حضور کا نام نقش تھا۔ جب حضور انور تشریف لئے آئے تو ان کے منہ کالے پڑ گئے جیسے کھوٹا سکہ آگ دیکھ کر روسیاہ ہو جاتا ہے بلکہ موجودہ انجیلوں میں بھی اس قدر تحریفوں کے بعد حضور کی پیش گوئیاں موجود ہیں جیسا کہ ہم فوائد میں عرض کریں گے ان شاء اللہ **یامرھم بالمعروف وینھھم عن المنکر** یہ نبی ﷺ کے پانچویں چھٹے اوصاف کا ذکر ہے یا تو نیا جملہ ہے یا **الرسول** سے یا **یجدونہ** کی ضمیر سے حال ہے اس میں حضور کا ایک وصف بیان ہوا اچھی باتوں کا حکم فرمانا خواہ قولی ہو یا عملی قوت و طاقت سے ہو یا محض وعظ اور نصیحت سے ہر اچھا قول، فعل، عقیدہ معروف ہے اس کی صدہا قسمیں ہیں عقائد اسلامیہ، عبادات، معاملات، اخلاقیات، سیاسیات غرضکہ کلمہ طیبہ سے لے کر ماں باپ کی اطاعت بلکہ راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانے تک کے سارے کام اس میں داخل ہیں یوں ہی اس کے مقابل ہر بری بات برا عقیدہ، بد معاملگی، بد خلقی وغیرہ تمام چیزیں منکر میں داخل ہیں حضور انور کا فرمان عالی کہ معروف ہے تعظیم امر اللہ اور شفقت علی خلق اللہ۔ نہایت جامع فرمان ہے (از تفسیر کبیر) یہاں بھی **یامر** اور **ینھی** بمعنی مستقبل ہے کیونکہ جب موسیٰ علیہ السلام کو یہ بتایا گیا تب حضور ﷺ کا نہ ظہور ہوا تھا نہ آپ کی تبلیغ جاری ہوئی تھی۔ حضور انور کی تبلیغ تین طرح کی ہے تبلیغ عملی یہ تو پیدا ہوتے ہی شروع ہو گئی۔ تبلیغ قولی یہ ظہور نبوت سے شروع ہوئی۔ تبلیغ بالواسطہ جو حضور کے خلفاء اور تاقیامت علماء، اولیاء حضور کی نیابت میں حضور کی تبلیغ کرتے رہیں گے۔ اس قسم کی تبلیغ سواء حضور انور کے کسی نبی نے نہیں کی تھی نیز جن اچھی

چیزوں کا حضور نے حکم اور جن سے انہوں نے منع فرمایا وہ ہمیشہ کے لئے اچھی اور بری ہیں یہ بھی حضور انور کی خصوصیت ہے گزشتہ نبیوں نے وقتی بھلائی کا حکم دیا تھا اور وقتی برائی سے منع فرمایا تھا جس کا ذکر اگلے مضمون **یحل لھم الطیبات** میں ہے **یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث** یہ عبارت معطوف ہے **یامرھم** پر اس میں حضور ﷺ کی ساتویں آٹھویں صفت کا ذکر ہے **یحل** بنا ہے احلال سے۔ بمعنی حلال کر دینا **یحرم** بنا ہے تحریم سے۔ بمعنی حرام کر دینا ان دونوں فعلوں کا فاعل وہ ہی الرسول اور النبی ہے جن کا ذکر ہو رہا ہے یعنی حضور محمد مصطفےٰ ﷺ۔ طیب، حلال یوں ہی خبیث اور حرام کا فرق ہم ساتویں سیپارے کے شروع میں **لاتحرموا طیبات ما احل اللہ لکم** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں وہاں مطالعہ کرو یہاں اتنا سمجھ لو کہ پاک اور دل پسند چیزیں طیب ہیں اور **طبیعت** کو ناپسند چیزیں خبیث ہیں جن سے دل نفرت کرے وہ اگرچہ شرعاً حرام نہ ہو طیب نہیں بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت گائے بکری کی کچھ چربیاں ان کی سرکشی کی وجہ سے حرام کر دی گئی تھیں اور شراب جیسی گندی چیز عیسائیوں پر حلال تھی یہ مذکورہ حرمت و حلت خدا کا عذاب تھا۔ حضور ﷺ نے جلوہ گر ہو کر اونٹ وغیرہ کو یہود پر حلال کیا اور شراب کو عیسائیوں پر حرام فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوئی اور حضور انور کا احسان۔ اللہ حضور انور کو حلال و حرام کا مالک کرے گا۔ دیکھ لو ایک فی صدی چیزیں قرآن مجید نے حرام و حلال کیں اور ننانوے فی صدی حدیث نے۔ **ویضع عنھم اصرھم** یہ عبارت معطوف ہے **یحل لھم** پر اس میں حضور ﷺ کی نویں صفت کا بیان ہے **یضع** بنا ہے **وضع** سے۔ بمعنی رکھنا اگر اس کے بعد **علی** آئے تو۔ بمعنی لادنا ہوتا ہے اور اگر **عن** آئے تو۔ بمعنی اتارنا ہے یہاں۔ بمعنی اتارنا ہوتا ہے **اصر** ناقابل برداشت بوجھ جو ہلنے نہ دے یعنی وہ نبی اہل کتاب سے ان کے ناقابل برداشت بوجھ اتاریں گے۔ اس بوجھ سے مراد ہے ان کے دین کے سخت احکام جن میں وہ دبے ہوئے تھے جیسے نجس کپڑے یا نجس عضو کو کاٹ ڈالنا، مال غنیمت کو جلا دینا، ہفتہ کے دن شکار حرام ہونا گنہگار عضو کا کاٹ دینا حتی کہ بد نظری ہونے پر آنکھ پھوڑ دینا۔ عمد و خطا ہر قسم کے قتل میں صرف قصاص واجب ہونا دیت یعنی خون بہانہ ہونا یہ تمام احکام یہود کے دین میں تھے حضور انور نے ختم فرمائے۔ **والاغلال التی کانت علیھم** یہ عبارت معطوف ہے **اصرھم** پر اور **یضع** کا مفعول ہے **اغلال** جمع ہے **غل** کی۔ بمعنی گردن کا طوق اور طوقوں سے مراد یا تو وہ ہی سخت احکام مذکورہ ہیں اور یہ **اصر** کا **عطف** تفسیری ہے یا اس سے مراد ہے مشکل اور ناقابل برداشت عبادات جیسے ترک دنیا، معمولی غذائیں کھانا، معمولی لباس پہننا وغیرہ جب بنی اسرائیل نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو ٹاٹ پہنتے ہاتھ گردن سے باندھتے اپنے کو ستون سے بند ھواتے۔ یہ تھے ان کے طوق (روح المعانی) بعض عیسائی راہب اپنے جسم پر کوڑے لگواتے ہیں تاکہ آہ و بکا کریں اور ان کے گناہ معاف ہوں۔ حضور ﷺ نے تشریف لا کر یہ تمام مصیبتیں دور فرمائیں۔ بچھڑا پرستی سے توبہ کرنے کے لئے ہزارہا اسرائیلی قتل ہوئے اب صرف زبانی توبہ کافی ہے غرضکہ اب راج ہی اور ہے راج ہی نرالا ہے۔ رحمت والے کا راج ہے رحم و کرم کا دور دورہ ہے یہاں تک تو حضور انور کے نو اوصاف ارشاد ہوئے اب ان کے متبعین کے چار اوصاف بیان ہو رہے ہیں چنانچہ ارشاد ہے **فالذین امنوا بہ** یہ ان کی پہلی صفت ہے **الذین** سے مراد یا تو حضور انور کے زمانہ کے اسرائیلی ہیں یا سارے ہی انسان یا سارے جن و انس کہ حضور انور سارے عالم کے نبی ہیں کسی خاص قوم یا خاص ملک یا خاص وقت کے لئے نبی نہیں ایمان میں سارے اسلامی عقائد داخل ہیں اللہ کی وحدانیت،

انبیاء کرام اور تمام کتابوں کی صداقت' فرشتوں' دوزخ' جنت' قیامت وغیرہ کی حقانیت غرضکہ یہ ایک کلمہ بہت جامع ہے چونکہ حضور ﷺ ایمان کا رکن اعلیٰ ہیں کہ آپ کا ماننا سارے ایمانیات کا ماننا ہے آپ کا انکار بہ در حقیقت تمام کا انکار ہے اس لئے یہاں آپ ہی کا ذکر ہوا **ابھی** فرمایا اللہ کی وحدانیت قیامت فرشتوں وغیرہ کا ذکر نہیں ہوا۔ خیال رہے کہ حضور انور پر ایمان چھ قسم کا ہے (1) میثاق کے دن سارے لوگ حضور پر ایمان لائے' جب اللہ نے سب کے سامنے نبیوں سے حضور کے متعلق عہدو پیمان لیا **واذاخذاللہ میثاق النبیین**۔ (2) دنیا میں سارے نبیوں کی بشارتوں کی وجہ سے ان کی امتیں حضور پر ایمان لائیں پہلے کا نام ایمان شافی ہے اس کا نام ایمان بشارت۔ (3) حضور کی ولادت کے بعد اعلان نبوت سے پہلے لوگ آپ کو دیکھ کر ایمان لائے جیسے بحیرہ راہب اور ورقہ ابن نوفل (4) اعلان نبوت کے بعد کافر دل سے آپ پر ایمان لائے مگر زبان سے انکاری رہے (5) اعلان نبوت کے بعد مومن دل و زبان سے آپ پر ایمان لائے۔ (6) حضور کے پردہ فرمانے کے بعد لوگ آپ کے نام پر ایمان لائے یہ دونوں ایمان شرعی ہیں یہ ہی دونوں یہاں مراد ہیں کیونکہ ایک قسم کا ایمان تو ان اسرائیلیوں کو بھی حاصل تھا۔ **وعزروہ** یہ مومنین کی دوسری صفت ہے **عزروا** بنا ہے تعزیر سے۔ بمعنی منع کرنا روکنا اسی لئے سزا کو تعزیر کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کو جرموں سے روکتی ہے۔ اصطلاح میں اس کے معنی ہیں تعظیم و توقیر کرنا۔ کہ کسی کی تعظیم انسان کو معظم کی نافرمانی اس کی بے ادبی سے روکتی ہے بلکہ تمام برائیوں سے بچا نیک اعمال کرنے کی صرف ایک وجہ ہے وہ ہے حضور کی ہیبت حضور کی تعظیم و توقیر کہ اس سے ایمان ملتا ہے اسی سے تقویٰ نصیب ہوتا ہے بلکہ اس سے شیطان بھاگتا ہے شیطان کسی چیز سے اتنا نہیں بھاگتا جتنا حضور انور کے ادب واحترام و تعظیم سے بھاگتا ہے' جس کے دل میں حضور کی ہیبت ہوگی اس کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں ہوگی آزمالو۔ بہرحال تعظیم و توقیر کو تعزیر فرمانا بالکل درست ہے **ونصروہ** یہ مومنوں کی تیسری صفت ہے **نصروا** بنا ہے **نصر** سے۔ بمعنی مدد کرنا حضور سے دشمنوں کو دفع کرنا آپ کے دین کی خدمت کرنا۔ خیال رہے کہ مدد کی دو قسمیں ہیں۔ خادمانہ مدد اور مخدومانہ مدد سپاہی اپنی جان سے بادشاہ کی مدد کرتا ہے مگر خادمانہ۔ بادشاہ سپاہیوں کی مدد فرماتا ہے مال سے' ہتھیاروں سے' تنخواہ سے مگر مخدومانہ۔ یوں ہی امت حضور کی مدد کرتی ہے خادمانہ اور حضور انور امت کی مدد کرتے ہیں مخدومانہ یہاں پہلی قسم کی مدد یعنی خادمانہ مراد ہے۔ رب فرماتا ہے **ان تنصرواللہ ینصرکم** اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا بندے مدد کرتے ہیں خادمانہ رب مدد فرماتا ہے ربوبیت کی مخدومانہ مدد لہذا **نصروہ** بالکل درست ہے خیال رہے کہ حضور کی تعظیم اور حضور کی مدد تاقیامت جاری ہے حضور کے نام کی حضور کی سنتوں کی' جس کو حضور سے نسبت ہو اس کی تعظیم حضور انور ہی کی تعظیم ہے جیسے **کلوا واشربوا** مطلق ہے سواء ممنوعہ چیزوں کے ہر کھانا پینا درست ہے ایسے ہی **عزروہ** مطلق ہے سواء ممنوعہ تعظیم کے ہر طرح ان کی تعظیم کرو انہیں خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہو سجدہ نہ کرو باقی ہر طرح کی تعظیم کرو' جس کی طرف ایمان رہبری کرے پھر جیسے ایمان چھ طرح کا تھا ایسے ہی حضور کا ادب واحترام بھی چھ قسم کا ہے بعض وہ تعظیم جو دنیا بننے سے پہلے فرشتوں نے کی بعض وہ جو جو نبیوں نے کی بعض وہ جو نبیوں کی انہوں نے کی مگر یہاں وہ تعظیم مراد ہے جو حضور انور کے زمانہ میں صحابہ نے اور حضور کے بعد تاقیامت مسلمان کریں گے جیسا کہ مضمون سے ظاہر ہے ان تعظیموں کی بہت تفصیل ہے جو ہمیشہ سے حضور کی ہوتی رہی ان پر آیات قرآنیہ شاہد ہیں۔ یوں ہی تاقیامت زبان سے قلم سے خون سے حضور کے دین کی مدد حضور ہی کی مدد ہے لہذا تاقیامت

مجاہدین، شہداء، علماء، اولیاء سب حضور ہی کے خدمت گار مددگار ہیں اللہ سب کو نصیب کرے **واتبعوا النور الذی انزل معہ** یہ مومنین کی چوتھی صفت ہے ہم اتباع اور اطاعت کا فرق بارہا بیان کر چکے ہیں اطاعت حاکم کی ہوتی ہے مگر اتباع حاکم کی بھی ہوتی ہے محکم کی بھی یہاں اتباع حکم مراد ہے اور **فاتبعونی** میں حاکم کی اتباع مراد ہے حضور انور کے سواء کسی حاکم کی اتباع نہیں نہ خدا تعالیٰ کی نہ سلطان کی نہ عالم کی نہ پیر کی ہاں ان سب کی اطاعت ہوگی۔ نور سے مراد حضور انور کی ساری وحی ہے خواہ وحی جلی یعنی قرآن ہو یا وحی خفی یعنی حدیث خواہ حضور کے الہامات ہوں خواہ حضور کے اجتہادات ہوں خواہ عام ارشادات اسی لئے القرآن نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی اور اسی لئے **انزل علیہ** نہ فرمایا بلکہ **انزل معہ** فرمایا چونکہ حضور کی ہر قسم کی وحی دلوں کی روشنی ہے اسی لئے اسے نور فرمایا **اولئک ھم المفلحون** یہ **فالذین امنوا** کی خبر ہے اس کی تفسیر پہلے پارہ میں **اولئک ھم المفلحون** کی تفسیر میں عرض کی گئی یہاں اتنا سمجھ لو کہ مومنوں کی عظمت و عزت افزائی کے لئے **اولئک** کا بعید کا اشارہ فرمایا گیا **ھم** فرما کر حصر کی خبر دی کہ انہیں کو زندگی میں مرتے وقت قبر میں، حشر میں بعد حشر کامیابی عطا ہوگی اس لئے **یفلحون** مضارع نہیں ارشاد ہوا بلکہ **ھم المفلحون** جملہ اسمیہ فرمایا گیا۔

خلاصہ تفسیر: موسیٰ علیہ السلام کی دعا کچھ ترمیم کے ساتھ قبول فرماتے ہوئے رب تعالیٰ نے آخر میں ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ ہماری خاص الخاص رحمت ان لوگوں یا ان بنی اسرائیل کے لئے لکھی جاوے گی جو اس نبی آخر الزمان کی اتباع کریں گے جن کی یہ نو خصوصی صفات ہیں۔ (1) وہ اللہ کے رسول ہیں (2) ساری مخلوق کے نبی ہیں (3) ام القریٰ یعنی مکہ معظمہ کے رہنے والے، ماں کے شکم سے عالم اور صاحب درجات ہیں (4) ان کے نام ان کے اوصاف حمیدہ حتی کہ ان کا حلیہ شریف توریت میں بھی ہوگا انجیل میں بھی ان کے نام، کام اوصاف، احوال بنی اسرائیل کو یاد ہوں گے (5) وہ لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم کریں گے (6) بری باتوں سے روکیں گے۔ بنی اسرائیل پر جو طیب ستھری چیزیں ان کی سرکشی کی وجہ سے حرام کر دی گئی تھیں جیسے اونٹ کا گوشت گائے بکری کی اکثر چربیاں وغیرہ وہ سب ان پر حلال کریں گے (7) جو گندی چیزیں ان پر عارضی طور پر حلال تھیں جیسے شراب وغیرہ وہ سب ہمیشہ کے لئے حرام کر دیں گے۔ بنی اسرائیل پر جو سخت تر شرعی احکام جاری تھے جیسے چہارم مال زکوٰۃ یا نجس کپڑے کا جلانا یا نجس عضو کا کاٹ ڈالنا وغیرہ ان سب کو ختم فرماویں گے غرضکہ ان کا وجود باجود حلال مشکلات دافع بلیات ہوگا وہ صاحب عطایا دافع بلایا شافع برایا ہوں گے۔ اے موسیٰ تمہارے بنی اسرائیل کے لوگ اور ان کے علاوہ باقی اور جو کوئی دنیا کا فرد بشر یہ چار کام کرے کہ ان پر ایمان لائے ان کی ان کے نام کام ان سے نسبت رکھنے والی ہر چیز کی تعظیم و توقیر کرے ان کی ان کے دین کی جان و مال قول قلم سے غرضکہ کسی طرح سے ان کی مدد کرے، جو نور ان کے ساتھ اترے گا قرآن یا حدیث یا ان کے الہام، خواب، اجتہادات وغیرہ کی اتباع کرے تو یہ لوگ دنیا میں مرتے وقت قبر میں حشر میں ہمیشہ ہر طرح کامیاب ہوں گے۔ خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں حضور انور کے نو اوصاف بیان ہوئے جن میں سے تین تو حضور کی صفتیں ہیں۔ رسول، نبی، امی۔ ان کو مضارع سے بیان نہیں کیا اور چھ حضور کے افعال کریمہ انہیں مضارع سے بیان فرمایا۔ صفت دائمی ہوتی ہے فعل وقتی جیسے زبان کا کام ہے بولنا اور اس کی صفت ہے بولنے کے لائق ہونا گنگ نہ ہونا۔ حضور انور کے یہ چھ کام ظہور نبوت کے بعد ہوئے مگر رسول، نبی، امی وہ صفات ہیں جو اول خلقت سے آپ کے لئے ثابت تھیں اور اب بھی ثابت ہیں آدم علیہ السلام نے پیدا

ہوتے ہی عرش پر لکھا دیکھا **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** عیسی علیہ السلام نے بشارت دی **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** آج ہم کلمہ پڑھتے ہیں **محمد رسول اللہ** صفت رسالت دائمی ہے یہ ہی حال نبوت لورامی ہونے کا ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ جن لوگوں نے حضور کا بچپن دیکھا اور ایمان لائے ظہور نبوت سے پہلے فوت ہو گئے یا جو کسی جہاد میں آپ کو دیکھ کر ایمان لائے اور فوراً شہید ہو گئے وہ سب کامیاب ہیں جیسے حضور انور کی والدہ، بحیرہ راہب، ورقہ بن نوفل کیونکہ انہوں نے **الذی انزل معہ** کی اتباع کر لی حضور کی پیدائشی فضیلتیں بھی **الذی انزل معہ** میں داخل ہیں اسی لئے یہاں **الذی انزل علیہ یا الیہ** نہ فرمایا بلکہ **معہ** فرمایا۔

حضور کے نام اور گذشتہ کتب میں آپ کی بشارتیں

حضور ﷺ کے بہت سے نام آپ کے اوصاف آپ کے حالات آپ کا حلیہ شریف توریت، انجیل، زبور اور نبیوں کے صحیفوں میں مذکور تھے چنانچہ تفسیر صاوی شریف میں اسی جگہ ہے کہ حضور انور کا نام شریف زبان سریانی میں جو توریت کی زبان ہے منحمن ہے جس کے معنی ہیں محمد۔ خواجہ حسن بصری نے کعب احبار سے روایت کی کہ حضور انور کا نام شریف اہل جنت کے نزدیک عبدالکریم ہے دوزخیوں کی زبان پر عبدالجبار عرش والوں کی زبان پر عبدالمجید باقی تمام فرشتوں کی زبان پر عبدالحمید اور سارے نبیوں کی ہاں عبدالوہاب ہے۔ شیاطین کے منہ پر عبدالقاہر جنات کی زبان پر عبدالرحیم پہاڑوں میں عبدالخالق خشکیوں میں عبدالقادر دریاؤں میں عبدالمہیمن کیڑے مکوڑوں کی زبان پر عبدالغیاث وحشی جانوروں کی زبان پر عبدالرزاق، توریت میں موذموذ انجیل میں طاب طاب زبور میں فاروق باقی آسمانی صحیفوں میں عاقب ہے۔ رب کے ہاں **طہ** اور **محمد** (صاوی)۔

ابن سعد دارمی نے اپنی مسند میں بیہقی نے دلائل النبوت میں اور ابن عساکر نے سیدنا عبداللہ ابن سلام سے روایت کی کہ توریت میں حضور کے اوصاف یوں بیان ہوئے اے نبی ہم نے آپ کو **شاہد** مبشر، نذیر، امی لوگوں کا محافظ بنا کر بھیجا تم میرے بندے میرے رسول ہو میں نے تمہارا نام متوکل رکھا تم نہ تو سخت دل ہو نہ سخت زبان نہ بازاروں میں شور مچانے والے برائی کا بدلہ برائی سے نہ دو گے بلکہ درگذر اور معافی سے کام لو گے اللہ انہیں وفات نہ دے گا حتی کہ ان کے ذریعے ٹیڑھی ملت کو سیدھا کردے گا اور حتی کہ لوگ کہنے لگیں گے **لا الہ الا اللہ** رب تعالیٰ ان کے ذریعہ اندھی آنکھیں بہرے کان پردے والے دل کھول دے گا اسی کی مثل بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کی۔ ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت سہل مولیٰ خیثمہ سے روایت کی کہ میں نے انجیل میں حضور انور کے اوصاف یوں پڑھے کہ وہ نہ تو پستہ قد ہیں نہ دراز قد گورا رنگ ہیں، دو زلفوں والے ہیں ان کے دو کاندھوں کے درمیان مہر نبوت ہے وہ صدقہ قبول نہ کریں گے اونٹ اور خچر پر سوار ہوں گے اپنی بکری خود دودھ لیا کریں گے پیوند والے کپڑے پہن لیں گے۔ حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہوں گے ان کا نام احمد ہو گا بیہقی نے دلائل النبوت میں بروایت وھب ابن منبہ نقل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زبور میں فرمایا کہ اے داؤد تمہارے بعد ایک نبی آئیں گے جن کا نام احمد اور محمد ہو گا وہ میری نافرمانی کبھی نہ کریں گے میں ان پر ناراض کبھی نہ ہوؤں گا ان کی امت مرحومہ ہو گی انہیں نوافل کا ثواب نبیوں کی طرح دوں گا ان پر نبیوں کے سے فرائض لازم کروں گا۔ قیامت میں اس امت کا نور نبیوں کے نور کے

مثل ہو گا میں ان پر گزشتہ نبیوں کی طرح ہر نماز کے لئے وضو ہر جنابت سے غسل، حج، جہاد فرض کروں گا اے داؤد میں نے محمد اور امت محمد کو تمام نبیوں تمام امتوں پر چھ چیزوں سے عظمت دی ہے ان کی بھول چوک معاف ہو گی وہ جو بھی گناہ کر کے توبہ کریں گے تو انہیں بخش دوں گا اور وہ جو کام آخرت کے لئے کریں گے میں اس کا عوض انہیں دنیا میں بھی دوں گا جب وہ مصیبتوں میں **انا للہ** پڑھیں گے تو انہیں بڑا ثواب دوں گا۔ ان کی دعائیں قبول کروں گا یہ عبارت بہت وسیع ہے دیکھو تفسیر روح المعانی یہ ہی مقام اور تفسیر خازن) بلکہ توریت و انجیل میں حضور انور کی امت کے فضائل حضور کے صحابہ کرام کے کارنامے مذکور ہیں۔ رب صحابہ کرام کے متعلق فرماتا ہے۔ **ذلک مثلھم فی التورتہ و مثلھم فی الانجیل** کعب احبار نے توریت کی ایک دراز آیت کا ترجمہ عربی میں یوں کیا **مولدہ مکتہ و ھجرتہ بطیبتہ و ملکہ بالشام و امتہ حمادون** یہ حدیث دراز ہے یعنی ان آخری نبی کی ولادت گاہ مکہ ہے اور ہجرت گاہ طیبہ اور ان کا ملک شام میں ہو گا ان کی امت اللہ کی بہت حمد کرے گی۔ اس حدیث میں امیر معاویہ کی سلطنت کا ذکر ہے کیونکہ آپ پہلے سلطان اسلام ہیں اور آپ کا دار الخلافہ دمشق ملک شام تھا خلافت خلفاء ثلثہ کی مدینہ منورہ ہی رہی علی مرتضیٰ کی عراق یعنی کوفہ میں امارت معاویہ شام میں اسے فرمایا **ملکہ بالشام** دیکھو **مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین بروایت دارمی**۔

موجودہ انجیلوں میں ہزارہا تبدیلیوں کے باوجود اب بھی ایسی آیتیں موجود ہیں جن میں حضور انور کی پیشگوئیاں ہیں۔ چنانچہ برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی لاہور 1931ء کی چھپی ہوئی یوحنا کی انجیل باب چودہ آیت سولہ میں ہے اور باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ مددگار بر حاشیہ ہے وکیل یا شفیع۔ ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد شفیع ہمارے حضور کے سواء کوئی نہیں آیا جس کا دین منسوخ نہ ہو پھر اسی یوحنا کی انجیل باب انتیس آیت تیس میں ہے اس کے بعد میں تم سے باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ اسی کتاب کے باب سولہ آیت سترہ میں ہے لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آوے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اسی باب کی تیرھویں آیت میں ہے لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آویگا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا (خزائن العرفان)۔

انجیل شریف کی ان آیات میں غور کرو کہ ان میں حضور ﷺ کے کتنے صفات بیان ہوئے آپ کا آخری نبی ہونا۔ آپ کے دین کا منسوخ نہ ہونا آپ کا شفیع المذنبین رحمتہ للعالمین ہونا۔ آپ کا دائمی زندہ ہونا یعنی مسئلہ حیوۃ النبی۔ آپ کا اپنی طرف سے کچھ نہ کہنا جو رب سے سنا وہ ہی کہنا **وما ینطق عن الھوی ○ ان ھو الا وحی یوحی ○** آپ کا غیبی علوم پر مطلع ہونا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص رحمت جیسے اشرف امم ہونا۔ قیامت میں آثار وضوء سے اعضاء چمکنا۔ جنت میں پہلے داخل ہونا وغیرہ صرف اس امت محمدیہ کے لئے ہے اس رحمت میں کوئی امت داخل نہیں۔ یہ فائدہ **الذین یتبعون** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حضور انور کی لاکھوں صفات ہیں ان

سب میں صفت رسالت افضل صفت ہے یہ فائدہ رسول کو نبی پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا اسی لئے کلمہ طیبہ میں حضور کو رسول اللہ کہا جاتا ہے نبی اللہ یا اور صفت سے یاد نہیں کیا جاتا۔ ہم رسول اور نبی کے بہت سے فرق ابھی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں رسول فیضان رساں نبی پیغام رساں۔ **تیسرا فائدہ:** گزشتہ کتب میں حضور انور کے اوصاف حمیدہ بلکہ حضور کی امت حضور کے صحابہ کرام کے صفات مذکورہ ہیں مگر اس امت کے عیوب وہاں مذکور نہ تھے صفات ہی مذکور تھے یہ فائدہ **یجدونہ مکتوبا**" سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ایمان کا اعلیٰ رکن حضور ﷺ کا ماننا ہے اسی پر مومن ہونے کا مدار ہے یہ فائدہ **یتبعون الرسول** اور **فالذین امنوابہ** سے حاصل ہوا کہ یہاں دوسری ایمانیات کا ذکر نہیں ہوا توحید وغیرہ کا۔ چنانچہ دین بنتا ہے نبوت سے ہم میں اور اہل کتاب میں اختلاف صرف نبوت میں ہے توحید وغیرہ میں نہیں یوں ہی یہودیت نصرانیت داؤدیت میں اختلاف نبوت ہی میں رہا۔ **پانچواں فائدہ:** حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حرام و حلال فرمانے کا اختیار دیا ہے آپ اپنے خداداد اختیار سے چیزیں حلال و حرام کرتے ہیں یہ فائدہ **یحل** اور **یحرم** فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو اس آیت میں ان دونوں فعلوں کا فاعل حضور انور کو قرار دیا اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب **سلطنت مصطفیٰ** کا مطالعہ کرو۔ **چھٹا فائدہ:** حضور ﷺ نے خود اہل کتاب کے لئے طیب چیزیں حلال فرمادیں چنانچہ دیکھ لو کہ اسرائیلیوں پر ہفتہ کے دن شکار کرنے سے عذاب الٰہی آگیا مگر اب اس شکار پر عذاب نہیں آتا وہ بھی اس عذاب سے محفوظ ہو گئے یہ فائدہ **یحل لھم** میں **لھم** فرمانے سے حاصل ہوا جبکہ **لھم** کی ضمیر اہل کتاب کی طرف ہو اور اگر **لھم** کا مرجع سارے انسان ہوں تو معنی یہ ہوں گے کہ انسانوں کے لئے طیب چیزیں حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزیں حرام حضور کو احکام شرعیہ کا مالک بنایا گیا قرآن مجید نے صرف سور حرام کہا وہ بھی اس کا گوشت باقی ساری محرمات کتا بلا گدھا وغیرہ اور سور کی چربی کلیجی گردہ وغیرہ حضور نے حرام کئے۔ **ساتواں فائدہ:** جن چیزوں کو حضور نے حلال طیب کردیا وہ طیب ہیں خواہ عقل مانے یا نہ مانے اور جن چیزوں کو حضور نے حرام کردیا وہ خبیث ہیں خواہ دل مانے یا نہ مانے لہٰذا بکری طیب ہے کتا خبیث۔ زکوۃ طیب ہے سود خبیث۔ **آٹھواں فائدہ:** خدا رسی کا ذریعہ طیب چیزوں کا حرام کرلینا نہیں نہ حرام کو حلال کرلینا بلکہ اس کا ذریعہ صرف ایک ہے یعنی حضور انور کی اتباع **فاتبعونی یحببکم اللہ** لہٰذا بھنگی چرسی بے نماز فقیر ہرگز رب تک نہیں پہنچتے وہ شیطان تک پہنچتے ہیں اگرچہ ساری عمر وہ گوشت نہ کھائیں اچھا کپڑا نہ پہنیں۔ **نواں فائدہ:** حضور ﷺ بحکم پروردگار تکوینی آفات بھی دفع کرسکتے ہیں کہ تکوینی بوجھ بھی آفت ہی ہیں لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور ہم سے آفتیں دور کرتے ہیں ہمارے بوجھ ہلکے کرتے ہیں خواہ احکام کے بوجھ ہوں یا گناہوں کے بوجھ حضرات صحابہ حضور کے بال شریف حضور کے لباس 'ناخن بلکہ اس مشکیزہ کے منہ سے شفاء اور برکتیں حاصل کرتے تھے جس سے حضور کا منہ مبارک لگا تھا۔ حضرت یوسف و عیسیٰ علیہما السلام کا دافع بلا مشکل کشا ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے **اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ۔ ابری الاکمہ والابرص**۔ **دسواں فائدہ:** حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر حضور کا ادب و احترام ہروقت ہر طرح فرض ہے اس کے لئے کسی ثبوت یا نقل کی ضرورت نہیں جو تعظیم اسلام میں حرام نہ ہو وہ کرو انھیں سجدہ نہ کرو رکوع نہ کرو باقی ان کے ہاتھ پاؤں چومیں ان کے لئے باادب کھڑے ہوں یہ فائدہ **وعزروہ** کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا جیسے **کلوا** اور **اشربوا** مطلق ہے ہر حلال کھانا پینا جائز ہے ایسے ہی **عزروہ** مطلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور انور کے بہت سے

آداب قرآن مجید میں سکھائے فرماتا ہے محبوب سے **راعنا** نہ کہو **انظرنا** کہو۔ فرماتا ہے رسول سے آگے نہ بڑھو۔ فرماتا ہے ان کے حضور چلا کرنہ بولو۔ فرماتا ہے انہیں عام الفاظ سے نہ پکارو بھیاجی کہہ کر۔ فرماتا ہے کہ اگر وہ تمہاری دعوت کریں تو کھانا تیار ہونے سے پہلے ان کے گھر نہ پہنچ جاؤ۔ فرماتا ہے جب کھانا کھا چکو تو وہاں بیٹھ کر باتیں نہ کرو ان کی نہایت نفیس تفصیل ہماری کتاب **سلطنت مصطفیٰ** میں دیکھو۔ **گیارھواں فائدہ**: جس چیز کو حضور انور سے نسبت ہو اس کی بھی تعظیم و توقیر ادب و احترام چاہئے یہ فائدہ بھی **وعزروہ** کے اطلاق سے حاصل ہوا کیونکہ سارے مسلمانوں پر تاقیامت حضور کا ادب لازم ہے مگر مذکورہ بالا آداب صرف صحابہ کرام ہی کر سکے ہم جیسوں کو میسر نہ ہوئے ہم کو یہ میسر ہے کہ حضور کی ہر نسبت کا ادب کریں ان کے ذکر کا ادب ان کے شہر کا ادب ان کے نام کا ادب ان کی تاریخ ولادت کا ادب سب ہی چاہئیں میلاد میں قیام' نام پاک پر انگوٹھے چومنا۔ مدینہ پاک کی مٹی چومنا سب ہی اس **عزروہ** میں داخل ہیں امام مالک کبھی مدینہ منورہ میں گھوڑے پر سوار نہ ہوئے ہمارے امام اعظم جب حاضر ہوئے تو حدود مدینہ میں استنجے کو نہ بیٹھے بلکہ اتنے دن تک کھانا پینا ہی ترک دیا تاکہ پیشاب پاخانہ کی حاجت نہ ہو اسی لئے آپ نے وہاں اپنا قیام مختصر کیا بعض خوش نصیب لوگ زمین مدینہ میں جوتا نہیں پہنتے ننگے پاؤں ہی ان مبارک گلیوں میں پھرتے ہیں یہ بھی **عزروہ** پر عمل کیا۔ خیال رہے کہ خود رب تعالیٰ نے دوسرے مقامات میں اس کی تفصیل فرمائی ہے فرماتا ہے مجھے اس شہر کی قسم جس میں تم تشریف فرما ہو۔ فرماتا ہے محبوب تمہاری عمر کی قسم۔ فرماتا ہے تمہارے زمانہ پاک کی قسم' والعصر۔

والعصر ہے تیرے زماں کی قسم ولعمرک ہے تیری جاں کی قسم والبلد ہے تیرے مکاں کی قسم تیرے رہنے کی جا کا کیا کہنا

فرماتا ہے جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا وہ دل کا پرہیزگار ہے۔ صفا مروہ پہاڑ' ہدی کا جانور اللہ کی نشانیاں ہیں کیوں اس لئے کہ انہیں ایک نسبت ہے ان کی نفیس تفصیل ہماری کتاب **سلطنت مصطفیٰ** میں دیکھو۔ خیال رکھو کہ بے ادب بدنصیب با ادب خوش نصیب۔ **بارھواں فائدہ**: حضور انور کی خادمانہ مدد ہر مسلمان پر لازم ہے یہ مدد مطلق ہے مالی' جانی' بدنی' قلمی' زبانی' عملی ہر قسم کی مدد اس میں داخل ہے یہ فائدہ **نصروہ** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ تعلیم دینی' جہاد' شہادت' دینی کتب کی تصنیف سب ہی حضور کی خدمت ہے جو تاقیامت جاری رہے گی۔ **تیرھواں فائدہ**: حضور انور صرف قرآن مجید نہیں لائے بلکہ اس کے سواء اور نور بھی لائے قرآن تو چالیس سال کی عمر شریف میں آنا شروع ہوا مگر اپنی پیاری پیاری ادائیں پیاری باتیں خدا بھاتی صورت و سیرت جن پر دل فدا ہوں' وہ اشارے کنائے اپنے ساتھ لائے ان سب کی اتباع کامیابی کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **واتبعوا النور** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں القرآن نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی نیز یہاں **انزل علیہ** نہ فرمایا کہ وہ تو قرآن و حدیث کے لئے ارشاد ہوتا ہے بلکہ **انزل معہ** فرمایا۔

بھولی بھالی شکل نورانی خلقت دیکھ کے ہوئی دیوانی! سب نبیوں سے ہیں نرالے آئے محمد رحمتوں والے

وہ خود نور ہیں ان کی ہر ادا نور **اللھم صل علی سیدنا محمد و الہ و صحبہ و سلم** **چودھواں اعتراض**: اللہ کے بندوں کی مدد برحق ہے یہ نہ شرک ہے نہ کفر دیکھو رب نے میثاق کے دن حضرات انبیاء سے عہد لیا **لتومنن بہ ولتنصرنہ** تم نبی آخر الزمان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اس آیتہ میں بتایا کہ مومن کامل وہ ہیں جو ان نبی آخر الزمان کی تعظیم کریں اور ان کی مدد کریں اگر بندوں سے مدد لینا شرک ہو تا تو ان آیات کے کیا معنی۔ **پندرھواں فائدہ**: اب دین و دنیا کی کامیابی صرف حضور انور کی پیروی سے مل سکتی ہے حضور کو چھوڑ کر کامیابی حاصل کرنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے دوسرا خدا ہونا

ناممکن یہ فائدہ **اولئک ھم المفلحون** میں **ھم** فرمانے سے حاصل ہوا جو حصر کا فائدہ دے رہا ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیتہ کریمہ میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت بیان ہوئی ہے یا اس کا رد۔ قبولیت کا ذکر تو ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کے لئے حسنہ یعنی بھلائی مانگی مگر فرمایا گیا کہ ہم یہ حسنہ اس قوم کے لئے لکھیں گے جو اس نبی آخرالزمان کی امت ہے اگر رد کے لئے ہے تو نبی کی دعا رد کیسے ہوئی۔ **جواب**: اس آیت کریمہ میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت قدرے ترمیم کے ساتھ مذکور ہے آپ نے عرض کیا تھا کہ میری ساری قوم کے لئے بھلائی تحریر فرمادے فرمایا گیا کہ ہم آپ کی قوم میں سے اس کے لئے بھلائی تحریر فرمائیں گے جو نبی آخرالزمان کا زمانہ پائیں ان پر ایمان لائیں غرضکہ ایک قید لگا کر دعا قبول فرمائی۔ حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھیوں کا مومن اور صحابی رسول بن جانا کعب احبار کا مومن اور تابعی بن جانا اسی دعا موسوی کی قبولیت کا ظہور ہے۔ **دوسرا اعتراض**: آخر وہ کونسی بھلائی ہے جو اتنی قیدوں کے ساتھ بندوں کو دی جاوے گی کیا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت کو رب نے نہیں دی۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی پچھلی آیتہ کی تفسیر میں عرض کیا گیا ہے کہ رب کی رحمت تین قسم کی ہے ایک رحمت عامہ جو ساری مخلوق کو عطا ہوئی اس کے لئے فرمایا گیا **ورحمتی وسعت کل شیء** جیسے دنیاوی رزق' زندگی' وجود۔ دوسری رحمت خاصہ جو صرف مومنوں کو عطا ہوئی جس کے متعلق ارشاد ہوا **للذین یتقون** جیسے خدارسی' عرفان وغیرہ تیسری رحمت خاص الخاص جس کے متعلق ارشاد ہوا **الذین امنوا بہ وعزروہ** جیسے افضل امم ہونا ان کے احکام آسان اور انعام زیادہ ہونا ان کے لئے ساری زمین مسجد اور مٹی کا مطہر ہونا جس پر تیمم کیا جائے آخرت میں آثار وضو سے اعضاء وضو چمکنا۔ سب امتوں سے اول جنت میں داخلہ یہ رحمت امت محمدیہ سے خاص ہے اس کا ذکر اس آیتہ میں ہے لہٰذا آیات واضح ہیں۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان حضور کے مددگار ہیں پتہ لگا کہ جیسے ہم کو حضور کی مدد کی ضرورت ہے ایسے ہی حضور کو ہماری مدد کی ضرورت ہے ہم اور حضور برابر ہوئے۔ (وہابی) **جواب**: مدد دو طرح کی ہوتی ہے کرم کی اور خدمت کی کرم کا مددگار مربی کہلاتا ہے خدمت کا مددگار خادم۔ ماں بچہ کو پالتی ہے تو وہ مربیہ ہے پھر جوان ہو کر ماں باپ کی پرورش کرے تو خادم۔ حضور ہماری مدد پہلی قسم کی کرتے ہیں ہم حضور کی مدد دوسری قسم کی۔ نیز ہم حضور کی مدد کے ہر وقت محتاج ہیں حضور انور ہماری خدمت سے بے نیاز اگر وہ خدمت لے لیں تو ان کا کرم **فان اللہ ھو مولیہ وجبریل و صالح المؤمنین والملئکتہ بعد ذلک ظھیر** دیکھو رب فرماتا ہے **ان تنصروا اللہ ینصرکم** اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا کیا تم اپنے کو خدا کی برابر کہو گے۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا **مکتوبا" عندھم فی التورتہ** اس فرمان عالی میں **عندھم** کیوں فرمایا **مکتوبا" فی التورتہ** کافی تھا۔ **جواب**: تاکہ معلوم ہو کہ حضور انور کے نام کام آپ کے اوصاف صرف توریت و انجیل میں ہی نہ ہوں گے جنہیں طاق یا الماری میں رکھ دیں بلکہ ان کے دلوں ان کے خیالوں میں بھی ہوں گے کہ ان کے نام کے وسیلہ سے دعائیں مانگا کریں گے ان کا نام بطور تعویذ ان کے سر اور گلے میں رہا کرے گا **وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا**۔ **پانچواں اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ نبی آخرالزمان خبیث و گندی چیزیں لوگوں پر حرام کریں گے تو وہ چیزیں اگر خبیث تھیں تو پچھلے نبیوں کے دین میں حلال کیوں رہیں کیا وہ نبی خبیث چیزیں کھلاتے رہے تھے۔ **جواب**: وہ چیزیں واقعی گندی خبیث تھیں مگر اس

زمانہ میں انسان پر بھی ابتدائی دور ہی تھا یہ چیزیں چھوڑ نہیں سکتا تھا اور ان حضرات کے دین بھی ابھی کمال کو نہ پہنچے غرضکہ نہ تو انسان کامل ہوا تھا نہ دین حضور انور کی تشریف آوری پر انسانیت اپنے کمال کو پہنچی ملت اپنے کمال کو لہٰذا یہ عارضی حلال حرام کر دی گئی جیسے بچہ اولاً ماں کا دودھ پیتا ہے مگر عارضی طور پر چند دن کے لئے یوں ہی شراب وغیرہ حرام ہونے کے قابل تھی کہ خبیث بلکہ ام الخبائث تھی مگر اس زمانہ میں فطرت انسانی اس کے چھوڑنے پر آمادہ نہ تھی حتی کہ شروع اسلام میں بھی حلال رہی پھر ہمیشہ کے لئے حرام کردی گئی **الیوم اکملت لکم دینکم پانچواں اعتراض**: یہاں **انزل معہ** کیوں ارشاد ہوا **الذی انزل علیہ** کیوں نہیں فرمایا۔ **جواب**: یہاں نور سے مراد صرف قرآن مجید نہیں ہے بلکہ حضور انور کے فرمان بلکہ حضور کی ساری ادائیں مراد ہیں یہ چیزیں حضور انور اپنے ساتھ ہی لائے تھے۔ حضور کی نورانیت نزول قرآن پر موقوف نہیں ان وجوہ سے **معہ** ارشاد ہوا۔ **چھٹا اعتراض**: تم لوگ حضور اکرم کو شرعی احکام یعنی حرام و حلال کا مالک مانتے ہو یہ شرک ہے شرعی احکام کا مالک رب تعالیٰ ہے۔ **جواب**: تم لوگ دنیاوی بادشاہوں اور حکام کو دنیاوی قوانین کا مختار و مالک مانتے ہو کہ انہیں پھانسی دینے عمر قید دینے جرمانہ کرنے کا اختیار ہے۔ حضور انور دینی سلطان ہیں وہ دینی قوانین کے مالک ہیں مگر رب کے مالک کرنے سے۔ پورا مالک وہی ہوتا ہے جو دوسرے کو مالک کر سکے۔

تفسیر صوفیانہ: رسالت اور نبوت میں دوسرے انبیاء کرام مشترک ہیں مگر امی ہونا وہ صفت ہے جو سواء حضور انور کے کسی کو عطا نہ ہوا امی بنا ہے ام سے بمعنی اصل حضور انور اصل مخلوق ہیں کہ جو کچھ بنا حضور سے بنا ہے اس لئے آپ کو امی کہا جاتا ہے۔

تم سے جہاں کا وجود تم سے کھلا باب جود ۔۔۔ تم سے بنا جو بنا تم پہ کروڑوں درود

دیکھو مکہ معظمہ کو ام القریٰ کہا جاتا ہے کہ وہ بستیوں کی اصل ہے اور لوح محفوظ کو ام الکتاب کہ وہ تمام کتابوں کی اصل ہے یوں ہی حضور ام الموجودات ہیں۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب ۔۔۔ گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

رسالت کا تعلق ظاہر سے ہے نبوت کا تعلق باطن سے امی ہونے کا تعلق حقیقت سے۔ عوام حضور سے فیضان رسالت لیتے ہیں خواص فیضان نبوت اور خواص الخاص فیضان امیت فرمایا **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** حضور انور کی صفت یہ ہے کہ حضور معروف یعنی طلب حق کا حکم دیتے ہیں اور منکر یعنی طلب ماسوی اللہ سے منع کرتے ہیں آپ طیبات یعنی خدا رسی کے ذریعے لوگوں کے لئے حلال کرتے ہیں خبیثات یعنی رب سے غافل کرنے والی چیزیں حرام فرماتے ہیں اور وہ محبوب لوگوں کے بوجھ یعنی خدا رسی کی مشکلات کو دفع فرماتے ہیں تو جو بھی حضور کی اطاعت کریں وہ حضور سے نور لیں کہ حضور خود بھی نور ہیں اور جب خلق کی طرف آئے تو نور وحدت اپنے ساتھ لائے جس نے یہ نور حضور انور سے لیا وہ دونوں جہان میں کامیاب ہو گیا (روح) صوفیاء فرماتے ہیں کہ جسم پاک محمدی حضرت آمنہ کی گود جناب عبداللہ کے گھر سے دنیا کو ملا مگر نور محمدی اور حقیقت محمدیہ نے عرش اعظم سے فرش پر نزول فرمایا اور اپنے ساتھ فیوض ربانی لایا جسمانیت کے لحاظ سے جاء بعث ارسل ارشاد ہوتا ہے اور حقیقت محمدیہ کے اعتبار سے **انزل** اور **نزل** ارشاد ہوتا ہے چنانچہ یہاں ارشاد ہوا **النور الذی انزل معہ**

دوسری جگہ ارشاد ہے **قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا یتلو علیکم** حضور کی صورت فرشی ہے سیرت عرشی صورت بشری ہے سیرت ملکی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور انور نے رب تعالیٰ کی ایسی حمد کی جیسی کسی نے نہ کی اور قیامت میں ایسی حمد کریں گے جیسی کوئی نہ کر سکے گا اس لئے آپ کا نام شریف احمد ہے یوں ہی رب تعالیٰ نے حضور کی ایسی حمد کی جیسی کسی نے نہ کی اس لئے آپ کا نام محمد ہے رب نے کئی طرح حضور کی حمد کی (1) براہ راست نبیوں کو حضور کی حمد سنائی یعنی نعت فرمانے والا رب سننے والے رسول اس قسم کی حمد کا ذکر یہاں اس آیت میں بھی ہے اور وہاں بھی **واذ اخذ اللہ میثاق النبین** (2) گزشتہ کتب میں آپ کے اوصاف حمیدہ کا ذکر (3) نبیوں سے انکی امتوں کے سامنے حضور کی تعریف کرانا (4) تاقیامت مسلمانوں بلکہ کفار سے حضور انور کی نعت خوانی کرانا۔ (5) قیامت میں حضور کی نعت خوانی کرانا (6) قیامت میں خود تمام مخلوق کے سامنے حضور کی نعت ارشاد فرمانا (7) دنیا میں لکڑی پتھر چرند پرند سے حضور کی نعت خوانی کرانا۔ یہاں پہلی قسم کی نعت ہو رہی ہے (8) اور چھ کے متعلق ارشاد ہے **عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا** صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے دن رات سورج کے حالات کا نام ہے دھوپ اور چاندنی دونوں سورج کے نور ہیں بلاواسطہ نور دھوپ کہلاتی ہے بواسطہ چاند نور کو چاندنی کہا جاتا ہے۔ یوں ہی از حضرت آدم تا حضرت عیسیٰ تمام انبیاء حضور ہی کی طرف سے مبلغ تھے جنکے نام مختلف تھے بلاواسطہ دین کا نام اسلام ہے لہٰذا یا مرھم بالمعروف۔ بہت وسیع ہے یعنی اول خلقت سے آخر تک حضور انور ہی مبلغ ہیں اگرچہ پچھلے نبیوں کے دین اور ان کے احکام جداگانہ تھے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِیْ

فرماؤ اے لوگو بے شک میں رسول ہوں اللہ کا طرف تمہارے سب کے وہ اللہ کہ اسی کی ہے بادشاہی

تم فرماؤ اے لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمان و زمین کی بادشاہی

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ

آسمانوں اور زمین کی نہیں ہے کوئی لائق عبادت سوا اسی کے زندہ کرتا ہے اور موت

اسی کو ہے اسی کے سوا کوئی معبود نہیں جلائے اور مارے

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

دیتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ اور رسول پر اس کے جو خبریں دینے والا بے پڑھا ایمان لاتے ہیں اللہ پر

تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے غیب بتانے والے پر کہ اللہ اور اس کی

وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اور باتوں پر اس کی اور پیروی کرو اس کی تاکہ ہدایت پاؤ تم

باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور انکی غلامی کرو کہ راہ پاؤ

تعلق: اس کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی دعائی قبولیت کا ذکر ہوا مع کچھ ترمیم کے کہ اے موسیٰ تمہاری قوم ہی سے جو آخری نبی پر ایمان لائے گا وہ رحمت خاص الخاص کا مستحق ہو گا اب اس ترمیم کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ ساری خلقت کے نبی ہوں گے ان کی نبوت تمہاری طرح کسی قوم اور کسی وقت کسی جگہ سے خاص نہیں جو بھی ان کے دامن میں چھپے گا رحمت الٰہی سے حصہ پائے گا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کے مضمون سے شبہ ہو تا تھا کہ شاید حضور انور کے ذریعہ صرف بنی اسرائیل ہی خاص رحمت پائیں گے دوسرے نہیں اب یہ وہم دفع فرمایا جا رہا ہے کہ نہیں جو بھی ان کے دامن کرم سے وابستہ ہو جاوے وہ ہی یہ خوبیاں پائے گا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے حضور انور کی نبوت عامہ کا اعلان فرمایا جو گزشتہ زمانہ میں ہوا تھا اب حضور انور کی زبان سے وہ اعلان کچھ تفصیل کے ساتھ کرایا جا رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ گزشتہ نبیوں میں حضور انور کا چرچا خود رب تعالیٰ نے کر دیا تھا انہیں اور ان کی امتوں کو حضور انور کا منتظر بنا دیا تھا اب ارشاد ہے کہ حضور انور نے بھی ان نبیوں کا چرچا کیا حضور ان کی رسالت پر ایمان رکھیں گے ان کے نام، کام، مراتب، درجات، احوال کا اعلان فرمائیں گے۔

نزول: یہود کی ایک جماعت تھی جنہیں عیسوی کہا جاتا تھا اس کا سردار عیسیٰ اصفہان تھا اس جماعت کا عقیدہ تھا کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں مگر آپ صرف اہل عرب کے نبی ہیں بنی اسرائیل کے نبی نہیں گزشتہ نبیوں کی طرح آپ کی نبوت ایک خاص ملک خاص قوم کے لئے ہے اس آیت کریمہ میں ایسے عقیدے کی تردید ہے (تفسیر کبیر)

تفسیر: قل یایها الناس یہاں قل میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن سارے انسانوں یا سارے جن و انس سے ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ تعمیر فرما کر چار آوازیں دیں کہ اے اللہ کے بندو اللہ کے گھر کی طرف چلو وہ آوازیں تاقیامت روحوں نے سن لیں اس کا اثر تاقیامت یہ ہو گا کہ حاجی لوگ جوق در جوق حج و عمرہ کے لئے دوڑتے رہیں گے رب فرماتا ہے **واذن فی الناس بالحج** اسی طرح حضور انور نے ایک دوبار اپنی نبوت کا یہ اعلان فرما دیا اور بفضلہ تعالیٰ ساری روحوں نے سن لیا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تاقیامت لوگ مسلمان ہوتے رہیں گے یہ اس **قل** کا اثر ہے **الناس** میں الف لام استغراقی ہے جس میں سارے انسان داخل ہیں چونکہ بقیہ مخلوق انسان کے تابع ہے جب حضور سارے انسانوں کے نبی ہیں تو ساری مخلوق کے ہی نبی ہوئے اس لئے یہاں خطاب صرف انسانوں سے ہوا ورنہ حضور انور ساری مخلوق کے نبی ہیں۔ رب فرماتا ہے **لیکون للعلمین نذیرا** اور فرماتا ہے **وما ارسلنک الا رحمته للعلمین** ( ) یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ **الناس** میں جنات بھی داخل ہیں کیونکہ **ناس** بنا ہے **ناس ینوس** سے بمعنی حرکت و جنبش کرنے والی چیز۔ دیکھو قرآن کریم میں رجال، انسان مردوں کے لئے بھی بولا گیا ہے اور جن مردوں کے لئے بھی فرماتا ہے **وانه کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن** بہر حال یہاں **الناس** سے مراد یا تو سارے انسان ہیں یا سارے انس و جن ہیں ان میں سے کوئی خارج نہیں۔ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ **ناس** اسم جنس ہے اس کا واحد انسان ہے **انی رسول اللہ الیکم جمیعا** یہ فرمان عالی **قل** کا مقولہ ہے چونکہ حضور کی رسالت کے بہت لوگ منکر تھے اس

لئے اسے **ان** حرف تحقیق سے شروع فرمایا حضور نبی بھی ہیں رسول بھی شفیع بھی رحمۃ للعالمین بھی مگر صفت رسالت تمام صفات سے اعلیٰ و افضل ہے کہ یہ واسطہ کبریٰ ہے مخلوق و خالق کے درمیان اس لئے یہاں رسول اللہ فرمایا گیا اور جہاں آپ کی تشریف آوری کی بشارت دی ہے وہاں لفظ رسول ہی ہے **لقد جاءکم رسول** یا جیسے **اذ بعث فیھم رسولا** "یا جیسے **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** نیز کلمہ طیبہ میں ہے **محمد رسول اللہ**۔ حضور اللہ کے رسول ہیں فیض لینے والے۔ اور مخلوق کے رسول ہیں فیض دینے والے۔ لہٰذا آپ کو رسول اللہ بھی کہتے ہیں اور **رسولکم** بھی۔ **جمیعا**" "**الیکم** کی ضمیر کا حال ہے یا تاکید **جمیعا** فرما کر یہ بتایا کہ کوئی انسان کسی وقت میں کسی حالت میں حضور کی رسالت سے نہیں نکل سکتا۔ حتیٰ کہ ہر شخص زندگی میں موت کے وقت قبر میں حشر میں جنت میں حضور کی نبوت کے گھیرے میں ہے سب رشتے ٹوٹ جائیں گے مگر حضور انور کی غلامی کا رشتہ نہیں ٹوٹے گا غرضکہ جس کا خدا رب ہے اسکے حضور رسول ہیں ﷺ **الذی لہ ملک السموت والارض** یہ لفظ اللہ کی صفت یا حال ہے یعنی آسمان و زمین اللہ تعالیٰ کا ملک ہے وہ بادشاہ حقیقی ہے اسی طرح آسمان و زمین میں میری نبوت ہے بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ وزیر اعظم کی وزارت ہر اس جگہ ہوتی ہے جہاں سلطان کی سلطنت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے حضور رحمۃ للعالمین ملک اور ملکوت کا فرق اور سماوات کو جمع ارض کو واحد فرمانے کی وجوہ ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ جو عام مخلوق دیکھ سکے وہ ملک ہے جیسے زمین و آسمان اور ان کی ظاہری چیزیں چاند سورج تارے وغیرہ۔ ملکوت وہ جو عوام کی نظروں سے غائب ہو جیسے عرش و کرسی فرشتے وغیرہ۔ جبروت وہ اسرار الٰہیہ جو خواص سے بھی غائب ہوں خاص الخاص بندے ان پر مطلع ہوں جیسے روح اور عالم انوار عالم امر۔ لاہوت رب تعالیٰ کی ذات و سارے صفات جنہیں کماحقہ' رب ہی جانتا ہے **ماعرفناک حق معرفتک** اس کی تحقیق تفسیر صاوی پارہ گیارہ سورہ یونس میں **ماتکون فی شان وما تتلو منہ من قران** کی تفسیر میں دیکھو۔ خیال رہے کہ یہاں **لہ** میں لام ملکیت تامہ کا ہے اور **خلق لکم مافی الارض** میں لام نفع کا یہاں لام کے معنی ہیں کا اور وہاں لام کے معنی ہیں لئے' رب تعالیٰ سارے ملک کا مالک حقیقی مالک تام ہے جسے چاہے اپنا ملک دے دے **تؤتی الملک من تشاء** اس نے حضرت سلیمان کو ساری زمین جن و انس بلکہ ہوا بارش کا مالک بنا دیا **فسخرنا لہ الریح** اسی نے ہمارے حضور کو دونوں جہان کا مالک کر دیا **انا اعطینک الکوثر - لہ ملک السموت** بہت جامع ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ عبارت علیحدہ جملہ ہے یا تو **اعنی** پوشیدہ فعل کا مفعول ہے یا **ھو** پوشیدہ کی خبر وہ فرماتے ہیں کہ اسے لفظ **اللہ** کی صفت یا بدل بنانے میں موصوف صفت میں فاصلہ ہو گا مگر یہ وجہ کچھ قوی نہیں کیونکہ فاصلہ اجنبی کا نہیں ہے (روح المعانی) **لا الہ الا ھو یحی ویمیت** اس فرمان عالی کی بھی وہ نحوی ترکیبیں ہیں جو **لہ ملک السموت** کی ہیں **لا الہ الا ھو** کی مکمل تفسیر ہم تیسرے پارہ آیۃ الکرسی کی تفسیر میں کر چکے ہیں اس سے متصل **یحی ویمیت** کی تفسیر بھی **قال ربی الذی یحی ویمیت** کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ آسمانوں اور زمین یعنی سارے عالم اجسام کی حقیقی ملکیت اور الوہیت میں لزوم ہے یا عالم کی حقیقی ملکیت رب تعالیٰ کی الوہیت کی دلیل ہے۔ نہ اس کے سواء کوئی عالم کا حقیقی مالک ہے نہ اور کوئی معبود وہ ہی مالک الملک ہے وہ ہی معبود الملک ہے وہ ہی زندگی و موت کا خالق ہے وہ ہی زندہ رکھتا ہے اور موت دیتا ہے زندگی بخشنا زندہ رکھنا موت دینا پھر مردہ رکھنا

اس کی صفت ہے جب وہ ان صفات سے موصوف ہے تو اس پر ایمان لانا اس کی عبادت کرنا اس کے بھیجے ہوئے نبیوں کی اطاعت کرنا ضروری ہے **فامنو باللہ ورسولہ** یہ فرمان عالی گزشتہ مضمون کا گویا نتیجہ ہے اور **قل** کا مقولہ لہٰذا اس میں ف عقیب کی ہے۔ ایمان کی تعریف اسکے ارکان ایمان اور توحید میں فرق ایمان کے درجے اس کے مرتبے نبی اور امتی کے ایمان میں فرق ہم تفصیل سے سورہ بقر کے آخری رکوع میں **امن الرسول بما انزل الیہ** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں پچھلی آیت میں صرف رسول پر ایمان لانے کا ذکر ہوا **فالذین امنوا بہ** اور یہاں اللہ رسول دونوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ کی الوہیت حضور ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے قرآن مجید میں جہاں الرسول یا کہیں **رسولہ** فرمایا جاتا ہے وہاں اس سے مراد حضور ﷺ ہوتے ہیں گزشتہ نبیوں پر اجمالی اور حضور ﷺ پر تفصیلی ایمان لانا ضروری ہے **النبی الامی الذی یؤمن باللہ وکلمتہ** اس فرمان عالی میں **رسولہ** کی تین صفات کا ذکر ہوا آپ کا نبی ہونا امی ہونا اور آپ کا اللہ تعالیٰ اور اس کے کلمات پر ایمان لانا نبی اور امی کے معنی ابھی پچھلی آیت میں عرض کیے گئے کہ رسول کے معنی ہیں فیضان رساں اور نبی کے معنی ہیں پیغام رساں۔ نبی رسول سے عام ہے ہمارے حضور نبی بھی ہیں رسول بھی مرسل بھی مگر امی ہونا صرف ہمارے حضور کی خصوصی صفت ہے حضور انور کا ایمان باللہ درجہ حق الیقین کا ہے ہمارا ایمان باللہ علم الیقین کے درجہ کا کلماتہ میں چند احتمال ہیں۔ (1) اس سے مراد آیات قرآنیہ ہیں کہ ہر آیتہ کلمتہ اللہ ہے (2) اس سے مراد گزشتہ ساری آسمانی کتابیں ہیں بلکہ ان کے سارے احکام ہیں کہ وہ سب اللہ کے کلمے یعنی اللہ کی باتیں ہیں (3) اس سے مراد گزشتہ نبیوں کے سارے صحیفے بلکہ ان کے سارے تبلیغی قول ہیں (4) اس سے مراد سارے گزشتہ نبی ہیں جن کی ہر بات گویا کلمہ الٰہی ہے اس لحاظ سے وہ حضرات خود کلمات اللہ ہیں (5) اس سے مراد حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام ہیں یعنی جناب کلمتہ اللہ اور کلیم اللہ۔ خیال رہے کہ ان سب پر حضور ﷺ بلا واسطہ ایمان لائے پھر آپ کے واسطے سے تمام مسلمان ایمان لائے ہم اس کی تحقیق تیسرے پارہ میں **امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون** کی تفسیر میں کر چکے ہیں کہ ان سب پر حضور کا ایمان بلا واسطہ ہے حضور انور کا ایمان بالشہادۃ ہے ہم لوگوں کا ایمان بالغیب وغیرہ **واتبعوہ لعلکم تہتدون** یہ فرمان عالی معطوف ہے **فامنوا باللہ** پر اور اس میں دوسرا حکم ہے روئے سخن سارے انسانوں کی طرف ہے یعنی اے لوگو ان رسول پر ایمان بھی لاؤ اور ان کی اتباع بھی کرو ان دونوں چیزوں سے تم ہدایت پاؤ گے اتباع اور اطاعت و عبادت کے فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں ہمارا ایمان سارے نبیوں پر ہے مگر اتباع صرف حضور ﷺ کی۔

خلاصہ تفسیر یہ آیت کریمہ نعت مصطفیٰ، حمد خدا نیز کلام نبوی اور کلام الٰہی کا مجموعہ ہے **انی رسول اللہ الیکم جمیعا** حضور کی نعت ہے اور **یحیی ویمیت** تک رب کی حمد اور یہاں تک رب کا کلام بواسطہ زبان رسول ہے اور **فامنوا باللہ** سے **تہتدون** تک کلام ربانی بلا واسطہ ہے لہٰذا یہ آیت نہایت جامع آیت ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب ﷺ آپ سارے جن و انس یا تاقیامت سارے انسانوں میں اعلان فرما دو کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ کی یہ شان ہے کہ سارے آسمانوں اور زمین کا وہ ہی مالک حقیقی ہے وہ معبود برحق ہے اس کے سوا نہ کوئی ان چیزوں کا مالک حقیقی ہے نہ کوئی سچا معبود وہ ہی مخلوق کو زندہ کرتا زندہ رکھتا ہے وہ ہی انہیں موت دیتا ہے زندگی و موت اسی کے قبضہ میں ہے۔

اتنے فرمان میں حضور انور کی معرفت کرائی گئی ہے حمد الٰہی کے ذریعہ یعنی میں اس رب کا رسول بھی مطلق ہوں جس کی یہ صفات ہیں تو پہچان لو کہ میں کیسا رسول ہوں جب سلطان کی سلطنت دونوں جہان میں ہے تو میری وزارت بھی دونوں جہان میں ہے جب یہ ہے کہ رب مطلق ہے تو اس کا رسول بھی مطلق۔ اور جیسے رب کے سوا کوئی معبود نہیں ایسے ہی میرے سواء کوئی خاتم النبیین سید المرسلین امام الاولین نہیں کہ نہ تو الوہیت میں تعدد ہو سکتا ہے نہ ختم نبوت وغیرہ میں اور جیسے ہر شخص زندگی میں اور میرے بعد رب کا بندہ ہے کیونکہ وہ ہی زندگی اور موت دیتا ہے ایسے ہی ہر شخص زندگی اور مرے بعد میرا امتی ہے میں اس کا نبی ہوں مرنے پر دنیاوی سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں مگر رب سے بندگی کا رشتہ اور حضور سے امتی ہونے کا رشتہ نہیں ٹوٹتا لہٰذا اللہ تعالیٰ کی یہ تینوں صفات حضور انور کی رسالت عامہ کا ثبوت ہیں۔ تم سب اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان لاؤ اور اس کے اس رسول پر بھی جو حسب ذیل صفات سے موصوف ہیں وہ رسول بھی ہیں نبی بھی امی بھی یعنی پیدائشی عالم بہ علم لدنی وہ اللہ تعالیٰ پر پہلے ایمان لانے والے ہیں اس کے سارے رسولوں یا ساری کتابوں پر اول مومن ہیں تم سب ان کی اتباع بھی کرو اگر تم ان رسول پر ایمان لا کر ان کے تبع ہوئے تو امید کرو کہ تم ہدایت پا جاؤ گے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور ﷺ تاقیامت سارے انس بلکہ سارے جن وانس بلکہ ساری مخلوق کے نبی رسول ہیں سب پر آپ کی اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے یہ فائدہ **یایها الناس** اور **الیکم جمیعا** فرمانے سے حاصل ہوا یہ رسالت عامہ حضور کی وہ خصوصی صفت ہے جو حضور کے سواء کسی کو نہ ملی حضور کی نبوت زمین و زمان کی قیود سے آزاد ہے۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ کے مقبول بندے موجود معدوم دور نزدیک تمام سے خطاب فرما سکتے ہیں سب کو پکار سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا کلام سب کو سنا دیتا ہے یہ فائدہ بھی **ایها الناس** فرمانے سے حاصل ہوا کہ حضور انور نے اس میں موجودہ آئندہ تمام انسانوں بلکہ جن انس کو پکارا جن میں سے بہت لوگ حضور سے دور تھے بہت ابھی پیدا نہ ہوئے تھے قیامت تک پیدا ہونے والے تھے۔ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ بنا کر سارے انسانوں کو حج کی دعوت دی سب کو اللہ تعالیٰ نے سنادی تاقیامت اس دعوت پر لبیک کی آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** اگرچہ حضور ساری مخلوق کے نبی بھی ہیں شفیع بھی مگر رسالت عامہ حضور کی خصوصی صفت ہے یہ فائدہ **رسول اللہ الیکم جمیعا**" سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ساری مخلوق کا اصل انسان ہے باقی سب چیزیں انسان کے تابع ہیں جو اس کے لئے بنائی گئیں۔ یہ فائدہ **یایها الناس** فرمانے سے حاصل ہوا کہ حضور انور اگرچہ جہان بھر کے رسول ہیں مگر خطاب فرمایا گیا صرف انسانوں سے کہ جب حضور انسانوں کے رسول ہوئے تو ساری مخلوق کے ہی رسول ہوئے۔ **پانچواں فائدہ:** کوئی جن وانس کسی درجہ پر پہنچ جاوے حضور کی نبوت سے کسی حالت میں نکل نہیں سکتا سارے اولیاء حتیٰ کہ چار زندہ نبی حضرت عیسیٰ وادریس الیاس خضر علیہم السلام اسی طرح اصحاب کہف سب کے سب حضور کے امتی ہیں حضور ان سب کے رسول ہیں یہ فائدہ **جمیعا**" فرمانے سے حاصل ہوا۔

جس کے گھیرے میں ہیں انبیاء و رسل ۔ اس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا خالق و مالک ہے اس کے یہ رسول زمین و آسمان کے نبی اور رسول ہیں جہاں خدا کی خدائی ہے

وہاں حضور انور کی بادشاہی ہے یہ فائدہ **لہ ملک السموت والارض** سے حاصل ہوا کہ حضور انور کی رسالت عامہ کا ذکر فرمانے کے بعد رب تعالیٰ کی وسعت سلطنت کا ذکر فرمانا اسی حکمت سے ہے۔ **ساتواں فائدہ:** اب تاقیامت کوئی شخص حضور انور پر ایمان لائے بغیر رب تک نہیں پہنچ سکتا۔ اب خدا رسی کا ذریعہ صرف اور صرف حضور ﷺ ہیں یہ فائدہ **فامنوا باللہ ورسولہ** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** حضور ﷺ اللہ تعالیٰ اور سارے نبیوں' ساری کتابوں پر ایمان لائے مگر حضور انور کے ایمان اور ہمارے ایمان میں بڑا فرق ہے یہ فائدہ **یؤمن باللہ وکلمتہ** سے اشارۃً حاصل ہوا۔ دیکھو اس آیۃ کی تفسیر جو ابھی کی گئی اور تفسیر نعیمی آخر سورہ بقر۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ صرف انسانوں کے رسول ہیں باقی مخلوق کے نہیں کہ ارشاد ہوا **یایھا الناس**۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا **ناس** سے یا تو سارے انس و جن مراد ہیں یا صرف انسان چونکہ انسان ساری مخلوق سے افضل ہے **ولقد کرمنا بنی آدم** اور ساری مخلوق کی اصل کہ تمام مخلوق اسی کی خاطر بنی جب حضور انسان کے نبی ہوئے تو ساری مخلوق کے نبی ہوئے ورنہ یہ آیت اس آیت کے خلاف ہوگی **لیکون للعلمین نذیرا** اور **وما ارسلنک الا رحمتہ للعلمین**۔ **دوسرا اعتراض:** قرآن مجید میں دوسری جگہ ہے **کافتہ للناس بشیرا و نذیرا** اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صرف انسانوں کے رسول ہیں۔ **جواب:** وہاں ذکر نبوت کا نہیں بلکہ بشارت و نذارت کا ہے واقعی حضور انور جنت کے بشیر صرف انسانوں کے لئے ہیں کہ جنت انسانوں کے سواء کسی کو عطا نہ ہوگی۔ جنت کا ثواب اور وہاں کی نعمتیں صرف انسانوں کے لئے ہیں۔ خیال رہے کہ جنت کا ثواب صرف انسانوں کے لئے دوزخ کا عذاب صرف جنات اور انسانوں کے لئے ہے **لاملئن جھنم من الجنتہ والناس اجمعین** باقی مخلوق کے لئے ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ شرعی احکام کے مکلف صرف جن و انس ہیں باقی مخلوق فرشتوں وغیرہ پر شرعی احکام جاری نہیں۔ ہاں ساری مخلوق پر حضور کا ادب و احترام حضور کی اطاعت حضور پر ایمان لانا ضروری ہے اس لحاظ سے وہ سب حضور کے امتی ہیں حضور ان سب کے نبی اس لئے کنکروں پتھروں درختوں جانوروں نے حضور کا کلمہ پڑھا حضور کے حکم پر درخت چل کر حاضر ہوئے اشارہ سے چاند پھٹا سورج لوٹا' بادل آیا اور برسا اشارہ پر ہی کھل گیا فرشتے ہمیشہ حضور پر درود شریف پڑھتے ہیں یہ ہے ان سب کے امتی ہونے اور حضور انور کے ان سب کا نبی ہونے کی دلیل لہذا حضور حضور نبی الخلق ہیں بلکہ عالم ارواح میں حضور سارے نبیوں رسولوں کے بھی نبی ہیں **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین** قیامت اور جنت میں سارے نبی اور ان کی امتیں حضور کا کلمہ پڑھیں گی۔ **تیسرا اعتراض:** حضور انور رسول' نبی' شفیع حبیب سب کچھ ہیں لاکھوں صفات سے موصوف ہیں پھر یہاں اور اکثر اہم جگہ آپ کو رسول کیوں کہا جاتا ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ رسول حضور انور کا منصب بیان فرماتا ہے جیسے دنیاوی بادشاہوں کے بعض محکمے داخلی ہوتے ہیں بعض خارجی مگر محکمہ تعلق عامہ اور محکمہ مواصلات سب سے اہم محکمہ ہے کہ اس سے تمام ممالک ایک دوسرے سے وابستہ رہتے ہیں بلکہ ان کے ذریعہ سلطان اور رعایا کا تعلق قائم رہتا ہے ایسے ہی ملک' ملکوت' جبروت' لاہوت سب رب تعالیٰ ہی کے ہیں مگر ان میں تعلق قائم فرمانے والا بلکہ بندوں کو رب سے اور رب کو بندوں سے ملانے والا محکمہ رسالت ہے یہ محکمہ مواصلات ہے اس وجہ سے آپ کو ایسے موقعوں

پر رسول کہا جاتا ہے۔رب بندوں سے جو کلام کرتا ہے انہیں جو دیتا ہے رسول کے واسطہ سے دیتا ہے بندے رب سے جو عرض معروض کرتے ہیں جو اس سے لیتے ہیں وہ رسول کے واسطے سے۔دیکھو مزے دار گفتگو بنی اسرائیل کی رب سے بواسطہ موسیٰ علیہ السلام **قالوادع لنار بک یبین لنا** آپ جواب میں فرماتے ہیں **انہ یقول انہا بقرۃ صفراء** جو ان کے توسط کے بغیر رب تک پہنچنا چاہے وہ حضور کو رسول ہی نہیں مانتا۔**چوتھا اعتراض**:تم نے کہا کہ سارے عالم کی نبوت صرف حضور ﷺ کو عطا کی مگر قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جنات بلکہ ہواؤں کے بھی نبی تھے کہ فرماتا ہے **یعملون لہ مایشاء من محاریب و تماثیل** اور فرماتا ہے **فسخرنا لہ الریح** پھر تمہارا یہ قول کیونکر درست ہوا۔**جواب**:حضرت سلیمان علیہ السلام ان تمام کے نبی نہ تھے حکومت نبوت اور چیز ہے حکومت سلطنت و سیاست کچھ اور چیز نیز اطاعت تکوینی اور چیز ہے اطاعت تشریعی کچھ اور چیز۔اس لئے آپ نے جنات وغیرہ سے اپنی خدمات تو لیں مگر انکو اپنے دین کی دعوت نہ دی وہ تمام اپنے کفر پر رہتے ہوئے آپ کی خدمات کرتے تھے مگر یہی سب حضور کا کلمہ پڑھتے ہوئے حضور کی اطاعت کرتے تھے(از روح البیان)۔**پانچواں اعتراض**:حضرت آدم علیہ السلام سارے انسانوں کے نبی تھے اور حضرت نوح علیہ السلام بھی۔اس لئے حضرت نوح کی مخالفت کی وجہ سے سارے انسان غرق کردیئے گئے جو کشتی میں باقی بچے وہ سب آپ کے امتی ہوئے پھر سارے انسانوں کا نبی ہونا حضور انور کی خصوصیت نہ رہا۔**جواب**:واقعی وہ دونوں حضرات اس وقت کے موجودہ انسانوں کے نبی تھے مگر تاقیامت انسانوں کے نبی نہ تھے ہمارے حضور تاقیامت سارے انسانوں ساری مخلوق کے نبی ہیں جیسا کہ ہم نے **یایھا الناس** کی تفسیر میں ابھی عرض کیا لہٰذا تمام انسانوں کا نبی ہونا ہمارے حضور کی خصوصیت ہے دیکھو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **ورسولا الی بنی اسرائیل** جس سے معلوم ہوا کہ آپ صرف بنی اسرائیل کے نبی تھے۔**چھٹا اعتراض**:اس آیت کریمہ میں بعد میں یہ کیوں فرمایا **الذی لہ ملک السموت والارض** حضور کی رسالت کے بعد اللہ کی حمد کا ذکر کیوں ہوا یا تو حمد ہوتی ہی نہ یا پہلے ہوتی۔**جواب**:یہ فرمان عالی حضور انور کی رسالت عامہ کی گویا دلیل ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ میں اللہ کا رسول اعظم(بڑا رسول)ہوں جیسے وزیر اعظم کی وزارت تاحد مملکت ہوتی ہے ایسے ہی رسول اعظم کی رسالت تاحد الوہیت ہے کہ خدا جس کا رب ہے حضور اس کے رسول ہیں ورنہ حضور رسول اعظم کیسے ہوں گے۔**ساتواں اعتراض**:اس آیت کریمہ میں دو مضمون علیحدہ طریقوں سے بیان ہوئے ہم کو حکم دیا کہ **امنوا باللہ و رسولہ** اور حضور انور کی صفت بیان فرمائی **یؤمن باللہ و کلمتہ** یعنی اے لوگو!تم اللہ رسول پر ایمان لاؤ۔اور رسول اکرم اللہ اور کلمات اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔اس فرق کی کیا وجہ ہے۔**جواب**:اس فرق بیان سے اللہ تعالٰی نے ہمارے اور حضور کے ایمانوں کا فرق بیان فرمادیا کہ اے لوگو تم تو اللہ رسول پر ایمان لاؤ یعنی اللہ کو رسول کی معرفت سے جانو پہچانو مانو اور رسول کی یہ صفت ہے کہ وہ بلاواسطہ اللہ تعالٰی اور اس کے کلمات یعنی سارے نبیوں ساری کتابوں پر بلاواسطہ مشاہدہ سے ایمان لاتے ہیں چونکہ دونوں ایمانوں کی نوعیت میں فرق تھا اس لئے بیانوں میں فرق ہوا ہم اس کی تفصیل سورہ بقر کے آخر میں **امن الرسول** کی تفسیر میں عرض کرچکے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ:صوفیاء کرام کے مشرب میں **یایھا الناس** میں از حضرت آدم تاروز قیامت سارے انسان داخل ہیں۔

حضرات انبیاء اور ان کی امتیں سب کے سب حضور کی امت ہیں حضور ان سب کے رسول حضور انور کا یہ اعلان رب تعالیٰ نے گزشتہ لوگوں کو بھی سنادیا اور آئندگان کو بھی یہ اعلان لولا" رب تعالیٰ نے میثاق کے دن سب میں کیا کہ فرمایا **ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم** بعد میں حضور انور سے اس آیۃ میں کرایا اس اعلان کا نتیجہ تھا کہ سارے نبی اپنے اپنے مقام سے بیت المقدس میں پہنچے حضور کے پیچھے نماز پڑھی پھر ان سب نے اپنے اپنے روحانی آسمانی مقام پر حضور کا استقبال کیا ان سب نے حضور ہی کی اطاعت بالواسطہ کی تھی سارے آسمان و زمین اللہ کا ملک ہیں حضور انور اللہ کے اذن سے اس ملک کے مالک ہیں ادھر اعلان ہے **لا الہ الا ھو** ادھر اعلان ہے کہ **لا رسول الا ھو** یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اب حضور کے سوا کوئی رسول نہیں وہ رب حضور کی معرفت دلوں کو ایمان کی زندگی اور کفر کی موت دیتا ہے جیسے سورج کے ذریعہ زمین کو دن اور رات دیتا ہے دن کا ذریعہ بھی سورج ہے اور رات کا ذریعہ بھی سورج۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کتے کی رسی اپنے ہاتھ میں رکھو اپنی رسی کتے کے ہاتھ میں نہ دو۔ یوں ہی اپنے نفس امارہ کی رسی اپنے ہاتھ میں رکھو اپنی رسی نفس امارہ کے ہاتھ میں نہ دو اپنے کو حضور انور کے ہاتھ میں دو **واتبعوہ لعلکم تھتدون** اگر تم نے یہ عمل کرلیا تو رب تک پہنچ جاؤ گے حضور کی سنتوں کی اتباع ہی انسان کی نجات کا ذریعہ ہے حضرت شیخ محی الدین اکبر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کی تمام سنتوں پر عمل کیا سواء ایک کے کہ میرے کوئی بیٹی نہ تھی جس کا نکاح میں اپنے کسی عزیز سے کردیتا حضرت بایزید بسطامی ایک صاحب کرامات شخص کی ملاقات کو گئے دیکھا کہ اس نے مسجد کے قبلہ کی طرف تھوکا آپ نے اسے سلام بھی نہ کہا اور واپس آگئے فرمایا کہ یہ سنت کا تارک ہے۔ امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں کہ میں ایک جماعت میں تھا کہ لوگ ننگے ہو کر حمام میں گھس گئے میں حضور کی سنت پر عمل کرتے ہوئے تہبند باندھ کر گیا۔ رات کو میں نے غیبی اعلان سنا کہ اے احمد رب نے تمہارے سارے گناہ بخش دیئے اور تمہیں لوگوں کا امام بنادیا اس سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے۔ میں نے پوچھا تم کون ہو فرمایا میں جبریل ہوں۔ فرشتے حضور انور کی عظمت کرتے ہیں اور حضور کی وجہ سے حضور کی امت کی حضور کے قرآن کی بلکہ جس قبر پر قرآن پڑھا جاوے اس قبر کا ادب و احترام کرتے ہیں۔

حکایت: مثنوی شریف کے دفتر سوم کے آخر میں ایک عجیب حکایت لکھی **حکایت منديل در تنور داشتن** کہ حضرت انس کے ہاں صحابہ کرام کی دعوت تھی عین کھانے کے وقت کپڑے کا دسترخوان جب بچھانے لگے تو وہ میلا تھا آپ نے اپنی خادمہ کو حکم دیا کہ اسے جلتے ہوئے تنور میں ڈال دو مہمانوں نے تعجب کیا اور دھوآں نکلنے خوان جلنے کا انتظار کرنے لگے مگر دیکھا یہ کہ چند لمحوں کے بعد اسے آگ سے نکالا تو وہ بالکل محفوظ تھا البتہ اس کا میل کچیل جل چکا تھا۔ دسترخوان صاف ہو گیا تھا سب نے کہا۔

قوم گفتند اے صحابی عزیز چوں نہ سوزید منقی گشت نیز
گفت زانکہ مصطفٰے دست و دہاں پس بما لید اندریں دستارخواں

انہوں نے پوچھا کہ اے صحابی رسول یہ جلا کیوں نہیں فرمایا ایک دفعہ حضور انور نے اس دسترخوان سے اپنا منہ و ہاتھ شریف پونچھ لئے تھے جب سے یہ آگ میں جلا نہیں کرتا فرماتے ہیں۔

اے دل ترسندہ از نار عذاب　　باچناں دست و دہن کن انتساب
چوں جما دے راکند تشریف دار　　جان عاشق راچرا خواھد کشاد

اے دل اگر تجھے عذاب کی آگ سے ڈر لگتا ہے تو ان ہاتھوں اور ہونٹوں سے نسبت قائم کر جب ان کی نسبت نے کپڑے کو جلنے سے بچالیا تو عاشق رسول کو جلنے سے کیوں نہیں بچائے گی (روح البیان) اب پڑھو۔ **واتبعوہ لعلکم تھتدون۔**

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ

اور حضرت موسیٰ کی قوم میں سے ایک جماعت ہے جو ہدایت دیتی ہے ساتھ سچائی کے اور اسکے ساتھ عدل کرتی ہے

اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے کہ حق کی راہ بتاتا اور اسی سے انصاف کرتا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں سرکش بنی اسرائیل کی سرکشیوں کا ذکر ہوا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں بچھڑا پرستی کی اور ساتھ جانے والوں نے سرکشی۔ حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا **اتھلکنا بما فعل السفھاء منا** اب مطیع و فرمانبردار اسرائیلیوں کا ذکر ہے۔ جو حق پر قائم رہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا اور رب تعالیٰ کے جواب کا ذکر ہوا جس سے دھوکہ ہو سکتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی امت کو کسی قسم کی رحمت نہیں عطا ہوئی اب یہ وہم دفع فرمایا جا رہا ہے اور ارشاد ہو رہا ہے کہ قوم موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایک اعلیٰ رحمت عطا ہوئی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کے جواب میں ذکر ہوا کہ ہم اپنی رحمت آخری نبی کی امت کے لئے لکھیں گے اب ارشاد ہے کہ قوم موسوی میں بھی بعض لوگ امت محمدی بنے اور اس مذکورہ رحمت کے مستحق ہوئے گویا دعاء موسوی قبول ہوئی۔

تفسیر: **ومن قوم موسی امتہ** یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے قوم موسیٰ سے مراد آپ کی نسبی قوم یعنی اولاد یعقوب علیہ السلام (بنی اسرائیل) اس معنی سے حضرت انبیاء کرام نے اپنی کافر برادری کو بھی قوم کہہ کر پکارا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ امت کے معنی امت کی قسمیں ان قسموں کے احکام ہم پارہ **سیقول** میں **جعلنکم امتہ وسطا**" کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں امت سے کیا مراد ہے اس میں چند قول ہیں (1) اس سے مراد وہ بنی اسرائیل ہیں جو حضور انور پر ایمان لائے صحابی بن گئے جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی کہ اگرچہ یہ لوگ چند ہی تھے مگر چند بلکہ ایک شخص کو بھی امت کہا جا سکتا ہے رب فرماتا ہے **ان ابرھیم کان امتہ قانتا** کہ وہاں ایک ذات یعنی ابراہیم علیہ السلام کو امت فرمایا (کبیر۔ روح المعانی وغیرہ) اس تفسیر کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے **من اھل الکتب امتہ قائمتہ یتلون ایت اللہ اناء الیل** (2) اس جماعت سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے وہ اسرائیلی ہیں جو صحیح معنی میں آپ کے مطیع

و فرمانبردار رہے بچھڑا پرستی وغیرہ سے محفوظ رہے اس صورت میں **یھدون** اور **یعدلون** گزشتہ واقعہ کے بیان کے لئے ہے یہ حال بمعنی ماضی استمراری ہے یعنی **کانوایھدون**۔ (3) موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد یوشع علیہ السلام آپ کے خلیفہ ہوئے اس زمانہ تک بنی اسرائیل کسی قدر ٹھیک رہے مگر یوشع علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کا حال بد تر ہو گیا۔ کفر، قتل انبیاء وغیرہ ان کا عام شغل ہو گیا۔ چنانچہ ابن جریر وغیرہ نے ابن جریج سے روایت کی کہ بنی اسرائیل بارہ گروہ تھے جنہوں اسباط کہا جاتا تھا ان میں سے گیارہ تو بد ترین حالت میں گرفتار ہو گئے ایک گروہ نے جو حق پر قائم تھا بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ کہ مولیٰ ہم ان لوگوں سے بیزار ہیں ہم کو ان سے الگ کر دے حق تعالیٰ نے انہیں ایک غیبی طریقہ سے چین کے آخری حصہ میں پہنچادیا اور فرمایا کہ تم یہاں الگ تھلگ آباد رہو حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ جو آیتہ ہے **وقلنا من بعدہ لبنی اسرائیل اسکنوا الارض فاذا جاء وعد الاخرۃ جئنا بکم لفیفا** وہاں زمین سے مراد یہ ہی زمین چین ہے اور **وعد الاخرۃ** سے مراد قریب قیامت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول وہ قوم اب بھی چین کے ایک حصہ میں آباد ہے مگر مخلوق کی نگاہ سے پوشیدہ حضور انور معراج کی رات وہاں تشریف لے گئے انہیں اپنا کلمہ پڑھا کر مسلمان بنایا اور انہیں قرآنی آیات و اسلامی احکام سکھائے یہاں **امتہ** سے وہ لوگ مراد ہیں (روح المعانی) روح البیان۔ خازن۔ کبیر وغیرہ) مگر یہ آخری قول کچھ ضعیف سا ہے پہلے دو قول قوی ہیں بہر حال بنی اسرائیل میں ایک جماعت تھی یا ہے یا رہے گی جن کی صفت یہ ہے کہ **یھدون بالحق** یہ عبارت **امتہ** کی صفت ہے امت لفظاً" واحد ہے مگر معنی جمع اس لئے **یھدون** جمع ارشاد ہوا **یھدون** بنا ہے ہدایتہ سے ہدایت کے معنی اس کی قسمیں ان قسموں کے احکام ہم **اھدنا الصراط المستقیم** کی تفسیر میں عرض کر چکے۔ یہاں اس کے معنی ہیں ہدایت دیتے ہیں لوگوں کو تبلیغ کرتے ہیں جن سے مراد یا تو توریت شریف کے صحیح احکام ہیں جن میں ترمیم تبدیل نہ کی گئی تب اس کے معنی ہوں گے ہدایت دیتے تھے کیونکہ اب توریت کے اصلی احکام بھی حق نہ رہے وہ منسوخ ہو گئے یا حق سے مراد احکام اسلامیہ ہیں تو **یھدون** کے معنی ہیں کہ لوگوں کو احکام اسلامیہ کی ہدایتہ دیتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ **بنا ہو ھدی** سے بمعنی طریقہ یعنی طریقہ حق اختیار کرتے ہیں **وبہ یعدلون** یہ عبارت معطوف ہے **یھدون** پر اور **امتہ** کی دوسری صفت **بہ** کا مرجع حق ہے اور اس کو **یعدلون** پر مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا **یعدلون** بنا ہے **عدل** یا **عدالت** سے بمعنی انصاف کرنا یعنی وہ آپس کے معاملات میں صرف حق یعنی احکام اسلامیہ سے عدل و انصاف کرتے ہیں شرعی فیصلے کرتے ہیں مقدمات میں کسی پر ظلم نہیں کرتے ان کی کچہری صحیح معنی میں عدالت ہے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس آیتہ کریمہ کی تین تفسیریں ہیں دو قوی اور ایک کچھ ضعیف ہم ان میں سے نہایت قوی تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی ساری قوم گمراہ نہیں ہوئی بلکہ ان کی قوم یعنی بنی اسرائیل میں ایک جماعت ایسی ایمان والی بھی ہے، جو خود بھی حق یعنی سلام سے وابستہ ہے اور دوسروں کو بھی حق پر آنے حق پر رہنے کی ہدایت کرتی ہے یعنی ہادی اور مہدی ہے اس جماعت کے عقیدے اعمال عبادات معاملات اسلامی ہیں اور وہ جب کسی کا فیصلہ کرتے ہیں تو اسلام کے موافق کرتے ہیں جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی اور سارے وہ اسرائیلی جو حضور ﷺ پر ایمان لائے جناب کلیم اللہ کی اولاد ہیں اور جناب حبیب اللہ کے صحابی جانباز رضی اللہ عنہم موسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ دعا کا ظہور ان کے

حق میں ہوا حدیث شریف میں ہے کہ تین شخصوں کو دو ہرا ثواب ملتا ہے ایک وہ اہل کتاب جو پہلے اپنے نبی پر ایمان رکھتا ہو پھر مجھ پر ایمان لائے دوسرا وہ غلام جو اپنے مولیٰ کی خدمت بھی کرے اور اپنے رب کی عبادت بھی تیسرے وہ جو اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس کو دینی تعلیم دے پھر اس سے نکاح کرے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: مشرکین و کفار مومن کے نسبی ملکی ہم قوم ہو سکتے ہیں ہاں دینی قوم صرف مومن ہی ہوں گے یہ فائدہ **ومن قوم موسی** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے کافر اسرائیلیوں کو موسیٰ علیہ السلام کی قوم فرمایا۔ **دوسرا فائدہ**: ایک چھوٹی جماعت بلکہ ایک دو شخصوں کو بھی امت کہہ سکتے ہیں یہ فائدہ **امۃ** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی مراد ہوں قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امت فرمایا **ان ابرھیم کان امۃ قانتا للہ**۔ **تیسرا فائدہ**: کامیابی کے لئے دو چیزیں چاہئیں خود حق پر رہنا اور دوسروں کو حق پر رکھنا جو صرف اپنی اصلاح کرے اپنے ماتحتوں عزیزوں قوم کی ہدایت کی پرواہ نہ کرے وہ پورا کامیاب نہیں یہ فائدہ **یعدلون** فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ امت محمدیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ساری کی ساری گمراہ نہیں ہوگی اس میں ایک فرقہ حق پر رہے گا مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل بھی سارے گمراہ نہ ہوئے ان میں ایک جماعت حق پر قائم رہی یہ آیت اس حدیث کے خلاف ہے۔ **جواب**: بنی اسرائیل موسوی رہ کر ہدایت پر قائم نہیں رہے کہ وہ دین منسوخ ہو گیا ان میں سے جو حق پر قائم رہے وہ ہی تھے جو حضور ﷺ پر ایمان لائے امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ ان میں ایک جماعت محمدی رہتے ہوئے حق پر ہوں گے کہ دین منسوخ نہیں لہٰذا آیت و حدیث میں کوئی تعارض نہیں اور اگر اس آیت کے معنی یہ ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسرائیلیوں کی ایک جماعت حق پر تھی تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں کہ ان کی ہدایت ایک خاص وقت میں تھی حضور کی امت کا ہدایت پر رہنا تا قیامت ہے۔ **دوسرا اعتراض**: اگر یہاں امت سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے اسرائیلی ہوں تو **یھدون** اور **یعدلون** حال کا صیغہ کیونکر درست ہو گا پھر تو یہ دونوں صیغے ماضی چاہئے تھے کیونکہ یہ واقعہ گزرے ہوئے زمانہ کا ہے۔ **جواب**: عربی میں قاعدہ ہے کہ آئندہ کی یقینی خبروں کو ماضی سے تعبیر کر دیا جاتا ہے یوں ہی گزشتہ واقعہ کا دوام بتانے کے لئے اسے حال سے تعبیر فرمایا جاتا ہے اس قاعدے سے یہاں حال کا صیغہ ارشاد ہوا ہماری اردو میں بھی گزشتہ واقعہ سامنے لانے کے لئے اسے حال سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ **تیسرا اعتراض**: اگر یہاں امت سے مراد وہ اسرائیلی ہیں جو چین کے کنارے بسا دیئے گئے ہیں اور وہ قیامت تک رہیں گے تب یہ کیسے درست ہو سکتا ہے آج ہوائی جہازوں کے ذریعہ انسان نے زمین کا گوشہ گوشہ چھان مارا بلکہ چاند میں پہنچ کر اسے کھود کر وہاں کی مٹی پتھر لے آیا مگر ان لوگوں کا کہیں پتہ نہیں معلوم ہوا کہ یہ بات محض من گھڑت ہے اس علاقہ میں کوئی قوم نہیں۔ **جواب**: یہ بات محض غلط ہے کہ جو چیز سائنس کے ذریعے نظر نہ آوے وہ ہے ہی نہیں۔ اصحاب کہف، سکندری دیوار۔ اس کے پیچھے قوم یاجوج ماجوج کی آبادی۔ اسی زمین پر موجود ہیں مگر آج تک کسی سائنس نے انہیں نہیں دیکھا بلکہ ہوا۔ روح۔ موجود ہے کہیں نہیں دیکھی گئی بلکہ ہوا اور ریائی میں

ایسے باریک کیڑے (جراثیم) ہیں جو خوردبین سے بھی نہیں دیکھے جاتے انسان کی ریڑھ کی ہڈی میں ایسے باریک اجزا ہیں جو کسی طرح نظر نہیں آتے وہ نہ گلتے سڑتے جلتے ہیں نہ ان میں فرق ہو جنہیں عجب الذنب کہا جاتا ہے جن پر قیامت میں اجسام بنائے جائیں گے یہ سب چیزیں ابھی تک سائنس کے ذریعہ دیکھی نہ جا سکیں چیونٹی کی آواز ہے وہ بولتی ہے مگر کسی آلہ سے نہیں سنی گئی جن کے ہونے کی اللہ رسول نے خبر دی وہ ہیں اور ضرور ہیں اگرچہ ہم کو نظر نہ آویں۔ **چوتھا اعتراض**: اگر یہاں امت سے مراد چین میں رہنے والے اسرائیلی ہیں تو ان پر حضور ﷺ معراج کی رات میں صرف ایک بار گزرے جس وقت کوئی شرعی حکم نہ آیا تھا کچھ آیات قرآنیہ آئی تھیں پھر نہ وہاں حضور انور تشریف لے گئے نہ آپ کی طرف سے کوئی مبلغ پہنچا تو وہ لوگ اسلامی احکام نماز، روزہ، زکوۃ، قربانی وغیرہ پر عمل کیسے کرتے ہیں کیا انہیں یہ سب کچھ معاف ہیں۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب تفسیر روح البیان نے یہ دیا ہے کہ حضور انور کو جسمانی معراج صرف ایک بار عطا ہوئی مگر روحانی معراج بارہا عطا ہوئی اور حضور انور روحانی طور پر ان کے پاس بارہا تشریف لے گئے انہیں احکام شرعیہ کی تبلیغ فرماتے رہے بلکہ حضور کا جسم اقدس ایک لحہ میں وہاں تک پہنچتا ہے جہاں تک آپ کی نظر پہنچے حضور کے لئے نزدیک اور دور یکساں ہیں حضور کا فیض ہر جگہ ہر وقت ہے وہ لوگ بھی اس فیض سے محروم نہیں اب ان میں علماء، اولیاء صالحین سب ہیں وہاں اسلام کا آفتاب اپنی پوری طاقت سے چمک رہا ہے (روح البیان) بلکہ اگر غور کیا جاوے تو اب بھی ظاہری ہدایت قرآن و حدیث علماء دین سے ہم کو ملتی ہے مگر جنانی اور دلی ہدایت حضور انور سے براہ راست نصیب ہوتی ہے بارہا کا تجربہ ہے کہ ہم کسی مسئلہ میں اٹک جائیں مسئلہ کتابوں سے حل نہ ہو تو حضور انور خواب میں یا الہام سے یا اور ذریعوں سے بتا سمجھا دیتے ہیں۔ حضور انور کی پہنچ ہر جگہ ہر وقت ہے۔

تفسیر صوفیانہ: موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی انتہائی ترقی یہ تھی کہ وہ حق یعنی توریت کے الفاظ و معانی و احکام کی لوگوں کو ہدایت کریں اور اس توریت کے ذریعہ مقدمات کے فیصلے وغیرہ کیا کریں مگر یہ مقام امت محمدیہ کی ابتدائی منزلوں میں سے ہے ان کا انتہائی مقام یہ ہے کہ حضور انور کی ذات والا صفات میں اپنی انا کو فنا کر ڈالیں اور ان کا حال یہ ہو جاوے کہ **کنت انا سمعہ و بصرہ و لسانہ فبی یسمع و بی یبصر و بی ینطق** کہ اللہ اس فانی الرسول بندے کے کان، آنکھیں اور زبان بن جاوے پھر بندہ اللہ کی طاقت سے دیکھے سنے اور بولے اس مقام پر سوا اسی امت امین کے اور کوئی نہ پہنچا دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے رب کے دیدار کا شوق کیا مگر پورا نہ کیا گیا کہ وہ ابھی **فنا فی الذات** کے درجہ پر نہ تھے فرمایا گیا کہ اے موسیٰ تم مجھ کو اپنے سے دیکھنا چاہتے ہو یہ نہ ہو سکے گا مجھے وہ دیکھے گا جو مجھ کو مجھ سے میرے لئے دیکھے جس کا حال یہ ہو کہ۔

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے آرزو کی تھی کہ مولیٰ مجھے محمد مصطفیٰ کی امت میں سے کر دے تمنائیں کی یار کے دیدار کے شوق میں۔ مولانا اسمٰعیل حقی صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔

مصطفیٰ را انبیاء امت شدند جملہ درزہر بودے او برند!
پایہ ایں امت مرحومہ ہیں کے بقاو بین ارباب یقیں!

رفعتش بین الانام چوں آفتاب   درمیان انجم اے عالی جناب
پیشہ کن اے حقی شرع ایں نبی   تانہ باشد فوت از مطلبی

(روح البیان)

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ

اور کاٹ دیا ہم نے ان کو بارہ جماعتوں میں اور وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کے جبکہ

اور ہم نے انہیں بانٹ دیا بارہ قبیلے گروہ گروہ اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کو جب اس

اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ

پانی مانگا ان سے قوم نے ان کی یہ کہ مارو ساتھ لاٹھی اپنے کے پتھر کو پس پھوٹ پڑے

سے اس کی قوم نے پانی مانگا کہ اسی پتھر پر اپنا عصا مارو اس میں سے بارہ

مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا

اس سے بارہ چشمے بیشک جان لیا ہر جماعت نے اپنے پینے کی جگہ کو اور سایہ کیا ہم

چشمے پھوٹ نکلے ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا اور ہم نے ان پر ابر سائبان کیا اور

عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

نے اوپر ان کے ساتھ بادل کے اور اتارا ہم نے اوپر ان کے من اور سلویٰ کھاؤ تم لوگ ان پاکیزہ

ان پر من و سلویٰ اتارا کھاؤ ہماری دی ہوئی پاک چیزیں اور انہوں

مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

چیزوں میں سے جو روزی دی ہم نے تم کو اور نہیں ظلم کیا انہوں نے ہم پر اور لیکن تھے وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے

نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا لیکن اپنی ہی جانوں کا برا کرتے تھے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ بنی اسرائیل میں ایک جماعت حق پر قائم رہی اب ارشاد ہے کہ ان کی باقی جماعتیں سرکش تھیں گویا ایک جماعت کی ہدایت ' عدالت کے بیان کے بعد بقیہ کی سرکشی ' گمراہی کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی ایک خاص دعا کا ذکر ہوا اور ساتھ کچھ ترمیم کے ساتھ اس کی قبولیت کا تذکرہ ہوا اب اس ترمیم کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ وہ لوگ سخت سرکش تھے ان رحمتوں کے لائق امت محمدیہ ہے جو اطاعت شعار ' وفادار ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کی سرکشیوں کا ذکر ہوا اب ان پر جو گرفت کی گئی ان کا بھی ذکر ہے اور اس گرفت میں جو کرم ان کے شامل حال رہے ان کا بھی تذکرہ ہے۔

تفسیر: **وقطعنهم اثنتی عشرۃ اسباطا" امما**" یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے۔ **قطعنا** بنا ہے **تقطیع** سے جس کا مادہ ہے **قطع**۔ بمعنی ٹکڑا لہٰذا **تقطیع** کے معنی ہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دینا متفرق گروہوں میں بانٹ دینا اگر۔ بمعنی **صیرنا** ہے تو اس کے دو مفعول ہیں پہلا **ھم** ہے دوسرا **اثنتی عشرۃ** یعنی ہم نے ان کو بنا دیا بارہ گروہ اور اگر اپنے ہی معنی میں ہے تو ایک ہی مفعول ہے یعنی **ھم** اور **اثنتی عشر ' ھم** کا حال ہے اور **اسباطا اثنتی عشرۃ** کا بدل اور امم اسباط کا بدل یہ ترکیب یاد رہے اس ترکیب سے آیتہ پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ خیال رہے کہ **ھم** کا مرجع قوم موسیٰ ہے نہ کہ **امته** کیونکہ یہ بانٹ و تقسیم ساری قوم کی تھی نہ کہ صرف فرمانبردار جماعت کی چونکہ قوم معنی جمع ہے اس لئے **ھم** ضمیر جمع ارشاد ہوئی۔ خیال رہے کہ اسباطا" **اثنتی عشرۃ** کی تمیز نہیں ورنہ جمع نہ آتی سبطا" واحد آتی۔ کیونکہ گیارہ سے انیس تک کی تمیز واحد آتی ہے بلکہ اس کا حال ہے۔ اسباط جمع ہے سبط کی۔ بمعنی پوتی پوتے اس کے ہم معنی ہے حفید۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ بیٹے کی اولاد حفید ہے بیٹی کی اولاد سبط (صاوی) یعنی ہم نے قوم موسیٰ کو بارہ قبیلوں میں بانٹ دیا بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے آپ کے بارہ بیٹے تھے ہر بیٹے کی اولاد کو سبط کہا جاتا تھا لہٰذا آپ کی اولاد بارہ اسباط یعنی بارہ خاندان ہوئی ان خاندانوں کی تقسیم غرق فرعون کے بعد ہوئی اور ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے ہو گئی ہو کیونکہ بنی اسرائیل غرق فرعون کے وقت چھ لاکھ سے بھی زیادہ تھے یہاں تفسیر بیضاوی نے فرمایا کہ اسباطا" لفظا" جمع ہے مگر معنی واحد کیونکہ بہت سے سبط مل کر ایک قبیلہ ہوتا ہے لہٰذا یہ **اثنتی عشرۃ** کی تمیز ہو گیا۔ اس میں اشارہ فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل ایسے سرکش تھے جو موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بھی جمع نہ ہوئے ان میں نسبی فرق باقی ہی رہا۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو ان کی سرکشی کی وجہ سے بارہ فرقوں میں بانٹ دیا۔ ان میں عداوت ڈال دی اس کی تفسیر وہ آیت کرتی ہے **والقینا بینهم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیمته واوحینا الی موسیٰ اذاستسقه** یہ واقعہ سورہ بقر میں تفصیل سے گزر چکا ہے وہاں ہی اس کی تفسیر بہت تفصیل سے کر دی گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو قوم جبارین سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور بارہ آدمیوں کو بیت المقدس بھیجا کہ جاسوسی کر کے اس قوم کے حالات دیکھ کر آئیں مگر انہیں تاکید کی کہ جو کچھ دیکھیں وہ صرف ہم سے کہیں عام اعلان نہ کریں سواء دو صاحبوں یعنی حضرت یوشع اور کالب کے باقی نے جبارین کی شہ زوری کا اعلان کر دیا جس سے اسرائیلی بزدل ہو گئے اور جہاد سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ لوگ ایک میدان میں قید کر دیئے گئے اس میدان کا نام **تیه** ہے چالیس سال یہ لوگ وہاں قید رہے جب یہ اس میدان میں گھرے تو موسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے بھوک پیاس کی شکایت کی آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تب آپ کو یہ حکم دیا گیا۔ قوم سے مراد یہ ہی اسرائیلی ہیں جو میدان **تیه** میں قید ہوئے تھے ظاہر یہ ہے کہ وحی سے مراد شرعی وحی ہے۔ جو بذریعہ فرشتہ آپ کو کی گئی اور ہو سکتا ہے کہ وحی۔ بمعنی الہام یعنی دل میں ڈالنا ہو یعنی جب موسیٰ علیہ السلام سے اسرائیلیوں نے پانی مانگا پینے نہانے وغیرہ کے لئے تو ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی۔ خیال رہے کہ عصا کے متعلق موسیٰ علیہ السلام کو وحی تین بار تین جگہ کی گئی پہلے تو وادی سینا میں عطاء نبوت کے وقت کہ اسے پھینکو' سانپ بنانے کے لئے۔ دوسری بار جادوگروں سے مقابلہ کے وقت میدان مقابلہ میں کہ پھینکو یہ تمام جعلی سانپوں کو کھا جاوے گا۔ تیسرے اس جگہ کہ پتھر کو اس سے مارو پانی نکالنے کے لئے۔ غرضکہ دست موسوی اور عصا تو وہ ہی ایک تھا مگر نیت و ارادے میں فرق تھا

سانپ بنانے کے ارادے سے پھینکے تو سانپ بنا سانپوں کے نگلنے کی نیت سے پھینکے تو نگل جاتا پانی نکالنے کے لئے مارا تو پانی نکلا ہمارے حضور نے انگلی کا اشارہ چاند پھاڑنے کے لئے کیا تو وہ پھٹ گیا۔ درختوں کو بلانے کے لئے کیا تو وہ آگئے پھر اسی انگلی سے اشارہ چاند جوڑنے درختوں کو واپس کرنے کے لئے کیا تو اس طرح ہوا اصل چیز ارادہ نبی ہے۔ **ان اضرب بعصاک الحجر** یہ عبارت مفعول ہے **او حینا** کا اس کی تفسیر بھی سورہ بقر میں ہو چکی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اصل میں جنتی اس درخت کی تھی جسے آدم علیہ السلام جنت سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ یہ **عصا** حضرات انبیاء کرام میں منتقل ہوتا ہوا آتا رہا حتی کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچا آپ نے جب بکریاں چرانے کی **خدمت** موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کی تو یہ عصا آپ کو دیا اس عصا شریف کی پوری تاریخ سورہ بقر میں ملاحظہ کرو پتھر کے **متعلق** بہت گفتگو ہے کہ کون سا تھا بعض نے فرمایا کہ وہ ہی تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگا تھا یہ انسان کے سر کے برابر تھا چوکور تھا مرمر تھا **واللہ اعلم** (صاوی۔ روح) یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اپنے عصا سے اس پتھر کو مارو آپ نے مارا۔ اس میں اشارہ فرمایا گیا کہ پتھر میں احساس تھا وہ موسیٰ علیہ السلام کے ارادے اور نیت کو جانتا تھا اسے مارنا ایسا تھا جیسے آقا کا اپنے غلام کو کسی کام کو حکم دینا اس لئے یہ نہ فرمایا کہ لاٹھی کو پتھر پر مارو بلکہ فرمایا کہ پتھر کو لاٹھی سے مارو۔ **فانبجست منہ اثنتا عشرۃ عینا** یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے **فضرب بھا اذا** ف جزائیہ ہے **انبجاس** کا مادہ **بجس** ہے بمعنی پھوٹنا۔ بہنا۔ خیال رہے کہ سورہ بقر میں ہے **فانفجرت انفجار اور انبجاس** دونوں ہم معنی ہیں مگر بعض اہل لغت نے فرمایا کہ ایجاس ہلکا معمولی طور سے بہنا اور انجار شرائے سے بہنا چونکہ پتھر سے یہ چشمے معمولی طور سے بہتے ہوئے نکلتے تھے آگے چل کر نہر کی شکل اختیار کر لیتے تھے، خوب بہتے تھے اس لئے دونوں لغتیں درست ہیں۔ (روح المعانی) **منہ** میں **من** ابتدائیہ ہے **ہ** ضمیر پتھر کی طرف ہے یعنی عصا مارتے ہی پتھر سے بارہ چشمے بہہ نکلے ان بارہ چشموں کے رخ الگ الگ سمت میں تھے تاکہ ہر قبیلہ اپنی نہر سے پانی لے چنانچہ ارشاد ہے **قد علم کل اناس مشربھم** یہ عبارت بیان ہے بارہ چشموں کا **اناس** جمع ہے **ناس** کی مشرب۔ بمعنی گھاٹ ہے یعنی پانی پینے پانی لینے کی جگہ چونکہ بنی اسرائیل کے ہر قبیلہ میں بہت آدمی تھے اس لئے **اناس** فرمایا یعنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے ہر قبیلہ نے اپنا گھاٹ جان پہچان لیا تھا کہ ہر قبیلہ اپنے ہی گھاٹ پر جاتا تھا دوسرے **قبیلہ** کی گھاٹ پر نہ جاتا تھا کیونکہ وہ آپس میں بہت لڑتے جھگڑتے تھے۔ دو قبیلے ایک ساتھ کھاپی نہیں سکتے تھے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ ہر قبیلہ نے اپنے لئے کنواں کھودا ہوا تھا جس میں اس چشمے کا پانی جمع ہوتا تھا یہ لوگ اپنے ہی کنوئیں سے پانی لیتے تھے۔ **وظللنا علیھم الغمام** یہ رب تعالیٰ کی دوسری نعمت کا ذکر ہے جو اسرائیلیوں کو میدان **تیہ** میں عطا کی گئی کہ دن میں ان پر ہلکا بادل سایہ کئے رہتا تھا تاکہ دھوپ سے جل نہ جائیں رات کو ان پر ایک نورانی ستون نازل ہوتا تھا جس کی روشنی میں یہ لوگ رات میں کام کاج کرتے تھے۔ **غمام** عموماً ہلکے سفید بادل کو کہتے ہیں جس سے بارش تو نہ ہو مگر سایہ ہو اس لئے یہاں سحاب ارشاد نہ ہوا غمام فرمایا گیا (از روح البیان) **وانزلنا علیھم المن والسلوی** یہ اس تیسری نعمت کا ذکر ہے جو انہیں میدان **تیہ** میں عطا ہوئی یعنی ان کی غذا کا انتظام فرمانا اس کی تفسیر سورہ بقر پارہ **الم** میں گزر چکی کہ **من** ایک لذیذ حلوہ تھا جو رات کو شبنم کی طرح برس جاتا تھا۔ صبح کو یہ سارے میدان میں اسے جما ہوا پاتے تھے اسے کھرچ کر اٹھاتے کھاتے تھے **سلوی** ایک خاص چڑیا تھی جسے سمانی کہا جاتا ہے جو

عام چڑیوں سے بڑی اور کبوتر سے چھوٹی ہوتی ہے چونکہ انسان اس کے گوشت کے ہوتے دوسرے گوشت کی طرف رغبت نہیں کرتا یہ گوشت بہت ہی لذیذ ہوتا ہے **الانسان یمیل بہ عن سائر الادام۔ سلو** معنی بے نیازی بے پرواہی (روح البیان) بہرحال اسیر، میٹھا حلوہ اور نمکین کباب اعلیٰ درجے کے مل جاتے تھے۔ اچھا خاصہ گذارہ ہو تا تھا یہ کھانا نہ قبض کرتا تھا نہ دست آور تھا نہ اور کوئی بیماری پیدا کرتا تھا نہ اس کے حاصل کرنے میں کوئی مشقت ہوتی تھی غرضکہ عجیب نعمت تھی بلکہ اسے **من** اس لئے کہتے تھے کہ یہ بطور احسان بغیر تکلیف مل جاتا تھا اور ہر رب کی طرف سے اعلان تھا کہ **کلوا من طیبت مارزقنکم** اس کی تفسیر بھی سورہ بقرمیں کی جاچکی ہے یہاں چند باتیں سمجھ لو ایک یہ کہ رب نے ان لوگوں کو صرف کھا لینے کی اجازت دی تھی اسے جمع کرنا کل کے لئے اٹھار کھنا ممنوع تھا ہر دن نیا روز تھا نئی روزی۔ اسی لئے **کلوا** فرمایا۔ دوسرے یہ کہ یہ دونوں چیزیں اللہ کی لذیذ مزے دار رزق میں سے تھیں کڑواہٹ ترشی پھیکاپن نام کو نہ تھا اچھی خوشبو اچھا رنگ اچھا مزہ اس لئے **من طیبات** ارشاد ہوا۔ تیسرے یہ کہ یہ دونوں چیزیں ان لوگوں کے لئے حلال تھیں ان میں حرمت کا شائبہ نہ تھا چوتھے یہ کہ یہ دونوں چیزیں کسی طرح نقصان دہ نہ تھیں ہر مزاج والے کو موافق تھیں جیسے پانی جو ہر بلغمی، سوداوی، صفراوی، گرمی، سردی والے مزاج والوں کو موافق ہے۔ ان وجوہ سے فرمایا گیا **مارزقنکم** بہرحال **من** اور **سلوی** ان کے لئے بڑی نعمت تھی **وما ظلمونا** ان اسرائیلیوں نے **من و سلوی** جیسی نعمت کی قدر نہ کی بجائے شکریہ ادا کرنے کے کفران نعمت کیا کہ پہلے تو اسے بچا کر کل کے لئے رکھا جس سے وہ خراب، بدبودار ہو گیا پھر موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کرنے لگے کہ **لن نصبر علی طعام واحد** ہم ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں کرسکیں گے ان حرکتوں سے انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا **و لکن کانوا انفسہم یظلمون** انہوں نے خود اپنی جانوں پر ہی ظلم کیا کہ ان کی حرکتوں سے **من و سلوی** بند ہوا۔ رب تعالیٰ کا ان پر عتاب ہوا تاقیامت دنیا میں ان پر پھٹکار پڑی یہاں روح البیان نے فرمایا کہ تمام کھانوں کا آخرت میں حساب ہو گا مگر من و سلوی کا کوئی حساب اخروی نہ تھا اسی اعلیٰ نعمت کی ناشکری کر کے انہوں نے اپنا ایک نقصان نہیں بہت سے نقصان کر لئے ان تمام کی تفسیر پہلے پارہ میں ہو چکی ہے۔

خلاصہ تفسیر: رب تعالیٰ نے اس آیتہ کریمہ میں بنی اسرائیل کے ایک بہت پرانے واقعہ کا ذکر فرمایا ہے۔ جس سے ان پر اللہ تعالیٰ کی متواتر مہربانیاں ظاہر ہو رہی ہیں اور ان کی مسلسل نافرمانیاں۔ اس کا مقصد حضور نبی کریم ﷺ کو تسکین دینا ہے کہ موجودہ اسرائیلیوں کی ریشہ دوانیوں، مخالفتوں سے ملول نہ ہوں ان کا دستور تو ہمیشہ سے یہ ہی رہا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد ہیں اس لئے انہیں بارہ قبیلے کر دیا گیا تھا ہر بیٹے کی اولاد ایک قبیلہ یہ لوگ ایک سنگین جرم کی بناء پر ایک لق و دق جنگل **تیہ** میں چالیس سال کے لئے قید کر دیئے گئے کہ وہاں سے نکلنے کے لاکھ جتن کئے مگر نہ نکل سکے دن بھر جہاں سے نکلتے اور چلتے رہتے شام کو وہاں ہی ہوتے تھے وہاں ان کو کھانا پانی سایہ کی سخت ضرورت پیش آئی انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی موسیٰ علیہ السلام نے ہم سے عرض کیا تو ہم نے حضرت کلیم سے فرمایا کہ فلاں پتھر میں اپنا عصا مارو آپ نے عصا مارا اس سے فوراً پانی کے بارہ چشمے پھوٹ پڑے جو الگ الگ نالیوں کی شکل میں بہنے لگے۔ ہر قبیلہ کے لئے ایک نالہ مقرر کر دیا گیا۔ ہر قبیلہ نے اپنے نالہ سے پانی لینا شروع کر دیا کیونکہ وہ اگر ایک نہر سے پانی لیتے تو آپس میں لڑ پڑتے

اس کے علاوہ ہم نے دن میں ان پر ہلکا سفید بادل مقرر فرمادیا جو برستا نہ تھا مگر انہیں دھوپ سے محفوظ رکھتا تھا اگر یہ بادل مقرر نہ ہوتا تو یہ لوگ وہاں بھن جاتے اس کے علاوہ ہم نے ان کی غذا کے لئے نہایت لذیذ میٹھا حلوہ **من** اور نمکین لذیذ کباب **سلوی** عطا فرمایا اور ان سے فرمادیا کہ یہ ہماری پاکیزہ حلال مزے دار بے ضرر روزی ہے اسے بے روک ٹوک کھاتے رہو نہ یہ نقصان کرے گی نہ ختم ہوگی مگر صرف کھانا کل کے لئے نہ بچانا کہ یہ توکل کے خلاف ہے۔ مگر وہ وہاں بھی نافرمانی سے باز نہ آئے چوری چوری بچاکر رکھنے لگے انہوں نے اس حرکت سے ہمارا تو کچھ نہ بگاڑا اپنا ہی نقصان کرلیا کہ وہ اس نعمت سے محروم ہوگئے ہمارے عذاب میں گرفتار بھی اور ان پر لعنت پائیدار بھی پڑی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف ذریعوں سے الگ الگ جماعتوں میں تقسیم فرمادیا ہے۔ زبان 'ملک' پیشہ 'نسب ان سب میں سے نسب سب سے مقدم ہے جس نے انسان کو مختلف قبیلوں میں بانٹ دیا۔ یہ فائدہ **قطعناهم** سے حاصل ہوا اس کی تائید وہ آیت فرمارہی ہے **وجعلناكم شعوبا و قبائل لتعارفوا** جیسے آباد زمین کو مختلف ملکوں شہروں پھر شہروں کو مختلف محلوں کوچوں میں تقسیم فرمایا ہے ایسے ہی انسان کو تقسیم فرمایا گیا ہے۔ ان بکھرے ہوئے انسانوں کو صرف نبی کی اتباع جمع کرسکتی ہے نبی وہ ذات ہے جو انسانوں کی تمام تفریقیں دور کردیتی ہے **واعتصموا بحبل الله جميعا** یہ فائدہ **قطعناهم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: کبھی انسانوں کے گناہ ان کی بدکاریوں کی وجہ سے ان میں بغض و عداوت پیدا ہو جاتے ہیں یہ بھی اللہ کا عذاب ہے قوم کا اتفاق **اللہ** کی رحمت ہے یہ فائدہ **قطعنا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: اللہ کی نعمتیں اللہ کے مقبول بندوں سے مانگنا درست ہے اور ان بندوں سے دعا کرانا کہ خود ان سے کہیں وہ رب سے۔ میری تیرے آگے تیری رب کے آگے یہ سب کچھ بڑی پرانی سنت ہے یہ فائدہ **استسقه قومه** سے حاصل ہوا۔ دیکھو پانی اللہ کا رزق ہے مگر بنی اسرائیل نے مانگا موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے اسے شرک نہ کہا بلکہ اسے غیبی طریقہ سے پانی دیا۔ **چوتھا فائدہ**: اگرچہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ہر چیز بندوں کو بلا واسطہ خود ہی دے دے مگر اس کا قانون یہ ہے کہ بندوں کے توسل ان کے وسیلہ و سبب سے دے دیکھو اس موقعہ پر اسرائیلوں کو پانی خود نہ دیا بلکہ حضرت موسیٰ کے ہاتھ آپ کے عصا اور پتھر کا واسطہ درمیان میں رکھا کہ ہاتھ اور عصا کلیم اللہ کا ہو پتھر بھی خاص ہو ان ذریعوں سے انہیں رب کا پانی ملے۔ اس سے وسیلہ اولیاء کا مسئلہ حل ہوگیا۔ جناب ایوب علیہ السلام کو شفاء دی تو خود ان کے پاؤں کے ذریعہ پیدا شدہ پانی سے جناب مریم کی زچگی کی مشکل حل فرمائی تو انہیں کا ہاتھ خشک کھجور سے لگوایا اس سے درخت کو سبز کیا اس میں پھل لگائے وہ انہیں کھلائے۔ **پانچواں اعتراض**: عصا موسوی صرف ایک معجزہ نہ تھا بلکہ بہت سے معجزات کا مجموعہ تھا وقت پڑنے پر سانپ بن جاتا تھا۔ رات کو بیڑی کی طرح روشنی دیتا تھا۔ ضرورت کے وقت رسی ڈول کا کام دیتا تھا اور اس موقعہ پر پتھر سے پانی نکالنے کا ذریعہ بنا۔ ہمارے حضور کے منہ شریف کا لعاب دکھتی آنکھ کا سرمہ تھا کھاری کنوئیں میٹھے کردیتا تھا۔ ٹوٹی ہڈی کو جوڑنے والا سریش تھا۔ **چھٹا فائدہ**: بنی اسرائیل پہلے سے فسادی اور جھگڑالو ہیں دیکھو یہ لوگ ایک دادا حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے مگر اس کے باوجود ایک جگہ سے پانی نہیں لے سکتے تھے کہ پانی پر جمع ہونے سے کشت و خون کرتے یہ فائدہ **قد علم كل اناس مشربهم** سے حاصل ہوا کہ ان کے بارہ قبیلوں کے لئے بارہ چشمے

جاری کئے گئے ہر قبیلہ کا الگ چشمہ حضور انور نے بالکل اجنبیوں کو ماں جایا بھائی بنا دیا۔

بدخلق جو تھے وہ نیک ہوئے لڑتے تھے ہمیشہ جو ایک ہوئے
جھگڑے تو نے آ کے مٹ دیئے تری فہم و ذکا کا کیا کہنا

ساتواں فائدہ: اکثر اللہ تعالیٰ کے عتاب میں بھی رحم و کرم شامل ہوتا ہے دیکھو بنی اسرائیل میدان **تیہ** میں بطور عتاب قید کئے گئے تھے مگر اس میدان میں ان کے لئے کھانے' پانی' روشنی' سایہ کا ایسا اعلیٰ انتظام فرمایا گیا کہ سبحان اللہ یہ فائدہ **وانزلنا علیھم المن** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ کی نافرمانی کی نحوست سے اکثر نعمتیں چھن جاتی ہیں۔ دیکھو اسرائیلیوں نے حکم الٰہی نہ مانا **من و سلوی** کل کے لئے بچایا تو اس کا آنا بند ہو گیا یہ فائدہ **انفسھم یظلمون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات حضور انور کے معجزات سے افضل تھے۔ دیکھو ہمارے حضور کی لاٹھی سے کبھی پانی کے چشمے نہ نکلے عصا موسوی نے یہ کرشمہ کر کے دکھا دیا (بعض نیچری)۔ **جواب:** عصا موسوی نے پتھر سے پانی نکالا پتھروں سے پانی نکالا کرتا ہے ہمارے حضور نے اپنی انگلیوں سے پانی نکالا اور لعاب شریف ہانڈی میں پڑا تو اس میں گوشت شوربے وغیرہ کے چشمے پھوٹ پڑے اعلیٰ حضرت نے خوب کہا۔

عصاء کلیم اژدہائے غضب تھا گروں کا سہارا عصاء محمد

دوسرا اعتراض: یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ زمین **تیہ** میں شبنم جم کر حلوہ بن جائے۔ یہ آیت عقل کے خلاف ہے۔ **جواب:** جو رب سیپ میں بارش کا قطرہ جما کر موتی بنا سکتا ہے۔ ماں کے رحم میں منی کا قطرہ جما کر انسان بنا سکتا ہے وہ رب میدان تیہ میں شبنم جما کر حلوہ بھی بنا سکتا ہے اللہ کی قدرتوں کا انکار عقل کے خلاف ہے۔ **تیسرا اعتراض:** بنی اسرائیل اس چالیس سال کے عرصہ میں پہنتے کیا تھے کھانے کے لئے تو **من سلوی** اترا پہننے کے لئے کپڑے کہاں سے برستے تھے۔ **جواب:** ہم اس کی تحقیق پہلے پارے میں کر چکے ہیں کہ یہ اسرائیلی جو لباس پہنے ہوئے **تیہ** میں قید ہوئے تھے وہ ہی لباس ان کے جسم پر چالیس سال تک رہا نہ پھٹا نہ میلا ہوا اور جو ان کے بچے اس دوران میں پیدا ہوئے وہ قدرتی لباس میں پیدا ہوئے اور کھال کی طرح وہ لباس بھی جسم بڑھنے کے ساتھ بڑھتا تھا یہ مکمل بحث وہاں ہی ملاحظہ کرو۔ **چوتھا اعتراض:** اگر قوم کا اختلاف لڑائی جھگڑے اللہ کا عذاب ہے تو اس عذاب میں حضور انور کے صحابہ بھی مبتلا تھے کہ ان کی آپس میں بہت جنگیں ہوئیں۔ **جواب:** صحابہ کرام کی لڑائیاں نفسانی یا خاندانی یا نسلی نہ تھیں وہ بھی اللہ کے لئے تھیں ہر فریق کا خیال تھا کہ دوسرا فریق اسلامی قانون کے خلاف ہے نفسانی خاندانی جنگیں عذاب ہیں اللہ کے لئے لڑنا بھڑنا رحمت اس کی تحقیق ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر میں ملاحظہ کرو غرضکہ اسرائیلی اپنے نبی سے لڑتے تھے۔ صحابہ کرام نبی کے لئے لڑے ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: نبی کا ساتھ میسر ہونا اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی نعمت ہے کہ اس سے مشکلیں حل' مصیبتیں دور ہوتی ہیں اگر قید خانہ میں ان کا ساتھ ہو تو وہ قید خانہ چمن بن جاتا ہے اور اگر چمن میں نبی کا دامن چھوٹ جاوے تو چمن قید خانہ ہو جاتا ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل پر عتاب تھا کہ وہ **تیہ** میں قید کر دیئے گئے تھے مگر اس عتاب میں بھی کرم کی تجلی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا

انہیں قرب میسر رہا کہ آپ بھی ان کی حل مشکلات کے لئے **تیہ** میں قیام فرمارہے اس ساتھ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر مصیبت میں موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرتے تھے وہ فوراً حل ہو جاتی تھی۔ حضرت کلیم اللہ کی ہی برکت تھی کہ بنی اسرائیل کو **تیہ** میں سایہ و نور، من سلویٰ، پانی جیسی نعمتیں میسر ہوئیں۔ مومن دنیا کے قید خانہ میں رہ کر حضور انور کے دامن کے سایہ میں رہتا ہے۔ قرآن و حدیث اسے من و سلویٰ کی طرح ملتا رہتا ہے طریقت کے پانی سے سیراب ہوتا رہتا ہے۔ مومن کی قبر حضور انور کی تشریف آوری سے جنت کا باغ بن جاوے گی وہاں اسے جنت کی ہوائیں وہاں کی روزیاں ملیں گی غرضکہ مسلمان دنیا میں قبر میں آخرت میں حضور کے دامن کے سایہ میں ہیں اور رہیں گے ہر طرح کی نعمتوں سے نوازے جاتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر سے پوچھو کہ غار ثور میں تم تین دن حضور انور کے ساتھ رہے تم نے کیا پایا تو وہ جواب دیں گے کہ۔

اللہ کو بھی پایا مولیٰ تیری گلی میں

انہوں نے وہاں اللہ کو پالیا کہ حضور انور نے فرمایا اے ابو بکر بظاہر ہم یہاں دو ہیں مگر حقیقت میں ہم تین ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی ہمارے ساتھ ہے قرآن کریم نے فرمایا **لاتحزن ان اللہ معنا**

الصدق فی الغار والصدیق لم یرا — وہم یقولون ما فی الغار من ادم

یعنی کفار تو سمجھے کہ غار میں کچھ نہیں مگر حقیقتہ "غار میں صدق بھی تھا صدیق بھی تھا ایمان بھی تھا مومن بھی وہاں چھوٹے سے غار میں دونوں جہان سمائے ہوئے تھے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مقام **تیہ** میں موسیٰ علیہ السلام بھی جلوہ گر رہے اور اسرائیلی بھی مگر اسرائیلی مشکل میں پڑنے کے لئے رہے اور موسیٰ علیہ السلام مشکل آسان کرنے کے لئے بحالت نزع مومن کے پاس حضور انور تشریف فرما ہوتے ہیں نزع کی شدت ہلکی کرنے کے لئے اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔

یا الٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو — شادیِ دیدار حسن مصطفیٰ کا ساتھ ہو

اچھوں کا ساتھ اچھوں کے تبرکات اچھوں کا نام حلال مشکلات ہوتا ہے **تیہ** میں پھنسے ہوئے اسرائیلیوں نے حضرت کلیم سے یوسف علیہ السلام نے اندھے کنوئیں میں حضرت ابراہیم خلیل کی قمیص کے ذریعہ مشکلات پر قابو پایا ان کی مشکلیں آسان ہوئیں آج حضور انور کے نام سے مصیبتیں دفع ہوتی ہیں کسی نے کیسا پیارا شعر کہا ہے۔

منگتیاں دی ہون قطاراں تیرا دربار ہووے — غم ہوون لکھ ہزاراں دسدا غم خوار ہووے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ مقام **تیہ** کا من و سلویٰ اس لئے طیب تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہیں نسبت تھی آب زمزم حضور کی انگلیوں والا پانی، حضرت ایوب علیہ السلام کے قدم سے نکلنے والا پانی، حضرت مریم کے نیچے جو چشمہ پانی کا تھا یہ تمام پانیوں سے افضل ہے۔ یوں ہی عیسیٰ علیہ السلام کے دستر خوان، بنی اسرائیل کا یہ من و سلویٰ طیب و مبارک ہے کیونکہ ان سب کو اللہ کے مقبولوں سے نسبت ہے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے لنگر ان کی فاتحہ کے کھانے تبرک ہوتے ہیں یعنی برکت والے کیونکہ مبارک بندوں سے نسبت رکھتے ہیں۔ جناب مسیح فرماتے ہیں **وجعلنی مبرکا این ما کنت** مبارک بندہ کی ہر چیز مبارک ہے۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْ

اور جب کہا گیا واسطے ان کے کہ رہو اس بستی میں اور کھاؤ تم اس میں سے جہاں کہیں چاہو تم اور کہو

اور یاد کرو جب ان سے فرمایا گیا اس شہر میں بسو اور اس میں جہاں چاہو کھاؤ اور کہو گناہ

لُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ سَنَزِيْدُ

معافی اور داخل ہو تم اس کے دروازے میں سجدہ کرتے بخش دیں گے ہم واسطے تمہارے خطائیں تمہاری

اترے اور دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہو ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے عنقریب نیکوں کو زیادہ

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ

عنقریب زیادہ دیں گے ہم نیکوکاروں کو پس بدل دیا انہوں نے کہ ظلم کیا ان میں سے قول سوائے اس کے جو کہا گیا

عطا فرمائیں گے تو ان کے ظالموں نے بات بدل دی اس کے خلاف جس کا انہیں حکم تھا تو ہم

لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

واسطے ان کے پس بھیج دیا ہم نے بڑا عذاب طرف سے آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ ظلم کرتے تھے

نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا بدلہ ان کے ظلم کا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اسرائیلیوں کی ان نافرمانیوں کا ذکر ہوا جو **تیہ** میں قید ہونے سے پہلے انہوں نے کیں انہیں کی وجہ سے وہ قید کئے گئے اب ان کی وہ نافرمانیاں بتائی جارہی ہیں جو انہوں نے اس قید سے آزاد ہو کر کیں تاکہ پتہ لگے کہ اس قدر قید بھگتنے کے بعد بھی ان کی سرکشی میں فرق نہیں آیا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی ان رحمتوں کا ذکر ہوا جو قید کی حالت میں ان پر کی گئیں اب اسرائیلیوں کی ان نافرمانیوں کا ذکر ہے جو انہوں نے قید میں یہ رحمتیں نعمتیں دیکھ کر کیں۔ گویا رب تعالیٰ کی رحمتوں کے ذکر کے بعد ان کی سرکشی کا ذکر ہوا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اسرائیلیوں کی قید و بند کا ذکر ہوا اب بتایا جارہا ہے کہ یہ قید و بند ان کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ نہ بنی معافی تو توبہ کرنے سے ملتی للہذا انہیں توبہ کا حکم دیا گیا مگر انہوں نے توبہ نہ کی۔

تفسیر: **واذقیل لھم** یہ عبارت نیا جملہ ہے اس لئے واو ابتدائیہ ہے **اذ** سے پہلے **اذکر** یا **اذکرو** پوشیدہ ہے جس میں خطاب یا تو نبی کریم ﷺ سے ہے یا مسلمانوں سے یعنی اے محبوب یہ تذکرہ انہیں سناؤ یا اے مسلمانو یاد کرو یا یاد رکھو **اذ** اسی **اذکر** پوشیدہ کا مفعول ہے یعنی وہ وقت جب کہ یہ واقعہ ہوا **قیل** میں قول کا فاعل رب تعالیٰ ہے کیونکہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا تھا **واذقلنا** رب کا یہ فرمان بواسطہ نبی یوشع علیہ السلام کے تھا **لھم** میں **ھم** ضمیر انہیں **تیہ** میں قید شدہ اسرائیلیوں کی طرف ہے۔ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا کیونکہ بنی اسرائیل کو

بیت المقدس میں داخلہ کا حکم حضرت کلیم اللہ کی وفات کے بعد ہوا تھا جیسا کہ ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے **اسکنوا هذه القریة** یہ عبارت قیل کا نائب فاعل ہے سورہ بقر میں ہے **ادخلوا** یہاں ہے **اسکنو** مگر ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ان اسرائیلیوں کو بیت المقدس میں داخل ہونے اور داخلہ کے بعد وہاں ہی رہنے کا حکم تھا کہ وہاں سے قوم جبارین کو نکالو تم داخل ہو جاؤ اور وہاں ہی بسو' آباد ہو جاؤ ایک حکم کا ذکر وہاں تھا دوسرے کا ذکر یہاں ہے **هذه القریة** سے مراد بیت المقدس ہے جس پر اس وقت قوم جبارین قابض تھی ان کا سردار عوج ابن عناق تھا اس قوم کا نام عمالقہ تھا یہ قوم' قوم عاد کی بقیہ تھی (روح البیان وغیرہ) بعض مفسرین نے فرمایا کہ بستی سے مراد اریحا بستی ہے جو بیت المقدس کے قریب ہی ہے **وکلوا منها** یہ عبارت معطوف ہے **اسکنوا** پر **اسکنوا** حکم وجوبی تھا اور یہ حکم اجازت کا ہے سورہ بقر میں **فکلوا** ف کے ساتھ تھا اور یہاں **وکلو** ے واؤ کے ساتھ ہے کیونکہ وہاں اس شہر میں داخلہ کا ذکر تھا اور وہاں کھانا پینا داخلہ کے بعد ہوتا ہے مگر یہاں رہنے سہنے کا حکم ہے اور کھانا پینا رہنے سہنے کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے وہاں **ف** مناسب تھی یہاں واؤ مناسب ہے **منها** اصل میں **من ثمارها** تھا ثمار کو پوشیدہ کر دیا گیا یعنی اس بستی کے پھل فروٹ کھاؤ تم کو اجازت ہے **حیث شئتم** یہ عبارت **کلوا** کا ظرف ہے یعنی اس بستی میں جہاں کہیں چاہو کھاؤ پیو تم کو منع کرنے والا کوئی نہ ہو گا کیونکہ وہاں تمہارا راج ہو گا۔ خیال رہے کہ سورہ بقر میں **رغدا** بھی تھا یعنی خوب سیر ہو کر کیونکہ وہاں بستی میں داخلہ کا ذکر تھا اور کسی جگہ داخلہ پر وہاں کی چیزیں خوب رغبت سے بھی کھائی جاتی ہیں' خوب سیر ہو کر بھی یہاں رہنے سہنے کا ذکر ہے جہاں انسان رہتا سہتا ہے پھر وہاں اتنی رغبت سے چیزیں نہیں کھایا کرتا لہذا وہاں **رغدا** فرمانا مناسب یہاں نہ فرمانا ہی مناسب ہے **وقولوا حطة وادخلوا الباب سجدا** یہ عبارت معطوف ہے **وکلوا منها** پر سورہ بقر میں ترتیب بدلی ہوئی ہے وہاں یوں ہے **وادخلوا الباب وقولوا حطة** مگر دونوں کا مقصد و مطلب ایک ہی ہے واؤ ترتیب نہیں چاہتا مقصد یہ ہے کہ دروازہ شہر میں سجدہ کرتے اور یہ کہتے جاؤ۔ اس کی تفسیر' تفصیل سے سورہ بقر میں عرض کی جا چکی ہے کہ دروازے سے مراد یا تو شہر بیت القدس کا دروازہ ہے یا اریحا شہر کا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس دروازے سے مراد کسی شہر کا دروازہ نہیں بلکہ مسجد اقصیٰ کا خاص دروازہ ہے جسے باب الحطہ کہا جاتا ہے۔ اکثر مسلمان اس دروازہ سے مسجد اقصیٰ میں داخل ہوتے ہیں۔ اس سے داخل ہونے کو مغفرت کا ذریعہ سمجھتے ہیں جیسے مسجد نبوی شریف میں ستون ابو لبابہ کے پاس توبہ کرتے ہیں اور پاکستان میں پاک پتن شریف میں بہشتی دروازے سے داخلہ کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں مگر یہ تو تفسیر قوی نہیں کیونکہ بیت القدس کی مسجد اقصیٰ اور باب الحطہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعمیر ہے' موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں نہ یہ مسجد بنی تھی نہ اس کا دروازہ باب الحطہ۔ ظاہر یہ ہے سجدا' سے سجدہ کرتے ہوئے جھکے ہوئے داخل ہونا مراد ہے اس کے متعلق اور کئی قول ہیں جیسا کہ ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں **یغفر لکم خطیئتکم** یہ عبارت **ادخلوا** امر کا جواب ہے اسی لئے **یغفر** کو جزم ہوا **الکم** میں لام نفع کا ہے **خطیات** جمع قلت ہے **خطاء** کی سورہ بقر میں **خطایاکم** فرمایا گیا تھا یعنی **خطاء** کی جمع کثرت ان دونوں عبارتوں کا مقصد یہ ہے کہ ہم تمہارے سارے گناہ بخش دیں گے خواہ تھوڑے ہوں یا بہت۔ گویا زیادہ گناہوں والوں کے لئے **خطایاکم** ارشاد ہوا اور تھوڑے گناہ والوں کے لئے **خطیئتکم** فرمایا (تفسیر کبیر) خطاء سے مراد گناہ ہیں دانستہ ہوں یا نادانستہ چھوٹے ہوں یا بڑے یعنی خطاء عمد کا مقابل نہیں بلکہ صواب کا مقابل ہے اچھے کام صواب برے کام خطاء۔ حقوق العباد کو نکالنے کے لئے خطاء ارشاد

ہوا کیونکہ بندے کے مارے ہوئے حق بغیر صاحب حق کے معاف کئے معاف نہیں ہوتے **سنزید المحسنین** یہ جملہ نیا ہے یعنی **یغفر** پر معطوف نہیں اس لئے یہاں واؤ عاطفہ نہیں لایا گیا سورہ بقر میں ارشاد ہوا تھا **وسنزید المحسنین** واؤ عاطفہ کے ساتھ وہاں مطلب یہ تھا کہ اگر تم نے یہ دونوں کام کر لئے' سجدہ کرتے ہوئے داخل شہر ہونا اور حطۃ حطۃ کہنا تو ہم گنہگاروں کے گناہ معاف کریں گے اور بے گناہوں' نیک کاروں کے درجے بلند ثواب' زیادہ کریں گے کیونکہ جس عمل سے گنہگاروں کے گناہ معاف ہوتے ہیں اس سے نیک کاروں کے درجے بڑھتے ہیں جیسے مسجد کی طرف قدم ڈالنا نماز کے لئے۔ یوں ہی جن کاموں سے مصیبت زدوں کی مصیبتیں دور ہوتی ہیں اس سے راحت والوں کی راحت بڑھتی ہے جیسے قبر پر پھول یا سبزہ اور یہاں مطلب یہ ہے کہ خود انہیں گنہگاروں کو دو نعمتیں دیں گے اولاً" ان کے گناہوں کی معافی پھر جب یہ معافی کے بعد محسن بن جائیں گے تو زیادہ ثواب لہذا دونوں آیتیں اپنے مقام پر درست ہیں (از تفسیر کبیر) **فبدل الذین ظلموا منهم** یہ عبارت **قیل لهم** پر معطوف ہے چونکہ یہ واقعہ اس فرمان عالی کے فوراً" بعد ہے اس لئے **ف** ارشاد ہوئی جس کے معنی ہوتے ہیں فوراً" اس میں ان اسرائیلیوں کی سرکشی کا بیان ہے کہ یہ لوگ چالیس سال کی قید و بند کے بعد بھی سیدھے نہ ہوئے رب تعالیٰ کی فرمانبرداری نہ کی بدل' فرما کر یہ بتایا کہ ان لوگوں نے رب کے فرمان کو بالکل ہی بدل ڈالا کہ بجائے سجدہ کناں داخل ہونے کے چوتڑوں پر گھسٹتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اور بجائے حطۃ (معافی) کے حنطۃ کہنے لگے۔ عمل و قول ہر طرح کی مخالفت کی **الذین ظلموا** فرما کر بتایا کہ وہ لوگ پہلے سے ظلم و معصیت کے عادی ہو چکے تھے پہلے ہی سے ظالم تھے **منهم** فرما کر بتایا کہ سب نے یہ حرکت نہیں کہ بلکہ صرف عادی مجرموں نے کی مگر اکثر یہ ہی لوگ تھے۔ خیال رہے کہ یہاں ظلم سے مراد اسرائیلیوں کے گذشتہ گناہ اور نافرمانیاں موسیٰ علیہ السلام کی قدم قدم پر مخالفت ہے۔ جیسا کہ گذشتہ آیات میں ذکر کیا گیا **قولا غیر الذی قیل لهم** یہ عبارت **بدل** کا مفعول ہے **قولا** فرما کر یہ بتایا گیا کہ وہ خاموشی سے داخل نہ ہوئے بلکہ کچھ کہتے ہوئے گئے اور **غیر الذی** فرما کر یہ بتایا کہ وہ ایسی بات کہتے گئے جو ہماری بتائی ہوئی بات کے بالکل ہی غیر تھی الفاظ' معنی' مقصد سب ہی بدل دیا اسی لئے سوا نہ فرمایا غیر فرمایا **قیل لهم** فرما کر بتایا کہ اس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بھی نافرمانی کی اور اپنے نبی کی بھی کہ حطۃ وہ لفظ تھا جو رب تعالیٰ نے پیغمبر کے واسطہ سے انہیں بتایا تھا **فارسلنا علیهم رجزا من السماء** ان لوگوں نے صرف الفاظ بدلے ہی نہیں بلکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اس وقت گناہوں کی معافی مانگنا بے موقعہ ہے ہم کو تو گندم کی ضرورت ہے اور مانگیں معافی لہذا بجائے حطۃ کے حنطۃ فی سبتۃ یا کچھ اور لفظ کہے چونکہ اللہ رسول کے حکم کو غلط سمجھ کر یہ حرکت کی لہذا کافر ہو گئے اس لئے ان مرتدین پر عذاب الٰہی آگیا۔ سورہ بقرہ میں **انزلنا** فرمایا گیا تھا۔ بمعنی اتارنا یہاں **ارسلنا** ارشاد ہوا۔ بمعنی بھیجنا' چھوڑنا یعنی ان پر عام وبا چھوڑی' بھیجی کہ پہلے وبا ایک دو پر آئی پھر عام اسرائیلیوں پر گویا وہاں ابتدا کا ذکر تھا یہاں انتہا کا (از تفسیر کبیر) رجز کے معنی ہیں عذاب یہاں اس سے مراد عام طاعون ہے **من السماء** فرما کر یہ بتایا کہ یہ عذاب آسمانی تھا جو ان کے کسی داؤں سے ٹل نہ سکا عرشی عذاب کو فرشی تدبیریں دفع نہیں کر سکتیں۔ وہ لوگ طاعون سے ایک ساعت میں چوبیس ہزار ہلاک ہوئے **بما کانوا یظلمون** یہ عبارت متعلق ہے **ارسلنا** کے اور اس میں اس عذاب کی وجہ کا ذکر ہے۔ **کانوا یظلمون** فرما کر یہ بتایا کہ وہ لوگ دائمی عادی ظالم تھے ہم نے اس سے پہلے بہت دفعہ درگزر کی اب ان تمام گذشتہ ظلموں کی

انہیں سزا دے دی یہ طاعون ان کے تمام گذشتہ ظلموں کا نتیجہ تھی یہاں **یظلمون** ارشاد ہوا سورہ بقر میں **یفسقون** فرمایا گیا ظلم کا تعلق مجرم کی اپنی ذات سے ہے اور **فسق** کا تعلق رب تعالٰی کے فرمان سے یعنی وہ رب کے حکم سے نکلتے رہے اپنے نفسوں پر ظلم کرتے رہے لہٰذا دونوں فرمانوں میں تعارض نہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ اہل عرب تورات کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب کہ وہ میدان **تیہ** سے چالیس سال کے بعد رہا ہوئے تو رب تعالٰی نے اپنے نبی یوشع علیہ السلام کی معرفت ان سے فرمایا کہ تم اریحاء کی بستی میں جہاں پہلے عمالقہ آباد تھے چین سے رہو بسو اور وہاں کے پھل فروٹ جن کے باغات پہلے قوم عمالقہ کی ملک تھے جہاں چاہو جتنے چاہو کھاؤ تم کو شرعی روک ٹوک کوئی نہیں کہ حربی کفار کا مال نمازی مومنین کے لئے غنیمت ہے حلال ہے یا بیت المقدس میں رہو سمو اور وہاں کے پھل فروٹ خرید کر کھاؤ پیو اور ان سے یہ بھی فرمایا کہ اس شہر کے دروازے میں جب داخل ہو تو اس کا احترام کرتے ہوئے سجدہ کناں جانا اور یہ کہنا کہ خدایا معافی دے۔ ہم تم سے وعدہ فرماتے ہیں کہ تمہارے سارے گناہ معاف فرما دیں گے اور بے گناہ لوگوں کے درجے بلند کریں گے انہیں اپنے فضل و کرم سے زیادہ رحمتیں دیں گے۔ یا خود تم کو بعد توبہ کے محسن نیک کار بنا دیں گے تمہیں بہت زیادہ رحمتیں عطا فرمائیں گے۔ مگر چالیس سالہ قید و بند برداشت کر چکنے کے باوجود ان کی سرکشی کا یہ حال تھا کہ ان میں سے ظالموں نے یا ان ظالموں نے ہماری بتائی ہوئی بات بتایا ہوا عمل بالکل ہی بدل دیئے انہوں نے وہ کہا جو ہمارے بتائے ہوئے کے بالکل ہی غیر تھا کہ بجائے حطۃ کہنے کے حنطۃ کہا یعنی بجائے معافی مانگنے کے گندم مانگی ان ظالموں نے ہماری بتائی ہوئی بات کو غلط اور بے موقعہ سمجھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے ان پر ایک آسمانی عذاب (طاعون) بھیجا جس سے وہ ہزاروں کی تعداد میں یک وقت ہلاک ہو گئے یہ ان کے گزشتہ اور موجودہ ظلموں کی سزا تھی۔

خیال رہے کہ یہ واقعہ سورہ بقرہ پارہ **الم** میں بھی مذکور ہے مگر وہاں کی آیۃ اور یہاں اس آیۃ میں آٹھ طرح فرق ہے۔(1) وہاں تھا **واذ قلنا ادخلوا ھذہ القریۃ** اور یہاں ہے **واذ قیل لھم اسکنوا ھذہ القریۃ** یعنی وہاں **قلنا** تھا یہاں **قیل** وہاں داخلہ کا ذکر یہاں رہنے سہنے کا ذکر (2) وہاں تھا **فکلوا** ف سے یہاں ہے **وکلوا** واؤ سے (3) وہاں تھا **رغدا** یعنی خوب سیر ہو کر یہاں یہ لفظ نہیں (4) وہاں **ادخلوا الباب** پہلے تھا اور **حطۃ** کہنے کا ذکر بعد میں مگر یہاں اس کے برعکس۔(5) وہاں تھا **خطایاکم** یہاں ہے **خطیئتکم** (6) وہاں تھا **وسنزید المحسنین** واؤ کے ساتھ مگر یہاں واؤ نہیں ہے (7) وہاں تھا **فانزلنا علی الذین ظلموا** اور یہاں **فارسلنا علیھم** یعنی وہاں انزال تھا اور یہاں ارسال (8) وہاں تھا **بما کانوا یفسقون** اور یہاں ہے **یظلمون** یعنی وہاں ان کے فسق کا ذکر تھا یہاں ظلم کا۔ ان آٹھ فرقوں کی حکمت ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے مطالعہ کرو۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بیت المقدس میں رہنا سہنا اللہ کی بڑی نعمت ہے کیونکہ وہ نبیوں کا شہر ہے۔ دیکھو رب تعالٰی نے یہاں اس کا ذکر بطور انعام و احسان کیا مدینہ والے بڑے ہی خوش نصیب ہیں کہ دیار محبوب میں رہتے ہیں ان کے شہر میں جینا بھی رحمت ہے اور مرنا بھی رحمت۔

پس مرگ مری مٹی ٹھکانے خوب لگ جاتی ۔۔۔ میسر گر مجھے دو گز مدینہ کی زمیں ہوتی

دوسرا فائدہ: کفار کی متروکہ جائداد کے مسلمان خصوصاً غازیان اسلام مالک ہو جاتے ہیں یہ فائدہ بھی **اسکنوا ھذہ القریتہ** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ وہاں اس بستی میں پہلے قوم عمالقہ آباد تھی رب نے اسرائیلیوں سے فرمایا کہ اس بستی میں تم رہو سہو۔ رب فرماتا ہے **واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون مشارق الارض و مغاربھا** وہاں **اور ثنا** فرمایا یعنی ہم نے وارث کر دیا۔ **تیسرا فائدہ:** حربی کفار کی ہلاکت یا انہیں نکال دینے کے بعد ان کے کھیت کے دانے باغات کے پھل مسلمان خصوصاً غازیان اسلام کھا پی سکتے ہیں یہ فائدہ **وکلوا منھا** سے حاصل ہوا۔ یوں ہی ان کی تمام چیزیں مومنین استعمال کر سکتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** جس شہر میں اللہ کے مقبول بندے رہتے ہوں یا وہاں ان کی قبریں ہوں اس شہر کی تعظیم چاہئے یہ فائدہ **ادخلوا الباب سجدا** سے حاصل ہوا۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا ۔۔۔ ارے سر کا موقعہ ہے او جانے والے

پانچواں فائدہ: توبہ اور عبادت بزرگوں کے شہر میں زیادہ اور جلد قبول ہوتی ہے یہ فائدہ **وقولوا حطتہ** سے حاصل ہوا کہ فرمایا گیا کہ بیت المقدس میں جا کر توبہ کرو۔ وہ خوش نصیب ہیں جو مسجد نبوی میں نمازیں پڑھنے کا موقع پائیں۔ **چھٹا فائدہ:** جب گنہگاروں پر اللہ تعالیٰ کرم فرماتا ہے تو صرف ان کے گناہ ہی معاف نہیں فرماتا بلکہ انہیں درجات و برکات بھی عطا فرماتا ہے یہ فائدہ **سنزید المحسنین** سے حاصل ہوا۔ اس کے کرم سے گنہگار نیک کار اور بدکار پرہیزگار بن جاتے ہیں بلکہ ان کی برائیاں بھلائیوں میں بدل جاتی ہیں **فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات و کان اللہ غفورا رحیما**۔

گناہ گار پہ جب لطف آپ کا ہوگا! ۔۔۔ کیا بغیر کیا بے کیا کیا ہوگا!

ساتواں فائدہ: ماثورہ منقولہ دعاؤں وظیفوں کے الفاظ بالکل نہ بدلنا چاہئیں بلکہ اپنے شیخ نے جو الفاظ کسی عمل کے بتائے ہوں ان میں بالکل فرق نہیں کرنا چاہئے یہ فائدہ **فبدل الذین ظلموا** سے حاصل ہوا کہ رب نے تبدیل کرنے والوں کو ظالم فرمایا کہ انہوں نے بجائے حطۃ کے حنطۃ کہا تھا یعنی معافی مانگنے کا انہیں حکم تھا مگر انہوں نے بجائے معافی کے گندم مانگی۔ **آٹھواں فائدہ:** طاعون ان بنی اسرائیل کے لئے عذاب تھی مسلمانوں کے لئے رحمت کہ جو مسلمان طاعون میں صبر کرے شہر چھوڑ کر نہ بھاگے اس سے مر جائے تو شہید ہے۔ یہ فائدہ **رجزا من السماء** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں وہاں یعنی بیت المقدس میں رہنے کا ذکر تو پہلے ہے اور دروازے سے جانے کا حکم بعد میں حالانکہ داخلہ پہلے ہوتا ہے رہنا بعد میں یہ ترتیب غلط ہے۔ **جواب:** عربی زبان میں واؤ ترتیب کے لئے آتا ہی نہیں صرف جمع کے لئے آتا ہے رب فرماتا ہے **واسجدی وارکعی** دیکھو یہاں سجدے کا ذکر پہلے ہے رکوع کا بعد میں حالانکہ نماز میں رکوع پہلے ہوتا ہے سجدہ بعد میں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان اسرائیلیوں کو چار حکم دیئے گئے یہ بھی کہ اس بستی میں رہو یہ بھی کہ وہاں کھاؤ پیو یہ بھی کہ حطۃ کہو یہ بھی کہ دروازہ شہر میں سجدہ کرتے جاؤ۔ رہی یہ بات کہ کون سا کام پہلے کرو کونسا بعد میں اس کا ذکر نہیں اور ہو سکتا ہے کہ **وادخلوا الباب** کا واؤ عاطفہ نہ ہو حالیہ ہو۔ معنی یہ ہوں کہ تم بیت المقدس میں رہو اس حال میں کہ وہاں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو چکے ہو تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔ اس صورت میں **ادخلوا** سے پہلے **قیل** پوشیدہ ہوگا۔ **دوسرا اعتراض:** آیت کریمہ میں یہ فرمانا کہ **وکلوا منھا حیث شئتم** بے فائدہ ہے جہاں انسان رہتا

ہے وہاں کھانا پینا بھی ہے جب انہیں اس بستی میں رہنے کا حکم دیا گیا تو کھانے کے حکم کی کیا ضرورت تھی۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس بستی میں قوم عمالقہ کا مال و متاع تھا فرمایا گیا کہ تم یہ بستی فتح کرنے پر عمالقہ کے سامان اور سارے مال و متاع کے مالک ہو گے تم کو وہ مال کھانا استعمال کرنا شرعاً درست ہو گا کہ ان کے استعمال سے نہ تو شریعت تم کو روکے گی کہ وہ حلال ہیں نہ قوم عمالقہ منع کر سکیں گے کیونکہ وہ بستی چھوڑ چکے ہوں گے۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں فرمایا گیا کہ ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے تو کیا ان کے عمداً گناہ معاف نہ ہوں گے صرف وہ گناہ معاف ہوں گے جو ان سے خطاً سرزد ہو گئے ہوں اگر ایسا ہے تو عمداً گناہوں کی معافی کا کیا ذریعہ ہے۔ **جواب**: ابھی ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ یہاں خطاء عمد کا مقابل نہیں بلکہ صواب کا مقابل ہے لہٰذا اس میں بھول چوک عمداً اور خطاً سارے گناہ داخل ہیں شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نگہدار ما راز راہ خطا! خطا در گذار و صوابم نما!

لہٰذا ہر گنہگار خطاکار ہے خواہ عمداً گناہ کرے یا خطاء۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا **انغفر لکم خطیئاتکم** اور **خطیئات** خطا کی جمع قلت ہے جو نو تک بولی جاتی ہے تو ان کے صرف نو گناہ ہی معاف ہوں گے زیادہ نہیں اگر ایسا ہے تو زیادہ گناہ والے کس دروازہ پر جائیں۔ **جواب**: یہاں **خطیئات** ارشاد ہوا اور سورہ بقرہ میں **خطایاکم** ارشاد ہوا یعنی جمع کثرت ان دونوں آیتوں میں یہ بتایا گیا کہ تھوڑے گناہ والوں کو بھی معافی دے دی جائے گی اور زیادہ گناہ والوں کو بھی بعض لوگ تھوڑے گناہ والے ہوتے ہیں بعض زیادہ دونوں کو شامل فرمانے کے لئے دو عبارتیں ارشاد ہوئیں۔ **پانچواں اعتراض**: **رجز** کے ساتھ **من السماء** کیوں ارشاد ہوا ہر بلا آسمان سے ہی آتی ہے یہ لفظ بے فائدہ ہے۔ **جواب**: جیسے بعض رحمتیں ظاہری اسباب کے ذریعہ آتی ہیں بعض ان کے بغیر دیکھو دانے پھل بھی اللہ کی نعمتیں ہیں مگر اسباب کے ماتحت ہم کو ملتی ہیں اور ہوا دھوپ وغیرہ بھی نعمتیں ہی ہیں مگر ان میں ہمارے اسباب کو دخل نہیں یوں ہی بعض عذاب اسباب کے ماتحت آتے ہیں جیسے قتل سے موت اور بعض اسباب کے بغیر **من السماء** فرما کر یہ بتایا کہ وہ عذاب ان اسباب سے وراء بھیجا گیا تھا جو کسی تدبیر سے ٹل نہیں سکتا اس میں عذاب کی شدت بتانا مقصود ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے زہر غذا کو ہلاکت کا باعث بنا دیتا ہے ایسے ہی انسان کی سرکشی اور ضد اللہ کی نعمتوں کو عذابوں میں تبدیل کر دیتی ہے دیکھو ان اسرائیلیوں کے لئے بیت المقدس میں سجدہ کناں جانا توبہ کرنا وہاں رہنا سہنا اللہ کی بہت سی رحمتوں نعمتوں کا ذریعہ تھا کہ اس سے ان کو دنیا میں اعلیٰ غذائیں ملتیں **وکلوامنھاحیث شئتم** اور آخرت میں بخشش اور زیادتی درجات مگر ان بد نصیبوں نے اپنی ضد و ہٹ سے یہ دونوں نعمتیں کھو دیں بلکہ عذاب میں تبدیل کر لیں۔ بد نصیب کو مقدس شہر اچھوں کا قرب بزرگوں کی اولاد ہونا عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتا۔ اسرائیلیوں کا یہ واقعہ تاقیامت سب کے لئے باعث عبرت ہے۔

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ

اور سوال کرو ان سے اس بستی کے متعلق جو تھی دریا کے سامنے۔

اور ان سے حال پوچھو اس بستی کا کہ دریا کے کنارے تھی جب وہ ہفتہ کے بارے

إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ

جبکہ حد سے بڑھتے تھے وہ شنبہ کے متعلق جبکہ آتی تھیں ان کے پاس مچھلیاں ان کی ان کے شنبہ

میں حد سے بڑھتے جب ہفتہ کے دن ان کی مچھلیاں پانی پر تیرتی ان کے سامنے آتیں اور جو دن

شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا

کے دن ظاہر ظہور اور جس دن شنبہ نہ پاتے تو نہ آتی تھیں ان کے پاس یوں ہی ہم امتحان لیتے تھے ان کا

ہفتہ نہ ہوتا نہ آتیں　اسی طرح ہم انہیں آزماتے تھے　ان کی بے حکمی

كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝

اس وجہ سے کہ وہ فسق کرتے تھے

کے سبب

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اسرائیلیوں کی اس نافرمانی اور سرکشی کا ذکر تھا جو انہوں نے یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں کی تھی اب ان کی اس سرکشی اور نافرمانی کا ذکر ہے جو انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں کی تاکہ معلوم ہو کہ یہ لوگ بڑے پرانے پاپی اور دائمی سرکش ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں اسرائیلیوں کی وہ سرکشی بیان ہوئی جو انہوں نے بیت المقدس میں کی اب ان کی اس سرکشی کا ذکر ہے جو انہوں نے ایلہ بستی میں کی تاکہ پتہ لگے کہ یہ لوگ جہاں بھی ہوں سرکشی ہی کرتے ہیں نہ انہیں زمانہ کا ادب ہے نہ مکان کا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں اسرائیلیوں کی وہ سرکشی بیان ہوئی جس کی سزا میں ان پر طاعون کی وبا بھیج گئی اب ان کی اس سرکشی کا ذکر ہے جسکی سزا میں انہیں بندر بنادیا گیا گویا ان کی ایک سزا کا ذکر پہلے ہوا دوسری سزا کا ذکر اب ہے تاکہ پتہ لگے کہ یہ لوگ پرانے جوتا خور ہیں ان کی عادت پٹنے مار کھانے کی ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ان کی یہ نافرمانی بیان ہوئی کہ انہوں نے بیت المقدس میں داخل ہوتے وقت بجائے حطۃ (معافی) کے حنطۃ (گندم) کہی یعنی بجائے معافی مانگنے کے گندم مانگی۔ اب ان کی وہ نافرمانی مذکور ہے کہ انہوں نے ہفتہ کے دن **مچھلی** کا شکار کیا باوجود منع کرنے کے تاکہ معلوم ہو کہ یہ ہمیشہ کے پیٹ پرست ہیں ان کا دین ان کا ایمان صرف پیٹ ہے۔

شان نزول: حضور نبی کریم ﷺ یہود مدینہ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ اپنے باپ داداؤں کے نقش قدم پر ہو کہ انہوں نے ہمیشہ پچھلے نبیوں کی مخالفت کی اور تم میری مخالفت کر رہے ہو تو بولے کہ ہمارے باپ دادے نبیوں کے بڑے ہی فرمانبردار تھے

حالانکہ وہ جانتے تھے کہ واقعی ان کے باپ دادے اپنے نبیوں کی مخالفت کرتے رہے مگر ان کا خیال تھا کہ ان واقعات کی حضور انور کو یا اہل عرب یا مدینہ والوں کو خبر نہ ہے نہ ہوگی اس لئے اپنے باپ دادوں کی معصومیت کے ڈھنڈورے پیٹتے تھے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ان کے پول کھول دیئے گئے اور وہ لوگ حیران ہو کر رہ گئے (تفسیر صاوی) خیال رہے کہ سورہ اعراف مکیہ ہے مگر یہ آٹھ آیات مدنیہ ہیں جن کی ابتداء **وسئلهم** سے ہوئی ہے کہ یہود تو مدینہ میں رہتے تھے ان سے سوال جواب بعد ہجرت ہوئے (تفسیر صاوی)۔

تفسیر وسئلهم یہ عبارت معطوف ہے **واذا قیل لهم اسکنوا** پر جو فعل **اذکر** پوشیدہ ہے اس پر لہذا اس کلولو عاطفہ ہے **اسئل** بنا ہے سوال سے سوال کے معنی مانگنا بھی ہیں **واما السائل فلا تنهر** اور پوچھنا بھی یہاں بمعنی پوچھنا ہے اس میں خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے اور **هم** کا مرجع وہ یہود ہیں جو حضور انور کے زمانہ میں موجود تھے یہ پوچھنا حضور انور کی بے خبری کی بنا پر نہیں بلکہ ان کی دائمی سرکشی کے بیان کے لئے ہے اور حضور انور کے معجزے کے اظہار کے لئے کہ باوجودیکہ حضور نے نہ کسی سے پڑھا نہ پڑھے لکھوں کی صحبت اختیار فرمائی مگر اس کے باوجود ایسے واقعات بیان فرما رہے ہیں جو صرف علماء یہود ہی جانتے تھے اور انہوں نے چھپا لئے تھے یہ حضور انور کا معجزہ ہے (تفسیر کبیر۔ روح البیان وغیرہ) **عن القریته التی کانت حاضرة البحر** یہ عبارت متعلق ہے **واسئل** کے۔ **عن** کے بعد حال یا خبر پوشیدہ ہے قریہ بمعنی بستی ہے خواہ شہر ہو یا گاؤں یہاں شہر مراد ہے یہ کونسی بستی تھی اس میں مفسرین کے چند قول ہیں بعض نے فرمایا کہ وہ **ایله** بستی تھی جو مدین اور طور کے درمیان واقع تھی بعض نے کہا کہ وہ شہر مدین تھا بعض کے نزدیک طبریہ۔ ابن زید کہتے ہیں کہ وہ بستی "متنا" تھی مہرین اور عیسونا کے درمیان (کبیر روح المعانی وغیرہ) بحر سے مراد بحر قلزم ہے حاضرة البحر سے مراد ہے کہ وہ اس سمندر کے کنارہ پر واقع تھا یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ کا ہے ایسی بستیوں والوں کا گزارہ عموماً مچھلیوں پر ہوتا ہے یہی ان کا حال تھا قریہ سے مراد اس بستی کے باشندے ہیں یا اس سے پہلے اہل پوشیدہ ہے **اذیعدون فی السبت** یہ عبارت **القریته التی** کا بدل اشتمال ہے ہماری قراءت **یعدون** ہے عین کے سکون سے بنا ہے **عدو** بمعنی حد سے بڑھ جانا ایک قراءت میں **یعدون** ہے جو اصل میں **یعتدون** تھا ت دال ہو کر دال میں مدغم ہو گئی ایک قراءت میں ہے **یعدون** اعداد کا مضارع بمعنی تیاری کرنا شکار کے آلات جمع کرنا (روح المعانی) سبت کے معنی ہیں کٹ جانا۔ منقطع ہو جانا۔ ہفتہ کے دن کو سبت اسی لئے کہتے ہیں کہ اس دن میں یہود پر لازم تھا کہ سارے کاروبار شکار وغیرہ بند رکھیں دنیا سے کٹ جاویں یہ سارا دن عبادت میں گزاریں (روح المعانی و صاوی) یہاں صاوی نے فرمایا کہ یہود کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ جمعہ کو اپنی عبادات کے لئے خاص کر لیں اس دن کوئی دنیاوی کام نہ کریں انہوں نے بجائے جمعے کے ہفتے کو اس کام کے لئے منتخب کیا تو اس کا نام یوم السبت رکھا گیا یعنی یہود کے تمام دین و دنیاوی بھلائیوں سے کٹ جانے کا دن **اذ تاتیهم حیتانهم** یہ عبارت بدل ہے **اذیعدون** سے **اذ** ظرفیہ ہے یا یہ جملہ **یعدون** کا ظرف ہے **تاتی** بنا ہے **اتی** سے بمعنی آنا یہاں بمعنی ظاہر ہونا کیونکہ مچھلیاں ان کے گھروں میں نہ آتی تھیں بلکہ دریا کنارے میں نمودار ہو جاتی تھیں اپنے سر نکال کر جنہیں یہ دیکھتے تھے **حیتان** جمع ہے **حوت** کی بمعنی مچھلی اصل میں **حوتان** تھا واؤ ساکن اس کے پہلے کسرہ اس لئے واؤ ی بن گیا جیسے **نینان** جمع ہے **نون** کی چونکہ وہ مچھلیاں ان کے کنارہ پر

نمودار ہوتی تھیں جنہیں شکار کر لینے کا انہیں حق تھا اس سے ان مچھلیوں کو ان لوگوں کی طرف نسبت کیا گیا کہ فرمایا گیا **حیتانھم** ان کی مچھلیاں ورنہ شکار کرنے سے پہلے وہ ان مچھلیوں کے مالک نہ تھے کیونکہ شکار کا جانور اس کی ملک ہوتا ہے جو اسے شکار کرے **یوم سبتھم شرعا**" اس فرمان عالی میں **یوم سبتھم** تو ظرف ہے **تاتی** کا اور شرعا" حال ہے **حیتان** کا شرعا" جمع ہے شارع کی اور شارع بنا ہے **شرع** سے ۔ بمعنی ظاہر ہونا قریب ہونا اسی سے ہے شریعت یعنی اللہ کا کھلا راستہ قریب راستہ۔ اس لئے کھلے وسیع راستہ کو شارع کہتے ہیں رب فرماتا ہے **شرعتہ" ومنھاجا**" یعنی ہفتہ کے دن مچھلیاں اپنے سر نکال کر ان کے سامنے ہو جاتی تھیں ظاہر ظہور جس سے ان کے منہ میں پانی آجاتا تھا **ویوم لا یسبتون لا تاتیھم**۔ یہ عبارت معطوف ہے **تاتیھم حیتانھم** پر یوم ظرف ہے **لا یسبتون** کا **لا یسبتون** بنا ہے سبت سے سبت کے معنی ہیں ہفتہ کا دن پانا یعنی جس دن وہ ہفتہ نہ پاتے۔ جب ہفتہ کا دن نہ ہو تا یاقی چھ دن ہوتے تو مچھلیاں ان کے ہاتھ نہ آتیں شکار کرنے کی کوشش کرتے مگر یا بالکل نہ پاتے یا بہت ہی کم پاتے یہ تھا رب تعالیٰ کا بڑا امتحان جس میں وہ قوم فیل ہو گئی **کذلک** اس کا تعلق یا تو **لا تاتیھم** سے ہے یا آئندہ **نبلوھم** سے یعنی ہفتہ کے علاوہ اور دنوں میں اس طرح ظاہر ظہور نہ آتی تھیں یا اسی طرح ہم ان کا امتحان لیتے تھے اس لئے یہاں جیم کی رمز ہے یعنی یہاں ٹھہرنا بھی جائز ہے نہ ٹھہرنا بھی (از روح المعانی) **نبلوھم بما کانوا یفسقون۔ نبلو** بنا ہے **بلو** سے ۔ بمعنی جانچ امتحان۔ اس لفظ کی تحقیق ہم دوسرے پارہ میں **ولنبلونکم** کی تفسیر میں کر چکے ہیں یعنی چونکہ وہ اسرائیلی نافرمان" فسق و فجور کے عادی تھے اس وجہ سے ہم نے انکی یہ آزمائش کی۔ خیال رہے کہ **نبلو** مضارع ۔ بمعنی ماضی ہے گذشتہ واقعہ کو حاضر کرکے دکھانے کے لئے اس طرح ارشاد فرمایا۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ اپنے زمانہ کے یہود مدینہ سے ان یہود کے **متعلق** تو دریافت کریں جو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں کنارہ سمندر پر ایلہ بستی میں رہتے تھے ان کا گذارہ مچھلیوں پر تھا اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کی کہ ان پر ہفتہ کے دن شکار کرنا حرام تھا۔ واقعہ یہ بنا کہ جب ہفتہ کا دن ہوتا تو سمندر کے کنارے بے شمار مچھلیاں اپنے منہ نکال کر پانی پر نمودار ہوتیں جنہیں یہ لوگ ظاہر ظہور دیکھتے اور جب ہفتہ کے علاوہ اور دن ہوتا تو مچھلیاں غائب ہو جاتیں شکار کی کوشش کرنے پر بھی ان کے ہاتھ نہ لگتیں یا بہت ہی کم لگتیں ان کا یہ **امتحان** آئندہ عذاب کی تمہید تھا اور آئندہ والا عذاب ان پر اس لئے آیا کہ وہ بڑے پرانے مجرم پاپی عادی فاسق تھے یہ امتحان ان کے **عذاب** کا ذریعہ بنا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: سوال کرنا ہمیشہ سائل کی بے علمی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ کبھی سامنے والے کو شرمندہ کرنے یا اس سے اقرار جرم کرانے کے لئے ہوتا ہے جسے کہتے ہیں پوچھ گچھ کرنا یہ فائدہ **وسئلھم عن القریتہ** سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ قیامت میں بندوں سے پوچھ گچھ فرمائے گا مسلمان گنہگاروں سے اقرار کرا کے بخشنے کے لئے اور کافروں سے اقرار کرا کے سزا دینے کے لئے۔ **دوسرا فائدہ**: عربی میں کبھی بستی بول کر بستی والے مراد لئے جاتے ہیں یہ فائدہ **عن القریتہ** سے حاصل ہوا کہ یہاں خود بستی ایلہ اور وہاں کے در و دیوار کوچہ بازار مراد نہیں بلکہ بستی والے لوگ مراد ہیں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا تھا **وسئل القریتہ التی کنا فیھا** آپ اس چوری کا واقعہ بستی یعنی مصر سے پوچھ لیں وہاں بھی مصر والے لوگ مراد ہیں۔ **تیسرا فائدہ**: امت مصطفوی پر

اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی کرم ہے کہ اس کے احکام بہت ہی نرم ہیں یہ فائدہ **اذیعدون فی السبت** سے حاصل ہوا دیکھو یہود کا معظم دن ہفتہ تھا اسلام کا معظم دن جمعہ ہے مگر ان دونوں دینوں کے احکام میں بہت سے فرق ہیں (1) یہود پر ہفتہ کے سارے دن میں دنیاوی کاروبار شکار وغیرہ حرام تھے مگر اسلام میں جمعہ کے دن صرف اذان جمعہ سے لے کر نماز جمعہ ختم ہونے تک کاروبار حرام دن کے باقی حصہ میں جائز فرماتا ہے **فاذا قضیت الصلوٰة فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ** (2) اذان جمعہ کے بعد بھی اگر کاروبار جمعہ کی تیاری میں مانع نہ ہو تو جائز ہے جیسے کوئی شخص چاہے مسجد کو آتے ہوئے راستہ چلتے چلتے سودا بھی کرلے 'بنی اسرائیل کے لئے یہ بھی حرام تھا۔ (3) مسلمانوں میں جس پر نماز جمعہ فرض نہیں اس پر بعد اذان کاروبار بھی حرام نہیں صرف ان پر حرام ہے جن پر نماز جمعہ فرض ہے بنی اسرائیل میں یہ فرق نہ تھا ان کے ہر مرد و زن بوڑھے جوان بچے دیہاتی شہری تندرست و بیمار پر سارا دن دنیاوی کاروبار شکار وغیرہ حرام تھا اسلام میں دیہاتیوں' عورتوں' بچوں' بیماروں' مسافروں پر نماز جمعہ فرض نہیں تو ان کے لئے کاروبار حرام بھی نہیں۔ (4) اسلام میں اگر کوئی شہری نماز جمعہ کے وقت گاؤں میں ہو یا سفر میں اس پر جمعہ فرض نہیں تو اس کے لئے کاروبار حرام بھی نہیں اور جو دیہاتی نماز جمعہ کے وقت شہر میں ہو یا مسافر بحالت سفر شہر میں ہو اس پر جمعہ کی نماز فرض نہیں تو اسے کاروبار بھی حرام نہیں (5) اسرائیلیوں نے جب ہفتہ کا یہ احترام نہیں کیا تو ان پر عذاب الٰہی آگیا مگر گنہگار مسلمان اگر جمعہ نہ پڑھیں اور اپنی بدبختی سے یہ فریضہ چھوڑ کر دوسرے کام کریں تو ان پر عذاب نہیں آتا کیونکہ اب رحمۃ للعالمین کا راج ہے اب راجہ اور ہے تو قانون بھی اور۔ **چوتھا فائدہ**: حضور انور کے صحابہ گزشتہ نبیوں کے صحابہ سے کہیں افضل ہیں۔ دیکھو صحابہ داؤد علیہ السلام کا مچھلی کے شکار سے امتحان لیا گیا تو وہ بہت سے فیل ہو گئے جو حیلے بہانوں سے شکار کر بیٹھے اور بندر بنادیئے گئے مگر جب حضور انور کے احرام والے صحابہ کا شکار کے جانوروں سے امتحان لیا گیا کہ ان احرام والوں کے خیموں میں شکار کے جانور گھس آئے احرام میں شکار کرنا حرام ہوتا ہے تو کسی ایک صحابی نے بھی شکار کرنا تو کیا اس کی طرف آنکھ نہ اٹھائی اس واقعہ کا ذکر اس آیت میں ہے **یایھا الذین امنوا لیبلونکم اللہ بشیء من الصید تنالہ ایدیکم و رماحکم لیعلم اللہ من یخافہ بالغیب** **پانچواں فائدہ**: حضور انور کی تشریف آوری کفار کے لئے بھی رحمت ہے دیکھو زمانہ داؤدی میں اسرائیلیوں نے ہفتہ کے دن شکار کیا تو بندر بنادیئے گئے اب اگر اسرائیلی یہ ہی حرکت کرتے رہیں تو ان پر دنیا میں عذاب نہیں آتا کیوں اس لئے کہ وہ زمانہ داؤدی تھا یہ زمانہ محمدی ہے۔ **چھٹا فائدہ**: اسلام میں شرعی حیلے جائز ہیں پچھلے دینوں میں حرام تھے دیکھو ان اسرائیلیوں نے مچھلیوں کا شکار حیلہ سے کیا تھا کہ ہفتہ کے دن سمندر کا پانی نالی کے ذریعہ کسی تالاب میں بھر لیتے تھے اور جس میں مچھلیاں بھی آجاتی تھیں پھر اتوار کو ان تالاب میں قید شدہ مچھلیوں کا شکار کر لیتے تھے۔ اس حیلہ پر عذاب میں گرفتار ہو گئے۔ اسلام میں شرعی حیلے بہت ہیں جو شرعاً جائز ہیں۔ دیکھو ہماری کتاب جاء الحق اور عالمگیری کتاب الحیل۔

پہلا اعتراض: شکار کا مذکورہ جرم تو زمانہ داؤدی کے اسرائیلیوں نے کیا تھا مگر یہ سوال زمانہ محمدی کے اسرائیلیوں سے ہو رہا ہے جو ان سے صدہا سال کے بعد پیدا ہوئے جرم تو کوئی کرے اور اس کا سوال کسی سے ہو یہ بات انصاف کے خلاف ہے۔
جواب: یہ موجودہ اسرائیلی ان مجرموں کے ہم قوم بھی تھے ان کے حمایتی بھی ان کی ہر بات کی تائید کرنے والے بھی اور

حمایتیوں سے مجرموں کا سوال ہو جاتا ہے بلکہ یہ موجودہ اسرائیلی اپنے ان مورث اعلیٰ اسرائیلیوں کے اس جرم کے انکاری تھے وہ کہتے تھے کہ یہ واقعہ ہوا ہی نہیں تب ان سے یہ خطاب ہوا۔ **دوسرا اعتراض**: سبت ایک دن کا نام ہے اس سے فعل یسبتون کیونکر مشتق ہو گیا جامد اسم سے اشتقاق کیسی۔ **جواب**: اولاً "سبت کو معنی مصدری میں کیا گیا۔ معنی ہفتہ کا دن پانا پھر اس سے یہ فعل مشتق ہوا اسے مصدر فعل کہتے ہیں جیسے جمعہ لفظ جامد ہے مگر اس سے مجہول فعل بنالیا جاتا ہے کبھی پورے جملہ سے مصدر بنالیا جاتا ہے پھر اس سے فعل مشتق کر لیتے ہیں جیسے **انا للہ وانا الیہ راجعون** اس پورے جملہ سے مصدر بنایا **استرجاع** پھر اس سے فعل بنایا **استرجع** **تیسرا اعتراض**: کسی کا امتحان وہ لیتا ہے جو اس کی حالت سے بے خبر ہو اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے اسے بندوں کے امتحان لینے کی کیا ضرورت ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا تفصیلی جواب دوسرے پارہ میں **و لنبلونکم بشیء من الخوف** کی تفسیر میں ہم کر چکے ہیں کہ یہ قاعدہ ہی غلط ہے کہ امتحان صرف ممتحن کی بے خبری کی وجہ سے ہوتا ہے بلکہ اس کے اور مقصد بھی ہوتے ہیں جیسے خود اس کا منہ بند کرنا جس کا امتحان لے کر اسے فیل کیا گیا ہے یا دوسروں کا منہ بند کرنا جس کو امتحان میں پاس کر کے انعام و اکرام دینا ہے غرضکہ امتحان کے بہت مقصد ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: دنیادار گویا ایلہ بستی والے ہیں اور دنیا گویا بحر قلزم ہے اللہ کی یاد کے اوقات گویا سبت یعنی ہفتہ کا دن ہے دنیاوی مشغلے اور اللہ سے غافل کرنے والی چیزیں گویا اس دریا دنیا کا شکار ہے ہم کو حکم ہے کہ اے دنیا والو ہماری یاد کے اوقات میں یہ شکار نہ کرنا رمضان میں دن میں کھانا پینا نماز کے اوقات میں دکانداری کرنا جمعہ کی اذان ہو جانے پر کاروبار کرنا سخت منع ہے مگر بندوں کا امتحان یہ لیا کہ قدرتی طور پر ان ہی مبارک اوقات میں یہ مشاغل زیادہ نمودار ہوتے ہیں نماز کے وقت گاہک زیادہ آتے ہیں اور رمضان شریف میں نفس کھانے پینے کی زیادہ خواہش کرتا ہے دوسرے اوقات میں کم۔ یہ رب کی طرف سے سخت امتحان ہے ایسے واقعات ہمارے گناہوں کی کثرت 'غفلت کا نتیجہ ہیں یہ نہ سمجھو کہ ایلہ والے ختم ہو چکے ہم سب ایلہ والے ہیں ہمارے سامنے دنیا کا سمندر ہے اس سمندر میں بہت شکار ہیں۔ رب تعالیٰ ہم سب کا بیڑا پار لگائے۔

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ
اور جب بولی ایک جماعت ان میں سے کہ کیوں نصیحت کرتے ہو ایسی قوم کو کہ اللہ ہلاک فرمانے والا ہے
اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے
اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَ
جسے یا عذاب دینے والا ہے جسے سزا سخت وہ بولے معذرت کرنے کے لئے طرف رب تمہارے کے اور
یا انہیں سخت عذاب کرنے والا ہے بولے تمہارے رب کے حضور معذرت کرنے کو اور

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿١٦٤﴾
تاکہ وہ خوف کریں
شاید انہیں ڈر ہو

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ایلہ والوں کی ایک خاص سرکشی کا ذکر ہوا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ سرکشی ان سب نے نہیں کی بعض نے کی بعض ایسے جرم سے محفوظ رہے گویا سرکشی کے بعد سرکشوں کا تقرر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ایلہ والوں کے سخت امتحان کا ذکر ہوا اب اس امتحان میں پاس یا فیل ہونے والوں کا ذکر ہے کہ بعض لوگ فیل ہوئے بعض پاس پھر پاس ہونے والوں میں بعض فسٹ ڈویژن پاس یعنی انہیں منع کرنے والے اور بعض تھرڈ ڈویژن یعنی خاموش رہنے علیحدہ رہنے والے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہوا جو رب کے عذاب کے مستحق ہوئے اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس عذاب سے بچ گئے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ خیال رہے کہ ایلہ والے تین گروہ ہو گئے تھے ایک صائدین جو اس گناہ میں مبتلا ہوئے مبتلا رہے۔ دوسرے واعظین جنہوں نے آخر دم تک ان لوگوں کو اس جرم سے روکنے کی کوشش کی تیسرے ساکتین جنہوں نے نہ تو شکار کیا نہ شکاریوں کو منع کیا یہاں اس آیت میں ان آخری دو جماعتوں کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا **اذیعدون فی السبت** اور **یعدون** کا فاعل اہل قریہ تھے جس سے شبہ ہوتا تھا کہ ساری بستی والے صائد یعنی شکاری بن گئے اور سب پر عذاب آیا اب اس شبہ کو دفع فرمایا جا رہا ہے کہ بعض لوگ ہی شکاری بنے کل نہیں بنے۔

تفسیر: واذقالت امۃ منھم یہ عبارت معطوف ہے **اذیعدون** پر نہ کہ **اذتاتیھم** پر لہٰذا یہ واو عاطفہ ہے اور **اذکر** فعل کا مفعول **امۃ** سے مراد ساکتین لوگ ہیں جنہوں نے نہ شکار کیا نہ ان شکاریوں کو منع کیا بلکہ خاموش رہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اولاً تو ان لوگوں نے بھی وعظ و نصیحت کی مگر جب دیکھا کہ ان کا وعظ ان مجرمین میں کوئی اثر نہیں کرتا بلکہ وہ الٹا اثر لیتے ہیں اس لئے وہ اب خاموش ہو گئے مگر تیسری جماعت برابر وعظ و نصیحت کرتی رہی **واللہ اعلم** چونکہ یہ ساکتین یعنی خاموش رہنے والے ان شکاریوں کے عزیز قرابت دار تھے اس لئے **منھم** فرمایا گیا یعنی وہ لوگ ان مجرموں میں سے ہی تھے انہیں کے عزیز اہل قرابت تھے **لم تعظون قوما** یہ عبارت **قالت** کا مفعول ہے تعظون کے دو معنی ہو سکتے ہیں تم کیوں نصیحت کرتے ہو یا بس نصیحت کئے جا رہے ہو اگر یہ لوگ بالکل ہی خاموش رہے تھے تو اس کے معنی ہوں گے کیوں نصیحت کرتے ہو اور اگر پہلے یہ بھی وعظ کرتے تھے بعد میں خاموش ہو گئے تو معنی ہوں گے کیوں نصیحت کئے جا رہے ہو ہماری طرح تم بھی خاموش کیوں نہیں ہو جاتے **قوما** مفعول ہے تعظون کا اس کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے یعنی اس قوم کو شکار چھوڑنے کی نصیحت کیوں کرتے ہو کیا فائدہ ہے **اللہ مھلکھم او معذبھم عذابا شدیدا** یہ عبارت صفت ہے **قوما** کی اس عبارت میں شکاریوں کی دو سزاؤں کا ذکر ہوا وہ بھی ان کے ساتھ۔ انہیں ہلاک کر دینا انہیں سخت سزا دینا ہلاکت سے مراد ہے انہیں تباہ کر دینا اس طرح کہ ان کا تخم مٹ جاوے ان کے صرف قصے کہانیاں رہ جاویں اور **معذبھم** سے مراد ہے انہیں سخت

تکلیف دہ سزا دینا جس سے یہ ہلاک نہ ہوں مگر سخت تکلیف میں مبتلا ہو جاویں بعض نے فرمایا کہ **مھلکھم** سے مراد ہے دنیاوی عذاب اور **معذبھم** سے مراد ہے آخروی عذاب یعنی ایسی قوم کو تم کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں عنقریب ہلاک و برباد فرمانے والا ہے اور آخرت میں دوزخ کا سخت عذاب دینے والا یا انہیں دنیا میں بھی عذاب دینے والا ہے اور آخرت میں بھی یا صرف آخرت میں عذاب دے گا دنیا میں نہیں "غالباً" ان لوگوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لوگ توبہ کرنے والے نہیں ان کا خاتمہ کفر پر ہو گا ان کا یہ قول کفر سے رضا کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ان کفار سے مایوسی کی وجہ سے تھا اس جملہ کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں مگر یہ تفسیر قوی ہے **قالوا معذرۃ "الی ربکم** یہ ناصحین کا جواب ہے جو انہوں نے ساکتین کو دیا ان حضرات نے اپنی تبلیغ و نصیحت کی دو وجہیں بتائیں پہلی وجہ جو یہاں ارشاد ہوئی ہماری قراء ت میں **معذرۃ** "ت کے فتح سے ہے یہ بلغ پوشیدہ کا مفعول لہ ہے یعنی ہم تبلیغ کرتے ہیں معذرۃ و عذر خواہی کے لئے ایک قراء ت میں **معذرۃت** کے پیش سے ہے یعنی ہماری تبلیغ معذرت ہے۔ معذرۃ مصدر ہے۔ معنی عذر اس کے دو معنی ہوتے ہیں ایک تو اپنی مجبوری جس کی وجہ سے گناہ سرزد ہوا یہ معنی یہاں مراد نہیں دوسرے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی یعنی سبکدوشی وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی اگر قیامت میں ہم سے سوال ہوا کہ ان لوگوں نے شکار کیوں کیا تو ہم عرض کر سکتے ہیں کہ مولیٰ ہم نے اپنا فرض تبلیغ ادا کر دیا یہ لوگ نہیں مانے (از تفسیر کبیر) یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ معذرت کے تین معنی ہیں (1) جرم کا انکار کہ میں نے نہیں کیا (2) جرم کی وجہ کہ میں نے یہ کیوں کیا مجھے کیا مجبوری تھی یا یہ نیکی کیوں نہ کی رکاوٹ کیا تھی (3) آئندہ نہ کروں گا۔ تیسرے معنی توبہ ہیں لہٰذا ہر توبہ معذرت ہے مگر ہر معذرت توبہ نہیں اس کے بعد **من** آتا ہے مگر چونکہ یہاں انتہاء کے معنی اس میں شامل ہیں لہٰذا اس کے بعد **الی** آیا **ولعلھم یتقون** یہ تبلیغ کی دوسری وجہ بیان کی گئی۔ تقویٰ سے مراد شکار سے توبہ کر لینا ہے یعنی ہم ان شکاریوں کی ہدایت سے مایوس نہیں دل اللہ کے قبضہ میں ہیں شاید ان کا دل ہماری تبلیغ سے پھر جاوے اور توبہ کر لیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہماری تبلیغ و عظ و نصیحت بیکار نہیں یا تو ان پر اثر کرے گی اگر نہ کرے تب ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخرو ہو جائیں گے ہم پر تبلیغ نہ کرنے کی پکڑ نہ ہو گی خیال رہے کہ یہاں لعل یقین کے لئے نہیں بلکہ امید موھوم کے لئے ہے۔

خلاصہ تفسیر ایلہ والے تین گروہ ہو گئے تھے ایک وہ جو شکار کرنے لگے دوسرے وہ جو ان سے علیحدہ ہو گئے اور انہیں بہت منع کرتے رہے حتیٰ کہ دوسرے محلوں میں چلے گئے۔ اپنے اور ان کے درمیان میں دیوار بنالی تیسرے وہ جنہوں نے خاموشی اختیار کی نہ تو خود شکار کیا نہ شکاریوں کو منع کیا اس آیت میں ان آخری دو گروہوں کی گفتگو کا ذکر ہے جو انہوں نے آپس میں کی چنانچہ خاموش رہنے والے مبلغین سے بولے کہ تم لوگ ان عادی مجرموں کو کیوں سمجھاتے ہو ان کی تبلیغ میں وقت کیوں ضائع کرتے ہو یہ لوگ اپنی بدکاری سے باز آنے والے نہیں اللہ تعالیٰ یا تو انہیں ہلاک کرے گا یا ان کو سخت مصیبتوں میں گرفتار کرے گا ان کے کرتوت پتہ دے رہے ہیں کہ اب ان پر کچھ نہ کچھ وبال آنے والا ہے تب مبلغین بولے کہ ہمارے اس تبلیغ سے دو مقصد ہیں ایک تو قیامت کی پکڑ سے بچ جانا کہ ہم رب تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ کہہ سکیں گے کہ مولیٰ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا یہ لوگ نہ مانے دوسرے یہ کہ شاید یہ سب یا ان میں سے کوئی ہماری بات مان لیں اور اس حرکت سے توبہ کر کے متقی بن جاویں غرضکہ ہماری یہ کوشش انشاء اللہ رائیگاں نہ جاوے گی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مجرمین بدکاروں سے علیحدہ رہنا اچھا ہے ان کے ساتھ کھلے ملے رہنا خطرناک ہے اس میں اندیشہ ہے کہ ان پر جو عذاب آوے اس میں یہ بھی گرفتار ہو جاوے چکی گندم کے ساتھ گھن کو بھی پیس دیتی ہے یہ فائدہ بنی اسرائیل کے اس مذکورہ بالا عمل سے حاصل ہوا کہ ناصحین شکاریوں سے علیحدہ ہو گئے رب فرماتا ہے **فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظلمين**۔ **دوسرا فائدہ:** جس قوم کی ہدایت سے مایوسی ہو جاوے اس کو تبلیغ نہ کرنا خاموشی اختیار کرنا جائز ہے ممنوع نہیں یہ فائدہ **لم تعظون** سے حاصل ہوا کہ ساکتین نے تبلیغ سے خاموشی اختیار کی مگر رب نے اس خاموشی پر عذاب یا عتاب نہ فرمایا رب فرماتا ہے **عليكم انفسكم لا يضركم من ضل اذا اهتديتم**۔ **تیسرا فائدہ:** متقی مومن اپنی فراست سے غیبی آئندہ کی بات جان لیتا ہے یہ فائدہ **الله مهلكهم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو خاموش رہنے والے اسرائیلیوں نے جان لیا کہ ان پر عذاب آنے والا ہے اور واقعی ایسا ہی ہوا حضور انور فرماتے ہیں **اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله** مومن کی فراست و دانائی سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** یہ ساکتین کی جماعت شکاریوں کے شکار سے راضی نہ تھی بلکہ ان سے بیزار تھی اس لئے ان پر عتاب یا عذاب نہ ہوا یہ فائدہ **الله مهلكهم** سے حاصل ہوا اگر وہ اس شکار سے راضی ہوتے تو ان کے متعلق یہ رائے قائم نہ کرتے۔ **پانچواں فائدہ:** جس شخص یا جس قوم کی ہدایت سے ناامیدی ہو اس کو بھی ہدایت تبلیغ نصیحت وعظ کرنا بہتر ہے اس کے دنیاوی اور اخروی فائدوں کی امید ہے یہ فائدہ **معذرة الى ربكم** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان مبلغین کا جواب جس میں اس تبلیغ کے فوائد کا ذکر ہے نقل فرمایا بغیر تردید۔ ہمارے حضور ﷺ نے ابو جہل، ابو لہب، امیہ وغیرہم کفار کو ان کے مرتے وقت تک تبلیغ اسلام کی حالانکہ ان کے متعلق فرما دیا گیا کہ **ختم الله على قلوبهم وعلى سمعهم** اور ان کے متعلق خبر دے دی گئی تھی **سواء عليهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم لا يؤمنون** اس کے باوجود حضور انور سے فرمایا گیا **يايها النبي بلغ ما انزل اليك من ربك**۔ **چھٹا فائدہ:** ایسے لوگوں کو تبلیغ کرنے سے اگرچہ ان لوگوں کو فائدہ نہ ہو مگر مبلغ کو تبلیغ کا ثواب ضرور ملے گا یہ فائدہ بھی **معذرة الى ربكم** سے حاصل ہوا معذرت کے معنی ابھی ہم تفسیر میں عرض کر چکے رب تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے فرمایا **سواء عليهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم** دیکھو وہاں **سواء عليك** نہ فرمایا کیونکہ حضور انور کو انہیں تبلیغ فرمانے کا ثواب ملے گا ڈاکٹر مایوس مریض کا علاج کرے اسے فیس اور دوا کی قیمت ضرور ملے گی۔ **ساتواں فائدہ:** بد سے بدتر کافر کے ایمان سے بالکل مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ جب تک کہ اس کے کفر پر مرنے کی وحی نہ آجاوے اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ جسے چاہے ہدایت دے دے یہ فائدہ **لعلهم يتقون** سے حاصل ہوا کہ مبلغین نے کہا کہ شاید یہ شکاری لوگ متقی بن جاویں اگرچہ اسباب کے لحاظ سے مایوسی ہے مگر رب کی رحمت سے ضرور آس ہے۔

پہلا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے ساکتین اور مبلغین دونوں کے مختلف قول نقل کئے مگر تردید کسی کی نہ فرمائی ان میں سے کس کا قول درست تھا شکاریوں کو تبلیغ کرنا اچھا تھا یا ان سے علیحدگی بہتر۔ **جواب:** دونوں کام درست تھے مگر علیحدگی جائز تھی تبلیغ بہتر تھی لہٰذا دونوں درست تھے اس لئے کسی کی تردید نہیں فرمائی۔ **دوسرا اعتراض:** ان ساکتین کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ شکاریوں

پر اللہ کا عذاب آنے والا ہے کہ وہ ہلاک ہونے والے ہیں یہ بات تو غیبی چیز تھی انہیں کیا خبر تھی کہ آئندہ کیا ہوگا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی فائدوں میں گذر گیا کہ ان کی فراست تھی مومن کی فراست الہام الٰہی ہوتی ہے چنانچہ ان کی یہ فراست بالکل درست ہوئی۔ **تیسرا اعتراض:** ان لوگوں نے کہا کہ **مھلکھم او معذبھم** ہلاکت اور عذاب تو ایک ہی چیز ہے پھر او کہہ کر کیوں ارشاد فرمایا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ہلاکت سے مراد ہے انہیں فنا کر دینا اور عذاب سے مراد ہے اخروی عذاب لہٰذا آیت کے الفاظ میں تکرار نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** معذرۃ کے بعد **الٰی** کیوں آیا اس کے بعد تو **من** آنا چاہئے تھا۔ **جواب:** چونکہ یہاں معذرت میں انتہا کے معنی شامل ہیں معنی یہ ہیں کہ ایسی عذر خواہی جو رب کی بارگاہ تک پہنچے اس لئے **الٰی** فرمانا بالکل مناسب ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: جن دو جماعتوں کا یہاں ذکر ہوا اور ان کے قول یہاں نقل ہوئے ان میں سے ایک جماعت یعنی ساکتین نے رخصت پر عمل کیا کہ جن کی ہدایت سے مایوسی ہو ان کو تبلیغ نہ کرنے کی رخصت ہے اور دوسری جماعت یعنی مبلغین نے عزیمت پر عمل کیا کہ ایسوں کو بھی تبلیغ کرنا ان کی ایذا رسانی پر صبر کرنا عزیمت ہے جس پر بڑے اجر کی امید ہے پہلی جماعت کی معافی ہے دوسری کو بڑا انعام مگر ذرا غور کیا جاوے تو پہلی جماعت یعنی ساکتین کی نظر تکوین پر تھی اور دوسری جماعت کی نظر تشریع پر چنانچہ جو کچھ پہلی جماعت کے منہ سے نکلا ہو بہو ویسا ہی ہوا کہ رب نے انہیں سخت عذاب دیا اور ہلاک بھی کیا کہ پہلے انہیں بندر بنا کر ذلیل و خوار کیا کئی دن تک انہیں دربدر پھرایا پھر بعد میں انہیں اس طرح ہلاک فرمایا کہ ان کی نسل بھی نہ چلی یہ ہے اللہ والوں کے منہ سے نکلی ہوئی بات کا انجام۔

بزرگوں کی زباں اللہ کی تقدیر ہوتی ہے کبھی وہ پھول ہوتی ہے کبھی شمشیر ہوتی ہے

لطیفہ: بخاری مسلم میں کچھ فرق کے ساتھ قصاص اسنان کے باب میں میں روایت کی کہ ربیع نے کسی لونڈی کا دانت توڑ دیا لونڈی کے مالک نے قصاص مانگا حضور انور نے قصاص کا حکم دیا تو انس ابن نضر نے عرض کیا **لا والذی بعثک بالحق لا یکسر ثنیتہ** اللہ کی قسم ربیع کا دانت نہیں توڑا جاوے گا۔ حضور انور نے فرمایا کتاب اللہ القصاص جناب انس نے پھر عرض کیا **لا والذی بعثک بالحق لا یکسر ثنیتہ** کئی بار یہ عرض معروض کیا آخر کار لونڈی کے مولیٰ نے دیت منظور کر لی تب حضور نے فرمایا **ان من عباد اللہ من لو اقسم علی اللہ لابرہ** اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جو اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم پوری فرمادے۔ صوفیاء کرام اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضرت انس کا حضور انور سے عرض کرنا کہ اللہ کی قسم ربیع کے دانت نہ توڑے جائیں گے یہ فرمان عالی کا انکار نہیں بلکہ تکوین کو دیکھ کر تھا اور حضور انور کا فرمان عالی شرعی قانون بتانے کے لئے تھا پھر جب مقابل لوگوں نے فدیہ قبول کر لیا اور ربیع کے دانت بچ گئے تب حضور انور نے فرمایا کہ بعض اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ پوری فرمادے یعنی اے انس تم نے قسم کھائی تھی اللہ نے پوری کر دی یہ ہے مقبولوں کی زبان۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْ

پس جب بھول گئے وہ بات کہ نصیحت کئے گئے تھے وہ جس کی تو بچات دی ہم نے ان کو جو روکتے تھے

پھر جب بھلا بیٹھے جو نصیحت انہیں ہوئی تھی ہم نے بچا لئے وہ جو برائی سے منع کرتے تھے

نَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَىٕیْسٍۭ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا

برائی سے اور پکڑ لیا ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا ساتھ بکاڑ نے والے عذاب کے اس وجہ کہ وہ اطاعت سے نکلتے

اور ظالموں کو برے عذاب میں پکڑا بدلہ ان کی نافرمانی کا پھر جب انہوں نے

عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِىٕیْنَ ﴿۱۶۶﴾

تھے. پس جب سرکشی کی انہوں نے اس سے کہ منع کئے گئے تھے تو ہم نے کہا ان سے ہو جاؤ تو بندر دھتکارے ہوئے

ممانعت کے حکم سے سرکشی کی ہم نے ان سے فرمایا ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ایلہ والوں کے سخت جرم اور ان کی بدترین سرکشی کا ذکر ہوا اب ان کی سخت سزا کا تذکرہ ہے گویا دلی بیماری کے ذکر کے بعد اس کے انجام و نتیجہ کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ان دو جماعتوں کا ذکر ہوا جو مذکورہ بالا جرم یعنی ہفتہ کے دن شکار کرنے سے محفوظ رہے اب ان دونوں محفوظ جماعتوں کی نجات کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ساکتین کی ایک پیش گوئی بیان ہوئی کہ انہوں نے کہا تھا کہ ان شکاریوں کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر برباد کرے گا یا انہیں سخت سزا دے گا اب ان کی پیش گوئی کے ظہور کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: **فلما نسوا ما ذکروا بہ** اس فرمان عالی میں **ف** بمعنی فوراً نہیں بلکہ بمعنی پھر ہے کیونکہ یہ واقعہ جواب ارشاد ہو رہا ہے گذشتہ مذکورہ واقعہ کے بہت عرصے کے بعد ہوا یہاں انسیان بمعنی بھولنا نہیں مقابل عمد کا بلکہ بمعنی لاپرواہ ہو کر چھوڑ دینا ہے (معانی وغیرہ) کیونکہ یہ شکاری لوگ نصیحتوں کو بھول نہیں گئے تھے بلکہ لاپرواہ ہو گئے تھے ان کی نصیحت کو ان سنی بنا دیتے تھے اور برابر شکار کرتے تھے۔ **ما** سے مراد وہ وعظ و نصیحت ہے جو ناصحین کرتے رہتے تھے **ذکروا** بنا ہے **تذکیر** سے جس کا مادہ ذکر ہے بمعنی نصیحت اور وعظ یعنی جب مجرم شکاری ناصحین کی نصیحت جان بوجھ کر بھلا بیٹھے کہ اس سے بالکل بے پرواہ ہو گئے تو **انجینا الذین ینھون عن السوء** یہ عبارت **لما** کی جزا ہے **انجینا** بنا ہے نجات سے نجات کے دو معنی ہوتے ہیں۔ بچالینا، نکال لینا یہاں بمعنی بچالینا ہے کیونکہ ان لوگوں کو عذاب پہنچا ہی نہیں یہ نہ ہوا کہ عذاب پہنچا پھر انہیں اس میں سے نکال لیا **ینھون** بنا ہے نہی سے بمعنی روکنا منع کرنا اس میں وہ دونوں مذکورہ جماعتیں داخل ہیں یعنی ساکتین (خاموش رہنے والے) اور ناصحین کیونکہ ساکتین بھی ان سے بیزار تھے حتیٰ کہ ان کے محلوں سے نکل کر دوسرے محلوں میں جا بسے تھے جیسا کہ ہم خلاصہ تفسیر میں عرض کریں گے انشاء اللہ۔

لطیفہ: ایک بار حضرت عبداللہ ابن عباس روتے تھے اور فرماتے تھے کہ خبر نہیں ساکتین کا کیا حال ہوا وہ بچے یا ہلاک ہوئے تو

آپ کے آزاد کردہ غلام جناب عکرمہ نے عرض کیا کہ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں وہ لوگ بھی ان شکاریوں کے عمل سے بیزار و متنفر تھے وہ بھی نہی کرنے والوں میں داخل ہیں اس لئے رب تعالٰی نے انکی ہلاکت کا علیحدہ ذکر نہیں فرمایا لہٰذا **الذین ینھون** میں یہ دونوں جماعتیں داخل ہیں اس پر حضرت ابن عباس بہت ہی خوش ہوئے اور عکرمہ کو حلہ (قیمتی جوڑا) عطا فرمایا اور کہنے لگے بحت **الساکتۃ بخت الساکتۃ** واقعی ساکتین بھی نجات پاگئے (معانی۔خازن وغیرہ) **عن السوء** میں **سوء** سے مراد ہفتہ کے دن کا شکار ہے **واخذنا الذین ظلموا** یہ عبارت معطوف ہے **انجینا** پر اور **فلما نسو** کی جزا **الذین ظلموا** سے مراد شکار کرنے والے مجرمین ہیں **ظلموا** ماضی دائمی کے معنی میں ہے یعنی جو ظلم کرتے رہے کیونکہ انہوں نے صرف ایک بار شکار نہ کیا تھا بلکہ عرصہ تک کرتے رہے تھے رب نے بہت عرصہ انہیں ڈھیل دی **بعذاب بئیس** یہ عبارت متعلق ہے **اخذنا** کے عذاب ۔ بمعنی سزا **بئیس** ہماری قراءت میں بروزن قتیل ہے بنا ہے بؤس سے ۔ بمعنی شدۃ و سختی **بئیس** ۔ بمعنی شدید یعنی ہم نے ظالم شکاریوں کو سخت عذاب میں گرفتار کیا اس میں گفتگو ہے کہ وہ سخت عذاب کیا تھا ظاہر یہ ہے کہ یہ عذاب بندر بنانے کے سواء کچھ اور تھا سخت بیماریاں ناداری وغیرہ جب وہ اس پکڑ پر بھی باز نہ آئے تب بندر بنا کر ہلاک کئے گئے کیونکہ یہ عذاب تو ان کے نسیان کی سزا قرار دیا گیا اور بندر بنا کر ہلاک کرنا ان کی سرکشی کی سزا قرار دیا گیا جس کا ذکر آگے ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے وہ ہی بندر بنانے والا عذاب مراد ہے اور عطف تفسیری یعنی وہ آیتہ کریمہ اس کی تفسیر ہے مگر پہلا احتمال قوی ہے (دیکھو تفسیر بیضاوی۔ روح المعانی وغیرہ) **بما کانوا یفسقون** یہ عبارت متعلق ہے **اخذنا** کے اور اس کی وجہ بیان فرما رہی ہے۔ فسق کے معنی اس کے اقسام واحکام پہلے پارے میں بیان ہو چکے یعنی اس وجہ سے ہم نے انہیں سخت عذاب میں مبتلا کیا کہ وہ عرصہ دراز سے فسق وفجور اور نافرمانیوں میں مبتلا تھے۔ کسی ناصح کی بات پر کان ہی نہ دھرتے تھے **فلما عتوا عما نھوا عنہ** اس فرمان عالی میں ان کے دوسرے جرم کا ذکر ہے **عتو** بنا ہے **عتو** سے ۔ بمعنی سرکشی یا مقابلہ یعنی پہلے تو وہ بزرگوں کی وعظ و نصیحت سے صرف لاپرواہ رہے ہم نے انہیں ڈھیل دی جب انہوں نے اس ڈھیل سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور ناصحین کا مقابلہ کیا اپنے جرم کو اچھا کہا ان کے وعظ و نصیحت کو برا۔ لہٰذا نسیان اور سرکشی میں فرق ظاہر ہے۔ نسیان یعنی بے پرواہی گناہ کی پہلی سیڑھی ہے اور سرکشی و طغیان آخری سیڑھی خیال رہے کہ **عما نھو** میں **ترک** پوشیدہ ہے اصل عبارت یوں ہے **عن ترک ما نھو عنہ** کیونکہ شکاریوں نے شکار کے چھوڑنے سے سرکشی کی نہ کہ شکار سے یعنی شکار چھوڑنے میں اپنی ذلت اور بے عزتی سمجھی شکار پر فخر کرنے لگے (معانی) **قلنا لھم کونوا قردۃ خسئین** یہ عبارت **فلما عتوا** کی جزا ہے **قلنا** میں قول سے مراد تکوینی فرمان ہے جیسے **اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون** میں قول سے مراد تکوینی قول یعنی ارادہ کرنا چاہنا ہے یعنی ہم نے ارادہ فرما لیا چاہ لیا کہ وہ بندر ہو جائیں قول تکلیفی مراد نہیں (معانی و کبیر وغیرہ) **قردۃ** جمع ہے اور واحد مذکر **قرد** ہے اس کا مونث **قردۃ** ہے **د** کے سکون سے اس کی جمع **قردۃ** ہے **ق** کے کسرہ اور **د** کے فتح سے جیسے قربۃ کی جمع قرب ہے (روح البیان) قرد معنی نر بندر اور قردہ معنی مادہ بندریا **خاسئین** بنا ہے خساء سے ۔ بمعنی دور کانا رحمت سے دور کرنا پھٹکارنا خاسئین رحمت الٰہی سے دور ہو جانے والے یہ قردۃ کی صفت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مجرم بندر بنا دئے گئے بعض نے کہا کہ ان کے جوان تو بندر کر دئے گئے اور بوڑھے سور مجاھد کا قول ہے کہ ان کے

دل بندر جیسے نا سمجھ بنا دیئے گئے تبدیلی شکل نہ ہوئی بلکہ تبدیلی دل ہوئی مگر یہ قول بالکل باطل ہے (روح المعانی و تفسیر بیضاوی وغیرہ) خیال رہے کہ بندر سارے جانوروں میں زیادہ سمجھ دار ہوتا ہے آج کل یورپ والے اس سے انسانوں کے کام لیتے ہیں نیز ہر زمانہ میں لاکھوں انسان ایسے ہوتے رہے ہیں جو ہدایت قبول نہیں کرتے پھر صرف ان شکاریوں کے متعلق فرمایا کہ ان کے دل بندروں کے سے نا سمجھ کر دیئے غلط ہے یہ ہی صحیح ہے کہ ان کی شکلیں بندروں کی سی کر دی گئیں سواء مجاہد کے کسی مفسر نے دلی مسخ مراد نہیں لیا۔ خیال رہے کہ بندروں کو لوگ پالتے بھی ہیں ان سے محبت بھی کرتے ہیں مگر وہ لوگ ایسے بندر بنے کہ ان سے کوئی محبت نہ کرے ہر ایک دور دور کرے اس لئے **خاسئین** فرمایا گیا۔ بعض نے فرمایا کہ ان کے جسموں سے ایسی بدبو آتی تھی کہ کوئی انہیں اپنے پاس نہیں ٹھہرنے دیتا تھا بہر حال **خاسئین** فرمانا بالکل درست ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان شکاری مجرمین نے پہلا جرم تو یہ کیا کہ نصیحت کرنے والے واعظین کی نصیحت سے بے پرواہ ہو گئے جب ان کی بے پرواہی حد سے بڑھی ناصحین نصیحت کرتے رہے اور یہ برابر شکار کرتے رہے تو ہم نے نصیحت کرنے والوں کو ان سے بیزار رہنے والوں کو تو عذاب سے محفوظ رکھا اور ظالم شکاریوں کو ان کی نافرمانی پر جمے رہنے کی وجہ سے برے عذاب میں گرفتار کیا۔ بیماری ناداری وغیرہ مگر جب وہ اس پر بھی جرموں سے باز نہ آئے بلکہ وہ حکم خداوندی یعنی شکار کی ممانعت سے اور بھی زیادہ سرکش ہو گئے کہ ناصحین کا مذاق اڑانے لگے اپنے جرم کو اچھا ناصحین کی نصیحت کو غلط سمجھنے لگے تو ہم نے انہیں بندر بنا دینے کا ارادہ فرما لیا چنانچہ ہم نے فرمایا کہ بن جاؤ بندر مگر بندر بھی ایسے نہیں کہ لوگ تم سے محبت کریں، تمہیں پالیں پرورش کریں بلکہ ایسے بندر بنو کہ لوگ تم سے نفرت کریں تم کو دور کاریں اپنے پاس نہ پھٹکنے دیں۔

تفصیلی واقعہ: یہ تو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بنی اسرائیل پر ہفتہ کے دن شکار سخت حرام تھا مگر رب کی طرف سے ان کا سخت امتحان یہ ہوا کہ ہفتہ کے دن تو مچھلیاں، بہت زیادہ سمندر میں نمودار ہوتی تھیں سطح سمندر پر مچھلیوں کے منہ سے سیاہ ہو جاتی تھیں پھر جہاں ہفتہ گزرا کہ مچھلیاں غائب ہو گئیں عرصہ تک تو یہ لوگ صبر کئے رہے پھر ان میں سے ایک آدمی نے ہفتہ کے دن ایک مچھلی پکڑ کر اس کے منہ میں مضبوط دھاگا باندھا اور اسے سمندر میں چھوڑ دیا مگر دھاگا کا دوسرا کنارہ کنارہ سمندر پر ایک کیل سے باندھ دیا جس سے وہ مچھلی بھاگ نہ سکی پھر اسی دھاگے کے ذریعہ اتوار کے دن اسے پکڑ لیا اور غور کیا کہ ہمارے اس کام پر عذاب آتا ہے یا نہیں۔ عذاب کوئی نہ آیا تو اگلے ہفتہ دو مچھلیاں اس طرح شکار کیں پھر بھی عذاب نہ آیا جب انہیں عذاب نہ آنے کا یقین ہو گیا تو عام طور پر لوگ اسی دھاگہ کے ذریعہ شکار کرنے لگے اور مچھلی کی تجارت خوب چمک گئی پھر انہوں نے خیال کیا کہ دھاگہ سے شکار کرنے میں دشواری ہوتی ہے تو سمندر کے قریب بڑے بڑے حوض کھودے اور ان کے ذریعہ شکار کرنے لگے جیسا کہ ابھی پچھلی آیتہ میں ذکر کیا گیا۔ ان شکاریوں کی تعداد میں بڑا اختلاف ہے۔ قوی یہ ہے کہ ستر ہزار تھے بستی والے تین گروہ بن گئے دوسرے دو گروہ یعنی ساکتین اور ناصحین ان شکاریوں کے محلوں سے چلے گئے علیحدہ اپنے محلے بنائے بیچ میں دیوار کھینچ لی ایک دن ان لوگوں نے دیکھا کہ دیوار کے پیچھے سے نہ تو کوئی نکلا نہ ان کے محلوں میں کچھ کاروبار ہو رہا ہے نہ چہل پہل ہے نہ کسی کی آواز تب یہ دونوں جماعتیں دیوار پر چڑھیں دیکھا کہ اس طرف نرے بندر بھرے پڑے ہیں، جو چو طرفہ دوڑتے پھرتے ہیں انہیں دیکھ کر وہ ان کے پاس دم ہلاتے آنکھوں سے آنسو بہاتے آئے ان لوگوں نے کہا کہ بولو ہم تم کو منع کرتے تھے تم سے

بیزار تھے مگر تم نے ہماری ایک نہ مانی یہ بندر سمجھتے جانتے پہچانتے تھے مگر منہ سے کچھ بول نہ سکتے تھے آخر کار تین دن کے بعد ہلاک کر دیئے گئے یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا (تفسیر روح المعانی و روح البیان وغیرہ)۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** شکاری اسرائیلیوں نے دو جرم کئے تھے جن کی انہیں دو سزائیں ملیں پہلا جرم تو یہ کہ انہوں نے ناصحین کی نصیحت کی پرواہ نہیں کی ان کی باتوں پر کان نہیں دھرا اس کی سزا میں ان پر بیماری قحط وغیرہ آئیں مگر ان سے ماعین و ساکتین محفوظ رہے دوسرے یہ کہ بعد میں ان شکاریوں نے اپنے جرم کو اچھا سمجھا ماعین کا مذاق اڑایا ان کے فرمان کو غلط جانا اس کی سزا میں وہ سارے کے سارے بندر بنا دیئے گئے یہ فائدہ **فلما نسوا** اور **فلما عتوا** میں دو جگہ **لما** فرمانے سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی اس آیت کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ مجرم کو جلد نہیں پکڑتا پہلے بہت ڈھیل دیتا ہے جب مجرم کا پیالہ بھر جاتا ہے تب پکڑتا ہے یہ فائدہ **قلنا لھم** سے حاصل ہوا انسان کو چاہئے کہ رب تعالیٰ کی ڈھیل سے دھوکہ نہ کھائے بلکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گناہوں پر انسان کو نعمتیں ملتی ہیں وہ نعمتیں رب تعالیٰ کے سخت عذاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے فرماتا ہے **فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شیء۔** **تیسرا فائدہ:** جو شخص گناہوں اور گنہگاروں دونوں سے الگ رہے انشاء اللہ وہ عذاب سے محفوظ رہے گا یہ فائدہ **انجینا الذین ینھون** سے حاصل ہوا اہل بروں کے ساتھ رہنا خطرناک ہے۔ **چوتھا فائدہ:** شکل و صورت کی تبدیلی جسے مسخ کہتے ہیں ممکن بلکہ واقع ہے یہ فائدہ **کونوا قردۃ** " سے حاصل ہوا لیکن تبدیلی روح ناممکن ہے یعنی روح انسانی جسے نفس ناطقہ کہتے ہیں اس میں تبدیلی ناممکن ہے یعنی روح انسانی بندر کی روح نہیں بن سکتی جسے اواگون کہتے ہیں اواگون کا عقیدہ کفر ہے دن رات شکل کی تبدیل ہوتی رہتی ہے جسم انسانی قبر میں مٹی بن جاتا ہے ہوا پانی اور پانی ہوا یوں ہی آگ ہوا اور ہوا آگ بن جاتے ہیں ان سب میں تبدیلی جسم ہے اور تبدیلی روح نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن جاتی تھی اور پھر سانپ لاٹھی۔

مسئلہ: جو لوگ جانوروں کی شکل میں مسخ ہوئے وہ انسانوں کی سی سمجھ بوجھ رکھتے تھے اپنے عزیزوں کو پہچانتے تھے ان کی باتیں سمجھتے تھے ان کو جواب نہیں دے سکتے تھے اگر انہیں یہ چیزیں نہ ہوتیں تو تکلیف انہیں قطعاً محسوس نہ ہوتی اور بغیر تکلیف عذاب کیسا۔ آریوں کے اواگون میں یہ بات نہیں دنیا میں جو جانور پیدا ہوتے ہیں انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہم کبھی انسان تھے ہمارے یہ جرم تھے ان کی وجہ سے ہم کو یہ سزا ملی۔ **مسئلہ:** جو قوم مسخ ہو جاوے اس کی نسل نہیں چلتی چند روز بعد ہلاک کر دی جاتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے لہٰذا موجودہ بندر اس قوم کی اولاد میں سے نہیں وہ تو فنا کر دی گئی۔ **مسئلہ:** جس مومنہ عورت کا خاوند مسخ ہو جاوے تو اگر مسخ ہو کر پتھر لکڑی بن جاوے تو وہ عورت عدت وفات گزارے اور اگر خاوند جانور بن گیا ہے تو عورت عدت طلاق گزارے اور اگر مسخ ہو کر انسان ہی رہے جیسے حسین تھا بدشکل بن گیا تو نکاح قائم ہے اس مسئلہ کی تفصیل اور دلائل ہمارے فتاویٰ نعیمیہ میں ملاحظہ کرو۔

پہلا اعتراض: ان آیتوں میں دو جگہ **فلما** ارشاد ہوا ہے مع اپنی جزاؤں کے۔ بتایا جاوے کہ ان شکاری مجرموں پر نسیان کا عذاب کیا آیا اور سرکشی کا عذاب کیا آیا۔ **جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس کے متعلق مفسرین کی دو تفسیریں ایک یہ کہ

دونوں جرموں کی سزا آخر میں ایک ہی دی گئی یعنی بندر بنادینا اس صورت میں **فلما عتوا** پہلی آیتہ کی تفسیر یا تفصیل ہے دوسرے یہ کہ پہلے جرم یعنی نسیان کی سزا اجمالاً بیان ہوئی۔ بیماری قحط یا اور کوئی رنج و غم وغیرہ اور سرکشی کی سزا بندر بنادینا۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہے **فلما نسوا** جب وہ بھول گئے یہ لوگ بھولے کیسے ناصحین تو برابر ان کے وعظ و نصیحت کرتے تھے نیز بھول چوک پر سزا نہیں دی جاتی بھول اور خطا معاف ہے پھر انہیں بھول پر سزا کیوں دی گئی۔ **جواب**: ابھی ہم نے تفسیر میں عرض کیا کہ یہاں نسیان ۔ بمعنی لاپرواہی ہے یا لاپرواہی سے بھلادینا لہٰذا یہ دونوں اعتراض اس پر وارد نہیں ہوتے۔ خیال رہے کہ بھول اور خطا کی معافی اسلامی قانون ہے گزشتہ دینوں میں ان پر بھی پکڑ تھی۔ **تیسرا اعتراض**: ان آیتوں میں دو جماعتوں کا ذکر ہوا منع کرنے والوں کی نجات اور شکار کرنے والوں کی سزا تیسری جماعت یعنی خاموش رہنے والی جماعت کا کیا حال ہوا۔ **جواب**: قوی یہ ہے کہ ان کی بھی نجات ہو گئی وہ بھی **ینهون عن السوء** کی جماعت میں داخل ہیں گناہ سے منع کرنا تین طرح کا ہوتا ہے ہاتھ سے 'زبان سے 'دل سے یعنی دل سے بیزار ہونا متنفر ہونا۔ خیال رہے کہ عام مفسرین محدثین صحابہ کا یہ ہی قول ہے کہ ساکتین نجات پاگئے۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس اولاً تو فرماتے تھے کہ وہ بھی گرفتار عذاب ہوئے پھر اس بارے میں خاموشی اختیار فرمائی پھر رجوع فرماکر یہ ہی فرمایا کہ ان کی بھی نجات ہو گئی۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ ہم نے ان سے فرمایا کہ بندر بن جاؤ۔ کیا وہ خود اپنے ارادے سے بندر بنے اگر بنے تو یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ یہاں **قلنا** سے شرعی حکم مراد نہیں بلکہ تکوینی حکم مراد ہے یعنی ارادہ فرمالینا جیسے **ان یقول له کن فیکون** لہٰذا اس میں نہ تو ان سے خطاب ہے نہ ان کے اختیار کو دخل۔ **پانچواں اعتراض**: ان لوگوں کے دل بندروں کی طرح بے سمجھ کردیئے گئے تھے نہ کہ ان کی صورتیں بندروں کی سی ہو گئیں یہ تو ہو نہیں سکتا (مرزائی وغیرہ)۔ **جواب**: یہ اس آیتہ کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ قرآنی آیات قرآنی الفاظ کو ظاہری معنی سے پھیرنا بلا سخت ضرورت جائز نہیں ورنہ شریعت ہی ختم ہو جاوے گی صلوۃ و صوم' حج و زکوۃ کے الٹے پلٹے معنی کرلو۔ ساری عبادات ختم ہو گئیں۔ دوسرے یہ کہ بندر بے وقوف نہیں ہوتا وہ تو سارے جانوروں سے زیادہ چالاک ہوتا ہے تیسرے یہ کہ بے وقوف تو پہلے ہی تھے پھر اب ان کو بے وقوف بنانے کے کیا معنی۔ چوتھے یہ کہ پہلے بھی اور بعد میں بھی کفار نا سمجھ ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے پھر خصوصیت سے ان کے متعلق فرمانا کہ بندر ہو جاؤ کیونکر درست ہوا۔ **چھٹا اعتراض**: انسان کا بندر بن جانا غیر ممکن ہے اگر وہ لوگ واقعی بندر بن گئے تھے تو آریوں کا آواگون کا عقیدہ درست ہے کہ پہلے سارے انسان ہی تھے بعد میں اپنے اعمال کے مطابق مختلف جانور بن گئے جو آج نظر آرہے ہیں اب بھی انسان جیسے عمل کرے گا ویسی ہی جون میں آوے گا۔ **جواب**: مسخ صورت بالکل حق ہے اور آواگون بالکل باطل۔ چند وجہوں سے ایک یہ کہ مسخ میں صرف صورت کی تبدیلی ہوتی ہے جو کہ ممکن بلکہ واقع ہے اور آواگون میں تبدیلی روح کی ہوتی ہے جو کہ ناممکن ہے۔ دوسرے یہ کہ مسخ میں ممسوخ کی نسل نہیں چلتی مگر آواگون میں اس جانور کی نسل چلتی ہے۔ تیسرے یہ کہ مسخ میں ممسوخ کو اپنی پچھلی زندگی اس زندگی کے حالات یاد ہوتے ہیں جن پر وہ پچھتاتا اور تکلیف محسوس کرتا ہے لوگوں کی باتیں سنتا سمجھتا ہے مگر بول نہیں سکتا مگر آواگون میں یہ کوئی بات نہیں لہٰذا مسخ تو جرم کی سزا بن سکتی ہے مگر آواگون سزا نہیں بن سکتی۔ چوتھے یہ کہ مسخ میں شکل کی تبدیلی قدرتی طور پر معجزانہ انداز سے ہوتی ہے کہ

جسم انسانی جسم حیوانی بن جاتا ہے مگر آواگون میں قانونی طور پر یہ تبدیلی ہوتی ہے کہ جسم انسانی تو فنا ہو گیا پھر نر و مادہ جانور کے ذریعہ بچہ پیدا ہوتا ہے بعد میں جوان و بوڑھا یہ محض باطل پانچویں یہ کہ اگر آواگون حق ہو تو چاہیے تھا کہ دنیا میں انسان برابر گھٹتے رہتے کیونکہ انسان ہی تو جانور بن کر آرہے ہیں اور اس مناسبت سے جانور بڑھتے رہتے مگر ہو یہ رہا ہے کہ انسان برابر بڑھ رہے ہیں تو پھر جانور کہاں سے آرہے ہیں۔ چھٹے یہ کہ اگر بدکار انسان اپنے گناہوں کی وجہ سے جانور بن کر آتے ہیں تو بتاؤ کہ وہ نیک کار انسان جنہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہمیشہ اچھے اعمال ہی کئے جیسے نبی ولی یا تمہارے رشی منی مرنے کے بعد کس شکل میں دنیا میں آتے ہیں ایسی زندگی دکھاؤ جس میں خالص عیش ہو تکلیف کا شائبہ بھی نہ ہو دنیا میں ایسی زندگی کوئی نہیں شاہ سے لے کر گدا تک سب ہی رنج و غم میں مبتلا رہتے ہیں لہذا دنیا دار العمل ہے دار الجزاء نہیں آخرت دار الجزاء ہے جہاں تکلیف بھی خالص ہے آرام بھی خالص۔ **ساتواں اعتراض**: مسخ کفر پر ہی ہوتا ہے یا گناہوں پر بھی ہوتا ہے۔ **جواب**: مسخ ایک طرح کا دنیاوی غیبی عذاب ہے اور عذاب الہی نبی کو رنج و غم پہنچانے سے آتا ہے خواہ وہ کفر پر غم کریں یا گناہ پر قارون بظاہر مومن تھا صرف زکوۃ نہیں دیتا تھا مگر موسیٰ علیہ السلام کو اس سے غم ہوا تو قارون زمین میں دھنسا دیا گیا۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد تا دلے صاحب دلے نہ آمد بدرد!

قوم شعیب کم تولنے پر قوم لوط اغلام کرنے پر ہلاک کی گئی یہ چیزیں گناہ ہیں مگر چونکہ ان سے نبی کو دکھ پہنچا تو عذاب آگیا۔ **آٹھواں اعتراض**: اگر خاوند مسخ ہو جاوے بیوی ہو تو اس کا نکاح باقی رہے گا یا نہیں اگر نہیں تو عورت عدت وفات گزارے یا عدت طلاق۔ **جواب**: اگر خاوند مسخ ہو کر انسان ہی رہے مثلاً خوبصورت تھا گناہوں کی وجہ سے بد شکل ہو گیا تو نکاح قائم ہے اور اگر انسان کی شکل پر نہ رہے تو اگر بے جان لکڑی پتھر بن گیا ہے تو عورت عدت وفات گزارے جیسے اساف کو پتھر بنا دیا گیا تھا اور اگر جانور بن گیا ہے تو چونکہ وہ غیر جنس ہو گیا اور غیر جنس سے انسان کا نکاح نہ تو منعقد ہوتا ہے نہ باقی رہتا ہے لہذا یہ نکاح فسخ ہو گیا اور فسخ نکاح کی عدت طلاق کی ہے۔ خیال رہے کہ نہ تو حضرت سلیمان کا نکاح جناتی سے ہوا تھا نہ حضرت علی کا یہ سب غلط محض ہے انسان کا نکاح بکری گائے بھینس جناتی وغیرہ سے نہیں ہو سکتا کہ وہ غیر جنس ہیں۔ **نواں اعتراض**: یہاں قردۃ کے ساتھ **خاسئین** کا ذکر کیوں ہوا جب وہ بندر بنا دیئے گئے تو دھتکارے ہوئے خود ہی ہو گئے۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں دیا گیا کہ بندروں کو بعض لوگ پال لیتے ہیں ان کی خاطر کرتے ہیں مگر وہ ایسے بندر بنے کہ ان کے پاس کوئی آدمی ٹھہر نہیں سکتا تھا ان میں سخت بدبو تھی لہذا انہیں ہر ایک دھتکارتا ہی تھا کوئی انہیں اپنے پاس نہیں ٹھہرنے دیتا تھا اس لئے فرمایا **خاسئین**۔

تفسیر صوفیانہ: مسخ صورت اللہ کا عذاب ہے مگر مسخ سیرت یعنی دل مسخ کر دینا اس سے بدتر عذاب ہے یہ عذاب تاقیامت آتا رہے گا کہ انسان کا دل اچھائی سے برائی کی طرف مائل ہو جاوے ان اسرائیلیوں نے ناجائز طور پر مچھلی کھائی تو مسخ صورت کے عذاب میں گرفتار ہوئے جو کوئی ناجائز طور پر کسی انسان کی جان یا مال کا شکار کرے اس کا دل مسخ ہو جاتا ہے جسم انسانی گویا ایلہ بستی ہے جو بشریت کے دریا کے کنارہ واقع ہے انسانی صفات گویا اس بستی کے باشندے ہیں یہ صفات انسانی تین قسم کے ہیں۔ صفات روحانی۔ صفات جنانی (قلبی) صفات نفسانی۔ ان سب کو بشری دواعی کے شکار سے منع کیا گیا یہ صفات کی تین قسمیں ہو گئیں صفات روحانیہ تو اس شکار سے باز رہے بلکہ دوسروں کو منع بھی کرتے رہے اور جنانی صفات خاموش رہے مگر نفسانی

صفات نے یہ شکار کرلیا اور کر رہے ہیں۔ اے انسان یہ شکار دن رات خود تیرے اندر ہو رہا ہے اپنا انجام سوچ لے۔ جس پر صفات نفسانی کا غلبہ ہے اس کے لئے ہلاک ہے۔ جس پر روحانی صفات کا غلبہ ہے اس کے لئے درجات ہیں اور جس پر جنانی صفات کا غلبہ ہے ان کے لئے درکلت میں مولانا فرماتے ہیں۔

نفس تو تا مست و تازہ و فرید ۔۔۔ وانکہ روحت خلسہ غیبی ندحد
کہ علاما تست زاں دیدار نور ۔۔۔ التجا فی منک عن دارالغرور

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ
اور جب اطلاع دی رب نے تمہارے البتہ ضرور بھیجے گا اوپر ان کے روز قیامت تک اسے جو چکھائے گا انہیں
اور جب تمہارے رب نے حکم سنا دیا کہ ضرور قیامت کے دن تک ان پر ایسے کو بھیجتا رہوں گا جو

سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾
سختی عذاب کی تحقیق رب تمہارا البتہ جلد عذاب والا ہے اور تحقیق وہ البتہ مغفرت والا رحم والا ہے
انہیں بری مار چکھائے بیشک تمہارا رب ضرور جلد عذاب والا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں یہود کی بد عملیوں ان کی سرکشیوں کا ذکر ہوا اب ان کی دائمی ذلت و خواری کا تذکرہ ہے گویا وقتی بد عملیوں کے ذکر کے بعد دنیاوی دائمی سزا کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں یہود کی وقتی سزا کا ذکر ہوا یعنی ان کا بندر بن جانا اور ہر طرف سے پھٹکار اجانا اب ان کی دائمی سزا یعنی تا قیامت ذلت و خواری کا تذکرہ ہو رہا ہے گویا بتایا یہ جا رہا ہے کہ ان کی دنیاوی سزا اس وقت ختم نہیں ہو گی بلکہ ان کی قوم پر ابد الاباد تک پھٹکار پڑتی رہے گی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں یہود کے مخصوص عذاب کا ذکر تھا یعنی خاص جماعت کے عذاب کا اب ان پر عمومی عذاب کا تذکرہ ہے یعنی ساری قوم پر لعنت و پھٹکار کا۔

تفسیر: **واذ تاذن ربک** یہ جملہ نیا ہے لہذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور **اذ** سے پہلے **اذکر** فعل پوشیدہ ہے یعنی اے محبوب آپ موجودہ بنی اسرائیل سے یا مومنین سے یا تمام لوگوں سے تذکرہ کرو **تاذن** بنا ہے **اذن** سے ۔ بمعنی اطلاع باب تفعل باب افعال کے معنی میں ہے یعنی آذن 'اعلان عام فرمایا سب کو اطلاع دے دی جیسے **توعد** بمعنی **ایعاد** آتا ہے (بیضاوی وغیرہ) یا بنا ہے **اذن** ۔ بمعنی ارادہ سے یعنی رب تعالی نے ارادہ فرمایا اپنا ذکر **ربک** سے فرمایا تاکہ حضور ﷺ کی قدر و منزلت اور آپ کی محبوبیت معلوم ہو کہ رب تعالی اپنا ذکر اپنے محبوب کے پتہ سے فرماتا ہے اس میں اور بہت حکمتیں ہیں غالبا" رب تعالی کا یہ اعلان زبور" انجیل اور انبیاء کرام کی معرفت کیا گیا تھا **لیبعثن علیھم** یہ **اذ تاذن** کا جواب ہے **اذ تاذن** میں قسم کے معنی تھے یہ قسم کا جواب ہے **یبعثن** بنا ہے بعث سے اگر اس کے بعد **فی** یا **الی** ہو تو پیغام بری یا رحمت کے لئے بھیجنا مراد ہوتا ہے جیسے

ابعث فیھم رسولا اور اگر اس کے بعد **علیٰ** ہو تو قہر و غضب کے لئے مسلط کرنا مراد ہوتا ہے یہاں یہ ہی مراد ہے **ھم** سے مراد نہ تو بندر بن جانے والے یہودی ہیں کہ ان کی نسل ہی نہ چلی نہ وہ خود زندہ رہے اور نہ ناصحین اور ساکتین اور بنی اسرائیل مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ ان پر تو رب تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوئیں بلکہ اس سے مراد ان کے ہم قوم یہودی ہیں تاقیامت جیسا کہ **اگلے** مضمون سے ظاہر ہے **الیٰ یوم القیمۃ** یہ عبارت متعلق ہے **لیبعثن** کے اور **یوم القیمۃ** سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا زمانہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری قیامت کی بڑی علامت ہے اس وقت سے گویا قیامت شروع ہو جاوے گی کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام یہود کیا سارے کفار کو فنا کر دیں گے صرف اسلام باقی رکھیں گے لہٰذا یہود پر سخت سلاطین مقرر ہوتے رہیں گے جن کے درمیان وقفے ہوا کریں گے کیونکہ **یبعثن** استمرار کے لئے ہے جیسے ہم کو رونا آیا کرتا ہے یا آتا رہتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر آن آتا ہے **من یسومھم سوء العذاب** یہ **یبعثن** کا مفعول ہے **من** سے مراد بادشاہ سلاطین ہیں **یسوم** بنا ہے **سوم** سے بمعنی چکھانا سے مگر ہر چکھانے کو **سوم** نہیں کہتے بلکہ ناقابل برداشت چیز کی پر ڈالنے کو **سوم** کہا جاتا ہے اسی لفظ کی تحقیق ہم پہلے پارہ میں **یسومونکم سوء العذاب** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ **سوء العذاب** سے مراد وہ دنیاوی سختیاں ہیں جو یہود کی طاقت سے زیادہ ہوں جیسے قتل، قید ان پر جزیہ مقرر کرنا انہیں غلام بنا کر رکھنا چنانچہ یہود پر حضرت سلیمان علیہ السلام سلطان مقرر ہوئے ان کے بعد **بخت نصر، سنجاریب** پھر رومی سلاطین پھر مجوسی سلاطین حتیٰ کی حضور انور کے زمانہ تک یہود مجوسیوں کے باج گذار رہے۔ پھر حضور ﷺ پھر حضرت عمر ﷺ کہ حضور انور نے انہیں مدینہ منورہ سے خیبر کی طرف نکالا پھر حضرت عمر نے خیبر سے بھی نکالا یا اب ہمارے زمانہ میں ہٹلر نے جرمنی سے یہود کو نکالا ان کی حرکتیں ہی ایسی ہیں کہ کوئی سلطنت انہیں اپنے ملک میں رکھنے پر آمادہ نہیں ہوتی اب امریکہ بلکہ کسی بھی سلطنت نے انہیں اپنے ملک میں نہ رکھا بلکہ انہیں فلسطین میں مسلمانوں کے سینہ پر بسایا جو اب مسلمانوں کے لئے ناسور بن گئے انشاء اللہ یہ واقعات یہود کی کسی بھی ذلت کا پیش خیمہ ہیں۔ اللہ سچا اس کے رسول سچے قرآن سچا اس کے وعدے سچے مگر شعر:۔

اے رضا ہر کام کا ایک وقت ہے ۔۔۔ دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

یہ تو یہود کے دنیاوی عذاب کا ذکر تھا ان کے اخروی عذاب کے متعلق ارشاد ہے **ان ربک لسریع العقاب** عذاب آخرت یہود پر اس دنیاوی عذاب کے علاوہ ہو گا جو ان کی موت سے شروع ہو گا عذاب موت پھر عذاب قبر پھر عذاب حشر پھر عذاب صراط، پھر عذاب دوزخ پچھلے عذاب تو ہوتے اور ختم ہوتے رہیں گے عذاب دوزخ دائمی ہو گا یہ نہ سمجھو کہ یہ واقعات دور ہیں نہیں بلکہ قریب ہیں قیامت قریب ہے اللہ حسیب ہے لیکن یہ تمام رسوائیاں ذلت سخت سزا بھی ان کے لئے کہ جو کفر پر مر جاویں لیکن جو یہود ایمان قبول کر لیں تو **وانہ لغفور رحیم** اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے ان کے سارے گذشتہ گناہ معاف فرما دے گا اور وہ رحیم بھی ہے انہیں آئندہ اپنی رحمتوں کرم نوازیوں سے نوازے گا لہٰذا ابھی کچھ بھی نہیں بگڑا ہے توبہ کریں۔ شعر

در عفو باز است اکنوں بکوب ۔۔۔ کہ سودے نہ دارد فغان زیر چوب

مغفرت و رحمت یوں ہی غفار اور غفور میں فرق ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہ آیت عذاب و ثواب کی جامع ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ آپ اپنے زمانہ کے یہود کو یا سارے لوگوں سے ذکر کر دیں کہ سرکش بنی اسرائیل کے

عذابوں کا سلسلہ اس مسخ پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ نبیوں ان کے صحیفوں ان کی کتابوں کے ذریعہ اعلان فرما دیا تھا کہ چونکہ یہ لوگ عادی مجرم ہیں اس لئے تاقیامت ان پر سخت بادشاہ مسلط ہوتے رہیں گے جو انہیں سخت تکالیف دیا کریں گے۔ قتل 'غارت' دیس نکالا 'غلام بنانا ان پر جزیے مقرر کرنا ان سے سخت تر کام لینا وغیرہ چنانچہ ان پر بخت نصر جیسے بادشاہ مسلط ہوئے جنہوں نے انہیں تباہ کر کے رکھ دیا یہ سلسلہ وقفہ وقفہ سے تاقیامت یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری تک رہے گا پھر یہ دنیاوی عذاب ہی انہیں نہ ہوں گے موت و قبر و حشر کے عذاب اس کے علاوہ ہیں ان عذابوں کو وہ دور نہ سمجھیں اللہ تعالیٰ جلد عذاب دینے والا ہے لیکن اگر یہ توبہ کریں تو ہم ان کے سارے گناہ بھی معاف کردیں گے اور ان پر رحم و کرم کی بارشیں بھی فرمائیں گے کیونکہ ہم غفور بھی ہیں رحیم بھی۔ یہاں تفسیر صاوی نے لکھا کہ بخت نصر مثلاً "**بعلبک**" کے 'دو اسموں سے مرکب ہوا ہے بخت - معنی بیٹا نصر ایک بت کا نام تھا اس کی ماں اسے جن کر نصرت کے پاس ڈال گئی تھی لوگوں نے اسے وہاں سے پایا اس لئے اسے بخت نصر یعنی نصرت کا بیٹا کہنے لگے۔ یہ **بعلبک** کی طرح غیر منصرف ہے **علمیت** اور ترکیب منع صرفی کی وجہ سے (تفسیر صاوی) یہ ساری دنیا کا بادشاہ ہوا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** شخصی یا قومی ماتحتی غلامی اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اور آزادی خود مختاری اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے یہ فائدہ **لیبعثن علیہم** سے حاصل ہوا کہ یہود پر خدا کا عذاب یہ بیان ہوا کہ وہ ہمیشہ دوسری قوموں کے رعایا بن کر رہیں گے مگر خیال رہے کہ آزادی اور بے قیدی میں بڑا فرق ہے آزادی رحمت ہے اور بے قیدی عذاب۔ **دوسرا فائدہ:** ظالم بادشاہ ظالم حکام کا تسلط اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جس سے سرکشوں کو سزا دی جاتی ہے۔ حضرت سعدی فرماتے ہیں۔ شعر:

چوں خواہد کہ ویراں کند عالمے نہد ملک درپنجہ ظالمے!

یہ فائدہ **یسومہم سوء العذاب** سے حاصل ہوا یہود پر **بخت نصر 'سنجاریب** سلاطین روم مسلط ہوئے ان کے جرموں کی پاداش میں۔

حکایت: کسی شخص نے ایک پرچہ حجاج ابن یوسف کو کسی ذریعہ سے پہنچایا جس میں لکھا تھا حجاج عمر اے حجاج تو حضرت عمر بن جا حجاج نے ہنس کر جواب دیا کہ **تبذر و تعمر**۔ تم ابوذر غفاری بن جاؤ میں عمر بن جاؤں گا۔ خیال رہے کہ نیک لوگوں پر ظالم حاکم مقرر ہونا رب کا امتحان ہے جس کی وجہ سے وہ صبر کریں اور اجر پائیں ایک ہی چیز گنہگاروں کے لئے عذاب ہوتی ہے نیک کاروں کے لئے رحمت لہٰذا آیت واضح ہے جیسے طاعون۔ **تیسرا فائدہ:** یہود کے متعلق فیصلہ الٰہی ہو چکا ہے کہ وہ تاقیامت سخت گیر سلاطین حکام کے پنجہ میں پھنستے رہیں گے اگر کبھی انہیں سلطنت دی گئی تو وہ ایک عارضی چیز ہوگی آخر کار پھر محکومیت یہ فائدہ **الی یوم القیمۃ** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** کبھی باپ دادوں کی سرکشی کا نتیجہ اولاد کو بھی بھگتنا پڑتا ہے خصوصاً جبکہ اولاد ان سے راضی ہو دیکھو ہفتہ کو شکار کیا خاص ایلہ والوں نے مگر اس کی یہ سزا تاقیامت ان کے ہم قوم اسرائیلی بھگتیں گے یوں ہی کبھی نیک کار باپ دادوں کی نیکی کا نتیجہ ان کی اولاد کو بھی مل جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے **وکان ابوہما صالحا**" **پانچواں فائدہ:** بنی اسرائیل پر دنیا کے یہ مذکورہ عذاب ان کی پوری سزائیں بلکہ انہیں آخرت میں بھی دوزخ کی سزا دی جاوے

کی یہ فائدہ **لسریع العقاب** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا یوں ہی نیک مومن کو کبھی دنیا میں بھی آرام مل جاتے ہیں مگر یہ آرام اس کو پورا انعام نہیں پورا انعام تو آخرت میں ملے گا۔ **چھٹا فائدہ:** بڑے سے بڑا مجرم اگر توبہ کرے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں توبہ وہ صابن ہے جس سے میلا دل پاک و صاف ہوتا ہے یہ فائدہ **وانہ لغفور رحیم** سے حاصل ہوا مگر خیال رہے کہ جیسا گناہ ویسی توبہ اس کی تفصیل ہم اس تفسیر میں توبہ کے بیان میں کر چکے ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ تعالٰی ایسا کریم و رحیم ہے کہ توبہ کرنے والوں کے صرف گناہ ہی معاف نہیں فرماتا بلکہ اس کے علاوہ اپنی رحمتوں کی بارشیں بھی کرتا ہے یہ فائدہ غفور کے بعد رحیم فرمانے سے حاصل ہوا ہم نے عرض کیا ہے۔ شعر

اے کریم از ما جفا از تو وفا اے رحیم از ما خطا از تو عطا!

پہلا اعتراض: اس آیت معلوم ہوا کہ ایلہ کے باشندے جو بندر بنا دیئے گئے تھے ان کی نسل چلی اسی نسل پر تاقیامت سخت گیر بادشاہ مسلط ہوں گے ورنہ **لیبعثن علیھم** فرمانا کیسے درست ہوا۔ **جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ **لیبعثن علیھم** میں **ھم** سے مراد ایلہ والے لوگ نہیں بلکہ ان کے ہم قوم یہود ہیں اگر ان مسخ شدہ لوگوں کی نسل چلتی تو وہ بندر ہی ہوتی بندروں پر سخت بادشاہ مقرر ہونے کے کیا معنی ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان مسخ شدہ لوگوں کی وہ اولاد جو ان کے مسخ ہونے سے پہلے ہو چکی تھی اور وہ شکار سے محفوظ رہی ان پر تاقیامت سخت سلاطین مقرر ہوں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ یہود پر تاقیامت سخت بادشاہ مقرر ہوں گے جو انہیں بہت سخت تکالیف دیں گے مگر قیامت سے پہلے دجال کے ساتھ یہود ہوں گے جنہیں دجال کی وجہ سے بہت ہی ترقی ہو گی پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** وہ یہود دجال کی پیروی کر کے یہود نہ رہیں گے بلکہ دجال کو خدا مان کر اپنے مذہب سے نکل جائیں گے ان کی ترقی یہود کی ترقی نہیں بلکہ دجال کے گروہ کی ترقی ہو گی پھر وہ ترقی بھی محض دھوکہ اور عارضی ہو گی چالیس دن کے بعد حضرت عیسی علیہ السلام اور مومنین کے ہاتھوں سارے قتل کر دیئے جائیں گے نہایت خواری سے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہود قیامت تک دوسروں کے ماتحت رہیں گے مگر آج فلسطین میں یہود کی بادشاہت قائم ہو گئی اور وہ مسلمانوں کے لئے ناسور بن گئے ہیں انہوں نے مسجد اقصی کا حصہ جلا دیا قرآن مجید کی یہ خبر درست نہیں ہوئی۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ ان کی یہ سلطنت شان و شوکت محض عارضی اور چند روزہ ہے اور اب بھی انہیں چین نصیب نہیں اور اب ساری دنیا کے یہودی فلسطین میں جمع ہو رہے ہیں اور وہاں ہی آباد ہو رہے ہیں تاکہ یہاں ہی آسانی سے فنا کئے جاسکیں ان کی یہ سلطنت ان کے دنیا سے سمٹ آنے یہاں جمع ہو جانے کا ذریعہ ہے پھر ان کا یہ اجتماع ان کی مکمل تباہی کا ذریعہ ہو گا حدیث شریف میں یہود کے عروج اور پھر زوال کی خبریں موجود ہیں اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان پر سخت سلاطین مقرر کرتے رہیں گے یہ سلسلہ قائم رہے گا درمیان میں وقفہ بھی ہو اکرے گا اللہ تعالٰی اس گنہگار کا یہ خیال صحیح کر دے اور میں اپنے کانوں سے ان ظالموں کی تباہی و بربادی سن لوں اس وقت عرب پر یہود نے بہت ظلم کئے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** دنیا میں یہ اتار چڑھاؤ تو ہر قوم کے لئے ہے کبھی عروج کبھی زوال پھر اس میں یہود کی کیا خصوصیت جس کی وجہ سے ان کے متعلق فرمایا **لیبعثن علیھم** دیکھو تقریباً ڈیڑھ سو سال ہندوستان کے مسلمان انگریزوں کے غلام رہے اب آزاد ہوئے اور پاکستان بنا ہندوستان کے مسلمان اب بھی ہندوؤں کے غلام ہیں رب فرماتا ہے **و**

تلک الایام نداولھا بین الناس۔ **جواب**: مومنوں کے لئے غلام بننا ان کی عارضی حالت ہے. جو ان کی اپنی غلطیوں نااتفاقیوں غفلتوں عیاشیوں کا نتیجہ ہے ان کا اصل حال بفضلہ تعالیٰ سلطنت ہے **وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین** پھر اس گئے گزرے زمانہ میں بھی مسلمان شخصی طور پر غلام ہیں قومی لحاظ سے اب بھی سلطان ہیں بیس سے زیادہ حکومتیں مسلمانوں کی اب بھی ہیں **اقامھا اللہ وادامھا** یہود کی سلطنت عارضی ہے ان کا اصل حال غلامیت ہے نیز ان کی سلطنت شخصی ہے اور غلامیت قومی اس عارضی سلطنت کا حال انشاء اللہ عنقریب معلوم ہو جاوے گا اللہ تعالیٰ سچا ہے اس کے رسول سچے غلطیاں ہماری اپنی ہیں۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت کے آخر میں عتاب کو مغفرت و رحمت کے ساتھ جمع کیوں فرمایا اجتماع ضدین کی طرح معلوم ہو رہا ہے۔ **جواب**: اللہ تعالیٰ سرکش کفار کے لئے سریع العقاب ہے اور مومنوں کے لئے غفور رحیم مقصد یہ ہے کہ اے یہودیو اگر تم یہودی رہے تو ہم تمہارے لئے سریع العقاب ہیں اور اگر تم اتنے جرم کرنے کے بعد اب بھی اس رحمت والے رسول پر ایمان لے آؤ تو سب کچھ بخش دیں گے تم پر رحم کریں گے کیونکہ ہم غفور بھی ہیں رحیم بھی۔

تفسیر صوفیانہ: سرکشی وہ خاردار درخت ہے جو بویا جاتا ہے ایک بار مگر کانٹے دیتا ہے ہمیشہ اور رب کی اطاعت و فرمانبرداری وہ باردار درخت ہے جو بویا جاتا ہے ایک بار مگر پھل دیتا ہے بونے والے کی اولاد در اولاد اس کے دوست و احباب اس کے پھل کھاتے رہتے ہیں بنی اسرائیل نے مخالفت انبیاء اور سرکشی کا درخت خاردار بویا اب تاقیامت اس کے کانٹے ان کی نسل کو چبھتے رہیں گے سخت گیر بادشاہوں کا تسلط ہونا ان کی مستقل حکومت قائم نہ ہونا ان کا ذلیل و خوار رہنا ان میں اولیاء صالحین کبھی نہ ہونا یہ سب کچھ اس درخت خاردار کے کانٹے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ شیطان کو قیامت تک زندگی دی گئی تاکہ وہ سرکشوں کو سخت عذاب یعنی رب تعالیٰ سے دوری گمراہی میں پھنسا رہنا عبودیت اور صراط مستقیم سے الگ رہنا وغیرہ چکھاتا رہے اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے کہ وہ مجرموں کو ڈھیل دیتا رہتا ہے تاکہ وہ اور گناہ زیادہ کرلیں یہ ڈھیل اس قہار جبار کا سخت عذاب ہے آخرت کا عذاب دوزخ اس کے علاوہ ہے۔ وہ غفور رحیم بھی ہے کہ جو قلب و روح نفس کی اتباع سے رجوع کرے اللہ کی طرف آئے تو اسے بخش دیتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے دنیا میں مومنوں پر کہ انہیں دنیا میں مختلف بلاؤں آزمائشوں بھوک جان و مال کے نقصان میں مبتلا کرتا رہتا ہے اور غفور رحیم بھی کہ انہیں ان بلاؤں پر صبر کی توفیق دیتا ہے تاکہ یہ بلائیں ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاویں اور یہ دنیا سے پاک و صاف جائیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں شعر:

نہ یوسف کہ چنداں بلا دید بند | جو حکمش رواں گشت و قدرش بلند
گنہ عفو کرد آل یعقوب را | کہ معنی بود صورت خوب را
بکر دار بدشاں مقید نہ کرد | بضاعات مزجات شاں رد نہ کرد
ز لطفت ہمہ چشم داریم نیز | مرا ایں بے بضاعت بہ بخش اے عزیز

یوسف علیہ السلام نے نہ تو اپنے بھائیوں کو جب وہ غلہ لینے آئے قید کیا نہ گذشتہ ظلموں کا ان سے بدلہ لیا نہ ان کی کھوٹی پونجی رد فرمائی اے مولیٰ وہ تو عزیز مصر تو ان کا رب عزیز عالمین ہم بے پونجی والوں کو بھی بخش دے ہمارے کھوٹے اعمال رد نہ فرما ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

کف من الناس جانبا وارض باللہ صاحبا
قلب الناس کیف شئت تجد ہم عقا ربا

دنیاوالوں سے دور رہو اللہ والوں کے ساتھ رہو دنیاوالوں کو الٹ پلٹ کر دیکھو انہیں زہریلے بچھو ہی پاؤ گے۔

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ

اور بکھیر دیا ہم نے ان کو زمین میں جماعت جماعت ان میں سے بعض نیک ہیں اور بعض علاوہ اس کے

اور انہیں ہم نے زمین میں متفرق کر دیا گروہ گروہ ان میں کچھ نیک ہیں اور کچھ اور طرح کے

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

اور آزمائش کی ہم نے ان کی ساتھ اچھائیوں اور برائیوں کے تاکہ وہ لوٹیں

اور ہم نے انہیں بھلائیوں اور برائیوں سے آزمایا کہ وہ رجوع لائیں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں بنی اسرائیل پر بیرونی عذاب کا ذکر ہوا یعنی سخت گیر سلاطین و حکام کا ان پر مسلط ہونا اب اندرونی عذاب کا ذکر ہے یعنی ان کا دنیا میں بکھر جانا ان کا شیرازہ بندھا نہ رہنا گویا بیرونی عذاب کے بعد اندرونی عذاب کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اسرائیلیوں پر ایسے بادشاہ مسلط ہوں گے جو انہیں سخت مار دیں گے اب اس سخت مار کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ ان کو ایک جگہ نہ رہنے دیں گے بلکہ انہیں دیس نکالے دیں گے جس سے یہ لوگ دنیا میں بکھر جائیں گے گویا یہ آیت پچھلی آیت کے اجمال کی تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ جلد سزا دینے والا بھی ہے اور غفور رحیم یعنی بخشنے والا مہربان بھی اب بتایا جا رہا ہے کہ جلد سزا کسے دے گا اور مغفرت و رحمت کس پر کرے گا گویا عذاب ثواب کا ذکر پہلے ہوا اور ان کے مستحقین کا ذکر اب ہو رہا ہے کہ **منھم الصلحون و منھم دون ذلک**

تفسیر: **وقطعنھم فی الارض امما**" یہ جملہ نیا ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **قطعنا** بنا ہے قطع سے ۔ بمعنی کاٹ دینا ٹکڑے ٹکڑے کر دینا بکھیر دینا یہاں تیسرے معنی میں ہے یعنی بکھیر دینا متفرق کر دینا اگرچہ یہ کام گذشتہ سلاطین نے کیا مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے کیا اس لئے اس کی نسبت رب تعالیٰ نے اپنی طرف کی **ھم** کا مرجع سارے اسرائیلی ہیں نہ بندر بن جانے والے کیونکہ وہ تو دنیا میں جیتے ہی نہیں تین دن بعد فنا کر دیئے گئے زمین سے مراد ساری آباد روئے زمین ہے عرب ہو یا عجم یورپ ہو یا ایشیاء **امما**" حال ہے **ھم** ضمیر کا یہ جمع ہے **امۃ** کی امت کے بہت معنی ہیں امام جیسے **ان ابرھیم کان امۃ قانتا للہ حنیفا**" جماعت و گروہ' مخلوق جیسے **الا امم امثالکم** یہاں ۔ بمعنی جماعت ہے بنی اسرائیل تمام روئے زمین پر شخصی طور پر نہ بکھیرے گئے کہ ایک شخص یہیں دوسرا وہیں بلکہ جماعتی طور پر بکھیرے گئے کہ ان کی ایک جماعت کہیں دوسری کہیں ان سب کو یکجا نہ ہونے دیا گیا تاکہ ان میں طاقت و قوت نہ آنے پائے اجتماع میں طاقت ہے یہاں **فی الارض** فرما کر یہ بتایا

کہ ان اسرائیلیوں کا متفرق ہونا صرف عقیدہ میں ہی نہ تھا بلکہ زمینی علاقوں میں بھی تھا کہ ان کے فرقے بھی بہت ہو گئے اور الگ الگ علاقوں میں بٹ بھی گئے سیدنا عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ زمین کا کوئی آباد حصہ مشکل ہی سے ملے گا جس میں یہود کی جماعت نہ ہو ان کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالت بنی اسرائیل کی تاقیامت رہے گی اور ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں گزشتہ حال کا ذکر ہو کہ ہم نے آپ سے پہلے اے محبوب انہیں زمین میں بکھیر دیا تھا لہٰذا حضور انور کے زمانہ میں یا آپ کے بعد اگر ان کا اجتماع کسی جگہ ہو جاوے تو اس فرمان عالی کے خلاف نہیں **منهم الصلحون** یہ عبارت **امما** کی صفت ہے لہٰذا **منهم** کا مرجع وہ ہی امم ہے اور من ۔ بعضیت کیلئے ہے **صالحون** بنا ہے صلاح سے ۔ بمعنی درستی یہاں درستی سے مراد ہے ایمان و اعمال کی درستی یعنی ان اسرائیلی جماعتوں میں بعض لوگ مومن متقی ہیں اس میں گفتگو ہے کہ وہ کون لوگ ہیں بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بعض اسرائیلی ایمان و تقویٰ پر قائم رہے ان میں سے اکثر چھین کے آخری حصہ میں پائے گئے بعض نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حضور انور کی تشریف آوری سے پہلے حضور کی بشارتیں لوگوں کو دیتے تھے اور حضور انور کی تشریف آوری پر حضور پر ایمان لے آئے جیسے سیدنا عبداللہ ابن سلام اور انکے ساتھی اور حضور انور کے بعد حضرت کعب احبار اور ان کے ساتھی جو ایمان و تقویٰ کے اول درجہ میں رہے حضور انور نے جناب ابن سلام کے متعلق فرمایا کہ جسے جنتی آدمی کے دیکھنے کا شوق ہو وہ انہیں دیکھ لے **ومنهم دون ذلك** اس عبارت کی نحوی ترکیب میں بہت ہی گفتگو کی گئی ہے قوی ترکیب یہ ہے کہ **منهم** ایک پوشیدہ لفظ کے متعلق ہو کر خبر مقدم ہے اور **دون ذلك ناس** پوشیدہ کی صفت ہے چونکہ دون ظرفیہ کے لئے لازم ہے نیز اس کا مضاف الیہ **ذلك** مبنی ہے اس لئے اسے نصب ہوا اور نہ یہ پیش کی جگہ میں ہے کہ **منهم** کی مبتدا کے سلسلہ میں ہے (روح المعانی و بیان) اس کے علاوہ اس کی اور بہت ترکیبیں کی گئی ہیں اس میں گفتگو ہے کہ **دون ذلك** سے کون لوگ مراد ہیں اس میں چند احتمال ہیں۔1۔اس سے مراد کفار بنی اسرائیل ہیں۔2۔اس سے مراد فساق اسرائیلی ہیں جن کے عقیدے درست ہوں مگر عمل خراب۔3۔اس سے مراد کفار فساق سب ہیں تیسرا احتمال قوی ہے کہ یہ مقابل **صالحون** کے ہے بہرحال سارے اسرائیلی یکساں نہیں نہ سب اچھے ہیں نہ سب برے **وبلونهم بالحسنات والسيئات** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت نیا جملہ ہے اور اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اس میں سارے اسرائیلیوں کا حال بیان فرمایا گیا ہے **بلونا** بنا ہے **بلوی** سے یا بلاء سے ۔ بمعنی جانچ و امتحان اس لفظ کی تحقیق ہم دوسرے پارے میں **ولنبلونكم بشيء من الخوف والجوع** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں ظاہر یہ ہے کہ **هم** کا مرجع کافر و فاسق اسرائیلی ہیں جیسا کہ آگے **يرجعون** فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ **هم** کا مرجع سارے اسرائیلی ہوں صالحین بھی اور **دون ذلك** والے بھی کیونکہ رب تعالے کی طرف سے آزمائش نیک و بد مومن و کافر سب ہی کی ہوتی ہے حسنات سے مراد دنیاوی نعمتیں ہیں جیسے ارزانی ' تندرستی ' مال ' اولاد ' امن عافیت وغیرہ اس لئے اسے جمع فرمایا گیا اور سیات سے مراد دنیاوی مصیبتیں ہیں جیسے قحط سالی ' بیماری ' تنگدستی ۔ ملکی آفات و انقلابات یعنی ہم نے اسرائیلیوں کو مذکورہ نعمتوں اور مصیبتوں سے آزمایا **لعلهم يرجعون** یہ عبارت **بلونا** کی حکمت کا بیان ہے **لعل** ۔ بمعنی شاید نہیں کیونکہ رب تعالیٰ اس سے پاک ہے وہ **علم الغيب والشهادة** ہے **هم** سے مراد یا تو کافر و فاسق اسرائیلی ہیں یا نیک و بد سارے ۔ رجوع سے مراد ہے رب

کی طرف رجوع کرنا کفر و فسق سے توبہ کرکے یا اللہ کی طرف راجع رہنا یعنی تاکہ برے اسرائیلی اپنی حرکتوں سے توبہ کرکے تعالٰی کی طرف رجوع کریں اچھے بن جاویں اور اچھے لوگ اس رجوع الی اللہ پر قائم رہیں رجوع کئے رہیں کیونکہ اللہ کی نعمتیں رغبت کا ذریعہ ہیں جس کا نتیجہ شکر ہے اور مصیبتیں رہبت یعنی خوف کا ذریعہ ہیں جس کا نتیجہ گناہوں سے توبہ ہے کوئی شکر کے ذریعہ رب تک پہنچتا ہے کوئی صبر کے راستہ سے اس لئے نعمتیں اور رحمتیں آفتیں سب پر آتی رہتی ہیں۔

خلاصہ تفسیر بنی اسرائیل کی مسلسل سرکشیوں بدکاریوں کی وجہ سے ہم نے انہیں زمین میں یکجا نہیں رکھا بلکہ انہیں زمین کے متفرق حصوں میں ایسا بکھیر دیا کہ ان کی کوئی جماعت کہیں اور کوئی جماعت کہیں تاکہ یہ کہیں بھی قوت و طاقت نہ پکڑ سکیں دنیا میں کمزور رہیں اے محبوب ﷺ سارے اسرائیلیوں کا ایک حال نہیں ان میں سے بعض صالح ہیں یعنی مومن دیندار متقی پرہیزگار رہے وہ لوگ جو آپ کا زمانہ پاکر ایمان لے آئے اگرچہ وہ تھوڑے ہیں اور ان میں بعض اس کے سواء اور حال پر ہیں کہ کافر' بدکار' سرکش وہ زیادہ ہیں ہم نے ان کا نرم و گرم ہر طرح سے امتحان لیا کبھی ان کو دنیاوی عیش و عشرت رزق کی فراوانی ارزانی' صحت جسمانی اولاد' مال سب کچھ عطا فرمائیں کبھی ان پر گرانی رزق کی تنگی بیماری' تنگدستی وغیرہ مسلط کی تاکہ وہ لوگ رجوع الی اللہ کریں جن میں شکر گزاری کا مادہ ہے وہ نعمتوں کے ذریعہ اور جس میں صبر کا مادہ ہے وہ آفتوں کے راستے ہم تک پہنچیں ہم سے دور نہ بھاگیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قوم کا اتفاق' تنظیم' اتحاد اللہ تعالٰی کی بڑی نعمت ہے اور نااتفاقی قوم کا بکھرا ہونا رب تعالٰی کا عذاب ہے یہ فائدہ **وقطعناهم في الارض** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** نیک اعمال کا نتیجہ قوم کا اتحاد و اتفاق ہے بدکاریوں کا نتیجہ قوم کی نااتفاقی اور بکھرا ہوا ہونا ہے اللہ تعالٰی نیک اعمال کی توفیق دے مسلم قوم میں اتفاق و اتحاد پیدا کرے۔ **تیسرا فائدہ:** مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار میں رلے ملے نہ رہیں بلکہ اپنے محلے علیحدہ بنائیں ہو سکے تو اپنی بستیاں اپنا ملک علیحدہ کریں جس میں وہ یکجا رہیں کہ اس سے قوم میں قوت ہوتی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے۔ **واوحينا الى موسى واخيه ان تبوا لقومكما بمصر بيوتا واجعلوا بيوتكم قبلة واقيموا الصلوة** اے قوم موسی فرعونیوں میں رلے ملے نہ رہو اپنے محلے الگ بناؤ اپنے گھر آمنے سامنے یکجا بناؤ اس کا تجربہ بارہا ہو چکا ہے یہ فائدہ بھی **وقطعناهم في الارض** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** زمین کے ہر خطہ میں کچھ نہ کچھ یہودی پائے جاتے ہیں اور پائیں جائیں گے زمین کا آباد کوئی ملک ان سے بمشکل ہی خالی ہو گا یہ فائدہ بھی **قطعناهم في الارض** سے حاصل ہوا بعض نے فرمایا کہ یہ واقعہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ہوا کہ یہودی ہر خطے میں رہے بعض نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے یہود ایک جگہ مجتمع نہ رہے متفرق رہے یہ ضروری ہوا کہ زمین کے ہر خطہ میں موجود ہوں۔ **پانچواں فائدہ:** سارے اسرائیلی گمراہ نہیں ہوئے بعض ان میں سے ایمان و تقوی پر قائم رہے آخر کار حضور انور پر ایمان لے آئے اگرچہ وہ تھوڑے تھے یہ فائدہ **منهم الصالحون** سے حاصل ہوا اگر اب کوئی شخص اسرائیلی ہو یا غیر اسرائیلی یہودی رہ کر نیک و صالح نہیں ہو سکتا کہ اب ایمان و صلاح صرف اسلام میں ہے۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ تعالٰی نیک و بد بندوں کا امتحان فرماتا ہے اس سے گھبرانا نہیں چاہئے جو اس

میں پاس ہوا وہ ہی کامیاب رہا یہ فائدہ **وبلونھم** سے حاصل ہوا اس کی تحقیق ہم دوسرے پارے میں **ولنبلونکم بشیء من الخوف** کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ **ساتواں فائدہ**: رب کی آزمائش صرف بلاؤں کے ذریعہ ہی نہیں ہوتی بھی نعمتوں راحتوں آسائشوں کے ذریعہ سے بھی ہوتی ہے جو ان کو پاکر غافل نہ ہو گیا وہ مرد کامل ہے یہ فائدہ **بالحسنت والسیئات** سے حاصل ہوا بلکہ بلاؤں کے امتحان سے نعمتوں کا امتحان بہت سخت ہے بلاؤں میں اکثر انسان متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے مگر نعمتوں میں اکثر غافل۔

بادہ نوشیدن و ہشیار نشستن سہل است گربہ دولت رسی ہشیار نشینی مردی

شراب پی کر ہوشیار رہنا آسان ہے مگر دولت پاکر ہشیار رہنا بہت ہی دشوار ہے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم وذکا

جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

اس لئے یہاں بالحسنات کا ذکر پہلے ہوا کہ یہ ہی امتحان سخت تر ہے۔ **آٹھواں فائدہ**: سارے امتحانوں کا اصل مقصد رجوع الی اللہ ہے کہ بندہ رب کی طرف متوجہ رہے کبھی اس سے غافل نہ رہے یہ فائدہ **لعلھم یرجعون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ یہودی کبھی کسی جگہ مجتمع نہ ہوں گے بکھرے ہی رہیں گے کہ ارشاد ہوا **وقطعنٰھم فی الارض** مگر اب دیکھا جا رہا ہے کہ فلسطین میں دنیا بھر کے یہودی جمع ہو رہے ہیں انہوں نے وہاں اپنی ریاست قائم کر لی یہ آیت کیونکہ درست ہوئی۔ **جواب**: ان کا اجتماع ان پر رب تعالیٰ کا دوسرا عذاب ہے انشاء اللہ یہاں اس لئے جمع ہو رہے ہیں کہ ان کو مسلمان بہ آسانی ہلاک کر سکیں ایک وقت آوے گا جبکہ ان کا تخم دنیا سے مٹ جاوے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ان سے مسلمانوں کی سخت جنگ ہوگی جس میں یہ اس طرح مارے جائیں گے کہ اگر یہودی کسی پتھر کی آڑ میں چھپے گا تو پتھر پکارے گا کہ اے مسلمان میرے پیچھے یہودی ہے اسے مار دے یہ اجتماع انشاء اللہ اسی پیش گوئی کے پورا ہونے کی تمہید ہے۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے ہر خطہ میں یہودی رہیں گے مگر دیکھا جا رہا ہے کہ بہت خطوں میں نہیں نیپال، پاکستان وغیرہ میں یہودی کا نام بھی نہیں حضور انور کے زمانہ میں مکہ معظمہ اور اس کے علاقہ میں ایک یہودی نہ تھا پھر یہ آیت کریمہ کیونکر درست ہوئی۔ **جواب**: اس اعتراض کے بہت جواب ہیں آسان جواب یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ کا مطلب یہ نہیں کہ ہر طبقہ زمین میں یہودی ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ لوگ ایک جگہ نہ رہیں گے بکھیر دیئے جائیں گے کوئی کہیں کوئی کہیں اب تک ایسا ہی ہوتا رہا اب بھی حکومتیں بعض قوموں کو بکھیر دیتی ہیں تاکہ وہ یکجا ہو کر قوت نہ پکڑ لیں ہندوستان نے سکھوں کو بکھیر دینے کی بہت کوشش کی تارکین وطن سکھوں کو مختلف صوبوں میں آباد کیا۔ **تیسرا اعتراض**: نحوی قاعدے سے **منھم دون ذٰلک** درست نہیں کیونکہ **منھم** بھی ظرف ہے اور **دون ذٰلک** بھی ظرف مبتدا اور خبر دونوں ظرف نہیں ہو سکتے۔ **جواب**: یہ قاعدہ ہی غلط ہے مبتدا خبر دونوں ظرف ہو سکتے ہیں اگر ان سے معنی درست ہوں علامہ تفتازانی نے فرمایا کہ ہم نے ایسی ترکیبیں عرب میں بہت دیکھی ہیں (روح البیان) ہاں بعض نحوی کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں پہلے ظرف کو خبر مقدم مانو اور آخری ظرف کو مبتداء مؤخر مگر اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں۔

چوتھا اعتراض: اگر **دون ذلک** خبر ہے یا خبر پوشیدہ کی صفت ہے تو اسے فتح کیوں ہوا اسے پیش چاہئے تھا کہ مبتدا کی خبر کو پیش ہوتا ہے۔ **جواب:** چونکہ **دون** کے لئے ظرفیت کے معنی لازم ہیں اور ظرف کو ہمیشہ فتحہ ہوتی ہے اس لئے اسے یہاں بھی فتحہ ہی رہا تاکہ اس کا لازم اس سے جدا نہ ہو جاوے رب فرماتا ہے **لقد تقطع بینکم** دیکھو اس آیت میں **بینکم** فاعل ہے **تقطع** کا مگر اسے فتح ہی رہا پیش نہ آیا کیونکہ بین لازم الظرفیہ ہے ہاں اگر بین یا دون پر من جارہ آجاوے تو اسے جر آجاتا ہے جیسے **من بین ایدیھم** یا جیسے **من دون اللہ** لیکن ان پر پیش کبھی نہیں آتا یہ جواب خیال میں رہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے کعبہ معظمہ تک پہنچنے کے بہت راستہ ہیں، بحری، بری، فضائی پھر یہ راستہ جدہ براستہ۔ بحرین براستہ بغداد وغیرہ یونہی کعبہ والے رب تک پہنچنے کے بہت راستے ہیں اطاعت، شکر، صبر، محبت، عشق وغیرہ ان میں سے دو راستے بہت عام ہیں ایک شکر کا دوسرا صبر کا بلکہ یوں سمجھو نعمتوں والا راستہ شکر کی سواری سے طے ہوتا ہے اور بلاؤں آفتوں والا خاردار راستہ صبر کی سواری سے بنی اسرائیل کے سامنے یہ دونوں راستے کردیئے گئے انہیں فرعون کے بعد تخت و تاج کا مالک بنادیا گیا اور بخت نصر وغیرہ کے ہاتھوں مصیبتوں میں ڈالا گیا انہیں امیری بھی دی گئی فقیری بھی مگر انہوں نے نعمتیں پاکر بجائے شکر کے یوں کہا **ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء** یعنی اللہ فقیر ہے ہم غنی اور تنگدستی پاکر بولے **ید اللہ مغلولۃ** اللہ کے ہاتھ بندھ گئے وہ روزی دینے کے لائق نہ رہا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بجائے رحمن تک پہنچنے کے جہنم کی دربان تک پہنچے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حسنات سے مراد طاعات ہیں اس سے بھی بندے کا امتحان ہوتا ہے اگر اس پر فخر کرے تو مارا گیا شکر کرے تو پار لگ گیا شیطان اپنی عبادات کی وجہ سے ہی ہلاک ہوا اس پر فخر کرنے لگا اور سیات سے مراد گناہ معاصی ہیں اس سے بھی بندے کا امتحان ہوتا ہے اگر ان پر توبہ کرتا رہا روتا رہا پار لگ گیا۔ اگر رب کی رحمت سے مایوس ہو گیا یا غافل رہا مارا گیا آدم علیہ السلام کی بڑی کامیابی گندم کھانے سے ہوئی کہ یہ خطا رونے آنسو بہانے خوف خدا اور توبہ واخلاص کا ذریعہ بنی اور پھر یہ توبہ وغیرہ خلافت الٰہیہ کا وسیلہ ہوئیں (از روح البیان) جس گناہ کے بعد توبہ نصیب ہو وہ اس نیکی سے اچھا جس سے فخر پیدا ہو۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا
پس پیچھے آئے ان کے بعد پیچھے آنے والے جو وارث ہوئے کتاب کے لیتے ہیں وہ سامان اس
پھر ان کی جگہ ان کے بعد وہ ناخلف آئے کہ کتاب کے وارث ہوئے اس دنیا کا مال لیتے ہیں اور
الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ
حقیر چیز کا اور کہتے ہیں کہ عنقریب بخش دیئے جائیں گے ہم اور اگر آئے ان کے پاس سامان اس کی مثل تو لے
کہتے ہیں کہ اب ہماری بخشش ہوگی اور اگر ایسا ہی مال ان کے پاس اور آئے تو لے لیں

اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا
کیں ارسے کیا نہیں لیا گیا ان پر مضبوط وعدہ کتاب کا یہ کہ نہ کہیں خدا تعالیٰ پر مگر
کیا ان پر کتاب میں عہد نہ لیا گیا کہ اللہ کی طرف نسبت نہ کریں مگر
الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ
حق بات اور پڑھا انہوں نے وہ جو اسی میں ہے اور آخری جگہ اچھی ہے واسطے ان کے جو
حق اور انہوں نے اسے پڑھا اور بیشک پچھلا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کو
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾
ڈرتے ہیں تو پس کیا نہیں سمجھتے تم
تو کیا تمہیں عقل نہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیات میں اگلے اسرائیلیوں کا تذکرہ تھا اب اس آیت میں پچھلے اسرائیلیوں کا ذکر ہے تاکہ معلوم ہو کہ سارے زہریلے ہیں خواہ اگلے ہوں یا پچھلے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ گذشتہ اسرائیلیوں نے ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کیا تو ہلاک کئے گئے اب ارشاد ہے کہ موجودہ اسرائیلی توریت کے ذریعہ انسانوں کا شکار کرتے ہیں ان کا مال ناجائز طور پر رشوت کے ذریعہ کھاتے ہیں گویا ان کے وقتی شکار کے ذکر کے بعد ان کے دائمی شکار کا ذکر ہے اور شکار بھی کس کا انسانوں کا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ گذشتہ اسرائیلی جب گناہ کرتے تھے تو کبھی ڈر بھی جاتے تھے اب ارشاد ہے کہ موجودہ اسرائیلی ایسے ڈھیٹ ہیں کہ بدترین گناہ کرتے ہیں اور اکڑتے ہیں کہ ہم پر کوئی وبال نہ پڑے گا سب گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

تفسیر: فخلف من بعدھم خلف یہ عبارت معطوف ہے **وقطعناھم** پر ف مطلقاً بعدیت بیان کرنے کے ہے بمعنی فوراً نہیں۔ **خلف** یا تو بنا ہے خلافت سے بمعنی پیچھے آنا یا پیچھے ہونا اس سے ہوتا ہے خلیفہ یا بنا ہے **خلوف** سے بمعنی بگڑنا بدل جانا اسی سے ہے خلوف فم الصائم روزہ دار کی منہ کی بو۔ یہاں بنا ہے خلوف سے کیونکہ آگے ناخلف اولاد کا ذکر ہے چونکہ خلف میں آنے کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے اس کے بعد من ارشاد ہوا **بعدھم** میں **ھم** کا مرجع یا تو صالحون ہے یا سارے مذکور اسرائیلی خلف سکون سے اور خلف لام کے فتحہ سے دونوں صفت مشبہ ہیں خلف بمعنی پیچھے کے مگر ان میں فرق یہ ہے کہ خلف لام کے فتحہ سے بمعنی لائق اور معتبر جانشین کے ہوتا ہے۔ اور خلف سکون لام سے بمعنی نالائق برے جانشین ہوتا ہے یعنی ناخلف اولاد یہاں دوسرے معنی میں ہے کبھی اس کے برعکس بھی استعمال ہوتا ہے۔ حضرت حسان فرماتے ہیں۔

شعر

لنا القدم الا ولی الیک و خلفنا   لا ولنا فی طاعتہ اللہ تابع

دیکھو یہاں **خلفنا** میں **خلف** لائق جانشینی کے لئے بولا گیا یہاں شاعر کہتا ہے۔ شعر

ذھب الذین یعاش فی اکنافھم　　　و بقیت فی خلف کجلد الاجرب

یہاں **خلف** بمعنی نالائق اولاد استعمال ہوا (از خازن۔ معانی۔ کبیر وغیرہ) یعنی ان مذکورہ اسرائیلیوں کے بعد ان کے نالائق جانشین ہوئے **ورثوا الکتب** یہ عبارت صفت ہے خلف کی **ورثوا** بنا ہے وراثت سے یا **ارث** سے جس کے معنی ہیں کسی کے مرے بعد اس کے مال کا مالک ہونا یہ مصدر ہے حسب حسب کا کبھی خود اس مستقبلہ مال کو بھی وراثت یا ارث کہہ دیتے ہیں بمعنی میراث یہ تو ارث کے لغوی معنی تھے پھر استعمال میں کسی کی چیز کا درست مالک ہو جانا بھی ارث کہا جانے لگا چنانچہ جنتی لوگ دوزخ والے کفار کا جنتی حصہ لیں گے اسے بھی ارث کہا گیا ہے **واورثنا الارض** پھر کسی کے حال یا کمال میں اس کا جانشین ہونے کو ارث کہا جاتا ہے یہاں یہ ہی تیسرے معنی مراد ہیں **الکتاب** سے مراد توریت ہے جس پر یہود ایمان رکھتے ہیں یعنی **اگلے** اسرائیلیوں کی موت کے بعد توریت ان کے پچھلوں کو ملی اور یہ توریت کے عالم بنے امام حسن کی قراءت میں **ورثوا** ہے تورث سے ماضی مجہول یعنی وہ لوگ توریت کے وارث بنائے گئے۔ **یاخذون عرض ھذا الادنی** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے یا **ورثو** کے فاعل کا حال ہے **یاخذون** سے مراد ہے ان کا رشوتیں لینا اور توریت کے احکام بدل دینا یعنی احکام توریت کے عوض مال لینا مضارع فرما کر یہ بتایا کہ ان کی یہ حرکت دائمی ہے وہ یہ کرتے رہتے ہیں عرض کے لغوی معنی ہیں عارضی چیز جو قریب الفناء ہو اس کے لئے بقانہ ہو اس سے ہے عرض مقابل جوہر کا۔ استعمال میں عرض کے سکون سے بمعنی سامان ہوتا ہے یعنی روپیہ پیسہ کے علاوہ دوسری دنیاوی چیزیں کپڑا برتن وغیرہ یعنی متاع اور عرض کے فتحہ سے ہر دنیاوی چیز خواہ روپیہ پیسہ یا اور کوئی مال (بیان و معانی) **ھذا** سے اشارہ ہے موجودہ عالم کی طرف۔ الادنی صفت ہے موصوف پوشیدہ یعنی **الشئی** کی یہ یا تو **دنو** سے بنا ہے بمعنی قرب یعنی قریب **الفناء یا دناءۃ** سے بمعنی حقارت و خساست جس میں کوئی بھلائی نہ ہو اس سے مراد دنیا ہے کیونکہ دنیا قریب الفناء بھی ہے اور آخرت کے مقابلہ میں خسیس اور حقیر بھی یعنی وہ لوگ احکام توریت کے عوض دنیاوی سامان لیتے رہتے ہیں **ویقولون سیغفر لنا** یہ عبارت معطوف ہے **یاخذون** پر اس میں ان کی بد عقیدگی یعنی رب تعالیٰ پر امن کا ذکر ہے معطوف علیہ میں ان کی بد عملی یعنی توریت پر رشوت لینے کا ذکر تھا قول سے مراد یا تو دلی قول ہے یعنی سوچنا یا خیال کرنا یا زبانی قول یعنی جب ان کو کوئی ان کی اسی رشوت ستانی پر ملامت کرتا ہے تو وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام ہے تو گناہ مگر ہماری اس پر پکڑ نہ ہوگی کیونکہ ہم نبیوں کی اولاد میں **نحن ابنؤا اللہ و احباؤہ** ہم اللہ کے بیٹے اللہ کے پیارے ہیں ہم پر عذاب یا عتاب کہاں ہم تو سمندر کی طرح ہیں کہ سمندر گندگی پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا ہم گناہ کرنے سے گنہگار نہیں ہوتے مگر ان کی حالت یہ ہے کہ **وان یاتھم عرض مثلہ یاخذوہ** یہ عبارت حال ہے یا تو **یقولون** کے فاعل **ھم** سے یا **لنا** کی ضمیر سے اس میں ان کے اصرار گناہ کا ذکر ہے اور حرص دنیا کا بھی یعنی اس ملامت اور ان کے اس جواب کے بعد بھی ان کی حالت یہ ہے کہ اگر پھر بھی ایسی تحریف توریت اور رشوت ستانی کا موقعہ آجاوے تو ہرگز نہیں چوکتے بلکہ حکم توریت بدل دیتے یا چھپا لیتے ہیں اور اس کے عوض روپیہ اور دیگر سامان لے لیتے ہیں توبہ نہیں کرتے یہ ہے گناہ پر ضد اور اصرار جس سے گناہ صغیرہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے چہ جائیکہ یہ رشوت ستانی تو بذات خود کبیرہ بلکہ کفر ہے **الم یؤخذ علیھم میثاق الکتاب** یہ عبارت

نیا جملہ ہے اس میں سوال انکاری ہے ان سے اقرار کرانے کےلئے خیال رہے کہ اس فرمان عالی میں **علیھم** کا تعلق **لم یؤخذ** سے نہیں بلکہ میثاق سے ہے۔ کیونکہ **اخذ** علی نہیں چاہتا۔ رب فرماتا ہے **واذاخذاللہ میثاق النبین**۔ میثاق کے معنی ہے وعدہ۔ عہد اور میثاق میں فرق ہم تیسرے پارہ میں عرض کر چکے ہیں **الکتاب** سے مراد توریت شریف ہے یہاں توریت میں اسرائیلیوں سے عہد لینے سے مراد ہے ان کو تاکیدی حکم دینا جو یہودی دین اختیار کرتا تھا وہ توریت کے احکام ماننے کا عہد کرتا تھا جیسے آج جو مسلمان ہوتا ہے تو وہ احکام قرآنی احکام نبوی ماننے ان پر عمل کرنے کا عہد کرتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے **لہٰذا** آیت بالکل واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ خیال رہے کہ یہاں میثاق کی اضافت کتاب کی طرف فی کی ہے اصل عبارت یوں ہے المیثاق المذکور فی الکتٰب (روح المعانی) یہ بات خیال میں رہے **ان لایقولوا علی اللہ الا الحق** یہ عبارت یا تو میثاق الکتاب کا عطف بیان ہے یا اس کا بدل یا ان سے پہلے ب جارہ پوشیدہ ہے اور یہ میثاق کے متعلق ہے (معانی) **لایقولوا** میں لا نفی کا بھی ہو سکتا ہے اور نہی کا بھی دونوں معنی درست ہیں حق باطل کا مقابل ہے جیسے صدق کذب کا مقابل یعنی ان کو توریت شریف میں تاکیدی حکم دیا گیا تھا کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف حق بات منسوب کرنا جو توریت میں لکھا ہو اس کے متعلق یہ کہنا کہ رب تعالیٰ نے یہ فرمایا ایسا نہ کرنا کہ حکم تو خود گھڑ لو اور کہو یہ کہ توریت میں یہ ہے رب نے یہ حکم دیا ہے **درسوا مافیہ** یہ عبارت معنی معطوف ہے **ان لایقولوا** پر (معانی) اور ہو سکتا ہے کہ یہ معطوف ہو **لم یؤخذ** پر اور یہ بھی مذکورہ سوال کے ماتحت ہو تب معنی یہ ہوں گے کہ کیا ان لوگوں سے یہ عہد و پیمان نہیں لیا گیا تھا اور کیا ان لوگوں نے یہ حکم اس کتاب میں پڑھا نہ تھا یعنی حکم دیا بھی گیا تھا اور انہوں نے یہ حکم پڑھ بھی لیا یہ اس سے بے خبر نہ تھے پہلے جز میں حکم کا ذکر ہے اس میں ان کی اطلاع اور خبر کا ذکر کہ یہ لوگ احکام سے بے خبر نہیں خبردار یہ جان بوجھ کر جرم کر رہے ہیں۔ **والدار الاخرۃ خیر للذین یتقون** یہ جملہ نیا ہے جس میں رشوت خور اسرائیلیوں کی نفسانی اندیشوں کا جواب دیا گیا ہے وہ ڈرتے تھے کہ اگر ہم توریت کے صحیح احکام سنائیں تو ہماری آمدنی اور سرداری جاتی رہے گی اس میں واؤ ابتدائیہ ہے دار آخرۃ سے مراد ہے عالم برزخ۔ محشر اور محشر کے بعد کا زمانہ ابد الاباد تک۔ خیر صفت مشبہ ہے ۔ بمعنی اسم تفضیل اس کے بعد **من الدنیا و مافیھا** پوشیدہ ہے تقویٰ سے مراد ہے برے عقیدوں برے اعمال سے بچنا اچھے اعمال اختیار کرنا اور ممکن ہے تقویٰ سے مراد ہو تحریف اور رشوت سے بچنا کہ وہ لوگ انہیں جرموں کے مجرم تھے پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں کہ اس میں یہ معنی بھی آجاتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ غیر متقیوں کے لئے وہ عالم دنیا سے زیادہ خطرناک ہے اگر یہ لوگ رشوت ستانی تحریف توریت سے باز نہ آئے تو آگے ان کے لئے مصیبت ہی مصیبت ہے **افلا تعقلون** اس میں خطاب ان اسرائیلیوں سے ہے جن سے توریت میں مذکور عہد لیا گیا تھا اس جملہ میں غائب سے حاضر کی طرف التفات ہے کہ **یتقون** غائب کا صیغہ تھا اور **تعقلون** حاضر جمع کا یعنی اے مذکور اسرائیلیو تم میں اتنی بھی عقل نہیں کہ نعمت باقی فانی سے اور رحمت لازوال زائل سے اچھی ہوتی ہے پھر تم ان حرکتوں سے باز کیوں نہیں آتے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں گذشتہ اسرائیلیوں کے ناخلف جانشینوں کے عیب بیان ہوئے رشوت لے کر احکام توریت بدل دینا۔ (2) پھر ڈھٹائی سے کہتے رہنا کہ ہمارا یہ گناہ معاف کر دیا جاوے گا اس پر ہماری پکڑ نہ ہوگی۔ (3) اس جرم پر قائم

رہنا کہ جب رشوت ملے لے لینا حکم شرعی بدل دینا۔ (4) یہ سارے جرم نادانی بے خبری سے نہیں بلکہ دیدہ و دانستہ کرتے رہنا چنانچہ ارشاد ہے کہ جن اسرائیلیوں کا تم نے حال پڑھا اور سنا ان کے بعد ان کے ناخلف نالائق جانشین ہوئے جنہیں بطور وراثت کتاب کا علم اور کتاب توریت کی خدمت سپرد ہوئی انہوں نے یہ غضب ڈھایا کہ دنیاوی ادنیٰ مال و متاع لینے اور حکم توریت بدلنے لگے اور جب کوئی ان کو ان کی اس حرکت پر ملامت کرتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو اولاد انبیاء ہیں اللہ کے پیارے ہیں ہم کوئی گناہ کریں ہماری پکڑ نہ ہوگی سب کو بخش دیا جائے گا ہم اس سمندر کی طرح ہیں جو گندگی پڑ جانے سے گندا نہیں ہو تا ہم کوئی گناہ کریں گنہگار نہیں ہوتے۔ شریعت کے احکام اور ممانعتیں تو امت کے لئے ہیں ہم تو اولاد ہیں پھر ان کی ڈھٹائی کا یہ حال ہے کہ لوگوں کی تنبیہہ کرنے کے بعد بھی جب انہیں رشوت ملتی ہے تو لے لیتے ہیں احکام ایسے بدل دیتے ہیں یعنی ان جرموں پر ڈٹے رہتے ہیں غور تو کرو کیا ہم نے توریت میں ان لوگوں سے یہ عہد نہ لیا تھا کہ جھوٹی باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کیا کریں حق بات ہی اس کی طرف نسبت کریں جو توریت میں حکم ہو وہ ہی بیان کریں اور کیا یہ لوگ اس عہد و پیمان سے بے خبر ہیں نہیں انہیں سب کچھ معلوم ہے ان بدنصیبوں نے یہ سمجھا کہ حق بات کہنے سے صحیح احکام کی تبلیغ کرنے سے ہماری چودھراہٹ ہماری آمدنی میں فرق پڑ جاوے گا۔ اللہ کے بندوں مومن متقی بنو۔ پرہیزگار مومنوں کے لئے آخرت دنیا سے کہیں بہتر ہے کہ دنیا قلیل ہے آخرت کثیر اور دنیا فانی ہے آخرت باقی تو تم اتنی سی بات سمجھتے کیوں نہیں بے سمجھ سے بے سمجھ بھی جانتا ہے کہ فانی سے باقی بہتر ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مال کی طرح کمال، حال، علم وغیرہ کی بھی میراث جاری ہوتی ہے یہ فائدہ **ورثوا الکتاب** سے حاصل ہوا علماء دین کو وارث رسول نائب رسول کہا جاتا ہے اس خطاب کا ماخذ یہ آیت کریمہ بھی ہو سکتی ہے دیکھو اس آیت میں رب تعالیٰ نے متاخرین علماء یہود کو ان کے متقدین علماء کا وارثین کتاب فرمایا۔ **دوسرا فائدہ:** بزرگوں کی اولاد یا بزرگوں کا نائب ہونا ان کے لئے مفید ہے جو ان کے سے کام نیک کریں ورنہ یہ چیزیں رب کا عذاب ہیں دیکھو رب تعالیٰ نے ان وارثین علماء کو ناخلف فرمایا یہ فائدہ **خلف** فرمانے سے حاصل ہوا ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو ۔۔۔ تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!

تیسرا فائدہ: مال و دولت لے کر آیات الہیہ کی تحریف کرنا احکام شریعت بدلنا بدترین کفر ہے کہ اس میں رشوت ستانی بھی ہے گمراہی بھی گمراہ گری بھی یہ فائدہ **یاخذون عرض ھذا الادنی** سے حاصل ہوا اس آیت کریمہ کی تفسیر وہ آیت ہے **ولا تشتروا بایتی ثمنا قلیلا** ان دونوں آیتوں میں یہ مراد ہے۔

مسئلہ: قرآن مجید چھاپ کر فروخت کرنا قرآن کی تعلیم، دم، تعویذ فتویٰ کی تحریر پر اجرت لینا جائز ہے کہ یہ جائز کام کی اجرت ہے حضرات خلفاء راشدین نے اپنی خلافت کے زمانہ میں بیت المال سے تنخواہ لی خلافت پر سواء حضرت عثمان کے۔ حالانکہ خلافت اسلامیہ خصوصاً خلافت راشدہ بہترین دینی کام ہے اس کی تحقیق ہم پہلے پارہ میں اس آیت **لا تشتروا بایتی** کی تفسیر میں کر چکے ہیں نیز ہمارے فتاوی میں ملاحظہ کرو۔ **چوتھا فائدہ:** حرام آمدنی ایک عارضی چیز بھی ہے جس میں برکت نہیں

اور ادنیٰ یعنی حقیر اور قریب الفناء بھی دیکھو رب تعالیٰ نے اسے عرض بھی فرمایا اور ادنیٰ بھی۔ اس کے برعکس حلال روزی اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ نعمت ہے خصوصاً جبکہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ ہو وہ دولت غیر فانی لازوال ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **والباقیات الصالحات** اور فرماتا ہے **وماعند اللہ باق** باقی خدا کرے دولت اچھی راہ سے آئے اور اچھی راہ جائے۔ **پانچواں فائدہ**: مغفرت کی امید پر گناہ کرنا کفر ہے کہ یہ امید نہیں بلکہ رب تعالیٰ پر امن اور بے خوفی ہے یہ فائدہ **سیغفر لنا** سے حاصل ہوا نیکی کرنا اور ڈرنا کمال ایمان ہے گناہ کرنا اور بے پرواہ ہونا خوف نہ کرنا بدترین کفر ہے۔ **چھٹا فائدہ**: بزرگوں کی اولاد ہونے پر فخر کرنا اور گناہ پر دلیر ہو جانا کفر ہے کہ چونکہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں ہمارے گناہ معاف ہو جائیں گے یہ فائدہ بھی **سیغفر لنا** سے حاصل ہوا یہ وہی طریقہ یہود ہے جو کہتے تھے **نحن ابناء اللہ واحباءہ** ایمان و تقویٰ کے ساتھ بزرگوں کی اولاد ہونا اللہ کی رحمت ہے کفر و الحاد کے لئے بزرگوں کی اولاد ہونا اللہ کا عذاب ہے قابیل اور کنعان ابن نوح کی مثالیں سامنے ہیں آج اس بیماری میں بہت سے مسلمان گرفتار ہیں رب تعالیٰ اپنا خوف نصیب کرے۔ **ساتواں فائدہ**: گناہ کرنا ایک گناہ ہے اور گناہ پر گناہ کئے جانا یعنی اس پر اصرار کرنا ڈبل گناہ یہ فائدہ **وان یاتھم** سے حاصل ہوا خیال رہے کہ ہر گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے رب فرماتا ہے **ولم یصروا علی مافعلوا** اور گناہ کبیرہ بار بار کرنے سے اکبر یعنی بہت بڑا بن جاتا ہے۔ **آٹھواں فائدہ**: انسان کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے ہی اسلام کے سارے احکام کا پابند ہو جاتا ہے اور اس پابندی کا رب تعالیٰ سے عہد و پیمان کر لیتا ہے پھر وہ عہد توڑنا بد عہدی ہے یہ فائدہ **ان لا یقولوا علی اللہ الا الحق** سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ**: عالم کا گناہ جاہل کے گناہ سے سخت تر ہے کہ جاہل اپنی بے خبری کی وجہ سے شاید چھٹکارا پاجاوے مگر عالم کیا عذر کرے گا نیز عالم گناہ کرکے اسے جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے جاہل نادم ہو جاتا ہے نیز بد عمل عالم دوسروں کو بھی بد عمل بنا دیتا ہے کہ اس کے معتقد اس کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ فائدہ **ودرسوا** سے حاصل ہوا۔ **گیارہواں فائدہ**: آخرت مومن متقی کے لئے دنیا سے کہیں بہتر ہے کہ وہاں اس کے لئے راحت ابدی ہے اور کافر و بدکار کے لئے کہیں بدتر ہے کہ وہاں اس کے لئے عذاب دائمی ہے یہ فائدہ **خیر للذین یتقون** سے حاصل ہوا اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت۔ **بارھواں فائدہ**: جو عقل دین نہ سمجھائے خدا تک نہ پہنچائے وہ بے عقلی ہے عقل کا بڑا مقصد اللہ رسول کو اس کے ذریعہ منالینا ہے یہ فائدہ **افلا تعقلون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: میراث تو مال کی ہوتی ہے وہ بھی میت کے خاص قرابتداروں کو ملتی ہے مگر یہاں کتاب کو میراث فرمایا گیا اور یہ میراث گذشتہ عالموں کی طرف سے پچھلوں کو دیئے جانے کا ذکر فرمایا یہ کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: یہ غلط ہے بلکہ مال کے علاوہ اعمال، کمال، احوال، علم وغیرہ کی بھی میراث ہوتی ہے مالی میراث جسمانی قرابت داروں کو ملتی ہے باقی میراثیں دلی، روحانی قرابتداروں کو ملتی ہیں اگرچہ وہ جسماً بالکل اجنبی ہو اعمال خیر میں ہر مومن حضور انور کا وارث اور علم دین میں ہر عالم دین حضور انور کا وارث ہے پچھلے اسرائیلی اگلوں کے دلی روحی قرابت دار تھے **حسبا**" قریبی ہوں یا نہ ہوں اس لئے وہ اگلوں کے وارث بنے۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ پر دنیاوی مال لینا حرام ہے دیکھو اسرائیلیوں کی بے دینی کے سلسلے میں ذکر ہوا **یاخذون** تو اب بھی علماء قرآن پڑھانے نماز پڑھانے تعویذ دم پر اجرتیں لیتے ہیں وہ سب بھی مجرم ہونے

چاہیں۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ وہ لوگ توریت بدلنے یا اس کے احکام چھپانے کا معاوضہ لیتے تھے یہ دونوں کام حرام تھے تو ان پر معاوضہ لینا بھی حرام تھا اس کی تفسیروہ آیت ہے **یحرفون الکلم عن مواضعہ**۔ الحمد للہ آج علماء دین یہ کام نہ کرتے ہیں نہ انشاء اللہ کریں گے ان مذکورہ خدمات تعلیم وغیرہ پر اجرت لینا ایسا ہی ہے جیسے قرآن مجید لکھنے چھاپنے پر اجرت لینا یا قرآن مجید کی تجارت کرنا۔ **تیسرا اعتراض**: اللہ تعالیٰ سے معافی و بخشش کی امید رکھنا عبادت ہے مگر اس آیت میں اسے گناہ قرار دیا گیا کہ اسرائیلیوں کے گناہوں کے سلسلے میں اسے گنایا **ویقولون سیغفر لنا** اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اگر نادانی سے گناہ ہو جاوے پھر بخشش کی امید پر توبہ کی جاوے تو یہ عبادت ہے قرآن کریم اس کی تصریح فرماتا ہے **انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجہالۃ ثم یتوبون من قریب** مگر بخشش کی امید پر گناہ کرنا کہ آؤ شراب پی لیں اللہ بخش دے گا یہ کفر ہے کہ اس میں دین کا مذاق اڑانا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بے خوفی۔ **چوتھا اعتراض**: **یاتہم عرض مثلہ** میں **مثلہ** سے کیا مراد ہے۔ **جواب**: یہاں مثلہ میں حرام ہونے میں مثلیت مراد ہے نہ کہ مقدار مال میں یعنی اس سوال و جواب کے بعد اگر پھر بھی اسی جیسا حرام رشوت کا مال ان کے پاس آجائے تو پھر کتاب اللہ کو بدل کرا سے چھپا کر مال وصول کر لیتے ہیں یعنی وہ ڈھیٹ ہیں گناہ پر جمے ہوئے ہیں گویا اس فرمان عالی میں ان کے دوسرے گناہ کا ذکر ہے گناہ پر قائم رہنا۔ **پانچواں اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ دار آخرت متقیوں کے لئے بہتر ہے تو کیا متقیوں کے لئے دنیا بہتر نہیں ان کے لئے تو دنیا و آخرت دونوں ہی بہتر ہیں **ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ** پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب**: اس کا مطلب یہ ہے کہ متقیوں کے لئے آخرت دنیا سے اچھی ہے یعنی ان کی دنیا اچھی ہے کہ دار العمل ہے اور آخرت اس سے بھی اچھی ہے کہ وہ دار الجزاء ہے یعنی کھیت بونے اس کی خدمت کی جگہ دنیا اور پھل توڑنے آرام پانے کی جگہ آخرت ہے اللہ تعالیٰ نصیب کرے۔

تفسیر صوفیانہ: خوش نصیب آدمی معمولی حقیر چیز سے بڑا فائدہ حاصل کر لیتا ہے عقل مند کسان گندے کوڑے کو کھیت میں ڈال کر دانے کے ڈھیر کما لیتا ہے مگر بد نصیب بے وقوف اعلیٰ چیز سے بھی بڑا نقصان ہی اٹھاتا ہے اناڑی آدمی سمندر سے موتی نہیں نکالتا بلکہ اس میں اپنی زندگی کا موتی برباد کر دیتا ہے توریت شریف اللہ کی پہلی شاندار کتاب تھی۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم اور پہلے صاحب کتاب نبی اس توریت کے ذریعہ بہت خوش نصیب لوگ اولیاء کاملین بن گئے جیسے آصف بن برخیا وغیرہ مگر یہ بد نصیب لوگ جن کا اس آیت میں ذکر ہے انہوں نے بد بختی ہی لی کہ اس کتاب کے ذریعہ دین بیچ کر دنیا لی۔ اللہ تعالیٰ کی شان غفاری سے ناجائز فائدہ اٹھایا کہ اس پر پھول کر اسکی مغفرت کو دیکھ کر گناہ کرنے پر دلیر ہو گئے جس سے ان کی دنیا بھی خراب ہو گئی آخرت بھی انہوں نے مواہب ربانیہ کو مال و جاہ حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا۔ شعر

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل   کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را!

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ

اور وہ لوگ جو مضبوطی سے پکڑتے ہیں کتاب کو اور قائم کی انہوں نے نماز بیشک ہم نہیں ضائع کرتے

اور وہ جو کتاب کو مضبوط تھامتے ہیں اور انہوں نے نماز قائم رکھی ہم نیکوں کا نیگ نہیں

الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ

ثواب نیک کاروں کا اور جبکہ ہم نے اوپر کیا پہاڑ اوپر ان کے گویا وہ شامیانہ ہے اور گمان

گنواتے اور جب ہم نے پہاڑ ان پر اٹھایا گویا وہ سائبان ہے اور سمجھے کہ ان پر گر پڑے گا تو لو جو ہم

وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

کیا انہوں نے کہ بیشک وہ گرنے والا ہے ان پر پکڑو جو دیا ہم نے تم کو ساتھ قوت کے اور ذکر کرو اسکا جو اس میں ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ

نے تمہیں دیا زور سے اور یاد کرو جو اس میں ہے کہ کہیں تم پرہیزگار ہو

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ان بدنصیب اسرائیلیوں کی سزا کا ذکر ہوا جنہوں نے توریت شریف ضائع کردی اسے دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا دولت کے لئے کتاب میں تحریف کی اب ان خوش نصیب بنی اسرائیل کا ذکر ہے جنہوں نے توریت شریف سے صحیح فائدہ اٹھایا اسے ضائع نہ کیا اسے سنبھالا جیسے سیدنا عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے گویا مجرموں کے بعد محرموں کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان اسرائیلیوں کا ذکر تھا جنہوں نے اپنی کتاب توریت بگاڑ دی اب امت محمدیہ کا ذکر ہے جنہوں نے قرآن مجید کو سنبھالا اور اسے خدا رسی کا ذریعہ بنایا جیسا کہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے معلوم ہو گا انشاء اللہ۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان اسرائیلیوں کا ذکر تھا جنہوں نے توریت کو دنیا رسی کا ذریعہ بنایا اب ان کا ذکر ہے جنہوں نے اس توریت کو مصطفےٰ رسی کا اور جناب مصطفیٰ کو خدا رسی کا ذریعہ بنایا۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ اسرائیلیوں نے توریت کو سنبھالا نہیں اب دوسری آیت میں ذکر ہے کہ انہوں نے اسے بخوشی قبول ہی نہیں کیا انہیں جبراً منوائی گئی تھی۔ گویا بقا کتاب کے بعد عطاء کتب کا ذکر ہے تاکہ پتہ لگے کہ جس چیز کو بخوشی قبول نہیں کیا جاتا اس کی قدر بھی نہیں ہوتی۔ **پانچواں فائدہ**: پچھلی آیات کے آخر میں ارشاد ہوا کہ متقی پرہیزگاروں کے لئے آخرت بہتر ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ متقی وہ ہے جو اللہ کی کتاب مضبوطی سے پکڑ لے کتاب اللہ کے بغیر کسی ذریعہ سے متقی نہیں بن سکتے گویا پہلے بتایا کہ آخرت کی بھلائی کا مستحق کون ہے جو متقی ہو۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ متقی کون ہے وہ ہے جو کتاب الہٰی کو مضبوط تھامے نماز قائم کرے وغیرہ۔

شان نزول: یہ پہلی آیت ان علماء یہود کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے نہ تو رشوتیں لیں نہ توریت شریف میں تحریف کی بلکہ صحیح معنی میں یہودیت پر قائم رہے اور حضور انور کا زمانہ پا کر توریت شریف کی روشنی میں حضور پر ایمان لے آئے جیسے بعد ہجرت حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی اور زمانہ فاروقی میں حضرت کعب احبار اور ان کے ساتھ رضی اللہ عنہم اجمعین

(تفسیر خازن)۔

تفسیر: **والذین یمسکون بالکتب** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت نیا جملہ ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور **الذین یمسکون** مبتداء ہے اس کی خبر پوشیدہ ہے **لانضیع اجرھم** اور **انا لانضیع** اس خبر کی علت ہے مگر بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ عبارت معطوف ہے **للذین یتقون** پر لہذا اس کا واؤ عاطفہ ہے۔ اس صورت میں **الذین** جر کی حالت ہے اور **للذین یتقون** کی تفسیر ہے عام مفسرین فرماتے ہیں کہ اس **الذین** سے مراد خاص یہود ہیں جو اصلی یہودیت پر قائم رہے اور کتاب سے مراد۔ توریت شریف۔ ہے مگر عطاء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضور ﷺ کی امت ہے اور **الکتاب** سے مراد قرآن مجید ہے رب تعالٰی نے یہود پر مسلمانوں کی فوقیت دکھائی ہے مگر پہلی تفسیر قوی ہے کہ پچھلی آیت میں بھی اسرائیلیوں کا ہی ذکر تھا اور اگلی آیت میں بھی انہیں کا ذکر آرہا ہے (از روح المعانی) ہماری قراۃ میں **یمسکون** سین کے شد سے ہے باب تفعیل سے مگر ابو بکر و حماد کی قراۃ میں **یمسکون** باب افعال سے ہے اور حضرت ابن مسعود کی قراۃ میں **استمسکو** ہے باب استفعال کا ماضی اور ابی ابن کعب کی قراۃ میں مسکو ہے حماد فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں امساک باب افعال سے بہت جگہ ارشاد ہوا ہے فرماتا ہے **فامساک بمعروف** اور **امسک علیک زوجک** اور **فکلوا مما امسکن علیکم** مگر ظاہر ہے **یمسکون** باب تفعیل سے ہو تو اس میں ایسا مبالغہ ہوگا جو باب افعال میں نہیں۔ معنی ہوں گے جو خوب مضبوطی سے کتاب کو پکڑے رہتے ہیں عقائد و اعمال اس کے مطابق اختیار کرتے ہیں رشوت لے کر اس میں تحریف نہیں کرتے اپنے کو کتاب کے سانچے میں ڈھالتے ہیں کتاب کو اپنی رائے و عقل کے سانچے میں نہیں ڈھالتے ان کی اس حالت کا دوام بتانے کے لئے مضارع ارشاد ہوا (از تفسیر کبیر۔ روح المعانی) **واقاموا الصلوۃ** یہ عبارت معطوف ہے **یمسکون** پر اگرچہ کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے میں نماز کی پابندی بھی آگئی تھی مگر چونکہ نماز سارے اسلامی احکام میں اہم ترین حکم ہے۔ جو نماز قائم کرے وہ دین کو سنبھال لیتا ہے ان وجوہ سے نماز کا ذکر خصوصیت سے علیحدہ کیا چونکہ کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑنا ہر وقت سوتے جاگتے چلتے پھرتے بلکہ جیتے مرتے ضروری ہے اور نماز مقررہ اوقات میں پڑھی جاتی ہے اس لئے وہاں **یمسکون** مضارع ارشاد ہوا یہاں **اقامو** ماضی ارشاد ہوا نماز پڑھنے اور قائم کرنے کے بہت فرق ہم شروع سورہ بقر **یقیمون الصلوۃ** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں اگر **الذین** سے مراد بنی اسرائیل ہیں تو یہاں **الصلوۃ** سے مراد نماز موسوی ہے اور اگر وہاں اس سے مراد مسلمان ہیں تو یہاں **الصلوۃ** سے مراد اسلامی نماز ہے **انا لا نضیع اجرا لمصلحین** یہ فرمان عالی تو **الذین یمسکون** کی خبر ہے تو **المصلحین** کے بعد **منھم** پوشیدہ ہے۔ جس سے اس کا تعلق مبتدا سے قائم ہے یا **المصلحین** کا الف لام ربط کا کام دے رہا ہے یا یہ خبر نہیں بلکہ پوشیدہ خبر کی وجہ ہے (روح المعانی) مصلحین سے مراد ہیں اپنے عقیدے اپنے معاملات اپنی عبادات ٹھیک رکھنے والے کہ کامل مصلحین وہی ہیں **واذ نتقنا الجبل فوقھم** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے واؤ کے بعد **اذکر** یا **اذکرو** پوشیدہ ہے **نتقنا** بنا ہے **نتق** سے **نتق** کے معنی ہیں اکھیڑنا، ہٹانا، اٹھانا۔ یہاں آخری معنی میں ہے **نتق** کے معنی ہیں اٹھانا بعض نے فرمایا کہ بمعنی اکھیڑنا ہیں بعض نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں اکھیڑ کر اٹھانا (از تفسیر کبیر و معانی وغیرہ) مگر قوی یہ ہی ہے کہ بمعنی اٹھانا ہے پہاڑ سے

مراد طور پہاڑ ہے بعض حضرات نے مختلف پہاڑ مراد لئے مگر صحیح یہ ہی ہے کہ طور پہاڑ مراد ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ورفعنا فوقهم الطور** اس آیت نے **نتق** کے معنی اور پہاڑ کی تعینی فرمادی **فوقهم** بھی یہ ہی بتا رہا ہے کہ **نتق** بمعنی اٹھانا ہے **كانه ظلة** یہ عبارت متعلق ہے **نتقنا** کے **ظلة** بنا ہے **ظل** سے بمعنی سایہ ظلہ سائبان شامیانہ یعنی جیسے سائبان ساری قوم پر ہوتا ہے اور سروں سے قریب ہوتا ہے یوں ہی طور پہاڑ ان سب پر چھا گیا اور وہ بادل کی طرح زیادہ اونچا نہ تھا بلکہ ان کے سروں کے قریب تھا شامیانہ کی طرح یہ دو باتیں بتانے کے لئے سائبان سے تشبیہ دی گئی۔ خیال رہے کہ چھت، شامیانہ خیمہ سب **ظلة** ہیں یعنی سایہ کرنے والی چیز **وظنوا انه واقع بهم** یہ عبارت معطوف ہے **نتقنا** پر اس لئے واو عاطفہ ہے اور **ظن** بمعنی یقین ہے نہ کہ بمعنی گمان یا وہم **بهم** میں **ب** بمعنی علیٰ ہے یعنی انہیں یقین ہو گیا کہ پہاڑ ان پر گر جاوے گا اور وہ دب کر مر جائیں گے کیونکہ اتنی وزنی چیز بغیر کسی پر رکھے ہوئے بغیر کسی سے لٹکے ہوئے کیسے ٹھہر سکتی ہے فضا اسے سنبھال نہیں سکتی۔ **خذوا ما اتينكم بقوة** یہاں **خذوا** سے پہلے **قلنا** پوشیدہ ہے یعنی ہم نے ان اسرائیلیوں سے فرمایا یا تو فرشتہ کی زبان پر یا موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر **خذوا** کے معنی ہیں یعنی قبول کرو مانو **ما** سے مراد ہے توریت شریف چونکہ کتاب اللہ نبی کی معرفت امت ہی کو دی جاتی ہے ان سے یہ عمل کرانا مقصود ہوتا ہے اس لئے **اتينكم** فرمانا اور دوسری جگہ **واتينا موسى الكتب** فرمانا درست ہے ان دونوں میں کوئی اختلاف یا تعارض نہیں۔ **بقوة** کا تعلق **خذوا** سے ہے یعنی اس کتاب کو اپنی طاقت و قوت سے پکڑ لو اس کے سخت احکام پر عمل کرو۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو توریت شریف پہلی بار دکھائی اور سنائی تو ان لوگوں نے ماننے اور عمل کرنے سے انکار کر دیا ان پر اچانک بہت اور سخت تر احکام آ گئے جس سے وہ گھبرا گئے تب انہیں منوانے کے لئے یہ عمل کیا گیا یہ واقعہ سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے **واذكروا ما فيه** یہ عبارت معطوف ہے **خذوا** پر ذکر سے مراد ہے یاد رکھنا عمل کرنے کے لئے **ما** سے مراد سارے احکام ہیں عقائد کے ہوں یا اعمال کے **فيه** کی ضمیر الکتاب کی طرف ہے یعنی جو احکام سخت ہوں یا نرم اس کتاب میں وہ سارے کے سارے یاد رکھو ان پر عمل کرو **لعلكم تتقون** یہ فرمان عالی **خذوا** اور **اذكروا** کی وجہ ہے یا مقصد لعل بندوں کے لحاظ سے بمعنی شاید ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کی نسبت سے بمعنی تاکہ۔ تقویٰ کے معنی ڈرنا بھی ہیں اور بچنا بھی یہاں بمعنی بچنا ہے اس کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی تم آگ دوزخ سے یا اپنی پرانی خصلتوں بد عقیدگیوں سے بچ جاؤ یا بچے رہو کہ توریت پر عمل، تقویٰ و پرہیزگاری کی اصل ہے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر میں معلوم ہو چکا کہ اس پہلی آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک وہ کہ یہ آیت مسلمانوں کی تعریف و توصیف میں ہو دوسرے وہ کہ یہ اصل یہودیت پر قائم رہنے والے اسرائیلیوں کے متعلق ہو دوسری بات قوی تر ہے ہم اس تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اب تک جن اسرائیلیوں پر عذاب ہوا یہ وہ تھے جنہوں نے توریت میں تبدیلی کی اس پر رشوتیں لیں۔ مگر وہ اسرائیلی جو توریت شریف کو مضبوطی سے تھامے رہے اس کے بتائے ہوئے عقائد و اعمال اختیار کئے رہے ان کے دین میں جو نماز تھی اسے صحیح طور پر ہمیشہ پڑھتے رہے حتیٰ کہ جب وقت ملا تو نبی آخر الزمان پر ایمان لے آئے ہم ایسوں کو ثواب ضرور دیں گے کیونکہ ہم کریم ہیں رحیم ہیں کسی کا اجر و ثواب برباد و ضائع نہیں کیا کرتے۔ جو کچھ حالات عام اسرائیلیوں کے تم نے

سنے یہ تو بعد کے ہیں انہوں نے ابتداء میں ہی سرکشی کی تھی کہ جب موسیٰ علیہ السلام توریت لائے اور انہوں نے سارے اسرائیلیوں کو سنائی تو وہ کہہ بیٹھے کہ **سمعنا و عصینا** ہم نے سن تو لی مگر عمل نہ کریں گے تب ہم نے ان پر طور پہاڑ اپنی جگہ سے اکھیڑ کر ان کے سروں پر لا کھڑا کیا جو شامیانہ کی طرح سارے لوگوں پر چھا گیا اور ان کے سروں سے قریب ہو گیا انہیں یقین ہو گیا کہ اب ہم پر گرا ہی جاتا ہے پھر ہم نے ان سے کہا کہ جو احکام تم کو دیئے جا رہے ہیں انہیں خوب مضبوطی سے قبول کرو اور اس کتاب میں جو کچھ ہے اسے یاد رکھو عمل کرو تاکہ تم متقی پرہیزگار بنو۔

لطیفہ: جب طور پہاڑ ان لوگوں پر مسلط کیا گیا تو یہ لوگ اظہار اطاعت کے لئے سجدہ میں گر گئے اور بولے کہ مولیٰ ہم نے سب کچھ قبول کر لیا مگر سجدہ الٹے رخسارہ پر کیا نگاہ پہاڑ کی طرف رکھی کہ کہیں ہم پر گر نہ جاوے اب بھی یہود بائیں رخسارہ پر ہی سجدہ کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم کو اسی طرح کے سجدے نے پہاڑ سے بچایا تھا سب کا سجدہ پیشانی پر ہوتا ہے مگر یہود کا سجدہ رخسار پر (تفسیر کبیر)

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کامیابی کا ذریعہ کتاب اللہ کو ماننا اس پر عمل کرنا ہے اس کے بغیر کتنی ہی نیکیاں کرے وہ محض بیکار ہے یہ فائدہ **والذین یمسکون** سے حاصل ہوا دیکھو اس آیت میں پہلے فرمایا **یمسکون بالکتاب** پھر فرمایا **واقاموا الصلوۃ**۔ **دوسرا فائدہ**: جب تک توریت و انجیل منسوخ نہیں ہوئی تھیں تب تک ان کو مضبوطی سے پکڑنا ان پر عمل کرنا ہدایت تھی اب ان پر عمل گمراہی ہے مثلاً انجیل میں شراب حلال کی گئی تھی اب جو اسے حلال جانے کافر ہے ہاں ان کے عقائد ان کے غیر منسوخ اعمال پر اب عمل ہو گا مگر اس لئے کہ یہ قرآن کے احکام ہیں دیکھو توریت و انجیل میں حضور انور پر ایمان لانے کا حکم تھا اس حکم پر اب بھی عمل واجب ہے قرآن کریم نے بھی یہی حکم دیا **آمنوا باللہ و رسولہ** یہ فائدہ بھی **یمسکون بالکتاب** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ **تیسرا فائدہ**: قرآن مجید تاقیامت لائق عمل ہے ہر شخص پر واجب ہے کہ اسے اپنا دستور العمل بنائے یہ فائدہ الکتب کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ الکتب سے مراد قرآن مجید ہو۔ **چوتھا فائدہ**: تمام دینی کاموں میں نماز بہت اہم چیز ہے یہ فائدہ **اقاموا الصلوۃ** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے اسے **یمسکون بالکتاب** کے ساتھ بیان فرمایا مگر خیال رہے کہ نماز پڑھ لینا کمال نہیں بلکہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا۔ **پانچواں فائدہ**: مسلمان کو چاہئے کہ کسی نیکی کے بلاوجہ ضائع ہونے کا خیال بھی نہ کرے کہ رب نے ضائع نہ کرنے کا وعدہ فرما لیا ہے اس کے وعدے سچے ہیں وعدہ خلافی ناممکن ہے یہ فائدہ **انا لا نضیع** فرمانے سے حاصل ہوا خیال رہے کہ نیکیوں کا ضائع ہونا خود انسان کی اپنی غلطی سے ہوتا ہے رب فرماتا ہے **ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون**۔ **چھٹا فائدہ**: کفار بدکار کے نیک اعمال ضائع و برباد ہیں ان میں قبولیت کے پھل پھول نہیں لگتے کہ ان پر ثواب ملے یہ فائدہ **اجر المصلحین** سے حاصل ہوا کہ ضائع نہ کرنے کے لئے مصلحین کی قید لگائی رب فرماتا ہے **وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلنہ ھباء منثورا**۔ **ساتواں فائدہ**: جبراً مانی ہوئی قبول کی ہوئی چیز کا بقا نہیں دل سے مانی ہوئی چیز کا بقا ہے دیکھو مسلمانوں نے قرآن دل سے مانا بحمدہ تعالیٰ اب تک مان رہے ہیں اور انشاء اللہ مانتے قبول کرتے رہیں گے بنی اسرائیل نے توریت ڈر کر مانی تھی بہت جلد اسے چھوڑ بیٹھے یہ فائدہ **واذ نتقنا** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ

پہاڑ کو اس کی جگہ سے اکھیڑ دے اسے اٹھاوے اور پھر وہاں ہی قائم کر دے۔ جماوے یہ فائدہ بھی **واذنتقنا الجبل** سے حاصل ہوا۔ لہٰذا حضور کا یہ فرمان بالکل درست ہے کہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں یہ بھی درست ہے کہ حضور عالی کے فرمان پر درخت چل کر آئے ان تمام احادیث کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ **نواں فائدہ**: قرآن مجید کا تیئس سال میں آہستگی سے آنا اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے کہ اس سے مسلمانوں کو سارے احکام پر عمل کرنا آسان ہو گیا یہود کے توریت پر عمل سے انکار کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان پر یکدم سارے احکام آگئے یہ فائدہ بھی **واذنتقنا الجبل** کے واقعہ سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ**: کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑنا اس کو یاد رکھنا اس پر عمل کرنا پرہیزگار بننے دوزخ سے بچنے کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **لعلکم تتقون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: کتاب الٰہی کو مضبوطی سے پکڑتے ہی ساری عبادات آگئیں پھر اس کے بعد **اقاموا الصلوۃ** کیوں فرمایا گیا نماز توریت میں مذکور نہ تھی۔ **جواب**: نماز کا ذکر علیحدہ یا تو اس لئے کیا گیا کہ نماز سارے شرعی احکام میں اہم ہے اگرچہ یہ ہے آسان مگر نفس پر زیادہ گراں ہے رب فرماتا ہے **وانها لكبيرة** یا اس لئے کہ نماز کی پابندی ساری عبادات معاملات کو آسان کر دیتی ہے چونکہ کتاب توریت کو مضبوطی سے پکڑنا مشکل کام تھا اس لئے فرمایا کہ نماز قائم کرو تاکہ تم پر یہ مشکل آسان ہو جاوے۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں **یمسکون** مضارع ارشاد ہوا اور **اقاموا** ماضی اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ **جواب**: یا اس لئے تاکہ معلوم ہو کہ کتاب اللہ کو مضبوط تھامنا ہر وقت ضروری ہے اور نماز ادا کرنا کبھی کبھی کہ پنجگانہ نماز دن رات میں پانچ بار جمعہ کی نماز ہفتہ میں ایک بار عید کی نماز سال میں ایک بار یا اس لئے کہ **واقاموا** حال ہے **یمسکون** کے فاعل سے یعنی کتاب اللہ مضبوطی سے تھامیں اس حال میں کہ نماز کے پابند ہوں۔ خیال رہے کہ دین موسوی میں نماز تھی روزانہ وار بھی ہفتہ وار بھی سالانہ بھی مگر ان کے ہاں روزانہ نمازیں دن رات میں دو تھیں اس کا کچھ ذکر پہلے پارہ میں ہو چکا ہے۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نیک کاروں کی نیکیاں برباد نہیں کرتا جس سے پتہ چلا کہ گنہگاروں کی نیکیاں برباد ہوں گی حالانکہ اپنے پرائے کسی کی نیکیاں برباد کرنا خلاف انصاف ہے کسی سے کام کرا کر مزدوری نہ دینا بہرحال برا ہے مزدور خواہ کافر ہو یا مومن۔ **جواب**: اگر مزدور ہمارے بتائے ہوئے کام کے خلاف کام کرے وہ مزدوری کا نہیں سزا کا مستحق ہوتا ہے ہم نے دیوار بنانے کو کہا اس نے اسی جگہ کنواں کھود دیا تو اس کو مزدوری ملنا کیسا ہم نے کہا کہ میری زمین میں مکان بناؤ اس نے دوسرے کی زمین میں بنایا اسے یہ مزدوری کیوں جائے۔ نیز گھنا ہوا تخم سبزہ نہیں پیدا کرتا جس عمل میں کفر و شرک غداری کا ڈنک لگا ہو وہ مقبول نہیں ہوتا۔ **چوتھا اعتراض**: پہاڑ اکھیڑنے کے ساتھ یہ کیوں فرمایا کہ **كانه ظلة** یہ معنی تو **فوقهم** فرمانے سے حاصل ہو چکے تھے اوپر والی چیز سائبان کی طرح ہوتی ہے۔ **جواب**: یہ فرما کر دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ پہاڑ ساری قوم پر چھا گیا تھا جیسے شامیانہ۔ اگر گرتا تو سارے ہی دب کر مر جاتے چنانچہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا سایہ ایک کوس تک تھا ہر چہار طرف دوسرے یہ کہ وہ پہاڑ شامیانہ کی طرح ان کے سروں سے بہت قریب تھا آسمان یا بادل کی طرح دور نہ تھا ایک اشارہ کی دیر تھی کہ ان سب کا ڈھیر ہو جاتا یہ معانی صرف **فوقهم** سے حاصل نہ ہوتے۔ **پانچواں اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ جو کچھ ہم نے تم کو دیا انہیں مضبوطی سے پکڑو اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی صرف **خذوا** کہنا کافی تھا۔ **جواب**: اس فرمان عالی میں اس جانب

اشارہ تھا کہ توریت کے سارے احکام تمہارے لئے قابل عمل رہیں گے ان میں ترمیم تنسیخ نہ ہوگی انہیں خوب مضبوطی سے پکڑنا کہ ان میں سے ایک بھی نہ چھوٹے اور کبھی نہ چھوٹے تم پر لازم ہے۔ ہمارے قرآن مجید کی طرح نہ تھا کہ کلام الٰہی کے احکام نرم آئے پھر آہستہ آہستہ سختی کی گئی جیسے شراب کی حرمت یا روزے کی فرضیت میں ہوا بلکہ نماز میں بھی یہ ہی ترتیب رہی۔

تفسیر صوفیانہ: کتاب الٰہی کو دیکھنا اور ہے پڑھنا کچھ اور لے چھونا اور ہے پکڑنا اور مگر مضبوط پکڑنا کچھ اور ہی چیز ہے اعلیٰ درجہ ہے مضبوط پکڑنے کا۔ ظاہری مادی چیز کو بہت مضبوط پکڑنا ہو تو دانت سے پکڑتے ہیں مگر روحانی نورانی چیز کو مضبوط پکڑنا ہو تو دل سے پکڑتے ہیں کہ جسم عمل کرے اور دل اس کو پسند کرے بلکہ محبت کرے بنیاد والی دیوار مضبوط ہوتی ہے عشق و محبت والی اطاعت قوی اس لئے یہاں **یمسکون** فرمایا یہ ہی حال نماز کا ہے کہ صرف جسم سے ارکان نماز ادا کر لینا نماز پڑھنا ہے مگر دل کے خشوع و خضوع کے ساتھ ارکان ادا کرنا نماز قائم کرنا ہے ستون قائم ہے تو چھت قائم ستون اگر گر گیا چھت کیسے رہے۔ شعر

خانہ دین خویش را حج خدا　　　برستون نماز کرد بنا
بے یکے ناستوں بجائے بود　　　خانہ دین حق بجائے بود

صوفیاء کے نزدیک مصلح وہ ہے جو اپنے قول، فعل، عمل، عقیدہ، ظواہر، سرائر وغیرہ سب کو اس طرح درست کرے کہ وہ نور الٰہی فیض ربانی قبول کرنے کے قابل ہو جاوے دشوار کام اصلاح ہے۔ اصلاح یعنی قابلیت و صلاحیت کے بعد کمال حاصل ہو سکتا ہے جب لوہا گرم ہو کر مڑنے کی صلاحیت پالے تو اسے جو چاہو بنالو اس صلاحیت و قابلیت کے لئے نگاہ شیخ کامل ضروری ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کسی چیز کو یا تو خوف سے مانا جاتا ہے یا ذوق سے یا شوق سے خوف سے ماننا ناقص ہے کہ خوف جانے میں ماننا بھی ختم ہو جاوے گا مگر ذوق یا شوق سے ماننا کامل ہے اس کے لئے فنا نہیں مسلمانوں نے قرآن مجید ذوق یا شوق سے مانا وہ اس پر قائم رہے بنی اسرائیل نے مانا تھا خوف سے اس لئے وہ توریت کو چھوڑ بیٹھے بلکہ بگاڑ بیٹھے اللہ تعالیٰ ذوق و شوق نصیب کرے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ

اور جب لیں رب نے تمہارے آدم کی اولاد سے ان کی پیٹھوں سے ان کی ذریت اور گواہ بنایا

اور اے محبوب یاد کرو جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی اور انہیں

عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ

ان کو اوپر جانوں سے ان کے کیا نہیں ہوں میں رب تمہارا وہ بولے ہاں گواہ بنے ہم کہ کہو تم دن قیامت کے

خود ان پر گواہ کیا کیا میں تمہارا رب نہیں سب بولے کیوں نہیں ہم گواہ ہوئے کہ کہیں قیامت کے

الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ (۱۷۲)

کہ بیشک تھے ہم اس سے بے خبر۔

دن کہو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اس عہد و پیمان کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل سے عطاء توریت کے وقت جبراً "لیا گیا پہاڑ سے ڈرا کر اب اس عہد و پیمان کا ذکر ہے جو سارے انسانوں سے بخوشی لیا گیا تھا یعنی میثاق کے دن گویا خاص اور جبری عہد و پیمان کے بعد عام اور خوشی والے عہد کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بنی اسرائیل پر حجت قائم کی گئی تھی کہ انہوں نے عہد و پیمان ہم سے کئے پھر انہیں توڑ کر عذاب کے مستحق ہوئے اب اس آیت میں سارے انسانوں پر حجت قائم فرمائی گئی ہے کہ تم سب ہم سے عہد و پیمان کر گئے ہو اگر اس کی خلاف ورزی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی تھی جو کتاب الٰہی کو مضبوطی سے تھامیں اور نماز قائم کریں اب اس تعریف کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ وفادار لوگ ہیں جنہوں نے میثاق والا عہد پورا کیا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں حضور ﷺ کی نبوت آپ کے علم غیب سے ثابت کی گئی کہ بنی اسرائیل کا ابتدائی واقعہ توریت ملنے اور ان کے انکار کرنے پھر پہاڑ اکھیڑے جانے کا بیان فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ جو باتیں بنی اسرائیل نے چھپادی تھیں وہ حضور انور پر روشن ہیں اب اس آیت میں اس سے بڑھ چڑھ کر حضور کا علم غیب بیان ہو رہا ہے کہ حضور انور پر انسان کی اول پیدائش کے وقت کے واقعات پوشیدہ نہیں کہ جو میثاق کے دن رب نے عہد و پیمان لیا وہ بھی حضور انور سے مخفی نہیں گویا حضور انور کا ایک معجزہ بیان فرمانے کے بعد دوسرا عجیب تر معجزہ بیان ہو رہا ہے۔ جس نبی پر عالم کی ابتداء اتنی ظاہر ہے اس پر بنی اسرائیل کی ابتداء انتہا کیسے چھپ سکتی ہے (تفسیر صاوی)۔

تفسیر: واذاخذ ربک قوی یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے لہذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور یہ **اذکر** پوشیدہ کا مفعول ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ معطوف ہے **واذنتقنا الجبل** پر لہذا واؤ عاطفہ ہے مگر پہلی بات ظاہر ہے (معانی) اگر یہ **اذنتقنا** پر معطوف ہے تو یہ بنی اسرائیل پر دوسرا الزام ہے کہ انہوں نے میثاق کے دن ہم سے یہ وعدہ کیا تھا مگر دنیا میں جاکر یہود تو عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مان بیٹھے جیسے کہ توریت ماننے کا عہد کرکے اسے توڑ بیٹھے **اذ** ظرف ہے مگر **اذکر** کا مفعول **بہ** ہے یعنی اے محبوب ان لوگوں سے اس وقت کا ذکر کرو۔ خیال رہے کہ یہاں **اخذ** ارشاد ہوا اخرج یا اظہر ارشاد نہ ہوا تاکہ اس عہد و پیمان کی عظمت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے کہ اس **اخذ** میں انسان کی اشرفیت اس کے خاص چناؤ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ خلافت الٰہیہ کے لائق ہے اس لئے اس کے ساتھ **ربک** ارشاد ہوا تاکہ حضور انور کی عظمت بھی اشارۃً معلوم ہو کہ ہم نے لوگوں سے یہ عہد و پیمان اس شان سے لیا کہ ہم اے محبوب تمہارے رب ہیں وہ مجھے اس طرح جانیں مانیں پہنچانیں کہ میں رب محمد ہوں۔ (از روح المعانی) گویا اس عہد میں اپنی الوہیت کے ساتھ محمد مصطفےٰ ﷺ کی نبوت کے اقرار کا ضمنی ذکر ہے **من بنی آدم** یہ عبارت **اخذ** کے متعلق ہے بنی آدم سے مراد انسان ہے کیونکہ بشر "انسان" آدمی کی طرح بنی آدم بھی انسان کا نام بن چکا ہے لہذا اس میں آدم علیہ السلام بھی داخل ہیں کیونکہ پہلے تو انہیں کی پشت سے ان کی اولاد نکالی گئی پھر اولاد کی پشت سے ان کی اولاد اسی طرح تا روز قیامت (تفسیر صاوی وغیرہ) **من ظهورهم** یہ عبارت **من بنی آدم** سے بدل بعض ہے ظہور جمع ہے ظہر کی۔ معنی پشت (پیٹھ) بچہ اولاً "باپ کی پیٹھ میں رہتا ہے پھر وہاں سے منتقل ہو کر ماں کے پیٹ میں چونکہ تمام کو

باپ کی پشتوں سے نکالا گیا تھا نہ کہ ماں کے پیٹ سے اس لئے ظہور فرمایا اور **ھم** ضمیر ذکر ارشاد ہوا بیٹے بیٹیاں سب ہی نکالی گئیں اس فرمان عالی سے عیسیٰ علیہ السلام مستثنیٰ ہیں کیونکہ آپ کو جناب مریم کے پیٹ سے نکالا گیا اور پھر وہاں ہی منہ کے راستہ سے واپس کیا گیا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے نیز اس سے وہ انسان علیحدہ ہیں جو بچپن میں فوت ہو گئے یا نامرد رہے یا جن کی شادی نہ ہوئی جیسے عیسیٰ علیہ السلام یا جن کے اولاد نہ ہوئی۔ جن کے اولاد ہونے والی تھی ان کی پشت سے اولاد نکالی گئی (تفسیر روح البیان وغیرہ) **ذریتھم** یہ **اخذ** کا مفعول بہ ہے **ذریت** بنا ہے **ذر** سے · بمعنی چھوٹی سے چیونٹی اسی سے ہے ذرہ اولاد کو ذریت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ میثاق کے دن چھوٹی چیونٹی کی شکل ظاہر ہوئی تھی اس میں لڑکے لڑکیاں سب داخل ہیں۔ خیال رہے کہ فقط روحیں نہیں نکالی گئی تھیں کیونکہ باپ کی پشت میں اولاد کا مادہ رہتا ہے نہ کہ روح وہ تو ماں کے پیٹ میں چار ماہ گزر جانے پر عالم ارواح سے لا کر ڈالی جاتی ہے اس دن اولاد کا مادہ **جز لایتجزی** نکالا گیا اس میں وہ روح ڈالی گئی جو آئندہ دنیا میں ڈالی جانے والی تھی ان کو عقل و ہوش سننے دیکھنے سمجھنے کی قوت دی گئی جیسا کہ ایک وقت پہاڑوں میں بولنے کی طاقت دی گئی کہ انہوں نے داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کی۔ کنکروں نے حضور پر درود شریف پڑھا درخت حضور کے حکم پر چل کر آئے اونٹوں نے حضور کو سجدہ کیا یہ تمام واقعات اس بنا پر تھے کہ ان چیزوں میں عقل و ہوش و گوش پیدا فرما دیئے گئے (تفسیر کبیر وغیرہ) لہٰذا آیت پر کوئی اعتراض نہیں حق یہ ہے کہ ذریت میں حضرات انبیاء کرام بھی داخل ہیں کیونکہ یہ عہد ربوبیت ان سے بھی لیا گیا تھا بلا دلیل ان حضرات کو اس سے علیحدہ سمجھنا درست نہیں **واشھدھم علی انفسھم** یہ عبارت معطوف ہے **اخذ** پر **اشھد** کا فاعل رب تعالیٰ ہے **ھم** کا مرجع **ذریت** کیونکہ لفظ ذریت اگرچہ مونث ہے مگر اس کے معنی مذکر جمع ہیں کہ اس کے معنی ہیں اولاد۔ انفس جمع ہے نفس کی نفس کے بہت معنی ہیں خون' جان' نفس امارہ' نفس مطمئنہ' نفس لوامہ' ذات' یہاں بمعنی ذات ہے اگر **انفسھم** کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے پر گواہ تب تو گواہی اپنے معنی میں ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ ہر شخص اپنے پر گواہ تو گواہی · بمعنی اقرار ہے چونکہ یہ گواہی یا اقرار بہت لوگوں پر قیامت میں ان کے خلاف کام آوے گی اس لئے یہاں **علیٰ** ارشاد ہوا یعنی ان سب کو ایک دوسرے پر گواہ بنایا ہر ایک سے اقرار و عہد لیا۔ **الست بربکم** یہاں **قال** پوشیدہ ہے ظاہر یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ان سب پر اپنی تجلی ڈالی اپنا جمال دکھایا اور پھر ان سے یہ سوال کیا بعض مفسرین نے فرماتے ہیں کہ کفار پر تجلی قہر ڈالی اور مومنین پر تجلی رحمت (روح المعانی) **الست** میں سوال سوال انکاری ہے جو نفی پر داخل ہوا جس سے یہ ثبوت بن گیا۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ عالم ارواح میں روحوں کی پرورش فرماتا تھا اور عالم اجسام میں ان ذرات کی جو آج اپنے باپوں کی پشت سے ظاہر ہوئے یہ ربوبیت ظاہر تھی اور ہے اور رہے گی لہٰذا یہ سوال بالکل درست ہے یعنی مجھے دیکھ لو اور بولو کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ضرور ہوں۔ **قالوا بلیٰ شھدنا** یہ ان سب کا جواب ہے سب سے پہلے حضور انور نے **بلیٰ** فرمایا پھر آپ سے سن کر دوسرے انبیاء کرام نے پھر باقی تمام لوگوں نے مگر مومنین نے تو بخوشی **بلیٰ** کہا اور کفار و منافقین و مشرکین نے ناچار مجبوراً" **بلیٰ** کہا اس لئے بعض علماء فرماتے ہیں کہ مومنین کے چھوٹے بچے جو مر جائیں وہ جنتی ہیں کہ وہ میثاق والے ایمان پر دنیا میں آئے اسی پر مرے مگر کفار کے چھوٹے مر جانے والے بچے دوزخی ہیں کہ وہ میثاق کے دن والے نفاق و کفر پر پیدا ہوئے اس پر مرے مگر یہ قول اس حدیث کے خلاف ہے کہ **کل مولود یولد علی الفطرۃ** ہر بچہ فطری

اسلام یعنی میثاق والے عہد و پیمان پر پیدا ہوتا ہے **فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ** پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی وغیرہ بنا دیتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب نے بخوشی **بلٰی** کہا تھا اور کفار کے نا سمجھ بچے دوزخی نہیں۔ خیال رہے کہ بلٰی میں منفی کا اقرار ہوتا ہے اور **نعم** میں نفی کا اقرار یعنی **نعم** کے معنی یہ ہوتے کہ ہاں تو ہمارا رب نہیں ہے یہ عین کفر ہوتا **بلٰی** کے معنی ہوئے کہ ہاں تو ہمارا رب ہے یہ ایمان ہوا (روح البیان و معانی وغیرہ) **بلٰی** تو جواب ہے **الست بربکم** کا اور **شھدنا** یا تو اس اقرار کا بیان ہے تو **بلٰی** پر وقف نہیں اور یا اقرار کا نتیجہ ہے تب **بلٰی** پر وقف ہے اس لئے **بلٰی** پر جیم کا وقف ہے۔ لفظ **بلٰی** کی تحقیق۔ کہ یہ ایک ہی لفظ ہے یا یہ اصل میں بل تھا الف زیادہ کیا گیا پھر وہ الف تانیث کا ہے جیسے تحت اور ربت کی ت یا تانیث کا نہیں یہاں روح المعانی میں دیکھو۔ **ان تقولوا یوم القیٰمتہ** توی یہ ہے کہ یہ عبارت **اخذ ربک** اور **اشھدھم** کا مفعول **لہٗ** ہے یا تو ان سے پہلے لا پوشیدہ ہے یا ان سے پہلے **کراھتہ** پوشیدہ یہ فرمان عالی یا تو یہود مدینہ سے ہے جو حضور انور کے زمانہ میں تھے یا اس وقت یعنی عہد و پیان لیتے وقت سب سے ارشاد ہوا تھا یعنی ہم نے تم سے یہ عہد و پیان اس لئے کیا تاکہ تم قیامت کے دن عذر نہ کر سکو اور یہ نہ کہہ سکو **انا کنا عن ھذا غفلین** یہ عبارت **تقولوا** کا مفعول ہے **کنا** سے مراد ہے کہ ہم دنیا میں بے خبر رہے **ھذا** سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت الوہیت توحید بلکہ ایمان کی کہ طرف اشارہ ہے۔ یعنی خداوندا! ہم شرک و کفر میں جتلا رہے بے قصور ہیں ہمیں خبر تھی ہی نہیں کہ تو ہی ہمارا رب ہے تیرے سواء اور کوئی رب نہیں اور اے رب کریم تو بے خبر کو پکڑتا نہیں ہم کو چھوڑ دے عذاب نہ کر۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ کی تفسیر میں معتزلہ فرقے نے عموماً اور بعض اہل سنت مفسرین نے خصوصاً بہت گفتگو کی ہے کسی نے کہا کہ یہ محض ایک خیالی چیز ہے جو بطور تصور کفار پر پیش کی گئی ہے کسی نے کہا کہ حضرات انبیاء کرام کا بھیجنا ہی گویا یہ اقرار ہے کسی نے کہا کہ یہ کلام حالیہ ہے نہ کہ مقالیہ ظاہری اقرار وغیرہ نہ تھا ہم بفضلہ تعالیٰ اس آیت کی وہ تفسیر عرض کرتے ہیں جو جمہور مفسرین اور عام صحابہ کرام خصوصاً حضرت عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کی ہے اور جس کی تائید حدیث مرفوع صحیح سے ہے اور جو بالکل ظاہر آیت کے مطابق ہے جس میں کسی تاویل اور ایچ پیچ کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے تین عہد و پیان لئے تھے ایک تو اپنی ربوبیت کا جو عام انسانوں سے لیا گیا دوسرا حضور ﷺ پر ایمان لانے کا جو حضرات انبیاء کرام سے لیا گیا جس کا ذکر اس آیت میں ہے **واذ اخذ اللہ میثاق النبین** تیسرا عہد کتاب اللہ کو نہ چھپانے لوگوں تک پہنچا دینے کا یہ عہد علماء بنی اسرائیل سے لیا گیا جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ **واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ** یہاں اس آیت میں پہلے عہد کا ذکر ہے اے محبوب ﷺ آپ ان لوگوں سے اس واقعہ کا ذکر کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ کے علاقہ میں عرفات پہاڑ کے پیچھے میدان نعمان میں آدم علیہ السلام کی پشت پر دست قدرت پھیر کر ان سے ان کی اولاد نکالی پھر اولاد سے ان کی اولاد پھر ان سے ان کی اولاد حتی کہ تاقیامت پیدا ہونے والے لوگ اسی ترتیب سے نکالے جس ترتیب سے پیدا ہوں گے یہ سب چیونٹیوں کی شکل میں تھے پھر ان پر اپنی تجلی ڈالی اپنا جمال دکھا کر ان سے فرمایا کہ بولو کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہاں تو ہی ہمارا رب ہے ہم اس کی گواہی دیتے ہیں یعنی اقرار کرتے ہیں رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے یہ عہد و پیان اس لئے لے لیا تاکہ تم قیامت میں یہ نہ کہہ سکو کہ اے مولیٰ تیری ربوبیت سے

بے خبر رہے ہمیں معافی دے دے کریم بے خبر مجرم کو پکڑا نہیں کرتے۔

تحقیقات: امام قطب الدین شعرانی نے اپنی کتاب **القواعد الکشفیہ فی الصفات الالھیہ** میں اس واقعہ کے **متعلق** بارہ تحقیقات سوال و جواب کی شکل میں بیان فرمائیں ہم ان کا ترجمہ پیش کرتے ہیں (از صاوی) **سوال 1**- یہ عہد و پیان کس جگہ لیا گیا۔ **جواب**: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ عرفات پہاڑ کے متصل میدان نعمان میں توبہ قبول ہو چکنے کے بعد۔ بعض نے فرمایا مقام سراندیب میں جہاں آدم علیہ السلام اتارے گئے۔ امام کلبی کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ جنت میں ہی لیا گیا آپ کے زمین پر آنے سے پہلے **سوال 2**- اس **ذریت** کو کیسے نکالا گیا؟ **جواب**: **حدیث** صحیح میں ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت پر اپنا دست قدرت پھیرا جس سے وہ روحیں آپ پر رونگٹے کی جڑوں سے چیونٹیوں کی شکل میں ایسے نکلیں جیسے پسینہ یا ساتھ میں میل نکلتا ہے مگر ہاتھ کا پھیرنا وہ تھا جو رب کی شان کے لائق تھا پھر آدم کی اولاد سے ان کی اولاد اسی طرح تاقیامت انسان نکالے گئے۔ **سوال 3**- ان لوگوں نے **بلٰی** کیسے کہا؟ **جواب**: حق یہ ہے کہ اس زبان **قال** سے کہا جس سے آج باتیں کرتے ہیں اسی وقت انہیں تمام اعضاء عقل، ہوش، نطق وغیرہ سب کچھ بخش دیا گیا تھا۔ **سوال 4**- جب وہاں سب نے یہ اقرار کر لیا تھا تو دنیا میں آ کر بعض لوگوں کافر کیوں ہوئے سب ہی مومن ہونے چاہئے تھے۔ **جواب**: حکیم ترمذی نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے مومنوں پر رحمت کی تجلی ڈالی تو انہوں نے بخوشی **بلٰی** کہا وہ دنیا میں مومن ہوئے کفار و منافقین پر غضب کی تجلی ڈالی تو انہوں نے صرف خوف سے **بلٰی** کہہ دیا وہ دنیا میں کافر رہے (یہ حکیم ترمذی کی رائے ہے)۔ **سوال 5**- یہ عہد کسی کو یاد بھی رہا یا نہیں؟ **جواب**: ہاں بعض بندوں کو یاد رہا حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھے وہ عہد و پیان سارا کا سارا یاد ہے سہل تستری فرماتے ہیں کہ میں نے اسی دن سے اپنے مریدوں، شاگردوں کو پہچان لیا کسی نے ذوالنون مصری سے پوچھا کہ کیا وہ عہد آپ کو یاد رہے فرمایا گویا اب بھی وہ آواز کانوں میں گونج رہی ہے جسے میں سن رہا ہوں (روح البیان) ہمارے پنجاب کے حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں۔ شعر

قالوا بلٰی تے کل دی گل اے اساں اگے ہی پریت لگائی

مہر علی جدوں بیٹھے سن دتی سی میم گواہی!

ہاں عام لوگ دراز زمانہ ہونے کی وجہ سے بھول گئے انہیں حضرات انبیاء کرام اور آسمانی کتب و صحیفوں نے یاد دلایا اب یاد آئے چاہے نہ آئے ماننا ضرور ہے۔ **سوال 6**- اس وقت یہ چیونٹیاں شکل انسانی میں تھیں یا کسی اور شکل میں؟ **جواب**: اس کے متعلق کوئی صریحی نص نہیں ملی ہاں یہ معلوم ہے کہ ان میں سننے دیکھنے بولنے سمجھنے کی طاقت دی گئی تھی روح انسانی ان میں ڈالی گئی۔ **سوال 7**- ان جسموں میں روح کب ڈالی گئی پشت سے نکلنے سے پہلے یا بعد میں۔ **جواب**: ظاہر یہ ہے کہ پشت میں ہی روح ڈال دی گئی وہ ایسے زندہ نمودار ہوئے جیسے آج ماں کے پیٹ سے بچہ زندہ نکلتا ہے کیونکہ انہیں فرمایا گیا **ذریتھم** اور قرآن مجید میں جاندار اولاد کو ذریت کہا جاتا ہے جیسے **انا حملنا ذریتھم فی الفلک المشحون** یا جیسے **ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک** خیال رہے کہ روح انسانی چار بار جسموں میں پڑتی ہے ایک میثاق کے دن دوسرے ماں کے پیٹ میں پھر موت کے وقت نکال لی جاتی ہے پھر قبر میں سوال و جواب کے لئے پھر محشر میں صور پھونکتے وقت۔ جس کے بعد

جنت دوزخ میں نہ نکالی جائے گی ہاں بعض گنہگار مومن دوزخ میں مردہ کردیئے جائیں گے پھر نکال کر جنت میں بھیجے جائیں گے۔ **سوال 8**- یہ عہد لینے میں فائدہ کیا ہے۔ **جواب**: تاکہ دنیا میں آکر بدعہدی بے وفائی کرنے والوں کو قیامت میں پکڑا جاوے انہیں اس پر کوئی عذر نہ ہو۔ **سوال 9**- ان لوگوں کو جب اپنے اصول یعنی باپوں کی پشت میں واپس کیا گیا تو کیا پہلے ان کی روح نکالی بعد میں واپس کیا یا واپس لوٹ جانے کے بعد روح نکالی۔ **جواب**: ظاہر یہ ہے کہ پہلے روح نکالی بعد میں واپس لوٹایا جیسے بچہ ماں کے پیٹ سے جان لے کر زمین پر آتا ہے مگر قبر میں جان نکل دیئے جانے کے بعد جاتا ہے قبر میں جا کر جان نہیں نکالی جاتی۔ **سوال 10**- ان لوگوں کی روحیں اب نکل جانے کے بعد کہاں گئیں۔ **جواب**: جہاں سے لائی گئیں تھیں وہاں ہی لوٹائی گئیں ظاہر یہ ہی ہے حقیقت حال خدا جانے۔ **سوال 11**- یہاں تو یہ فرمایا گیا کہ اولاد آدم کی پشت سے انکی ذریت نکالی گئی یہ نہ فرمایا کہ خود آدم علیہ السلام کی پشت سے بھی ان کی اولاد نکالی گئی اس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب**: یہ بات ویسے بھی بغیر بتائے معلوم ہو گئی کہ پہلے اولاد آدم ان کی اپنی پشت سے نکلی پھر اس اولاد کی اولاد ان کی پشت سے اگر یہ لوگ حضرت آدم کی پشت سے نہ نکلتے تو ان کی اولاد کیسے کہلاتے اور بنی آدم ان پر صادق کیسے آتا۔ **سوال 12**- وہ کاغذ کہاں رکھا گیا جس میں یہ عہد و پیمان درج ہے۔ **جواب**: حدیث شریف میں ہے کہ وہ عہد نامہ سنگ اسود میں محفوظ ہے سنگ اسود خانہ کعبہ میں نصب ہے کل قیامت میں یہ پتھر اس طرح آئے گا کہ اس کے آنکھیں زبان منہ وغیرہ سب کچھ ہو گا اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو اولین و آخرین کا علم بخشا دیکھو انسان کی ابتدا آفرینش کے وقت کی خبریں حضور انور کی معرفت دنیا کو دیں یہ فائدہ **واذ اخذ** میں **اذکر** پوشیدہ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: انسان اشرف الخلق ہے دیکھو یہ عہد و پیمان صرف انسان سے لیا گیا نہ فرشتوں سے لیا گیا نہ حور و غلمان سے نہ جنات سے نہ کسی اور مخلوق سے یہ فائدہ من بنی آدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: عورت سے مرد افضل ہے دیکھو ذریت انسان کو ان کی ماؤں کے پیٹ سے نہ نکالا گیا بلکہ باپوں کی پیٹھ سے نکالا گیا معلوم ہوا کہ باپ اولاد کی اصل ہے یہ فائدہ **من ظهورهم** فرمانے سے حاصل ہوا اس لئے نسب باپ سے چلتا ہے نہ کہ ماں سے۔ **چوتھا فائدہ**: انسان کا اقرار گویا اس کی اپنے متعلق گواہی ہے دیکھو رب نے اس اقرار کو گواہی فرمایا **اشهدهم على انفسهم** اس لئے شریعت نے اقرار کو گواہی مانا ہے زنا کا ثبوت یا چار گواہوں سے ہوتا ہے یا چار اقراروں سے یہ فائدہ **واشهدهم على انفسهم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ **انفسهم** سے مراد خود ان کی اپنی ذات ہوں۔ **پانچواں فائدہ**: یہ عہد ربوبیت سارے انسانوں سے لیا گیا حتی کہ حضرات انبیاء کرام سے بھی اور ہمارے حضور ﷺ سے بھی یہ فائدہ **ذريتهم** کے اطلاق سے حاصل ہوا حتی کہ جو بچے دنیا میں پیدا ہوتے ہی فوت ہو جاتے ہیں ان سے بھی یہ عہد لیا گیا ہاں جو مرے ہوئے پیدا ہوتے ہیں یا کچے گر جاتے ہیں وہ اس عہد میں شامل نہ تھے کہ وہ ذریت نہیں۔ **چھٹا فائدہ**: اس عہد ربوبیت سے زیادہ اہم اور سنگین وہ عہد تھا جو حضرات انبیاء کرام سے حضور ﷺ کے متعلق لیا گیا کیونکہ یہاں صرف **بلٰى** پر کفایت کی گئی مگر وہاں ارشاد ہوا **اقال ءاقررتم واخذتم على ذلكم اصري** تو سب نے عرض کیا **قالوا اقررنا قال فاشهدوا وانا معكم من الشهدين** اس کی تفسیر ہم بفضلہ تعالیٰ تیسرے پارہ میں کر چکے ہیں۔ **ساتواں فائدہ**: لفظ **بلٰى** سے منفی شی کا اقرار ہو جاتا ہے اور **نعم** سے نفی کا اقرار

اگر کوئی کسی سے کہے **اما طلقت زوجتک** کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی تھی وہ جواب میں کہہ دے **بلیٰ** تو یہ طلاق دینے کا اقرار ہو گا اور اس سے طلاق واقع ہو جاوے گی۔ **آٹھواں فائدہ:** نبی کا یاد دلایا ہوا واقعہ دیکھے ہوئے کی طرح یقینی ہوتا ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں یہ فائدہ **عن ھذا غافلین** سے حاصل ہوا جس میں غفلت کی نفی فرمائی گئی حالانکہ وہ واقعہ ہم میں سے کسی کو یاد نہیں۔

پہلا اعتراض: جب یہ عہد و پیمان کسی کو یاد ہی نہ رہا تو اس کے لینے سے فائدہ کیا تھا یہ بے فائدہ کام کیوں کیا۔ **جواب:** جب ماں اپنے جوان بیٹے کو اس کے بچپن کی باتیں سناتی ہے تو وہ جوان بلاچون و چرا مان لیتا ہے کیونکہ اسے ماں پر اعتماد ہے یوں ہی جب حضرات انبیاء کرام نے آسمانی کتابوں سے وہ بھولا ہوا عہد یاد دلایا تو ہم کو بھی چاہئے کہ بلا تامل مان لیں یہ بات بے فائدہ جب ہوتی جب یاد بھی نہ دلائی جاتی۔ **دوسرا اعتراض:** کیا اس دن کا ایمان یعنی ایمان روز میثاق شرعاً معتبر ہے اور کیا تمام انسان اس دن مومن ہو گئے تھے۔ **جواب:** اس ایمان پر شرعی احکام مرتب نہیں لہٰذا کفار کے نو مولود بچوں کو مومن نہ کہا جاوے گا نہ ان کی نماز جنازہ ہو نہ انہیں مومنوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے بلکہ وہ اپنے باپ دادا کے تابع ہوں گے ورنہ جوان ہونے پر انہیں مرتد کہا جاوے گا کیونکہ وہ ایمان فطری سے پھرے ایمان شرعی سے نہیں پھرے ایمان شرعی وہ ہے جس کا انسان دنیا میں آکر **مکلف** ہوتا ہے ہاں بعض صورتوں میں اس فطری ایمان کے بنا پر نجات کی امید ہے چنانچہ کفار کے ناسمجھ بچے جو فوت ہو جاویں وہ اس ایمان کی بناء پر دوزخ سے نجات پائیں گے جیسا کہ قول قوی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** بہت سے علماء فرماتے ہیں کہ کفار کے ناسمجھ فوت شدہ بچے جہنم میں جائیں گے بلکہ بعض احادیث میں بھی یہ ہی وارد ہے اس قول کی بنا پر انہیں ایمان فطری کی بنا پر نجات کیوں نہ ملی۔ **جواب:** اس بارے میں احادیث مختلف ہیں بعض میں ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر دوزخ میں جائیں گے بعض احادیث میں ہے کہ وہ بڑے ہو کر جیسے کام کرتے ویسے ہی اس کی سزا جزا۔ بعض میں ہے کہ وہ جنتیوں کے خادم ہو کر جنت میں رہیں گے قوی یہ ہے کہ آخری حدیث ناسخ ہے پچھلی احادیث منسوخ ہیں اس ہی کی تائید آیات قرآنیہ سے ہے رب فرماتا ہے۔ **انما تجزون ما کنتم تعملون** اور فرماتا ہے **ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ** وہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ میثاق کے دن بعض نے تو بخوشی کہا بعض نے ناخوشی سے جنہوں نے ناخوشی سے **بلیٰ** کہا وہ دوزخی ہیں مگر یہ قول قوی نہیں حضور انور ﷺ نے فرمایا **کل مولود یولد علی الفطرۃ** اس **بلیٰ** کہنے کو فطرت قرار دیا اگر ان کا یہ کہنا منافقت ہوتا تو منافقت کو فطرت نہ کہا جاتا۔ **چوتھا اعتراض:** یہ اقرار خود آدم علیہ السلام سے بھی کرایا گیا تھا یا فقط ان کی اولاد سے ہی۔ **جواب:** ظاہر یہ ہے کہ ان سے نہیں کرایا گیا کیونکہ **اشھدھم** کی ضمیر ذریت کی طرف ہے نیز آدم علیہ السلام اس سے پہلے مسجود ملائکہ ہو چکے تھے اس جسم کے ساتھ اللہ کی عبادات کر چکے تھے وہ تو اس کا اقرار پہلے ہی کر چکے تھے قولاً بھی عملاً بھی۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ سے پیدا ہوئے کیونکہ ذریت آدم میں وہ بھی داخل ہیں ان سب کے متعلق ارشاد ہوا **من ظھورھم** انہیں باپ کی پیٹھوں سے نکالا معلوم ہوا کہ وہ بھی اپنے باپ کی پیٹھ میں تھے۔ **جواب:** اکثر کلیات سے بعض افراد علیحدہ ہوتے ہیں اس قاعدے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام علیحدہ ہیں دیکھو رب فرماتا ہے **انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج** ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا اس قاعدے سے

حضرت آدم و حوا علیحدہ ہیں کہ وہ کسی کے نطفہ سے پیدا نہ ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے **ان مثل عیسی عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب چھٹا اعتراض**: اس آیت سے آریوں کا آواگون ثابت ہوتا ہے کیونکہ انسانوں کی روحیں میثاق کے دن اور جسموں میں ڈالی گئیں پھر نکالی گئیں دنیا میں اور جسموں میں ڈالی گئیں اسکو تناسخ کہتے ہیں یعنی ایک روح کا مختلف جسموں میں رہنا۔ **نوٹ**: یہ اعتراض تفسیر کبیر نے معتزلہ کی طرف سے وارد کیا ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی ایک تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو حشر و نشر یوں ہی مسخ سے بھی تناسخ ثابت ہو جاوے گا کہ دنیا میں روح انسانی اور جسم میں تھی جنت یا دوزخ میں وہ ہی روح اور جسم میں ہو گی جو اس جسم سے مختلف ہو گا کہ دوزخی لوگ کتے بلے گدھے کی صورت میں ہوں گے جنتی لوگ سب جوان حسین ہوں گے نیز جو لوگ بندر سور بنا دیئے گئے ان کی روح پہلے جسم انسانی میں تھی پھر دوسرے جسموں میں داخل ہوئی۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ان جسموں کے اصل اجزاء ایک ہیں عارضی اجزاء میں فرق ہوا دیکھو نطفہ 'مضغہ' بچہ پھر جوان پھر بوڑھاپہ تمام اجسام شکل و شباہت میں مختلف ہیں مگر اصل اجزاء سب ایک ہی ہیں اس لئے ہم کہتے ہیں کہ یہ بوڑھا وہ ہی ہے جو پہلے بچہ تھا پھر جوان ہوا اب بوڑھا ہو گیا نیز تناسخ نام ہے روح کی تبدیلی کا کہ ایک ہی روح کبھی نفس انسانی بنے پھر کتے بلے کا نفس بن جاوے یہ نا ممکن ہے جسم کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ **ساتواں اعتراض**: بچوں میں میثاق کے دن نکالی گئی اس میں عقل ہوش گوش کیسے آ گئے بچوں میں یہ چیزیں نہیں ہوتیں عرصہ کے بعد آتی ہیں جب ان میں یہ کچھ نہ تھا تو انہوں نے رب کا کلام سنا سمجھا کیسے اور جواب کیونکر دیا۔ **جواب**: اللہ کے قانون پر بھی ایمان لاؤ اور اس کی قدرت پر بھی اس دنیا کے لئے قانون یہ ہی ہے کہ پیدائش کے عرصہ بعد یہ قوتیں ملیں مگر وہ قادر ہے کہ پیدا فرماتے ہی یہ سب کو بخش دے آدم و عیسیٰ علیہما السلام کو یہ سب پیدا فرما کر عطا فرما دیا اس نے حضرت سلیمان کی چیونٹی اور ہدہد کو عقل بخش دی اس نے اونٹوں لکڑیوں کو عقل بخش دی کہ انہوں نے حضور کو سجدہ کیا کلمہ پڑھا (کبیر)۔ دیکھو آدم و حوا علیہم السلام پیدا ہوتے ہی بلوغ عقل ہوش گوش حتی کہ معرفت الہی سب ہی رکھتے تھے نیز جب قیامت میں سب اٹھیں گے تو سارے انسان عاقل بالغ ہوں گے وہاں دنیا کی طرح کسی کی گود میں پرورش نہیں پائیں گے اس دنیا کے احکام و حالات اور ہیں وہ بھی عوام کے لئے دوسری دنیا کے حالات ہی اور ہیں چونکہ ابھی یہ مضمون پورا نہیں ہوا اس لئے ابھی تفسیر صوفیانہ نہیں کی جاتی انشاء اللہ اگلی آیت میں پورے مضمون کی صوفیانہ تفسیر عرض ہو گی۔

اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْۚ

یا تم لوگ یہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا اور ہم انکے بعد بچے ہوئے تو کیا تو ہمیں اس پر ہلاک

یا تم لوگ یہ کہو کہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ شرک کیا باپ دادوں نے ہمارے اس سے پہلے اور تھے ہم اولاد پیچھے سے انکے

اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ

تو کیا تو ہلاک فرماتا ہے ہم کو اس وجہ سے جو کیا ظالموں نے ۔ اور اسی طرح ہم تفصیل وار بیان کرتے ہیں

فرمائے گا جو اہل باطل نے کیا ۔ اور ہم اسی طرح آیتیں رنگ رنگ سے بیان کرتے ہیں

وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾
آجتیں اور تاکہ لوٹیں وہ سب لوگ
اور اس لئے کہ کہیں وہ پھر آئیں

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں میں میثاق کے دن کے ایک عہدو پیان کا ذکر ہوا اور ساتھ ہی اس کی ایک حکمت بیان ہوئی **ان تقولو یوم القیمتہ** اب اس عہدو پیان کی دوسری حکمت بیان ہو رہی ہے رب تعالیٰ کے اس کام میں بہت سی حکمتیں تھیں جو سلسلہ وار بیان ہو رہی ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار کے اس عذر کا ذکر تھا جو وہ اپنے متعلق کر سکتے تھے کہ ہم نے شرک و کفر کیا مگر بے خبری میں کیا بے خبر کو سزا نہیں ہونی چاہئے۔ اب ان کے اس عذر کا ذکر ہے جو وہ اپنی بے عملی کے متعلق کر سکتے تھے کہ بد عملیاں ہم نے نہ کیں شرک و کفر ہم سے سرزد نہ ہوا دوسرے کے جرم کی سزا ہم کو نہ ملنی چاہئے گویا بد عملی کے ذکر کے بعد بے عملی کے عذر کا ذکر ہے کہ یہ دونوں عذر ان کے ختم کر دیئے گئے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کے اپنے شرک و کفر کے متعلق ایک عذر کا ذکر ہوا یعنی اپنی غفلت اب ان کے دوسرے عذر کا ذکر ہے یعنی تقلید مشرکین کہ موجد ہمارے باپ دادا تھے ہم موجد نہ تھے بلکہ ان کے مقلد تھے۔ ہم بے قصور ہیں ہم ان کی تقلید سے کیسے بچتے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار کے اس عذر کا ذکر ہوا جو وہ سارے کے سارے کر سکتے تھے اولین ہوں یا آخرین موجدین ہوں یا مقلدین اب ان کی اس معذرت کا تذکرہ ہے جو ان کے پچھلے یعنی مقلدین کرتے گویا عام عذر کے بعد انکی خصوصی معذرت کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: **او تقولوا** یہ عبارت معطوف ہے **ان تقولوا** پر لہذا یہاں بھی یا تو کراہتہ پوشیدہ ہے یا **لا** مقدر اس **تقولوا** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس میں روئے سخن کفار کے ان بچوں سے ہے جو خورد سالی میں ناسمجھ رہ کر فوت ہو گئے وہ بھی دوزخ میں جائیں گے اور اگر وہ یہاں کا مذکورہ عذر کریں گے تو ان کو وہی عہد و میثاق والا عہد یاد کرا دیا جاوے گا یہ ان لوگوں کا قول ہے جو کفار کے ناسمجھ بچوں کو دوزخی مانتے ہیں ان کے ماں باپ کے کفر کی وجہ سے۔ دوسرے یہ کہ اس میں خطاب کفار کی ان اولاد سے ہے جو اپنے باپ دادوں کی دیکھا دیکھی شرک و کفر کرتے رہے انہوں نے کبھی اسلام و توحید کے متعلق سوچا اور غور کیا ہی نہیں پہلا قول بہت ہی ضعیف ہے کیونکہ ناسمجھ بچے دیوانے پاگل نہ **مکلف** ہیں نہ کسی خطاب قرآنی میں داخل **تقولوا** میں بھی خطاب ہے اس میں بھی وہ داخل نہیں سارے خطابات قرآنیہ عقل و ہوش والوں سے ہیں مشرکین دو قسم کے ہیں ایک موجدین شرک دوسرے مقلدین یہاں مقلدین سے خطاب ہے۔ خیال رہے کہ شرک، قتل، گانا بجانا، ڈھول طبلہ وغیرہ اور زنا کا موجد اول قابیل ابن آدم ہے کہ اس نے ان چیزوں کی بنیاد شیطان کی تعلیم سے رکھی جیسا کہ ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں رب کی شان ہے کہ باپ یعنی آدم علیہ السلام ایمان، ایمانیات، عبادات کے موجد بیٹا کفر و الحاد و فسق و فجور کا موجد **یخرج المیت من الحی** یہاں بھی قول سے مراد قیامت کے دن کا قول ہے جب رب تعالیٰ انہیں دائمی سزا کا حکم سنائے **انما اشرک اباؤنا من قبل** یہ عبارت **تقولوا** کا مفعول اس کا مقولہ ہے پہلی تفسیر کی بنا پر معنی ہیں کہ ہمارے باپ دادوں

نے ہی شرک کیا ہم نے نہ کیا ہم تو لڑکپن ہی میں فوت ہو گئے دوسری تفسیر کی بنا پر معنی یہ ہیں کہ شرک و کفر ہمارے باپ دادوں نے ہی ایجاد کیا وہ بھی پہلے مشرک تھے انہوں نے ہی پہلے شرک کیا ہم نے نہ کیا ہم تو ان کی دیکھا دیکھی شرک، کفر کرتے رہے۔ خیال رہے کہ یہاں **انما** حصر اضافی کے لئے ہے نہ کہ حصر حقیقی کے لئے یعنی ہمارے لئے موجد شرک وہ تھے ہم نہ تھے ورنہ حقیقی موجد شرک تو قابیل ہے کہ پہلا مشرک وہی ہے **من قبل** یا تو **اشرک** کا ظرف ہے یا تابعین کا ظرف ہو کر **اباؤنا** کی صفت پہلا احتمال قوی ہے **قبل** کا مضاف الیہ پوشیدہ ہے یعنی **من قبلنا** یہ تحقیق خیال میں رہے اس سے سارے اعتراض اٹھ جاتے ہیں۔ خیال رہے کہ من قبل کا مضاف الیہ پوشیدہ ہے اصل میں **من قبلنا** تھا اس لئے **قبل** پیش پر مبنی ہے کہ اس کا مضاف الیہ لفظوں میں پوشیدہ ہے۔ حقیقت ہی مراد ہے **وکنا ذریۃ من بعدھم** یہ عبارت **انما اشرک** پر معطوف ہے اور **تقولوا** کا مفعول ، معطوف علیہ میں اپنے باپ دادا کا قصور مند ہونا بیان کیا اور اس عرض معروض میں انہوں نے اپنا بے قصور ہونا بیان کیا **کنا** کے معنی ہیں تھے ہم دنیا میں یا ہیں ہم **ذریتہ** سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام عاقل کفار کا ہے جیسا کہ ہم ابھی پچھلی آیت میں عرض کر چکے کہ **ذریت** بمعنی اولاد کو کہا جاتا ہے **بعدھم** میں **بعد** سے مراد یا تو زمانی بعدیت ہے یا رتبہ کی بعدیت یعنی ہمارے باپ دادے پہلے شرک و کفر ایجاد کر کے چلے گئے ہم ان کے زمانہ کے بعد دنیا میں پہنچے ان کے رسوم و رواج پھیلے ہوئے دیکھے ہم نے بھی وہ ہی کام کئے یا وہ دنیا میں پہلے پہنچے ہم ان کے بعد پہنچے ان کی گود میں پلے بڑھے جو کچھ ہم نے انہیں کرتے دیکھا وہ ہی ہم نے بھی کیا **افتہلکنا بما فعل المبطلون** یہ بھی انہیں کی گفتگو ہے ان کی عذر خواہی کا تتمہ اس میں سوال انکاری ہے **تہلک** میں ہلاکت سے مراد موت دینا نہیں کہ دوزخ میں کسی کافر کو موت نہ آوے گی بلکہ اس سے مراد دائمی عذاب ہے **بما** میں **ب** سببیہ ہے **ما** سے مراد شرک و کفر بد عملیوں کی ایجاد ہے نہ کہ خود کفر و شرک کہ یہ جرم تو خود انہوں نے بھی کئے تھے **مبطلون** سے مراد ان کے باپ دادے ہیں کفر و شرک کے موجدین جن کے عقیدے 'اعمال' افعال 'احوال سب ہی باطل تھے یعنی اے رب رحیم و کریم کیا تو ہم کو ان جھوٹے کفار موجدین کفر کی بد عملیوں کی وجہ عذاب دے گا۔ نہیں ہرگز نہ دے گا کہ ہم بے قصور ہیں اصل مجرم تو وہ موجدین ہیں۔ دوسری تفسیر والوں نے اس کے یہ معنی کئے کہ کفار کے بچے گرفتاری کے وقت کہیں گے کہ خدایا ہم تو بچپن ہی میں مر گئے جرم تو ہمارے باپ دادوں نے کئے کیا تو ہم کو ان کے جرم میں پکڑے گا مگر پہلی بات بہت قوی ہے **وکذلک نفصل الایت** یہ فرمان عالی رب تعالیٰ کا خود اپنا قول ہے یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **کذلک** دو جز سے مرکب ہے **کاف** تشبیہ اور **ذالک** اسم اشارہ اس **ذالک** سے مذکورہ بیان کی طرف اشارہ ہے اس سے پہلے ایک مختصر سی عبارت پوشیدہ مان لی جاوے تو بہتر ہے **کما بینا ھنا** اور **نفصل** بنا ہے **تفصیل** سے جس کا مادہ ہے **فصل** بمعنی جدائی تفصیل مقابل ہے اجمال کا آیات سے مراد قرآنی آیات ہیں یعنی جیسے ہم نے یہ مذکورہ بالا باتیں صاف صاف بیان فرما دیں اسی طرح ہم ہر قسم کی آیات قرآنیہ عقائد کی ہوں یا اعمال کی اعمال میں عبادات کی ہوں یا معاملات سب کی سب تفصیل وار ایک دوسری سے جدا جدا کر کے بیان فرماتے ہیں صرف اجمال پر کفایت نہیں ہوتی **ولعلھم یرجعون** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ یا کسی پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ اصل عبارت یوں ہے **لیقفوا علی ما فیھا** (روح البیان) **لعل** کے متعلق بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ

بندوں کے لحاظ سے امید کے لئے ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کی نسبت سے بمعنی تاکہ یعنی ہم تفصیل وار آیات اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ یہ لوگ ان کے مضامین پر مطلع ہوں اور تاکہ اپنے بد حالات سے نیک اعمال کی طرف رجوع کریں تاکہ وہ ہماری طرف رجوع کریں کفر سے ایمان کی طرف طغیان سے عرفان کی جانب فسق سے تقوی کی طرف دنیا سے آخرت کی طرف مخلوق سے خالق کی طرف نفسانیات سے روحانیات کی جانب اس طرح کہ گزشتہ پر نادم ہوں آئندہ اپنی اصلاح کریں۔

خلاصہ تفسیر: اے لوگو! میثاق کے دن یہ عہد و پیمان تم سے اس لئے گئے تاکہ تم قیامت میں بوقت حساب نہ تو یہ کہہ سکو کہ مولیٰ ہم توحید و اطاعت سے بے خبر تھے اگر خبردار ہوتے تو یقینا مومن بنتے ہم بے قصور ہیں اور نہ یہ کہہ سکو کہ مولیٰ شرک و کفر بد عملیاں ہمارے باپ دادوں نے ایجاد کیں ہم تو ان کے بعد دنیا میں آئے ہم نے ماحول گندا پایا ایمان و اسلام سے خبردار نہ تھے ہم کفار یا کفار کی اولاد تھے جو انہیں کرتا دیکھا وہ ہی ہم نے کیا تو اے مولیٰ قصور تو ان موجدین کا ہے نہ کہ مقلدین کا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تو رحیم و کریم ہم کو ہمارے باپ دادوں کے جرم میں پکڑے ان قصورواروں کو پکڑ ہم بے قصوروں کو چھوڑ دے جیسے ہم نے یہ واقعہ میثاق صاف صاف بیان فرما دیا ایسے ہی ہم ہر قسم کی آیات عقائد، اعمال، عبادات، معاملات، معاش، معاد، اخلاقیات، ملکی سیاسیات کی آیات تفصیل وار صاف صاف بیان فرماتے ہیں تاکہ لوگ ان میں غور کریں اور کفر سے ایمان کی طرف طغیان سے عرفان کی جانب بدکاری سے نیک کاری کی طرف نفس امارہ سے روح کی سمت رجوع کریں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** شرعی احکام میں بے خبری معتبر نہیں یعنی کوئی بے خبر رہ کر رب کے عذاب سے چھوٹ نہیں سکتا ہر شخص پر فرض ہے کہ بقدر ضرورت دینی مسائل سیکھے یہ فائدہ **انما اشرک اباؤنا** سے حاصل ہوا آج حکومت اپنے قوانین مشتہر کردیتی ہیں اس کے بعد خلاف ورزی کرنے والے کا یہ عذر نہیں سنتی کہ ہم کو اس قانون کی خبر نہ تھی رب تعالیٰ نے بذریعہ نبی، علماء، قرآن مجید، احادیث نبویہ اپنے قوانین مشتہر فرما دئے اب بے خبری عذر نہیں۔ **دوسرا فائدہ:** عقائد میں باپ دادوں کی تقلید درست نہیں اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے خود تحقیق کرو اور درست عقیدے اختیار کرو یہ فائدہ **وکنا ذریتہ من بعدھم** سے حاصل ہوا محض تقلید سے دین اختیار نہ کرو تقلید صرف فروعی مسائل میں کی جاسکتی ہے وہ بھی جب جبکہ وہ حکم نص میں وارد نہ ہوئے ہوں۔ **تیسرا فائدہ:** اگرچہ ایجاد گناہ سخت تر جرم ہے مگر بعد میں دوسرے لوگ یہ گناہ کرنے والے بھی مجرم ہوں گے وہ یہ عذر نہیں کرسکتے کہ ہم اس گناہ کے موجد نہیں یہ فائدہ **افتھلکنا بما فعل** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** چونکہ قرآن مجید میں دلائل، ڈر، امید ہر طرح کی آیات موجود ہیں اور قرآن مجید نہایت جامع کتاب ہے یہ فائدہ **نفصل الایت** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** قیامت میں کفار اپنے ماں باپ اور اہل قرابت سے بیزار ہو جائیں گے انہیں جھوٹا فریبی مکار باطل پرست کہیں گے یہ فائدہ **فعل المبطلون** سے حاصل ہوا کہ کفار موجدین کفر یعنی اپنے سرداروں کو مبطلین یعنی جھوٹے باطل پرست کہیں گے یہ شان تو مومنین کی ہوگی کہ ان کی محبتیں جیسی دنیا میں تھیں ویسی قائم رہیں گی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو جائیں گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین**

پہلا اعتراض: اس آیۃ کریمہ کے عرض و معروض سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ معذرت مشرکین کے وہ چھوٹے ناسمجھ بچے کریں گے جو ناسمجھی میں مرگئے جنہیں بد عقیدگی یا بد عملی کا وقت ہی نہ ملا اور وہ بھی دوزخ میں جائیں گے کہ ان کی یہ عرض قبول نہ ہوگی کیونکہ ارشاد ہوا **انما اشرک اباؤ نا** ہمارے باپ دادوں نے شرک کیا یعنی ہم نے نہیں کیا اس آیۃ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ کفار کے بچے جو بچپن میں فوت ہو جاویں وہ کافر ہیں دوزخی ہیں (بعض علماء) **جواب:** ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ یہاں **اشرک** کے معنی ہیں شرک و کفر ایجاد کیا اور مطلب یہ ہے کہ ہم شرک کرنے میں بے قصور ہیں کہ ہم تو بری رسوم جو پڑ چکی تھیں اس کے عامل ہوئے اسی لئے **من قبل** ارشاد ہوا نیز یہاں یہ نہ فرمایا گیا کہ مولی ہم نے شرک نہیں کیا اپنے سے شرک کی نفی نہیں کی لہذا اقوی یہ ہے کہ یہ معذرت عاقل بالغ کفار کی طرف سے ہوگی جو گذشتہ مشرکین کے مقلد تھے نیز اگر یہ معذرت ان کے بچوں کی ہو تو وہ بظاہر اس میں حق بجانب ہوں گے کہ میرے مولی تیرا قانون یہ ہے کہ بغیر جرم کئے تو سزا نہیں دیتا ہم نے کوئی جرم کرنا تو کیا جرم کا خیال بھی نہیں کیا پھر ہم سزا کس چیز کی پا رہے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** کیا یہ عذر و معذرت صرف مشرکین ہی کریں گے دوسرے کفار نہ کریں گے آخر دوزخ میں تو ہر کافر جاوے گا مشرک ہو یا اور قسم کا کافر۔ **جواب:** ہم نے بارہا عرض کیا ہے ان جیسی آیات میں شرک بمعنی کفر ہوتا ہے یعنی نوع سے جنس مراد ہوتی ہے ہر کافر کا یہ ہی

معاملہ ہوگا دیکھو رب فرماتا ہے کہ مشرک نہ بخشیں گے اس کے سوا جسے چاہیں گے بخش دیں گے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ باقی سارے کافر بخش دئے جائیں نہیں بلکہ کفر نہ بخشیں گے **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذلک لمن یشاء** یونہی رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنی لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے نہ کرو **ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا** وہاں بھی یہ ہی مطلب کہ کفار سے نہ کرو خواہ مشرک ہوں یا اور کسی قسم کے کافر۔ **تیسرا اعتراض:** کیا کفار کی طرح گنہگار مومن بھی شکایت کریں گے کہ ہمارے جرموں کے موجد ہمارے سردار تھے اور انہیں کو سزا ملنی چاہئے۔ **جواب:** نہیں ان مجرموں کی سزا کی نوعیت ہی کچھ اور ہوگی ان میں کوئی کسی کا دشمن نہ ہوگا کوئی کسی کی شکایت نہ کرے گا شفاعت کرے گا۔ لعن طعن شکایت وغیرہ کفار ہی کریں گے ایک دوسرے کی۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے بظاہر یہ عہد و پیمان اپنی ربوبیت کا لیا مگر درحقیقت حضور ﷺ کی نبوت و رسالت کا بھی عہد لیا کیونکہ یہاں **واذ اخذ اللہ** نہیں فرمایا بلکہ **واذ اخذ ربک** فرمایا جس میں اشارۃً فرمایا کہ ہم نے لوگوں سے یہ کہا کہ پہلے ہم کو رب محمد مانو پھر اپنا رب مانو کیونکہ رب تعالیٰ کو رب ماننا اس وقت ایمان بنتا ہے جب اسے نبی کی معرفت ان کے توسل سے مانا جاوے اللہ تعالیٰ دنیا میں تو موجود کو موجود سے پیدا فرماتا ہے مگر اس دن معدوم کو معدوم سے پیدا فرمایا کہ اس وقت نہ تو یہ پیٹھیں تھیں نہ ان کی ذریت رب نے ان معدومات کو اس دن وقتی طور پر اس حالت کے لائق وجود بخشا اس وقت ارواح تین صف کی تھیں پہلی صف سابقین کی دوسری صف اصحاب میمنہ یعنی داہنے والوں کی تیسری صف اصحاب مشئمہ یعنی بائیں والوں کی انہیں وجود روحانی بخشا لباس روحانی پہنایا اور ان کے اعضاء میں قوت روحانی دی جس سے انہوں نے رب کو دیکھا اس کا فرمان سنا اسے جواب دیا سابقین نے روحانی دل سے اس کریم سے محبت کی اور بولے کہ تو ہمارا رب ہے تو ہی موجود ہے تو ہی

مقصود ہے تو ہی معبود ہے تو ہی محبوب ہے ہم تیری محبوبیت ربوبیت مقصودیت کا اقرار کرتے ہیں۔ میمنہ والوں نے کہا کہ تو ہمارا رب ہے معبود ہے۔ ہم تیرے سواء کسی کی عبادت نہ کریں گے مگر مشئمہ والوں نے رب کا یہ فرمان حجاب سے سنا کہ ان کے دلوں پر بد بختی کا غلاف تھا آنکھوں پر انانیت کا پردہ رب کو دیکھتے کیسے مجبوراً بولے کہ تو ہمارا رب ہے یہ ہی فرق آج دنیا میں دیکھا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ نے عدم میں کسی سے کلام نہ کیا سواء حضرت انسان کے کہ انہیں اسی حالت میں وجود اور جو وجود سب ہی بخشا اس وقت وہ ہی اپنے پیاروں کی آنکھ کان زبان تھا وہ ہی ان کی قوتیں تھا یہ عہد اجنبیوں سے لیا گیا الزام دینے کو جس کا ذکر یہاں ہے مومنین سے لیا گیا احسان جتانے کو نائبین سے لیا گیا تڑپانے کو وہ ہی تڑپ تاقیامت رہے گی ان کے کانوں میں دم بدم یہ آواز آ رہی ہے انہیں تڑپا رہی ہے حضور ﷺ کا جمال بلکہ ان کا نام یہ ہی شان رکھتا ہے کہ کسی کے لئے زبان بندی کا انتظام ہے کسی کے لئے رب تعالیٰ کا انعام ہے کسی کے تڑپانے کا انتظام ہے مولانا فرماتے ہیں۔

مصطفیٰ آئینہ روئے خداست — منعکس دروے ہمہ خوئے خدا است

آئینہ ظاہر کو دکھاتا اکسرے باطن کو نمودار بناتا ہے مگر ذات مصطفےٰ وہ آئینہ ہے جو رب کا ظاہر باطن سب کچھ دکھاتا ہے ان کا جمال ان کا نام بے قرار بناتا ہے۔

وہ دکھا کے شکل جو چل دیئے تو دل ان کے ساتھ رواں ہوا
نہ وہ دل ہے اور نہ دلربا رہی زندگی سو وہ بار ہے

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ
اور تلاوت کرو ان پر خبر اس کی کہ دی ہم نے اسے آیتیں اپنی پس نکل گیا وہ ان سے پس پیچھے
اور اے محبوب انہیں اس کا احوال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے صاف
الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾
ہوا اس کے ابلیس پس ہو گیا وہ بھٹکے ہوؤں سے
نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے لگا تو گمراہوں میں ہو گیا۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں عام کفار کی وعدہ خلافیوں بد عہدیوں کا ذکر ہوا کہ انہوں نے یوم میثاق والا عہد توڑ دیا اب ایک خاص شخص بلعم باعورا کی بد عہدی بے وفائی کا ذکر ہے جو اس نے رب سے کیئے ہوئے خاص وعدہ کو توڑا گویا عام جرم کے بعد خاص آدمی کے خاص جرم کا ذکر ہو رہا ہے جو پہلے جرم سے بدتر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں کافروں غافلوں کے ایسے وعدے توڑنے کا ذکر تھا جسے وہ بھول چکے حضرات انبیاء کرام نے یاد دلایا اب ایک عالم فاضل عاقل کے ایسے وعدے توڑنے کا ذکر ہے جو اسے یاد تھا بلکہ اس کے سامنے تھا یہ وعدہ خلافی سخت تر تھی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان اصلی کفار کا ذکر ہے جو اول سے کافر ہوئے اب اس مرتد کا ذکر ہے جو پہلے مومن تھا

عارف ولی صوفی عالم تھابعد میں ملحد بے دین مرتد وغیرہ سب کچھ بنا گویا اصل کافروں کے بعد مرتد کافر کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر: واتل علیهم ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت نیا جملہ ہے اور اس کا واؤ ابتدائیہ ہے مگر روح المعانی نے فرمایا کہ یہ جملہ معطوف ہے **واذاخذ ربک** کے پوشیدہ فعل **اذکر** پر لہٰذا اس کا واؤ عاطفہ ہے یعنی وہ واقعہ بیان کرو اور یہ واقعہ تلاوت کرو۔ اتل بنا ہے تلاوت سے تلاوت اور قراۃ اور ذکر کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ شاندار محترم خبر کے پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے چونکہ یہ واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہے اور اس کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت و احترام سے ہے اس لئے **اتل** ارشاد ہوا ظاہر یہ ہے کہ اس میں خطاب حضور ﷺ سے ہے نہ کہ ہر قرآن پڑھنے والے سے یعنی یہاں ہم کہے دیتے ہیں سنا آپ دیں ہم بتانے والے تم سنانے والے یا یہ مطلب ہے کہ اے محبوب یہ واقعہ تمہارے علم میں تو پہلے سے ہی ہے ہم آیات میں یہ واقعہ اس لئے بیان فرماتے ہیں کہ آپ انہیں سنائیں یہاں **علی** فوقیت و بلندی کے لئے نہیں بلکہ **اتل** کا صلہ ہے **هم** کا مرجع یا تو کفار قریش ہیں جو مکہ معظمہ میں رہتے تھے اور یہ سورۃ بھی مکیہ ہے یا اس کے مرجع عرب کے یہودی ہیں کہ وہ بھی مکہ معظمہ آتے جاتے رہتے تھے مشرکین مکہ کو حضور انور کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔ دوسرا احتمال قوی ہے کہ پہلے سے یہود کا ہی ذکر چلا آ رہا ہے تو مناسب ہے کہ یہاں بھی ان سے ہی خطاب ہو (خازن و معانی وغیرہ) **نبا الذی اتینه ایتنا** یہ عبارت **اتل** کا مفعول **به** ہے عربی میں **نبا** عظیم الشان خبر کو کہتے ہیں یعنی خبر عام ہے **نبا** خاص اسی سے ہے نبی۔ بمعنی غیبی خبریں دینے والا اس لئے ہر مخبر یا خبر رساں ایجنسی کو نبی نہیں کہا جاتا **الذی اتینه** میں بہت گفتگو ہے کہ اس سے کون شخص مراد ہے اور آیات سے کون سی آیتیں مراد اس میں چند قول ہیں (1) اس سے مراد امیہ ابن صلت ہے جو گزشتہ کتب کا عالم تھا لوگوں میں بہت مقبول تھا وہ آس لگائے بیٹھا تھا کہ نبی آخر الزمان میں ہی ہوؤں گا جن کا ذکر پچھلی کتب میں ہے جب حضور انور کو یہ درجہ عطا ہوا تو حد کی آگ میں جل بھن گیا آخر کار کافر ہو کر مرا اس کے متعلق حضور انور نے فرمایا کہ **آمن شعره وکفر قلبه** یعنی اس کے اشعار مومنوں کے سے ہیں اور اس کا دل کافر ہے یہ قول ہے سیدنا عبداللہ ابن عمر سعید ابن مسیب اور زید ابن اسلم کا (2) یہ آیتہ عامر راهب کے متعلق نازل ہوئی جسے حضور انور عامر فاسق فرماتے تھے یہ اسلام سے پہلے بڑا عابد و زاہد تھا حضور انور کے جلوہ گر ہونے پر کافر ہوا اس نے منافقین مدینہ کو کہہ کر مسجد ضرار بنوائی یہ ہی قیصر روم کے پاس پہنچا اسے حضور انور پر حملہ کرنے کی رغبت دی وہاں ہی مردود ہو کر مرا یہ سعید ابن مسیب کا دوسرا قول ہے (3) اس سے مراد منافقین اہل کتاب ہیں جو حضور انور کو جانتے پہچانتے تھے آپ پر ایمان نہ لائے یہ قول حسن اور نافع کا ہے (4) اس سے مراد ہر وہ کافر ہے جو حضور انور کو جان پہچان کر آپ پر ایمان نہ لائے یہ قول قتادہ عکرمہ اور ابو مسلم کا ہے (5) اس سے مراد بلعم باعورا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔ مومن صوفی' عالم اسم اعظم کا جاننے والا مقبول الدعاء تھا مگر آخر عمر یہ موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے مردود کافر لعنتی ہو کر مرا یہ قول ہے حضرت عبداللہ ابن عباس' ابن مسعود کا' اور عام صحابہ و مفسرین کا یہ ہی قول ہے (تفسیر کبیر' روح المعانی) اس کا واقعہ انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں عرض ہو گا اس صورت میں آیات سے مراد توریت شریف کی آیتیں ہوں گی ان کے دینے سے مراد ہے آیات کا علم دینا عالم بنانا گزشتہ تین قولوں کی بنا پر آیات کے وہ معنی کئے جائیں گے جو ان کے مناسب ہوں **فانسلخ منها** یہ عبارت معطوف ہے **اتینه** پر یہاں **ف**۔ بمعنی فوراً نہیں بلکہ۔ بمعنی پھر ہے **انسلاخ** کا مادہ ہے **سلخ**

جس کے معنی ہیں مذبوحہ جانور کی کھال اتارنا جس سے کھال کا ایک ریزہ بھی باقی نہ رہے گوشت وغیرہ نمودار ہو جاوے **منہا** کا مرجع آیات ہیں **انسلخ** فرما کر چند باتیں بتائیں گئیں (i) اس کے سینہ سے آیات نہیں نکلیں وہ علم بھول نہیں گیا بلکہ وہ خود آیات سے نکل گیا کہ ان کا منکر ہو گیا (ii) عند اللہ وہ کافر ہی تھا اس پر ایمان اور علم کا غلاف تھا جو لوگوں کو نظر آتا تھا اب اس کی حقیقت نظر آگئی وہ غلاف اتر گیا جیسے جانور سے کھال اتر جاوے تو اس کا گوشت وغیرہ نظر آتا ہے (iii) اس میں ایمان' تقوی کا شائبہ بھی نہ رہا وہ نرا کافر ہو گیا **فاتبعہ الشیطن** یہ عبارت معطوف ہے **فانسلخ** پر **ف** سے چند باتیں بتائی گئیں (1) اب تک شیطان اس کے قریب بھی نہ آتا تھا کہ وہ کسی کی روحانی حفاظت میں تھا اب جب کہ وہ ایمان سے نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا (2) اور لوگوں کے پاس شیطان کبھی کبھی آتا ہے اپنی ذریت کو ان کے پیچھے لگائے رکھتا ہے مگر اس کے پیچھے خود شیطان لگ گیا سمجھ لو کہ اس کی گمراہی کا کیا حال ہو گا جب گمراہ کن قوی تو گمراہ بھی بد تر (3) وہ ایسا بے ایمان ہو گیا کہ شیطان بھی اس کا تابع ہو گیا وہ شیطان کا بھی متبوع اس کا استاد بن گیا ایک شاعر کہتا ہے۔

و کلن نی من جند ابلیس فارتقی! بہ الحال حتی صار ابلیس من جندہ

وہ پہلے شیطان کے لشکر میں تھا اب اتنی ترقی کر گیا کہ شیطان اس کے لشکر میں بھرتی ہو گیا (روح المعانی) **فکان من الغوین** یہ اس کے انجام کا ذکر ہے کہ وہ بہکنے کے بعد سنبھلا نہیں اس حال پر مرا اور دائمی عذاب کا مستحق ہو گیا پہلے وہ ہادی مہدی تھا اب گمراہ ضال غوی ہو گیا پہلے ہدایت کا امام تھا اب غوایتہ کا امام ہو گیا۔ عبادت 'غوایت ضلالت کے بہت سے فرق ہم نے سورہ فاتحہ کی تفسیر **ولا الضالین** کے تحت بیان کئے ہیں اور بھی کئی جگہ ان کا ذکر ہو چکا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر میں معلوم ہو چکا ہے کہ اس آیت کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں جن میں سے قوی تفسیر وہ ہے جو حضرت عبد اللہ ابن عباس اور ابن مسعود و عام صحابہ و مفسرین نے کی ہم اسی تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے محبوب ﷺ آپ ان سرکش یہود اور عام کفار کو اس بلعم ابن باعورا کا واقعہ اس واقعہ کی آیات تلاوت کر کے تفسیر فرما کر سنا دیں جسے ہم نے توریت اور دوسرے صحیفوں کی آیتوں کا علم بخشا اس کے دل پر علم کے دروازے کھول دیئے حتی کہ اسے اسم اعظم سکھا دیا وہ اس بڑے درجے پر پہنچ کر ان تمام صفات سے یکسر نکل گیا کہ اسے ان میں سے کسی چیز سے کوئی تعلق نہیں رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابلیس اس کے پیچھے لگ لیا اور وہ اس قدر ہدایت کے بعد اول درجہ کا گمراہ و بے دین ہو گیا یہ واقعہ بڑے بڑوں کی آنکھ کھولنے کے لئے کافی ہے۔

بلعم باعورا کا واقعہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کا ایک بڑا عالم صوفی' پیر تھا جس کا نام بلعم یا بلعام ابن باعورا تھا یہ تھا تو اسرائیلی مگر جبارین کی بستی میں رہتا جو ملک شام میں واقع تھی اس کی بیوی اسی قوم جبارین سے تھی بلعم اس وقت کا بڑا ولی 'عالم 'صوفی تھا اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم جانتا تھا مقبول الدعا تھا اپنے گھر میں بیٹھ کر عرش اعظم کو دیکھا کرتا تھا لوگوں کو علم سکھاتا تھا اس کے درس میں بارہ ہزار طلباء ہوتے تھے جو اس کا بتایا ہوا سبق لکھ لیتے تھے اس کی ہر بات لکھی جاتی تھی (تفسیر صاوی) غرضکہ وہ انتہائی عروج کو پہنچا ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر اس علاقہ پر حملہ کرنے اسے فتح فرمانے کے لئے جب کنعانی علاقہ میں داخل ہوئے جو شام کے علاقہ میں واقعہ تھا تو قوم جبارین جمع ہو کر اس کے پاس آئی اور کہا کہ

موسیٰ علیہ السلام تیز مزاج ہیں اور ان کے ساتھ لشکر جرار ہے اگر وہ ہمارے علاقہ پر قابض ہو گئے تو تمہاری خیر نہیں تو ان کے لئے بددعا کر کہ وہ یہاں داخل نہ ہونے پائیں بلعم بولا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں ان پر کسی کی بددعا کا اثر نہیں ہو سکتا بلکہ میری دنیا و دین برباد ہو جائیں گے یہ لوگ بلعم کی بیوی کے پاس گئے اسے بہت تحفے تحائف دیئے اور اس کے ذریعہ بلعم کو تحفے پہنچائے پھر بلعم کی بیوی نے اس پر زور دیا کہ تو یہ کام کر اس نے پہلے استخارہ کیا جس میں اسے اس حرکت سے روکا گیا مگر اس کی زوجہ اور قوم نے پھر دوبارہ استخارہ کرنے کو کہا اس نے کہا اس بار خاموشی رہی کوئی جواب نہ آیا یہ لوگ بولے کہ اب کی بار تجھے منع نہیں کیا گیا معلوم ہوتا ہے کہ رب نے تجھے اس کی اجازت دی دے آخر کار بلعم ایک گدھی پر سوار ہو کر ایک پہاڑی میں گیا قوم ساتھ تھی اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لئے بددعا اور اس قوم کے لئے دعائیں کرنے لگا مگر قدرت خداوندی سے ہوا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی بجائے اس کے منہ سے اپنی قوم کا نام نکلتا تھا اور اپنی اس قوم کی بجائے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا نام زبان پر آتا تھا قوم بولی تو یہ کیا کر رہا ہے وہ بولا میں مجبور ہوں میری زبان قابو میں نہیں اس وقت اس کی زبان باہر نکل پڑی سینہ پر لٹک کر آرہی اور وہ کتے کی طرح ہانپنے لگا پھر وہ لوگوں سے بولا کہ میری دنیا و دین دونوں تباہ ہو گئے اب تم ایک تدبیر کرو جس سے بنی اسرائیل تباہ ہو جاویں وہ یہ کہ اپنی خوبصورت لڑکیاں سجا بنا کر لشکر موسوی میں چھوڑ دو اور انہیں ہدایت کر دو کہ جو اسرائیلی تم کو ہاتھ لگائے تو اسے منع نہ کرو جب ان میں زنا پھیل جاوے گا تو وہ ہلاک ہو جاویں گے کہ زنا سے آفتیں آتی ہیں۔

ابر نہ آید از پئے منع زکوت!   داز زنا افتد بلا اندر جہات

ان لوگوں نے یونہی کیا چنانچہ ایک لڑکی کستی بنت صور کو ایک اسرائیلی زمری ابن شلوم (جو شمعون ابن یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا سردار تھا) نے پکڑا موسیٰ علیہ السلام نے منع فرمایا اس نے چھپ کر اس سے زنا کیا اس پر اسرائیلیوں میں طاعون پھیل گیا ستر ہزار اسرائیلی فوت ہو گئے ادھر ایک بہت قوی اسرائیلی فنحاص ابن عیزار ابن ہارون کو جب یہ پتہ چلا تو اس نے ان دونوں زانی زانیہ کو عین موقعہ پر اپنے نیزہ میں چھید کر اٹھا لیا اور بہت ذلت سے انہیں ہلاک کر دیا تب وہ طاعون ختم ہوا ادھر بلعم کا یہ حال ہوا کہ یہ اسم اعظم شریف بھول گیا معرفت و ایمان اس کے سینہ سے نکل گئے اس نے دیکھا کہ میرے سینہ سے ایک سفید کبوتر کی مثل پرندہ نکل کر اڑ گیا جسے لوگوں نے دیکھا سب سمجھ گئے کہ اس کا ایمان گیا اس آیت میں اور اگلی آیت میں یہ واقعہ مذکور ہے (روح المعانی، کبیر، خزائن، تفسیر صاوی وغیرہ)۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ایمان اور قرب الٰہی صرف علم سے نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملتا ہے دیکھو بلعم بڑا عالم، عابد، صوفی سب کچھ تھا مگر مارا گیا اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرمائے۔ **دوسرا فائدہ:** نبی کا مقابلہ ان کی مخالفت ایمان و اعمال سلب ہو جانے کا ذریعہ ہے ابلیس اور بلعم ابن باعورا کے حالات سے عبرت پکڑنی چاہئے۔ **تیسرا فائدہ:** ایمان و عرفان ملنا اور چیز ہے ان کا سنبھالنا کچھ اور چیز اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کا ایمان سلامت رکھے دیکھو بلعم کے پاس سب کچھ تھا مگر رہا کچھ بھی نہیں۔ **چوتھا فائدہ:** کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ سمجھے یہ بڑی جگہ اور بڑوں کے پاس بھی پہنچ جاتا ہے یہ فائدہ **فاتبعہ الشیطن** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ شیطان بلعم کے پیچھے پڑ گیا دیکھو جنت محفوظ مقام تھا آدم علیہ السلام معصوم مگر وہاں بھی اس مردود نے اپنا داؤ مار دیا ہم نہ تو محفوظ جگہ میں ہیں نہ خود معصوم

محفوظ پھر اس سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** اگر انسان ٹھیک رہے تو فرشتوں سے افضل ہو جاوے اگر بگڑے تو شیطان کا استاد ہو جاوے یہ فائدہ **فاتبعه الشیطان** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ شیطان بھی بلعم کا تابع ہو گیا۔ انسان اپنی عقل سے ایسے گناہ ایجاد کرتا ہے جو شیطان کو بھی نہ سوجھیں مشین کے ذریعہ مکھن نکال کر ڈیری فارم کا دودھ فروخت کر دینا۔ دیسی گھی میں ولائتی گھی ملا کر فروخت کرنا۔ دیسی سونے میں ولائتی سونے کی ملاوٹ کرنا وغیرہ حرکات ابلیس نہ کر سکا یہ انسان ہی کے حصہ میں آئیں اگر رب کا فضل شامل حال نہ ہو تو انسان کے لئے **اسفل السفلین** ہے۔ **چھٹا فائدہ:** جو علم رب تک نہ پہنچائے وہ مفید نہیں علم معرفت والا مفید ہے یہ نعمت خاص ربانی عطیہ ہے یہ فائدہ **اتیناہ ایاتنا** سے حاصل ہوا علم بے معرفت درخت بے پھل ہے بادل بغیر بارش ہے بلعم کے علم کے متعلق قرآن کریم نے دوسری جگہ فرمایا **واضله الله علی علم و ختم علی قلبه** معرفت والے علم کے متعلق ارشاد ہے **وقل رب زدنی علما** "اور ارشاد ہے **انما یخشی الله من عباده العلمؤا**۔ **ساتواں فائدہ:** قانون ربانی یہ ہے کہ ظاہر پر حکم جاری فرمایا جاتا ہے دیکھو رب تعالیٰ جانتا تھا کہ بلعم کا انجام گمراہی ہے مگر جب تک کہ وہ گمراہ ہوا نہیں تب تک اسے ظاہری عظمت و بزرگی دی گئی یہ فائدہ **فکان من الغوین** سے حاصل ہوا۔ ابلیس مردود ہونے سے پہلے مقرب بارگاہ تھا حالانکہ اس کا انجام خراب ہونے والا تھا جب اس نے سرکشی کی تب مردود کیا گیا اس فائدہ کو خیال میں رکھو اس سے شریعت و طریقت کے بہت سے اشکال دور ہو جائیں گے رب کا علم اور رب کا قانون یہ دو چیزیں ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** بارگاہ الٰہی کا ادب یہ ہے کہ برائی کو بندہ کی طرف نسبت کیا جاوے اور بھلائی کو رب کی طرف اگرچہ سب کچھ رب کے ارادہ سے ہے دیکھو یہاں ارشاد ہوا کہ **اتیناه ایاتنا** ہم نے اسے اپنی آیات عطا فرمائیں۔ عطاء آیات کو رب کی طرف سے نسبت کیا گیا پھر ارشاد ہوا **فانسلخ منها** وہ ان آیات سے نکل گیا نکلنے کو بلعم کی طرف منسوب فرمایا گیا۔ جناب خلیل نے فرمایا **واذا مرضت فهو یشفین** بیمار میں ہو تا ہوں تو شفا رب دیتا ہے حضرت خضر نے فرمایا **فاردت ان اعیبها** میں نے چاہا کہ کشتی کو عیب دار کر دوں۔ اللہ تعالیٰ ادب کی توفیق دے۔

از خدا خواہیم توفیق ادب! بے ادب محروم ماند از فضل رب

پہلا اعتراض: جب رب تعالیٰ جانتا تھا کہ بلعم کا انجام خراب ہو گا تو پہلے اسے علم، تصرف، قرب کیوں عطا فرمایا اسے پہلے ہی سے مردود کیا ہوتا۔ **جواب:** ابلیس اور بلعم دونوں کے واقعات میں تاقیامت لوگوں کے لئے مثال قائم فرمانا ہے تاکہ تاقیامت مولوی، صوفی، پیر، مشائخ غور کر لیں کہ نبی کی مخالفت سے سب کچھ برباد ہو جاتا ہے اس لئے اسے عالم، صوفی، پیر، مقرب بنا کر مارا

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر!
نفس گم کردہ می آید جنید و با یزید اینجا

اس لئے صوفیاء فرماتے ہیں باخدا دیوانہ و با مصطفےٰ ہوشیار باش۔ ابلیس حضرت آدم علیہ السلام کی گستاخی کر کے مارا گیا اور بلعم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے برباد ہو گیا۔ بجلی کے پاور کو ہاتھ لگانے سے شاہ و گدا امیر و زیر کی جان جاتی رہتی ہے نبوت کے پاور پر ہاتھ ڈالنے سے عالم، صوفی، پیر، روشن ضمیر کا ایمان جاتا رہتا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** بنی اسرائیل میں زنا کیا

ایک شخص نے اور طاعون کے ذریعہ ستر ہزار اسرائیلی کیوں ہلاک کردیئے گئے قصور تو ایک نے کیا تھا۔ **جواب:** قانون قدرت یہ ہے کہ کبھی ایک مقبول کی برکت سے پوری قوم کا بیڑا ترجاتا ہے اور کبھی ایک مردود کی وجہ سے ساری قوم مصیبت میں پڑجاتی ہے اگر ایک مسافر کشتی کا تختہ توڑدے تو سارے کشتی کے سوار ڈوب جاتے ہیں رب فرماتا ہے **واتقوا فتنة "لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة"** **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **فانسلخ منها** وہ آیات سے نکل گیا چاہیے تھا کہ کہا جاتا **فانسلخت منه** وہ آیات بلعم سے نکل گئیں الٹا کیوں فرمایا۔ **جواب:** اس کی حکمت ہم تفسیر میں عرض کرچکے کہ بتانا یہ تھا کہ اس میں آیات ایسی کانشان تک نہ رہا قلب قالب عمل عقیدے سب ہی بگڑ گئے نیز ہم نے اس سے آیات نہ چھینیں بلکہ وہ خود اپنی حرکات کی وجہ سے آیات سے محروم ہو گیا اس لئے **انسلخ** فرمانا بلعم کو اس کا ذمہ دار ٹھہرانا ہی بہتر تھا۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **انسلخ منها** کے بعد ارشاد ہوا۔ **فاتبعه الشيطان** مگر واقعہ یہ تھا کہ پہلے شیطان اس کے پیچھے پڑا پھر وہ آیات سے نکلا ترتیب برعکس کیوں رکھی گئی۔ **جواب:** **فاتبعه الشيطان** میں اگر **ف** علت کی ہو تب تو کوئی اعتراض نہیں کہ پھر آیت کے معنی یہ ہونگے کہ وہ آیات سے نکل گیا اس لئے کہ شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا اور اگر **ف** عقبیہ ہو۔ معنی پس یا پھر تو مقصد یہ ہے کہ بلعم کو اس کے نفس اس کی بیوی اس کی قوم نے گمراہ کیا جب وہ ان ذریعوں سے گمراہ ہو گیا اب شیطان اس کے پیچھے گیا اس طرح کہ وہ شیطان کا استاد بن گیا اور شیطان اس کا شاگرد اس کا مرید ہو کر اس کے پیچھے لگا وہ شیطان کا بھی استاذ ہو گیا۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ بلعم اولاً نبی تھا پھر وہ گمراہ ہو گیا یہ درست ہے۔ **جواب:** یہ محض غلط ہے اس لئے تفسیر کبیر نے اسی جگہ اس قول کی تردید بھی کردی اور اس آیت سے استدلال کیا **الله يعلم حيث يجعل رسالته** نبی کبھی گمراہ ہو سکتا ہی نہیں اللہ تعالیٰ نبوت کے لئے انہیں کو منتخب کرتا ہے جو گمراہ نہ ہو سکیں۔ عالم، عابد، صوفی، عارف حتیٰ کہ فرشتے بہک سکتے ہیں جیسے ہاروت ماروت مگر مخلوق الٰہی میں نبی ایسے بندے ہیں جو کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے **ان عبادي ليس لك عليهم سلطن** کیونکہ یہ حضرات رب کی طرف سے ہادی بنا کر بھیجے جاتے ہیں اگر وہ خود ہی ہدایت پر نہ رہیں تو ہادی کون ہو اگر سورج ہی سیاہ ہو جاوے تو دنیا کو کون چمکاوے۔

تفسیر صوفیانہ: نیک بختوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خفیہ الطاف ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھے نہ کانوں نے سنے نہ کسی کے دل میں آئے یوں ہی بد نصیبوں کے لئے رب کی طرف سے خفیہ بلائیں ہیں جو کسی چیز سے دفع نہیں ہو سکتیں نہ اپنے علم سے نہ کسی بڑائی سے انسان کو چاہئے کہ کسی اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر بھی ان بلاؤں سے اپنے کو محفوظ نہ سمجھے دنیا میں زیادہ مشغولیت یہاں کے عیش و عشرت ان بلاؤں کا دروازہ ہیں اور دنیا سے علیحدگی نفس امارہ کی مخالفت شہوات سے دوری الطاف الٰہیہ کا دروازہ ہیں سب سے پہلے اس بلعم نے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار کیا بلکہ اس پر کتاب لکھی پہلا دہریہ اس کے متعلق پہلے کتاب لکھنے والا بلعم ہے (روح البیان) جب ایمان و عرفان ملے رب کی طرف سے اس پر مہر لگے نبی کی نگاہ سے تب اس کی حفاظت ہوتی ہے اگر اس کا کرم ہو تو بہرام جیسے آتش پرست کو دیندار بنادے اگر اس کا قہر ہو تو بلعم جیسے عابد زاہد کو کتے سے بدتر کردے۔

آں راہبری از صومعہ سرد بر گبراں انگی / دین راکشی از بتکدہ سر حلقہ مرداں کنی

چون و چرا در کار عقل زبوں را کے رسد / فرماں دہ مطلق توئی ہرچہ کہ خواہی آں کنی

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ

اور اگر چاہتے ہم تو البتہ اونچا کر دیتے اس کو ان آیتوں کے ذریعہ اور لیکن وہ گر رہ گیا طرف زمین کے اور پیچھے ہو لیا مراد اپنی

اور ہم چاہتے تو آیتوں کے سبب اسے اٹھا لیتے مگر وہ تو زمین پکڑ گیا اور اپنی خواہش کا تابع ہوا تو اس کا حال کتے کی

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ

خواہش کے پس کہاوت اس کی کتے کی کہاوت کی طرح ہے اور اگر لادے تو اس کے اوپر تو ہانپے وہ یا چھوڑ دے

طرح ہے تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے یہ حال ہے ان کا جنہوں نے

مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

تو اسکو تو ہانپے یہ کہاوت ہے اس قوم کی جنہوں نے جھوٹا سمجھا ہماری آیتوں کو پس قصے بیان کر دو تم تاکہ وہ غور کریں

ہماری آیتیں جھٹلائیں تو تم نصیحت سناؤ کہ کہیں وہ دھیان کریں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں بلعم ابن باعوراء کے گمراہ ہو جانے کا ذکر تھا اب اس کے گمراہ رہنے کا تذکرہ ہے کہ وہ پھر ہدایت پر نہ آیا اس کے دل پر کفر کی مہر لگ گئی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بلعم کی گمراہی کا ذکر تھا اب گمراہی کی وجہ کا تذکرہ ہے کہ باوجود آیات الٰہیہ رکھنے کے وہ گمراہ کیوں ہو گیا نفسانی خواہش کی اتباع کی وجہ سے **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں بلعم کے بہت اونچا ہونے فرشتوں پر بڑھ جانے کا ذکر ہوا اب اس کے ایک دم بے حیا ہو جانے اور کتے کی طرح بلکہ اس سے بھی بدتر ہونے کا تذکرہ ہے جو رب اونچا کر سکتا ہے وہ نیچا بھی کر سکتا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں بلعم کا قصہ مذکور ہوا اب اس قصہ کے ذکر کی حکمت کا بیان ہے کہ **لعلهم يتفكرون** لوگ اس میں غور و خوض کریں۔ دنیا کی بڑائی پر نہ بھولیں۔

تفسیر: ولو شئنا لرفعنه بها یہ نیا جملہ ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **شئنا** کا مفعول پوشیدہ ہے **عظمته رفعته** وغیرہ **لرفعنه بها** کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں مگر قوی تفسیر یہ ہے کہ یہ **لو** کا جزا ہے اور **رفع** یعنی بلندی سے مراد ہے مرتبہ اور درجہ کی بلندی **ہ** کا مرجع بلعم ہے **بها** میں **ب** سببیہ ہے **ها** کا مرجع آیات الٰہیہ ہیں جو بلعم کو دی گئی تھیں (روح المعانی) یعنی اگر ہم بلعم کو اونچا کرنا چاہتے تو اس کا درجہ اس کا مرتبہ ان آیات کی وجہ سے بہت اونچا کر دیتے کہ ان پر عمل کرنے ان پر قائم رہنے کی توفیق دیتے اس کا خاتمہ ایمان پر کرتے ظاہر یہ ہے کہ آیات سے مراد وہ خصوصی نعمتیں ہیں جو بلعم کو عطا ہوئیں جیسے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کا علم اور اس کا مقبول الدعا ہونا قوم میں اسکی عزت و عظمت بے حد ہونا یا اس سے ابراہیمی صحیفوں کی آیتیں مراد ہیں (روح البیان) اور ممکن ہے کہ اس سے توریت شریف کی آیتیں مراد ہوں یعنی ان کا کامل علم **ولكنه اخلد الى الارض** یہ عبارت بھی نیا جملہ ہے اس کے بعد ایک عبارت پوشیدہ ہے **فلم نشار فعه** (روح البیان)۔ **اخلد** بنا ہے **خلد** سے ۔ بمعنی ٹھہر جانا لازم پکڑ لینا اسی سے ہے **خلود** ۔ بمعنی ہمیشگی **خلدين فيها ابدا** پھر اس کرنے

جھکنے کو خلود کہنے لگے جس کے بعد انھانانہ ہو یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں اس لئے اس کے بعد **الی** ارشاد ہوا **الارض** سے مراد یا تو دنیا ہے چونکہ دنیا کی ہر چیز زمین سے پیدا ہوتی ہے اس لئے زمین بول کر دنیا مراد لی گئی بعض مفسرین نے ارض سے مراد ذلت و خواری لی ہے کیونکہ ذلیل آدمی زمین پر پڑا رہتا ہے۔ یعنی لیکن وہ تو دنیا کی طرف جھک گیا گر گیا کہ پھر وہاں سے نہ اٹھا بعض نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کی طرف جھک گیا یہ سمجھ کر کہ وہ یہاں ہمیشہ رہے گا (روح المعانی) یا وہ عزت والا تھا ذلت کے گڑھے میں گر گیا اس بنا پر ہم نے اسے اونچا کرنا نہیں چاہا **واتبع ھواہ** بلعم کا دوسرا جرم ہے جو پہلے جرم کی وجہ ہے اتباع کے معنی ہیں پیچھے چلنا **ھوا** کے لفظی معنی ہیں خالی ہونا **افئدتھم ھواء** یا گرنا **او تھوی بہ الریح** نفسانی خواہش کو **ھوا** اس لئے کہتے ہیں کہ وہ نفع سے خالی بھی ہوتی ہے اور انسان کو ذلت و خواری کے گڑھے میں گراتی بھی ہے یعنی وہ **ھدی** کو چھوڑ کے ھوی کے پیچھے لگ لیا دنیا سے مراد تھے قوم کے تحفے تحائف **ھوی** سے مراد ہے اپنی بیوی کی ضد پوری کرنا **فمثلہ کمثل الکلب** اس فرمان عالی میں بلعم کے دونوں مذکورہ جرموں کے انجام کا ذکر ہے اس میں ف جزائیہ ہے اور یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے **لما کان کذالک مثل م** اور ث کے فتح سے اس کے معنی کہاوت بھی ہیں اور حالت و کیفیت بھی یہاں دوسرے معنی میں ہے تمام جانوروں میں ذلیل تر جانور کتا ہے کہ وہ گندگی بھی کھاتا ہے اور اپنی قے بھی نیز اسے حلال گوشت سے زیادہ پسند مردار گوشت ہے۔ اپنی قوم کا دشمن ہے بہت حریص ہے کہ دو کتے ایک جگہ نہیں کھا سکتے یعنی بلعم کی حالت کتے کی سی ہو گئی مگر کتے کے حالات میں سے بدترین حالت کی طرح کہ **ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث** یہ عبارت یا تو **مثلہ** کا بیان ہے یا **الکلب** کا حال تحمل بنا ہے حمل سے جس کے معنی ہیں بوجھ لادنا بھی اٹھانا بھی حملہ کرنا بھی یہاں تیسرے معنی مراد ہیں کیونکہ کتے پر نہ تو کوئی بوجھ لادتا ہے نہ وہ اسے اٹھاتا ہے حملہ کرنے سے مراد ہے اسے لاٹھی مار کر دور کارنا بھگانا **یلھث** بنا ہے **لھث** سے جس کے معنی ہیں کتے کا زبان باہر نکال کر ہانپنا دوسرے جانور تو سخت گرمی یا محنت میں ہانپتے ہیں مگر زبان نہیں نکالتے کتا آرام میں بھی زبان باہر نکال کر ہانپتا رہتا ہے اس ذریعہ سے سانس لیتا ہے **او تترک** معطوف تحمل علیہ پر ہے ترک سے مراد ہے اسے نہ مارنا دفع نہ کرنا یعنی بلعم کا حال اس کتے کا سا ہو گیا کہ اگر اسے درکار کرنا ہو لو تو بھی زبان باہر لٹکا کر ہانپے اور اگر اسے پیار کر کے پاس بٹھاؤ تو بھی یہ ہی کرے بعض مفسرین نے فرمایا کہ چونکہ بلعم کی زبان بھی کھینچ کر اس کے سینے پر آپڑی تھی جیسا کہ پچھلی آیتہ کی تفسیر میں کہا گیا اس لئے اسے کتے کی اس حالت سے تشبیہ دی گئی (بیضاوی مدارک وغیرہ) **ذلک مثل القوم الذین کذبوا بایتنا** یہ نیا جملہ ہے جس میں یہ بتایا گیا کہ یہ مت سمجھنا کہ یہ حالت صرف بلعم کی ہوئی ہم کو اس سے کوئی تعلق نہیں تاقیامت جو شخص اور جو قوم اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے گی وہ اس طرح ذلیل و خوار تباہی میں گرفتار ہو گی **ایاتنا** سے مراد کتاب اللہ کی آیات نبی کے معجزات بلکہ خود نبی کی ذات سب ہی ہیں کہ ان سب سے اللہ تعالیٰ کی شان معلوم ہوتی ہے۔ حضور انور سراپا آیات الہیہ ہیں کہ آپ کی ہر ادا ہر صفت آیتہ الہیہ ہے یہ عیب آج تک یہود میں چلا آرہا ہے کہ ان کی فطرت کتے کی سی ہے (روح البیان) **فاقصص القصص** اس فرمان عالی میں خطاب نبی ﷺ سے ہے یہاں **ف** جزائیہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزا ہے **القصص** میں الف لام عہدی ہے یعنی یہ قصہ یہ واقعہ **قصص** مصدر ہے۔ بمعنی مفعول جیسے سلب۔ بمعنی مسلوب (روح المعانی) یعنی جب یہ معلوم ہو گیا کہ بلعم کی مثال ہر منکر

آیات پر چسپاں ہے تو آپ یہ واقعہ لوگوں کو سنائیے انہیں بتائیے **لعلھم یتفکرون** یہ اقصص کا مفعول لہ ہے۔ یعنی آپ انہیں یہ واقعہ سنا تاکہ وہ لوگ اپنے دل میں سوچیں کہ کہیں ہم تو بلعم کی طرح نہیں ہیں ہم پر تو یہ مثال صادق نہیں آرہی ہے۔

خلاصہ تفسیر: اگر ہم بلعم پر رحم و کرم کرنا چاہتے تو اسے ان آیات کے ذریعہ بہت اونچا کر دیتے کہ عالم باعمل صوفی بے بدل رہتا اسی حالت میں مرتا اور اس کا درجہ بہت ہی اونچا ہو جاتا وہ فرشتوں سے بڑھ جاتا لیکن وہ تو اونچا ہو کر دنیا کی طرف جھک گیا۔ ذلت و خواری کی زمین پکڑ گیا کیونکہ اپنی نفسانی خواہش کے پیچھے چل پڑا لوگوں کے تحفے تحائف اس کی بیوی کی ضد اسے لے بیٹھی۔ انجام یہ ہوا کہ اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اسے دھتکارو نکالو مارو تو بھی وہ زبان نکالے ہوئے ہانپے اور اگر اسے پچکارو کچھ کھلاؤ تو بھی اس کا یہ ہی حال بلعم کی بھی زبان باہر نکل پڑی وہ کتے کی طرح ہانپتا ہی رہا یہ حالت صرف بلعم کی نہیں بلکہ جو بھی ہماری آیتیں جھٹلائیں ان کی حالت بھی یہ ہی ہے کہ وہ صورت میں انسان ہیں سیرت میں ذلیل و خوار کتے لہٰذا اے محبوب یہ واقعہ انہیں سناؤ تاکہ یہ سب خصوصاً یہود غور کریں اور اپنے حال میں تامل کریں سوچیں کہ کہیں وہ تو بلعم کے نقش قدم پر نہیں چل رہے ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** صرف قرآن جاننے قرآن پڑھنے سے بلندی نہیں ملتی یہ تو رب کے فضل و کرم سے ملتی ہے۔ منافقین بھی قرآن پڑھتے تھے یہ فائدہ **لوشئنا لرفعناہ** سے حاصل ہوا کہ اگر ہم چاہتے تو اسے آیات الہیہ کے ذریعہ بلندی بخشتے۔ **دوسرا فائدہ:** اگر دل میں نبی سے عداوت ہو تو قرآن اس کے لئے مفید نہیں دیکھو بلعم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جب مخالف ہو گیا تو اسے آیات کام نہ آئیں۔ اس واقعہ سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو حضور انور سے عداوت رکھ کر لوگوں کو قرآن سناتے پھرتے ہیں دل میں نبی کی الفت آتی ہے پہلے بعد میں قرآن مجید کا نور داخل ہوتا ہے ہم نے عرض کیا ہے۔

وہ جس کو ملے ایمان ملا ایمان تو کیا رحمٰن ملا   قرآن بھی جب ہی ہاتھ آیا جب دل نے وہ نور ہدی پایا

تیسرا فائدہ: نبی کا گستاخ عالم کتے کی طرح ذلیل و خوار ہے اسے نہ دنیا میں عزت ملے نہ آخرت میں دیکھو۔ بلعم اللہ تعالیٰ یا فرشتوں وغیرہ کا منکر نہ تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مخالف ہوا تو رب نے اسے کتے کی بدترین حالت سے تشبیہ دی۔ **چوتھا فائدہ:** انسان اگر سیدھا چلے تو فرشتوں سے افضل ہے اور اگر برا چلے تو کتے جیسا خسیس ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔

لهت الكلاب لنا كانت مجاورة   وليتنا مانرى محمن نرى احدا

ان الكلاب لتهدا فى مرا بضها   والناس ليس بها و شرهم ابدا

حضرت فقیہ ابو المنصور قدس سرہ اپنے نفس کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔

الكلب   احسن   عشرة   وهوالنهايته   فى   الخاسه

محمن   يتازغ   فى   الريا   سته   فيل   اوقات   الرياسه

خلاصہ یہ ہے کہ شریر پڑوسی کٹ کھنے کتے سے بدتر ہے کہ کتے کے شر سے بچنا آسان ہے مگر شریر انسان کی شر سے بچنا مشکل ہے جو شخص ریاست کے قابل نہ ہو اور ریاست طلب کرے وہ کتے سے بڑھ کر خسیس ہے (روح المعانی)۔ **پانچواں فائدہ:** علماء

سوء اور عابدین سوء بتوں اور بت پرستوں سے بدتر ہیں دیکھو رب تعالیٰ نے بتوں اور بت پرستوں کو مکھی اور مکڑی سے تشبیہ دی ہے مگر برے عالم وعابد کو کتے سے تشبیہ دی (معانی) عالم دین ملائکہ سے افضل ہے کہ اس کے متعلق ارشاد فرمایا **انما یخشی اللہ من عبادہ العلمؤا**۔

نوٹ ضروری: یہاں تفسیر روح المعانی نے ایک خط نقل فرمایا جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے امام فخرالدین رازی کو لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مبارک ہیں وہ علماء جنہیں اللہ تعالیٰ علم دین پھیلانے کے لئے منتخب کرے اولیاء زمانہ پر لازم ہے کہ ایسے علماء کی دعا خیر سے مدد کریں اللہ تعالیٰ عالم کو **ھوی** (نفسانی خواہش) سے محفوظ رکھے کیونکہ **ھوی** کا ایک قطرہ علم کے سمندر کو گدلا کر دیتا ہے جو عالم **ھوی** سے بچ گیا وہ ہی صحیح معنیٰ میں وارث نبی جانشین رسول ہے ﷺ ایسے عالم کا علم عمل خیر ہیں اور عمل خیر علم میں سرایت کر جاتا ہے افکار کے برہان ہیں اور اسرار کے لئے عیان ہیں جہاں عیان ہے وہاں برہان کی ضرورت نہیں۔ **چھٹا فائدہ**: علم دین بلندی درجات کا ذریعہ ہے اور رب تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو تو قرآن سے بہتر ذریعہ عزت دنیا میں اور کوئی نہیں یہ فائدہ **لرفعنا بھا** سے حاصل ہوا کہ **بھا** میں ب سببیہ ہے رب فرماتا ہے۔ **یرفع اللہ الذین امنو امنکم والذین تو العلم درجت** علم دین خدمت دین میں دولت عزت وقار سب کچھ ہے۔

سگ درگاہ احمد شو کہ یابی صد وقار اینجا زر اینجا دولت اینجا عزت اینجا افتخار اینجا
بہ طیبہ چون در آیم باہزاراں شوق بر خوانم سر اینجا سجدہ اینجا زندگی اینجا قرار اینجا

ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ سب کی ہدایت پسند فرماتا ہے مگر سب کی ہدایت کا ارادہ نہیں فرماتا محبت ارادہ اور مشیت میں بڑا فرق ہے دیکھو سب کو ایمان لانے کا حکم ہے **امنوا باللہ ورسولہ** مگر سب کے ایمان کا ارادہ نہیں یہ فائدہ **لوشئنا** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ اگر ہم چاہتے تو بلعم کو اونچا کر دیتے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے بلعم کو نیچا کرنا چاہا جب رب نے ہی اسے نیچا کر دیا تو وہ بے قصور ہوا۔ **جواب**: اس کا جواب ہم تیسرے پارے کے شروع میں مسئلہ تقدیر کے بیان میں دے چکے ہیں زیر آیہ **ولوشاء اللہ ما اقتتلوا** یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہاں اس جگہ یہ بھی ارشاد ہے **ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ** یعنی بلعم کی گمراہی کے دو سبب ہوئے ایک بلعم کا زمین پکڑ جانا دوسرے اپنی خواہش کے پیچھے چلنا یہ دونوں کام اس نے اپنے اختیار سے کئے اس اختیار پر اس کی پکڑ ہے کا خالق اللہ ہے سب بندہ خلق اور کسب کا فرق وہاں تیسرے پارہ میں دیکھو۔ **دوسرا اعتراض**: بدترین جانور تو سور ہے نہ کہ کتا تو رب تعالیٰ نے بلعم کو کتے سے کیوں تشبیہ دی۔ **جواب**: بدترین جانور تو سور ہے مگر ذلیل ترین حقیر ترین جانور کتا ہے۔ سور بے حیائی میں مشہور ہے کہ اپنی مادہ کے لئے خود دوسرا نرلاتا ہے مگر کتا خباثت میں مشہور ہے اگر یہ دیوانہ ہو کر کسی کو کاٹ لے تو سانپ کے زہر سے کہیں زیادہ خطرناک اس کا زہر ہوتا ہے باقی اس کی خباثتیں ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے گھر میں اگر بلا ضرورت کتا پلا ہو تو رحمت کے فرشتے نہیں آتے سور کے متعلق کسی حدیث میں یہ سزا مذکور نہیں۔ **تیسرا اعتراض**: حضور انور نے طالب دنیا کو کتے سے کیوں تشبیہ دی ہے

فرماتے ہیں **الدنیا جیفتہ وطالبھا کلاب** دنیا مردار ہے اور طالب دنیا کتے ہیں کوے بھی مردار کھاتے ہیں۔ **جواب**: اس لئے کہ کتا مردار خور بھی ہے مگر ساتھ ہی حریص بھی اور اپنی قوم کا دشمن بھی۔ دو چار من کا مردار ہوا کیلا کتا ہو وہ اتنا گوشت کھا نہیں سکتا مگر دوسرے کتے کو آنے نہیں دیتا اس پر غراتا ہے مگر ایسے موقعہ پر کوا شور مچا کر دوسرے کوؤں کو بلا کر کھاتا ہے دنیادار انسان کا بھی یہ ہی حال ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ میں ہی کماؤں کھاؤں دوسرا نہ کمائے نہ کھائے لہٰذا طالب دنیا کتا ہے کوا نہیں جتنی وہ حرص کرتا ہے اتنا کھا نہیں سکتا۔ حضور انور کا ایک ایک لفظ انمول موتی ہوتا ہے۔ **چوتھا اعتراض**: جب کتا ایسی ذلیل اور بے قدر چیز ہے تو اصحاب کہف کے غار کے دروازے پر اسے کیوں رکھا گیا اور اسے ایسی عزت کیوں دی گئی کہ اس کا ذکر حرمت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا۔ **جواب**: دو وجہ سے ایک یہ کہ کتا باوجود اتنی ذلت و خواری کے رکھوالی خوب کرتا ہے اسے ان حضرات کا چوکیدار اور دربان بنایا گیا۔ دوسرے اس لئے کہ حضرات اولیاء اللہ کی عزت و عظمت ان کے فیض و برکت کا دکھانا مقصود ہے کہ ان کی صحبت و خدمت کی وجہ سے کتے جیسے حقیر جانور کو عزت و درازئ عمر کھانے پینے سے بے نیازی دنیا کی ہر طرح کی راحت سردی گرمی سے حفاظت جیسی نعمتیں مل جاتی ہیں تو جو انسان اولیاء اللہ کے آستانہ کی خاک ہو جاوے اسے کیا کچھ نہ ملے گا دیکھو حضور انور کا قرین یعنی ساتھ رہنے والا شیطان اس پر بھی اللہ کا کرم ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا جیسا کہ حدیث شریف ہے **ولکن اللہ اعاننی علیہ فاسلم فلا یامرنی الا الخیر** (حدیث شریف) جب حضور انور کے قرب نے اس شیطان کی حقیقت بدل دی تو جو خدام بارگاہ اس حکیم مطلق کے ساتھ سایہ کی طرح رہے انہیں کیا کچھ نہ ملا ہو گا۔ **پانچواں اعتراض**: یہاں کتے کی اس حالت کا ذکر کیوں ہوا کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے نہ کرے تو زبان نکالے اس تذکرہ میں کیا حکمت ہے۔ **جواب**: یا اس لئے کہ بلعم کا حال اس وقت یہ ہی ہو گیا تھا کہ زبان باہر نکل پڑی تھی ہر وقت ہانپتا رہتا تھا یا اس لئے کہ جب کتا اس طرح ہانپتا ہے تو اس وقت وہ کوئی کام نہیں کر سکتا نہ تو شکار کر سکتا ہے نہ کھا پی سکتا ہے یوں ہی حریص و طماع عالم و عابد سواء زبان چلانے بے معنی الفاظ بولنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا نہ اس کے کلام میں اثر نہ صحبت میں فیض وہ اللہ کی زمین پر صرف بوجھ ہی ہوتا ہے یہ شخص دنیاداروں کے سامنے اپنے فضائل و کمالات میں ہی زبان چلاتا رہتا ہے اس کے ذریعے اپنے نفس کی حرص پوری کرتا ہے یہ محض بے فائدہ۔ نیز ہانپنے والا کتا ہر وقت ہانپتا ہی رہتا ہے یوں ہی حریص عالم و عابد ہمیشہ حرص کے پیچھے پھرتا رہتا ہے غرضکہ حریص عالم و عابد کو بہت طرح ایسے کتے سے مشابہت ہے (تفسیر کبیر)

تفسیر صوفیانہ: روح انسانی کا میلان عالم علویات کی طرف ہے نفس امارہ کا میلان سفلیات کی جانب علم و عبادت گویا انسان کے غیبی پر ہیں جیسے پرندہ پروں کے ذریعہ اوپر چڑھتا ہے اور انہیں پروں سے نیچے گرتا ہے اگر علم و عمل کا تعلق روح سے ہو جاوے تو یہ دونوں پر انسان کو وہاں پہنچاتے ہیں جہاں فرشتے نہ پہنچیں علم کی وجہ سے حضرت آدم مسجود ملائکہ ہوئے خلیفتہ اللہ بنے **وعلم ادم الاسماء کلھا** یہ تھی عالم بالا کی طرف پرواز اور زیادتی علم و فضل ہی کی وجہ سے شیطان **اسفل السفلین** میں پہنچا اگر علم کے ساتھ عشق رسول خوف خدا وابستہ ہو جاویں تو یہ اوپر کی طرف پرواز کراتے ہیں اگر علم کے ساتھ حرص و طمع لالچ مل جاویں تو پھر یہ ہی علم و عمل اسے نیچے گراتے ہیں بلعم باعورا اس قدر وسیع علم کے باوجود ہانپنے والا کتا بن گیا حرص کی وجہ سے حالانکہ وہ دولتمند تھا مگر قوم کے تحفے تحائف اسے لے ڈوبے شاہین اور گدھ دونوں کے پاس پر ہیں مگر

شاہین اپنے پروں سے اوپر کی طرف جاتا ہے اور گدھ اپنے پروں سے مردار پر گرتا ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں — شاہین کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

مومن سعید اپنے علم و عمل سے حضور ﷺ تک پھر ان سے رب تک پہنچتا ہے مومن کی شان یہ ہوتی ہے۔

نام نامی رہے ان کا ورد زبان' ذکر ہوتا رہے سانس چلتا رہے
آخری وقت ہو ان کے قدموں میں سر' دید ہوتی رہے دم نکلتا رہے

سَآءَ مَثَلًاۨ الْقَوْمُ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ (۱۷۷)

بری ہے کہاوت میں وہ قوم جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور اپنی نفسوں پر ہی وہ ظلم کرتے تھے

کیا بری کہاوت ہے ان کی جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور اپنی ہی جانوں کا برا کرتے تھے

مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْۚ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَاُولٰٓىٕكَ

وہ کہ ہدایت دے اسے اللہ پس وہ ہی ہدایت والا ہے اور وہ کہ گمراہ کر دے اسے اللہ پس یہ لوگ

جسے اللہ راہ دکھائے تو وہ ہی راہ پر ہے اور جسے گمراہ کرے تو وہ ہی نقصان

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۱۷۸)

ہی گھاٹے والے ہیں

میں رہے۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ بلعم کی طرح ہر کافر آیات جھٹلانے والے کا حال ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جس نے اپنا حال ایسا کیا اس نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا اپنا ہی بگاڑا گویا پہلے کفار کے برے حال کا ذکر تھا اب اس کے انجام کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بلعم ابن باعورا کا انجام بیان ہوا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہدایت صرف اپنے علم و عمل سے کسی کو نہیں ملتی یہ تو عطیہ ربانی ہے گویا ایک واقعہ کے ذکر کے بعد اس سے شرعی بلکہ عقائد کا مسئلہ مستنبط کیا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بلعم باعورا کا اتار چڑھاؤ بیان ہوا اب ارشاد ہے کہ دنیا میں پورا خسارہ والا وہ ہے جو اچھے سے اچھے کام کرے مگر اس کے پاس رہے کچھ نہیں گویا خسارہ مال سے خسارہ اعمال سخت تر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ محبوب آپ ان لوگوں کو یہ واقعات سنائیں اب ارشاد ہے کہ یہ واقعات سنانے کے بعد ان سب کی ہدایت کا یقین نہ کریں ہدایت دینا ہمارا کام ہے آپ کو بہرحال ثواب تبلیغ ملے گا مگر ان میں سے سب ہدایت نہ پائیں گے گویا پہلے علاج کا ذکر ہوا اب اس انجام کا ذکر ہے (روح المعانی)۔

تفسیر: **ساء مثلا**" یہ جملہ نیا ہے چونکہ اس کا تعلق پچھلے مضمون سے ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ نہ لایا گیا عربی جاننے والے بخوبی جانتے ہیں کہ **ساء** اور **حبذا** برائی بیان کرنے کے لئے آتے ہیں اس کا استعمال چند طرح ہوتا ہے یہاں اس کا فاعل **ھو** ہے جس کی تمیز ہے مثلا" یہاں مثل یا تو ۔ معنی کہاوت ہے تو مطلب یہ ہے کہ کفار کے لئے بد سے بدتر کہاوت زبان لٹکا کر ہانپتے ہوئے کتے کی طرح ہے اس سے زیادہ بری کہاوت نہیں ہو سکتی اور یا **مثل** ۔ معنی حالت و کیفیت ہے یعنی سب سے بدتر حالت کفار کی ہے اگرچہ وہ دنیا میں بظاہر اچھی حالت میں نظر آویں **القوم الذین کذبوا بایتنا** یہ عبارت نحوی ترکیب سے **ساء مثلا** کا مخصوص ہے یا تو اس کا مبتداء ہے یا **ھو** پوشیدہ کی خبر ہے۔ خیال رہے کہ **القوم** سے پہلے **مثل** پوشیدہ ہے کیونکہ فعل ذم کا فاعل تمیز اور مخصوص ایک ہی چاہئے چونکہ قوم لفظاً تو واحد ہے مگر معنیً جمع ہے اس لئے **الذین** اور **کذبوا** جمع فرمایا گیا۔ آیات سے مراد قرآنی آیات کتب الہیہ کی آیتیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں کہ یہ سب معرفت الہیہ کی نشانیاں ہیں۔ **وانفسھم کانوا یظلمون** یہ عبارت یا تو **کذبوا** پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ یا یہ نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ **انفس** جمع ہے **نفس** کی ۔ معنی ذات یا جان اسے **یظلمون** پر مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا یعنی وہ لوگ صرف اپنی جانوں یا ذاتوں پر ہی ظلم کرتے ہیں اس کا وبال خود ان ہی پر پڑے گا چونکہ انسان پر سب سے زیادہ حق اس کی اپنی نفس اپنی ذات اپنی جان کا ہے کہ نیک عقیدے نیک کام کرکے اسے دوزخ سے بچائے جنت کا حقدار بنائے اس لئے سب سے بڑا ظالم وہی ہے جو خود اپنے نفس کا حق مارے اسے ستائے **من یھدی اللہ فھو المھتدی** یہ عبارت گذشتہ مضمون کی تائید اور تاکید ہے **من** سے مراد سارے انسان ہیں **یھد** میں ہر قسم کی ہدایت داخل ہے ہدایت ایمان ہدایت اعمال ہدایت افعال ہدایت احوال۔ ہدایت سے مراد راہ دکھانا ہدایت کی آیات اتار دینا نہیں ہے کہ یہ تو سب کے لئے کر دیا گیا ہے بلکہ اس سے مراد ہے ہدایت قبول کرنے کی توفیق دینا یہ کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمائے چونکہ ہدایت ایک ہی چیز ہے کہ تمام گمراہیوں برائیوں سے بچنا اور **من** لفظاً واحد اس لئے **ھو** اور **مھتدی** واحد ارشاد ہوا **مھتدی** کے معنی ہیں ہدایت پانے والا یعنی **مھدی** متعدی ہے اور **مھتدی** لازم یعنی جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے کہ اسے ہدایت قبول کرنے کی توفیق بخشے۔ ہدایت پانے والا صرف وہ ہی ہے یہ نعمت بغیر اللہ تعالیٰ کے کرم کے نہیں ملتی **ومن یضلل فاولئک ھم الخسرون** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے یہاں بھی **من** سے مراد انسان ہیں کیونکہ فرشتے وغیرہ گمراہ نہیں ہوتے۔ **من** لفظاً" اگرچہ واحد ہے مگر معنیً جمع کہ اس سے مراد سارے گمراہ لوگ ہیں اور گمراہیاں بہت سی قسم کی ہیں گمراہ بہت طرح کے لوگ الوہیت کے منکر' جنت' دوزخ' قیامت کے منکر' نبوت کے منکر کسی خاص نبی کے انکاری پھر مومنین میں بد عمل لوگ بد عملیاں بہت سی قسم کی ہیں یوں ہی اس کا خسارہ اور نقصان بہت طرح کا۔ خیال رہے کہ گمراہ کرنے سے مراد یہ نہیں کہ اسے گمراہ رہنے کا حکم دے یا اس تک آیات نہ بھیجے کہ یہ تو ناممکن ہے بلکہ اس سے مراد ہے اس کو ہدایت قبول کرنے کی توفیق نہ دینا خود اس کی اپنی حرکتوں کی وجہ سے اس کے دل میں گمراہی پیدا کرنا وغیرہ لہٰذا آیت واضح ہے یعنی جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے وہی ہی پورے خسارہ والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: جو قوم اللہ کی آیتوں یعنی اللہ کے کلام اس کے نبیوں ان نبیوں کے فرمان ان کے معجزات کو غلط کہے یا انہیں نہ مانے اس کی حالت بہت ہی بری ہے اس پر بدترین جانور کی مثال صادق آتی ہے۔ جس سے نقصان ہی ہو کوئی فائدہ نہ ہو ایسے لوگ

کسی کا کچھ نہیں بگاڑتے اپنے پر ہی ظلم کرتے ہیں اپنا ہی بگاڑ لیتے ہیں کہ اپنے کو دائمی عذاب کا مستحق کر لیتے ہیں اے اللہ کے بندو بلعم کا واقعہ سن کر یہ یقین کر لو کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے یہ نعمت صرف اپنی کوشش اپنے علم و عبادات سے نصیب نہیں ہوتی یہ تو خاص عنایت ربانی ہے جس پر وہ کرم کر دے وہ ہدایت پر ہو گا ہدایت پر رہے گا اور جسے وہ گمراہ کر دے کہ اس کی حرکتوں کی وجہ سے اسے بہکا دے تو وہ پورے پورے نقصان میں ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفار کی برائی کرنا ان کی بری مثالیں دینا ان کے بتوں ان کے بزرگوں کی برائی بیان کرنا سنت الہیہ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہود کے سردار بلعم ابن باعورا کو ہانپتے ہوئے کتے سے تشبیہ دی بلعم ان کا بڑا پادری پوپ تھا دوسری جگہ ولید ابن مغیرہ کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے **عتل بعد ذلک زنیم** ان برائیوں کے بعد وہ حرامی بھی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** تمام کفروں کی جڑ نبی ان کے فرمان ان کے معجزات کا انکار کرنا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ رب تعالیٰ کا انکار کرتا ہے یہ فائدہ **الذین کذبوا بایاتنا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ہدایت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جو محض اس کے کرم اس کی مہربانی سے حاصل ہوتی اپنے علم، عمل، زور، طاقت وغیرہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ یہ فائدہ **من یھدی اللہ** سے حاصل ہوا۔ ہم نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں **اھدنا الصراط المستقیم** یعنی ہدایت کی دعا مانگتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** ہدایت اور گمراہی سب رب تعالیٰ کی طرف سے اس کے ارادے سے ہے یہ ہی اہل سنت کا عقیدہ ہے **والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ** یہ فائدہ **ومن یضلل** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: قرآن مجید فرماتا ہے **ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم** کفار کے جھوٹے معبودوں کو برا نہ کہو ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے مگر یہاں رب تعالیٰ نے بلعم کو کتے کی طرح فرمایا آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے بہت جواب ہیں قوی جواب یہ ہے کہ وہ آیت منسوخ ہے اس کی ناسخ یہ بلعم والی آیت اور دوسری آیات ہیں یا یوں کہو کہ بلا ضرورت انہیں برا نہ کہو **ضرورۃ** کہہ سکتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** کسی کو کتا گدھا وغیرہ کہنا تہذیب کے خلاف ہے اس سے اپنا منہ ہی گندا ہوتا ہے قرآن مجید نے جو کہ اعلیٰ درجہ کی مہذب کتاب ہے یہ طریقہ کیوں اختیار فرمایا۔ **جواب:** جی ہاں یہ آج کل کی فرنگی تہذیب کے خلاف ہو گا مگر یہ مہذب لوگ جب اپنی ذات کا معاملہ آپڑے تو یہ تعلیم بھول جاتے ہیں اپنی ذاتی معاملات میں برداشت کرو مگر اللہ کے رسول کے دشمنوں کو اچھی طرح برا کہو ہم تو نماز میں پہلے شیطان کو برا کہتے ہیں پھر تلاوت شروع کرتے ہیں **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** قرآن مجید کی پوری ایک سورت ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کی برائی میں آئی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے دوسری آیات میں ہے کہ شیطان گمراہ کرتا ہے کونسی بات درست ہے۔ **جواب:** دونوں باتیں درست ہیں شیطان گمراہ کرتا ہے اس طرح کہ وہ بندے کو گمراہی کی رغبت دیتا ہے اسباب جمع کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان اسباب کے جمع ہونے پر اس میں گمراہی پیدا کر دیتا ہے۔ خالق رب ہے کاسب بندہ ہے گمراہ کن ابلیس ہے۔ مقتول کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ فلاں قاتل نے اسے مارا اور یہ بھی کہ رب نے اسے مارا۔

تفسیرِ صوفیانہ: اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ان کی بقا بلکہ زیادتی کا ذریعہ ہے ناشکری زوال نعمت کا سبب پھر ہر نعمت کا شکریہ علیحدہ ہے اللہ کے نبی ان کے معجزات ان کے احکام فرمان اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں بلکہ اعلیٰ نعمتیں کہ دنیاوی نعمتیں فانی ہیں وہ نعمتیں باقی جو ان کا شکریہ ادا کرے گا انشاء اللہ ایمان پر قائم رہے گا جو ان کی ناشکری کرے گا اس سے چھین لی جائیں گی یہاں ارشاد ہے کہ جھٹلانے والوں نے جو آیات کا شکریہ ادا نہ کیا اس لئے وہ اپنے نفس پر ظالم ہوئے ان کا حال خراب ہوا جسے اللہ ہدایت دے کہ شکر کی توفیق دے وہ ہدایت پر قائم رہے گا اور جسے اللہ گمراہ کرے کہ شکر کی توفیق نہ ملے وہ پورے نقصان میں رہے گا کہ وہ ہدایت کھو بیٹھے گا۔ ایک نبی نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مولیٰ بلعم ابن باعورا کی گمراہی کا سبب کیا ہوا فرمایا کہ اس نے اپنے علم و عمل کا شکر کسی دن ادا نہ کیا اگر وہ ایک بار بھی شکر کر لیتا تو میں اسے نہ گراتا جب براوران یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو جناب یوسف کی زندگی صحت بلکہ سلطنت و حکومت کی خبر دی تو آپ نے پوچھا کہ وہ کس دین پر ہیں انہوں نے عرض کیا **علی دینک و دین ابائک ابرھیم واسحق** وہ اسی دین پر ہیں جو تمہارا تمہارے باپوں اور حضرت اسحاق و ابراہیم علیہ السلام کا ہے تب آپ سجدے میں گرے اور بولے آج میری دی ہوئی تعبیر پوری ہوئی اللہ نے نعمت پوری کر دی اللہ کے بندوں کا معاملہ خطیر (خطرناک) ہے عمر قصیر ہے عمل میں تقصیر ہے حساب لینے والا بصیر و خبیر ہے اگر وہ بخش دے تو **ذالک علی اللہ یسیر** الٰہی بندہ حقیر کی امید حقیر پوری کرائے سمیع و بصیر (از روح البیان) اللہ تعالیٰ بغیر نبی کے وسیلہ کسی کو کسی کے نیک عمل کو پوچھتا بھی نہیں اگر نبی کا وسیلہ میسر ہو تو اپنے فضل سے بد عمل بھی بخش دیتا ہے کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر نبی کے دروازے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ

اور البتہ تحقیق پیدا کئے ہم نے واسطے دوزخ کے بہت جنات اور انسان میں سے کہ ان کے دل ہیں کہ نہیں سمجھتے وہ

اور بے شک ہم نے جہنم کے لئے پیدا کئے بہت جن اور آدمی وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں

بِهَا ۖ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ

ان سے اور واسطے ان کے آنکھیں ہیں کہ نہیں دیکھتے وہ ان سے اور واسطے ان کے کان ہیں کہ نہیں سنتے

اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں اور وہ کان جن سے سنتے نہیں وہ چوپایوں کی طرح

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

وہ ان سے یہ لوگ مثل جانوروں کے ہیں بلکہ وہ زیادہ گمراہی میں ہیں یہ لوگ وہ غافل بے خبر ہیں

ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ یہ لوگ وہ غافل بے خبر ہیں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں بلعم اور اس جیسے لوگوں کا ذکر ہوا کہ وہ ہدایت پر آکر گمراہ ہو گئے اب اس آیت کریمہ میں اس بہکنے کی وجہ کا تذکرہ ہے کہ ان کی پیدائش دوزخ کے لئے تھی لہٰذا ان کی وہ ہدایت عارضی تھی جو ذرا سی وجہ سے جاتی رہی۔ **دوسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیۃ میں ارشاد ہوا تھا کہ صحیح ہدایت یافتہ وہ ہے جسے اللہ ہدایت دے اور حقیقی گمراہ وہ ہے جسے اللہ گمراہ کرے اب اس کی تفصیل کی جارہی ہے گویا یہ آیۃ کریمہ پچھلی مجمل آیۃ کی تفصیل ہے کہ اللہ تعالٰی کے گمراہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے دوزخ کے لئے پیدا کیا جاوے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ہدایت اور گمراہی کا ذکر تھا اب ان میں سے قابل اعتبار کا ذکر ہے معتبر گمراہی یا ہدایۃ وہ ہی ہے جس پر وہ پیدا کیا گیا اور جس پر اس کا خاتمہ ہونا ہے زندگی کے حالات کا کوئی اعتبار نہیں گویا ہدایت و گمراہی کی جنس کا پہلے ذکر تھا اس کی خاص نوع کا ذکر اب ہے۔

تفسیر: ولقد ذرانا لجهنم چونکہ اس آیۃ کا مضمون بہت مشکل ہے عوام کی عقل سے وراء ہے۔ بے عقل لوگ اس کا انکار کر دیتے ہیں اس لئے اسے لام اور قد کے ساتھ موکد کیا گیا **ذرا** کے لغوی معنی ہیں کثرت' زیادتی' یا پھیلاو اسی سے ہے **ذریت** یعنی انسان و جن کی نسل جو بہت ہو اور پھیلی ہو مگر اصطلاح میں یہ بمعنی خلق و جعل آتا ہے کہ پیدائش پھیلاوے کا ذریعہ ہے یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں (روح البیان) **لجهنم** میں لام مقصد یا حکمت کا نہیں بلکہ عاقبت اور انجام کا ہے لہٰذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں کہ **وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون** (تفسیر روح المعانی' خازن و روح البیان وغیرہ) جہنم اللہ تعالٰی کے سخت جیل خانہ کا نام ہے یہ اصل میں **چاہ** ژرف **تھا** بمعنی گہرا کنواں یا جہنام تھا کہا جاتا ہے بیر جہنام یعنی بہت ہی گہرا کنواں چونکہ اس کا کنارہ اور تھا میں فاصلہ پچھتر سو سال کا ہے یعنی زمین و آسمان کے فاصلہ سے بہت زیادہ کہ زمین و آسمان میں فاصلہ صرف پانچ سو سال کا ہے اس لئے اسے جہنم کہا جاتا ہے اس میں گرم و ٹھنڈے دونوں قسم کے طبقے ہیں جنہیں حرور اور زمہریر کہتے ہیں حرور گرم زمہریر ٹھنڈا (روح البیان) یعنی ہم نے دوزخ میں جانے وہاں جانے کے کام کرنے کے لئے پیدا کیا **كثيرا " من الجن والانس** یہ عبارت **ذرانا** کا مفعول ہے کثرت سے مراد اضافی کثرت ہے کیونکہ جن و انس میں فی ہزار نو سو ننانوے دوزخی ہیں اور ایک جنتی (حدیث شریف) من الجن میں **من** یا تو کثیرا کے بیان کے لئے یا بعضیت کے لئے۔ جن کے معنی ہیں چھپی مخلوق اسی سے ہے جنت' جنون' جنین' جند وغیرہ چونکہ جنات انسانوں کی نگاہ سے چھپے ہوئے ہیں لہٰذا انہیں جن کہا جاتا ہے انس کے معنی ہیں ظاہر ہونا اسی لئے دیکھنے کو ایناس کہا جاتا ہے **آنس من جانب الطور نارا** یا جیسے **انی انست نارا** چونکہ انسان ظاہر مخلوق ہے ظاہری زمین پر رہتی ہے اسی لئے اسے انس کہا جاتا ہے چونکہ جنات پیدائش میں انسان سے بہت پہلے ہیں کہ یہ آدم علیہ السلام سے کہیں پہلے پیدا ہو چکے تھے نیز ان کی عمریں انسانوں سے کہیں زیادہ ہیں نیز ان کی جسمانی قوتیں انسانوں سے کہیں بڑھ کر ہیں اگر یہ چاہیں تو انسان سے زیادہ نیک اعمال کریں اس لئے جن کا ذکر پہلے ہوا انس کا بعد میں جن ناری مخلوق ہے انسان خاکی (روح البیان)۔ خیال رہے کہ انسانوں کی طرح جنات بھی احکام شرعیہ کے مکلف ہیں۔ ہمارے حضور جیسے سارے انسانوں کے نبی ہیں ایسے ہی سارے جنات کے نبی۔ اس لئے آپ کا لقب ہے رسول الثقلین۔ گزشتہ انبیاء کرام جیسے خاص حلقے کے انسانوں کے نبی ہوتے تھے ایسے ہی خاص حلقے جنات کے (از روح البیان) غرضکہ جنات

میں اولیاء علماء صالحین ہیں مگر نبی رسول صرف انسانوں میں سورہ احقاف میں ہے کہ جنات نے قرآن سن کر اپنی قوم سے کہا **انا سمعنا کتبا انزل من بعد موسی**۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ توریت کے ماننے والے تھے اور اب قرآن پر ایمان لائے **لهم قلوب لا یفقهون بها** یہ آیت کثیرا کی صفت یا اس کا حال ہے اس میں **لهم** خبر مقدم ہے اور **قلوب** مبتداء موخر جس سے حصر کا فائدہ ہوا کیونکہ نا سمجھ دل صرف کفار کے ہی ہیں رہے مومنین ان کے دل خدا کے فضل سے سمجھ والے ہیں قلوب جمع ہے قلب کی قلب کے معانی ہم پہلے پارہ میں **فی قلوبهم مرض** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ ایک لطیفہ ربانی ہے اس کی جگہ وہ پارہ گوشت ہے جسے ہم دل کہتے ہیں **لا یفقهون بها**۔ **قلوب** کی صفت ہے فقہ کے لغوی معنی ہیں سمجھ **فقه** کے کسرہ سے سمجھا **فقه** کے پیش سے عالم فقیہ ہو گیا اب اصطلاح میں دینی سمجھ دینی علم کو فقہ کہتے ہیں یہاں **لا یفقهون** کا مفعول **به** پوشیدہ ہے آیات اللہ یا خیر یا ہدایت یعنی ان جہنمیوں کے پاس دل تو ہیں مگر وہ ان دلوں سے آیات الہیہ نہیں سمجھتے خیر و شر میں فرق نہیں کرتے **ولهم اعین لا یبصرون بها** یہ عبارت پہلے جملہ **لهم قلوب** پر معطوف ہے اور کثیرا کی دوسری صفت یا حال **اعین** جمع ہے **عین** کی بمعنی آنکھ **لا یبصرون** کا مفعول **به** بھی پوشیدہ ہے آیات اللہ یا دلائل التوحید یا طریق الحق یعنی ان کی آنکھیں ایسی ہیں جو دنیاوی چیزیں دیکھتی ہیں مگر آیات الہیہ راہ حق نہیں دیکھتیں حالانکہ وہ ان کے سامنے ہیں **ولهم اذان لا یسمعون بها** یہ عبارت **لهم اعین** پر معطوف ہے اور کثیرا کی تیسری صفت یا تیسرا حال **اذان** جمع ہے **اذن** کی بمعنی کان یعنی ان کے پاس ایسے کان ہیں جن سے وہ دنیاوی آوازیں تو سنتے ہیں مگر حق کی آواز نبی کے وعظ اللہ کا کلام نہیں سنتے۔ خیال رہے کہ یہ لوگ سب کچھ دیکھتے سنتے تو تھے مگر پروا نہ کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے اس لئے ارشاد ہوا کہ وہ دیکھتے سنتے ہی نہیں ایک شاعر کہتا ہے۔

وعوراء الکلام صممت عنها! وانی ان اشاء بها سمیع

خیال رہے کہ ان تینوں جملوں میں دل، آنکھیں، کان ہونے کا ثبوت ہے مگر ان کے کام کی نفی پھر ہر جگہ الگ الگ **لهم** ارشاد ہوا ایک ہی **لهم** پر کفایت نہیں اس سے ان کی اول درجہ کی بد بختی بیان فرمائی کہ یہ لوگ اپنے ان اعضاء سے وہ کام نہیں لیتے جن کیلئے یہ اعضاء پیدا کئے گئے صرف دنیاوی کاموں میں صرف کرتے ہیں لہٰذا **اولئک کالانعام** یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں کہ جیسے جانور اپنے ان تینوں اعضاء سے صرف دنیاوی عیش کی چیزیں دیکھتے سنتے سمجھتے ہیں آیات الہیہ میں استعمال نہیں کرتے ایسے ہی یہ لوگ ہیں کہ اپنی ساری قوتیں دنیا حاصل کرنے میں ہی صرف کرتے ہیں دنیا کے لئے بڑے عقلمند ہیں مگر آخرت کے لئے بالکل بے وقوف۔ خیال رہے کہ انعام جمع نعم کی بمعنی چوپایہ جیسے گائے بکری اونٹ بعض نے فرمایا کہ صرف اونٹ نعم ہے۔ **بل هم اضل** یہاں **بل** ترقی کے لئے ہے یعنی کفار جانوروں سے بڑھ چڑھ کر گمراہ ہیں انہیں جانوروں سے بدتر فرمانے کی چند وجہیں ہیں (1) جانوروں کے دل آنکھ کان میں آیات الہیہ سمجھنے دیکھنے سننے کی قوت ہی نہیں ہے اگر وہ نہ سمجھیں تو معذور ہیں کفار کے ان اعضاء میں یہ قوت ہے پھر وہ اس سے کام نہیں لیتے لہٰذا وہ جانوروں سے بدتر ہیں (2) جانور اپنے بھلے برے کو جانتا پہچانتا ہے بھلے کو حاصل کرتا ہے برے سے بھاگتا ہے۔ بھینس سبز چارہ شلہ کھا لیتی ہے دودک (زہریلی بوٹی) پر منہ نہیں لگاتی مگر یہ لوگ مفید و مضر میں کوئی فرق نہیں کرتے سب کو ہضم کر لیتے ہیں (3) جانور اپنے مالک کے اشاروں پر چلتا پھرتا

اٹھتا بیٹھتا ہے مگر یہ کفار اپنے مالک کے احکام نہیں مانتے۔

ہاں ہاں مانے تک تک مانے اور چکارے ہوئے کھڑا
کہے کبیر سنو تمیں سادھو تجھ مورکھ سے بیل بھلا!

(4) جانور بے سمجھ ہو کر گناہ یا کفر نہیں کرتا کافر سمجھدار ہو کر یہ سب کچھ کر لیتا ہے کسی جانور نے دعوی خدائی نہیں کیا انسان نے کیا (5) جانور اپنے مالک روزی کھلانے والے کو پہچانتا ہے اس کی اطاعت کرتا ہے اس کا مقابلہ نہیں کرتا مگر کافر جس کا کھاتا ہے اس کی نافرمانی بلکہ اس کی غداری کرتا ہے۔ جن و انس کے سوا باقی تمام چیزیں مطیع فرمان ہیں۔

دریغ آدمی زادہ بر محل! کہ باشد چو انعام بل ھم اضل

بہرحال نافرمان انسان جانور سے بدرجہا بدتر ہے۔ **اولئک ھم الغفلون** یہ فرمان عالی گزشتہ فرمان کی وجہ اور علت ہے الغافلون سے مراد ہے پورے غافل یعنی یہ لوگ پورے غافل ہیں انہیں اپنے انجام کی کچھ خبر نہیں۔ جانور اپنی خدمت اپنی ڈیوٹی پر کمربستہ رہتا ہے مگر انہیں کچھ فکر نہیں رب کی نعمتیں کھاتے ہیں مگر ان نعمتوں کا حق تو کیا ادا کر سکتے ہیں ان کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔

خلاصہ تفسیر: ہم نے بہت جن و انس ایسے پیدا کئے ہیں جن کا انجام دوزخ ہے کہ وہ بہرحال دوزخ کے کام کریں گے اور دوزخ میں جائیں گے ان کی حالت یہ ہے کہ ان کے پہلو میں دل ہیں مگر دل سے اللہ کی آیات خیر و شر کی باتیں نبی کی تعلیم کو نہیں سمجھتے ان کی سمجھ صرف دنیا تک محدود ہے اسی طرح ان کے پاس کان ہیں مگر وہ کانوں سے ہدایت کی باتیں نبی کے فرمان غور سے نہیں سنتے سن کر اڑا دیتے ہیں یوں ہی ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر ان آنکھوں سے آیات الہیہ بغور نہیں دیکھتے ان سب اعضاء ان کی قوتوں کو صرف دنیا میں یا کہ نبی کی مخالفت میں صرف کرتے ہیں یہ لوگ صورت میں انسان ہیں سیرت میں جانوروں کی طرح ہیں کہ انہیں سواء کھانے پینے عیش و عشرت کے اور کچھ کام ہی نہیں بلکہ غور کرو تو جانوروں سے بھی بدتر ہیں کہ جانور کھاتا پیتا ہے تو مالک کا کام بھی کرتا ہے معمولی غذا کھا کر بہت بھاری کام انجام دیتا ہے مالک کے اشاروں پر چلتا ہے کوئی جانور کبھی رب کا گناہ نہیں کرتا ان میں یہ کوئی بات نہیں یہ تو بالکل غفلت میں گرفتار ہیں ان کا یہ حال ہے کہ۔

دن لہو میں کھونا تجھے شب نیند بھر سونا تجھے شرم نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

فائدے: اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اگرچہ سارے انسانوں کی پیدائش کا مقصد عبادت الہی ہے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** مگران میں سے بہت کم لوگ اس مقصد کو پورا کرتے ہیں اکثر جن و انس سرکش ہیں جن کا انجام دوزخ ہے۔ یہ فائدہ **ولقد ذرانا لجھنم** سے حاصل ہوا تھوڑے لوگ اللہ رسول کے مطیع ہیں رب فرماتا ہے **وقلیل من عبادی الشکور** بندگان شکر گزار تھوڑے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** جن و انس کے سوا کوئی مخلوق دوزخ میں سزا پانے کے لئے نہ جائے گی یہ فائدہ **من الجن والانس** سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے **لاملئن جھنم من الجنۃ والناس اجمعین** **تیسرا اعتراض:** حق یہ ہے کہ مومن صالح جنات کے لئے جنت نہیں جنت صرف مومن انسانوں کے لئے ہے جیسا کہ گذشتہ آیۃ میں سورہ احقاف شریف کے حوالہ سے ثابت کیا۔ مومن جنات کی جزا

یہ ہے کہ وہ دوزخ سے بچ جاویں وہ مٹی کردیئے جاویں گے۔ **چوتھا فائدہ**: جو زبان حمد الٰہی نعت مصطفوی میں تر نہ ہو وہ گونگی ہے جو کان اللہ رسول کے فرمان نہ سنے وہ بہرے ہیں جو آنکھ اللہ کی آیات حضور کا منہ نہ تکے وہ اندھی ہے جو دل ان میں غور نہ کرے وہ بے عقل ہے اگرچہ دنیاوی کاموں میں وہ بڑا تیز ہو یہ فائدہ **لایفقھون** سے حاصل ہوا رب تعالیٰ ایسوں کے متعلق فرماتا ہے **صم بکم عمی فھم لایرجعون** اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں۔

وہ ہے آنکھ ان کا جو منہ تکے وہ ہی لب جو محو ہوں نعت کے
وہ ہے سر جو ان کے لئے جھکے وہ ہے دل جو ان پہ نثار ہے

جو چیز اپنا مقصد پورا نہ کرے وہ برباد کردی جاتی ہے گائے بھینس جب بالکل سوکھ جائیں تو ذبح کردی جاتی ہیں بیکار گھڑی پھینک دی جاتی ہے۔ **پانچواں فائدہ**: بندہ مومن فرشتوں سے افضل ہے۔ کافر جانوروں سے بدتر یہ فائدہ **بل ھم اضل** سے حاصل ہوا مومنین کے متعلق رب فرماتا ہے **اولئک ھم خیر البریتہ** اور کافروں کے متعلق فرماتا ہے **اولئک ھم شر البریتہ** کشتی نوح میں جانوروں کے لئے جگہ تھی مگر کافر کنعان کے لئے نہ تھی جو نبی زادہ تھا مومن کے لئے نبی زادگی رحمت ہے کافر کے لئے نبی زادہ ہونا اللہ کا عذاب ہے۔ **چھٹا فائدہ**: غفلت کی زندگی کفار کا طریقہ ہے بیداری' ہوشیاری کی زندگی مومن کا طریقہ بعض خوش نصیب سوتے میں بھی جاگتے ہیں بعض بدنصیب جاگتے میں بھی سوتے ہیں بلکہ خوش نصیب مرکر بھی جیتے ہیں بدنصیب جی کر بھی مرے ہوتے ہیں یہ فائدہ **اولئک ھم الغافلون** سے حاصل ہوا۔

بہرہ از مملکت ہست و نصیبے از دیو ترک دیوئے کن و بگذر بفضیلت زملک

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اکثر جن و انس دوزخ کے لئے پیدا کئے گئے مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** سارے جن و انس اللہ کی عبادت کے لئے پیدا ہوئے دونوں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب**: دونوں آیتیں صحیح ہیں یہاں اس آیۃ میں **لجھنم** میں لام عاقبت اور انجام کا ہے اور تمہاری پیش کردہ آیۃ میں لام مقصد و حکمت کا اللہ تعالیٰ نے سارے جن و انس کو اس مقصد و حکمت سے پیدا فرمایا کہ سب اللہ کی عبادت کریں مگر اکثر نے اس مقصد کو پورا نہ کیا اکثر کا انجام دوزخ ہے کہ انہوں نے بدکاریاں کرکے اپنے کو دوزخ کا مستحق کر لیا جیسے کارخانہ جوتا بناتا ہے پاؤں میں پہننے کے لئے ٹوپی سر پر اوڑھنے کے لئے یہ ہے ان کے بنانے کا مقصد کوئی پاگل جوتا سر سے باندھ لے ٹوپی پاؤں میں پہن لے یہ ہوا ان دونوں کا غلط انجام جو خود پہننے والے کی اپنی غلطی کا نتیجہ ہے لام انجام کی مثال اس آیۃ میں ہے **ربنا انک اتیت فرعون و ملاءہ زینتہ و اموالاً فی الحیوۃ الدنیا ربنا لیضلوعن سبیلک** دیکھو رب تعالیٰ نے فرعونیوں کو مال دیا تھا نیکیاں کرنے کے لئے مگر فرمایا گیا **لیضلوعبادک** تاکہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں یہ ہوا ان کا اپنا استعمال اور مال کا انجام۔

لہ ملک ینادی کل یوم لدوا للموت و ابنوا للخراب

جنے جاؤ موت کے لئے عمارتیں بنائے جاؤ بربادی کے لئے موت اور بربادی ان چیزوں کا انجام ہے دوسرا شاعر کہتا ہے۔

و للموت تعذوالوالبرات سخی لھا — کمالغراب الدھر تبنی المساکن
اموالنا لذوی المیراث نجمعھا — ودورنا لخراب الدھر نبنیھا
وام سحاک فلا تجزعی — فللموت ما تلد الوالدہ

ان سب اشعار میں لام انجام کے ہیں ورنہ کوئی شخص وارثوں کے لئے مال جمع نہ کرتا مگر اس کا انجام یہ ہی ہے۔ **دوسرا اعتراض** اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے تو چاہئے تھا کہ زیادہ جن و انس جنتی ہوتے تھوڑے دوزخی مگر معاملہ بر عکس ہے۔ **جواب**: واقعی دوزخی بہت ہی تھوڑے ہیں کیونکہ سارے فرشتے حور و غلمان اور دوسری مخلوق جن انس سے کہیں زیادہ ہیں ان میں سے کوئی دوزخی نہیں صرف جن و انس ہی کافر دوزخی ہیں ساری مخلوق کو ملا کر دیکھو تو دوزخی بہت ہی تھوڑے ہیں (روح البیان) اس کی رحمت واقعی غضب پر زیادہ ہے۔ **تیسرا اعتراض**: اس میں کیا حکمت ہے کہ دوسری مخلوق میں کوئی دوزخی نہیں مگر جن و انس میں دوزخی زیادہ ان دونوں گروہوں میں یا تو دوزخی ہوتے ہی نہیں یا ہوتے تو مگر بہت کم ہوتے۔

جواب: اس میں صدہا حکمتیں ہیں، ہم صرف دو حکمتیں عرض کرتے ہیں ایک یہ کہ اس میں رب تعالیٰ کی بڑی بے نیازی کا اظہار ہے کہ انسان جو اشرف الخلق ہے، جس میں نبی رسول آئے اسی کا بر عکس یہ ہے کہ دوزخ بھی اس سے بھری جاوے گی یہ لونچا ہے تو بہت اونچا نیچا ہے تو بہت نیچا کوئی اپنی بلندی اور لونچائی پر ناز نہ کرے اس کی پناہ مانگے دوسرے یہ کہ دنیا میں اعلیٰ چیز کم ہوتی ہے لونی چیز زیادہ سونا کم ہے ریت بہت زیادہ دودھ دہی کم ہے پانی زیادہ اگر اعلیٰ چیز بھی ادنیٰ کی طرح زیادہ ہوتی تو اس کی قدر نہ ہوتی۔

اگر ہر شب شب قدر بودے — شب قدر بے قدر بودے

جسم میں بال بہت ہیں مگر دل دماغ صرف ایک ایک اسی قاعدے سے مومن جنتی تھوڑے ہیں کافر دوزخی زیادہ تاکہ وہ زیادہ ان تھوڑوں کا فدیہ بنیں (بیان)۔ **چوتھا اعتراض**: جب جنات کی پیدائش آگ سے ہے **خلقتنی من نار و خلقتہ من طین** تو انہیں دوزخ کی آگ میں تکلیف کچھ بھی نہ ہوگی آگ میں آگ مل جاوے گی۔ **جواب**: جیسے انسان مٹی سے بنا ہے مگر اسے مٹی سے تکلیف پہنچ جاتی ہے کہ ڈھیلا مارو تو زخمی بلکہ مردہ ہو جاتا ہے اسے مٹی میں دبا دو تو دم گھٹ کر مر جاتا ہے یوں ہی جنات کو دوزخ کی آگ سے تکلیف ہوگی یوں کہو جیسے انسان مٹی سے بنا ہے مگر مٹی ہے نہیں گوشت پوست وغیرہ ہے یوں ہی جنات آگ سے بنے ہیں مگر وہ آگ ہیں نہیں ان کے اجسام ہیں لہٰذا یہ بدلی ہوئی آگ اسی موجودہ آگ سے تکلیف پائے گی یا یوں کہو کہ عذاب روح کو ہوگا اور روح آگ سے نہیں بنی جیسے ہمارے مٹی کے قالب میں روح رہ کر مٹی سے ایذا پاتی ہے ایسے ہی آگ کے قالب میں رہ کر آگ سے تکلیف پائے گی (روح المعانی)۔ **پانچواں اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ کفار کے پاس دل، کان، آنکھیں ہیں مگر وہ نہ تو سمجھتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں حالانکہ یہ تو واقع کے خلاف ہے وہ تو خوب سمجھتے بولتے دیکھتے ہیں۔ **جواب**: جن چیزوں کے سمجھنے سننے دیکھنے کے لئے یہ اعضا ہوئے گئے تھے وہ باتیں نہیں سمجھتے نہیں سنتے نہیں دیکھتے اگرچہ اور سب کچھ سمجھتے دیکھتے ہیں لہٰذا وہ نادان بہرے اندھے ہوئے جو گائے، بھینس، دودھ نہ دے، کھائے خوب اور گوبر پیشاب خوب کرے وہ ذبح کر دی جاتی ہے۔ **چھٹا اعتراض**: اس آیت کریمہ میں کفار کو جانوروں سے بدتر کیوں فرمایا گیا۔ **جواب**: اس

کی بہت وجہیں ابھی تفسیر میں بیان کی گئیں جو اشرف ہو کر ادنیٰ بن جاوے اس سے بد تر ہے جو ادنیٰ ہو اور ادنیٰ رہے جو نوری ہو کر ناری بن جاوے وہ اس سے بد تر ہے جو خاکی ہو کر خاکی رہے اور خاک میں مل جاوے۔

نور الہ گر نہ ہو انساں میں جلوہ گر　　کیا قدر اس خیرہ ماء مدر کی ہے
نور الہ کیا ہے محبت حبیب کی!　　جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ خوک و خر کی ہے

گائے بھینس جئیں تو اپنے دودھ گھی سے نفع پہنچائیں مریں تو اپنے گوشت ہڈی بال وغیرہ سے نفع دیں یہ بد نصیب انسان جئے تو مخلوق کو ستائے مرے تو دو گز زمین گھیرے اس کا گوشت پوست وغیرہ سب بیکار۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کا دل ایک صاف آئینہ ہے غفلت و انکار اس کے گرد و غبار جن سے یہ دھندلا ہو کر آخر کالا ہو جاتا ہے تصدیق اور رجوع الی اللہ اس آئینہ کی میقل ہے دل قرآن کے صاحب قرآن بلکہ رحمان کے رہنے کی جگہ ہے آنکھیں کان زبان قرآن کی گزر گاہ ہیں ان سب کو صاحب قرآن کے لائق رکھو سلطان گندی جگہ میں رہتا نہیں گندے راہ سے گزر تا نہیں۔

غبار ہوا چشم عقلت بدوخت　　سموم ہوا کشت عمرت بسوخت
بکن سرمہ غفلت از چشم پاک　　کہ فردا شوی سرمہ در چشم خاک
درچشم از پے صنع باری نکوست　　زعیب برادر فرو گیر دوست
گزرگاہ قرآن و پند است گوش　　بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

کفار غافلین نے اپنے یہ اعضاء غفلت اور گناہوں کی کثرت سے بیکار کر دیئے یہ ہی اعضاء ہدایت کا ذریعہ تھے اب انہیں ہدایت ملے تو کیسے اب ان کے دل حضور انور کی باتیں سمجھتے ہیں تردید کرنے کے لئے حضور کے معجزات دیکھتے سنتے ہیں مگر انکار کرنے کے لئے یہ سننا نہ سننے دیکھنا نہ سمجھنے سے بد تر ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق رنگ برنگی پیدا کی ہے بعض لوگ قرب و محبت کے لئے پیدا ہوئے وہ اہل اللہ ہیں اللہ کے حسن و جمال کے مظہر وہ اللہ کی طاقت سے اللہ کی خبریں سمجھتے دیکھتے سنتے ہیں وہ رب کا کمال پہچانتے کلام سنتے جمال دیکھتے ہیں۔ بعض لوگ جنت کے لئے پیدا کئے گئے وہ دلائل قدرت سمجھتے دیکھتے بولتے ہیں بعض دوزخ کے لئے پیدا کئے گئے وہ جانوروں سے بد تر ہیں کیونکہ جانوروں میں تو یہ استعداد تھی نہیں ان بد نصیبوں میں تھی مگر ضائع کر دی۔ جو دل کاشانہ یار ہونا چاہئے تھا اسے انہوں نے پاخانہ اغیار بنالیا (روح البیان) اللہ تعالیٰ ہم کو پہلی جماعت سے بنائے کہ وہ ہمارا ہو ہم اس کے ہوں۔ بڑا جرم غفلت ہے بڑی نیکی عزلت یعنی خلق سے علیحدگی۔ جس مکان میں مکین نہ ہو وہ برباد ہے۔ جس دو کان میں سودا نہ ہو وہ بے کار۔ جس مسجد میں نمازی نہ ہو وہ ویران۔ جس دل میں اللہ کا خوف رسول اللہ کا عشق نہ ہو وہ ویران ہے۔

آباد وہی دل ہے کہ جس میں تمہاری یاد ہے　　جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے

ہر چیز کی آبادی الگ الگ سامان سے ہوتی ہے رب تعالیٰ ہمارے دل آباد کرے ویران گھر میں سانپ بچھو کوڑا رہتا ہے۔ جس دل میں وہ نہ رہیں اس میں حسد، بغض وغیرہ ہزارہا کوڑے کچرے رہتے ہیں حضور کعبہ میں آئے بت وہاں سے بھاگے اس کعبہ دل میں حضور آجاویں تو عیوب نکل جاویں سارے کمالات حاصل ہو جاویں۔ جس جسم میں جان پڑ جاوے اسے آنکھوں کا نور کانوں کی قوت سامعہ دل کی دھڑکن نبض کی حرکت زبان میں بولنے کی طاقت سب کچھ میسر ہو جاتی ہے اگر جان نکل جاوے تو یہ ساری

طاقتیں ختم ہو جاتی ہیں ایسے ہی جس دل میں وہ جانِ ایمان جلوہ گر ہو جاویں تو ساری خوبیاں اسے مل جاتی ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ

اور ہیں اللہ کے ہی بہترین نام پس پکارو اُسے ان ناموں سے اور چھوڑ دو ان کو جو بے دینی

اور اللہ ہی کے ہیں بہت اچھے نام ان سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَاۤ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ

کرتے ہیں ناموں میں اس کے عنقریب سزا دیئے جائیں گے اس جرم کی جو وہ کرتے تھے۔ اور ان میں سے جنہیں

حق سے نکلتے ہیں وہ جلد اپنا کیا پائیں گے اور ہمارے بنائے ہوؤں میں ایک گروہ وہ ہے کہ حق بتائیں

بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾

پیدا کیا ہم نے ایسا گروہ ہے جو ہدایت دیتے ہیں ساتھ حق کے اور اس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔

اور اس پر انصاف کریں جو ہدایت دیتے ہیں ساتھ حق کے اور اس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔

تعلق: اس آیۃ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیۃ میں ارشاد ہوا کہ دوزخی جن وانس میں وہ ہیں جو غافل ہوں یعنی اللہ کے ذکر سے غافل ہوں اب ارشاد ہے کہ اے لوگو غافل نہ رہو اللہ کا ذکر کرو اس کے اچھے نام ہیں ان سے اسے یاد کرو گویا دوزخی ہونے کی وجہ کا ذکر پہلے ہوا جنتی ہونے کے ذریعہ کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیۃ میں ارشاد ہوا کہ دوزخیوں کے پاس دل، آنکھیں، کان تو ہیں مگر بے کار اب ارشاد ہے کہ ان اعضاء کو کار آمد بناؤ کہ ان سے یار کو یاد کرو اس کے پیارے ناموں سے اس کے عزت والے عظمت والے ناموں کو سمجھو بولو اور سنو گویا اس آیت میں اس چیز کا ذکر ہے جس سے ہمارے اعضاء کار آمد ہیں یعنی اللہ کا ذکر اس کے اچھے ناموں سے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ جسے اللہ ہدایت دے وہ ہی ہدایت یافتہ ہیں اب ارشاد ہے کہ اس سے ہدایت لینے کا ذریعہ اسے اچھے ناموں سے یاد کرنا یاد رکھنا ہے

آباد وہ ہی دل ہے کہ جس میں تمہاری یاد ہے ۔۔۔ جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے

شانِ نزول: ایک صحابی نے نماز کے بعد یا اللہ یا رحمٰن کہہ کر رب سے دعا کی تو ایک کافر غالباً وہ ابو جہل تھا اپنے یاروں سے بولا کہ **محمد** (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں مگر وہ پکارتے ہیں دو معبودوں کو اللہ کو اور رحمٰن کو اس کی تردید اور ان صحابی کی تائید میں یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن و روح البیان)۔

تفسیر: **وللّٰہ الاسمآء الحسنیٰ** اس عبارت میں لام خصوصیت کا ہے اور **للّٰہ** خبر مقدم ہے اور **الاسمآء**

الحسنیٰ پچھلا مبتدا جس سے حصر کا فائدہ ہوا لہذا اس عبارت کے چند معنی ہوئے (1) صرف اللہ تعالیٰ کے نام ہی اچھے ہیں جو اس نے خود اپنے لئے معین فرمائے اور نبیوں کے ذریعے اپنے بندوں کو بتائے۔ باقی رب کے جو نام اور لوگوں نے اپنی عقل سے گھڑ لئے وہ اچھے نہیں اس کے اچھے ناموں سے اسے یاد کرو ان خود ساختہ ناموں سے بچو (2) اللہ تعالیٰ کے نام صرف اچھے نام ہی ہیں برے نام اس کے نام ہی نہیں اچھے ناموں سے اسے یاد کرنا ذکر اللہ ہے جس پر ثواب ہے۔ برے ناموں سے یاد کرنا جرم و گناہ ہے (3) اچھے نام صرف وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمودہ ہیں دوسروں کے خود ساختہ نام اچھے نہیں اس نے اپنے جس بندے جس قوم کو جو نام دیئے وہ اچھے ہیں اس کے مقابلہ میں جو کسی کا نام رکھا جاوے وہ برا ہے پہلے دو معنی قوی ہیں کہ اگلے مضمون کے بالکل مطابق ہیں تیسرے معنی بعید ہیں کہ ان کا تعلق اگلے مضمون سے کسی قدر تاویل سے ہو گا اسماء جمع ہے اسم کی یہاں اسم ۔ معنی نام ہے خواہ علم ہو یا اسم اور علم خواہ علم ذات ہو یا علم صفات یا علم افعال غرضیکہ یہاں اسم نہ تو فعل کا مقابل ہے نہ علم کا حسنی مونث ہے احسن کا چونکہ اسماء جمع تھا اس لئے اس کی صفت الحسنی مونث آئی نام کا اچھا برا ہونا اس کے معنی کے اچھے یا برے ہونے سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے مگر اس کے صفات بے شمار لہذا اس کا اسم ذات ایک ہے اللہ باقی اسماء صفاتیہ بے شمار رحمان رحیم وغیرہ پھر اسماء صفاتیہ کی بہت قسمیں ہیں کیونکہ صفات کی بہت قسمیں ہیں صفات حقیقیہ' صفات اضافیہ' صفات سلبیہ وغیرہ لہذا الاسماء الحسنی ایک دریا ہے ناپید اکنار **فادعوہ بھا** یہ عبارت یا تو ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے **لما کان کذالک** تو ف جزائیہ ہے یا پہلے جملہ **وللہ** پر معطوف ہے اور ف عاطفہ ہے جملہ انشائیہ کا عطف جملہ خبریہ پر جائز ہے **ادعوا** بنا ہے دعاء سے ۔ معنی پکارنا یا ۔ معنی دعا مانگنا یعنی جب اس کے نام سارے اچھے ہیں تو اسے انہیں اچھے ناموں سے پکار دیا انہیں اچھے ناموں سے اس سے دعا مانگو مگر خیال رہے کہ جیسی دعا مانگنا ہو اسے ویسے ہی نام سے پکارو یا رزاق ہم کو روزی دے اے رحمان ہم پر رحم کر اے شافی الامراض بیماروں کو شفا دے اے قہار کفار کو ہلاک کر یہ نہ کہو اے قہار ہم پر رحم کر یا اے رحمان کفار پر غضب کر غرضیکہ جیسی حاجت کے لئے عرض کرنا ہو ویسے ہی نام سے اسے پکارو **وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ** یہ دوسرا حکم ہے اور یہ عبارت **فادعوا** پر معطوف ہے **ذرو** کے متعلق عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ وہ امر ہے جس کا مصدر یا ماضی وغیرہ نہیں آتا صرف مضارع اور امر و نہی ہی آتا ہے جیسے **وتذرون ما خلق لکم ربکم** یا جیسے **لاتذرن ودا ولا سواعا**" **الذین** سے پہلے تسمیہ پوشیدہ ہے۔ (مدارک) الذین سے مراد کفار مشرکین اور تمام وہ لوگ ہیں جو رب تعالیٰ کے نام اپنی رائے سے رکھتے اس میں فلاسفہ بھی داخل ہیں جو رب تعالیٰ کو مبدا افیاض' علتہ' مستقل وغیرہ کہتے ہیں ۔ یلحدون بنا ہے لحد سے ۔ میل کجی یا کج روی اس لئے بغلی قبر کو لحد کہتے ہیں کہ وہ سیدھی نہیں ہوتی بلکہ ایک طرف کو بھری ہوتی ہے ملحد ۔ معنی عادی عن الحق۔ رب فرماتا ہے **ومن یرد فیہ بالحاد**۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد کج روی کی تین صورتیں ہیں (1) اللہ تعالیٰ کے خاص نام کسی مخلوق کو دینا جیسے کفار عرب اپنے بتوں کو لات' عزی' منات کہتے یعنی الہ سے لات عزیز سے عزی' منان سے منات یا جیسے مسیلمہ کذاب نے اپنا نام رحمان رکھ لیا تھا (2) خدا تعالیٰ کے وہ نام رکھنا جو اس کی شان کے خلاف ہیں جیسے اسے ابو المسیح یعنی مسیح کا باپ کہنا یا اسے روح القدس کہنا یا اسے رام' ایشور' پربھو پرماتما کہنا حتی کہ جو نام لغتہ" درست بھی ہوں مگر ان کا استعمال کرنا رب کی بے ادبی ہو وہ بھی اس میں داخل ہیں اسے **رہنا** یا کہ رب الکعبہ یا کہ رب

محمد کہوا سے رب الحریر رب کلاب نہ کہو کہ اگرچہ وہ کتے گدھے کا خالق ہے مگر ان کی طرف نسبت کرنا اس کی بے ادبی ہے (3) جن ناموں کے معنی معلوم نہ ہوں یوں ہی جن ناموں کے معنی اعلیٰ بھی ہوں لونی بھی وہ رب تعالیٰ کے لئے بولنا یہ بھی الحاد فی الاسماء ہے لہذا اسے شافی کہو طبیب نہ کہو یوں ہی اسے عالم کہو معلم نہ کہو اسے ذارع کہو حارث نہ کہو کہ حارث کسان کو بھی کہتے ہیں یوں ہی معلم اور طبیب پیشہ ور مدرسین اور حکیم ڈاکٹروں کو کہا جاتا ہے (تفسیر کبیر و خازن' معانی وغیرہ) یہ بھی یاد رکھو کہ بعض صفات رب تعالیٰ کے لئے قرآن مجید سے ثابت ہیں مگر ان کے الفاظ رب تعالیٰ کا نام نہیں بن سکتے دیکھو مکروا و مکر اللہ یوں ہی **یخادعون اللہ و ھو خادعھم** یوں بھی **قل ای شی اکبر شھادۃ قل اللہ** قرآن مجید میں ہے مگر اسے مکار یا خلوع یا شی نہیں کہہ سکتے (روح المعانی) اس کی پوری تفصیل تفسیر کبیر و روح المعانی و روح البیان وغیرہ میں اسی جگہ دیکھو **سیجزون ما کانوا یعملون** یہ رب تعالیٰ کے ناموں میں الحاد کرنے کی سزا کا بیان ہے اور مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ اس حرکت سے بچو ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اس سزا کے مستحق ہو جاویں یعنی رب کے ناموں میں کجروی کرنے والے عنقریب سزا دیئے جائیں گے یا تو برزخ اور آخرت میں یا دنیا میں بھی غرضکہ اللہ کے ناموں میں کج روی کرنے والے کا انجام برا ہے **وممن خلقنا امۃ** اس سے پہلے کافرین غافلین ملحدین کا ذکر ہوا اس کے مقابل ہادین مہتدین عادلین کا ذکر ہے یہ جملہ **ولقد ذرانا** پر معطوف ہے لہذا واؤ عاطفہ ہے اس میں **من** بعضیت کا ہے اور **من** سے مراد یا تو انسان ہیں یا جن و انس دونوں یہاں **امۃ** سے مراد امت محمدیہ ﷺ ہے چنانچہ ابن جریر وغیرہ نے ابن جریج سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا **ھذہ امتی** یہ میری امت ہے انہیں ابن جریر نے جناب قتادہ سے روایت کی کہ حضور ﷺ جب بھی یہ آیت پڑھتے تو فرماتے **ھذہ لکم** یہ آیت تم لوگوں کے لئے ہے (روح المعانی) خیال رہے کہ یہ ہی آیۃ امت موسوی کے لئے بھی آئی ہے **ومن قوم موسی امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون** مگر وہاں بھی وہ ہی موسوی لوگ مراد ہیں جو حضور انور پر ایمان لا کر مسلمان ہو گئے **یھدون بالحق** یہ عبارت **امۃ** کی صفت ہے **یھدون** بنا ہے ہدی سے بمعنی رہبری کرنا ہدایۃ کرنا **اھتداء** ہدایۃ پانا حق کے معنی اس کے اقسام اور حق و صدق میں فرق بارہا بیان ہو چکے ہیں **وبہ یعدلون** یہ عبارت **یھدون** پر معطوف ہے اور **امۃ** کی دوسری صفت **یھدون** میں عام امت کا ذکر ہے اور **بہ یعدلون** میں خاص کا یعنی حکام' سلاطین اور علماء کا یعنی ہماری مخلوق میں وہ لوگ بھی جو لوگوں کو حق کی ہدایت کرتے ہیں اور اگر وہ حاکم یا سلطان یا عالم یا شیخ بن جاویں تو حق سے ہی فیصلے اور انصاف کرتے ہیں حق سے مراد قرآن مجید ہے یا قرآن و حدیث اجماع و قیاس سب کچھ یا حق سے مراد ذات پاک مصطفیٰ ﷺ۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں کا ذکر قرآن مجید کی چار سورتوں میں ہے پہلی سورہ تو یہ میں اعراف اس کی یہ آیۃ دوسری سورہ بنی اسرائیل کا آخری رکوع **قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ایاما تدعو فلہ الاسماء الحسنٰی**۔ تیسری سورہ طہ کا پہلا رکوع **اللہ لا الہ الا ھو لہ الاسماء الحسنٰی** چوتھے سورہ حشر کا آخر **ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنٰی** (کبیر) چنانچہ یہاں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے نام بہت اچھے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے سارے نام اچھے ہی ہیں کہ ہر نام کے معنی بہت اعلیٰ ہیں لہذا اے لوگو اسے انہیں ناموں سے پکارو یہ نام تم کو نبی

کے ذریعے ملیں گے ان ناموں کو چھوڑ دو جو ٹیڑھے چلنے والوں نے اس ذات کریم کے لئے اپنی طرف سے گھڑ لئے چنانچہ رحمن رحیم کریم وغیرہ کہوا۔ رام کشن یا بر بھو وغیرہ نہ کہو اس کے ناموں میں ایسے کج رو لوگ عنقریب برزخ و آخرت میں یا دنیا میں بھی سخت سزا دیئے جائیں گے۔ خیال رکھو کہ بہت جن و انس دوزخی ہیں جو دوزخیوں کے سے کام کرتے ہیں مگر لوگوں میں ایک جماعت یعنی امت محمدیہ ایسی ہے جو ہمیشہ دوسروں کو حق یعنی قرآن و حدیث کی یا حضور محمد مصطفےٰ ﷺ کی طرف ہدایت دیتی ہے اور اگر وہ سلطان حاکم یا عالم بن جاوے تو حق سے ہی فیصلہ کرتی ہے انہیں کی برکت سے دنیا قائم ہے یہ جماعت تاقیامت رہے گی۔

اللہ تعالےٰ کے نام

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے (99) نام ہیں جو انہیں یاد کرے یاد رکھے وہ جنتی ہے۔ وہ نام شریف یہ ہیں۔ **هوالله الذی لا اله الا الاهو' الرحمٰن' الرحیم' الملک' القدوس' السلام' المومن' المهیمن' العزیز' الجبار' المتکبر' الخالق' البارئ' المصور' الغفار القهار' الوہاب' الرزاق' الفتاح' العلیم' القابض' الباسط' الخافض' الرافع' المعز' المذل' السمیع' البصیر' الحکم' العدل' اللطیف' الخبیر' الحلیم' العظیم' الغفور' الشکور' العلی' الکبیر' الحفیظ' المقیت' الحسیب' الجلیل' الکریم' الرقیب' المجیب' الواسع' الحکیم' الودود' المجید' الباعث' المحی' الممیت' الحی' القیوم' الواجد' الماجد' الواحد' الصمد' القادر' المقتدر' المقدم' الموخر' الاول الاخر' الظاہر' الباطن' الوالی' المتعالی' البر' التواب' المنتقم' العفو' الروف' مالک الملک' ذوالجلال و الاکرام' المقسط' الجامع' الغنی' المغنی' المانع' الضار' النافع' النور' الهادی' البدیع' الباقی' الوارث' الرشید' الصبور۔** **عمل:** جو شخص دعا اس طرح مانگے کہ اولا" کہے **اللهم انی اسئلک یا رحمٰن یا رحیم** پھر سارے نام شریف پڑھے پھر ناموں کے بعد پڑھے **ان تصل علیٰ سیدنا محمد و اله وان ترزقنی و جمیع من یتعلق بی بتمام نعمتک و دوام عافیتک یا ارحم الراحمین۔** پھر دعا مانگے انشاء اللہ بامراد ہو گا کبھی دعا رد نہ ہو گی (روح البیان)

خیال رہے کہ رب تعالیٰ کے یہ ننانوے نام تو وہ ہیں جن کے یاد کرنے ورد رکھنے پر جنت کا وعدہ ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اور بہت نام ہیں چنانچہ ابو بکر بن عربی بعض صوفیاء سے روایت کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے کل نام ایک ہزار ہیں بعض نے فرمایا کہ اس کے نام چار ہزار ہیں بعض نے فرمایا کہ رب کے نام بے شمار ہیں نہ ہماری حاجتوں کی انتہا نہ اس حاجت روا کے ناموں کی حد۔ یہ ہی قوی ہے (روح المعانی) یہ بھی خیال رہے کہ حضور ﷺ کے اتنے ہی نام ہیں جتنے رب تعالیٰ کے نام ہیں (مدارج النبوۃ) کیونکہ گنہگار لئیم ایک ہے اور کریم، واللہ کریم اس لے نبی کریم۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم   صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

نہ ہماری عجز و انکساری کی حد نہ کریموں کے ناموں کا شمار

اللہ کے ناموں کے احکام: اللہ کے ناموں کے متعلق چند قوانین یاد رکھنے چاہئیں جو بہت مفید ہیں (1) اللہ تعالٰی کا ایک نام ذاتی ہے یعنی اللہ باقی نام صفاتی جیسے زبان عبرانی میں ایل اللہ کا ذاتی نام تھا باقی صفاتی اسی سے ہے اسرائیل' جبرائیل' میکائیل وغیرہ۔ عربی اور عبرانی زبانوں کے سواء کسی زبان میں اللہ تعالٰی کا ذاتی نام کوئی نہیں۔ لفظ اللہ کے ذاتی نام ہونے کے دلائل ہم سورہ فاتحہ کی تفسیر میں بسم اللہ کے تحت بیان کر چکے کہ اللہ ہمیشہ موصوف ہو کر آتا ہے کسی اسم کی صفت ہو کر نہیں آتا نیز یہ کسی سے مشتق نہیں۔ دوسرے نام مشتق ہیں اس کی تحقیق میں عقل حیران ہے وغیرہ (2) قوی یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے نام توقیفی ہیں یعنی اس کو صرف ان ہی ناموں سے یاد کیا جاوے جو قرآن مجید یا حدیث شریف میں مذکور ہیں یا جن پر امت رسول اللہ کا اجماع ہو گیا کہ علماء و مشائخ نے وہ نام اختیار کیا جیسے لفظ خدا کہ تمام علماء و مشائخ نے یہ نام اختیار کیا کسی نے اس کا انکار نہ کیا (روح المعانی)۔ (3) اللہ تعالٰی کے صفاتی نام بہت ہیں جن کا شمار نہیں مگر وہ چند قسم کے ہیں بعض وہ جو صفات حقیقیہ پر دلالت کرتے ہیں جیسے موجود وغیرہ بعض وہ جو صفت اضافیہ پر دلالت کرتے ہیں جیسے اول آخر یا جیسے سمیع' بصیر' علیم وغیرہ بعض صفات سلبیہ والے جیسے غنی' صمد وغیرہ اور بھی اقسام ہیں جو یہاں ہی تفسیر کبیر نے وغیرہ بیان فرمائیں۔ (4) اللہ تعالٰی کے نام تو توقیفی ہیں مگر اس کی صفات توقیفی نہیں ہر شخص اپنے جذبہ کے مطابق اس کی حمد و ثنا کرے مگر ایسی حمد کرے جو اس کی شان کے خلاف نہ ہو دیکھو حضور ﷺ نے رب تعالٰی کو حیی یعنی حیاوالا ستیر یعنی پردہ پوش فرمایا مگر یہ دونوں لفظ اللہ کے نام نہیں اس کی صفات ہیں (روح المعانی) (5) اللہ تعالٰی کے بعض نام مشترک ہیں جو بندوں کے نام ہیں اور رب کے بھی مگر مختلف معنی سے جیسے علی' کبیر' سمیع' بصیر' کریم' رحیم' عزیز' لطیف' خالق وغیرہ۔ تفسیر کبیر نے خالق کو اسماء مشترکہ سے مانا اس کے بعض نام خاص ہیں۔ رب تعالٰی کے ساتھ مخلوق پر نہیں بولے جاتے جیسے رحمٰن قدیم' واجب الوجود' ارحم الراحمین' اکرم الاکرمین' خالق السموات والارضین وغیرہ (6) بعض صفات اللہ تعالٰی کے لئے قرآن یا حدیث سے ثابت ہیں مگر ان کو اللہ تعالٰی کا نام نہیں کہا جا سکتا جیسے شئی' حارث زارع' رامی مستہزی وغیرہ (روح المعانی) (7) جس لفظ کے معنی معلوم نہ ہوں یوں ہی جس لفظ کے معنی اعلیٰ بھی ہوں ادنیٰ بھی وہ اللہ تعالٰی کے لئے نہ بولو لہذا اسے جواد کہو سخی نہ کہو اسے شافی الامراض کہو طبیب نہ کہو (کبیر) حتیٰ کہ اعلیٰحضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ میاں نہ کہو کہ لفظ میاں عورت کے شوہر کو بھی کہا جاتا ہے (8) اللہ تعالٰی کے بہت سے ناموں کے اول میم آتا ہے جیسے منان' مالک' ملک' مقتدر وغیرہ جو اسے اللھم کہہ کر پکارے اس نے گویا ان تمام ناموں سے پکارا اسی لئے اکثر دعاؤں کے اول اللھم کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے **قل اللھم مالک الملک** (9) جو شخص اپنی دعا میں پانچ بار **ربنا** کہہ کر رب کو پکارے انشاء اللہ اس کی دعا قبول ہو گی دیکھو قرآن مجید میں ایک جگہ پانچ بار **ربنا** ہے **ربنا ما خلقت ھذا باطلا** اس کے بعد ہے **فاستجاب لھم ربھم** (10) اسم اپنے مسمی کا عین نہیں ہوتا بلکہ غیر ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالٰی ایک ہے مگر اس کے نام بہت اگر نام مسمی کا عین ہوتا تو لازم آتا کہ اللہ تعالٰی نعوذ باللہ بہت ہوں (تفسیر کبیر)۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالٰی کے بہت نام ہیں مگر سارے ناموں کے

معنی بہت ہی اچھے ہیں اس کا کوئی بے معنی نہیں یوں ہی کسی کے معنی برے نہیں یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس میں رب کے نام نہایت نفیس معنی والے ہیں دوسرے مذہبوں میں رب کے نام یا تو بے معنی ہیں جیسے ہندوؤں کے ہاں اوم خدا نام ہے مگر یہ گیت شروع کرنے کی ایک آواز ہے جس سے گویا اپنی سرتال درست کرتا ہے اس کے لغوی معنی کوئی نہیں یا ان کے معنی رب کی شان کے خلاف جیسے عیسائیوں کے ہاں رب کو آسمانی باپ یا روح القدس کہا جاتا ہے یہ فائدہ **الاسماء الحسنیٰ** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ کو پکارنا یوں ہی اس کو پکار کر دعا مانگنا رب کو بہت پسند ہے یہ فائدہ **فادعوہ بہا** کی دو تفسیروں سے حاصل ہوا کہ دعا کے معنی پکارنا بھی ہیں اور دعا مانگنا بھی یہ پکارنا اپنی عبدیت اس کی ربوبیت کے اظہار کے لئے ہے نہ اس لئے کہ وہ ہم سے بے خبر ہے جب ہم اسے پکاریں گے تو اسے خبر ہوگی۔ **تیسرا فائدہ:** حاجت مند اپنی حاجت کے مطابق اسے نام سے پکارے اس لئے اس کے نام بہت ہیں کیونکہ ہمارے کام ہماری حاجتیں بہت ہیں یہ فائدہ بھی **فادعوہ بہا** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی لونی سے ادنیٰ توہین یا اسے معمولی نام سے پکارنا یا اللہ کے نام کسی مخلوق کو دینا کفر ہے یہ فائدہ **یلحدون فی اسمائہ** سے حاصل ہوا بعض جاہل پیر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑے بے ادب گستاخ ہوتے ہیں ان سے دور بھاگو حتیٰ کہ اسے عاقل، طبیب، فقیہ، سخی نہ کہو (تفسیر کبیر) بعض لوگ اللہ میاں کہتے ہیں یہ بھی غلط ہے اسے اللہ تعالیٰ کہو۔ **پانچواں فائدہ:** انشاء اللہ دنیا میں ہمیشہ حق پرستوں کی جماعت رہے گی دنیا میں ان سے خالی نہ ہوگی اس کو باطل پرست دبا یا مٹا نہ سکیں گے۔ یہ فائدہ **امۃ یہدون بالحق** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اہل حق جس مسئلہ پر اجماع و اتفاق کر لیں وہ حق ہے اجماع **مسلمین** معتبر ہے یہ فائدہ **وبہ یعدلون** سے حاصل ہوا (تفسیر کبیر، خازن وغیرہ)۔

پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ خالق مشترک ناموں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کا بھی نام ہے اور بعض بندوں کا بھی تو خدا تعالیٰ کے سواء کوئی اور بھی خالق ہے یہ تو صریحی شرک ہے۔ **جواب:** یہ اسی مقام پر تفسیر روح المعانی نے فرمایا ہے مگر اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ بمعنی ہستی بخشنے والا نیست کو ہست کرنے والا پیدا کرنے والا بندہ خالق ہے۔ بمعنی صورت گھڑنے والا شکل بنانے والا۔ رب فرماتا ہے **وتخلقون افکا** اور فرماتا ہے **اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر** اور فرماتا ہے **فتبارک اللہ احسن الخالقین** ان سب آیتوں میں خلق۔ بمعنی صورت گری ہے جیسے رب اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ بمعنی حقیقی پالنے والا مگر قرآن مجید میں بعض بندوں کو رب فرمایا گیا ہے جیسے کہ **کما ربیانی صغیرا** یا جیسے **ارجع الی ربک** یہاں رب سے مراد مجازی عارضی پرورش کرنے والا۔ **دوسرا اعتراض:** عام مسلمان اللہ تعالیٰ کو خدا کہتے ہیں یہ نام نہ قرآن مجید میں آیا ہے نہ حدیث شریف میں یہ بھی اس آیت کی زد میں آتا ہے **یلحدون فی اسمائہ** اللہ کے نام توقیفی ہیں پھر اسے خدا کیوں کہا جاتا ہے۔ **جواب:** ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ اس نام پر مسلمانوں کا اجماع ہو گیا ہے اجماع بھی شریعت کی حجت ہے۔ لہذا دوسرے منصوص ناموں کی طرح یہ بھی رب تعالیٰ کا نام ہے اور اگر اسے رب تعالیٰ کا نام نہ مانا جائے اس کے اوصاف میں سے ایک وصف ہو یعنی مالک کا ترجمہ فارسی میں مالک کو خدا کہتے ہیں چنانچہ کشتی کے مالک کو ناخدا گھر کے مالک کو کتخدا کہتے ہیں تب تو کوئی سوال ہی نہیں جیسے حفیظ کا ترجمہ نگہبان ناصر کا ترجمہ مددگار کہ یہ اللہ کے نام نہیں اس کے پاک اوصاف ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سارے نام اچھے ہیں مگر اس کے نام جبار قہار

بھی ہیں یہ دونوں نام معنی کے لحاظ سے اچھے نہیں کسی پر جبر یا قہر کرنا تو برا ہے پھر اس کے یہ نام کیوں ہیں۔ **جواب**: جبار قہار کے معنی ظالم نہیں جبار کے معنی ہیں جبر۔ نقصان یعنی تلافی کر دینے والا کہ ایک نیکی کی برکت سے صدہا گناہ معاف فرما دیتا ہے قہار بمعنی غالب ہے کہ ساری مخلوق اس کے زیر فرمان ہے لہذا یہ نام بہت ہی پیارے گنہگاروں کے سہارے اور شاندار ہیں۔

چوتھا اعتراض: تم نے تفسیر میں کہا کہ قیامت تک اللہ والوں کا ایک گروہ رہے گا **امته یهدون بالحق** مگر حدیث شریف میں ہے کہ قیامت جب قائم ہوگی تو روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا یہ آیت اس حدیث کے خلاف ہے۔ **جواب**: وہ وقت قیامت میں ہی شمار ہے لہذا القیامت تک واقعی ایک گروہ حق پر رہے گا مگر قیامت کے زمانہ میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہو گا آیت و حدیث مطابق ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام یعنی اللہ اس کی کسی صفت سے مشتق نہیں نہ رب کسی سے بنا نہ اس کا ذاتی نام کسی سے بنا۔ ذاتی نام اس کی ذات کا پتہ ہے لیکن اس کے صفاتی نام ان میں سے بعض تو اس کی حقیقی صفت سے بنے ہیں وہ غیر مخلوق ہیں کیونکہ اس کی ذاتی صفات قدیم ہیں جیسے حیوۃ، سمع، بصر، کلام، علم، قدرت، ارادہ اور بعض فعل صفات سے بنے وہ مخلوق ہیں کیونکہ رب تعالیٰ کے فعل مخلوق ہیں۔ جب رب نے مخلوق کو پیدا کیا تو اسے خالق کہا گیا جب مخلوق کو روزی دی تو رازق جب بیماروں کو شفا دی تو شافی ہاں وہ ان تمام افعال پر قادر ہمیشہ سے تھا لہذا اس کے سارے نام اچھے ہیں اے لوگو تم اللہ کو اس کے اچھے ناموں سے پکارتے رہو تاکہ تم اخلاق الہیہ سے موصوف ہو جاؤ یا رزاق انشاء اللہ تم خود غنی اور محتاج پرور ہو جاؤ گے۔ انسان کا دل ایک صاف شفاف شیشہ ہے جو ماسوی اللہ کے تعلق سے دھندلا ہو جاتا ہے اس کی صیقل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اس کے نام کا ورد ہے فرمایا **فادعوه بها** انسان خدا تعالیٰ کا ذکر اس کے محبوب کی اطاعت کرتے کرتے اس کا مظہر بن جاتا ہے حتی کہ اس کے اعضاء پر خدائی افعال صادر ہونے لگتے ہیں۔ حدیث قدسی ہے **کنت له سمعا" وبصرا فبی یسمع وبی یبصر** اس کا نام بے چینیوں کا چین ہے بے سہاروں کا سہارا جس دل و زبان پر اس کا نام نہ ہو وہ ہوس، حرص، شہوت دنیا طلبی کا مرکز بن جاتا ہے وہ انسان غافلوں کے زمرہ میں آجاتا ہے جو یار کا نام ورد میں رکھتا ہے ان کے متعلق یہاں ہی ارشاد ہوا **وممن خلقنا امته یهدون بالحق** (روح البیان)

حکایت: کسی مست جمال سے کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے نام ننانوے کیوں ہوئے پورے سو کیوں نہیں ہوئے علماء اور مشائخ اس کی بہت باریک وجہیں بیان کرتے ہیں مگر اس مست نے کہا کہ سو کا نمبر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خالی رکھا گیا کیونکہ حضور انور بذات خود اسم اللہ ہیں نام مسمی یعنی نام والے کا پتہ ہیں حضور انور اللہ تعالیٰ کے سرتاپا مکمل پتہ ہیں ہم اس کی تحقیق بسم اللہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں کہ حضور انور اسم اللہ ہیں **ولله الاسماء الحسنی**۔

وہ آئے اس جہاں میں حسن مطلق کی ادا ہو کر
زبان بے زباں بن کر بے نشاں ہو کر

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ

اور وہ لوگ کہ جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو قریب ہی ہم انہیں ڈھیل دیں گے اس جگہ سے کہ نہیں جانیں گے

اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں جلد ہم انہیں آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لے جائیں گے جہاں

لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ

اور ڈھیل دوں گا میں انہیں بے شک تدبیر میری زبردست ہے۔ اور کیا انہوں نے غور نہ کیا کہ نہیں ہے انکے ساتھی

سے خبر نہ ہوگی اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بے شک میری خفیہ تدبیر بہت پکی ہے کیا سوچتے نہیں کہ ان کے صاحب

اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾

کو کوئی دیوانگی نہیں ہیں وہ مگر ڈرانے والے ظاہر۔

کو جنون سے کوئی علاقہ نہیں وہ تو صاف ڈر سنانے والے ہیں۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** ابھی پچھلی آیتہ میں اس جماعت کا ذکر ہوا جو حق پر قائم ہے عدل و انصاف کرتی ہے اب اس کے مقابل ان لوگوں کا ذکر ہے جو حق سے ہٹی ہوئی ہے آیات الہیہ جھٹلاتی ہے تاکہ لوگ پچھلی جماعت سے ہوں اس جماعت سے نہ ہوں چیزوں کی پوری پہچان ان کی ضدوں سے ہوتی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حکم تھا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اچھے ناموں سے پکارو انہیں ناموں سے پکارو انہیں ناموں سے اس سے دعا مانگو اب رب کو نہ پکارنے اسے اچھے ناموں سے یاد نہ کرنے یا اس سے دعا نہ مانگنے کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ ان کا ہر قدم دوزخ کی طرف اٹھ رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہوا کہ وہ اعلیٰ صفات سے موصوف ہے۔ عیوب سے پاک ہے اب اس کے محبوب ﷺ کی بے عیبی کا ذکر ہو رہا ہے **مابصاحبکم من جنتہ** کہ بے عیب رب نے بے عیب نبی کو اپنا محبوب بنایا۔

شان نزول: ان آیات کے شان نزول چند ہیں (1) کفار مکہ حضور ﷺ کو بہت دکھ دیتے تھے آپ کا مذاق اڑاتے تھے اس کے باوجود عیش و عشرت میں تھے وہ کہتے تھے کہ ہم سے رب راضی ہے ہمارے ان جرموں سے خوش ہے تب ہی تو ہم کو مال تندرستی دے رکھی ہے ان کے اس دھوکہ کو دفع فرمانے کے لئے پہلی آیتہ **سنستدرجھم** نازل ہوئی (خازن و معانی) (2) حضور ﷺ شروع زمانہ تبلیغ میں ایک رات صفا پہاڑ پر کھڑے ہو کر صبح تک لوگوں کو دعوت اسلام دیتے رہے۔ رات میں ایک گھڑی بھی آرام نہ کیا اس پر کفار مکہ بولے کہ **محمد** (ﷺ) مجنون دیوانہ ہو گئے ہیں کہ تمام رات باتیں کرتے رہے اس پر آیتہ **اولم یتفکروا** نازل ہوئی (3) جب حضور ﷺ پر وحی آتی تھی تو آپ کی حالت اس وقت عجیب ہو جاتی تھی چہرہ انور سرخ ہو جاتا تھا سردی کے موسم میں پسینہ آجاتا تھا لمبی سانس خراٹ جاری ہو جاتا تھا اس حالت کو دیکھ کر کفار مکہ کہتے تھے کہ آپ پر جنون و دیوانگی کا دورہ پڑتا ہے ان کی تردید میں آیتہ **اولم یتفکروا** نازل ہوئی (کبیر، روح المعانی، خازن وغیرہ) غرضکہ رب تعالیٰ

نے اپنے محبوب کی صفائی میں کفار کو جواب دیا۔

تفسیر: والذین کذبوا بایاتنا بعض مفسرین نے فرمایا کہ الذین سے مراد قریش ہیں جن کے متعلق یہ آیتہ نازل ہوئی مگر حق یہ ہے کہ ہر کافر منکر اس سے مراد ہے کیونکہ اگرچہ شان نزول اس کا خاص ہے مگر عبارت عام کذبوا کے معنی ہیں خوب جھٹلایا یا اس طرح کہ مرتے دم جھٹلاتے رہے اور کفر پر مرے یا اس طرح کہ قول و عمل سے جھٹلاتے رہے یا اس طرح کہ خود بھی جھٹلایا اور لوگوں کو بھی کافر بنایا یا انہیں کفر پر جملیا آیات سے مراد یا تو آیات قرآنیہ ہیں یا حضور انور کے معجزات یا خود حضور ﷺ کیونکہ آپ کی ہر ادا اللہ کی آیت ہے یا عام آیات مراد ہیں ان تینوں کو شامل **سنستدرجهم** یہ خبر ہے الذین کی یہ بنا ہے استدراج سے جس کا مادہ درج ہے جس کے کئی معنی ہیں۔ سیڑھی کے تختے یا زینہ کے درجے 'استدراج سیڑھی کے درجوں کے ذریعہ کسی کو نیچے سے اوپر پہنچانا یا اوپر سے آہستگی کے ساتھ نیچے اتارنا یعنی آہستگی سے منتقل کرنا۔ (2) بچہ کے قدم جو قریب قریب پڑیں جن سے بچہ آہستہ آہستہ چلے۔ لپیٹنا تہہ کرنا کہا جاتا ہے ادرج الکتاب اس نے کتاب لپیٹ دی۔ اصطلاح میں ہر آہستہ منتقلی کو استدراج کہتے ہیں وہ ہی معنی یہاں مراد ہیں (کبیر' خازن' معانی وغیرہ) یعنی ہم آہستگی سے دوزخ کی طرف لے جائیں گے کہ ان کا ہر سانس ہر قسم ہر حال دوزخ کی طرف جانے کا ذریعہ ہو گا اور ان کی یہ روانگی ایسی ہو گی کہ **من حیث لایعلمون** یہ عبارت ایک پوشیدہ لفظ "کائنا" کے متعلق ہے جو کہ استدراجا" مصدر پوشیدہ کی صفت ہے یعنی اس طریقہ سے انہیں دوزخ کی طرف لے جائیں گے کہ انہیں اس کا پتہ بھی نہ چلے اس کی صورت یہ ہو گی کہ وہ گناہ کریں گے ہم انہیں نعمت دیں گے جس سے وہ سمجھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا یہ گناہ پسند ہے تب ہی تو ہم کو نعمت ملی اس پر وہ اور گناہ کریں گے ہم اور نعمت دیں گے اس پر وہ اچھی طرح گناہوں سرکشیوں میں پھنس جائیں گے کہ اچانک ان کو پکڑ لیا جاوے گا۔

حکایت: خلافت فاروقی میں شاہ فارس کسریٰ کا سنہری خزانہ بے شمار سونا مدینہ منورہ میں لایا گیا کہ مدینہ منورہ سونے سے بھر گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ مولیٰ مجھے تو وہ متدرج نہ بنانا جس کا ذکر اس آیت میں ہے اور یہ ہی آیتہ کریمہ تلاوت کی (تفسیر کبیر و روح المعانی) **واملی لهم** یہ عبارت معطوف ہے **نستدرجهم** پر مگر اس میں سین کا عمل نہیں کیونکہ استدراج تو آہستہ آہستہ ہوتا ہے مگر املاء میں آہستگی نہیں املاء بنا ہے ملی سے۔ بمعنی درازمدت قرآن کریم میں ہے **واهجرنی ملیا۔ املاء** کے معنی دراز مدت تک مہلت دینا یعنی ہم ان کو دراز مدت تک مہلت دیں گے کہ ان کی عمریں لمبی کر دیں گے جس سے وہ دھوکہ کھائیں گے کہ ہماری یہ بد عملیاں درازی عمر کا سبب ہیں رب تعالیٰ اس پر ہم سے راضی ہے (تفسیر کبیر) اس تفسیر سے پتہ لگا کہ استدراج اور املاء دونوں علیحدہ علیحدہ سزائیں ہیں دونوں ایک نہیں۔ **ان کیدی متین** یہ ان دونوں مذکورہ عذابوں کا بیان یا ان کی وجہ ہے لفظ **کید' خداع' مکر** قریبا" ہم معنی ہیں جب یہ بندے کی طرف منسوب ہوں تو ان کے معنی ہوتے ہیں فریب یا دھوکہ دینا کسی کو پھنسا دینا جو بد ترین عیب ہے مگر جب ان کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف ہو تو ان کے معنی ہوتے ہیں خفیہ تدبیر جو کہ اعلیٰ درجہ کی صفت ہے مگر موافق تدبیر کو **کید** نہیں کہا جاتا بلکہ مخالف تدبیر کو یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں۔ متین بنا ہے متانۃ سے۔ بمعنی قوۃ۔ شدت اسی لئے گھوڑے کی قوی پیشانی یا قوی پیٹھ کو متن کہا جاتا ہے یعنی ہماری خفیہ تدبیر کفار کے خلاف بہت ہی مضبوط و قوی ہے **اولم یتفکروا** یہ عبارت ایک پوشیدہ کلام پر معطوف

ہے اس میں الف سوال کا ہے اور سوال یا تعجب و حیرت دلانے کے لئے ہے یا اظہار انکار کے لئے اس میں روئے سخن انہیں کفار کی طرف ہے۔ جو کہتے تھے کہ حضور ﷺ معاذ اللہ دیوانہ ہیں یا ان پر دیوانگی کا دورہ پڑتا ہے فکر کے معنی ہیں سوچنا غور کرنا ذکر و فکر کے معنی ان میں فرق ہم دوسرے پارہ کی تفسیر میں عرض کرچکے ہیں اس کا متعلق پوشیدہ ہے فی صفات النبی ﷺ یا فی احوالہ وافعالہ واقوالہ یعنی کیا ان لوگوں نے حضور ﷺ کے صفات حضور کے حالات حضور کے اقوال و افعال میں کبھی غور نہیں کیا ان لوگوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ پہلے یہ ہی لوگ حضور کو صادق الوعد' امین کہا کرتے تھے انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ ایسا فصیح و بلیغ کلام ربانی سناتے ہیں کہ اس کے مقابل ایک آیت بنانے سے تمام عرب و عجم کے فصحاء بلغاء عاجز ہیں۔

ترے آگے یوں ہی لچے دبے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کہے کوئی منہ میں زباں نہیں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

کیا مجنون کے حالات ایسے ہوتے ہیں **مابصاحبهم من جنة** یہ فرمان عالی ایک پوشیدہ عبارت کا مفعول ہے **ليعلموا يستيقنوا صاحبهم** سے مراد حضور محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں چونکہ حضور انور عمر بھر مکہ معظمہ میں رہے کبھی باہر سے نہ آئے کبھی باہر نہ رہے نہ عرصہ کے لئے گئے مکہ معظمہ میں بھی ان سے چھپ کر نہ رہے ان کے سامنے ان کے ساتھ رہے اس لئے صاحبهم فرمایا **من جنة** میں **من** تنکیریہ ہے۔ جو جنہ نکرہ پر داخل ہوا جس سے بہت ہی عموم کا فائدہ حاصل ہوا یعنی ان سرکار میں مطلقاً جنوں کا کوئی شائبہ بھی نہیں **جن** کے معنی ہم بارہا بیان کرچکے ہیں کہ یہ ۔ بمعنی چھپنا آتا ہے اسی سے ہے جنت' جنات' جنین' جنون اور جنہ سب میں چھپنے کے معنی ملحوظ ہیں۔ جنون وہ بیماری جس سے عقل چھپ جاوے۔ جو عقل چھپ جاوے۔ جو عقل و خرد کو ڈھک لے یہاں یہ ہی مراد ہے۔ نیند' غشی خفت' عقل' دیوانگی میں بڑا فرق ہے نبی پر نیند طاری ہوتی ہے موسیٰ علیہ السلام پر کچھ وقت کے لئے غشی طاری ہوئی **فخر موسى صعقا** مگر خفت عقل یعنی کم عقل ہونا اور جنون و بے عقلی سے وہ حضرات محفوظ و مامون ہوتے ہیں **ان هو الا نذير مبين** یہ عبارت گویا پچھلے دعویٰ کی دلیل ہے کہ وہ محبوب مجنوں کیسے ہو سکتے ہیں وہ تو میرے نبی میری طرف مقرر کردہ بشیر و نذیر ہیں ان کے دم سے ایمان' اسلام' قرآن' عرفان بلکہ لقاء رحمان وابستہ ہیں اگر وہ ہی دیوانہ ہوں تو عالم روحانیات کا نظام درہم برہم ہو جاوے۔ خیال رہے کہ حضور انور بشیر بھی ہیں نذیر بھی مگر نذیر پہلے ہیں بشیر بعد میں جبکہ لوگ ایمان قبول کرلیں نذیر کافر و مومن سب کے لئے ہیں مگر بشیر صرف مومنوں کے لئے ان وجوہ سے یہاں صرف نذیر فرمایا گیا حضور انور کی بشارت و نذارت بہت قسم کی ہیں جیسا بندہ ویسی اس کے لئے بشارت و نذارت ہے **ليكون للعالمين نذيرا** حضور تمام جہانوں کے لئے نذیر ہیں اور انبیاء' صالحین' مومنین' اولیاء پھر اولیاء میں غوث' قطب وغیرھم تمام کے لئے مختلف رحمتوں کے بشیر ہیں ﷺ۔

خلاصہ تفسیر ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار پر دو سخت عذابوں کا ذکر فرمایا بعد میں اپنے محبوب ﷺ سے کفار کے ایک طعن کو رفع کیا اور آپ کی ایک صفت کاملہ کا ذکر فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا کہ جن لوگوں نے ہماری آیات قرآنیہ یا محبوب کے معجزات ان کی ذات والا صفات کو خوب جھٹلایا ہم ان پر دو طرح غضب نازل فرمائیں گے ایک یہ کہ انہیں نہایت آہستگی سے عذاب کی طرف لے جائیں گے اسی طرح کہ انہیں خبر بھی نہ ہو کہ وہ جتنے گناہ بدکاریاں غداریاں کرتے رہیں گے ہم ان پر دنیاوی

نعمتیں نازل فرماتے رہیں گے وہ لوگ اس عیش و عشرت سے سمجھیں گے کہ رب تعالیٰ ہم سے راضی ہے ہمارے یہ کام اچھے ہیں یہ نعمتیں ہم کو بطور انعام مل رہی ہیں دوسرے یہ کہ انہیں ڈھیل دیں گے ان کی عمریں دراز ان کی تندرستی و صحت میں زیادتی کردیں گے تاکہ اور زیادہ جرموں کا انبار لگالیں۔ خیال رکھو کہ کفار کے خلاف ہماری خفیہ تدبیریں بہت ہیں قوی و مضبوط ہیں ہماری ڈھیل سے کوئی دھوکہ نہ کھائے یہ جو ہی میرے محبوب کو مجنون دیوانہ کہتے ہیں کیا انہوں نے کبھی ان کے صفات' افعال' اقوال' احوال میں غور نہیں کیا یہ تو چالیس سال سے انہیں میں رہتے سہتے ہیں ان کے تمام حالات ان کفار پر روشن ہیں یہ ہی لوگ پہلے ان محبوب کو صادق الوعد اور بہت کچھ القاب دیا کرتے تھے ان کے کلام فصاحت نظام ان کا غیبی خبریں بتارہی ہیں کہ ان میں جنون کا شائبہ بھی نہیں اور ہو بھی کیسے سکتا ہے وہ تو میرے مقرر کردہ نبی رسول بشیر و نذیر ہیں دیوانہ آدمی یہ فرائض انجام نہیں دے سکتا ہم نبی کو تمام مخلوق سے زیادہ عقل و دانش عطا فرماتے ہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفر کی بہت قسمیں ہیں اور ساری قسمیں سخت جرم ہیں مگر ان سب میں نبی کا انکار ان کے معجزات کو جھٹلانا سخت تر جرم ہے جس پر عذاب سخت سے سخت آتے ہیں۔ یہ فائدہ **کذبوا بایاتنا** سے حاصل ہوا فرعون رب کا منکر صدیوں رہا مگر جب نبی کا منکر ان کا دشمن بنا تب غرق ہوا نبی کا منکر ہونا بڑی بدبختی ہے۔

منکر شان نبی نتواں بدن   شدن منکر یزداں انی تو می

اللہ کو دیکھا نہیں ہے مگر نبی کو اس کی شانوں کو آنکھوں سے دیکھا ہے ان کا انکار بڑے اندھے پن کی بات ہے۔ **دوسرا فائدہ:** بدکار کو نعمتیں ملنا عذاب الٰہی ہے کہ ان نعمتوں سے اس کی غفلت اور بدکاری اور بھی زیادہ ہو گی یہ فائدہ **سنستدرجهم** سے حاصل ہوا اس جگہ تفسیر صاوی میں فرمایا کہ جب تم کسی بدکار کو دیکھو کہ اس پر نعمتیں بہت ہیں اور وہ اپنی بدکاری پر قائم ہے تو سمجھ لو کہ وہ مستدرج ہے یعنی ڈھیل دیا ہوا (ایسے سے دور رہاگو)۔ **تیسرا فائدہ:** اپنے حالات میں غور نہ کرنا کہ میں کدھر جا رہا ہوں میرے دل کا رخ کدھر ہے یہ بدبختی کی علامت ہے۔ یہ فائدہ **من حیث لا یعلمون** سے حاصل ہوا جیسے مشین کا ڈرائیور ہر وقت مشین کے ہر پرزہ پر نظر رکھتا ہے ایسے ہی انسان کو ہر وقت اپنی ہر حرکت ہر حالت پر نظر رکھنی چاہئے۔ **چوتھا فائدہ:** کبھی مجرم و بدکار کو بھی لمبی عمر دے دی جاتی ہے جس سے وہ اور زیادہ گناہ کرتا ہے اس کی یہ عمر گناہوں میں گزرتی ہے یہ درازی عمر خدا کا عذاب ہے۔ یہ فائدہ **واملی لهم** سے حاصل ہوا رب تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا تھا **انک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم** نیکوں کو نیک اعمال کی وجہ سے دراز عمر عطا فرمائی جاتی ہے وہ عمر اللہ کی رحمت ہے۔ **پانچواں فائدہ:** حضور ﷺ کی صفات عالیہ میں غور کرنا جس سے آپ کی معصومیت آپ کی شان معلوم ہو بڑی عبادت ہے اس میں غور نہ کرنا بڑی غفلت ہے۔ یہ فائدہ **اولم یتفکروا** سے حاصل ہوا دوسری جگہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے **ان تقوموا للہ مثنی و فرادی ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنة ان هو الا نذیر لکم۔** اللہ کے واسطے تم اکیلے دو کیلے بیٹھ کر سوچو غور کرو تمہارے محبوب میں جو تمہارے ساتھ رہتے ہیں جنون و دیوانگی کا شائبہ بھی نہیں اللہ تعالیٰ یہ فکر و غور نصیب کرے خدا کرے ان کا تصور ایسا پک جاوے کہ ہر طرف وہ ہی نظر آئیں۔

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا — تصور میں تیرا رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ کا یہ خاص کرم ہے کہ حضور ﷺ مکہ معظمہ میں ہی پیدا ہوئے اور وہاں ہی رہے آپ کی زندگی اندرونی بیرونی سب کو دکھاوی گئی جس سے آپ کے متعلق کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔ یہ فائدہ **بصاحبھم** فرمانے سے حاصل ہوا۔ حضور کی پاکیزہ زندگی کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ سب سے پہلے حضور انور پر ایمان حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ اندرونی زندگی سے باخبر تھیں ان دونوں حضرات کے اولاً ایمان لانے سے معلوم ہوا کہ رب نے اپنے محبوب کی زندگی ایسی بے داغ بنائی کہ سبحان اللہ۔ **ساتواں فائدہ:** نبی مجنون بہرے گونگے نہیں ہوسکتے کہ وہ حضرات تبلیغ کے لئے بھیجے جاتے ہیں اور یہ بیماریاں تبلیغ سے رکاوٹ ہیں یہ فائدہ **من جنتہ** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** مرزا قادیانی نبی نہ تھا کیونکہ وہ مراقی تھا مراق جنوں کی ایک قسم ہے اور نبی جنوں سے پاک ہوتے ہیں اس نے خود لکھا ہے کہ مجھے مراق ہے وہ خود اپنی تحریر سے جھوٹا ہے۔ یہ فائدہ بھی **مابصاحبھم من جنتہ** سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ **من** اور **جنتہ** کے نکرہ ہونے سے معلوم ہوا کہ نبی کو جنون کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ **نواں فائدہ:** جھوٹے کو اپنی بات پر قرار نہیں ہوتا وہ خود اپنے خلاف کہہ جاتا ہے کفار عرب کبھی تو حضور انور کو مجنون کہتے تھے کبھی مسحور، کبھی ساحر، کبھی شاعر دیوانہ ساحر یا شاعر کیسے ہو سکتا ہے پتہ لگا کہ وہ جھوٹے تھے۔ **دسواں فائدہ:** حضور انور کو رب نے لاکھوں صفات بخشیں ان سب میں بشارت و نذارت اعلیٰ درجہ کی صفات ہیں آپ کی وہ صفات بالکل ظاہر ہیں یہ فائدہ **نذیر** اور ساتھ ہی مبین فرمانے سے حاصل ہوا۔ **گیارھواں فائدہ:** حضور انور سے کفار کے اعتراض دفع کرنا حضور کی نعت کہنا سنت الٰہیہ ہے دیکھو کفار نے حضور انور کو مجنوں کہا تو رب نے انہیں جواب دیا اور ساتھ ہی کی صفات و نعت بیان فرمائی **ان ھوالانذیر مبین**۔

دشمن نے ترے جو کچھ ہے کہا اللہ نے اس کا جواب دیا — پر تو نے پلٹ کر کچھ نہ کہا تری شرم و حیا کو کیا کہنا

پہلا اعتراض: یہاں کفار پر دو عذابوں کا ذکر ہوا ایک استدراج دوسرے املاء ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ دونوں کے معنی ہیں ڈھیل دینا۔ **جواب:** ان دونوں کا فرق ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ مجرم کو دنیاوی نعمتیں دے دینا تو استدراج ہے جس سے وہ اور دوزخ سے قریب ہوتا ہے اور جرم کو دراز عمر عطا فرما دینا املاء ہے جس سے وہ اور زیادہ جرم کا ذخیرہ جمع کرے۔ **دوسرا اعتراض:** یہ تو دھوکہ دینا ہوا اور رب تعالیٰ دھوکے سے پاک ہے کہ دھوکہ بڑا عیب ہے۔ **جواب:** دھوکہ جب ہوتا جب مجرم کی حرکتوں کو اچھا کہا جاتا اسے رغبت دی جاتی جب رب تعالیٰ نے جرموں سے روکا ان کی برائی بیان فرمادی بلکہ اس ڈھیل کا بھی اعلان فرمادیا کہ دیکھو اگر تم کو گناہوں پر نعمتیں ملیں تو وہ نعمتیں نہیں بلکہ عذاب ہیں اس سے دھوکہ نہ کھانا پھر دھوکہ کہاں رہا یہ تو کھرے کھوٹے کی کسوٹی ہوئی جس پر جزا سزا ہوگی۔ **تیسرا اعتراض:** **کید** کے معنی ہیں مکر و فریب دھوکہ دینا یہ عیب ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کیوں کیا گیا کہ **ان کیدی متین** رب تعالیٰ تو عیوب سے پاک ہے۔ **جواب:** اس کا تفصیلی جواب پہلے پارہ میں دے چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ ایک لفظ کے معانی اس کے منسوب الیہ کے لحاظ سے کئے جاتے ہیں آدمی بیٹھ گیا۔ دوکان بیٹھ گئی۔ آنکھ بیٹھ گئی دل بیٹھ گیا تیر نشانہ پر بیٹھ گیا۔ تیری بات میرے دل میں بیٹھ گئی ان سب میں بیٹھ جانے کے معانی الگ الگ کئے جائیں گے یوں ہی لفظ مکر، خداع، کید وغیرہ اگر ان کی نسبت انسان کی طرف ہو تو عیب ہیں لیکن جب ان کی نسبت

رب تعالیٰ کی طرف ہو تو ان کے معنی ہوتے ہیں۔ خفیہ تدبیر دیکھو لفظ ظلم قرآن مجید میں کتنے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ **ان الشکر لظلم عظیم** یہاں ظلم کے اور معنی ہیں **ربنا ظلمنا انفسنا** اسی طرح **انی کنت من الظلمین** میں ظلم کے کچھ اور معنی ہیں خطا، بھول **ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ** یہاں ظلم کے اور معنی ہیں ہر جگہ ایک لفظ کے ایک ہی معنی کرنا سخت غلطی ہے لفظ ضلال بہت معنی میں استعمال ہوا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** تم نے کہا کہ نبی کو جنون نہیں ہو سکتا مگر موسیٰ علیہ السلام کو تجلی الٰہی دیکھنے پر غشی طاری ہوئی غشی بھی تو جنون کی ایک قسم ہے۔ **جواب:** یہ غلط ہے غشی نیند کی طرح ایک انسانی عارضہ جس میں عقل تو رہتی ہے مگر اس پر ایک غلاف سا آجاتا ہے یہ نبوت کے ہرگز خلاف نہیں پھر ان حضرات کے لئے غشی بھی عارضی تھوڑے عرصہ کے لئے آتی ہے۔ **پانچواں اعتراض:** حدیث شریف سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ پر جادو کیا گیا جس سے آپ کی عقل میں فتور آگیا جب ان کو جنون نہیں ہو سکتا تو جادو کیوں ہو سکتا ہے۔ **جواب:** یہ غلط ہے کہ اس جادو سے حضور انور کی عقل میں فتور آگیا صرف نسیان و بھول زیادہ ہو گئے تھے وہ بھی دنیاوی کاموں میں حضرات انبیاء پر نسیان طاری ہو سکتا ہے۔ خیال رہے کہ جادو کا اثر نبی پر ایسا ہو سکتا ہے جیسے تلوار اور زہر کا اثر جادو بھی ایک موثر چیز ہے مگر جب جادو کا مقابلہ معجزے سے ہو گا تو جادو فیل ہو جاوے گا۔ دیکھو فرعونی جادوگر کلیم اللہ کے مقابل فیل ہو گئے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیتہ سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ صرف ڈرانے والے ہیں اس کے سوا اور کچھ نہیں **ان ھو الا نذیر** حصر کا مفید ہے حالانکہ حضور کو رب تعالیٰ نے لاکھوں صفات بخشے۔ **جواب:** یہاں حصر اضافی ہے جنون کے مقابل یعنی وہ مجنون نہیں صرف نذیر ہیں جو رب کی طرف سے نذیر و بشیر ہو وہ مجنون نہیں ہو سکتا۔ **ساتواں اعتراض:** حضور انور نذیر بھی ہیں بشیر بھی پھر صرف نذیر کیوں فرمایا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں دیا گیا کہ حضور انور اولاً نذیر ہیں بعد میں بشیر۔ سب کے لئے نذیر ہیں صرف مومنوں کے لئے بشیر نذارت عام ہے بشارت خاص۔

آٹھواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ گنہگاروں بدکاروں کی عمریں دراز کر دی جاتی ہیں کہ فرمایا گیا **واملی لھم** مگر حدیث شریف میں ہے کہ نیک اعمال خصوصیت سے اپنے رشتہ داروں سے سلوک کرنے سے عمر و مال بڑھتے ہیں دونوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** متقی مومن کی عمر دراز ہوتی ہے نیک کاری کے لئے تاکہ وہ نیکیاں اور زیادہ کرے بدکار مجرم کو ڈھیل دی جاتی ہے اس کی عمر دراز کی جاتی ہے بدکاری اور زیادہ کرنے کے لئے حدیث شریف میں پہلی قسم کی درازی عمر کا ذکر ہے اور یہاں اس آیتہ میں دوسری قسم کی درازی کا ذکر ہے شیطان کو دراز عمر عبادت کے لئے نہیں دی گئی بلکہ بد معاشی کرنے کے لئے رسی دراز کی گئی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ کے عذاب بہت قسم کے ہیں ان میں سے سخت تر عذاب استدراج ہے کہ رب نعمت دے مگر شکر بھلادے بندہ نعمت کی طرف مائل ہو منعم کو بھول جاوے بندہ ہر وقت خطا کرے رب اس پر عطا کرے استغفار بھلادے منت مسلسل ہو فتنہ کا خوف نہ ہو ہر جگہ بندہ کا ذکر ہو اسے مکر کا خوف نہ ہو استدراج کی بہت صورتیں ہیں مرید اپنے نفس سے جاہل ہو مرشد کا بے ادب ہو اس کے پاس دعویٰ کی بھرمار ہو مگر دل مقام اغیار ہو پھر اس پر پکڑ نہ ہو تو یہ بھی استدراج ہے امام احمد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے عدل سے ڈرو اس کا فضل مانگو رب کے مکر سے بے خوف نہ ہو اگرچہ کعبہ میں پہنچ جاؤ دل کا فقر اور انکسار

اللہ کی نعمت ہے اللہ تعالٰی نوٓ نے دنوں میں رہتا ہے دنیا کے لئے فرار یعنی بھاگتا ہے دین کے لئے قرار یعنی ٹھہرتا ہے جسے دنیا ملے وہ استدراج میں ہے جسے دین ملے وہ اکمال میں (روح البیان) اللہ تعالٰی نے حضور کو فرمایا **صاحبهم** حضور انور ہمارے دنوں کے ساتھی روحوں کے ساتھی ایمان کے ساتھی ہیں سچا ساتھ حضور کا ہے باقی سب ساتھ جھوٹے ہیں۔ حضور تو سب کے ساتھ ہیں مگر حضور کے ساتھ کوئی قسمت والا ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد ہوا **اذيقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا** حضرت ابو بکر صدیق وہ خوش نصیب ہیں جنہیں رب نے حضور کا ساتھی کہا اس لئے حضرت صدیق بعد انبیاء افضل الخلق ہیں کہ رسول اللہ کے ساتھی ہیں۔ حضور مجنوں یعنی چھپائے ہوئے نہیں وہ تو ایسے ظاہر ہیں کہ انہیں عرشی جانیں فرشی جانیں انہیں انسان جانیں جانور پہچانیں انہیں لکڑیاں ذرات قطرے جانیں انہیں چاند سورج تارے پہچانیں وہ نصیر بھی ہیں مبین بھی اس آیتہ میں حضور انور کی بہت شاندار نعتیں ہیں۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ
اور کیا نہیں غور کیا انہوں نے بادشاہت میں آسمانوں اور زمین کی اور وہ جو پیدا کیں اللہ نے چیز
کیا انہوں نے نگاہ نہ کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور جو چیز اللہ نے بنائی
وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ
اور یہ کہ قریب ہے یہ کہ قریب آ چکی ہو موت اُن کی پس کس بات پر اس کے پیچھے
اور یہ کہ شاید ان کا وعدہ نزدیک آ گیا ہو تو اس کے بعد اور کونسی بات پر یقین
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَا
ایمان لائیں گے وہ جو گمراہ کرے اللہ اسے پس نہیں ہے کوئی ہدایت دینے والا اس کو اور چھوڑ دیتا
لائیں گے جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور انہیں چھوڑتا ہے
نِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾
ہے ان کو سرکشی میں ان کی بھٹکتے ہوئے
کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں آیات قرآنیہ معجزات نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں غور نہ کرنے انہیں جھٹلانے پر عتاب ہوا اب دنیا کی چیزوں میں غور نہ کرنے پر عتاب ہو رہا ہے گویا تشریعی دلائل کے بعد تکوینی دلائل کا ذکر ہے۔ **دوسرا اعتراض**: پچھلی آیتہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات میں غور کرکے آپ کی نبوت

ماننے کی دعوت دی گئی اب دلائل توحید میں غور کرنے اور رب تعالیٰ کی ذات و صفات ماننے کا حکم دیا جارہا ہے گویا نبوت کے بعد توحید کا ذکر ہے چونکہ نبوت اسلامی توحید ماننے کا ذریعہ ہے اس لئے ذریعہ کا ذکر پہلے ہوا اصل مقصود کا ذکر بعد میں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتہ میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم ان منکرین کو مہلت دیتے ہیں **واملی لھم** اب ارشاد ہے کہ یہ مہلت اور ڈھیل ہمیشہ نہ رہے گی آخر انہیں موت آوے گی جس پر ہر بیان عیاں ہو جاوے گا گویا مہلت کا ذکر پہلے ہوا اس کی انتہا کا ذکر اب ہے۔

تفسیر: اولم ینظروا یہ نیا جملہ ہے اس میں بھی سوال یا تو انکار کے لئے ہے یا تعجب دلانے کے لئے ہے **ینظروا** بنا ہے نظر سے نظر آنکھ سے دیکھنے کو بھی کہتے ہیں یعنی بصارت کو اور دل سے غور کرنے کو بھی یعنی بصیرت کو بھی ظاہر یہ ہے کہ یہاں دوسرے معنی میں ہے یعنی سوچنا غور کرنا اسی لئے اس کے بعد نفی ارشاد ہوا **الی** ارشاد نہ ہوا چونکہ حضور انور کی صفات عالیہ میں غور کرنا کسی قدر گہری دلیل تھی اور عام مخلوق میں غور بالکل ظاہر دلیل اس لئے وہاں ارشاد ہوا **اولم یتفکروا** اور یہاں ارشاد ہوا **اولم ینظروا** فکر گہری غور و سوچ نظر سرسری غور و سوچ (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ نظر۔ معنی آنکھ سے دیکھنا ہو **فی ملکوت السموت والارض** یہ متعلق ہے **ینظروا** کے ملکوت کے معنی اور ملک و ملکوت میں بہت فرق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ ملکوت مبالغہ ہے ملک کا جیسے رحمت کا مبالغہ رحموت بڑی رحمت یا **رھبتہ** کا مبالغہ رھبوت بڑا ہی خوف وڈر ایسے ہی ملکوت کے معنی ہیں بڑا وسیع ملک اس میں گفتگو ہے کہ ملکوت کیا چیز ہے اس میں چند قول ہیں (1) جو کسی سے بنے وہ ملک ہے جو بغیر کسی کے بنے صرف کن سے وہ ملکوت یعنی عالم اجسام ملک ہے عالم امر ملکوت (2) چاند سورج تارے آسمانوں کا ملکوت ہے اور پہاڑ دریا زمین کا ملکوت (3) مخلوق کی ظاہری تکوین ملک ہے باطن تکوین ملکوت لہذا ہمارا جسم ملک ہے ہماری روح ملکوت (4) عالم شہادت ملک ہے عالم غیب ملکوت (5) جس کی ملکیت کا انسان دعویٰ کر سکے وہ ملک ہے جہاں کسی کا دعویٰ نہ چلے وہ ملکوت ہے دیکھو جانور کے جسم کے ہم مالک ہو سکتے ہیں وہ ملک ہے اسکی روح کا کوئی مالک نہیں بجز پروردگار یہ ہے ملکوت عالم کے ظاہری اعضاء پر ہمارا دعویٰ ہے لہذا یہ ملک ہے اس کے دل و دماغ' روح پر کسی کی ملکیت نہیں وہ ہے ملکوت (6) عشاق کی نظر میں حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور محمد مصطفےٰ ﷺ زمین و آسمان بلکہ عرش و کرسی کے ملکوت ہیں باقی لوگ ملک **وما خلق اللہ من شی ء** یہ عبارت یا تو ملکوت پر معطوف ہے یا اس کے مضاف الیہ السموت والارض پر من شی میں ساری چیزیں داخل ہیں مگر چونکہ آسمان و زمین اور ان کی ملکوت ایک امتیازی شان رکھتی ہیں اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر پہلے علیحدہ طور پر کیا گیا یعنی کیا یہ لوگ اللہ کی ہر پیدا کی ہوئی چیز یا ہر چیز کی ملکوت میں غور نہیں کرتے ہر چیز کا باطنی ملکوت ہے (روح المعانی) شی کے معانی اس کے اقسام و احکام ہم پہلے پارہ میں **ان اللہ علی کل شی قدیر** کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں یہاں شے سے مراد مخلوق و موجود ہے **وان عسی ان یکون قد اقترب اجلھم** یہ عبارت ملکوت پر معطوف ہے فی کے تحت ان دراصل انہ تھا اجل سے مراد ان کی موت ہے بعض نے کہا کہ اس سے مراد قیامت ہے مگر یہ قوی نہیں یعنی وہ اس میں بھی غور نہیں کرتے کہ ممکن ہے کہ ان کی موت قریب آن لگی ہو پھر یہ بات مانیں گے مگر بے کار **فبای حدیث بعدہ یومنون** یہ جملہ نیا ہے ایک پوشیدہ شرط کی جزا اور اس میں ف جزائیہ ہے **لما لم یومنوا بھا** حدیث بنا ہے حدث سے۔ معنی نئی یا نو پید چیز اصطلاح میں بات کو حدیث کہتے ہیں کہ ہر بات زبان سے نئی نکلتی ہے ایک لفظ کے حروف

ایک ساتھ نہیں بولے جاتے جب پہلا حرف بولتے ہیں تو دوسرا ادا نہیں ہوتا جب دوسرا حرف بولتے ہیں تو پہلا فنا ہو چکتا ہے لہذا ہر بات بلکہ ہر بات کا ہر حرف حدیث یعنی نو پیدا ہے بعدہ میں ہ سے مراد یا تو مذکورہ دلائل ہیں یا قرآن مجید یا حضور ﷺ کے تمام فرمان ہیں یا خود حضور ﷺ ہی مراد ہیں آخری معنی پر ایک حدیث پوشیدہ ہے بعد حدیثہ (روح المعانی) یعنی جب یہ لوگ ان دلائل سے یا قرآن مجید سے یا محبوب ﷺ کے فرمان سے یا خود حضور انور سے ایمان قبول نہیں کرتے تو اب کس بات اور کس کی بات سے ایمان لائیں گے۔ ہدایت کی آخری منزل تو یہ ہے نہ قرآن کے بعد کوئی کتاب آنے والی ہے اور نہ حضور کے بعد کوئی نبی تشریف لانے والے اللہ کی طرف سے آخری ہادی آچکے جو ان کے در سے محروم رہا۔ وہ رب کی رحمت سے محروم رہا **من یضلل اللہ فلا ھادی لہ** اس فرمان عالی کا مقصد حضور ﷺ کو تسکین دینا ہے کہ ان کفار کا ہدایت قبول نہ کرنا اس لئے نہیں کہ آپ کی تبلیغ میں تاثیر نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ ان کی تقدیر میں ہدایت نہیں۔

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل که خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اس عبارت کی تفسیر بارہا کی جاچکی کہ اضلال کے معنی کسی کو گمراہی کی رغبت دینا بھی ہیں اس معنی سے شیطان اور برے یار گمراہ کن سردار مضل ہیں اور اس کے معنی گمراہی پیدا کرنا بھی ہیں یعنی بندے کے کسب کے بعد رب تعالیٰ کی طرف سے اس کے دل میں گمراہی پیدا فرمادے جیسے گلے پر چھری چلانے کے بعد مذبوح میں موت پیدا فرمادیتا ہے اس معنی سے اضلال کا فاعل رب تعالیٰ ہے وہی معنی یہاں مراد ہیں **یذرھم فی طغیانھم یعمھون** یہ عبارت معطوف ہے **لا ھادی لہ** پر اور **من یضلل** کی جزا ہے ہماری قرآت میں **یذر** ہے ی سے بعض قراءت میں **نذر** ہے نون سے **یعمھون** بنا ہے **عمہ** سے اس کی تفسیر ہم پہلے پارے میں کر چکے ہیں یعنی ایسے ازلی گمراہوں کو ہم ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ حیران و پریشان ہیں پھرتے رہتے ہیں انہیں دل کی تسکین میسر نہیں ہوتی۔

ہر سو دود آنکس زور خویش براند! آنرا کہ نخواند بہ درکس نہ دواند

یہ بھٹکنا پھرنا ان کے شقی ازلی ہونے کی علامت ہے۔

خلاصہ تفسیر: کیا ان غافل کفار نے آسمان و زمین اللہ کی وسیع ملک میں غور نہیں کیا کہ جس کی سلطنت ایسی وسیع ہے وہ مالک و سلطان کیسی شان والا ہے اور انہوں نے اس میں بھی غور نہیں کیا کہ ممکن ہے کہ ان کی موت قریب ہو ابھی وقت ہے ایمان لانے توبہ کرنے کا انہیں کیا خبر کہ یہ وقت کب ختم ہو جاوے آخری نبی تشریف لاچکے آخری کتاب آچکی اگر اب بھی وہ ہدایت پر نہ آئے تو کب آئیں گے اب ہدایت کہاں سے پائیں گے اے محبوب ان لوگوں کے ایمان نہ لانے پر ملول نہ ہوں اس کی وجہ یہ نہیں کہ آپ کی تبلیغ میں کچھ کمی ہے بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہے اسے ہدایت کوئی نہیں دے سکتا رب تعالیٰ ایسے لوگوں کو یوں چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی گمراہی میں بھٹکتے پھرتے ہیں ان کا ٹھور ٹھکانہ کوئی نہیں ہوتا۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: علم ہیئت اور علم سائنس بہت اعلیٰ علم ہیں اگر انہیں معرفت الٰہی کا ذریعہ بنایا جاوے کہ ان علوم کے ذریعہ آسمان و زمین اور ان کی چیزوں کا پتہ چلتا ہے جو رب تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **اولم ینظروا** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: جیسے روزہ نماز حج وغیرہ عبادت ہے انہیں ادا کرنا چاہئے ایسے

ہی عالم کی ہر چیز حتیٰ کہ خود اپنے میں غور و فکر کرنا عبادت ہے اسی لئے اس کا رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ حکم دیا یہ فائدہ **ملکوت السموات** سے بھی حاصل ہوا اور **ماخلق اللّٰہ من شی** سے بھی۔ **تیسرا فائدہ**: اللہ تعالیٰ اپنا ملک اپنے بعض بندوں بادشاہوں وغیرھم کو عطا فرمادیتا ہے جن سے بندہ دعوی کرتا ہے کہ یہ ملک میرا ہے یہ ملک فلاں کا مگر ملکوت پر قبضہ صرف رب تعالیٰ کا ہی ہے بندے اسے دیکھیں اور ان کے ذریعہ رب تعالیٰ کو پہچانیں دیکھو ملک کے متعلق ارشاد ہوا **ایوتی ملکہ من یشاء** یا ارشاد ہوا۔ **توتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء** مگر ملکوت کے متعلق ارشاد ہوا **اولم ینظروا فی ملکوت السموات** اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا **وکذالک نری ابرھیم ملکوت السموات والارض**۔ **چوتھا فائدہ**: ہر شخص کو چاہئے کہ اپنی موت کو قریب سمجھے بلکہ ہر سانس کو آخری سانس جانے اور آخرت کی تیاری کرے یہ فائدہ **ان یکون قد اقترب اجلھم** سے حاصل ہوا۔

ہوائے رفتہ باز آید کہ نہ آید! — نسیمے از حجاز آید کہ نہ آید
سرآمد روزگارے ایں فقیرے — دگر دانائے راز آید کہ نہ آید

اگر یہ خیال رہے تو انشاء اللہ گناہ کم سرزد ہوں۔ **پانچواں فائدہ**: حضور ﷺ آخری نبی ہیں اور قرآن مجید آخری کتاب حضور انور کے بعد کوئی نبی نہیں قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں اب ہدایت کا ذریعہ صرف اور صرف حضور ﷺ اور قرآن مجید ہے یہ فائدہ **فبای حدیث** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: جو حضور ﷺ کے دروازے سے محروم رہا وہ رب کے ڈر سے بھی محروم یہ ناممکن ہے کہ کوئی حضور کے دروازے سے درکار اجاوے اور وہ کسی اور جگہ سے اللہ کی رحمت حاصل کرے یہ بھی **فبای حدیث** سے حاصل ہوا۔

بے ان کے واسطے کہ خدا کچھ عطا کرے! — حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصیر کی ہے!!

ساتواں فائدہ: جس کے جرموں کی وجہ سے اللہ نے اس کے دل پر گمراہی کی مہر کردی وہ کسی صحبت نیک یا کسی کی نصیحت و وعظ سے ہدایت پر نہیں آسکتا صابن سے کوئلہ سفید نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ **ومن یضلل اللّٰہ** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: جسے رب گمراہ کردے وہ ہر جگہ بھٹکتا پھرتا ہے جسے وہ ہدایت دے دے وہ کسی دروازہ پر نہیں جاتا بلکہ مخلوق اس کے دروازہ پر آتی ہے یہ فائدہ **ویذرھم** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ کا کسی بندے سے بے نیاز ہو جانا اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا کہ بندہ جرم بلکہ کفر اور معاصی گناہ کرتا رہے اس پر کوئی گرفت نہ ہو یہ اللہ کا قہر ہے اور بندہ کی معمولی بات پر گرفت ہو جاتی اس کریم کی خاص رحمت ہے یہ فائدہ بھی **ویذرھم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کی ایک بے قصد خطا پر گرفت فرمائی یہ تھا اس کا خاص کرم۔ نوٹ: حج سے واپس آکر پانچ ماہ بعد تفسیر کا کام دوبارہ شروع کیا (مصنف)۔ **دسواں فائدہ**: دل کی بے اطمینانی حیرانی پریشانی کہ بندے کو راستہ نہ سوجھے یہ رب تعالیٰ کا غضب ہے دل کا اطمینان و چین فکر و غم سے آزاد ہونا رب تعالیٰ کا خاص کرم ہے یہ فائدہ بھی **یعمھون** سے حاصل ہوا جس قدر رب تعالیٰ سے قرب زیادہ اس قدر دل کو سکون و اطمینان زیادہ فرماتا ہے **الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب**۔

پہلا اعتراض: ابھی پچھلی آیۃ کریمہ میں حضور کی ذات و صفات میں غور کرنے کے متعلق ارشاد ہوا **اولم یتفکروا**

کیاانہوں نے سوچا نہیں اور یہاں آسمانوں اور زمین میں غور کرنے کے متعلق ارشاد ہوا **اولم ینظروا** انہوں نے دیکھا کیوں نہیں اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی اشارۃ" تفسیر میں گزرا کہ تمام دنیا کے حالات اتنے گہرے نہیں جتنے گہرے حالات و صفات حضور ﷺ کے ہیں عالم ظاہر ہے حضور خفی عالم خفی ہے تو حضور انور اخفی۔ عالم مجمل ہے تو حضور ﷺ متشابہ یہ بتانے کے لئے یہ طریقہ بیان اختیار فرمایا گیا حضور ظہور ہیں اظہر من الشمس ہیں اور خفا ہیں **من کل شیء** ہیں **هوالظاهر والباطن** کا مظہر اتم ہیں رب کی صفت یہ ہے کہ۔

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار — اس پہ یہ گھونگٹ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

یار تیرے حسن کو تشبیہ دوں کس چیز سے — ایک تو ہی دیدہ ہے تیرے سواء نا دیدہ ہے

اس لئے حضور انور کو رب نے نور بھی فرمایا جو آنکھوں دیکھا جاتا ہے۔ **قد جاءکم من اللہ نور** اور برہان بھی فرمایا **قد جاءکم برهان من ربکم** جو عقل سے سوچی جاتی ہے بلکہ حضور کو بصائر بھی فرمایا **قد جاءکم بصائر من ربکم** **دوسرا اعتراض**: یہاں پہلے ملکوت کا ذکر ہوا پھر مخلوق کا کہ ملکوت کے بعد فرمایا **وما خلق اللہ** حالانکہ ملکوت بھی تو مخلوق ہے۔

جو تیرے سواء ہے وہ ترا بندہ ہے

اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ مخلوق کے دو معنی ہیں ایک تو نیستی سے ہستی میں لائی گئی چیز اس معنی سے ہر چیز اللہ کی مخلوق ہے دوسرے با لواسطہ بنائی گئی چیز اس معنی سے ملکوت مخلوق نہیں کیونکہ ملکوت وہ جو بلاواسطہ صرف کن سے پیدا ہوئی جیسے عالم ارواح وغیرہ اور مخلوق وہ جو کسی سے بنی جیسے انسان کہ مٹی اور نطفہ وغیرہ سے بنا یہاں مخلوق موجود ہے ہماری روح ملکوت ہے ہمارا جسم مخلوق یوں ہی آسمان و زمین میں بعض چیزیں ملکوت ہیں بعض چیزیں مخلوق جیسے کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **تیسرا اعتراض**: اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی موت کا وقت معلوم ہے اس کا قریب یا دور ہونا بھی معلوم ہے کہ اس نے تو یہ وقت مقرر کئے ہیں پھر یہاں **عسیٰ** کیوں فرمایا گیا یہ لفظ تو شک کے موقعہ پر بولا جاتا ہے۔ **جواب**: یہاں **عسیٰ** فرمانا بندوں کے لحاظ سے ہے یعنی ہر بندہ یہ خیال کرے کہ شاید میری موت قریب ہے اس خیال سے وہ گناہ پر دلیر نہ ہوگا نیکیوں میں دیر نہ کرے گا اسی لئے ان **عسیٰ** کو معطوف کیا گیا **وما خلق اللہ** پر اور اس کا تعلق **اولم ینظروا** سے ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: یہاں **اجلھم** کیوں ارشاد ہوا **موتھم** کیوں نہ فرمایا گیا۔ **جواب**: اجل کہتے ہیں وقت مقرر کو خواہ موت کا وقت ہو یا عذاب کا خواہ تنزل کا خواہ قوموں کے بننے بگڑنے کا ان سب کو شامل کرنے کے لئے بجائے موت کے اجل ارشاد ہوا بہت اونچے درجہ پر پہنچا ہوا شخص یا قوم یہ خیال نہ کرے کہ ہم اونچے ہی رہیں گے ممکن ہے کہ اس کے زوال کا وقت قریب آ چکا ہو ہر کمال کے لئے زوال ہے سواء ذات ذوالجلال کے یا اس کے خاص بندوں کے کہ ان کا سورج ہمیشہ بلندی پر رہتا ہے۔

چراغے راکہ ایزد برفروزد! — کسے کہ تف زند ریشش بسوزد!

پانچواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **فبای حدیث بعدہ یومنون** یہاں فبای کتاب کیوں ارشاد نہیں ہوا قرآن مجید کو حدیث نہیں کہا جاتا۔ **جواب**: یہاں حدیث لغوی معنی میں ہے۔ معنی نئی بات اس میں قرآن مجید بھی شامل ہے اور حضور ﷺ

کے اقوال طیبہ طاہرہ بھی بلکہ حضور کے اعمال احوال' افعال بلکہ خود حضور ﷺ کی ذات بابرکات شامل ہے کہ وہ بھی نئی چیز ہے چونکہ حضور انور کی ذات آپ کی ہر ادا آخری ہدایت گاہ ہے اس لئے یہ ارشاد ہوا اگر کتاب فرمایا جاتا تو یہ عموم حاصل نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ: قدرت نے ہر چیز میں ظاہر بھی رکھا ہے باطن بھی ظاہر کو خلق باطن کو ملکوت کہا جاتا ہے ظاہر بصارت سے دیکھا جاتا ہے باطن بصیرت سے عقل والے لوگ ظاہر خلق سے خالق ہستی کو استدلال سے پہچانتے ہیں مگر قلب والے لوگ ملکوت کے ذریعہ عالم غیب کا شہود یعنی مشاہدہ کرتے ہیں جس سے انہیں ایقان والا بلکہ عیان والا ایمان نصیب ہوتا ہے۔ رب فرماتا ہے **وکذالک نری ابراھم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین** اللہ تعالیٰ تا قیامت اپنے خاص بندوں کو عالم کا ملکوت 'ناسوت' جبروت بلکہ لاہوت دکھاتا ہی رہے گا اگر یہ عطائیں نہ ہوں تو انسان و حیوان میں فرق کیا ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عقول والوں کے لئے استدلال ہے مگر قلوب والوں کے لئے دروج ہے اللہ تعالیٰ ہم کو عقل سلیم بھی عنایت کرے اور قلب مومن بھی نصیب کرے جو ایمان سے ایقان سے محروم رہا وہ طغیان کے جنگل میں سرگرداں رہا اسے ہدایت کیسے ملے۔ (از روح البیان)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ

سوال کرتے ہیں آپ سے قیامت سے کہ کب کو ہے ٹھیرنا اس کا فرماؤ آپ کہ اس کے سوا نہیں کہ علم اس کا میرے رب

تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کو ٹھہری ہے تم فرماؤ کہ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے

لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ (وقف لازم)

کے پاس ہے نہیں ظاہر کرے گا اس کو وقت پر اس کے مگر وہ بھاری ہے وہ بیچ آسمانوں اور زمین کے نہ آئے گی

اسے وہی اس کے وقت پر ظاہر کرے گا بھاری پڑ رہی ہے آسمانوں اور زمین میں تم پر نہ آئے گی

اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ

وہ تم پر مگر اچانک سوال کرتے ہیں تم سے گویا کہ تم خوب واقف ہو اس سے تم فرماؤ کہ اس کے سوا نہیں کہ علم اس کا

مگر اچانک تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اسے خوب تحقیق کر رکھا ہے تم فرماؤ کہ اس کا علم

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

پاس ہے اللہ کے اور لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن بہت لوگ جانتے نہیں۔

تعلق: ان آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں موت یاد دلائی گئی تھی کہ شاید یہ قریب ہو اب قیامت کے ظہور کا تذکرہ ہے یعنی چھوٹی قیامت یعنی موت کے ذکر کے بعد بڑی قیامت یعنی محشر کا تذکرہ ہے کیونکہ موت اور قیامت وہ دہشت ناک چیزیں ہیں کہ اگر انسان کا دھیان ان کی طرف رہے تو وہ گناہ پر دلیر نہ ہو۔ **دوسرا**

تعلق: پچھلی آیات میں توحید و رسالت کا تذکرہ تھا اب انسان کے معاد کا تذکرہ ہے یہ ہی چیزیں اسلام کے ارکان ہیں جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کا یہ عیب بیان ہوا کہ وہ ضروری چیزوں سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں مخلوق میں غور کرکے خالق کو نہیں پہچانتے اب کفار کا دوسرا عیب بیان ہو رہا ہے کہ وہ غیر ضروری بحثیں کرتے رہتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی اس کی تاریخ بتایئے گویا کفار کا ایک عیب بیان فرمانے کے بعد ان کے دوسرے عیب کا تذکرہ ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق دو روائتیں ہیں (1) ایک دفعہ سرداران قریش جن میں اکثر حضور ﷺ کے قرابت دار تھے حضور انور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بولے کہ ہم آپ کے رشتہ دار اور بالکل قریبی ہیں عزیزوں سے راز کی بات نہیں چھپائی جاتی آپ ہم کو بتادیں کہ وہ قیامت جس سے آپ ہم کو ڈراتے رہتے ہیں کب اور کس تاریخ کس دن میں آوے گی ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر، خازن، روح البیان، مدارک وغیرہ) (2) حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ دو یہودی حمل ابن ابی قشیر اور سموال ابن زید حضور انور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بولے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو فرمایئے کہ قیامت کب آوے گی کیونکہ ہم کو تو اس کا علم ہے حالانکہ ہم نبی نہیں آپ تو نبی ہیں آپ کو ضرور اس کا علم ہونا چاہئے ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (کبیر، روح المعانی، روح البیان، صاوی، خازن، بیضاوی وغیرہ)۔

تفسیر: یسئلونک یہ لفظ بنا ہے سوال سے قرآن مجید میں سوال کے معنی مانگنا بھی ہیں **واما السائل فلا تنہر** اور پوچھنا بھی جیسے **ویسئلونک عن الانفال** جب پوچھنے کے معنی ہوں تو اس کے بعد عن آتا ہے یہاں معنی پوچھنا ہے کہ اس کے بعد عن آ رہا ہے اگرچہ یہ پوچھنے والے ایک دو آدمی تھے مگر چونکہ یہ سوال پوری قوم کی طرف سے تھا اس لئے **یسئلون** جمع ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ ان کا یہ سوال صرف مذاق کے طور پر تھا کہ اگر حضور نہ بتائیں تو ہم کہیں کہ آپ نبی کیسے، جو قیامت تک کو نہیں جانتے اور اگر بتادیں تو ہم کہیں کہ قیامت اسرار الٰہیہ میں سے ہے جس کے چھپانے کا حکم ہے، ہم پر آپ نے اسے ظاہر کیوں فرمایا غرضکہ یہاں سوال صرف مذاق کے لئے تھا نہ کہ رب تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے **عن الساعۃ** یہ متعلق ہے **یسئلونک** کے ساعت کے لفظی معنی ہیں گھنٹہ یعنی دن رات کا چوبیسواں حصہ کبھی گھڑی کے لئے بھی آتا ہے مگر اصطلاح میں قیامت کو ساعت کہتے ہیں کیونکہ یہ پل بھر میں قائم ہو جاوے گی یعنی اچانک جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یا اس کا حساب و کتاب گھڑی بھر میں ہو جاوے گا نیز وہ دن باوجود پچاس ہزار برس کا ہونے کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک گھڑی بھر کا ہے نیز وہ دن ان مومنوں کو جنہیں حضور کے دامن میں جگہ مل جاوے گھڑی بھر کا معلوم ہوگا ان وجوہ سے اسے ساعت کہا جاتا ہے یہ قیامت کا مشہور نام ہے۔ خیال رہے کہ قیامت کے بہت نام ہیں (1) ساعت (2) قیامت (3) قارعہ (4) حاقہ (5) خافضہ (6) رافعہ (7) طامہ (8) صامہ (9) زلزلہ (10) یوم الغرقہ (11) یوم موعود (12) یوم العرض (13) یوم المفر (14) یوم عسیر۔ یہ نام قرآن مجید میں آئے ہیں ان کے بہت معانی ہیں جن میں سے ہر معنی قیامت میں پائے جاتے ہیں (تفسیر صاوی) یعنی لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں **ایان مرسٰھا** یہ عبارت **عن الساعۃ** کا بدل ہے لہذا اسی حالت میں ہے قوی یہ ہے کہ ایان لفظ جلد

ہے کسی سے بنا نہیں اس کے معنی ہیں کب جیسے این کے معنی ہیں کہاں بعض نحوی کہتے ہیں کہ یہ بنا ہے یا ای آن سے ۔ معنی کونسی گھڑی یا ای اوان سے ۔ معنی کونسا وقت ابن جنی کہتے ہیں کہ یہ **ای** کا فعلان ہے (کبیر معانی وغیرہ) **مرسا** مصدر میمی ہے رسا یرسو اکا جس کا مادہ ہے **رسو** لہذا مرسا ۔ معنی ارساء ہے بھاری چیز کے روکنے ٹھہرنے کو ارساء کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **بسم اللّٰہ مجریھا و مرسابا** اور فرماتا ہے **والجبال ارسابا** یہاں ایان خبر مقدم ہے اور مرسابا مبتداء مؤخر یعنی کب ہے اس کا قائم ہونا اس کا ٹھہرنا (کبیر بیان معانی وغیرہ) **قل انما علمھا عند ربی** یہ ان کے سوال کا جواب ہے علمہا میں ہا ضمیر کا مرجع قیامت ہے باعتبار وقوع لہذا یہاں مضاف پوشیدہ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں یعنی قیامت کا علم تاریخ وقوع کے لحاظ سے صرف اللہ تعالٰی کے پاس ہے کوئی شخص اس کے بغیر بتائے کسی علم و عقل کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتا بعض چیزیں وہ ہیں جنہیں انسان عقل و حساب و علوم کے ذریعہ معلوم کر لیتا ہے لہذا قیام قیامت کا علم اسرار الٰہیہ سے ہے جس کے اظہار کی اجازت نہیں۔ خیال رہے کہ اس فرمان عالی میں بتانے کی نفی ہرگز نہیں جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے **ان الحکم الا للّٰہ** حکم صرف اللہ کا ہے حالانکہ اللہ نے اپنے بعض بندوں کو حاکم بنایا ہے اور فرماتا ہے **انہ ھو السمیع البصیر** صرف اللہ تعالٰی سننے والا دیکھنے والا ہے حالانکہ اس نے اپنے کرم سے اپنے بندوں کو سمیع و بصیر بنایا ہے حق یہ ہی ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں اور علوم غیبیہ دئے وہاں قیامت کا علم بھی دیا۔ دیکھو تفسیر روح البیان اور تفسیر صاوی۔ یہاں انما فرمانا ہمارے علم و فضل و تخمینہ اٹکل کے اعتبار سے ہے یعنی قیامت کا علم صرف اللہ کے پاس ہے اسی سے مل سکتا ہے تمہاری عقل تمہارا حساب قیامت کو نہیں بتا سکتے یہ بات خوب یاد رہے **عند ربی** فرما کر یہ بتایا کہ وہ ہے میرا رب میں اس کا خاص مربوب رب اپنے خاص مربوب سے کوئی چیز نہ چھپا رکھتا ہے نہ اٹھا رکھتا لہذا اس نے **مجھے علم** قیامت دیا تم اس مرتبہ کے مربوب نہیں تمہیں کیسے یہ علم دیا جاوے ہم سورہ فاتحہ میں رب العالمین کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالٰی کی ربوبیت ہر بندے کے لحاظ سے مختلف ہے جس شان کی ربوبیت سے اس نے **محمد رسول اللّٰہ** کو پالا اس شان سے کسی کی پرورش نہیں کی کہ جو کچھ عطا کے لائق تھا وہ سب حضور کو دے دیا۔

جو ہوتی خدائی بھی دینے کے قابل خدا بن کے آتا وہ بندہ خدا کا

جب خدا ہی حضور سے نہیں چھپا تو کیا قیامت خدا سے بڑھ کر ہے جو حضور سے چھپائی جاوے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود!

لا یجلیھا لوقتھا الا ھو اس عبارت میں قیامت کو مخفی رکھنے کے دوام و ہمیشگی کا ذکر ہے گویا یہ فرمان عالی بیان ہے **عند ربی** کا یعنی قیامت آنے تک اسے عام لوگوں سے پوشیدہ رکھا جاوے گا **لا یجلی** بنا ہے **تجلیتہ** سے جس کا مادہ **جلاء** ہے ۔ معنی ظہور اس کا مقابل ہے **خفاء** ۔ معنی پوشیدگی **تجلیتہ** ظاہر کرنا ۔ جلی ظاہر ہونا **لوقتھا** میں لام وقت کے لئے ہے یا ۔ معنی فی ہے جیسے **اقم الصلوۃ لدلوک الشمس** میں بعض کے نزدیک ۔ معنی **عند** ہے یعنی جب قیامت آنے کا وقت آوے گا تو رب تعالٰی ہی اسے قائم فرما دے گا بغیر بتائے بغیر سنائے قیامت آ کر ہی ظاہر ہوگی اس سے پہلے نہیں

ثقلت فی السموت والارض یہ عبارت یا تو نئی ہے جس میں قیامت کی عظمت و ہیبت کا ذکر ہے یا **لا یجلیہا** کا بیان ہے یعنی کفار تو قیامت کا مذاق اڑانے اس کے انکار کرنے میں مشغول ہیں مگر اس کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آسمانوں میں فرشتوں پر زمین میں مومن جن و انس اور تمام جانوروں پر بھاری ہے کہ سب ابھی سے اس کی دہشت سے کانپ رہے ہیں یا مقصد یہ ہے کہ قیامت چھپنے کی وجہ سے سب پر بھاری ہے جس آفت کے آنے کا یقین ہو اس کا وقت نامعلوم ہو وہ بہت بھاری معلوم ہوتی ہے یا یہ مطلب ہے کہ جب قیامت آوے گی تو آسمانوں اور زمین پر بھاری ہو گی کہ تمام چیزیں فنا ہو جاویں گی اور آسمانوں کے ٹکڑے اڑ جاویں گے زمین تبدیل کر دی جاوے گی تارے جھڑ جاویں گے چاند سورج بے نور اور بے قدر ہو جاویں گے اس کا مطالب اور بھی ہو سکتے ہیں (روح المعانی) آسمانوں اور زمین سے مراد یا تو یہاں کے رہنے والے ہیں یا خود وہ ہی **لا تاتیکم الا بغتتہ** "یہ فرمان عالی یا تو گذشتہ فرمانوں کا بیان ہے یا مستقل علیحدہ جملہ ہے جس میں قیامت کی دوسری شان بتائی گئی ہے **کم** میں خطاب کافر قوم سے ہے نہ کہ موجودہ کفار سے نہ مومنوں سے کیونکہ قیامت نہ تو مومنوں پر آئے گی کہ اس وقت مومن سارے وفات پا چکے ہوں گے اور نہ حضور کے زمانہ کے کفار پر کہ ان میں سے کوئی بھی اس وقت نہ ہو گا **بغتتہ** اور **فجاءت** دونوں ہم معنی ہیں ۔ بمعنی اچانک جس کی تمہید یا تیاری نہ ہو یعنی تم کافروں جن و انس پر قیامت اچانک آوے گی جس کی آمد کی کوئی نشانی اس وقت نہ ہو گی اگرچہ اس سے پہلے علامات قیامت بہت ظاہر ہو چکی ہوں گی ۔ خیال میں رہے کہ مقصد یہ ہے کہ اگر میں اس کا وقت بتا دوں تو اچانک نہ رہے گی اور ارادہ الہی یہ ہے کہ اچانک آئے میں ارادہ الہی کے خلاف کیسے کر سکتا ہوں اسی وجہ سے **لا تاتیکم** ارشاد ہوا کہ قیامت کفار کے لئے اچانک ہے حضور انور کے اور خاص خدام کے لئے اچانک نہیں جنہیں اس کا وقت بتایا گیا ہے **یسئلونک کانک حفی عنہا** یہ عبارت کفار کی دوسری حماقت بیان کرنے کے لئے لہٰذا یہ نیا جملہ ہے **یسئلون** کی وہ ہی تحقیق ہے جو ابھی کچھ پہلے عرض کی جا چکی **حفی** بروزن فعلی صفت مشبہ ہے اس کا مصدر حفی یا حفاوۃ ہے ۔ بمعنی بحث کرنا تحقیق کرنا دلائل میں غور کرنا اس میں مبالغہ کرنا اعشیٰ کہتا ہے ۔

فان تسئلوا عنی فیا رب سائل حفی عن الا عشی بہ حیث اصعدا

اسی سے ہے **احفاالشارب** چونکہ حفی میں مبالغہ کے معنی شامل ہیں اس لئے اس کے بعد عن ارشاد ہوا ورنہ علم کے بعد ب آتی ہے نہ کہ عن (روح البیان) **عنہا** کا تعلق حفی سے ہے یعنی آپ سے یہ لوگ قیامت کا وقت ایسے پوچھ رہے جیسے گویا کہ آپ نے اسے خوب تحقیق بحث مباحثہ سے دلائل میں غور کر کے معلوم کر لیا ہے اور یہ بتانے کے قابل ہے کیونکہ جو چیز بحث مباحثہ دلائل سے معلوم کی جاوے وہ ہے شریعت اس کا ظاہر کرنا ضروری ہے بتانا لازم حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ علم قیامت علم لدنی ہے جس کا اغیار سے چھپانا ضروری ہے اس وجہ سے یہاں **حفی** ارشاد ہو علیم نہ فرمایا گیا عنہا فرمایا گیا بہا نہ فرمایا علیم حفی اور عنہا اور بہا کا فرق خیال میں رہے حفی کے دوسرے معنی ہیں مہربان یعنی محبت میں مبالغہ کرنے والا رب فرماتا ہے **انہ کان بی حفیا** وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے اس صورت میں عنہا کا تعلق یسئلونک سے ہے اور حفی کے بعد بہم پوشیدہ یعنی یہ لوگ آپ سے اس قیامت کے متعلق ایسے پوچھ رہے ہیں کہ گویا آپ ان پر بہت ہی مہربان ہیں انہیں بتا ہی دیں گے حالانکہ آپ کا ان سے تعلق ہی کیا ہے کہ وہ اگرچہ آپ کے قرابت دار ہیں مگر روحانی طور پر آپ سے بہت دور ہیں (کبیر، معانی، بیان وغیرہ) یہ دوسری

تفسیر سیدنا عبداللہ ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے (معانی) مجاہد اور ضحاک نے فرمایا کہ حفی ۔ معنی مسرور اور خوش ہے یعنی وہ لوگ یہ بات اس طرح ایسے پوچھتے ہیں کہ گویا آپ اس سوال سے بہت ہی خوش ہیں (معانی) خیال رہے کہ اس آیت میں ایک سوال کو دو دفعہ بیان فرمایا گیا اور دو دفعہ ہی اس کا جواب دیا گیا۔ **قل انما علمها عند ربی** اور دوسرا **قل انما علمها عند اللہ** اس سوال و جواب کی اہمیت ظاہر فرمانے کے لئے بعض علماء نے فرمایا کہ پہلا سوال قیامت کا وقت پوچھنے کے لئے ہے اور یہ دوسرا سوال قیامت کے خاص حالات پوچھنے کے لئے جو قابل بیان نہیں (معانی) **قل انما علمها عند اللہ** یہ فرمان عالی پہلے جواب کی تکرار کے لئے ہے وہاں تھا عند ربی یہاں ہے عند اللہ یعنی ان کے ایک سوال کو مکرر فرمایا اس کا جواب بھی مکرر کیا تاکہ سوال و جواب کی اہمیت کا پتہ لگے یا یہ فرمان ان کے دوسرے سوال کا جواب ہے کہ وہ لوگ آپ سے قیامت کے خفیہ حالات پوچھتے ہیں فرمادو کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے وہاں سے ہی ملے گا یہ علم تبلیغی نہیں تاکہ ہم تم کو علانیہ بتائیں عند اللہ کی وہ ہی تحقیق ہے جو ابھی عند ربی کی تفسیر میں عرض کی گئی **ولکن اکثر الناس لا یعلمون** اس فرمان عالی میں کفار کی دوسری حماقت و جہالت کا ذکر ہے **لا یعلمون** کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی بہت سے قیامت کو نہیں جانتے نہیں مانتے نہیں یا اکثر لوگ یہ نہیں مانتے جانتے کہ اس کا وقت ناقابل بیان ہے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ قیامت کا وقت بتانا نبوت کے لئے لازم ہے جو قیامت کا وقت نہ بتائے وہ نبی ہی نہیں۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب ﷺ کفار آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ وہ کب تک کے لئے ٹھہری ہوئی ہے اس کا ظہور کب ہو گا آپ ان نادانوں کو جواب دے دیں کہ قیامت کے وقت کا علم صرف میرے رب کے قبضہ میں ہے جسے وہ چاہے بذریعہ الہام بتائے کسی بندے کو طاقت نہیں کہ اپنی عقل اپنے علم اپنے حساب دلائل وغیرہ سے معلوم کر سکے یہ اسرار الہیہ میں سے ہے جسے ظاہر نہیں کر سکتا اس کا وقت ہمیشہ صیغہ راز میں رکھا جاوے اسے اللہ تعالیٰ ہی مقررہ وقت پر بغیر لوگوں کو بتائے ظاہر فرمادے گا قیامت اسی وجہ سے آسمان و زمین والوں پر بھاری ہے کہ اس کے وقت کا اعلان نہیں کیا گیا جس ہولناک خبر کا آنا یقینی ہو مگر آنے کا وقت معلوم نہ ہو زیادہ ہیبت ناک ہوتی ہے اے کافرو قیامت صرف تم پر آوے گی اور اچانک آوے گی کہ لوگ اپنے کام کاج میں مشغول ہوں گے کہ قیامت آجاوے گی اگر میں اس کے وقت کا اعلان کر دوں تو وہ نہ تو اتنی بھاری رہے نہ اچانک یہ بات ارادہ الٰہی کے خلاف ہے یہ لوگ آپ سے قیامت کا وقت ایسے پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ نے اس کی بہت تحقیق کر رکھی ہے دلائل میں غور کر کے بحث و تمحیص سے اسے معلوم کیا ہے تاکہ اس کی اشاعت فرمادیں یا وہ لوگ آپ سے ایسے پوچھتے ہیں کہ گویا آپ ان پر بڑے ہی مہربان ہیں انہیں بتا ہی دیں گے آپ فرمادو کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہی بذریعہ وحی لدنی طور پر جسے بتائے تو بتائے اور کوئی اپنی عقل اپنے علم و حساب سے اس کا پتہ نہیں لگا سکتا اکثر لوگ یہ راز جانتے نہیں تو اس کا انکار کر دیتے ہیں کہ کوئی تو قیامت ہی کو نہیں مانتا کوئی اسے اسرار الہیہ میں سے نہیں مانتا کوئی سمجھتا ہے کہ وقت قیامت کا بتانا لازم نبوت سے ہے جو نہ بتائے وہ نبی نہیں یہ سب جہالت کے خیالات ہیں۔

خیال رہے کہ علم قیامت کے متعلق علماء اہل سنت میں اختلاف ہے عام علماء اہل سنت کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو قیامت کے وقت کا علم نہیں دیا گیا وہ حضرات اس جیسی آیات کے ظاہری معنی سے دلیل پکڑتے ہیں مگر محققین علماء اور مشائخ کرام

فرماتے ہیں کہ حضور انور کو یہ علم بھی عطا ہوا ان حضرات کے دلائل بہت قوی ہیں ہم نے علم قیامت کی تحقیق اپنی کتاب جاء الحق حصہ اول میں کردی ہے وہاں مطالعہ فرماؤ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس آیت اور اس جیسی باقی آیات میں ایک لفظ ایسا نہیں جس سے اس علم کی نفی ہو یہاں لا اعلم یا ما اعطیت علمہا نہیں فرمایا گیا بلکہ چار باتیں ارشاد ہوئیں۔(1) قیامت کا علم صرف اللہ کے پاس ہے (2) قیامت کو اس کے وقت پر اللہ تعالیٰ ہی ظاہر فرمائے گا (3) قیامت اپنے مخفی ہونے کی وجہ سے آسمان و زمین میں بھاری ہے (4) قیامت اچانک آوے گی کفار پر ان چاروں باتوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضور کو اس کا علم نہیں دیا گیا بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عوام کو بتانے سے منع فرمایا گیا کہ یہ علم شریعت نہیں جس کی اشاعت کی جاوے وہ لدنی چیز ہے جس کا چھپانا ضروری ہے اگر اسے شائع فرمادیا گیا تو اس کے بھاری ہونے میں کمی ہو جاوے نیز پھر وہ اچانک نہ رہے گی۔

اس کے علم پر بہت دلائل قائم ہیں (1) فرماتے ہیں ﷺ کہ میں اور قیامت ان دو ملی ہوئی انگلیوں کی طرح ہیں (2) حضور انور نے ایک مجلس میں قیامت تک کے واقعات من و عن تفصیل وار بالترتیب بیان فرمادئے لہٰذا جس دن آخری واقعہ ہوگا اسی دن قیامت آوے گی (3) حضور انور نے علامات قیامت اس تفصیل سے بیان فرمادیں کہ آج میں کہہ سکتا ہوں کہ ابھی قیامت نہیں آسکتی کیونکہ ابھی نہ دجال آیا نہ سورج مغرب سے نکلا نہ یاجوج ماجوج ظاہر ہوئے نہ عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے (4) حضور انور نے قیامت کا دن بتادیا کہ جمعہ کے دن قائم ہوگی **نوٹ**:(5) بلکہ مشہور یہ ہے کہ حضور انور نے قیامت کا مہینہ بھی بتا دیا کہ محرم میں آوے گی تاریخ بھی بتادی کہ دسویں تاریخ یعنی عاشورہ کے دن آوے گی واللہ و رسولہ اعلم باقی رہ جاتا ہے سن بتانا اس کے بھی اشارات موجود ہیں۔(6) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** کے مبسوطی عدد جناب مہدی کے ظہور کی تاریخ ہیں اور ظہور امام مہدی سے پانچ سو برس بعد قیامت آوے گی (7) فرمایا ﷺ نے کہ گذشتہ امتوں کے مقابلہ میں میری امت کی مدت اتنی ہے جیسے عصر کے وقت سے غروب آفتاب کی مدت (بخاری مسلم عن ابن عمر)(8) فرماتے ہیں ﷺ کہ انسانی دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے ہم چھٹے ہزارہ میں پیدا ہوئے۔(9) حضرت محی الدین ابن عربی وغیرہم اولیاء اللہ نے اشارات خفیہ سے قیامت کے قیام کی تاریخ بتادی ہے مگر اس کے سمجھنے کے لئے علم باطن درکار ہے یہاں تفسیر روح المعانی نے علم قیامت کے متعلق بہت تفصیلی گفتگو کی ہے۔ فلاسفہ کے اقوال ان کے حسابات لکھے ہیں بہرحال قوی یہ ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ان علوم غیبیہ کی طرح قیامت کا علم بھی عطا فرمایا مگر اس کا اظہار اعلان سے منع فرمایا اس آیتہ میں اسی اعلان سے روکا گیا ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: پوچھ گچھ اور سوال کی حیثیت پوچھنے والے کی نیت سے مختلف ہوتی ہے نیک نیتی سے پوچھنے والا مکمل جواب اور تعریف کا مستحق ہوتا ہے بدنیتی سے پوچھنے والا جھڑکا جاتا ہے یہ فائدہ **یسئلونک** سے حاصل ہوا۔ دیکھو قرآن کریم نے مومنوں کے سوالات بھی نقل فرمائے **ویسئلونک عن المحیض** یا جیسے **ویسئلونک ماذا ینفقون** وغیرہ مگر وہاں تسلی بخش جواب دے دئے گئے یہاں کفار کا سوال نقل فرمایا ان پر عتاب کے لئے اللہ تعالیٰ اچھی نیت نصیب کرے۔ **دوسرا فائدہ**: بے فائدہ سوال سے بچنا چاہئے فائدہ مند سوال ضرور کرنا چاہئے یہ فائدہ **ایان مرساھا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: علم قیامت اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اسے کوئی

محض عقل، علم، حساب سے نہیں جان سکتا یہ فائدہ **انما علمها** کے **انما** فرمانے سے حاصل ہوا کہ انما حصر کے لئے آتا ہے جو کوئی علم قیامت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔ **چوتھا فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے علم قیامت حضور ﷺ کو عطا فرمایا حضور بہ اطلاع الٰہی جانتے ہیں یہ فائدہ **علمها عند ربی** فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ یہاں جواب میں **لا اعلمها** نہیں فرمایا گیا نیز **عند الله یا عند رب العلمین** نہیں ارشاد ہو بلکہ عند ربی ارشاد ہوا دیکھو تفسیر جیسے ارشاد ہوا **وعنده مفاتح الغیب** **پانچواں فائدہ**: قیامت آخر دم تک مخفی ہی رہے گی کبھی اس کے وقت کا اعلان نہ ہو گا یہ فائدہ **وعنده لا یجلیها لوقتها** اور **بغتته** فرمانے سے حاصل ہوا اگر اس کا وقت بتا دیا جاوے تو وہ اچانک کیسے رہے۔ **چھٹا فائدہ**: کسی آفت کا چھپا ہوا ہونا اسے بھاری کر دیتا ہے یہ فائدہ **ثقلت فی السموت** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: قیامت صرف کفار جن وانس پر قائم ہوگی اس وقت روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہو گا یہ فائدہ **لا تاتیکم** میں **کم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ اس میں خطاب کفار سے ہے۔ **آٹھواں فائدہ**: عاقل متقی مومن کے لئے کوئی آفت بغتۃً یعنی اچانک نہیں وہ ہر دم تیار رہتا ہے۔ یہ فائدہ **لا تاتیکم الا بغتته** سے اشارۃً حاصل ہوا کافر غافل اگر دس سال بھی بیمار رہ کر مرے تو اس کی موت اچانک ہے کہ وہ اس دوران میں ہوا اور دوا کے پیچھے رہتا ہے رب کی طرف متوجہ نہیں ہوتا مومن عاقل اگر چہ ہارٹ فیل ہو کر مرے مگر اس کی موت اچانک نہیں کہ وہ ہر دم تیار رہتا ہے۔ **نواں فائدہ**: علم استدلالی اور علم شریعت اشاعت کے لائق ہیں مگر طریقت کے مسائل لدنی علوم قابل اشاعت نہیں ان کا چھپانا نااہل سے محفوظ رکھنا ضروری ہے یہ فائدہ **علمها عند ربی** اور **حفی عنها** سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔ **دسواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ اگر چہ عالمین کا رب ہے مگر اس کی ربوبیت خاصہ صرف حضور انور سے خاص ہے اس لئے رب کی ہر چیز حضور کی اپنی ہے ناممکن ہے کہ کوئی چیز قابل عطا ہو اور حضور کو عطا نہ کی گئی ہو یہ فائدہ رب فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ کو علم قیامت نہیں دیا گیا کیونکہ انما حصر کے لئے ہے اگر حضور کو علم قیامت دیا گیا وہ تو انما کے معنی درست نہ ہوں گے پھر تم لوگ حضور انور کو علم غیب کلی کیسے مانتے ہو۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ آیۃ کریمہ میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے حضور کو علم دیئے جانے کی نفی ثابت ہو **لا اعلم** یا **ما اعطیت** نہیں فرمایا گیا واقعی انما حصر کے لئے ہے مگر یہ حصر پاس ہونے کے لئے ہے یعنی علم قیامت صرف اللہ کے پاس ہے حضور انور کو علم قیامت ہے حضور کے پاس علم قیامت نہیں رب تعالیٰ کے پاس حاصل کیا ہوا ہے۔ اس قسم کے حصر قرآن مجید میں بہت ہیں دیکھو ہماری کتاب جاء الحق۔ آیۃ کا مقصد یہ ہے کہ علم قیامت علوم شرعیہ میں سے نہیں جس کی میں اشاعت کروں بلکہ علوم الٰہیہ میں سے ہے جس کے اظہار کی اجازت نہیں نیز علم قیامت بندوں کے عقل و حساب سے حاصل نہیں ہوتا یہ تو خزانہ الٰہی کا موتی ہے جو صاحب اسرار کو دیا جاتا ہے۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں یہ کیوں ارشاد ہوا کہ قیامت کو اس کے وقت پر رب ہی ظاہر کرے گا ہر کام رب تعالیٰ ہی کرتا ہے قیامت کی کیا خصوصیت ہے۔ **جواب**: اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ قیامت کو آخر دم تک لوگوں پر ظاہر نہیں کیا جاوے گا وہ تو آکر اور قائم ہو کر ہی ظاہر کی جاوے گی یعنی دکھائی جائے گی بتائی نہ جائے گی اس لئے آگے ارشاد ہوا کہ وہ اچانک آوے گی۔ **تیسرا اعتراض**: قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابوں

نے قیامت کی خبر دے دی۔ حضور ﷺ نے علامات سے اسے روز روشن کی طرح ظاہر فرما دیا پھر وہ اچانک کہاں رہی پھر یہ کلام کیونکر درست ہوا کہ **لاتاتیکم الا بغتته**۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ خطاب ان کفار سے ہے جو نہ قیامت کو مانتے ہیں نہ نبی کو نہ ان کی خبروں کو ان کے لیے قیامت واقعی اچانک ہو گی کہ بے خیال بے گمان آجاوے گی۔ دوسرے یہ کہ کتابوں نے قیامت آنے کی خبر دی علامات اس کا قرب ظاہر کریں گی مگر اس کی آمد اچانک ہو گی جب کہ لوگ اس سے بالکل بے خبر ہوں گے حتی کہ کوئی اپنے جانوروں کی کھرلی درست کر رہا ہو گا کوئی تاجر گاہک کو کپڑا دکھا رہا ہو گا کوئی شخص روٹی کھا رہا ہو گا کہ قیامت آجاوے گی یعنی صور پھونکنے لگے گا۔ اس کا قرب ظاہر ہو گا مگر اس کی آمد اچانک۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیتہ کریمہ میں ایک سوال کو دو دفعہ کیوں بیان کیا گیا **یسئلونک عن الساعته** اور دوسرا **یسئلونک عنها** اس تکرار سے کیا فائدہ۔ **جواب:** اس اعتراض کے جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گئے کہ پہلے ان کے سوال کا ذکر ہوا **یسئلونک عن الساعته** پھر ان کے اصرار اور ضد کا ذکر ہوا کہ وہ ایسے یوں ضد کر کے پوچھتے ہیں کہ جیسے آپ انہیں بتا ہی دیں گے یا پہلے ان کے سوال میں قیامت کا ذکر ہوا پھر دوسرے حالات قیامت اسرار قیامت خصوصی رازوں کے پوچھنے کا ذکر ہوا۔ وہ کبھی قیامت کی تاریخ پوچھتے تھے کبھی قیامت کے سربستہ راز یہ تکرار بے فائدہ نہیں ہے اس سوال و جواب کی اہمیت دکھانے کے لئے ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں یہ کیوں فرمایا گیا کہ قیامت آسمانوں اور زمین پر بھاری ہے کفار پہ گنہگار پر نہ کہ آسمان و زمین پر۔ **جواب:** ظاہر یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین سے مراد وہاں کے باشندے ہیں فرشتے جن و انس سب پر ہی بھاری ہے اس دن سب ہی فنا کر دیئے جائیں گے پھر عرصہ کے بعد زندہ ہوں گے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد آسمان و زمین ہی ہوں قیامت کا خوف ان کو بھی ہے کیونکہ اس دن ان سب پر ہی آفت آئے گی کہ آسمان پھٹ جائیں گے زمین توڑ دی جاوے گی۔ زمین و آسمان میں شعور ہے انہیں خوشی و غم رنج و فکر کا احساس سب ہی کو ہے۔ **چھٹا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار مجمع صحابہ میں جبریل علیہ السلام شکل انسان میں آئے چند سوال کئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ **متی الساعته** قیامت کب ہے تو حضور نے جواب میں فرمایا **ما المسؤل عنها باعلم من السائل** یعنی سوال کرنے والے سے مسئول زیادہ نہیں جانتا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور کے علم قیامت نہیں وہ حدیث اس آیتہ کی شرح بتا رہی ہے کہ حضور کو قیامت کا علم نہیں۔ **جواب:** ہم نے اس کا جواب مرآۃ شرح مشکوۃ میں اس حدیث کی شرح میں دیا ہے نیز جاء الحق میں اس کے بہت جوابات دیئے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ حضور انور نے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ لااعلم میں نہیں جانتا بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی جس میں علم کی نفی نہیں بلکہ زیادتی علم کی نفی ہے مطلب یہ ہے کہ اے جبریل قیامت کا علم تم کو بھی ہے مجھ کو بھی مجھے تم سے زیادہ علم نہیں تم مجمع میں یہ سوال کر کے اس سربستہ راز کو ظاہر نہ کراؤ اسی لئے پھر جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ **اخبرنی عن اماراتها** اچھا حضور اس کی نشانیاں ہی بتا دیجئے تب حضور انور نے نشانیاں بتائیں نشانیاں واقف سے ہی پوچھی جاتی ہیں ناواقف سے نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہے پھر اسے ساعت کیوں کہتے ہیں ساعت کے معنی ہیں گھنٹہ یا گھڑی بھر پل بھر کا وقت دیکھو روح المعانی یہ نام درست کیسے ہوا۔ **جواب:** یا اس لئے کہ قیامت پل بھر میں قائم ہو جاوے گی یا اس لئے کہ مومنوں کو وہ دن بہت چھوٹا محسوس ہو گا یا اس لئے کہ تمام عالم کا حساب بہت تھوڑے وقت میں لیا

جاوے گا بہرحال اسے ساعت فرمانا بالکل ہی درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ: قیامت دو طرح کی ہے جسمانی اور روحانی قیامت جسمانی تین ہیں۔ قیامت صغری یعنی چھوٹی قیامت یہ ہر شخص کی اپنی موت ہے فرمایا نبی ﷺ نے جو مرگیا اس کی قیامت تو آگئی دوسری قیامت وسطی یعنی سارے انسانوں کی موت عالم کی فنا یہ صور کے پہلے نفخہ پر ہوگی۔ قیامت کبری یعنی بڑی قیامت سارے مردوں کا اٹھنا اور سزا و جزا کے لئے بارگاہ الٰہی میں پیش ہونا یہ صور کے دوسرے نفخے پر ہوگی۔ یہ تینوں قیامتیں جسم سے متعلق ہیں اور جسمانی کہلاتی ہیں قیامت روحانی کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نفس انسانی فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو جائے **موتوا قبل ان تموتوا** کا مظہر بن جاوے کہ موت سے پہلے مرجائے حالت یہ ہو جاوے کہ۔

تجھ ہی میں ایسا سما جاؤں کہ میں ہی نہ رہوں ‏ ‏ ‏ مجھ میں تو ایسا سما جائے تو ہی تو ہو جائے

جسمانی قیامت میں نیک کاروں کو جنت ملے گی مگر روحانی قیامت میں نیک کاروں کو دنیا ہی میں جنت والا رب مل جاتا ہے وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی جنت میں رہتا ہے خوش نصیب لوگ قیامت کے متعلق زیادہ پوچھ گچھ نہیں کرتے بلکہ قیامت روحانی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اس قیامت کے ایسے منتظر ہوتے ہیں جیسے روزہ دار اذان افطار کا لوگ فنا سے ڈرتے ہیں وہ فناپر مرتے ہیں کفار عرب ان باتوں سے ناآشنا تھے تو وہ بجائے قیامت کی تیاری کرنے کے اس کے متعلق کج بحثی کرتے رہتے تھے

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ
فرماؤ کہ نہیں مالک ہوتا ہوں میں اپنی ذات کے لیے نفع کا اور نہ نقصان کا سوا اس کے جو چاہے اللہ اور اگر ہیں خود
تم فرماؤ میں اپنی جان کے برے بھلے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جان لیا
الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ ۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ
جانتا غیب کو تو زیادہ کر لیتا میں بھلائی اور نہ چھوتی مجھ کو برائی نہیں ہوں میں مگر خوشخبری دینے والا
کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کرلی اور مجھ کو کوئی برائی نہ پہنچتی میں تو یہی ڈر
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾
اور ڈرانے والا واسطے اس قوم کے جو ایمان رکھتی ہو۔
اور خوشی سنانے والا ہوں انہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں حضور ﷺ سے ذاتی علم غیب کی نفی فرمائی گئی تھی اب حضور کی ذات مقدسہ سے ذاتی ملکیت کی نفی فرمائی جارہی ہے کیونکہ یہ دونوں لازم ملزوم ہیں جس کا علم ذاتی ہوگا اس کی ملکیت بھی ذاتی ہوگی اور اس کے برعکس کو علم ذاتی طور پر حاصل نہیں اسے ملکیت ذاتی طور پر کبھی حاصل

نہیں ہو سکتی یہ دونوں چیزیں یعنی ذاتی علم اور ذاتی ملکیت اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں علم قیامت کا ذکر تھا کہ مجھے یا کسی بندے کو بذات خود حاصل نہیں اب مطلقاً علم غیب کا ذکر ہے کہ وہ بغیر تعلیم الٰہی کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا گویا خاص علم غیب کے بعد عام علوم غیبیہ کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضور ﷺ سے صفات الوہیت کی نفی کی گئی تھی اب حضور کے لئے صفات نبوت کا ثبوت کیا جا رہا ہے کہ میں بشیر بھی ہوں نذیر بھی چونکہ نفی ثبوت پر مقدم ہوتی ہے اس لئے یہ مضمون بعد میں بیان ہوا۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں (1) امام کلبی کہتے ہیں کہ کفار مکہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا تھا کہ حضور آپ سچے نبی ہیں تو ہم کو چیزوں کے آنے والے بھاؤ بتادیا کریں کہ فلاں چیز سستی ہوگی فلاں چیز مہنگی تاکہ ہم تجارتوں میں خوب نفع کمالیا کریں نیز ہم کو بتادیا کریں کہ فلاں جگہ قحط پڑے گا فلاں جگہ ارزانی ہوگی تاکہ ہم قحط کے علاقے سے ارزانی کی جگہ منتقل ہو جایا کریں ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی، کبیر، خازن عن ابن عباس) اس صورت میں سورہ اعراف کی دوسری آیات کی طرح یہ آیت بھی مکیہ ہے (2) جب حضور ﷺ غزوہ بنی مصطلق سے واپس ہوئے تو راستے میں آندھی آئی جس سے نمازیوں کے اونٹ گھوڑے بھاگ گئے حضور ﷺ نے خبر دی کہ آج مدینہ منورہ میں رفاعہ مرگیا اس خبر سے لشکر میں شریک منافقین کو بہت صدمہ ہوا پھر فرمایا کہ لوگو ہماری اونٹنی کہاں ہے تلاش کرو اس پر عبداللہ ابن ابی منافق بولا کہ حضور انور کا عجیب حال ہے کہ مدینہ میں مرنے والے کی تو خبر دے رہے ہیں مگر اپنی اونٹنی کی خبر نہیں حضور انور پر اس کی یہ بکواس بھی نہ چھپی فرمایا کہ بعض منافقین ہمارے **علم** پر یہ اعتراض کرتے ہیں اچھا ہم بتاتے ہیں کہ ہماری اونٹنی پہاڑی کی گھاٹی میں ہے اس کی نکیل ایک درخت میں الجھ گئی ہے دیکھا گیا تو ایسا ہی تھا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر و خزائن العرفان) اس صورت میں یہ آیت کریمہ مدنیہ ہے کیونکہ غزوہ بنی مصطلق 5 پانچ ہجری میں ہوا ہے سورہ اعراف مکیہ ہے۔

تفسیر: قل لا املک لنفسی ان جیسی آیات میں **قل** فرما کر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ بات کہنے کا حق کسی کو نہیں ہے نہ تو ہم یہ فرمائیں گے نہ کسی کو کہنے کی اجازت دیں گے اس کلام کے لئے صرف تمہاری زبان ہی ہے کہ آپ تواضع انکسار کے طور پر یہ فرماؤ جیسے **قل انما انا بشر مثلکم** یا جیسے حضرات انبیاء کرام نے فرمایا **ربنا ظلمنا انفسنا** یا **انی کنت من الظالمین** یا **فعلتها اذا وانا من الضالین** وغیرہ اسی لئے قرآن کریم نے خود کہیں نہ فرمایا کہ حضور انور بالکل مجبور ہے بس ہیں نہ یہ فرمایا کہ اے مسلمانو تم یہ کہا کرو بلکہ قرآن نے تو حضور کی سلطنت حضور کے اختیارات خداداد کا جگہ جگہ اعلان فرمایا ہے خود حضور انور نے اپنی سلطنت اپنے اختیارات کا اعلان فرمایا ہے دیکھو اس کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفےٰ در مملکت کبریا میں جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ جس کا اللہ خالق اور اس کے حضور بادشاہ ہیں اور انشاء اللہ ہم خلاصہ تفسیر کچھ یہاں بھی عرض کریں گے۔ **لا املک** میں یا تو ذاتی ملکیت مراد ہے جو بغیر کسی کی عطا کے ہو اور ملکیت و اختیارات کی آیات میں عطائی ملکیت خداداد اختیارات مراد ہیں (تفسیر خازن) یا اللہ تعالیٰ کے مقابل ملکیت مراد ہے کہ رب تعالیٰ مجھے نفع دینا چاہے یا نقصان اور میں اس کا ارادہ ٹال دوں اور اس کے خلاف کروں خدا کا چاہا نہ ہو میرا چاہا ہو جاوے (تفسیر صاوی) یا یہ فرمان محض تواضع اور انکسار کے طور پر ہے جیسے بے گناہ معصوم نبیوں کا فرمان کہ میں گنہگار ہوں میں ظالم ہوں۔ **انی کنت من الظالمین** (تفسیر خازن)

نفسی کے بہت معنی ہیں ذات 'جان 'خون 'سانس وغیرہ یہاں یا بمعنی ذات ہے یا بمعنی جان یعنی میں بذات خود یا رب کے مقابل اپنی ذات یا اپنی جان کے نفع نقصان کا مالک نہیں کہ رب مجھے نقصان دینا چاہے اور میں اس کا ارادہ رد کر کے نفع حاصل کر لوں وغیرہ۔ **نفعا" ولا ضرا"** یہ **لااملک** کا مفعول ہے نفع نقصان سے کیا مراد ہے اس میں بہت قول ہیں (1) اس سے وہ ہی نفع و نقصان مراد ہے جس کا کفار نے مطالبہ کیا تھا چیزوں کے بھاؤ 'ارزانی 'گرانی کی خبر ان مقامات کی خبر جہاں ارزانی گرانی ہے (کبیر)۔ (2) اس سے عام دنیاوی نفع نقصان مراد ہیں کہ فلاں چیز فلاں کام مفید ہے اور فلاں فلاں مضر (کبیر)۔ (3) اس سے دینی نفع نقصان مراد ہیں کہ فلاں شخص کو میری تبلیغ اثر کرے گی اسے تبلیغ کروں فلاں کو اثر نہ کرے گی اسے تبلیغ کر کے پریشان نہ ہوں (کبیر)۔ (4) اس سے آخرت کے اعمال مراد ہیں یعنی میں خود اچھے اعمال کرنے برے اعمال سے بچنے پر قادر نہیں رب کی توفیق سے کرتا ہوں جو کچھ بھی کرتا ہوں (5) بھلائی سے مراد دشمنوں پر غلبہ ہے۔ برائی سے مراد تکالیف 'تنگی اور دشمن پر غالب نہ آنا ہے یعنی میں ان چیزوں کا مالک نہیں ورنہ اے منافقو یا اے کافرو تم سب کو مومن بنا لیتا اور تم کو حالت کفریہ میں دیکھ کر دکھ نہ اٹھاتا (خزائن العرفان)۔ **الاماشاء اللّٰہ** قوی یہ ہے کہ یہ الا استثناء کا ہے اور ماشاء اللہ مستثنیٰ متصل ہے **ضرا و نفعا** سے اور **لااملک** کا مفعول ہے یعنی مگر میں اس نفع نقصان کا مالک ہوں جسے اللہ چاہے اور مجھے مالک بنا دے (تفسیر کبیر) اس جملہ میں **ما** موصولہ ہے اور ماشاء اللہ کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی **الذی شاء اللّٰہ تملیکی ایاہ** ہو سکتا ہے کہ ما مصدریہ ہو یعنی **لابمشیتہ اللّٰہ** بہر حال مطلب یہ ہی ہے کہ اللہ کے چاہنے سے نفع نقصان کا مالک ہوں اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی جیسا کہ آئندہ خلاصہ تفسیر میں عرض کیا جاوے گا انشاء اللہ بعض مفسرین نے الا کو بمعنی لکن کہا بعد میں کان پوشیدہ مان کر اس جملہ کو مستثنیٰ منقطع مانا یعنی اللہ جو چاہے وہ ہوتا ہے مگر پہلی ترکیب قوی ہے کہ دوسری آیات اس کی تائید کرتی ہیں **ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر** اس فرمان عالی میں کفار کے اس مطالبہ کا جواب ہے کہ آپ ہم کو پہلے سے چیزوں کے بھاؤ اس کے اتار چڑھاؤ کی خبر دے دیا کریں اور قحط سالی ارزانی کے مقامات بتا دیا کریں تاکہ ہم اس کا انتظام کر کے خوب نفع کمایا کریں اس فرمان عالی کے چند مقصد ہو سکتے ہیں (1) حضور ﷺ کے علم غیب کو رب کے علم کے سامنے کالعدم قرار دیا گیا گویا ہے ہی نہیں کیونکہ حضور کو اللہ کے چاہے بدلنے پر قدرت نہیں (تفسیر صاوی) جیسے کہا جاتا ہے مصرعہ۔

همه نیست اند آنچه هستی توئی!

الٰہی تو ہی ہے تیرے سوا کوئی نہیں یعنی مولیٰ تیری ہستی کے سامنے سب کالعدم اور نیست ہیں (2) یہاں ذاتی اور حقیقی علم کی نفی ہے مخلوق کی ہر صفت مجازی اور عارضی ہے اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی اور حقیقی ہیں (تفسیر صاوی) (3) یہ کلام انکسار اور تواضع کے طور پر ہے (تفسیر خازن) جیسے بڑے سے بڑا عالم کہے کہ میں تو ایک بے علم ہوں (4) یہ آیت اس وقت کی ہے جب حضور انور کو علم غیب عطا نہیں ہوا لہٰذا یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے **عالم الغیب فلا یظھر علٰی غیبہ احدا**" (تفسیر خازن) ان وجوہ سے آیت کریمہ ان آیات کے خلاف نہیں جن میں حضور کا علم غیب ثابت ہے (تفسیر صاوی و خازن) **لا ستکثرت** بنا ہے استکثار سے بمعنی زیادہ کر لینا بہت جمع کرنا من زائدہ ہے یا بیانیہ ہے یعنی استکثرت کے مفعول کا بیان ہے خیر سے مراد دنیا کی یا دین کی بھلائیاں ہیں اس سے مراد ہے رب تعالیٰ کے ارادہ کے مقابل بھلائی جمع کر لینا کہ رب بھلائی دینا نہ

چاہے اور حضور انور اس کے ارادہ کے خلاف بھلائیاں جمع کرلیں یہ ناممکن ہے یعنی اگر مجھے ذاتی اور حقیقی علم غیب ہوتا تو مجھے ذاتی قدرت بھی ہوتی کہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں اور اس میں اس پر قدرت رکھتا کہ اللہ کے ارادہ کے خلاف خیر جمع کرلیتا یہ تو ہے نہیں لہٰذا مجھے ذاتی علم غیب بھی نہیں (تفسیر صاوی) لہٰذا یہ آیت ان آیت و احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ رب نے حضور انور کو بہت خیر عطا فرمائی جیسے **انا اعطینک الکوثر** یا جیسے **یوت الحکمته وقد اوتی خیرا کثیرا** وغیرہ۔ **وما مسنی السوء** اس جملہ کی دو ترکیبیں ہیں ایک یہ کہ یہ جملہ نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ سوء سے مراد جنون ہے یعنی مجھے جنون نہیں پہنچا دوسرے یہ کہ واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ لا املک پر معطوف ہو کر **قل** کا مفعول ہے یعنی یہ بھی فرما دیں کہ مجھے جنون نے مس بھی نہیں کیا نبی کو جنون سے کیا تعلق وہ تو تمام دنیا کے عاقلوں سے بڑے عاقل ہوتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ معطوف ہو **لاستکثرت** پر اور لو کی جزا ہو یعنی میں اگر غیب جانتا ہوتا تو میں بہت خیر بھی جمع کرلیتا اور مجھے کوئی برائی بھی نہ پہنچتی (خازن و صاوی وغیرہ) لہٰذا یہ آیت ان آیات و احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو دشمنوں کی شر سے بچالیا فرماتا ہے **واللہ یعصمک من الناس** خیال رہے کہ یہاں بھی وہ ہی مراد ہے جو **لا استکثرت من الخیر** میں مراد تھا یعنی اللہ کو چاہی ہوئی مصیبت و برائی سے محفوظ رہتا کہ اس کے ارادے کے خلاف آفات سے بچ جاتا اس صورت میں سوء سے مراد دینی و دنیاوی آفات و تکالیف ہیں **ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یومنون** یہ بھی قل کا مقولہ یہاں حصر اضافی ہے حقیقی نہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں سواء بشیر و نذیر کے اور صفات سے موصوف نہیں حضور نبی بھی ہیں رسول بھی شفیع بھی ہیں رؤف و رحیم بھی مطلب وہ ہی ہے جو ہم نے عرض کیا کہ میں نہ خدا ہوں نہ خدا سے بے نیاز نہ اس کا مقابل میں اسکا بندہ ہوں نذیر ہوں بشیر ہوں چونکہ نذارت پہلے ہے بشارت بعد میں نیز نذارت سب کے لئے ہے بشارت صرف **مطیعون** کے لئے ان وجوہ سے نذیر کو بشیر سے پہلے بیان کیا چونکہ حضور کی نذارت و بشارت سے فائدہ صرف مومن اٹھاتے ہیں اس لئے **لقوم یومنون** ارشاد ہوا لہٰذا یہ آیۃ کریمہ اس آیت کے خلاف نہیں **لیکون للعالمین نذیرا** حضور انور سارے جہانوں کے نذیر ہیں فرماتا ہے **کافته للناس بشیرا و نذیرا** حضور سارے انسانوں کے لئے بشیر و نذیر ہیں۔ خیال رہے کہ سارے نبی بشیر و نذیر ہوئے مگر ان حضرات کی بشارتیں نذارتیں سن کر تھیں حضور کی بشارت و نذارت دیکھ کر ہے اور دائمی ہے لہٰذا نذیر و بشیر کی تنوین تعظیم کے لئے ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ کفار جو آپ سے مطالبے کرتے ہیں کہ ہم کو آئندہ کے بھاؤ بتادیا کریں اور گرانی و ارزانی کی جگہ بتاتے رہیں تاکہ ان خبروں سے فائدے اٹھا کر مالدار ہو جائیں ان کے اس مطالبے کا مقصد تو یہ ہے کہ آپ انہیں اللہ تعالیٰ کے ارادے کے خلاف امیر بنادیں اللہ کے چھپے اسرار کو ظاہر کردیں یہ تو خدا کا مقابلہ ہوا نہ کہ اس کی رسالت و پیغام رسانی اس لئے آپ ان کے جواب میں فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مقابل تو میں اپنی ذات کے نفع و نقصان کا مالک بھی نہیں کہ رب مجھے نقصان دینا چاہے اور میں اس کے مقابل نفع حاصل کرلوں یا رب مجھے فائدہ دینا چاہے اور میں اس کے خلاف نقصان کر لوں میں تو اسی قدر کا مالک و مختار ہوں جس قدر رب چاہے میری مملکت و اختیار اسی قدر پر ہے اگر میں رب کے مقابل علم غیب رکھتا ہوتا تو میں اس کے ارادے کے خلاف دنیا و دین کی خیر جمع کرلیتا اور مجھے خدا کی بھیجی ہوئی مصیبت بھی نہ پہنچتی مگر ایسا نہ ہے

نہ ہو سکتا ہے میں نعوذ باللہ رب تعالیٰ کا مقابل نہیں بلکہ اس کی طرف سے نبی رسول ہوں نبی و رسول کا کام بشارتیں اور ڈر پہنچا دینا ہے تم لوگ مجھ سے نبوت کے فیض اور رب تعالیٰ سے مقابلہ کرنے کی باتیں نہ کرو۔

سلطنت مصطفیٰ در مملکت الہیہ

ہر چیز کا مالک حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کی عطا کے بغیر کوئی ایک ذرہ کا ایک قطرہ کا مالک نہیں پھر اس کریم نے اپنے فضل و کرم سے اپنے بعض بندوں کو اپنی چیزوں کا مالک بنایا ہے بندوں کی یہ ملکیت عطائی 'عارضی' مجازی ہے رب تعالیٰ کی ملکیت ذاتی' دائمی 'حقیقی ہے اس عطا ملک کا ذکر قرآن مجید ہوا و راحادیث صحیحہ میں ہے ملاحظہ ہوں آیات قرآنیہ۔

1 قل اللھم ملک الملک توتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء — کہو اے اللہ اے ملک کے مالک تو جسے چاہے اپنا ملک دے اور جس سے چاہے ملک چھین لے

2 واتینھم ملکا" عظیما — ہم نے اولاد ابراہیم کو بہت بڑا ملک دیا

3 وسخرنا لہ الریح تجری بامرہ — ہم نے سلیمان کے زیر فرمان ہوا کو کر دیا جو ان کے حکم سے چلتی تھی

4 انا مکنا لہ فی الارض واتیناہ من کل شئی سببا — بے شک ہم نے ذوالقرنین کو زمین میں قابو دیا اور ہر چیز کا ایک سامان عطا فرمایا

5 واوتیت من کل شی و لھا عرش عظیم — ملکہ بلقیس کو ہر چیز میں سے ملا ہے اور اس کا بڑا تخت ہے

6 ان الارض یرثھا عبادی الصالحون — اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے

7 ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ — ہم نے حضرت سلیمان کے تابع ایسے جن کر دیئے جو ان کے سامنے ان کے رب کے حکم سے کام کرتے تھے

8 واتاہ اللہ الملک والحکمتہ — اللہ نے داؤد کو ملک بھی دیا اور علم بھی

ان جیسی بہت سی آیات میں رب تعالیٰ کی عطا سے اس کے بندوں کا مالک ہونا ثابت ہے اب حضور ﷺ کے باذن الٰہی ملکیت عامہ کا ذکر سنیے

1 انا اعطینک الکوثر — ہم نے آپ کو کوثر یعنی عالم کثرت عطا فرما دیا (بخاری شریف)

2 ووجدک عائلا فاغنی — ہم نے آپکو بڑی عیال والا پایا تو غنی کر دیا (بخاری شریف)

3 اغنھم اللہ ورسولہ من فضلہ — اللہ رسول نے انہیں اپنے فضل و کرم سے غنی کر دیا

4 **ولوانهم رضوا بما اتٰهم اللّٰہ ورسولہ** اگر وہ لوگ اللہ رسول کے دیئے سے راضی ہوتے

خود حضور ﷺ اپنے متعلق اپنے رب کی عطا کا کر فرماتے ہیں۔

1 **اوتیت مفاتیح خزائن الارض** مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں

2 **لوشئت لسارت معی جبال الذھب** اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں۔

3 **انی اسئلک مرافقتک فی الجنہ** یارسول اللہ میں آپ سے جنت میں آپ کی ہمراہی مانگتا ہوں (مسلم)

اس کی مفصل اور مدلل بحث ہماری کتاب سلطنت در مملکت کبریا میں ملاحظہ کرو۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کوئی بندہ بذات خود کسی چیز کا مالک و مختار نہیں جسے جو ملکیت و اختیار ملے گا وہ رب تعالیٰ کی عطا سے ملے گا یہ فائدہ لا املک لنفسی کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا جب بندے کی اپنی ہستی بھی ذاتی نہیں تو اس کی کوئی صفت ذاتی کیسے ہو سکتی ہے صفات تو مبنی ہیں ذات پر۔ **دوسرا فائدہ:** کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مقابل کچھ نہیں کر سکتا جو کوئی کچھ بھی کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ارادے کے ماتحت کرتا ہے بلکہ بندے کا ارادہ رب تعالیٰ کے ارادے کے ماتحت ہے رب فرماتا ہے **وما تشاؤن الا ان یشاء اللّٰہ** یہ فائدہ **لا املک** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** حضور ﷺ اپنے رب کی عطا سے اس کی دین نفع و نقصان کے مالک ہیں جس کو جو چاہیں باذن پروردگار بخش دیں اور جس کو اپنی نظر سے گرا دیں وہ کبھی اٹھ نہ سکے یہ فائدہ **الا ما شاء اللّٰہ** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر لا نے لا املک کی نفی توڑ دی اس کی بہت قوی دلیلیں موجود ہیں دیکھو ہماری کتاب سلطنت مصطفےٰ۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو مخلوق کے نفع و نقصان کا مالک بنا دیا اور حضور اللہ کی تملیک سے مالک ہو چکے تاقیامت حضور سے لوگوں کو نفع حاصل ہو رہے ہیں یہ فائدہ **الا ما شاء اللّٰہ** میں شاء کے ماضی فرمانے سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے بغیر بتائے کوئی شخص ایک ذرہ ایک پتے کا علم نہیں رکھتا جو شخص جو جانتا ہے اس کی تعلیم سے جانتا ہے یہ فائدہ **ولو کنت اعلم الغیب** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** علم غیب ذاتی کے لئے قدرت ذاتی لازم ہے کیونکہ جس کی ایک صفت ذاتی ہو گی اس کی تمام صفات ذاتی ہوں گی اور ذاتی علم ذاتی قدرت الوہیت کی صفات سے ہیں یہ فائدہ **ولو کنت اعلم میں لاستکثرت من الخیر** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** نبی پر دیوانگی جنون کبھی طاری نہیں ہو سکتے۔ یہ فائدہ **وما مسنی السوء** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر ہاں ان کو نیند اور کبھی غشی طاری ہو سکتی ہے رب فرماتا ہے **وخر موسیٰ صعقا** **آٹھواں فائدہ:** حضور ﷺ تمام عالم کے نبی سب کے لئے بشیر بھی ہیں نذیر بھی یہ فائدہ بشیر و نذیر کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** اگرچہ سارے نبی بشیر و نذیر ہیں کہ حضور نے جنت دوزخ بلکہ خود رب تعالیٰ کو دیکھ کر بشارتیں دیں اور ڈرایا یہ فائدہ نذیر و بشیر کی تنوین سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** اگرچہ حضور انور سارے انسانوں بلکہ سارے جہانوں کے بشیر و نذیر ہیں مگر آپ کی بشارت و نذارت سے فائدہ صرف مومنین ہی اٹھاتے ہیں یہ

فائدہ **لقوم یومنون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اپنی ذات کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے تو دوسروں کو کیا پہنچائیں گے۔ پھر ان سے امید و خوف رکھنا ان سے مانگنا ان کے دروازے پر سائل بن کر جانا نرا شرک ہے اللہ کے سوا نہ کسی سے مانگو نہ کسی سے آس امید رکھو (وہابی)۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ رعایا حاکم سے ڈرتی ہے حتی کہ موسی علیہ السلام نے فرعون سے خوف کیا **ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ران یطغی** غریب لوگ امیر و سخی سے امید رکھتے ہیں تم لوگ امیروں کے دروازوں پر چندہ کی امید لے کر جاتے ہو رب فرماتا ہے **واما السائل فلا تنہر** حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا **ابری الاکمہ والابرص واحی الموتی باذن اللہ** میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھوں کو اچھا کر سکتا ہوں اور مردے زندہ کرتا ہوں حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا **اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا** میری یہ قمیص لے جاؤ میرے والد کے چہرے پر ڈال دو انکھیارے ہو جائیں گے یہ ہے نفع رب نے ایوب علیہ السلام سے فرمایا **ارکض برجلک ھذا مغتسل بارد و شراب** اپنا پاؤں زمین پر رگڑو اس سے پانی کے چشمے پیدا ہوں گے ان سے غسل کرو شفا ہوگی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے پاؤں کا دھوون بھی شفا ہوتا ہے ان کی قمیص دافع بلا ہے یہ حضرات ان کے تبرکات نفع دیتے ہیں موسی علیہ السلام سامری پر ناراض ہوئے تو اس سے فرمایا **فاذھب فان لک فی الحیوۃ ان تقول لا مساس** جاتو اپنی زندگی بھر کہتا پھرے گا کہ مجھے نہ چھونا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آخری عمر میں سامری کا یہ حال ہو گیا کہ جو اس سے چھو جاوے تو وہ بھی بیمار ہو جاوے اور سامری بھی معلوم ہوا کہ یہ حضرات نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں تمہارا یہ قول ان تمام آیات کے خلاف ہے۔ **جواب**: تحقیقی یہ ہے کہ ان جیسی آیات میں حقیقی ذاتی ملکیت کی نفی ہے یا رب تعالی کی مرضی کے خلاف اس کے مقابل نفع نقصان کی ملکیت کی نفی ہے اور ہماری پیش کردہ آیات میں مجازی عطائی ملکیت کا ثبوت لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا الاماشاء اللہ سوا اس کے جو اللہ چاہے یعنی اللہ کے چاہے سے ہی نفع نقصان کا مالک ہوں تمہارے اعتراض کا جواب خود اس آیت میں موجود ہے۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو مطلقاً غیب نہیں آپ نے بالکل خیر بھی جمع نہیں کی جب ان کے اپنے پاس خیر نہیں تو تم کو خیر کیا دیں گے (وہابی)۔ **جواب**: اس سوال کے تین جواب ہیں دو الزامی ایک تحقیقی۔ پہلا الزامی جواب یہ ہے کہ تم بھی علوم غیبیہ حضور انور کے لئے مانتے ہو بلکہ کہتے کہ حضور ﷺ ساری خلقت سے زیادہ علم والے ہیں یہ آیت علم غیب کی بالکل نفی کر رہی ہے یہ آیت تمہارے بھی خلاف ہے جو تم جواب دو گے وہی ہمارا جواب ہے دوسرا الزامی جواب یہ ہے کہ حضور کو رب نے بہت خیر دی بلکہ حضور نے مخلوق کو بہت خیر عطا فرمائی رب فرماتا ہے **ویعلمھم الکتاب والحکمۃ** ہمارے نبی لوگوں کو علم و حکمت سکھاتے ہیں دوسری جگہ فرماتا ہے **ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا** جسے حکمت دی گئی اسے بہت خیر دی گئی ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضور بہت خیر دیتے ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ان جیسی ساری آیات میں علم غیب حقیقی ذاتی کی نفی ہے جس سے قدرت ذاتی لازم ہے اور ثبوت علم غیب کی آیات ہیں علم غیب عطائی کا ثبوت ہے دیکھو ابھی کی ہوئی ہماری تفسیر علم غیب کی نفیس تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو اور ملکیت کے

متعلق ہماری کتاب سلطنت مصطفےٰ کامطالعہ کرو۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ آپ صرف نذیر و بشیر ہیں یعنی آپ میں سواء ان دو صفتوں کے اور کوئی صفت نہیں پھر تم حضور کو شفیع المذنبین دافع بلا صاحب عطا کیوں مانتے ہو۔ **جواب**: اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو حضور کو نہ نبی مانو نہ رسول نہ رحمت عالمین حالانکہ یہ صفات قرآن سے ثابت ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا **القوم یومنون** جس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صرف مومنوں کے لئے بشیر و نذیر ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **للعلمین نذیرا** اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صرف جہانوں کے نذیر ہیں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ حضور کی عطا تو عالمین کے لئے ہے مگر عطا سے فائدہ اٹھانا اسے لینا صرف مومنوں کو میسر ہے یہاں مومنوں کے لینے کا ذکر ہے اس آیت میں حضور کی عطا کا تذکرہ ہے سورج سب کو نور دیتا ہے مگر چمگادڑ کی آنکھ نہیں لیتی اس سے سورج کے فیض میں کمی نہیں آتی۔

تفسیر صوفیانہ: حضور ﷺ اللہ کے بندے بھی ہیں اس کے رسول بھی اس کے حبیب بھی۔ قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں ان مختلف صفات کا اظہار ہے۔ اس آیت میں حضور کی عبدیت کا ذکر ہے عبد یعنی بندہ نہ تو اپنا مالک ہوتا ہے نہ اپنے مال کا نہ اپنے نفع نقصان کا سب کچھ اس کے مولی کا ہوتا ہے۔ وہ فنافی المولی ہوتا ہے جو مولی کھلاتا ہے بندہ وہ کھاتا ہے جو وہ پہناتا ہے یہ وہ ہی پہنتا ہے جب وہ سلاتا ہے تب سوتا ہے یہاں ارشاد ہوا کہ آپ فرمادو کہ میں الا اللہ کا عبد اس کا بندہ اس میں فنا ہوں نہ اپنے نفس کا مالک ہوں نہ اس کے نفع نقصان کا جو وہ چاہتا ہے وہی کرتا ہوں میری مرضی اس کی رضا میں گم ہے ایک عارف کہتا ہے۔

وخصک بالهدی فی کل امر فلست تشاء الا ما یشاء
ارید وصاله ویرید هجری ترکت ما اشاء لما یشاء

میرا علم اس کریم کے حضور فنا ہے میں تو اس کے سامنے اپنے کو بھی نہیں جانتا۔ شان نبوت کا ظہور یہ ہے کہ حضور احکام شرعیہ کے مالک کردئے گئے ہیں آپ کے ہاں سے چیزیں حلال بلکہ فرض ہو جاتی ہیں آپ کی نہ سے چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ رب فرماتا ہے **یحل لهم الطیبات و یحرم علیهم الخبائث** فرماتا ہے **ترجی من تشاء و تؤی الیک من تشاء** حضرت ابو خزیمہ کی گواہی دو کے برابر کردی ایک صاحب کو ان کا کفارہ انہیں کو کھلادیا یہ ہے حضور کی شان نبوت شان محبوبیت یہ ہے کہ حضور اللہ کی ہر چیز کے بہ عطاء رب مالک ہیں تکوین میں حضور کا ہاتھ ہے حضرت ربیعہ کو جنت بخش دی۔ حضرت عثمان کے ہاتھ حوض کوثر فروخت کر دیا چاند چیر دیا چھپا سورج پھیر لیا۔ کھاری کنوئیں میٹھے کر دیئے دکھتی آنکھ کلو کھو دور کر دیا ٹوٹی ہڈی جوڑ دی وغیرہ۔ یہ ہے شان محبوبیت یہ سب یار کے جلوے ہیں۔

شریک اور حبیب میں کئی طرح فرق

خیال رہے کہ حضور ﷺ اللہ کے شریک نہیں اس کے حبیب ہیں انہیں اللہ کا شریک کہنے میں ہمارا نقصان ہے حضور کی توہین شریک و حبیب میں چند طرح فرق ہے (۱) شریک کبھی ساری چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ ورنہ وہ شریک نہیں مگر حبیب اپنے

محب کے سارے مال کامالک ہوتا ہے۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب — یعنی محبوب و محب میں نہیں تیرا میرا!!

خالق کل نے آپ کو مالک کل بنا دیا! — دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں!

(2) شریک شرکت کی چیز میں خود مختار نہیں ہوتابغیر ساتھی کے مشورہ کچھ نہیں کرتا مگر حبیب اپنے محب کی چیز میں خود مختار ہوتا ہے حضور باذن الٰہی عرش و فرش پر ماسوی اللہ کے مالک و مختار ہیں۔

کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے — سرکار بنایا تمہیں مختار بنایا!

حضور نے چاند توڑا تو رب نے یہ نہ فرمایا کہ ہم نے تم کو احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجا ہے نہ اس لئے کہ آپ میری چیزیں توڑیں پھوڑیں سورج واپس کیا تو یہ نہ فرمایا کہ تم کو اس لئے نہیں بھیجا کہ میرا انظام عالم بدل دو۔ رات کو دن اور دن کو رات بناؤ یہ ہے محبوبیت (3) شریک کبھی کسی کام میں ضد نہیں کر سکتا اگر ضد کرے گا تو ساتھی کہے گا کہ اپنا حصہ الگ کرلو مگر حبیب اپنے محب پر ضد کر سکتا ہے ضد کرکے اس سے جو چاہے لے سکتا ہے حضور حبیب ہیں ضد فرمائیں کہ حاجی کے سارے گناہ معاف ہو جاویں۔ فرمایا کہ حقوق اللہ معاف کردیں گے مزدلفہ میں آکر ضد کی کہ مولی حقوق عبد بھی معاف کردے وہ معاف کرالئے یہ ہے محبوبیت۔

دل ایسے پیارے پر صدقے جاں ایسی ضدوں پر ہو قربان

ضد کر کے اپنی امت کو بخشا لیا رحمت والے نے

(4) شرکت ختم ہو سکتی ہے محبت ختم نہیں ہو سکتی ہمارا لخت جگر اکلوتا بیٹا کبھی ہماری محبت سے نہیں نکل سکتا حضور دونوں جہان میں اللہ کی چیزوں کے مالک ہیں حضور کو اللہ کا شریک نہ کہو نقصان میں رہو گے کہ اسلام سے نکل کر مشرک بن جاؤ گے۔ اس میں حضور کی توہین ہو گی کہ حضور کو آدھے مالک ماننا پڑے گا وہ تو خدا کے حبیب ہیں ساری خدائی کے مالک ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ لاالملک لنفسی میں لام نفع کا ہے یعنی میں کونین اور اس کے نفع کا مالک اپنے لئے نہیں بلکہ اے بندو تمہارے لئے مالک ہوں۔

کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر — کونین کی خاطر تمہیں سرکار بنایا!

دیون کارن داتا بنا منگن لئی سوالی — ایسے داتا کی اس چوکھٹ سے کوئی نہ جائے خالی

کریم کے مال میں فقیروں کا حصہ ہوتا ہے۔

ہاتھ اٹھا کر ایک ٹکڑہ اے کریم! — ہیں سخی کے مال میں حقدار ہم

جود و سخا بر گدائے بے نوا

فقیر گنہگار احمد یار عرض کرتا ہے کہ میں نے یہ سطور اور اس آیۃ کی تفسیر مدینہ منورہ سے واپس آکر لکھی اس بار یعنی 1390ء میں حضور انور نے مجھے مدینہ منورہ میں ساڑھے چار ماہ رکھا اس دوران میں مجھ پر عجیب کرم فرمائیاں ہوئیں جن میں سے

چند عرض کی جاتی ہیں (1) میں مدینہ منورہ میں پھسل کر گر گیا اپنے ہاتھ کی کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی درد زیادہ ہوا تو میں نے اسے بوسہ دے کر کہا اے مدینہ کے درد تری جگہ میرے دل میں ہے تو تو مجھے یار کے دروازے سے ملا ہے۔

تِرا درد میرا درماں ترا غم میری خوشی ہے مجھے درد دینے والے تری بندہ پروری ہے

درد تو اسی وقت سے غائب ہو گیا مگر ہاتھ کام نہیں کرتا تھا سترہ دن کے بعد مستشفیٰ ملک یعنی شاہی ہسپتال میں ایکسرے لیا تو ہڈی کے دو ٹکڑے آئے جن میں قدرے فاصلہ ہے مگر ہم نے علاج نہیں کرایا پھر آہستہ آہستہ ہاتھ کام بھی کرنے لگا مدینہ منورہ کے اس ہسپتال کے ڈاکٹر محمد اسماعیل نے کہا کہ یہ خاص معجزہ ہوا ہے کہ یہ ہاتھ طبی لحاظ سے حرکت بھی نہیں کر سکتا وہ ایکسرے میرے پاس ہے ہڈی اب تک ٹوٹی ہوئی ہے اس ٹوٹے ہاتھ سے تفسیر لکھ رہا ہوں میں نے اپنے اس ٹوٹے ہوئے ہاتھ کا علاج صرف یہ کیا کہ آستانہ عالیہ پر کھڑے ہو کر عرض کیا کہ حضور میرا ہاتھ ٹوٹ گیا ہے اے عبداللہ ابن عتیک کی ٹوٹی پنڈلی جوڑنے والے اے معاذ ابن عفراء کا ٹوٹا بازو جوڑ دینے والے میرا ٹوٹا ہاتھ بھی جوڑ دو (2) یہ گنہگار تین مہینہ مدینہ منورہ میں حاضری دے چکا۔ حج کا موقع آیا پتہ لگا کہ حکومت کا قانون یہ ہے کہ جو حاجی مدینہ منورہ کی زیارت کر چکے وہ دوبارہ بعد حج مدینہ منورہ حاضر نہیں ہو سکیں گے میں نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں نے یہ سنا ہے لہٰذا میں حج کو جاتا ہی نہیں۔

کعبہ کو جانے والے کعبہ کو جائیں گے ہم یار کی گلی میں ہی کعبہ بنائیں گے
کعبہ والوں نے کعبہ جانا! اپنا کعبہ کو چہ جاناں!

دل میں القاء ہوا کہ حج کو جاؤ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس شرط پر جاؤں گا کہ بدھ کے دن عشاء کی نماز مدینہ منورہ میں پڑھوں چنانچہ جمعہ کو بعد نماز عصر روانہ ہوا اتوار کو حج ہوا بدھ کے دن رمی کے بعد مکہ معظمہ سے چلا اور نماز عشاء مدینہ پاک میں پڑھی راستہ میں چار چوکیاں پڑیں جو تفتیش کرتی تھیں رب کی شان کہ میں ان کو نظر ہی نہ آیا میری کار میں اور سواریوں کی تفتیش ہوئی میری نہ ہوئی یہ ہے کرم نوازی (3) ایک دن بعد نماز فجر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے قلم پارکر 51 اکیاون ہزار پسند آیا ہے حضور مجھے وہ قلم عطا ہو اسی دن بعد نماز مغرب ابو ہاشم رضا صاحب نے مجھے پارکر (51) پیش کیا بولے میں نے آپ کے لئے خریدا ہے یوں ہی میں نے جو کچھ حضور انور سے مانگا وہ ہی عطا فرمایا اب میں تفسیر اس عطیہ سرکاری قلم سے لکھ رہا ہوں بہت کرم نوازیاں ہوئیں۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ۔

اتنی نوازشیں بھول گئے گزارشیں سجدہ ہی کر کے رہ گئے در گہ بے نیاز میں

رب تعالیٰ ان کے آستانہ کا بھکاری رکھے

ندامت ساتھ لے کر سامنے اے عاصیو جاؤ سنا ہے شرمساروں کو وہ شرمایا نہیں کرتے
جو ان کے دامن اقدس سے وابستہ ہیں اے حامد کسی کے سامنے وہ ہاتھ پھیلایا نہیں کرتے

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّجَعَلَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا لِیَسۡکُنَ

وہ وہ ہے کہ پیدا کیا تم کو اس نے ایک ذات سے اور بنایا اس سے بیوی کو اس کی تاکہ سکون پائے

وہی جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا کہ اس سے چین پائے

اِلَیۡہَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰہَا حَمَلَتۡ حَمۡلًا خَفِیۡفًا فَمَرَّتۡ بِہٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ دَّعَوَا

طرف اسکے پھر جب ڈھانپا اسکی بیوی کو تو اٹھایا اس نے بوجھ ہلکا بس گزری وہ ساتھ اس حمل کے پھر جب

پھر جب مرد اس پر چھایا اسے ایک ہلکا سا پیٹ رہ گیا تو اسے لئے پھرا کی پھر جب بوجھل پڑی دونوں

اللّٰہَ رَبَّہُمَا لَئِنۡ اٰتَیۡتَنَا صَالِحًا لَّنَکُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰہُمَا

بھاری ہوئی تو دعا کی ان دونوں نے رب سے اپنے البتہ اگر دے تو ہم کو نیک بچہ تو البتہ ضرور ہوں گے ہم

نے اپنے رب سے دعا کی ضرور اگر تو ہمیں جیسا چاہیئے بچہ دے گا تو بیشک ہم شکر گزار ہوں گے۔ پھر جب اس نے

صَالِحًا جَعَلَا لَہٗ شُرَکَآءَ فِیۡمَاۤ اٰتٰہُمَا ۚ فَتَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۱۹۰﴾

شکر گزاروں سے پس جب دیا رب نے ان دونوں کو نیک بچہ تو بنا لئے ان دونوں نے بہت شریک اس میں جو دیا ان دونوں کو پس بلند و برتر ہے اس

انہیں جیسا چاہیئے بچہ عطا فرمایا انہوں نے اس کی عطا میں اس کے ساجھی ٹھہرائے تو اللہ کو برتری ہے ان کے شرک سے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں شرک فی الصفات کی تردید پر زور کی گئی تھی کہ کسی کو مالک ذاتی 'عالم الغیب ذاتی نہ مانو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اب شرک فی النسبتہ کی تردید ہے کہ اپنے اور اپنے بچوں کے نام شرکیہ نہ رکھو کہ انہیں عبدالعزیٰ یا عبد۔ غوث یا عبدالمارث نام نہ رکھو گویا ایک قسم کے شرک کی تردید کے بعد دوسرے قسم کے شرک کی تردید فرمائی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ کوئی شخص بذات خود اپنے نفع نقصان کا بھی مالک نہیں اب اس کی قوی دلیل ارشاد ہو رہی ہے کہ ہم تمہارے خالق و مالک ہیں تم اور تمہاری صفات ہمارے قبضہ میں ہیں پھر تم کسی چیز کے ذاتی طور پر مالک کیسے ہو گئے گویا ایک چیز کا دعوی پہلے کیا گیا تھا اس کی دلیل اب بیان ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ حضور ﷺ سے مومن لوگ بشارت و نذارت حاصل کرتے ہیں اب ایک گذشتہ واقعہ بیان فرما کر اسے ثابت کیا جا رہا ہے کہ نبی سے فیض صرف مومن لیتے ہیں کوئی شخص اپنے پر اعتماد نہ کرے شیطان نے بڑے بڑوں کی راہ ماردی ہے۔

تفسیر: **هوالذی** اس عبارت میں **هو** مبتداء اور **الذی** اس کی خبر دونوں کے معنی ہیں وہ مگر **هو** سے ذات الٰہی مراد ہے اور الذی سے صفات الٰہی شان الٰہی یعنی وہ اللہ وہ شان والا ہے وہ قدرت والا ہے۔ خیال رہے کہ عالم کی خبریں خود ہم اور ہماری پیدائش اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی شان کی دلیل ہیں اس لئے ارشاد ہوا **هوالذی** یعنی ہماری شان ہماری قدرت دیکھنا ہے تو اپنی پیدائش میں غور کرو ہمارا پتہ لگاؤ تم اور تمہاری پیدائش ہماری دلائل قدرت ہیں۔ **وفی انفسکم افلا تبصرون** تم خود

اپنے میں تلاش کریں گے دلائل قدرت پائیں گے **خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منھا زوجھا لیسکن الیھا** یہ عبارت الذی کا صلہ ہے اس میں گفتگو ہے کہ **خلقکم** میں کس سے خطاب ہے اور نفس واحدہ یعنی ایک جان سے کون مراد ہے اور زوجھا سے کون مراد (1) جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں خطاب سارے انسانوں سے ہے اور نفس واحدہ سے مراد ہے حضرت آدم علیہ السلام اور زوج سے مراد ان کی بیوی حضرت حوا ہیں اور معنی یہ ہیں کہ اے انسانو اللہ نے تم سب کو ایک ذات جناب آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا اور خود ان سے ان کی بیوی حوا کو بنایا اس طرح کہ ان کی بائیں پسلی سے حضرت حوا کو بنایا تاکہ آدم علیہ السلام تنہائی کی وحشت سے گھبرائیں نہیں کیونکہ ہر جنس اپنے ہم جنس سے میلان رکھتی ہے۔ (2) بعض مفسرین نے فرمایا کہ **خلقکم** میں خطاب قریش سے ہے اور نفس واحد یعنی ایک جان سے مراد ہے قصی ابن کلاب جو قریش کا مورث اعلیٰ ہے اور زوجھا سے مراد قصی کی بیوی ہے اس سے بنانے کے معنی ہیں اس کی جنس سے بنائی یعنی ان کے نکاح میں ان کی بیوی دی۔ رب فرماتا ہے **جعل لکم من انفسکم ازواجا**" وہ آیت اس کی تفسیر ہے۔ (تفسیر بیضاوی' خازن' مدارک' کبیر وغیرہ) (3) حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ خلقکم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے اور نفس واحدہ سے مراد ہر شخص کا اپنا باپ ہے اور زوجھا سے مراد ہر باپ کی اپنی بیوی ہے (تفسیر کبیر' خازن خزائن العرفان) خیال رہے کہ نفس مونث ہے مگر یہاں اس سے مراد مذکر ہے اس لئے جعل منھا میں ھا ضمیر مونث لائی گئی اور لیسکن میں صیغہ مذکر ارشاد ہوا منھا میں لفظ نفس مراد ہے اور لیسکن میں اس کے معنی کی طرف اشارہ ہے یوں ہی زوج سے مراد بیوی ہے لہٰذا اس کے لئے ضمیر مونث لائی گئی **الیھا** ہماری یہ تحقیق خوب خیال میں رہے چونکہ خاوند کو سکون اپنی بیوی سے ہوتا ہے اس لئے **لیسکن الیھا** فرمانا بالکل مناسب ہے **فلما تغشاھا حملت حملا خفیفا** تغشا بنا ہے غشیان سے بمعنی چھا جانا ہے اسی لئے مدہوشی کو غشی کہتے ہیں کہ وہ عقل پر چھا جاتی ہے پردہ کو غشاوہ کہا جاتا ہے کہ وہ چیز پر چھا کر اسے چھپا لیتا ہے یہاں غشیان سے مراد ہے اجماع اور صحبت اگرچہ صحبت دو طرفہ ہوتی ہے مگر چھا جانا زوج کی طرف سے ہوتا ہے اتنی عبارت لما کی شرط ہے اور **حملت** اس کی جزا **حملا خفیفا** سے مراد ہے نطفہ کا عورت کے پیٹ میں ٹھہر جانا اور لوٹا اسے کوئی بوجھ وغیرہ محسوس نہ ہونا یعنی جب خاوند نے اپنی بیوی سے صحبت کی تو اسے حمل ٹھہر گیا جو لوٹا" بہت ہی ہلکا اور غیر محسوس تھا **مرت بہ** یہ عبارت **حملا خفیفا** کی صفت یا حال ہے مرور سے مراد ہے چلنا پھرنا اور اسے لئے پھرنا یعنی عورت کو ایسا ہلکا پھلکا حمل قائم ہوا کہ وہ بے تکلف اسے اٹھائے پھری **فلما اثقلت دعوا اللہ ربھما** یہ عبارت پچھلے جملہ پر معطوف ہے یہاں بھی وہ تین احتمال ہیں جو خلقکم میں تھے یعنی جب حوا بوجھل ہوئیں ان کے پیٹ کا حمل بھاری ہوا پیدائش قریب ہوئی تو آدم و حوا دونوں نے رب سے دعا کی یا جب قصی کی بیوی بوجھل ہوئی اور پیدائش کا وقت قریب آیا تو قصی اور بیوی دونوں نے رب سے دعا کی یا جب ہر ماں کے جننے کا وقت قریب آتا ہے تو مرد و عورت دونوں رب سے دعا کرتے ہیں (کبیر و خازن وغیرہ) **لئن اتیتنا صالحا لنکونن من الشاکرین** یہ عبارت **دعوا اللہ** کی تفسیر ہے یعنی ان دونوں نے یہ دعا مانگی اگر یہاں حضرت آدم و حوا مراد ہوں تو اس دعا کی دو تفسیریں ہیں (1) حضرت آدم اگرچہ جنت میں بھی جناب حوا سے مقاربت کرتے تھے مگر وہاں نہ نطفہ نہ قرار حمل (تفسیر صاوی) مگر جب یہ دونوں زمین پر آئے تو حمل قرار پایا یہ عجیب چیز دیکھ کر آپ دونوں گھبرا گئے اور دونوں نے یہ

دعامانگی(2) حضرت حوا کے اس سے پہلے بچے پیدا ہوئے مگر مرگئے اس بار جب حمل ظاہر ہوا تو ان دونوں حضرات نے یہ دعامانگی فوت شدہ بچوں کے نام عبداللہ، عبید اللہ اور عبدالرحمٰن تھے (تفسیر صاوی)۔ خیال رہے کہ حضرت حوا کو پانچ سو بار حمل رہا ہر بار میں جوڑا پیدا ہوا کل ایک ہزار بچے ہوئے (روح البیان)(3) قصی اور ان کی بیوی نے اس وقت یہ دعا مانگی جب قصی کی بیوی کی زچگی کا زمانہ قریب آیا (4) اے لوگو یا اے مشرکو کافرو تمہارے ماں باپ نے اپنے بچہ ہونے سے کچھ پہلے یہ دعامانگی یا مانگا کرتے ہیں **صالحا** سے مراد یا تو بیٹا ہے کیونکہ بیٹا ہونا بھی صالحیت ہے یہ قول حسن کا ہے (روح المعانی، مدارک، کبیر وغیرہ) یا اس سے مراد ہے تندرست اور صحیح الاعضاء بچہ جس کا مقابل ہے ناقص الاعضاء کچا بچہ یا نیک و صالح بیٹا یا صاحب نسل بیٹا جس سے ہماری نسل چلے یعنی اگر تو ہم کو ایسا بیٹا دے گا تو ہم شکر گزار بندے ہوں گے کہ تیری بارگاہ میں شکر کے سجدے کریں گے بچہ کو دینی تعلیم دے کر خدمت دین پر لگائیں گے کہ اولاد کا شکریہ یہ ہی ہے **اتٰهما صالحا جعلا له شركاء فيما اتٰهما** اس فرمان عالی میں ان کی دعا کی قبولیت اور بعد میں ان کی بد عہدی اور کفران نعمت کرنے کا ذکر ہے اگر اس سے مراد حضرت آدم و حوا ہوں تو اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں (1) **جعلا** استفہام انکاری کے طور پر ارشاد ہوا جیسے کہ حضرت ابراہیم نے چاند تاروں کو دیکھ کر فرمایا **هٰذا ربی** کیا یہ ہیں میرے رب یعنی ہرگز نہیں ایسے یہ ہے یعنی جب حضرت آدم و حوا کو نیک صالح صحیح سالم بچہ رب نے دیا تو کیا انہوں نے اس بچہ میں خدا کا شریک ٹھہرایا کہ اس کا نام مشرکانہ رکھا یا اسے اللہ تعالیٰ کے سواء کسی اور کی طرف سے مانا نہیں ہرگز نہیں (روح المعانی و کبیر وغیرہ)(2) **جعلا** میں مضاف پوشیدہ ہے **جعل اولادهما** یعنی حضرت آدم و حوا کی اولاد نے اللہ کے شریک ٹھہرائے اسی لئے آگے **عما يشركان** اور **ايشركون** جمع کے صیغے ارشاد ہو رہے ہیں اگر وہ دونوں حضرات مراد ہوتے تو آئندہ صیغے تثنیہ کے آتے **عما يشركون** اور **ايشركان** (تفسیر خازن وغیرہ عن الحسن و عکرمہ)(3) خود آدم و حوا نے مشرکوں کا سا کام کیا کہ اس بچے کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔ حارث شیطان کا نام تھا۔ اس امید پر کہ اس نام کے سبب یہ بچہ زندہ رہے یہ قول حضرت ابن عباس کا ہے (خازن، بیضاوی، کبیر، روح البیان، ترمذی شریف وغیرہ) مگر شرک فی العبادۃ نہیں بلکہ شرک کا سا کام ہے کہ عبد کی نسبت غیر خدا کی طرف کی جائے مگر یہ تفسیر قوی نہیں جیسا کہ ہم انشاء اللہ سوال و جواب میں عرض کریں گے اور اگر اس سے مراد قصی ابن کلاب اور ان کی بیوی ہوں تو معنی یہ ہوسکتے کہ ان دونوں نے اپنے بچوں کے نام مشرکانہ رکھے۔ عبد مناف، عبد شمس عبدالعزیٰ اور عبدالدار (روح المعانی) اور اگر مراد سارے کفار و مشرکین ہوں تو مطلب ظاہر ہے کہ مشرکین اولاد تو ہم سے مانگتے ہیں مگر بچہ پیدا ہونے پر شرک و کفر کرنے لگتے ہیں **فتعالى الله عما يشركون** اس فرمان عالی میں ان کے اس مشرکانہ عمل کی تردید ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے برتر ہے اسے ان کی حرکتوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اس میں حضرت آدم و حوا کا ذکر ہے دوسرے یہ کہ اس میں قصی ابن کلاب کا تذکرہ ہے جو قریش کے مورث ہیں۔ تیسرے یہ کہ اس میں عام کفار و مشرکین کا تذکرہ ہے۔ حقیر کے نزدیک یہ آخری تفسیر قوی ہے۔ ہم اس کا خلاصہ بیان کرتے ہیں اے مشرکو! اکافرو اللہ تعالیٰ وہ قدرت والا ہے جس نے تم میں سے ہر ایک ایک جان یعنی اس کے باپ سے پیدا کیا اور اس باپ کی جنس سے اس کی بیوی بنائی کہ وہ بھی مرد کی

طرح انسان ہے غیر انسان نہیں پھر جب یہ دونوں یعنی تمہارے ماں باپ جمع ہوئے اور حمل قائم ہوا اس طرح کہ پہلے تو نطفہ کی شکل میں پیٹ میں رہا جس سے ماں کو کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی اور ماں اسے پیٹ میں لئے پھری۔ پھر جب پیٹ میں بچہ بڑا ہوا اور ولادت کا زمانہ قریب ہوا تو ان دونوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور نذر مانی کہ اے مولیٰ اگر تو ہم کو صحیح سالم زندگی کے لئے عطا فرماوے تو ہم تیرے شکر گزار بندے بنیں گے اس طرح کہ اس بچے کو تیری عطا مانیں گے ایمان لائیں گے بچہ کو مومن بنائیں گے اسے خدمت دین کے لئے وقف کریں گے انہوں نے وعدہ تو یہ کیا تھا مگر عمل یہ کیا کہ جب رب نے انہیں ایسا ہی بیٹا دیا تو بجائے شکر کے شرک کرنے لگے کہ ان میں سے بعض نے کہا کہ خدا ہے ہی نہیں اولاد تو اتفاقا" اسباب کی وجہ سے ہو جاتی ہے جیسا کہ دہریوں کا عقیدہ ہے کوئی بولا کہ ہم کو اولاد چاند تارے سورج دیتے ہیں جیسا کہ ستارہ پرست کفار کا عقیدہ ہے کوئی کہنے لگا کہ ہم کو اولاد ہمارے بتوں نے دی جیسا کہ بت پرستوں کا عقیدہ ہے یہ تمام بکواس شرک خالص ہے کہ رب کے عطیہ کو غیر کی طرف نسبت دے کر اسی کی پوجاپاٹ کی جاوے خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کے شرک سے بلند و بالا ہے ان کی بد عقیدگیوں کی وجہ سے اس کا کچھ بھی نقصان نہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اولاد باپ کی ہے اس سے اولاد کا نسب ہوتا ہے ماں سے نسب نہیں یہ فائدہ **خلقکم من نفس واحدۃ** سے حاصل ہوا نفس واحدہ سے مراد باپ ہے لہذا اگر باپ سید ہو اور ماں غیر سید تو اولاد سید ہوگی اور اگر ماں سیدانی ہو مگر باپ سید نہ ہو تو اولاد سید نہ ہوگی۔ **دوسرا اعتراض:** انسان کی بیوی انسان ہی ہو سکتی ہے جانور یا جنات نہیں ہو سکتی یہ فائدہ **جعل منھا زوجھا** سے حاصل ہوا کیونکہ زوج سے مراد بیوی ہے یوں ہی انسان عورت کا خاوند انسان ہی ہو سکتا ہے کوئی جانور یا جن نہیں ہو سکتا۔ **تیسرا فائدہ:** بیوی اسی لئے ہے کہ اس سے اولاد حاصل کی جائے اور وہ خاوند کے سکون قلب کا ذریعہ بنے اس طرح کہ اس کا گھر سنبھالے اسے آرام پہنچائے اس لئے نہیں کہ خاوند کو یا اولاد کو کما کر کھلائے یہ فائدہ **لیسکن الیھا** سے حاصل ہوا بیوی بچوں کا خرچہ مرد کے ذمہ ہے دوسری جگہ قرآن فرماتا ہے **وعلی المولود لہ رزقھن و کسوتھن** اگر اس کے برعکس کیا گیا تو فطرت اور قانون الٰہی کے خلاف ہوگا کبھی برکت اور کامیابی نہ ہوگی۔ **چوتھا فائدہ:** جماع اور صحبت اگرچہ فریقین کا کام ہے مگر اس میں مرد فاعل ہے عورت مفعول یہ فائدہ **تغشاھا** سے حاصل ہوا کہ یہاں فاعل مرد کو اور مفعول عورت کو قرار دیا گیا۔ **پانچواں فائدہ:** عموماً" انسان لڑکیوں کے مقابل بیٹوں کو پسند کرتا ہے یہ ممنوع نہیں۔ ہاں لڑکیوں سے گھبرانا انہیں ناقدری اور حقارت سے گھر میں رکھنا یہ برا ہے طریقہ مشرکین حضرات انبیاء کرام نے بیٹے کی دعائیں مانگی ہیں ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی **رب ھب لی من الصالحین** حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی **رب لا تذرنی فردا" وانت خیر الوارثین** اور دعا کی **فھب لی من لدنک ولیا یرثنی و یرث من ال یعقوب** یہ فائدہ **صالحا"** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ صالحا" سے مراد بیٹا ہو۔ **چھٹا فائدہ:** عموماً" انسان ناشکرا واقعہ ہوا ہے کہ غرض کے وقت رب کی طرف رجوع کرتا ہے اور کام نکل جانے پر رب کو بھول جاتا ہے بلکہ اس کی نافرمانی کرتا ہے یہ فائدہ **فلما اتاھما صالحا"** سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **واذا انعمنا علی الانسان اعرض ونا بجانبہ واذا مسہ الشر۔ فذو دعاء عریض** انسان کو چاہیے کہ ہر حال میں رب

کے دروازے پر رہے۔

ہر کہ سیمائے راستاں دارد! سر خدمت بر آستاں دارد!!

نوٹ ضروری: یہ تمام فائدے ان آیات کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوئے جو کہ قوی ہے۔ **ساتواں فائدہ:** اپنے بچوں کے نام عبد یغوث یا عبدالدار رکھنا ممنوع ہے یعنی انہیں بتوں کا بندہ یا بتوں کا خدام نہ کہو یہ اعتقادۃً یا عملاً شریک ہے یہ فائدہ **جعلا لہ شرکاء** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد ہو بیٹے کا نام عبدالحارث رکھنا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان کی پیدائش ماں باپ دونوں سے ہے لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ صرف ماں سے ماننا اس آیۃ کے خلاف ہے رب فرماتا ہے **انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج** ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا فرمایا (مرزائی)۔ **جواب:** ان جیسی تمام آیات میں اللہ تعالیٰ کے قانون کا ذکر ہے واقعی انسان کی پیدائش کا قانون یہ ہی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں اللہ کی قدرت کا ظہور ہے قانون کے پابند ہم ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ اس نے حضرت آدم اور حوا کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا حضرت عیسیٰ کے متعلق فرماتا ہے **ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل ادم** اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب اسرار الاحکام میں ملاحظہ کرو۔ **دوسرا اعتراض:** ترمذی شریف نے بروایۃ سمرہ ابن جندب روایۃ کی یہ واقعہ حضرت آدم و حوا کا ہے ان کے پاس شیطان آیا اس نے جناب حوا کو اور جناب حوا نے آدم علیہ السلام کو رغبت دی کہ ہونے والے بچہ کا نام عبدالحارث رکھیں انہوں نے ایسا ہی کیا رب تعالیٰ نے اس آیۃ کریمہ میں ان پر عتاب فرمایا ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم سے یہ شرک واقعہ ہوا وہ دونوں مشرک ہوئے۔ **جواب:** حضرت آدم علیہ السلام نبی ہیں نبی شرک و کفر تو کیا گناہوں سے بھی معصوم ہوتے ہیں ان کی عصمت قرآن مجید سے ثابت ہے۔ یہ حدیث خبر واحد ہے پھر صحیح بھی نہیں ہے اسے ترمذی نے غریب حسن کہا پھر اس میں تعارض بھی ہے بعض روایات میں مرفوع ہے بعض میں موقوف نیز بعض روایات میں ہے کہ حضرت حوا کا یہ پہلا حمل تھا بعض میں ہے کہ یہ پانچواں حمل تھا اس سے پہلے چار بچے فوت ہو چکے تھے اتنے نقص کے باوجود قرآن مجید کے خلاف ایک عقیدہ اس سے کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے حق یہ ہے کہ یہ واقعہ ان کا نہیں ہے۔ **تیسرا اعتراض** سیدنا عبداللہ ابن عباس اور عام مفسرین نے یہ ہی تفسیر کی ہے پھر اسے کیوں قبول نہ کیا جاوے۔ **جواب:** یہ تفسیر چند وجہ سے ناقابل قبول ہے (1) حضرت آدم نبی معصوم ہیں اور معصوم سے شرک و کفر سرزد نہیں ہو سکتا (2) حضرت آدم ایک بار ابلیس سے دھوکہ کھا چکے تھے اس وجہ سے بہت تکلیف اٹھا چکے تھے اور دوبارہ دھوکہ کیسے کھا سکتے تھے۔ (3) رب تعالیٰ نے حضرت آدم کو تمام نام سکھا دیئے تھے **وعلم ادم الاسماء کلھا** آپ کو معلوم تھا کہ حارث ابلیس کا نام ہے پھر اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث کیسے رکھ سکتے تھے (4) اگر یہ واقعہ حضرت آدم کا ہوتا تو آگے **عما یشرکون** یوں ہی **ایشرکون مالا یخلق** جمع کے صیغے ارشاد نہ ہوتے بلکہ تثنیہ کے صیغے فرمائے جاتے کیونکہ یہ کام صرف حضرت آدم و حوا دو سے سرزد ہوا تھا (5) اس صورت میں ایشرکون من لا تخلق ارشاد ہوتا نہ کہ مالا تخلق کیونکہ ابلیس عاقل ہے غیر عاقل نہیں اور **ما** غیر عاقل کے لئے ارشاد ہوتا ہے (6) جب آدم علیہ السلام پر ایک نادانستہ خطاو لغزش کی وجہ سے اتنا سخت عتاب ہوا کہ جنت سے باہر بھیجا گیا تین سو سال تک رب سے کلام و سلام بند رہا تو اگر آپ نے شرک کیا ہوتا تو اس سے زیادہ اس پر عتاب ہوتا مگر کچھ بھی نہ ہوا۔

معلوم ہوا کہ یہ کام ان کا تھا ہی نہیں (7) اگر مان لیا جاوے کہ اس جگہ ان دونوں بزرگوں کا ہی ذکر ہے تو **جعلا لہ شرکاء** میں سوال انکاری ہے یعنی کیا انہوں نے خدا کا شریک بنایا ہرگز نہیں جیسا کہ ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں، بہرحال یہ تفسیر بالکل فاسد ہے حضرت آدم سے شرک ہرگز صادر نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر کبیر) آخری تیسری تفسیر قوی ہے)۔ **چوتھا اعتراض**: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں قصی ابن کلاب مراد ہے ان کا یہ واقعہ ہے انہوں نے ہی یہ شرک کیا تھا تم نے اس تفسیر کو اختیار کیوں نہ کیا۔ **جواب**: قصی ابن کلاب حضور ﷺ کے ساتویں دادا ہیں اور حضور انور کا نسب شرک و زنا سے پاک صاف محفوظ ہے۔ یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ کسی بچے کا نام عبدالحارث رکھ دینا شرک نہیں جب تک کہ یہ عقیدہ نہ ہو کہ وہ میرا رب ہے اور میں اس کا بندہ ہوں فقط یہ نام رکھ دینا فساد عقیدہ کی دلیل نہیں، بہرحال تفسیر قوی وہ تیسری ہی ہے جو ہم نے اختیار کی۔ **پانچواں اعتراض**: ان آیات سے معلوم ہوا کہ عبدالنبی، عبدالرسول وغیرہ نام رکھنا شرک ہے دیکھو رب تعالیٰ نے عبدالحارث نام رکھنے کو شرک فرمایا **جعلا لہ شرکاء** پھر تم لوگ ان ناموں کو جائز کیوں رکھتے ہو۔ ان ناموں کے معنی ہیں نبی یا رسول کا بندہ ان کی مخلوق یہ کھلا ہوا شرک ہے۔ **جواب**: یہ تفسیر ہی درست نہیں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا شرک وہ عقیدے ہیں جو ہم نے خلاصہ تفسیر میں فلاسفہ اور مشرکین کے نقل کئے۔ عبدالرسول، عبدالنبی کے معنی ہیں نبی کا غلام نبی کا غلام رب تعالیٰ فرماتا ہے **من عبادکم و امائکم** ایک شاعر کہتا ہے۔

وانی لعبد الضیف ما کان ثاویا

اس شعر میں عبدالضیف کے معنی ہیں مہمانوں کا خادم (تفسیر خازن) یہاں تفسیر خازن نے فرمایا کہ بندہ کو رب کہہ سکتے ہیں بغیر الف لام **مگر الرب** الف لام سے صرف اللہ تعالیٰ کو کہا جاتا ہے۔

مسئلہ: جو لوگ اسلام میں معظم ہیں ان کی طرف عبد کی نسبت بلا کراہت جائز ہے لہٰذا عبدالنبی عبدالرسول نام رکھ سکتے ہیں اور مردودین کی طرف عبد کی نسبت ممنوع حرام ہے لہٰذا عبدابلیس نہیں کہہ سکتے۔ (تفسیر صاوی)۔ **چھٹا اعتراض**: تم نے جعل منہا زوجہا سے ثابت کیا کہ انسان کا نکاح انسان عورت سے ہی ہو سکتا ہے دوسری مخلوق سے نہیں مگر رب فرماتا ہے **وزوجناهم بحور عین** ہم نے جنتی انسانوں کا نکاح حوروں سے کر دیا حالانکہ حوریں انسان یعنی اولاد آدم نہیں پھر یہ نکاح درست کیسے ہوا۔ **جواب**: یہ احکام اس دنیا کے ہیں جنت دوسری دنیا ہے وہاں کے احکام دوسرے ہیں وہاں غیر جنس سے نکاح درست ہو گا یہاں ذکر اس دنیا کا ہے۔ **ساتواں اعتراض**: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس سے نکاح کیا جو جناتی تھی یوں ہی حضرت علی کا نکاح ایک جناتی سے ہوا جس کے پیٹ سے محمد حنیف پیدا ہوئے پھر تمہارا یہ قاعدہ درست کیسے ہوا۔ **جواب**: دونوں باتیں غلط ہیں بلقیس انسان عورت تھی قرآن کریم نے ہدہد کا یہ قول نقل فرمایا **انی وجدت امراۃ تملکهم** جس سے معلوم ہوا کہ وہ عورت تھی امراۃ انسان عورت کو کہتے ہیں۔ حضرت علی کا نکاح کسی جناتی سے نہیں ہوا نہ آپ کے کسی بیٹے کا نام محمد حنیف ہے عہد صدیقی میں قبیلہ بنی حنیفہ سے جنگ ہوئی جو مسیلمہ کذاب کی قوم تھی اس جنگ میں ایک عورت خولہ بنت جعفر قید ہو کر آئی اس کے شکم سے جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام محمد ابن حنفیہ ہوا کہ ان کی ماں حنفیہ تھی۔

تفسیر صوفیانہ: انسانی نفوس ایک نفس یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئیں مگر ساری ارواح ایک روح یعنی روح محمدی سے پیدا ہوئیں آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں اور حضور ﷺ ابوالارواح خود فرماتے **انما انا لکم کالوالد لولدہ** اور فرماتے ہیں **اول ما خلق اللہ روحی** مولانا فرماتے ہیں۔

گر بصورت من ز آدم زادہ ام　　من بمعنی جد جدا فتادہ ام

(روح البیان)

اللہ تعالیٰ نے فیض نبوت کے ساتھ فیض ولایت کو اس طرح مخلوط فرمایا کہ نبوت کا فیض ولایت کے ذریعہ لوگوں تک پہنچا جیسے سورج کا فیض آتشی شیشہ کے ذریعہ کپڑے کو جلا دیتا ہے طالب کی روح جب اس فیض سے مستفیض ہوتی ہے تو اولاً اسے اپنا انقلاب محسوس نہیں ہوتا پھر آہستہ آہستہ اسے یہ انقلاب محسوس ہونے لگتا ہے صبر والے خوش نصیب لوگ اسے برداشت کر لیتے ہیں کم ظرف اچھے لوگ سے برداشت نہیں کر سکتے خوش نصیب اسے بالکل عطاء ربانی تصور کر کے شکر کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں ان سے کبھی کوئی لفظ شیخی کا صادر نہیں ہوتا مگر بد نصیب اسے اپنا کمال سمجھ کر متکبر بن جاتے ہیں یہ لوگ اہل طریقت کے مشرب میں مشرک ہیں کہ انہوں نے اپنی انانیت نفسانیت کو رب کا شریک ٹھہرالیا اللہ تعالیٰ مشرکوں کے شرک سے بالا ہے۔

اَیُشْرِکُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْئًا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ

کیا شریک کرتے ہیں وہ اس چیز کو جو نہیں پیدا کرتی کسی چیز کو اور وہ خود بنائے جاتے ہیں اور نہیں طاقت رکھتے

کیا اسے شریک کرتے ہیں جو کچھ نہ بنائے اور وہ خود بنائے ہوئے ہیں اور نہ وہ ان کو کوئی مدد

لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْ

وہ واسطے ان کے مدد کی اور نہ ہی ذاتوں اپنی کی مدد کرتے ہیں اور اگر بلاؤ تم انہیں طرف ہدایت کے تو نہیں پیروی

پہنچا سکیں نہ اپنی جانوں کی مدد کریں اور اگر تم انہیں راہ کی طرف بلاؤ تو تمہارے پیچھے نہ آئیں تم

کُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾

کرتے وہ تمہاری برابر ہے اوپر تمہارے کیا بلاؤ تم ان کو یا تم خاموش رہو۔

پر ایک سا ہے چاہے انہیں پکارو یا چپ رہو۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: یہ آیات پچھلی آیات کی تفصیل ہیں ان آیات میں اجمال تھا ان آیات نے ان کی تفصیل کر دی کیونکہ وہاں پتہ نہیں چلا تھا کہ دونوں ماں باپ کون تھے آیا آدم حوا تھے یا قصی ابن کلاب اور ان کی بیوی یا عام کافر ماں باپ اور انہوں نے شرک کیا کیا صرف یہ کہ اپنے بیٹے کا نام عبد الحارث یا عبد العزیٰ رکھا تھا یا

غیر اللہ کی عبادت کی تھی ان آیات نے بتادیا کہ وہ مذکورین ماں باپ عام مشرکین و کفار ہیں اور ان کا شرک صرف نام رکھنے کا نہیں بلکہ شرک فی العبادۃ ہے اس لئے ارشاد ہوا کہ **ایشرکون مالا یخلق** کہ یہ باتیں شرک فی العبادت کی نفی کے لئے کی جاتی ہیں (تفسیر کبیر)۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار و مشرکین کی ایک حماقت کا ذکر تھا کہ اولاد تو دے اللہ تعالیٰ مگر یہ اس لواد کو تاروں یا چاند سورج یا بتوں کا عطیہ سمجھتے ہیں اب ان کی دوسری حماقتوں کا ذکر ہے کہ وہ خالق و مخلوق میں فرق کئے بغیر عبادت کرتے ہیں مخلوق معبود نہیں مگر یہ اسے معبود مانتے ہیں خالق مجبور نہیں مگر یہ اسے مجبور مانتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں یہ بتایا گیا کہ ابلیس بتوں' چاند تاروں میں اولاد دینے کی طاقت نہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ ان میں تو تمہاری برابر بھی طاقت نہیں جو کام تم کر لیتے ہو وہ نہیں کر سکتے۔ عجیب بات ہے کہ عابد قادر اور معبود محض مجبور۔

تفسیر: ایشرکون مالا یخلق شیئا" اس عبارت میں سوال ہے تعجب دلانے کا **یشرکون** میں شرک سے مراد شرک فی العبادۃ ہے یعنی غیر خدا کی پرستش کرنا **ما** سے مراد ہیں کفار کے **بت اور چاند**' تارے' سورج وغیرہ کیونکہ **ما** بے عقل چیزوں کے لئے آتا ہے **خلق** سے مراد ہے نیست کو ہست کرنا **شیئا**" کی تنوین حقارت کے لئے ہے **یشرکون** کا فاعل سارے مشرکین ہیں خواہ **بت** پرست ہوں یا ستارہ پرست یا **چاند** و سورج پرست یعنی اے مسلمانوں تعجب تو کرو کہ یہ لوگ ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں جو بے جان بے عقل ہیں یعنی ان سے بھی بدتر ہیں کہ یہ جان والے عقل و ہوش و گوش والے ہیں نیز وہ چیزیں ایک ذرہ ایک قطرہ پیدا نہیں کر سکتے پھر وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں **وھم یخلقون** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت لا یخلق پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر جائز ہے چونکہ لفظ **ما** لفظاً" واحد ہے معنی میں جمع اس لئے یخلق واحد ارشاد ہوا اور **ھم** نیز **یخلقون** جمع کیونکہ ان دونوں میں **ما** کے معنی کا لحاظ ہے۔ خیال رہے کہ مشرکین اپنے بے جان بے عقل بتوں تاروں وغیرہ کو جاندار عقل والا سمجھتے تھے حتیٰ کہ ان کے نام کے بت انسانی شکل کے بناتے تھے اس لئے **ھم** اور **یخلقون** جمع مذکر لایا گیا جو کہ عقل والوں کے لئے آتا ہے یہ لوگ بیماریوں کو عورتوں کی شکل میں بنا کر پوجتے ہیں چیچک بیماری کو ماتا۔ ہندوستان ملک کو بھارت ماتا کہتے ہیں ان کی صورتیں عورتوں کی سی بناتے ہیں۔ گنگا جمنا دریاؤں کو گنگا ماتا کہہ کر پوجتے ہیں اس فرمان عالی میں ان کی یہ حماقت ظاہر کی گئی ہے غرضکہ ان کے لئے جمع مذکر کے الفاظ فرمانا ان کے عقیدے کے لحاظ سے ہے (تفسیر خازن' کبیر وغیرہ) ظاہر یہ ہے کہ یہاں **یخلقون** میں خلق سے مراد گھڑنا بنانا ہے اسی لئے یہاں مضارع بمعنی حال کا صیغہ ارشاد ہوا یعنی وہ پتھروں کے **بت** خود گھڑے جاتے ہیں یہ پجاری خود گھڑتے ہیں کیونکہ مشرکین چاند سورج تاروں کی بھی شکلیں گھڑ کر اپنے **بت** خانوں میں رکھتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ خلق بمعنی پیدا کرنا ہو اور حال بمعنی ماضی ہو یعنی یہ بت ہماری مخلوق ہیں تم خالق کے ہوتے مخلوق کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان بتوں سے پہلے خالقیت کی نفی کی اب ان کی مخلوقیت کو ثابت فرمایا جو خالق نہ ہو اور مخلوق ہو وہ معبود نہیں **ولا یستطیعون لھم نصرا** یہ عبارت معطوف ہے یا تو **یخلقون** پر یا **لا یخلق شیئا** پر اس میں بتوں کی معبودیت کی نفی کی دوسری وجہ بیان فرمائی جارہی ہے معبود وہ جو اپنے عابدین کی مدد پر قادر ہو خواہ مدد کرے یا نہ کرے مگر بت تو اپنے عابدین کی مدد پر قادر ہی نہیں مدد کرنا تو دور کی بات ہے۔ مدد دو طرح کی ہوتی ہے نافع چیز کا دینا۔ مضر چیز کا دفع کرنا۔ بت یہ دونوں کام نہیں کر سکتے اسی لئے **نصرا** نکرہ ارشاد ہوا تاکہ ہر قسم کی مدد کی

نفی ہو جاوے اور ممکن ہے کہ مدد سے مراد ہو ۔عبادت کی مدد یا عبادت پر مدد یعنی ان بتوں میں یہ طاقت نہیں کہ اپنے پجاریوں کی بخشش کرا کے انہیں جنت دے دیں لہذا آیت واضح ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی بندہ کسی کی مدد کردے تو اس کی عبادت کی جاوے جیسے بادشاہ' حاکم' حکیم' مالدار لوگ' جو رعایا کی بیماریوں کی غریبوں کی مدد کرتے ہیں نہ یہ لازم آتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کسی موقعہ پر ہماری مدد نہ کرے تو اس کی عبادت نہ کی جاوے **ولا انفسهم ینصرون** اس فرمان عالی میں بتوں کی دوسری کمزوری کا ذکر ہے یعنی وہ تمہاری مدد تو کیا کریں گے وہ تو خود اپنی مدد بھی نہیں کرسکتے کہ اپنے سے آفتیں دور نہیں کرسکتے۔ مشرکین عرب بتوں پر زعفران' شہد وغیرہ مل دیتے تھے ان پر بے شمار مکھیاں جمع ہو جاتی تھیں ۔بتوں میں یہ طاقت نہ تھی کہ مکھیاں اپنے منہ سے اڑادیں یا ان کے پاس رکھی ہوئی مٹھائی اگر کتا لے جاوے تو وہ اسے دفع کردیں مٹھائی بچالیں ایسی کمزور مخلوق کی پرستش کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔ خیال رہے کہ بتوں کی یہ مجبوریاں ان کی معبودیت کی نفی کے لئے بیان فرمائی گئی ہیں نہ کہ دینی چیزوں کی تعظیم کی نفی کے لئے مسلمان کعبہ معظمہ یا قرآن مجید یا قبروں کی عبادت نہیں کرتے ان کا احترام کرتے ہیں **وان تدعوهم الی الهدی لا یتبعوکم** اس جملہ کی نحوی ترکیبیں بہت ہیں اور اس کی تفسیریں بھی بہت۔ ہم صرف دو ترکیبیں دو تفسیریں عرض کرتے ہیں (1) **تدعوهم** میں **تدعوا** جمع مذکر حاضر ہے خطاب ہے مشرکین سے پہلے انہیں غائب کے صیغہ سے ذکر فرمایا اب حاضر کے صیغے سے جسے بلاغت میں التفات کہتے ہیں اور **هم** کا مرجع بت ہیں **هدی** سے مراد ہے بتوں سے ہدایت مانگنا ان سے اچھا مشورہ کرنا یعنی اے مشرکو یہ بت ایسے ناکارہ ہیں کہ اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ اور کہو اے بتو ہم کو فلاں کام کا مشورہ دو ہماری رہبری کرو تو ہو تمہاری اتنی مدد بھی نہیں کرسکتے تمہاری یہ بات بھی نہیں سن سکتے (2) **تدعوا** میں خطاب ہے نبی کریم ﷺ اور مومنین سے اور **هم** کا مرجع مشرکین ہیں یعنی اے محبوب ﷺ اے مومنو یہ لوگ ایسے ڈھیٹ ہیں کہ اگر آپ انہیں ہدایت یعنی دین اسلام کی طرف دعوت دیں اور لاکھ دلائل سے سمجھائیں یہ آپ کی پیروی نہیں کرنے کے (روح المعانی) پہلی تفسیر قوی ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ آگے پیچھے سے مناسب رکھتی ہے **سواء علیکم ادعوتموهم ام انتم صامتون** اس فرمان عالی میں بتوں کی چھٹی مجبوری معذوری کا ذکر ہے یہ نیا جملہ ہے اس میں فرمایا گیا کہ بتوں میں مذکورہ قوتیں تو کیا ہوتیں اس میں تو سننے سمجھنے کی بھی قوت نہیں تمہارا انہیں بلانا پکارنا اور ان کے سامنے خاموش رہنا برابر ہی ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں بھی خطاب نبی ﷺ اور مومنین سے ہے یعنی آپ لوگوں کا انہیں دعوت اسلام دینا یا خاموش رہنا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا یکساں ہے کہ انہیں ہدایت نہیں ملتی مگر یہ تفسیر قوی نہیں ورنہ پھر یوں ہو تا **سواء علیهم ادعوتموهم** جیسے رب فرماتا ہے **سواء علیهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم** کفار ہدایت پر آئیں یا نہ آئیں مبلغ کو فائدہ تبلیغ پہنچ ہی جاتا ہے کہ وہ تبلیغ کا ثواب پاتا ہے۔ طبیب کو معائنہ کی فیس اور دوا کی قیمت بہرحال ملتی ہے مریض کو دوا سے فائدہ ہو یا نہ ہو یعنی اے مشرکو تم بتوں کو پکارو یا نہ پکارو دونوں حال میں تم انسان ہی ہو اور وہ پتھر ہی ہیں نہ تم میں فرق آوے نہ ان میں (تفسیر کبیر' خازن وغیرہ)۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانوں کیسی حیرت کی بات ہے کہ مشرکین بتوں' چاند' سورج' تاروں کو خدائی شریک مانتے ہیں جو کسی ایک ذرے ایک قطرے کے خالق نہیں بلکہ وہ خود گھڑے جاتے ہیں کہ بت پرست خود انہیں گھڑتے بناتے ہیں جو خالق

نہیں وہ معبود نہیں جو انسان کے ہاتھ کا گھڑا ہوا ہے وہ انسان سے بدتر ہے پھر انسان کا معبود کیسے ہو گیا دوسری بات یہ ہے کہ مذکورہ چیزیں نہ تو اپنے پجاریوں کی کسی قسم کی مدد کر سکتی ہیں کہ نہ انہیں مفید چیز دے سکیں نہ مصیبت و آفت دور کر سکیں ان کی مدد تو یہ بت کیا کرتے یہ تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اگر ان کے منہ پر مکھیاں، مچھر بیٹھیں تو اڑا نہ سکیں اگر ان کے ماننے سے کھانا کتا اٹھا لے جائے یا خود انہیں اٹھا لے جائے تو یہ کتے سے بچ نہیں سکتے ان کی کمزوری کا تو یہ حال ہے پھر ان کی بے خبری کی یہ حالت ہے کہ اگر اے بت پرستو تم ان بتوں کو کہو انہیں بلاؤ پکارو کہ ہم کو نیک راستہ بتاؤ ہم کو اچھا مشورہ دو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں تمہاری آواز پر لبیک نہ کہیں تمہارا انہیں پکارنا اور نہ پکارنا تمہارے لئے برابر ہے کہ تم بہرحال انسان قدرت والے دیکھنے سننے والے ہو اور ان کے لئے بھی برابر کہ وہ بہرحال جملو پتھر ہیں نہ سنیں نہ بولیں۔ خیال رہے کہ مذکورہ آیات اگلی آیات میں بتوں کی معبودیت کی نفی کی بہت دلیلیں قائم فرمائی گئیں۔ ان میں چھ دلیلیں تو یہاں ارشاد ہیں باقی اگلی آیات میں ان (1) بتوں کا خالق ہونا (2) انکا مخلوق ہونا (3) ان کا کسی کی مدد نہ کر سکنا (4) ان کا خود اپنی مدد نہ کرنا اپنے کو کسی سے نہ بچا سکنا (5) ان کا کسی کی فریاد نہ سننا (6) انہیں پکارنا نہ پکارنا برابر ہونا۔ یہ تمام دلائل عبادت کے انکار کے لئے ہیں عبادت صرف اس رب کی ہے جو خالق ہے مخلوق نہیں۔ دافع البلاء، مشکل کشا حاجت روا ہے۔ وہ بندوں کی پکار سنتا ہے جو اس سے ہدایت مانگے اسے ہدایت دیتا ہے بذریعہ نبی کتاب و دل کے الہام کے۔ یہ قیود اطاعت میں نہیں۔ اطاعت و فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی بھی ضروری ہے نبی کی بھی۔ ہر مومن والی حاکم کی بھی **اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم** یوں ہی تعظیم و احترام اللہ تعالیٰ کا بھی ہے اس کے رسول کا بھی اللہ کے مقبول بندوں کا بھی فرماتا ہے **العزۃ للّٰہ و لرسولہ و للمومنین** ان تینوں میں فرق ضروری ہے۔ عبادت کے احکام اطاعت اور ادب و احترام پر جاری کرنا سخت بے دینی ہے۔ یوں ہی مدد مانگنے کے لئے بھی یہ قیدیں نہیں مدد اللہ سے بھی مانگی جائے اس کے رسول سے بھی اور مومن بندوں سے بھی فرماتا ہے **انما ولیکم اللّٰہ و رسولہ و الذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ**۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** انسان اپنے اعمال کا خالق نہیں بلکہ کاسب ہے اگر خالق ہوتا تو معبود ہوتا یہ فائدہ **لا یخلق شیئا** سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے **خلقکم و ما تعملون** **دوسرا فائدہ:** ہر ماسوی اللہ رب تعالیٰ کی مخلوق ہے کوئی ادنیٰ و اعلیٰ چیز اس کی ملکیت اس کی ربوبیت اس کی خالقیت سے علیحدہ نہیں۔

جو تیرے سوا ہے وہ تیرا بندہ ہے

یہ فائدہ **وھم یخلقون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ خلق بمعنی پیدائش ہو۔ **تیسرا فائدہ:** بت پرستوں کے اکثر بت ان کے ہاتھ کے تراشے چھیلے ہوئے ہوتے ہیں اگر وہ چاند تاروں کی پرستش کرتے ہیں تو بھی انکے نام پتھروں کے بت بنا کر پوجتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** بے جان، بے عقل، بے فیض چیزوں کی پرستش کرنا اول درجہ کی حماقت ہے۔ جس میں مشرکین مبتلا ہیں یہ فائدہ **ولا یستطیعون** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** مجبوری و معذوری سے مغموم نہ ہونا چاہیے یہ تو اس کی بندگی کی دلیل ہے **عرفت ربی بفسخ عزائمی** یہ فائدہ **سواء علیکم** سے حاصل ہوا۔ انسان کو اپنی نامرادی مجبوری سے مغموم نہ ہونا چاہئے یہ تو اسکی بندگی کی دلیل ہے اگر بندہ اپنے کو عاجز بندہ اور رب تعالیٰ کو قادر رب صحیح طور سے مان لے تو انشاء

اللہ گناہ کرنے کی جرات نہ کرے۔

پہلا اعتراض: ان آیات سے معلوم ہوا کہ ان جھوٹے معبودوں کی عبادت نہیں کرنی چاہئے جو ہماری مدد نہ کر سکیں، جو ہماری فریاد نہ سن سکیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ جو مخلوق ہماری مدد کر سکے جو ہماری سن سکے اس کی عبادت کر لینی چاہئے جیسے فرشتے یا بعض قوت والے انسان اس میں تو شرک کی تعلیم ہے (آریہ)۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جواب ہیں جن میں سے بعض ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے (1) ان آیات میں پہلے ذکر ہوا خالق نہ ہونے کا مخلوق ہونے کا پھر ذکر ہوا مدد وغیرہ نہ کرنے کا فرشتے اور قوت والے انسان خالق نہیں ہیں مخلوق ہیں لہذا وہ معبود نہیں ہو سکتے (2) ان آیات کا مقصود ہے بت پرستوں کی حماقت کا بیان کرنا کہ یہ اشرف الخلق یعنی انسان ہونے کے باوجود بدترین اور کمزور بے عقل بلکہ بے جان مخلوق کی عبادت کرتے ہیں ان کا مقصد یہ نہیں کہ جاندار اور فائدہ مند مخلوق کی عبادت کیا کریں (3) یہاں نفع اور مدد سے مراد ہے عبادات کا نفع آخرت میں مدد کرنا یہ بات کسی مخلوق میں ہیں۔ کسی کی عبادت مفید نہیں بجز پروردگار کے۔ **دوسرا اعتراض**: تم لوگ ولیوں کی قبروں کی تعظیم و توقیر کرتے ہو مرے ہوئے ولیوں سے مدد مانگتے ہو حالانکہ یہ ساری باتیں ان میں بھی ہیں وہ خالق نہیں وہ مخلوق ہیں وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے وہ تو خود تمہاری مدد کے حاجت مند ہیں وہ تمہاری پکار نہیں سن سکتے وہ تمہیں ہدایت نہیں دے سکتے پھر تم میں اور کھلے مشرکین میں فرق کیا ہے (وہابی)۔ **جواب**: اس اعتراض کے (2) جواب ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ کہ تم بھی کعبہ معظمہ، غلاف کعبہ، قرآن مجید، اپنے مولوی کی بڑی تعظیم و توقیر کرتے ہو تم بھی مصیبت کے وقت حاکموں، حکیموں سے مدد مانگتے ہو تم بھی ہر وقت امیروں سے چندہ مال امداد مانگتے ہو ان میں تمام مذکورہ چیزیں موجود ہیں تم مشرک ہوئے یا نہیں تم میں اور بت پرستوں میں فرق کیا ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ مذکورہ صفات خالق ہونا۔ مخلوق نہ ہونا۔ مددگار ہونا وغیرہ عبادت کے لئے ہیں کہ معبود وہ ہے جو ان صفات سے موصوف ہو اطاعت، تعظیم، مدد مانگنا وغیرہ کے لئے شرط نہیں دیکھو تعظیم کے متعلق رب فرماتا ہے **ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب** اور فرماتا ہے **ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ** دیکھو صفا مروہ پہاڑیوں ہی حدی کے جانور خالق نہیں۔ مخلوق ہیں کسی کی فریاد نہیں سن سکتے کسی کی مدد نہیں کر سکتے مگر ان کی تعظیم داخل فی الدین ہے ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ عبادت، اطاعت، ادب تعظیم اور استعانت یعنی مدد مانگنا ان میں بڑا فرق ہے۔ عبادت صرف خالق کی ہی ہو گی مگر ادب، اطاعت، تعظیم، مدد مانگنا یہ بندوں کی بھی ہو سکتی ہے۔ عبادت اور تعظیم میں فرق کرنا چاہئے۔ **تیسرا اعتراض**: اگر عبادت صرف اس کی کی جاوے جو ہماری مدد کرے تو چاہئے کہ رب تعالیٰ کی عبادت بھی نہ کی جائے کیونکہ بہت دفعہ وہ ہماری مدد نہیں کرتا ہماری فریاد نہیں سنتا ہماری دعائیں قبول نہیں کرتا پھر یہ آیتہ کیونکہ درست ہوئی۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ مدد کرنے کا ذکر نہیں بلکہ مدد کر سکنے کا ذکر ہے **لا یستطیعون لہم نصرا** رب تعالیٰ ہر شخص کی ہر قسم کی مدد کرنے پر ہر وقت قادر ہے۔ کسی موقعہ پر مدد نہ کرنے میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ بارش برسانا، سورج چمکانا، ہوا چلانا، کھیت میں دانہ پکانا یہ سب رب تعالیٰ کی مددیں ہی ہیں وہ کون بندہ ہے جس کی مدد رب نے نہ کی ہو وہ ہم کو نظر نہیں آتا مگر ہمارے کام سارے بناتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

یاخفی الذات محسوس العطاء انت کالماء ونحن کالرحی

انت کالریح و نحن کالغبار　　　یختفی الریح وغیراہ جہار

چوتھا اعتراض: دھریئے، جو خدا تعالیٰ کی ذات کے منکر ہیں انہیں اس آیت کریمہ سے تسلی نہیں ہو سکتی وہ کہہ دیں گے کہ نہ بت خالق ہیں نہ خدا تعالیٰ ہے نہ وہ خالق و مالک سمیع و بصیر ہے ہماری فریاد نہ بت سنتے ہیں نہ خدا تعالیٰ سنتا ہے ہماری حاجات نہ بت پوری کر سکتے ہیں نہ خدا تعالیٰ اس آیت سے انہیں کیسے قائل کیا جاوے لہٰذا یہ آیت مکمل نہیں۔ **جواب:** یہاں روئے سخن مشرکین سے ہے، جو خدا تعالیٰ کی ہستی کے قائل تھے۔ عرب میں دھریئے یا تو تھے ہی نہیں یا تھے تو مگر بہت تھوڑے مگر اس آیت سے دھریوں کی تردید بھی ہو سکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے دلائل اتنے زیادہ اور قوی ہیں کہ ان کے ہوتے کسی کو انکار کی مجال نہیں اگر کوئی اندھا ہو کر انکار کرے تو وہ قابل شمار نہیں دنیا کا ہر ذرہ اپنے خالق کی دلیل ہے پھر آسمانی کتابیں اور صحیفے حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور سید الانبیاء کی ذات والا صفات رب تعالیٰ کے قوی دلائل ہیں سورج کی شعاعیں سورج کی ہستی کی دلیلیں ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس عبارت میں یکسانیت نہیں ہے کہ ارشاد ہوا **ادعو تموھم** جملہ فعلیہ ہے **ام انتم صامتون** یہ جملہ اسمیہ ہے معطوف اور معطوف علیہ یکساں چاہئیں یوں چاہئے تھا **ام انتم صمتم** تاکہ **دعوتم** کے موافق ہوتا۔ **جواب:** اس صورت میں یہ دوسری آیات کے موافق نہ ہوتی وہاں تھا **یخلقون۔ یشرکون۔ ینصرون** یہاں ہوتا **صمتم** آیات کی مطابقت کے لئے اس طرح ارشاد ہوا نیز پکارنا عارضی حالت ہے خاموش رہنا اصلی حالت ان دونوں حالتوں میں فرق دکھانے کے لئے اس طرح ارشاد ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: انسان ایک عجیب الخلقت مخلوق ہے اگر رب تعالیٰ اس پر فضل کرے تو جنات و فرشتوں سے بڑھ کر عارف باللہ ہوتا ہے اگر اس کا فضل نہ ہو تو بے عقل جانوروں سے بدتر ہے دیکھو جانور بھی بت پرستی نہیں کرتے وہ بھی ان بتوں کو اپنے سے کمتر جانتے ہیں بارہا دیکھا گیا کہ ایک پتھر کو مشرک سجدہ کرتا ہے اس پر کتا پیشاب کرتا ہے اے عاقل انسان ان بے عقلوں سے سبق لے خالق غیر خالق مالک غیر مالک میں جانور فرق کریں اور تو نہ کرے کتنی غیرت کی بات ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا علیم خبیر، سمیع بصیر ہونا اللہ والوں کو محسوس ہوتا ہے بندہ ایک بار کہتا ہے **یا ربی** وہاں سے ستر بار جواب آتا ہے **یا عبدی** بندہ تڑپ کر کہتا ہے۔ **اذنبت** میں نے گناہ کر لیا وہاں سے ستر بار جواب آتا ہے کہ **غفرت** میں نے بخش دیا گناہ کرنا تجھے آتا ہے بخشنا مجھے آتا ہے یہ غیبی آواز مومن مخلص کے دل پر وارد ہوتی ہے اندھا آنکھ والوں کے بتانے پر بات مان لیتا ہے ہم کو چاہئے کہ دل والوں کی باتیں خبریں بغیر چون و چرا مانیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ

تحقیق وہ لوگ کہ ہو جا کرتے ہو تم جن کی سوا اللہ کے وہ بندے ہیں تمہاری مثل پس پکارو تم ان کو

بے شک وہ جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری طرح بندے ہیں تو انہیں پکارو

فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۱۹۴﴾ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَّمْشُونَ

پس چاہیے کہ جواب دیں وہ تم کو اگر ہو تم سچے کیا پاس ان کے پاؤں ہیں چلتے ہیں وہ ان

پھر وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلیں یا ان کے

بِهَآ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَّبْطِشُونَ بِهَآ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُّبْصِرُونَ بِهَآ أَمْ لَهُمْ

سے کیا واسطے انکے ہاتھ ہیں کہ پکڑتے ہیں وہ ان سے کیا واسطے ان کے آنکھیں ہیں کہ دیکھتے ہیں وہ ان

ہاتھ ہیں جن سے گرفت کریں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں یا ان کے کان ہیں جن سے سنیں تم

اٰذَانٌ يَّسْمَعُونَ بِهَا قُلِ ادْعُوا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنْظِرُونِ ﴿۱۹۵﴾

سے کیا واسطے انکے کان ہیں کہ سنتے ہیں وہ ان سے فرمادو کہ بلا لو تم اپنے شریکوں کو پھر تدبیر کرو میرے مقابل پھر نہ مہلت دو تم مجھ

فرماؤ کہ اپنے شریکوں کو پکارو اور مجھ پر داؤں چلاؤ اور مجھے مہلت نہ دو

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں بتوں کی چند مجبوریاں معذوریاں مقہوریاں بیان کی گئی تھیں جن کا تعلق عقل سے تھا اب انہیں بتوں کی وہ مجبوریاں بیان ہو رہی ہیں جن کا تعلق ہمارے حواس سے ہے جو دیکھنے میں آتے ہیں یعنی ان کا بے دست و پا ہونا مقصود وہی ہے کہ ایسے مجبور و مقہور مخلوق کی عبادت کیسی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں بتوں کی نیازمندی محتاجی کا ذکر ہوا اب حضور ﷺ کی بے نیازی کا تذکرہ ہے۔ **قل ادعوا شرکاءکم** مقصود یہ ہے کہ جو رب تعالیٰ سے کٹا وہ کچھ نہ رہا جو اس ذات کریم سے وابستہ ہوا وہ سب کچھ ہو گیا۔ مخلوق سے مستغنی ہو گیا لہٰذا بتوں سے بچو اور دامن مصطفوی میں آؤ۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ بتوں میں نہ روحانیت نہ جسمانیت اب بتایا جا رہا ہے کہ پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے بے مثال روحانی قوتیں بخشی ہیں ان کے پاس آنا مفید ہے۔

نزول: مشرکین عرب جب حضور انور ﷺ کے مقابلہ میں دلائل سے عاجز ہوئے تو حضور کو اپنے بتوں سے ڈرانے لگے کہ اگر آپ نے ان کی اہانت ان کی مخالفت کی تو یہ بت آپ کو ہلاک کر دیں گے یا آپ کو جانی مالی سخت نقصان پہنچائیں گے ان کی تردید میں رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **قل ادعوا شرکاءکم** جس میں حضور انور کی ان چیزوں سے بے پرواہی اور حضور کی غناء قلبی ظاہر کی گئی (تفسیر کبیر۔ روح المعانی۔ خازن وغیرہ)

تفسیر: **ان الذین تدعون من دون اللہ** چونکہ مشرکین اس مضمون کے انکاری تھے وہ بتوں کو اپنے سے کہیں اعلیٰ مانتے تھے بلکہ ان میں الوہیت یعنی خدائی شان مانتے تھے اس لئے اسے ان سے شروع کیا گیا الذین سے مراد مشرکین کے خود ساختہ لکڑی پتھر مٹی کے بت ہیں اگرچہ مشرکین جنات اور فرشتوں کو بھی پوجتے تھے مگر یہاں وہ داخل نہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے چونکہ مشرکین ان بتوں کو عاقل مانتے تھے اس لئے الذین جمع مذکر ارشاد ہوا التی نہ فرمایا گیا یہ گفتگو ان کے عقیدے کی بناء پر ہے تدعون بنا ہے دعا سے دعا قرآن مجید میں چند معنی میں استعمال ہوا ہے بلانا' پکارنا' نام رکھنا' عبادت کرنا' دعا مانگنا یہاں

بمعنی عبادت کرنا ہے اور اس کا مفعول پوشیدہ ہے اصل میں تدعو نھم تھا ممکن ہے کہ نام رکھنے کے معنی ہوں تب اس کے دو مفعول پوشیدہ ہوں گے **تدعونھم الھتہ** (روح المعانی) **دون** کے متعلق بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ بہت معنی میں آتا ہے دور علیحدہ 'کمتا ہوا' مقابل اور علاوہ سوی یہاں بمعنی علاوہ یا سوی یہاں بمعنی علاوہ اور سوا ہے یعنی اے مشرکو وہ بت جن کی تم اللہ کے سواء عبادت کرتے ہو یا جن کو تم اللہ کے سوا **الہ** کہتے ہو ان کا نام **الہ** رکھتے ہو **عباد امثالکم** یہ عبارت ان کی خبر ہے حق یہ ہے کہ عباد جمع ہے عبد کی بمعنی بندہ یا مخلوق **لہٰذا** ہر مخلوق جاندار یا بے جان عاقل یا غیر عاقل اللہ کا بندہ اس کا عبد ہے اور اگر عبد صرف جاندار عقل والے کو کہتے ہوں تو انہیں عباد فرمانا کفار کے عقیدے کی بناء پر ہے کہ وہ بتوں کو عاقل جانتے تھے اور عاقلوں کی سی شکل بناتے تھے۔ امثال جمع ہے مثل کی بمعنی طرح یا مانند یعنی یہ سب تمہاری طرح تمہاری مانند ہمارے بندے ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں مخلوقیت 'مملوکیت' بندہ ہونے میں مثل مراد ہے ورنہ انسان پتھر' مٹی 'لوہے' پیتل سے کہیں افضل ہے کہ وہ عاقل جاندار سمجھ دار ہے اس لئے آگے ارشاد ہوا **فادعوھم فلیستجیبوا لکم۔ فادعوا** میں ف ترتیب کی ہے اور **فلیستجیبوا** میں ف جواب امر کی یہاں دعا کے معنی یا پکارنا یا بلانا ہیں یا دعا مانگنا اور استجابت کے معنی ہیں پکار کا جواب دینا یا مانگی ہوئی دعا قبول کرنا حاجت روائی کر دینا یعنی چنانچہ تم ان بتوں کو پکار کے دیکھ لو وہ تمہارا جواب تو دے دیں یا تم ان سے دعا مانگ کر دیکھ لو وہ تمہاری دعا قبول تو کر لیں تمہاری حاجت روائی تو کر دیں ہرگز نہ کر سکیں گے پھر ایسی مجبور و معذور مخلوق کی عبادت کیسی **الھم ارجل یمشون بھا** اس فرمان عالی کا منشاء یہ ہے کہ ان بتوں کے پاس تو وہ اعضاء ہی نہیں جن میں سننے

دیکھنے چلنے پکڑنے کی طاقت ہوتی پھر وہ تمہاری مدد کر سکیں۔ تمہاری پکار کیسے سنیں۔ اس سلسلہ میں چار اعضاء کا ذکر فرمایا پہلے پاؤں کا پھر ہاتھوں کا پھر آنکھوں کا پھر کانوں کا **الھم** میں سوال انکار کا ہے **لھم** اور **یمشون** کی ضمیریں مذکورہ بتوں کی طرف ہیں **ارجل** جمع ہے رجل کی بمعنی پاؤں چونکہ مشرکین بتوں کے ہاتھ پاؤں آنکھ بناتے تھے مگر ان میں طاقت و قوت نہ تھی اس لئے **یمشون بھا** ارشاد ہوا یعنی تم خود دیکھ بھال لو سوچ لو کہ کیا بتوں کے ایسے پاؤں ہیں جن سے وہ چل سکیں پاؤں تو ہیں مگر ان میں چلنے کی طاقت نہیں۔ خیال رہے کہ اگر آج مشرکین اپنے بتوں کو بجلی کی طاقت سے چلا دیں تو اس کا نام چلنا نہ ہو گا ملنا یا حرکت کرنا ہو گا۔ چلنا تو وہ ہے جو اپنی طاقت سے ہو دوسری یا دوسرے کی طاقت سے حرکت کو چلنا نہیں کہا جاتا۔ لہٰذا آیت واضح ہے کہ **یمشون** ارشاد ہوا ہے **یتحرکون** یا **ینتقلون** نہیں فرمایا گیا۔ **ام لھم ایدیبطشون بھا** یہ فرمان عالی جملہ پر معطوف ہے ام بمعنی بل ہے اور **لھم** سے پہلے سوال کا ہمزہ پوشیدہ ہے **اید** جمع ہے **ید** کی یہ بہت معنی میں آتا ہے۔ **قوۃ' رحمت' مدد** یہاں آخری معنی میں ہے۔ **بطش** مضبوطی سے پکڑنے کو کہتے ہیں صرف پکڑنے کو اخذ کہا جاتا ہے چونکہ چلنے کا تعلق خود چلنے والے سے ہوتا ہے اور پکڑ کا تعلق دوسرے سے یعنی پکڑی چیز سے اس لئے پاؤں کا ذکر پہلے ہوا ہاتھ کا بعد میں یہاں بھی وہ ہی تحقیق ہے کہ بتوں کے مصنوعی ہاتھ تو تھے مگر ان میں پکڑنے کی طاقت نہ تھی ہاتھ کی نفی مقصود نہیں۔ اس کی طاقت یعنی پکڑ کی نفی مقصود ہے کسی کی مدد عموماً" چل کر پکڑ کر ہوتی ہے یعنی ہاتھ پاؤں 'پاؤں پہلے مظلوم کے پاس پہنچتے ہیں پھر ہاتھ کام کرتے ہیں۔ لہٰذا پاؤں کے چلنے کا ذکر پہلے اور ہاتھ کے پکڑ کا ذکر بعد میں۔ **ام لھم اعین یبصرون بھا** اس کی تحقیق بھی وہ ہی ہے جو ابھی **ام لھم اید** میں کی گئی کہ بتوں کی مصنوعی آنکھیں تو ہوتی تھیں مگر ان میں روشنی نہ تھی۔ اس روشنی کی نفی

مقصود ہے قوی یہ کہ نظر بصر اور رویت ہم معنی ہیں۔ اس لئے رب تعالیٰ کے لے قرآن کریم میں ---------- یہ تینوں لفظ ارشاد ہوئے۔ کبھی ان میں فرق بھی کہا جاتا ہے کہ ظاہر کو دیکھنا نظر ہے غور کرکے دیکھنا بصر یعنی نظر دیکھنا تکنا اور پھر سوچنا فرماتا ہے **ترنهم ينظرون اليك وهم لا يبصرون** یہاں نظر کا ثبوت ہے بصر کی نفی یعنی کیا ان بتوں کی ایسی آنکھیں ہیں جن سے وہ تم کو تمہاری مصیبتوں کو یا دنیا کی چیزوں کو دیکھیں **ام لهم اذان يسمعون بها** اس فرمان عالی کا وہ ہی مطلب ہے جو پہلے ذکر ہوا **اذن** جمع ہے اذن کی۔ بمعنی کان بتوں کے مصنوعی کان تھے مگر ان کانوں میں سننے کی طاقت نہ تھی۔ خیال رہے کہ سمع کے معنی سننا استماع کے معنی ہیں کان لگا کر بغور سننا رب فرماتا ہے **فاستمعوا له وانصتوا**۔ خلاصہ یہ ہے کہ نہ تمہاری سنتے ہیں نہ تم کو دیکھتے ہیں نہ تمہاری مدد کو پہنچ سکتے ہیں نہ تمہیں آفات سے بچا سکتے نہ تم کو کچھ دے سکتے ہیں **قل ادعوا شركاءكم** اب تک تو بتوں کی مجبوری کا ذکر تھا اب اللہ تعالیٰ قدرت کاملہ اس کی مدد کا تذکرہ ہے کہ اگر تم کو میرے رب کی قدرت و قوت دیکھنا ہے تو مجھے اور میری بے نیازی کو دیکھ لو میں اکیلا ہوں بے ساز و سامان ہوں تم جتھے والے ساز و سامان والے ہو تم سب مل جاؤ اور اپنے معبودین باطلہ کو اپنی مدد کے لئے میرے مقابل بلالو یہاں دعا بمعنی بلانا ہے اور شرکاء سے مراد بت پرستوں کے بت ہیں اس میں حضرت عیسیٰ و عزیر علیہم السلام یا فرشتے داخل نہیں رب فرماتا ہے **فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهداءكم** ان جیسی آیات میں یہ دونوں حضرات انبیاء یا فرشتے داخل نہیں ہوتے اگرچہ کفران کو معبود جانتے ان کی پرستش کرتے ہیں وہ حضرات حضور انور کے مقابلہ میں کب آسکتے ہیں اور کب فریب دے سکتے ہیں **ثم كيدون فلا ينظرون** یہ عبارت معطوف ہے **ادعوا** پر اور مفعول ہے قل کا یہاں ثم مہلت اور تراخی کے لئے ہی ہے یعنی پہلے اپنی طاقتیں جمع کرو پھر میرے خلاف تدبیریں سوچو پھر یہ کام کرکے مجھ پر حملہ کرو **كيد** کے معنی مکر و فریب بھی ہیں اور خفیہ تدبیر بھی رب فرماتا ہے **انهم يكيدون كيدا واكيد كيدا** یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ نظر کے معنی ہیں دیکھنا مگر انظار کے معنی ہیں مہلت دینا یعنی تم متفق ہو کر سامان جمع کرکے مجھ پر اپنے سارے داؤں برت لو مجھے سنبھلنے کی مہلت نہ دو پھر میرے رب کی قدرت اور اپنے بتوں کی بے بسی کا نظارہ کرلو کہ تم سب میرا بال بیکا نہیں کرسکتے میری تبلیغ میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتے۔ حضور انور کی تو کان بڑی ہے۔ جس پر حضور نظر کرم فرمادیں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا

خلاصہ تفسیر: اے مشرکو اللہ کے سوا جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو وہ تو تم جیسے ہی ہمارے مملوک مخلوق بندے ہیں ان میں الوہیت کا شائبہ بھی نہیں تم انہیں مدد کے لئے بلا کر پکار کر دیکھ لو اگر تم سچے ہو کہ الہ معبود ہیں تو چاہیے کہ وہ تمہاری پکار سنیں تمہارے بلانے پر تمہارے پاس مدد کو پہنچیں ایسا نہ ہوا ہے نہ ہو تم نے غور نہ کیا کہ کیا بتوں کے پاؤں ہیں جن سے وہ چل سکیں کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑ سکیں اور تم تک پہنچ کر تمہاری مدد کرسکیں تم کو آفات سے چھوڑا سکیں کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ تمہاری حالت دیکھ سکیں کیا ان کے کان ہیں جن سے وہ تمہاری پکار سن سکیں یہ کچھ بھی نہیں تو وہ تو تم سے بھی بدتر ہوئے کہ تم میں یہ اعضاء اعضاء میں یہ طاقتیں موجود ہیں یہ کفار آپ کو اپنے بتوں سے ڈراتے ہیں کہ اگر آپ نے تبلیغ بند نہ کی تو ہمارے بت آپ کو جانی مالی نقصان پہنچائیں گے آپ ان سے علانیہ طور پر فرمادو کہ تم سارے بت پرست جمع ہو جاؤ اور اپنے بتوں کو بھی بلالو اور میرے مقابل اپنی ساری قوتیں جمع کرلو تدبیریں سوچ لو پھر جو تم سے ہوسکے میرا بگاڑ لو مجھے سنبھلنے کی بھی

مہلت نہ دو پھر آزماؤ کہ تم سب میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو یا نہیں میرا رب میرے ساتھ ہے تم سب میرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔

مصطفےٰ تیری جرات پہ لاکھوں سلام

خیال رہے کہ کفار اسی للکار سے خاموش نہ ہوئے انہوں نے حضور کے مقابل اپنی ساری طاقتیں استعمال کر کے دیکھ لیں مگر حضور کو نقصان نہ پہنچا سکے دیکھو تو ہجرت کی شب اللہ نے اپنے حبیب کو ان کی تلواروں کے سایہ میں سے نکال لیا پھر غار ثور میں مکڑی کے جالے اور کبوتری کے انڈوں کے ذریعہ ان کے شر سے بچالیا یہ ہے اس اعلان کا نتیجہ۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ساری مخلوق انسان' حیوان' نباتات' جمادات اللہ کا بندہ ہونے اس کی مخلوق ہونے اس کے مملوک ہونے میں برابر ہیں کہ کوئی نہ خالق ہے نہ خالق کی برابر نہ اس کا حصہ دار یہ فائدہ **امثالکم** سے حاصل ہوا۔

نوٹ ضروری: اس برابری کے باوجود انسان اشرف الخلق ہے **ولقد کرمنا بنی ادم** لہذا عرف میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انسان گدھے کتے کی مثل ہے یوں ہی حضور انور سے کہلوایا گیا **انما انا بشر مثلکم** اس آیت کی بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم حضور انور کی مثل ہیں یوں ہی حضور ہماری مثل ہیں انسان کو ناطق ہونے سے تمام سے **افضل** کر دیا حضور انور کو نبی رسول' **شفیع** المذنبین وغیرہ لاکھوں صفات عالیہ نے سب سے **افضل** کر دیا۔ تعجب ہے کہ جو لوگ ظاہری صورت' کھانا پینا چلنا پھرنا' سونا' جاگنا' جینا مرنا دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ ہم حضور انور جیسے ہیں وہ لوگ یہ ہی صفات دیکھ کر یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہم ابو جہل' فرعون' قارون جیسے ہیں یا وہ لوگ ہم جیسے ہیں جیسے ایک ایمان نے مومنوں کو سارے کفار سے **افضل** کر دیا یوں ہی حضور کی لاکھوں صفات نے حضور انور کو سارے مومنوں بلکہ ساری خلقت سے **افضل** کر دیا۔

لا یمکن الثناء کماکان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!!

دوسرا فائدہ: امر ہمیشہ واجب کرنے کے لئے نہیں آتا اور بہت مقاصد کے لئے آتا ہے۔ دیکھو **فادعواھم** امر ہے مگر اس امر سے نہ تو کفار کو بتوں کو پکارنے کا حکم دیا گیا نہ اجازت دی گئی بلکہ صرف ان کی حماقت ظاہر کی گئی رب فرماتا ہے **فاتوا بسورۃ من مثلہ** لہذا اس آیت میں کفار کو کفر کی اجازت نہیں دی گئی۔ **تیسرا فائدہ:** مجبوری بندگی کی علامت ہے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بتوں کی مجبوری دکھا کر ان کی بندگی ثابت کی ان سے الوہیت کی نفی فرمائی بزرگان دین بلکہ حضرات انبیاء کرام کی بعض دعاؤں کا قبول نہ ہونا بلکہ انہیں دعا سے روک دیا جانا ان کی عبدیت ظاہر کرنے کے لئے ہے ورنہ بعض لوگ انہیں خدا مان لیتے یہ فائدہ **الھم ارجل** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ہر سوال بے علمی کی بنا پر نہیں ہوتا اس کے اور مقصد بھی ہوتے ہیں دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے کفار سے پوچھا کہ کیا بتوں کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء ہیں یعنی غور کرو کہ نہیں ہیں پھر وہ خدا کیسے ہو گئے۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبولوں خصوصاً حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور ﷺ کی ایسی جرات و ہمت عطا فرمائی ہے کہ ان کے دلوں میں ساری مخلوق کی پرواہ نہیں ہوتی یہ فائدہ **قل ادعوا شرکاءکم** سے حاصل ہوا۔ مرزا قادیانی مدعی نبوت تھا مگر ایسا ڈرپوک تھا کہ جان کے خوف سے حج کو نہ جا سکا۔ کفار کی رعایا بن کر رہا اسی حالت میں مرا انہیں کے ملک میں

دفن ہوا۔ خیال رہے کہ کوئی نبی کسی کافر کی رعایا بن کر اس سے دب کر نہ رہے یا تو کفار کے ملک سے ہجرت فرما گئے یا ان سے مقابلہ کیا اور ان کی سلطنت کے ٹکڑے اڑا دیئے دیکھو حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے واقعات کہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے ملک سے ہجرت کی **وقال انی ذاهب الی ربی سیهدین** موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی سلطنت کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ **پہلا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کے سوا کسی کو نہیں پکارنا چاہیئے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان لوگوں پر عتاب فرمایا جو ماسوی اللہ کو پکارتے ہیں **ان الذین تدعون من دون الله** تو تمہارا یا رسول اللہ یا غوث کہنا شرک ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے نبیوں کو مومنوں کو جگہ جگہ پکارا تم بھی ہمیشہ ایک دوسرے کو پکارتے ہو تم سب مشرک ہوئے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں بلکہ ان جیسی تمام آیات میں **تدعون** معنی **تعبدون** ہے کسی کو پکارنا شرک نہیں بلکہ پوجنا شرک ہے اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ **دوسرا اعتراض**: مشرکین کے بتوں کو عباد کیوں فرمایا گیا ان میں نہ جان ہے نہ عقل پھر انہیں عباد یعنی بندے کیوں فرمایا۔ **جواب**: ساری مخلوق جاندار ہو یا بے جان عاقل ہو یا غیر عاقل اللہ کا عبد یعنی اس کی مخلوق اس کی مملوک ہیں اور اگر عبد معنی عابد ہو تب بھی ہر چیز اللہ کی عابد ہے **وان من شئی الا یسبح بحمده** ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے لہذا ان سب کو عبد اللہ کہنا درست ہے۔ **تیسرا اعتراض**: بے جان بتوں کے متعلق یہ کیوں ارشاد ہوا کہ وہ تم جیسے بندے ہیں ہم یعنی انسان خصوصاً مسلمان حس عقل ایمان رکھتے ہیں انسان خلیفۃ اللہ ہے پھر پتھر نور انسان کی مثل کیونکر ہوئے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ مثلیت صرف خالص بندہ ہونے میں ہے نہ کہ اور دوسری چیزوں میں جیسے کہا جائے کہ زید شیر کی مثل ہے تو وہاں مثلیت صرف طاقت جرات میں ہے نہ کہ باقی اور چیزوں میں۔ **چوتھا اعتراض**: اس میں فرمایا گیا کہ بتوں کے ہاتھ پاؤں آنکھ کان نہیں لہذا ان کی پرستش نہ کی جاوے **الهم ارجل** تو کیا بندر گائے وغیرہ جانوروں کی عبادت کرنی چاہیئے کیونکہ ان کے پاس یہ اعضا بھی ہیں ان میں قوتیں بھی۔ **جواب**: اس فرمان عالی میں روئے سخن بت پرست کافروں سے ہے مقصد یہ ہے کہ بت تو تم سے زیادہ کمزور گئے گزرے ہیں ان کی عبادت کرنا پرلے درجہ کی حماقت ہے تم افضل ہو وہ ارذل یہ مطلب نہیں کہ اگر بت میں ہاتھ پاؤں ہو تو اس کی عبادت درست ہے۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بھی ہاتھ پاؤں کان ہیں دیکھو یہاں فرمایا گیا کہ چونکہ بتوں کے کان آنکھ وغیرہ نہیں لہذا انہیں نہ پوجو اگر رب تعالیٰ کے بھی یہ اعضاء نہ ہوں تو اس کی عبادت بھی نہیں چاہیئے (مجسمہ یعنی جسمیہ)۔ **نوٹ**: مسلمانوں میں ایک فرقہ جسمیہ ہے وہ خدا تعالیٰ کے لئے سارے اعضاء مانتا ہے یہ اعتراض ان کا ہے۔ **جواب**: تفسیر کبیر نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک وہ ہے جو ابھی کچھ پہلے ہم نے عرض کیا کہ تم ان بتوں سے افضل وہ کہ تم کو ہاتھ پاؤں آنکھ کان دیئے گئے ہیں جن میں چھونے چلنے دیکھنے سننے کی طاقت ہے ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں پھر تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ دوسرے یہ کہ بت تمہاری مدد نہیں کر سکتے کہ ان کے پاس یہ اعضاء اور اعضاء میں طاقت نہیں۔ ایسے بیکار محض کی عبادت نہیں۔ اللہ تعالیٰ میں یہ ساری قدرتیں ہیں مگر بغیر ان اعضاء کے بغیر۔ فقیر کہتا ہے کہ اگر جسمیہ کا یہ سوال درست ہے کہ عبادت کا دارومدار ان عضووں پر ہے تو انہیں چاہیئے کہ وہ بندروں گائے شیر وغیرہ کی عبادت کیا کریں۔ کیونکہ ان کے پاس یہ اعضاء بھی ہیں ان میں یہ قوتیں بھی

رب تعالیٰ قرآن سمجھنے کی توفیق دے۔

تفسیر صوفیانہ: بتوں کے پاس یا تو اعضاء نہیں جیسے سارے پتھر یا اعضاء ہیں مگر طاقت نہیں جیسے مختلف پیتل لوہے کے مجسم مورتیاں، بت پرستوں کے پاس اعضاء اور اعضاء میں قوتیں ہیں مگر انہیں ان طاقتوں سے فائدہ حاصل کرنے کی قوت نہیں اس لحاظ سے یہ بتوں سے بدتر ہوئے نیز بت بے عقل بے جان ہیں مگر بت پرست جان دار عقل والے ہو کر بے عقل ہو گئے کہ انہوں نے اپنی طاقتیں غلط جگہ صرف کیں اس لئے دوزخ میں بت پرست عذاب پائیں گے اور بت عذاب دیں گے **وقودها الناس والحجارة** حضور انور ﷺ نے بت پرستوں کو عزت و عظمت دینا چاہی انہوں نے اٹھانا چاہا تو یہ حضور کے دشمن ہو گئے بتوں کو ذلیل کیا انہیں اوپر سے نیچے گرایا مگروہ کلمہ پڑھنے لگے چاند سورج تارے کے تابع فرمان رہے۔ بات بالکل برعکس ہو گئی۔ حقانیت ہی جرات و دلیری ہے نفسانیت میں بزدلی اور کم ہمتی ہے۔ دیکھو ایک حقانیت والے بلکہ سراپا حق نبی سارے نفسانیت والوں کو للکار رہے ہیں کہ جو بگاڑ سکتے ہو بگاڑ لو۔

إِنَّ وَلِـۧيَ اللّٰهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِينَ ﴿١٩٦﴾
تحقیق میرا مددگار اللہ ہے وہ جس نے اتاری کتاب اور مدد کرتا ہے نیک کاروں کی
بے شک میرا ولی اللہ ہے جس نے کتاب اتاری اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے اور جنہیں اس کے سوا
وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَآ أَنْفُسَهُمْ
اور وہ لوگ جنہیں پوجتے ہو تم سوا اس کے نہیں طاقت رکھتے وہ مدد کی تمہاری اور نہ ہی اپنی
پوجتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ خود اپنی مدد
يَنْصُرُونَ ﴿١٩٧﴾ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوا ۖ وَتَرٰىهُمْ
جانوں کی مدد کرتے ہیں اور اگر بلاؤ تم انہیں طرف ہدایت کے تو نہ سنیں وہ اور دیکھو تم
کریں اور اگر بلاؤ تم انہیں طرف ہدایت کے تو نہ سنیں اور تو انہیں دیکھے
يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٩٨﴾
انہیں کہ وہ نظر کرتے طرف تمہارے اور وہ نہیں دیکھتے
کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں اور انہیں کچھ بھی نہیں سوجھتا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ بت اور جھوٹے معبود کسی کی کچھ مدد نہیں کر سکتے اب ارشاد ہے کہ معبود برحق اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دینی مدد بھی فرماتا ہے اور دنیاوی بھی کیونکہ بت مجبور محض ہیں رب تعالیٰ قادر مطلق گویا الا الہ کا ذکر پچھلی آیات میں تھا الا اللہ کا تذکرہ ان آیات میں ہے۔ **دوسرا تعلق**:

پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ تمہارے مصنوعی معبودوں کے مصنوعی ہاتھ پاؤں ہیں مگر ان میں پکڑنے چلنے کی طاقت نہیں اب اس معبود حقیقی کا ذکر ہے جو ہاتھ پاؤں آنکھ کان وغیرہ اعضاء سے پاک ہے مگر تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار کو للکار آگیا تھا کہ تم سب اور تمہارے سارے معبود جمع ہو کر میرا بگاڑلو یعنی تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے اب اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ میرا ولی و وارث اللہ تعالیٰ ہے جس کا والی رب ہو اس کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ تمام دنیا مل کر کچھ نہیں بگاڑ سکتی اب اشارۃً ارشاد ہے کہ میرے مقابلہ میں اگر تمام دنیا اپنا ہی بگاڑے گی کیونکہ جس سے میں راضی اس سے رب راضی جس سے میں ناراض اس سے رب تعالیٰ ناراض۔

تفسیر: ان ولی اللہ چونکہ مشرکین عرب حضور ﷺ کے بے یار و مددگار اپنے کو بڑی قوت اور بڑی حمایتوں والا سمجھتے تھے اس لئے اس مضمون کو ان سے شروع فرمایا ان وہاں ارشاد ہوتا ہے جہاں کوئی منکر موجود ہو **ولی** بروزن فعیل صفت مشبہ ہے یا تو ولی سے بنا ہے ۔ بمعنی محبت یا قرب یا دوستی ولی کے معنی ہیں محبت کرنے والا قریب یا بنا ہے ولایۃ سے ۔ بمعنی مدد 'حمایت' حفاظت 'وراثت وغیرہ تو ولی کے معنی ہوئے مددگار 'حمائتی' حافظ و ناصر یا والی وارث۔ یہاں سارے معنی درست ہیں مگر مددگار یا حافظ و حمائیتی کے معنی زیادہ موزوں ہیں یہاں ولی میں تین **ی** جمع ہو گئی ہیں پہلی **ی** فعیل کے وزن کی دوسری **ی** مادہ کلام کلمہ ان دونوں کا ادغام کردیا گیا اور تیسری **ی** متکلم کی جو ولی کا مضاف الیہ ہے اس **ی** کو مفتوح پڑھا جاتا ہے (تفسیر کبیر 'روح البیان وغیرہ) یہ فرمان عالی **قل ادعوا شرکاء کم** کی وجہ ہے یعنی میں تم کو اور تمہارے معبودوں کو اس لئے للکار رہا ہوں کہ میرا حافظ و ناصر والی وارث اللہ تعالیٰ ہے۔ **الذی نزل الکتاب** یہ عبارت صفت ہے اللہ کی اور وجہ ہے ولایت کی یعنی رب تعالیٰ میرا حافظ اس لئے ہے کہ اس نے مجھ پر قرآن مجید اتارا مجھے اپنا راز دار نبی بنایا تو ضرور وہ اپنے فضل و کرم سے میری حفاظت فرمائے گا یہاں الکتاب میں الف لام عہدی ہے اور اس سے مراد قرآن مجید ہے کتاب کے معنی اور قرآن مجید کے تیس نام ہم پہلے پارہ میں **ذالک الکتاب** کی تفسیر میں اور دوسرے پارہ میں عرض کر چکے ہیں اگرچہ قرآن مجید اتارنے والے حضرت جبریل ہیں مگر چونکہ جبریل کا کام رب تعالیٰ کا کام ہے اس لئے یہاں نزل کا فاعل رب تعالیٰ کو فرمایا گیا **وھو یتولی الصلحین** یہ فرمان عالی پچھلے مضمون کا تتمہ ہے اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ میرا ولی اس لئے بھی ہے کہ میں اس کے فضل سے صالح ہوں اور صالحین کی مدد فرمانا اس کی عادت کریمہ ہے دوسرے یہ کہ وہ رب میرا حافظ و مددگار ہے اور پھر جو میرے دامن کرم سے وابستہ ہو جاوے یعنی نیک و صالح ہو جاوے حق تعالیٰ اس کا بھی والی و حافظ ہوتا ہے صالحین یا تو بنا ہے صلاح سے ۔ بمعنی نیکی' عمدگی خوبی یا صلاحیت سے ۔ بمعنی لیاقت و قابلیت یہاں دونوں معنی درست ہیں **یتولی** فرما کر یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی صرف ایک بار ہی مدد نہیں کرتا بلکہ مدد کرتا رہتا ہے یا ہمیشہ انہیں دوست رکھتا ہے حتی کہ ان کی موت کے بعد بھی رب کی محبت و کرم جاری رہتا ہے لہٰذا اگر تم رب کا کرم چاہو تو میرے دامن سے لپٹ جاؤ صالح و نیک یا اس کی محبت کے لائق بن جاؤ **والذین تدعون من دونہ** یہ مضمون ابھی کچھ پہلے گزر چکا مگر وہاں بیان واقعہ کے لئے تھا یہاں مقابلہ کے لئے یعنی میرا رب تو ایسا قوی اور رحیم و کریم ہے اور تمہارے جھوٹے معبود ایسے کمزور اور ناکارہ ہیں چونکہ بت پرست اپنے بتوں کو عاقل سمجھدار جانتے مانتے تھے اس لئے ان کے متعلق الذین ارشاد ہوا جو عقل والوں کے لئے آتا ہے **تدعون** بنا ہے دعا ۔ بمعنی عبادت ہے

دون کے بہت معانی ہیں یہاں۔ معنی سواء ہے اور اگر دعا۔ معنی پکارنا یا دعا مانگنا ہو تو دون۔ معنی مقابل ہے **لایستطیعون نصرکم** اس کی تفسیر ابھی پہلے گزر گئی مدد نہ کرنا اور چیز ہے اور مدد کی طاقت نہ رکھنا کچھ اور چیز یہاں مدد کی طاقت رکھنے کی نفی فرمائی گئی **ولاانفسھم ینصرون** اس جملہ کا تعلق بھی **لایستطیعون** سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی ذات اپنی جان کی مدد بھی نہیں کر سکتے اگر ان کا چڑھاؤ وآتا لے جاوے یا ان کے منہ پر مکھیاں۔ بھنکیں تو وہ کتے سے چڑھاوا چھین نہیں سکتے اور مکھیاں اڑا نہیں سکتے **وان تدعوھم الی الھدی لایسمعوا** اس کی تفسیر بھی ابھی پہلے ہو چکی کہ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اگر تم بتوں کی رہبری کرو کہ یہاں نہ بیٹھو وہاں بیٹھو بارش یا دھوپ سے بچ جاؤ یا فلاں کو اپنا دوست سمجھو فلاں کو دشمن تو تمہاری سن سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر تم انہیں ہدایت دینے کے لئے بلاؤ کہ مہاراج ہم کو اچھی بری باتیں بتاؤ تو وہ کچھ بھی نہ سنیں نہ قبول کریں ایسی ناکارہ چیز کی عبادت کیسی۔ خیال رہے کہ یہاں روئے سخن کفار کی طرف ہے ورنہ حضور ﷺ کے ارشاد پر کنکریوں، پتھروں نے کلمہ پڑھا ہے۔ آپ کے اشارہ پر چلے ہیں مگر یہ ان کا کمال نہیں کمال کلمہ پڑھانے والے محبوب کا ہے۔ ﷺ جن کے اشارہ پر سورج لوٹا۔ چاند پھٹا بادل آکر برسا درخت دوڑے آئے پتھروں نے کلمے پڑھے **وترھم ینظرون الیک وھم لایبصرون** اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ **تری** میں خطاب ہر مومن سے ہے اور **ھم** کا مرجع بت ہیں یعنی اے مومن تو بتوں کو دیکھے گا کہ وہ تجھے دیکھ رہے ہیں کیونکہ بت پرستوں نے ان کی آنکھیں بنائی ہیں اور آنکھوں میں سفید و سایہ پتھر ایسے جڑے اور ان میں موتی اس قرینے سے لگائے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تجھے دیکھ رہے ہیں کہ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور تیری طرف ان کی نظر ہے مگر حقیقت میں وہ دیکھتے نہیں کہ آنکھوں میں نور نہیں دوسرے یہ کہ **تری** میں خطاب نبی ﷺ سے ہے اور **ھم** کا مرجع کفار ہیں یعنی اے محبوب تم دیکھ رہے ہو کہ وہ تمہیں دیکھتے تو ہیں مگر صرف ظاہر میں حقیقت میں وہ تم کو نہیں دیکھتے کہ تم کو دیکھنے والی آنکھ ان کے پاس نہیں تمہیں دیکھنے کے لئے صدیقی آنکھ درکار ہے ابو جہل آنکھ نہیں دیکھتی۔ اس لئے وہ صحابی تو کیا مومن بھی نہیں بنتے۔

انداز حسینوں کو سکھائے نہیں جاتے ۔۔۔ امی لقبی ہوں وہ پڑھائے نہیں جاتے
ہر ایک حصہ نہیں دیدار کسی کا ۔۔۔ بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ ان آیات کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں ایک آسان واضح تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں فرما دو کہ اے مشرکو تم نے یہ بھی غور کیا کہ میں اکیلا ہو کر تمام دنیا کے کافروں ان کے جھوٹے معبودوں کو مقابلہ کے لئے کیسے للکار رہا ہوں کس طاقت کی بنا پر کہہ رہا ہوں کہ **ثم کیدون فلا تنظرون** مجھ پر داؤں چلا لو مجھے مہلت نہ دو۔ وجہ یہ ہے کہ میرا مددگار میرا والی وارث میرا رب ہے۔ جس نے مجھ پر قرآن مجید اتارا اور مجھے آخری نبی ہونے کے لئے منتخب فرمایا میری تو بڑی شان ہے۔ جو میرے دامن کرم سے وابستہ ہو جاوے۔ صالح و نیک بن جاوے اس کے کرم کے لائق ہو جاوے۔ اللہ تعالیٰ اس کا والی وارث ہے مددگار ہو جاتا ہے اور تمہاری مجبوری بے بسی کی وجہ یہ ہے کہ جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ نہ تمہاری مدد کر سکیں نہ خود اپنی ان کی مرمت کرنے کے لئے ایک کتاہی کافی ہے اگر تم ان بتوں کو ہدایت دینے کے لئے بلاؤ تو انہیں خبر نہ ہو اور اے محبوب مشرکین و کفار آپ پر ایمان کیوں نہیں لائے صرف اس لئے کہ آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کو دیکھ

رہے ہیں مگر حقیقت میں وہ آپ کو دیکھتے ہی نہیں کیونکہ آپ کو دیکھنے والی نگاہ ان کے پاس نہیں وہ صرف آپ کی بشریت اپنی بصارت سے دیکھتے ہیں انہیں آپ کی نبوت نہیں سوجھتی کہ ان کے پاس بصیرت نہیں۔

عمل: جو شخص یہ آیۃ **ان ولی اللہ الذی نزل الکتاب وھو یتولی الصالحین** صبح شام پڑھا کرے تو انشاء اللہ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہے تعداد مقرر نہیں۔ تفسیر روح المعانی والے اسی جگہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کو خواب میں کسی بزرگ نے یہ عمل بتایا وہ صبح کو اپنے ورد میں یہ رکھتے تھے (روح المعانی)۔

حکایت: امیر المومنین حضرت عمر ابن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے کبھی کوئی چیز جمع نہ فرمائی کسی نے پوچھا کہ آپ اپنی اولاد کے لئے کیا چھوڑیں گے تو فرمایا کہ میری اولاد صالح ہوئی تو رب تعالیٰ ان کا والی وارث ہے اور یہ ہی آیت پڑھی **وھو یتولی الصالحین** اور اگر وہ مجرم ہیں تو میں مجرموں کا مددگار کیوں بنوں اور وہ آیۃ پڑھی **فلن اکون ظھیرا للمجرمین** (تفسیر کبیر) اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہماری اولاد کو صالح بنائے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ حضور کے قرآن کا حضور کے احکام کا والی وارث ہے انشاء اللہ انہیں کوئی مٹا نہیں سکتا کیونکہ اس دین پر قرآن مجید پر شرعی احکام پر حضور انور کا ہاتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کا حضور کا والی ہے جیسے حضور کے سارے دشمن حضور کا کچھ نہ بگاڑ سکے ایسے ہی حضور کے دین کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہ فائدہ **ان ولی اللہ** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** جو کوئی حضور کے دامن اقدس سے وابستہ ہو جاوے دنیا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ علماء دین اولیاء کاملین کا چراغ کسی آندھی سے نہیں بجھ سکتا۔

چراغے راکہ ایزد برفرو زد! کسے کش تف زند ریشش بسوزد!

یہ فائدہ **وھو یتولی الصالحین** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** قرآن مجید کے لئے حضور انور کا انتخاب اس میں حضور انور کی بہت بڑی عظمت ہے۔

کوئی لایا زبور انجیل کوئی توریت کتاب کسی کو ملی پر تیرے ہواہ میرے پیارے نبی قرآن کا لانا کیا جانے

یہ فائدہ **الذی نزل الکتب** سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ حضور کی **عظمت** نزول قرآن مجید سے ظاہر ہوئی فرماتا ہے **ذکر لک ولقومک** اور قرآن کریم کو حضور سے **عظمت** حاصل ہوئی کہ حضور کی برکت سے قرآن مجید نسخ سے محفوظ ہو گیا اور سارے عالم کی عالمگیر کتاب بنا کیونکہ کتاب اللہ کا حلقہ اور اس کا زمانہ نبوت کے حلق اور زمانہ سے وابستہ ہوتا ہے۔ نبوت موسوی منسوخ ہوئی تو توریت بھی منسوخ ہو گئی سورج ڈوبے تو شعاعیں کہاں ٹھہریں۔ **چوتھا فائدہ:** کبھی نظر اور بصر الگ الگ معنی میں آتے ہیں کہ نظر ظاہری نگاہ کو کہتے ہیں اور بصر باطنی حقیقی نگاہ کو یہ فائدہ **تراھم** اور **وھم لا یبصرون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ **تری** میں خطاب حضور انور سے ہو اور **ھم** سے مراد کفار ہوں دیکھو کفار کے لئے نظر کا ثبوت ہوا بصر کی نفی (از تفسیر کبیر)۔ **پانچواں فائدہ:** پیغمبر کو نظر سے دیکھنا فائدہ مند نہیں بلکہ بصر سے دیکھنا فائدہ مند ہے دیکھو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اور ابو جہل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر سے دیکھا مگر نہ صحابی بنے نہ مومن۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مددگار ولی وارث صرف اللہ تعالیٰ ہے **وھو یتولی الصلحین** تو جو کوئی نبی ولی کو مددگار مانے وہ نرا مشرک ہے اس آیتہ کے خلاف اس کا عقیدہ ہے۔ **جواب:** حقیقی مددگار والی صرف رب تعالیٰ ہے اس کے خاص بندے اس کی مدد کے مظہر اور مجازی مددگار ہیں۔ دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** اور فرماتا ہے **واجعل لنا من لدنک ولیا" واجعل لنا من لدنک نصیرا** ان آیات میں بندوں کو بھی ولی اور مددگار فرمایا گیا دیکھو حقیقی شافی حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے لیکن بعض دواؤں کو دافع بخار، قبض کشا، شربت فریادرس کہتے ہیں بادشاہ کو ملک کا مالک اپنے آپ کو گھربار کا مالک کہا جاتا ہے نہ آیات میں تعارض ہے اور نہ نبی ولی کو مشکل کشا، حاجت روا ماننا شرک ہے پیاسا کنوئیں پر جائے تو مشرک نہیں یوں ہی گنہگار حضور کے دروازے پر جائے تو مشرک نہیں اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں اللہ کے ساتھ **نزل الکتب** کیوں فرمایا گیا رب تعالیٰ قرآن نازل فرمانے سے پہلے مددگار نہ تھا اس نے تو حضور کی مدد ہمیشہ ہی فرمائی۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ چونکہ رب تعالیٰ نے مجھے نزول قرآن کے لئے منتخب کیا اس لئے وہ میرا خصوصی مددگار ہے وہ مجھے دشمنوں میں گھرا نہ رکھے گا۔

محال است چوں دوست دارد ترا　　　　که در دست دشمن گذارد ترا

دیکھو موسیٰ علیہ السلام کو توریت دالا بنایا تو کس طرح انہیں فرعون کے شر سے بچایا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیتہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نیکوں کی مدد فرماتا ہے مگر دیکھا گیا ہے کہ کبھی نیکوں پر بروں کو غلبہ ہو جاتا ہے۔ رب تعالیٰ نیکوں کے مقابل بدکاروں کی مدد کرتا ہے زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کو کفار نے شہید کیا امام حسین کو لشکر یزید نے شہید کیا۔

موسیٰ و فرعون ، شبیر و یزید!　　　　ایں دو طاقت از ازل آمد پدید

پھر یہ آیتہ کیسے درست ہوئی۔ **جواب:** وہ کفار کی مدد نہیں بلکہ انہیں ڈھیل دی گئی ہے جسے کہتے ہیں استدراج مدد تو چیز ہی اور ہے جو اللہ کے مقبولوں کی ہوتی ہے بدکاروں کی وہ فتح عارضی ظاہری ہوتی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اگر اللہ تعالیٰ نیکوں کی مدد فرماتا ہے تو وہ کفار کے ہاتھوں شہید کیوں ہوتے ہیں انہیں ہر جگہ فتح ہی ہونی چاہئے۔ **جواب:** ان حضرات کی شہادت میں بھی رب کی مدد ہے وہ شہید ہو کر جی جاتے ہیں بلکہ لاکھوں کو جلا جاتے ہیں شہادت مومن کی شکست نہیں مہندی پس کر رنگ دیتی ہے شہید مر کر رنگ دیتا ہے۔

قتل حسینؓ اصل میں مرگ یزید ہے!　　　　اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

شکست اس کی ہوتی ہے جس کا مقصد حاصل نہ ہو امام حسین شہید ہو کر اپنے مقصد پورا کر گئے فتح ان ہی کی ہوئی۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نظر اور بصر میں فرق ہے حالانکہ لغت میں نظر، بصر اور رویت تینوں ایک ہی معنی میں آتے ہیں پھر کفار سے نظر کا ثبوت اور بصر کی نفی کیسے صحیح ہوئی۔ **جواب:** اگر یہاں بتوں کا ذکر ہے تب تو مطلب ظاہر ہے کہ تم کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے بت دیکھ رہے ہیں کیونکہ ان کی آنکھوں میں چمک، سفیدہ، سیاہی سب کچھ بنادی گئی ہے مگر واقعہ میں وہ دیکھتے نہیں یہاں نظر کا ثبوت نہیں بلکہ نظر محسوس ہونے کا ذکر ہے جیسے **وتری الناس سکاری وماھم بسکاری**

وہ لوگ نشہ میں معلوم ہوں گے۔ حقیقت میں نشہ میں نہیں (تفسیر کبیر) اور اگر بت پرستوں کا ذکر ہے تو اس کا جواب وہ ہے جو ابھی فائدوں اور تفسیر میں گذرا دیکھنا اور ہے سوجھنا کچھ اور لیکن اگر **یبصرون** نا ہے بصیرت سے تو بالکل صاف ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آپ کی بشریت کو دیکھتے ہیں نبوت کو نہیں دیکھتے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے نقوش قرآن کی حفاظت گتے کے ذریعے سے الفاظ قرآن کی حفاظت حافظوں قاریوں کے ذریعہ سے ہے احکام قرآن کی حفاظت علماء کے ذریعہ سے اسرار قرآن کی حفاظت صوفیاء کے ذریعہ سے یوں ہی روح قرآن جان قرآن اصل قرآن کی حفاظت حضور محمد مصطفےٰ ﷺ کے ذریعہ سے ہے جس سینہ میں حب رسول نہیں اس میں قرآن مجید ہرگز نہیں رہ سکتا۔

اصل قرآن ' روح ایماں مغز دیں — ہست حب رحمت للعالمین

اللہ تعالیٰ نے قرآن باقی رکھنا ہے اس لئے وہ حضور ﷺ کا والی و حامی ہے وہ جانتا ہے کہ میرا قرآن اس سلطان کے ذریعہ باقی ہے پھر رب تعالیٰ حضور انور کا ایسا والی ہوا کہ جو حضور کے دامن سے لگ گیا۔ علماء' اولیاء ان کا بھی رب والی ہو گیا حضور کے نام کا اللہ والی حضور کی عزت کا اللہ والی۔ حضور کے کلمہ کا اللہ والی حضور کی نمازوں شرعی احکام کا اللہ والی حضور کے نام لیواؤں کا اللہ والی۔

محمد مصطفےٰ کے باغ کے سب پھول ایسے ہیں — کہ بے پانی بھی تر رہتے ہیں مرجھایا نہیں کرتے

جس غلاف میں قرآن رہے وہ غلاف عظمت والا جس سینہ میں صاحب قرآن رہیں وہ سینہ عزت والا۔

تیری عاشقی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا — میری پوچھ گچھ یہ ساری ترے نام کی بدولت

اس لئے ارشاد ہوا **وھو یتولی الصالحین** صالح وہ ہی ہے جو ان کے قدم سے وابستہ ہے چونکہ مشرکین کفار اس نسبت غلامی سے محروم تھے لہذا ان کا مددگار کوئی نہیں نہ رب تعالیٰ نہ ان کے بت مومن کے لئے مددگار اللہ تعالیٰ بھی ہے اور مشرکین کے بت بھی ہیں کہ مومن کے کہنے پر کلمہ پڑھ دیتے ہیں اسلام کی حقانیت کی گواہی دے دیتے ہیں جیسا کہ بہت بزرگوں سے منقول ہے۔

حکایت: شہر متھرا پہلے نرا کفرستان تھا بازار چوک میں دودھ والوں کی دو کانیں تھیں ان میں پتھر کی گائیں کھڑی تھیں ایک فقیر وہاں پہنچا دوکاندار سے پیسہ مانگا وہ بولا کہ اس پتھر کی گائے سے دودھ نکال دے پیسہ لے لے فقیر بولا نہیں میں پتھر کی گائے سے دودھ نکالوں تو مسلمان ہو جا اور اس دوکان کو مسجد بنا دے اس کا نام نبی جی کی مسجد رکھ وہ ہندو راضی ہو گیا فقیر نے اس مورتی سے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں رسول کا امتی ہوں اسلام و کفر کا مقابلہ ہے اللہ کے حکم سے رسول کی مہربانی سے دودھ دے چاروں تھنوں سے دودھ جاری ہو گیا۔ سارے بازار کے سارے برتن دودھ سے بھر گئے بولا کہ اگر تو کہے تو متھرا شہر کو دودھ میں غرق کر دوں دودھ والا ہندو بولا بس بابا میں مسلمان ہوتا ہوں وہ جگہ مسجد بنی اب تک نبی جی کی مسجد بازار میں موجود تھی اب خبر نہیں کیا حشر ہوا (تاریخ متھرا) غرضکہ ہر چیز مومن کی خادم اس کی مددگار ہے۔

مرد مومن مالک خشک و تراست — مرد مومن نائب پیغمبر است

مرد مومن را محمد ابتدا است — مرد مومن را محمد انتہا است

صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء و اولیاء حق تعالیٰ کی شان کے آئینے اس جمال کے مظہر ہیں ان سے امداد لینا ان سے توسل عین توحید ہے اور انوار سے لو اسرار مصحف اسرار سے لو یہ لوگ بعد وفات بھی مدد کرتے ہیں۔

مشو بمرگ زاہر او اہل دل نومید ۔۔۔ کہ خواب مردم آگاہ عین بیداریست

ہم ماں کو اور نظر سے دیکھتے ہیں بیٹی کو اور نظر سے بیوی کو اور نظر سے یوں ہی حضور کو صدیقی نظر سے دیکھو۔

حکایت: سلطان محمود نے خواجہ ابوالحسن خرقانی سے پوچھا کہ بایزید بسطامی کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں فرمایا وہ بزرگ ہیں کہ جو انہیں دیکھ لے سعید ہو جائے۔ سلطان محمود نے کہا کہ ابوجہل نے حضور کو دیکھا سعید نہ ہوا بایزید کو دیکھنے والا سعید کیسے ہو سکتا ہے خواجہ نے فرمایا کہ ابوجہل نے محمد رسول اللہ کو نہ دیکھا اس نے محمد ابن عبداللہ کو دیکھا اگر وہ محمد رسول اللہ کو دیکھ لیتا تو جنتی ہو جاتا۔

برائے دیدن روئے تو چشم دیگرم باید ۔۔۔ کہ ایں چشمے کہ من دارم جمالت را نمی شاید

مولانا نے ایک حدیث کا ترجمہ یوں فرمایا

گفت طوبیٰ من رآنی مصطفیٰ ۔۔۔ **والذی یبصر لمن وجھی رای**

چو چراغے نور شمعی راکشید ۔۔۔ ہر کہ دید آنرا یقیں آں شمع دید

ہم چنیں تا صد چراغ از نقل شد ۔۔۔ دیدن آخر لقاء اصل شد

اولیاء اللہ کو عظمت سے دیکھنا گویا حضور ہی کو دیکھنا ہے جبکہ بصیرت سے ہو حضور فرماتے ہیں **من رانی فقدرای الحق** یہ فرمان عالی خواب و بیداری سب کو شامل ہے جس نے حضور کو بیداری یا خواب میں دیکھا بالواسطہ یا بلاواسطہ اس نے حضور ہی کو دیکھا ایک چراغ سے سو چراغ روشن کر لو ہر ایک میں پہلے چراغ کا ہی نور ہو گا ان میں سے جس چراغ کو دیکھو پہلے چراغ کا ہی تو دیکھو گے۔ شیطان نہ تو حضور انور کی شکل بن سکتا ہے نہ حضور کے خاص اولیاء یعنی قطب عالم کی شکل بن سکے (روح البیان)

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ

لو معافی کو اور حکم کرو اچھی بات کا اور منہ پھیر لو بے علموں نادانوں سے اور اگر کبھی پہنچے تجھ کو

اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو اور اے سننے والے

مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۰۰﴾

طرف سے ابلیس کی کوئی اثر پس پناہ لو اللہ کی تحقیق وہ سننے والا جاننے والا ہے

اگر شیطان تجھے کوئی کونچا دے تو اللہ کی پناہ مانگ بے شک وہی سنتا جانتا ہے۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار و مشرکین کی جہالتوں اور حماقتوں کا ذکر ہوا کہ وہ اپنے سے کم تر چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اب محبوب ﷺ کو ان کی جہالتوں پر صبر کرنے اخلاق کریمانہ اختیار فرمانے کا حکم دیا گیا کہ آپ ان کی ان حرکتوں سے پریشان نہ ہوں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اشارۃً اللہ تعالیٰ کے

صبر فرمانے کا ذکر ہوا کہ ایسے سرکشوں کو روزی دیتا ہے ہر طرح کے آرام پہنچاتا ہے اب حضور ﷺ کو اخلاق الٰہیہ اختیار فرمانے کا حکم ہے گویا اخلاق الٰہیہ کے بعد اخلاق محمدی کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار کی جہالت کا ذکر ہوا کہ وہ اپنے سے کمتر مخلوق کو پوجتے ہیں اب تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جارہا ہے کہ اپنے سے افضل و اشرف نبی کی مخالفت کرتے ہیں تو اے محبوب آپ درگذر سے کام لیں گویا ان کفار کی ایک جہالت کے بعد دوسری جہالت کا تذکرہ ہے۔

شان نزول: جب پہلی آیت **خذالعفو** نازل ہوئی تب نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ غصہ کی حالت میں حکم الٰہی کیا ہے تب دوسری آیت **واما ینزغنک** نازل ہوئی (تفسیر کبیر خازن و تفسیر روح المعانی)۔

تفسیر: **خذالعفو** اس فرمان عالی کی چند تفسیریں ہیں (1) **خذ** بنا ہے **اخذ** سے۔ معنی لینا عفو کے معنی بچی ہوئی فاضل چیز یعنی اسے وصول فرمائیں لوگوں کی ضرورت سے بچے ہوئے مال اور وہ فقراء و مساکین میں تقسیم فرمادیں رب فرماتا ہے **ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو** وہاں بھی عفو سے یہ ہی مراد ہے اس صورت میں یہ فرمان عالی زکوۃ کے حکم سے منسوخ ہوگیا۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس کا یہ ہی فرمانا ہے (تفسیر کبیر، روح المعانی، تفسیر خازن وغیرہ) (2) **خذ** کے معنی ہیں قبول فرمایئے اختیار کیجئے۔ عفو کے معنی ہیں درگذر فرمانا۔ یعنی لوگوں کی سختی بد خلقی پر درگذر فرمانا کفر کی سختیوں پر صبر فرمانا اختیار کیجئے اس پر صبر فرمایئے اس صورت میں یہ آیت جہاد کی آیات سے منسوخ ہے یہ فرمان ہے حضرت ابن عمر ابن زبیر۔ عائشہ صدیقہ مجاہد کا رضی اللہ عنہم (خازن، کبیر وغیرہ) شاعر کہتا ہے۔

خذی العفو منی تستدیمی مودتی ولا تنطقی فی سورتی حین الغضب

اس شعر میں عفو۔ معنی نرمی پر درگزر کرنا ہے (3) **خذ** کے معنی ہیں اختیار کرو عفو کے معنی ہیں معافی دینا اپنے قصور مند پر سختی نہ کرنا یعنی اے محبوب لوگوں کو معافی دینا درگذر اختیار فرماؤ اس صورت میں یہ حکم محکم ہے منسوخ نہیں یہ ہی تفسیر قوی ہے۔ عام مفسرین نے یہ ہی تفسیر کی ہے اور اس صورت میں معافی سے مراد ہے اپنے ذاتی معاملات میں معافی دینا اپنی ذات کے مجرم کو بخش دینا، قومی یا دینی مجرم اس میں داخل نہیں اسی لئے آگے ارشاد ہوا **وامر بالعرف** امر کے معنی ہیں حکم دینا عرف کے معنی ہیں معروف چیز یعنی اچھے اعمال اچھے احوال اچھے عقائد بعض نے فرمایا کہ کلمہ **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** معروف ہے مگر پہلی بات قوی ہے کہ اس میں کلمہ طیبہ بھی داخل ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرنا، صلہ رحمی کرنا، زبان جھوٹ و غیبت سے محفوظ رکھنا، نگاہ کو حرام سے اعضاء کو گناہ سے بچانا (تفسیر روح البیان) **واعرض عن الجاھلین** اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہیں (1) اعراض سے مراد ہے توجہ نہ کرنا جاہلین سے مراد ہیں کفار یعنی کافروں کی سختی کی طرف دھیان نہ دیں اس صورت میں یہ حکم جہاد کے حکم سے منسوخ ہے (2) جاہلین سے مراد ہیں وہ لوگ جو آداب دربار سے واقف نہیں یعنی ان ناواقفوں کی سخت کلامی سے منہ پھیریں اس پر برا نہ مانئے اس صورت میں یہ حکم محکم ہے منسوخ نہیں یہ ہی قوی اور صحیح تر ہے **واما ینزغنک من الشیطان نزغ** یہ فرمان عالی علیحدہ جملہ ہے **اما** بنا ہے **ان** شرطیہ اور **ما** تنکیریہ سے اس کے معنی ہوتے ہیں اگر کبھی **نزغ** **نسغ** نخس تینوں لفظ ہم معنی ہیں جس کے معنی ہیں سوئی یا نیزہ بھالا جسم میں چبھونا جسے اردو میں کہتے ہیں کونچا دینا اگر اس میں خطاب نبی ﷺ سے ہے تو شیطان سے مراد ہے ابلیس کیونکہ حضور کا قرین تو مسلمان ہو چکا ہے جیسا کہ

حدیث شریف میں ہے اور **نزغ** یعنی کونچے سے مراد ہوگا معمولی وسوسہ اور اگر خطاب ہر مومن سے ہے تو شیطان سے مراد ہے قرین جو خبیث جن ابلیس کی اولاد سے ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے کیونکہ عام انسانوں پر براہ راست شیطان عمل نہیں کرتا۔ قرین کے ذریعہ کرتا ہے (روح البیان) یہ دوسری تفسیر ہی قوی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کو اختیار فرمایا ہے اس صورت میں **نزغ** سے مراد وسوسے گناہ کے ارادے برے خیالات سب ہی ہیں کہ یہ سب شیطان کی طرف سے ہے **فاستعذ باللہ** یہ عبارت **اما** کی جزا ہے استعاذہ بنا ہے عوذ سے اس کی تحقیق اس تفسیر کے شروع میں **اعوذ باللہ** کی تفسیر میں ہو چکی یعنی اس صورت میں اے مسلمان اللہ کی پناہ مانگ **انہ سمیع علیم** یہ **استعذ** کی وجہ ہے اس میں اشارہ فرمایا گیا کہ **اعوذ** صرف زبان سے نہ ہو بلکہ دل سے ہو اس لئے سمیع کے ساتھ علیم ارشاد ہوا سمیع کا تعلق ہے پناہ لینے کے الفاظ سے اور علیم کا تعلق ہے پناہ لینے والے کی نیت سے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ پہلی آیت کی تین تفسیریں ہیں اور دوسری کی دو ہم آخری تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو نہایت قوی ہے کہ پہلی آیتہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو تین اخلاقی باتوں کا حکم دیا اور دوسری آیتہ کریمہ میں ہم مسلمانوں کو ایک اہم بات کا حکم دیا چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب ﷺ آپ معافی درگذر مجرموں کو بخش دینے کو اختیار فرماؤ مگر اپنے ذاتی معاملات میں رہے دینی اور ملکی قوانین اس میں کسی کی رعایت نہ کرو اچھی باتوں کا سب کو تاکیدی حکم دو موقعہ ملے تو ہاتھ سے ورنہ زبان سے اچھے عقائد اچھے اعمال 'احوال' اچھے افعال سب کو بتاؤ تبلیغ کے سلسلہ میں جاہلوں کی طرف سے اگر آپ کو تکلیف پہنچے تو ان سے چشم پوشی کرو کہ اس میں کامیابی ہے اور اے مسلمان اگر تجھے کبھی شیطان برے وسوسے برے ارادے کا اثر کرے تو تو اس کے شر سے اللہ کی پناہ لے اسی طرح دل سے اس کی طرف متوجہ ہو اور زبان سے **اعوذ باللہ** پڑھ رب تعالیٰ تیرے الفاظ کو سنتا ہے تیری نیت تیرے ارادہ کو جانتا ہے۔ خیال رہے کہ اس آیتہ کی تفسیر حضور ﷺ کے فرمان بلکہ آپ کی زندگی پاک ہے فرماتے ہیں کہ جو تم سے توڑے تم اس سے جوڑو جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کرو خود اپنے مجرموں کو ایسی معافیاں دیں جن کی مثال دنیا میں نہیں ملے گی فتح مکہ فرما کر قریش خصوصاً ہندہ 'ابوسفیان' عکرمہ ابن ابوجہل اور وحشی تک کو امان و معافی دے دی بلکہ ان پر جود و کرم کی بارش فرمادی۔

یہ دربار محمد ہے یہاں اپنوں کا کیا کہنا — یہاں سے ہاتھ خالی غیر بھی جایا نہیں کرتے

فائدے: ان دونوں آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حقوق اور معاملات دو قسم کے ہیں ایک وہ جن میں معافی چشم پوشی درگزر کرنی درست ہے جیسے اپنے حقوق خصوصاً مالی معاملات ان میں حتی الامکان نرمی معافی کی جاوے اس کے متعلق یہ فرمان ہے **خذ العفو** ان کے متعلق رب فرماتا ہے۔ **ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولک** اور فرماتا ہے **وجادلھم بالتی ھی احسن** دین کی تبلیغ خوش خلقی سے کرنا لازم ہے دوسرے وہ جن میں کسی قسم کی نرمی 'معافی جائز نہیں کہ اس سے دنیا میں فساد ہوگا اس کے متعلق ارشاد ہوا **وامر بالمعروف** جیسے چوروں ڈاکوؤں کو سزا دینا مرتدین قاتلین کو قصاص میں قتل کرنا ظالم سے مظلوم کا بدلہ لینا کہ ان میں نرمی کرنا اخلاق نہیں بلکہ بلپلا پن ہے (تفسیر کبیر) رب فرماتا ہے **یایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم** اور فرماتا ہے **اشداء**

علی الکفار رحماء بینھم دوسرا فائدہ: معافی اور در گذر سے عزت بڑھتی ہے مجرم خود شرمندہ ہوتا ہے بلکہ آئندہ کے لئے اس کی اصلاح ہو جاتی ہے بڑوں کا ظرف بھی بڑا ہوتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد سے عرض کیا کہ **اخرجنی من السجن** رب نے مجھ پر بڑا احسان فرمایا کہ مجھے جیل سے نکالا وہاں سے نجات دی مگر کنوئیں سے نکلنے کا ذکر نہ کیا کیونکہ بھائی سامنے کھڑے تھے وہ شرمندہ ہو جاتے۔ ابو سفیان ہندہ وغیرہم کے مسلمان ہو جانے پر حضور انور نے کبھی ان کے گذشتہ قصوروں ظلموں کا ذکر تک نہ فرمایا بلکہ عکرمہ کے ایمان لانے پر صحابہ کرام کو حکم دیا کہ کوئی عکرمہ کے سامنے ان کے باپ ابو جہل کو برا نہ کہے یہ ہیں نبی کے ظرف عالی اور ان کے اخلاق کریمانہ کہ اپنے مجرموں کو سزا تو کیا انہیں شرمندہ بھی نہیں کرتے

ندامت ساتھ لے کر سامنے اے عاصیو جاؤ سنا ہے شرمساروں کو وہ شرمایا نہیں کرتے

دعا: اے یوسف علیہ السلام کے رب اے محمد رسول اللہ کے رب تیرے ان بندوں نے ایسے مجرموں کو ایسی معافیاں دی ہیں تو تو ان کا رب ہے **ارحم الراحمین** ہے ہم مجرم ہیں انہیں محبوبوں کا صدقہ ہم کو معافی دے دے محشر میں ہم کو رسوا نہ کر ہمارے محمدی ہونے کی لاج رکھ جس لائق ہم تھے وہ ہم نے کر لیا جو تیری شان عالی کے لائق ہے وہ تو کر گناہ ہم نے کر لئے معافی تو دے دے ہمیں وہ نہ دے جس کو ہم لائق ہم کو وہ دے جو تیری شان کریمی کے لائق ہے ہم کو سزا نہ دے معافی دے آمین! ہم اپنے قصور کا اقرار کرتے ہیں رحم خسروانہ کی درخواست۔ **تیسرا فائدہ:** ہم بڑے خوش نصیب ہیں کہ ہمارا رب کریم و رحیم ہے ہمارا نبی رؤف و رحیم ہے۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم! صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

دنیا میں رب تعالیٰ ہماری سفارش اپنے حبیب سے فرمارہا ہے کہ **خذ العفو** اے پیارے ان گنہگاروں کو معافی دے دیا کرو۔ آخرت میں انشاء اللہ حضور ہماری شفاعت کریں گے کہ اے مولی ان گنہگاروں کو معاف فرمادے اور ظاہر ہے کہ حضور انور رب کی مانتے ہیں اور رب حضور کی مانتا ہے اور مانے گا **ولسوف یعطیک ربک فترضی** اس سے ہم گنہگاروں کو امید ہے کہ انشاء اللہ دو طرفہ معافی ہوگی۔ **چوتھا فائدہ:** لطف یہ ہے کہ حضور انور کو حکم دیا جارہا ہے کہ تم اپنے حقوق کی معافی دیا کرو۔ اشارہ یہ ہے کہ ہم اپنے حقوق معاف کریں گے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رب تعالیٰ حضور کو معافی کا حکم دے اور خود معاف نہ کرے وہ تو فرماتا ہے **لم تقولون مالا تفعلون** پانچواں فائدہ: تبلیغ دینی یعنی اچھائیوں کا حکم دینا برائیوں سے روکنا بہترین عبادت ہے دیکھو رب نے ہم کو تو نماز روزے وغیرہ کا تاکیدی حکم دیا مگر اپنے محبوب ﷺ کو تبلیغ کا تاکیدی حکم فرمایا **وامر بالعرف** لفظ تاکیدی کا خیال رکھنا حضور نے تبلیغ پہلے کی ہے نمازیں بعد میں معراج کے بعد پڑھی ہیں یعنی **یاایھا المدثر قم فانذر** پہلے اتری ہے اور نماز معراج کی رات یعنی تین سال کے بعد فرض ہوئی دوسری عبادات اپنے لئے ہیں مگر تبلیغ امت رسول کے لئے لازم ہے متعدی اچھا عابد اپنی کملی بچاتا ہے مبلغ عالم امت رسول کو پار لگاتا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** بد خلق سخت زبان سخت گیر آدمی سے تبلیغ کا کام نہیں ہوتا۔ تبلیغ میں خوش خلقی نرمی ضروری ہے۔ یہ فائدہ **اعرض عن الجاھلین** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے تبلیغ کا ذکر عفو اور اعراض کے درمیان کیا۔ **ساتواں فائدہ:** تبلیغ میں رکاوٹ ڈالنے والا مبلغ پر

سختی کرنے والا اگر عالم بھی ہو مگر نرا جاہل ہے یہ فائدہ عن الجٰہلین فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جاہل سے تو منہ پھیر لو اور مخالف عالم کے گلے پڑ جاؤ ایسا "عملاً" جاہل ہے۔ **آٹھواں فائدہ**: برے وسوسے برے ارادے کی حالت میں **اعوذ باللہ** پڑھنی چاہیے یہ دفع شیطان اور دفع نقصان کے علاج کے لئے مفید ہے۔

عمل: جس شخص کو وسوسوں کی یا زیادہ اور بے جا غصہ کی بیماری ہو یا نماز میں دل نہ لگتا ہو وہ روزانہ بعد نماز فجر و نماز مغرب گیارہ بار **اعوذ باللہ** اور **لاحول ولا قوۃ** پڑھ کر پانی پر دم کرکے پیا بھی کرے اور دل و دماغ پر چھڑکا بھی کرے اور نماز شروع کرتے وقت بائیں طرف تھتکارے اور لاحول شریف پڑھے انشاء اللہ فائدہ ہو گا۔ مجرب ہے۔ **نواں فائدہ**: اعوذ باللہ پڑھنے میں حضور قلبی چاہئے دل سے انسان یہ سمجھے کہ میں اپنے کو اللہ کو پناہ میں دے رہا ہوں۔ یہ فائدہ سمیع علیم فرمانے سے حاصل ہوا کہ سمع کا تعلق ہمارے الفاظ سے ہے علم کا تعلق نیات سے۔ **دسواں فائدہ**: اگر تبلیغ کے موقعہ پر لوگ زیادتی کریں ہم کو ان پر غصہ آوے تو ہم **اعوذ باللہ** پڑھ لیا کریں یہ فائدہ بھی **واما ینزغنک** سے حاصل ہوا کہ رب نے تبلیغ کے بعد اس کا ذکر فرمایا یہ ہی سمجھانے کے لئے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور انور کی طبیعت سخت تھی آپ جاہلوں سے لڑتے جھگڑتے بھی تھے اور تبلیغ بھی نہیں کرتے تھے اگر پہلے سے آپ کی عادت کریمہ درگذر وغیرہ کی ہوتی تو رب تعالیٰ آپ کو ان چیزوں کا حکم کیوں دیتا حکم اس کو دیا جاتا ہے جو پہلے سے غافل نہ ہو (آریہ)۔ **جواب**: ان جیسی آیتوں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے محبوب تم ان احکام پر قائم رہو رب فرماتا ہے **یاایھا النبی اتق اللہ** تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور انور اس آیت کے نزول سے پہلے تقویٰ و طہارت موصوف نہ تھے۔ فسق و فجور سے شغل رکھتے تھے نعوذ باللہ ہم دعا کرتے ہیں۔ **اھدنا الصراط المستقیم** تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ خدایا ہم گمراہ ہیں ہم کو ہدایت دے مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم کو ہدایت پر قائم رکھو۔ حضور انور بچپن شریف بلکہ پیدائشی مبلغ ہیں عملی تبلیغ حضور نے پیدا ہوتے ہی کی۔

بھائیوں کے لئے ترک پستاں کریں! بچپنے کی **نصافت** پہ لاکھوں سلام

کفار عرب بچپن شریف سے آپ کو صادق الوعد امین کے لقب دیتے تھے نزول قرآن کے بعد آپ نے قولی تبلیغ شروع فرمائی بلکہ حضور انور نزول قرآن سے پہلے قرآنی عبادت کرتے تھے اعتکاف کی حالت میں پہلی آیت نازل ہوئی۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں فرمایا گیا کہ جاہلوں سے روگردانی کرو تو کیا جھگڑالو عالموں سے ہم الجھا کریں۔ **جواب**: جھگڑالو عالم نرا جاہل ہے وہ علم کے لحاظ سے عالم ہے عمل کے لحاظ سے جاہل لہٰذا **الجاھلین** دونوں کو شامل ہے۔ **تیسرا اعتراض**: بہت مفسرین نے پہلی آیت کے **اگلے** جز **خذ العفو** اور آخری جز واعرض عن الجاہلین۔ ان دونوں جزوں کو آیت جہاد سے منسوخ مانا وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں یہ آیت ایسی ہے جس کا اگلا پچھلا جز منسوخ بیچ کا جز محکم تو کیا ان کے نزدیک اخلاقی احکام منسوخ ہیں ہم کسی کو معافی نہ دیں اور جاہلوں سے لڑتے پھریں دیکھو تفسیر کبیر۔ **جواب**: معافی دو طرح کی ہوتی ہے دباؤ کی جب کہ ہم ظالم سے بدلہ نہ لے سکیں اور اخلاق کی کہ بدلہ لینے پر قادر ہوں کرم و مہربانی سے نہ لیں دباؤ والی معافی منسوخ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ** یوں ہی جاہلوں سے درگزر کرنا دو قسم کا ہے مجبوری کی بنا پر اور اخلاقی لحاظ سے پہلا

اعراض اور چشم پوشی منسوخ ہے دوسرا قائم ان مفسرین کے نزدیک یہاں دباؤ مجبوری کی معافی بے بسی کا اعراض مراد ہے لہٰذا دونوں منسوخ ہیں حضور انور نے ابو سفیان، ہندہ وغیرہم کو معافی دی مگر کب، جب ان کا زور ٹوٹ گیا اور وہ مومن بن گئے یہ تھی اخلاق اور کرم کی معافی اس کی تعریف ہے بے بسی کی معافی کمزوری ہے۔ خیال رہے کہ ملکی اور دینی دشمن کو معافی دینا معافی نہیں بلکہ لاقانونی ہے جس سے دنیا میں فساد پھیلتا ہے۔

نکوئی بابداں کردن چنان است — کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

حضور انور نے ابو سفیان وغیرہم کو معافی دے دی کہ وہ لوگ حضور کے مجرم تھے مگر فاطمہ مخزومیہ جن سے چوری سرزد ہوگئی تھی انہیں معافی نہ دی ہاتھ کٹوا ہی دیا سفارش کرنے والوں پر ناراض ہوئے کہ یہ قانون کا جرم تھا رضی اللہ عنہم اجمعین۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ جب تم کو شیطان کا اثر پہنچے تو اللہ کی پناہ لو مگر دوسری جگہ ارشاد ہے کہ **اذا قراءت القرآن فاستعذ باللہ** جب قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ لو ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ تلاوت قرآن کا وقت تو رحمت کا وقت ہے۔ **جواب**: تلاوت کرتے وقت شیطان دھیان ہٹانے رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے اس وقت اعوذ پڑھنا چاہئے جیسے اذان میں **حی علی الصلوۃ** سن کر لاحول پڑھتے ہیں کہ اس وقت شیطان کے دخل کا اندیشہ ہوتا ہے۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ پناہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہی لینی چاہئے نبی ولی کی پناہ لینا نرا شرک اور اس کی آیت کے خلاف ہے دیکھو فرمایا **فاستعذ باللہ**۔ **جواب**: نبی ولی کی پناہ رب تعالیٰ ہی کی پناہ ہے انہیں رب عالم کی پناہ بنا کر بھیجا ہے دیکھو بارش میں چھت کی اور دھوپ میں گھنے درخت کی پناہ لیتا یوں ہی بیماری میں طبیب کی اور کوئی ظلم کرے تو حاکم کی پناہ لینا رب ہی کی پناہ ہے مولانا جامی عرض کرتے ہیں۔

یا رسول اللہ بدرگاہت پناہ آورده ام! — ہیچو کاہے آدم کوہے گناہ آورده ام

تفسیر صوفیانہ: غصہ چند قسم کا ہے اللہ کے لئے غصہ جیسے مجاہد کو میدان جہاد میں کفار پر غصہ آتا ہے اپنی ذلت کے لئے غصہ۔ نفس کے لئے غصہ مال کے لئے غصہ وغیرہ جو غصہ اللہ کے لئے ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی نعمت ہے اسے جاری کرنا ثواب ہے جو غصہ نفسانی یا شیطانی ہے وہ شیطان کی طرف سے ہے اسے دفع کرنا معافی دینا ثواب ہے یہاں آخری قسم کے عفو کا ذکر ہے۔ صوفیاء کے نزدیک مومنین کی نیکی جسے معروف یا عرف کہتے ہیں وہ اور ہے مگر عارفین کی نیکی یار کی رضا ہے اگر رب تعالیٰ اور اس کے حبیب گناہ سے راضی ہوں تو وہ گناہ نہیں رہتا نیکی بن جاتا ہے حضرت صدیق کا غار ثور میں اپنے کو سانپ سے کٹوانا حضرت علی کا خیبر میں حضور کی نیند پر نماز قضا کرنا گناہ نہ تھا نیکی تھی جو ہم کو اللہ رسول سے روکے وہ جاہل ہے کہ اللہ رسول کو نہیں جانتا عالم وہ ہے جو یار کا متلاشی ہو ایسے جاہلوں سے منہ پھیر لو اگرچہ وہ عالموں کے لباس میں ہوں جو علم رب سے حجاب بنے وہ جہالت ہے ایسے علم کے متعلق مولانا فرماتے ہیں۔

صد کتاب و صد ورق در نار کن! — روئے دل را جانب دلدار کن

اگر راہ طلب میں شیطان راہ مارنے کی کوشش کرے تو تو ماسوی اللہ سے اللہ کی طرف بھاگ کہ رب تیری باتیں سنے

طلب اور دل کا حال جانتا ہے فرماتا ہے **ففروا الی اللہ** شیطان تم کو دیکھتا ہے مگر تم اسے نہیں دیکھتے تو شیطان سے پناہ اس کی لو جو شیطان کو دیکھتا ہے اور شیطان اسے نہیں دیکھتا یعنی رحمان کی چھپے دشمن سے چھپے یار کی مدد لو۔ رب نے شیطان کو آسمان سے روکا مگر حضور ﷺ سے نہ روکا تاکہ حضور انور کی طاقت کا پتہ لگے کہ آپ کا قرین تو مسلمان ہو گیا اور ابلیس بے بس ہو کر رہ گیا آپ پر داؤ نہ چلا سکا۔ رات دن کو فنا کر دیتی ہے مگر دل سے نور کو زائل نہیں کرتی۔ دن رات کو فنا کرتا ہے مگر رات سے ظلمت کو فنا نہیں کرتا عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ فرماتے تھے مگر اپنی موت کو دفع نہ کریں گے بلکہ قبول کریں گے یہ تو حضور کی طاقت ہے کہ قرین شیطان سے شیطنت کو زائل کر کے اسے مسلمان بنالیا اور اپنے مقابل ابلیس کو بے چارہ کر کے رکھ دیا (از روح البیان) مردوں کو زندہ کرنا مسیحی معجزہ تھا مگر تاقیامت موت کو زندگی بنا دینا حضور انور کا معجزہ ہے **بل احیاء ولکن لا تشعرون** صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمارے نفس شیطان سے زیادہ خطرناک دشمن ہیں کہ شیطان تو لاحول سے بھاگ جاتا ہے مگر نفس امارہ لاحول سے بھی نہیں بھاگتا۔ اس کا مقابلہ صرف اس کی مخالفت سے ہوتا ہے ہمیشہ نفس امارہ کی مخالفت کرو یہ دبا رہے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَٰنِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم
بے شک وہ لوگ جو پرہیزگار ہوئے جب چھو جاتی ہے ان کو کوئی شیطان کی طرف سے تو وہ جاگتے ہیں پس
بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت
مُّبْصِرُونَ ۝٢٠١ وَإِخْوَٰنُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ۝٢٠٢
اچانک وہ دیکھنے والے ہوتے ہیں اور ان کے بھائی گھسیٹتے ہیں انکو سرکشی میں پھر وہ نہیں کوتاہی کرتے
ان کی آنکھیں کھل جاتی ہے اور وہ جو شیطانوں کے بھائی ہیں شیطان انہیں گمراہی میں کھینچتے ہیں پھر کمی نہیں کرتے

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں شیطان کے معمولی اثر اور اس کے علاج کا ذکر ہوا اب اس کے بڑے اثر اور اس کے علاج کا ذکر ہے گویا معمولی بیماری کے بعد سخت بیماری کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں شیطانی وسوسہ کا ایک علاج ارشاد ہوا تھا یعنی **اعوذ باللہ** پڑھنا اب اس بیماری کا دوسرا قوی علاج بیان ہو رہا ہے بیداری دل کی آنکھ کھول کر غور کرنا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں وسوسہ کی بیماری کا علاج ارشاد ہوا اب ان بد نصیبوں کا ذکر ہے جو یہ علاج نہ کریں اور اپنی بیماری بڑھالیں گویا علاج نہ کرنے والوں کے نقصانات کا ذکر اب ہے۔

تفسیر: ان الذین اتقوا یہ تک۔ اس آیت کریمہ کے مضمون کے کفار و مشرکین منکر تھے اس لئے اسے **ان** سے شروع فرمایا گیا **الذین** سے مراد مکلف انس و جن ہیں کیونکہ فرشتوں وغیرہ کو یہ واقعات پیش ہی نہیں آتے **اتقوا** بنا ہے اتقاء سے اس کا مادہ تی ہے معنی بچنا یا بچانا یا ڈرنا۔ یہاں تینوں معنی درست ہیں تقویٰ کی تحقیق اس کے اقسام و حکام ہم پہلے سیپارہ میں **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں کر چکے یعنی جو لوگ کہ ڈرتے ہیں اللہ سے یا جو لوگ کہ بچاتے ہیں اپنے کو گناہوں سے یا ماسوی اللہ سے یا

جو لوگ کہ بچتے ہیں۔ فسق و فجور سے ان کی صفت یہ ہے **اذا مسهم طائف من الشيطان** یہاں **اذا** بمعنی جب یا جب کبھی ہے نزغ اور مس دونوں کے معنی قریب قریب ہی ہیں فرق اتنا ہے کہ چھونے کو نزغ کہتے ہیں اور سخت چھونے کو مس بمعنی لپٹنا یا ٹھیس لگنا ہماری قرآت میں طائف ہے مگر ابن کثیر، ابو عمرو، کسائی کی قرات میں طیف ہے **ی** کے سکون **ط** کے فتح سے دونوں معنی ایک ہی ہیں (تفسیر کبیر) اس کا مادہ طیف ہے بمعنی آنا جانا یعنی گھومنا گردش کرنا یہاں مراد ہے وسوسہ یا اثر چونکہ یہ بھی آنے جانے والی چیز ہے وسوسہ دل میں ٹھہرتا نہیں اس لئے اسے طائف یا طیف کہتے ہیں **من الشيطان** صفت ہے طائف کی شیطان سے مراد قرین شیطان ہے یعنی جب کبھی انہیں شیطان کی طرف سے وسوسہ کا اثر پہنچے **تذكروا فاذا هم يبصرون** یہ اذا کی جزا ہے **تذكر** کے بہت معنی ہیں بیدار ہو جانا نصیحت حاصل کرنا ذکر کرنا ہوشیار ہو جانا اس سے مراد ہے دل کی ابتدائی حالت جو انسان کو برائی سے روکتی ہے **فاذا** میں **اذا** مفاجاتیہ ہے بمعنی اچانک **يبصرون** بنا ہے بصارت سے یا بصیرۃ سے ان دونوں میں فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں یعنی متقی لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب انہیں شیطانی اثر پہنچتا ہے تو فوراً ہوشیار ہو جاتے ہیں جاگ جاتے ہیں اور ان کے دل کی آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ توبہ کر کے ان وسوسوں سے الگ ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ یہ صفت نصیب کرے **واخوانهم يمدونهم في الغي** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ جس میں غیر متقی یعنی کفار فساق کا حال بیان فرمایا گیا ہے تاکہ مومنین اس عیب سے بچیں **اخوانهم** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ **اخوان** سے مراد ہے کفار فساق **هم** سے مراد ہے کفار و فساق **يمدون** سے مراد ہے ان لوگوں کا ان کو اور بھی زیادہ گمراہ کرنا یعنی شیاطین ان کی اطاعت دیکھ کر اور بھی متکبر ہو جاتے ہیں یا ان فساق و کفار کے شیاطین بھائی انہیں اور بھی زیادہ گمراہی میں گھسیٹتے ہیں کہ پہلے ان سے معمولی گناہ کراتے ہیں پھر بڑے گناہ پھر انہیں بدعقیدہ بنا دیتے ہیں **ثم لا يقصرون** یہ عبارت معطوف ہے **يمدونهم** پر اور **اخوانهم** کی خبر یقصرون بنا ہے قصر سے بمعنی رکنا۔ گھٹنا کمی کرنا سفر کی نماز کو قصر کہتے ہیں کہ اس میں نماز کم ہو جاتی ہے یہاں بمعنی کم کرنا یعنی خبیث شیاطین گمراہ انسانوں کو صرف ایک بار بہکا کر خاموش نہیں رہتے بلکہ گمراہ کرنے میں گمراہ رکھنے میں کوئی کمی نہیں کرتے جہاں تک ان کا بس چلتا ہے گمراہ کرتے رہتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: دنیا میں لوگ دو قسم کے ہیں پرہیز گار اور بدکار، پرہیز گاروں کا حال یہ ہے کہ جب ان کے دلوں میں شیطانی خیال بھی پیدا ہو جائے انہیں شیطانی وسوسہ چھو بھی جاوے تو ان کے دل فوراً بیدار ہو جاتے ہیں ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں وہ گناہ اور سبب گناہ میں غور کر کے اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں بلکہ گناہ کا کفارہ ادا کر دیتے ہیں وہ گناہ ان کے لئے رحمت کا سبب بن جاتا ہے کہ اس کے بعد توبہ، کفارہ، ندامت، آنسو سب نعمتیں میسر ہو جاتی ہیں۔ رہے لاپرواہ بدکار لوگ وہ تو شیاطین کے بھائی برادر ہیں۔ شیطان انہیں ہر طرف گناہوں میں کھینچے گھسیٹے پھرتے ہیں پھر وہ گمراہ کرنے بہکانے میں کمی نہیں کرتے اپنے سے بدتر بنا دیتے ہیں۔

مثالی ہدایت: یہاں تفسیر کبیر نے مثالی ہدایت کے اس آیت کو واضح کیا ہے اگر کوئی شخص تیرے ساتھ بدسلوکی کرے تو **شیطان** تیرے دل میں تین خیال پیدا کر کے تجھے غصہ دلاتا اور اس سے لڑنے جھگڑنے پر آمادہ کرتا ہے ایک یہ کہ اس نے یہ کام

بہت ہی برا کیا (2) میں اس سے قوی تر ہوں اسے سزا دے سکتا ہوں (3) وہ مجھ سے کمزور ہے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ خیالات طائفہ شیطانی اور قتل و خون ریزی کا پیش خیمہ ہیں۔

ان کا علاج یعنی تذکر اور بصیرت چند خیالات ہیں (1) اس نے جو کچھ برائی کی وہ مقدرات الٰہیہ سے ہے میرے مقدر میں آج یہ تکلیف لکھی تھی یہ شخص اس کا مظہر ہے۔

از خدادان خلاف دشمن و دوست   کہ دل ہر دو در تصرف اوست
گرچہ تیرا از کمان ہمی گزرد   از کمان دار بیند اہل خرد

(2) اگر میں اس سے زیادہ قوت والا ہوں تو میرا رب مجھ سے زیادہ قدرت والا ہے وہ مجھے سزا دے سکتا ہے (3) اگر وہ شخص میرے آگے مجبور ہے میرا کچھ نہیں کر سکتا تو میں رب کے حضور مجبور ہوں (4) ہو سکتا ہے کہ آج میں قادر ہوں وہ مجبور کل وہ قادر ہو جاوے میں مجبور پھر وہ مجھ سے بدلہ لے تو میں کیا کروں گا (5) اگر میں نے اس سے بدلہ لیا تو وہ کام کیا جو خونخوار درندے بھی کرتے ہیں اور اگر میں نے اسے معاف کر دیا تو وہ کام کیا جو اللہ کے نبی و ولی کرتے ہیں۔ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام اور حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی معافیاں۔ انشاء اللہ ان خیالات کے آتے ہی تمام جوش ختم ہو جاوے گا اور وہ شخص تمہارا غلام بن جاوے گا یہ ہے تذکر اور بصیرت (تفسیر کبیر)

فائدے: اس آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** برے خیالات اور وسوسوں سے کوئی محفوظ نہیں یہ تو آتے ہی رہیں گے یہ فائدہ **اتقوا** اور **مسهم** سے حاصل ہوا کہ متقی لوگوں کو شیطانی وسوسے پہنچتے ہیں بزرگان دین فرماتے ہیں کہ وسوسے کمال ایمان کی دلیل ہیں چور بھرے گھر میں جاتا ہے شیطان بھرے دل میں جاتا ہے جو ایمان و عرفان سے بھرا ہو۔ **دوسرا فائدہ:** جیسے ہر جسمانی بیماری کی دوا اللہ نے پیدا فرمائی ہے ایسے ہی ہر روحانی بیماری کا علاج اللہ پیدا فرماتا ہے گناہ کا علاج توبہ، حقوق کا علاج کفارہ۔ یوں ہی وسوسوں کا علاج تذکر اور بصیرت ہے جس کا یہاں ذکر ہے۔ **تیسرا فائدہ:** انسان کو چاہیے کہ گناہ سے توبہ بہت جلد کرے یونہی حقوق کا کفارہ جلد دے وسوسہ کا بدلہ جلد کرے یہ فائدہ **فاذا** کی ف اور **اذا** مفاجاتیہ سے حاصل ہوا کہ ارشاد ہوا **فاذاهم مبصرون** رب نے اسے متقیوں کی علامت قرار دیا۔ **چوتھا فائدہ:** معمولی وسوسہ کا علاج لاحول شریف ہے بڑے وسوسہ کا علاج صرف لاحول نہیں بلکہ اس کے ساتھ ندامت کفارہ نفس کی مخالفت بھی چاہیے دیکھو رب تعالیٰ نے نزغ کے ساتھ فرمایا **فاستعذ بالله** اور طائف من الشیطان کے بعد فرمایا **تذكروا** اور **مبصرون**۔ **پانچواں فائدہ** وسوسہ کو قرار نہیں ہوتا یہ دل پر بجلی کی طرح آتے جاتے ہیں جیسا کہ تجربہ ہے کہ ہر ساعت نیا وسوسہ آتا ہے کیونکہ نہ شیطان کو قرار ہے نہ اس کے وسوسوں کو۔ ربانی الہام کے لئے قرار ہے یہ فائدہ طائف فرمانے سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **چھٹا فائدہ:** گمراہ انسان شیطان کے بھائی ہیں وہ صورتاً انسان ہیں سیرت میں شیطان یہ فائدہ **اخوانهم** فرمانے سے حاصل ہوا یہ لوگ شیطان کی ہم جنس ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** ابلیس اور اس کی ذریت شیطانی لوگوں کی گناہوں میں ہر طرح مدد کرتے ہیں یہ فائدہ **يمدونهم في الغي** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** جس گناہ سے توبہ، نصیحت، گریہ و زاری، ندامت نصیب ہو جائے وہ اس عبادت سے افضل ہے جس سے غرور و تکبر پیدا ہو جاوے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا گندم کھانا

ابلیس کی عبادت سے افضل ہے۔ یہ فائدہ تذکروا اور **فاذاھم مبصرون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں شیطانی وسوسوں کے دو علاج ارشاد ہوئے۔ **تذکر** اور بصیرت مگر تذکر کو ماضی سے اور بصیرت کو جملہ اسمیہ سے اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ **جواب**: تذکر ابتدا ہے اور بصیرت انتہا ابتدا آنی ہوتی ہے۔ انتہا باقی یعنی وہ حضرات وسوسہ کے وقت تو غور کرتے ہیں پھر عمر بھر محتاط رہتے ہیں اس کے قریب نہیں جاتے ماضی میں حدوث ہوتا ہے جملہ اسمیہ میں دوام۔ **دوسرا اعتراض**: انسان کسی جن کا بھائی ' بیٹا ' باپ ' زوج ' زوجہ نہیں ہو سکتا کہ یہ رشتے جنسیت چاہتے ہیں جیسے جانور اور انسان میں یہ رشتے نہیں ہو سکتے ایسے ہی جن و انس میں نہیں ہو سکتے پھر کفار فساق کو شیاطین کا بھائی کیوں کہا گیا۔ دوسری جگہ فرمان باری ہے **ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین** یہ آیات واقعہ کے خلاف ہیں۔ **جواب**: یہاں اخوان سے مراد نسبی یا نسلی بھائی نہیں ہیں بلکہ ان کے سے کام کرنے والے ان کی مثل مراد ہیں اہل عرب مثل کو بھائی کہہ دیتے ہیں ملکی ' وطنی ' لسانی پیشہ کے بھائی چارے تو ہمارے ہاں بھی بولے جاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے انسان کی فطرت بعض غذائیں قبول نہیں کرتی اگر وہ پیٹ میں پہنچ جاویں تو فوراً" دست یا قے کے ذریعہ نکل جاتی ہیں ایسے ہی مومن متقی کی فطرت شیطانی وسوسوں ابلیسی خیالات کو قبول نہیں کرتی اگر یہ چیزیں کبھی مومن کو پیش آجاویں تو رب کی طرف سے تذکر اور بصیرت کے ذریعہ ان کو نکال دیا جاتا ہے پہلی آیت میں اسی کا ذکر ہے لیکن جو ایمان و تقوی سے خالی ہے وہ شیطان کا ہم نوا ہے اس کا بھائی اس کی اور شیطان کی فطرت ایک ہی ہے یعنی سرکشی اس لئے وہ دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ جیسے یہ سرکش انسان شیطان کا ہم جنس ہے ایسے ہی مومن متقی فرشتوں کے گروہ سے ہے کہ اس کی اور فرشتوں کی فطرت یکساں ہے یہ حضرات بشر صورت ملک سیرت ہوتے ہیں۔ دیکھو حضور انور نے نجد کے متعلق فرمایا کہ **ھنالک یطلع قرن الشیطان** وہاں شیطان کا سینگ نکلے گا ان انسانوں کو شیطان کا سینگ فرمایا کیوں چند وجہ سے (1) جانور کے تمام اعضاء میں سینگ بہت سخت ہوتا ہے نجدی بھی شیطان سے سخت تر ہیں شیطان تو اللہ والوں کے متعلق کہہ چکا **لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین** میں تیرے سارے بندوں کو گمراہ کروں گا سواء تیرے خالص بندوں کے اللہ والوں سے شیطان مایوس ہو چکا مگر یہ ہمیشہ اللہ والوں کے ہی پیچھے پڑے رہتے ہیں معلوم ہوا کہ شیطان سے سخت ہیں (2) سینگ والا جانور جب کسی سے لڑتا ہے تو سینگ ہی آگے کرتا ہے اور پیچھے سے سینگ پر اپنا سارا زور لگاتا ہے۔ شیطان بھی جب کسی سے لڑتا ہے تو اپنے چیلوں قرن الشیطان کو ہی سامنے کرتا ہے اور پیچھے سے خود زور لگاتا ہے کہتا ہے لڑے جاؤ تم تیرا کام میرا اب پڑھو **واخوانھم یمدونھم فی الغی** یہ ہے شیطان کی مدد شیطانی لوگوں خصوصاً" قرن الشیطان کے لئے (3) جب سینگ والا جانور کسی جگہ میں داخل ہوتا ہے تو پہلے اپنے سینگ کو داخل کرتا ہے پھر بقیہ جسم کو جب دوزخ میں شیطان داخل ہو گا تو پہلے وہ اپنے ان چیلوں کو وہاں داخل کرے گا پھر خود داخل ہو گا اب پڑھو **ثم لا یقصرون** یہ دونوں آیتیں ایمان و طغیان کی رحمانی اور شیطانی جماعتوں کے ذکر کی جامع آیتیں ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ تکالیف کو نرا دنیا والوں کی طرف سے سمجھنا شیطانی دھوکہ ہے جس سے پریشانی بڑھتی ہے اور ہر دکھ درد تکلف کو رب تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا اس کا علاج ہے اور راحت کا ذریعہ اسی لئے فرمایا **اذا مسھم طائف من الشیطان** یہ ہے مرض اور تذکروا فاذاھم مبصرون یہ ہے علاج۔ شعر۔

سائیں تیری رو نھ سے مرا آور کرے نہ کوے — در در کریں سیلیاں میں مڑ مڑ دیکھوں توے
سائیں اکھیاں پھیریاں میرا ویری ملک تمام — ذرا سی جھانکی مہر کی تو لاکھوں کریں سلام

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَیْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ مِنْ

اور جب نہیں لاتے آپ انکے پاس کوئی آیتہ تو کہتے ہیں کیوں نہیں گھڑ لیتے آپ اسے فرماؤ اس کے سوا نہیں کہ پیروی کرتا ہوں میں

اور اے محبوب جب انکے پاس کوئی آیتہ نہ لاؤ تو کہتے ہیں تم نے دل سے کیوں نہ بنا لی تم فرماؤ میں تو اس کی

رَّبِّیْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اسکی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف میرے رب کی طرف سے یہ بصیرتیں ہیں میرے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت واسطے اس

پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب سے وحی ہوتی ہے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے آنکھیں کھولتا ہے اور ہدایت اور رحمت

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتہ میں ارشاد ہوا تھا کہ شیاطین اپنے فرمانبردار انسانوں کے گمراہ کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے اب اس آیتہ کریمہ میں شیطانوں کے گمراہ کرنے کی ایک خاص نوعیت کا ذکر فرمایا جارہا ہے گویا قاعدہ کلیہ کے بعد اس کی ایک جزئی کا ذکر ہے جو اس کلی کو ظاہر کرتی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں شیطان کے داؤ اس کے بہکانے کا ذکر ہوا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جو شیطانی چنگل میں پھنس جاوے وہ قرآن بلکہ صاحب قرآن سے بھی ہدایت نہیں لیتا۔ ہمیشہ کج بحثی ہی کرتا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں شیطان اور شیطانی حرکت کا ذکر تھا اب قرآن والے محبوب اور قرآن مجید کے فیوض و برکات کا تذکرہ ہے گویا بیماری کے بعد حکیم اور علاج کا ذکر ہے کہ **ھذا بصائر**

تفسیر: **واذالم تاتھم بایتہ** یہ جملہ نیا ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **اذا** عموم ظرف کے لئے ہے۔ معنی جب کبھی **لم تات** میں خطاب ہے نبی کریم ﷺ سے آیتہ سے مراد یا تو قرآن مجید کی آیت ہے یا کفار کے منہ مانگے معجزات جیسے ہمارے مردوں کو زندہ کرو جو آپ کی نبوت کی گواہی ہمارے سامنے دیں یا مکہ معظمہ کے پہاڑ سونے کے بنادو یا مکہ معظمہ کی زمین کسی دوسری جگہ پہنچادو اس کے عوض قابل کاشت زمین مکہ معظمہ میں منتقل کردو تاکہ یہاں کھیتی باڑی ہوا کرے وغیرہ یعنی جب کبھی نزول آیات کچھ روز کے لئے بند ہو جاتا ہے اور آپ نئی آیتہ کفار مکہ کو نہیں سناتے یا جب آپ کفار کے منہ مانگے معجزات نہیں دکھاتے آیتہ نکرہ فرماکر ہر قسم کی آیت ہر قسم کے معجزہ کو شامل فرمایا **قالوالولا اجتبیتھا** یہ اذا کی جزا ہے **لولا** معنی **ھلا** ہے یعنی کیوں نہیں (جلالین) اجتباء کے بہت معنی ہیں۔ نکالنا جمع کرنا اسی لئے حوض کو جابیہ کہتے ہیں کہ وہاں پانی جمع کیا جاتا ہے اجتباء کرنا گھڑنا بنانا (روح المعانی) یہاں اگر آیت سے مراد قرآنی آیتہ ہے تو اجتباء معنی گھڑنا اور بنانا ہے اور اگر آیت سے مراد ان کے منہ مانگے معجزات ہیں تو اجتباء کے معنی لینا یعنی آپ خود آیتہ قرآنی گھڑ کیوں نہیں لیتے جیسے اور آیات گھڑتے

رہتے ہیں نعوذ باللہ یا آپ ہمارا منہ مانگا معجزہ خدا تعالیٰ سے کیوں نہیں لے لیتے آپ تو کہتے ہیں کہ ہم مقبول الدعا ہیں۔ رب تعالیٰ ہماری مانتا ہے تو اس سے دعا کرکے یہ معجزات دکھاؤ کفار کی یہ بکواس انتہائی سرکشی سے تھی۔ **قل انما اتبع مایوحی الی من ربی** یہ ان کے مطالبہ کا جواب ہے اگر آیتہ سے مراد قرآنی آیتہ ہے تب تو مطلب واضح ہے کہ میں قرآنی آیت گھڑا نہیں کرتا بلکہ وحی الٰہی کی پیروی کرتا ہوں جو آیتہ نازل ہوتی ہے وہ سنا دیتا ہوں اس کے احکام سمجھا دیتا ہوں اور اگر آیتہ سے مراد معجزہ تھا تب اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ میں رب تعالیٰ سے خود بخود دعا بھی نہیں مانگتا جس دعا کی مجھے وحی ہوتی ہے کہ یہ مانگو وہ مانگتا ہوں چونکہ تمہارے معجزات کی دعا کا مجھے حکم نہیں ہوا۔ اس لئے میں رب سے اس کی دعا نہیں کرتا۔ دوسرے یہ کہ اللہ نے مجھے مختار کل بنایا ہے میں اس کے دیئے ہوئے اختیار سے سب کچھ کر سکتا ہوں مگر کرتا وہ ہی ہوں جس کے کرنے کی مجھے وحی ہو جاوے چونکہ تمہارے مطالبے پورے کرنے کی مجھے وحی نہیں ہوتی لہٰذا میں یہ معجزات نہیں دکھاتا۔ خیال رہے کہ **مایوحی الی** میں قرآن، حضور انور کے الہامات، حضور انور کی خوابیں، حضور انور کے دل کے ارادے، دل کے خیالات سب ہی شامل ہیں اس لئے القرآن نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی **یوحی الی**۔ یہ بات خیال میں رکھو **من ربی** فرما کر یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اس کی وحی بھی اس کی ربوبیت کا ظہور ہے ہم یہ پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس طرح کی ربوبیت اپنے حبیب کی فرماتا ہے ایسی کسی کی نہیں کرتا۔ وہ سارے عالم کا پالنے والا ہے مگر فرشتوں کو اور طرح پالتا ہے جنات کو اور طرح مومن انسانوں کو اور طرح پالتا ہے کفار کو اور طرح مومنوں میں اولیاء اللہ کو اور طرح پالتا ہے عوام کو اور طرح اس لئے ہمیں اے رب العالمین کہا جاتا ہے ہمیں **ربکم** کہیں **ربی** یہاں حضور والی ربوبیت ارشاد ہوئی جیسے حضور انور بے مثال ہیں ایسے ہی حضور انور کی تربیت بے مثال ہے۔ **هذا بصائر من ربکم** یہ فرمان عالی یا اللہ تعالیٰ کا اپنا ہے اور نیا جملہ یا نبی ﷺ سے کہلوایا ہوا ہے **قل** کا مقولہ اس کا مقصد کفار کے مطالبوں کی تردید ہے یہاں قرآن مجید کی تین صفتیں ارشاد ہوئیں پہلی صفت **بصائر من ربکم** ہے **بصائر** جمع ہے بصیرۃ کی۔ بمعنی دل کی روشنی قرآن مجید چونکہ دل کی روشنی کا سبب ہے اس لئے مبالغہ کے طور پر اسے بصائر فرمایا یا قرآن کریم واقعی خود ہی بصیرت ہے جیسے قرآن مجید نور ہے ویسے ہی بصیرت ہے چونکہ قرآن مجید صدہا آیات کا مجموعہ ہے اس لئے ہذا مفرد کی خبر جمع آگئی ورنہ واحد کی خبر واحد ہی آتی ہے (کبیر) چونکہ دل میں بہت قسم کی روشنیاں قرآن مجید سے پیدا ہوتی ہیں یا قرآن مجید کی ہر آیتہ دل کا چراغ ہے ان وجوہ سے قرآن مجید کو بصائر یعنی روشنیاں فرمایا۔ ایمان کی روشنی۔ اعمال کی روشنی، عرفان کی روشنی، خالق و مخلوق کو ظاہر فرمانے والی روشنی لہٰذا قرآن روشنیاں ہے جیسے سورج ہر عالم و جاہل مومن و کافر کیلئے روشنی ہے ایسے قرآن مجید سارے انسانوں کے دل روشنی ہے اس لئے یہاں **من ربکم** ارشاد ہوا یعنی چونکہ وہ تم سب کا رب ہے اس کی شان ربوبیت کا تقاضا ہے کہ اپنے کسی بندے کو اندھیرے میں نہ رکھے اس لئے اس نے قرآن مجید نازل فرمایا تاکہ اس سورج سے سارے انسانوں کے دل روشنی لیں **وهدی ورحمته لقوم یؤمنون** اس فرمان عالی میں قرآن مجید کی دو دوسری صفتوں کا بیان ہے جن سے صرف مومن فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ عبارت بصائر پر معطوف ہے **هدی** کی تفسیر ہم پہلے پارے میں **هدی للمتقین** کی تفسیر میں کر چکے ہیں یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ قرآن مجید اعمال کی ہدایت صرف مومنوں کو دیتا ہے حضور کی نبوت کی طرف ہدایت سارے انسانوں کو بخشتا ہے یہاں ہدایتہ

اعمال مراد ہے یوں ہی گناہوں کی معافی کی رحمت ' بخشش ' جنت ' دیدار الٰہی کی رحمت صرف مومنوں کے لئے ہے اور دنیاوی عذاب الٰہی سے بچاؤ کی رحمت سارے لوگوں کے لئے یہاں پہلی ہدایت مراد ہے اس وجہ سے ارشاد ہوا **القوم یؤمنون** اس کی تحقیق **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں ہو چکی وہاں مطالعہ کرو۔ خیال رہے کہ قرآن مجید کامل ہدایت کامل رحمت ان لوگوں کے لئے ہے جو مومن جئیں اور مومن مریں ایمان پر قائم رہیں اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہیں اس گلشن کو اطاعت خدا اور رسول یا خوف خدا عشق رسول کا پانی دیتے رہیں ان وجوہ سے **للمومنین** ارشاد نہیں فرمایا بلکہ ایک دراز عبارت **لقوم یومنون** ارشاد ہوئی غرضکہ اس مختصر سی عبارت میں بہت نکات ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیۃ کریمہ کی دو تفسیریں ہیں ہم ان دونوں کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ (1) جب چند روز کے لئے آیات قرآنیہ کا نزول بند ہو جاتا ہے اور آپ لوگوں کو کوئی آیت نہیں سناتے تو کفار بطور مذاق کہتے ہیں کہ اے محمد ﷺ جیسے روزانہ آپ آیات گھڑ گھڑ کر سنایا کرتے ہیں اب کیوں نہیں گھڑتے آپ چند روز سے خاموش کیوں ہیں آپ ان کے جواب میں تحمل فرماتے ہوئے فرمادو کہ میں وحی الٰہی کا تبیع ہوں جس آیۃ کی وحی ہوتی ہے وہ لوگوں کو سنادیتا ہوں' پہنچادیتا ہوں' سمجھادیتا ہوں بے وقوفو! جتنی آیات میں تم کو سناچکا' بتاچکا یہ سب تمہارے لئے تمہارے رب کی طرف سے دل کے چراغ دل کی روشنیاں ہیں اور خاص مومنوں کے لئے ہر طرح کی ہدایت بھی ہیں اور اللہ کی رحمت بھی جس سے وہ اللہ کے انعام ' معافی گناہ ' جنت وغیرہ کے مستحق ہو جاتے ہیں (2) اے محبوب ﷺ کفار مکہ بطور دل لگی و مذاق آپ سے معجزات مانگتے رہتے ہیں کہ ہمارے مردوں کو زندہ کرکے اپنی نبوت کی گواہی دلوادو۔ مکہ کے پہاڑ سونے کے کردو وغیرہ اور جب آپ ان کے یہ مطالبے پورے نہیں کرتے تو ہنستے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ اپنے رب سے دعا کرکے یہ معجزات لاتے کیوں نہیں آپ تو بقول اپنے مقبول الدعا ہو رب آپ کی مانتا ہے۔ فرمادو اے محبوب کہ میں اللہ کے فضل اس کی عطا سے یہ سب کچھ کر سکتا ہوں مگر کرتا وہ ہی ہوں دکھاتا وہ ہی معجزہ ہوں جس کے دکھانے کی مجھے بذریعہ وحی جلی یا وحی خفی اجازت مل جاوے میرے رب کی طرف سے اے بیوقوفو! جتنے معجزے میں نے تم کو دکھادیئے یہ ہی تمام کو آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ مومنوں کے لئے ہدایت خاصہ بھی ہیں اور رب تعالٰی کی رحمت بھی جو ان سے ہدایت نہ لے وہ بڑا ہی بد نصیب ہے نبوت صرف منہ مانگے معجزات دکھانے کیلئے نہیں ہوتی وہ ہدایۃ کے لئے ہوتی ہے۔

فائدے: اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مسلمان کو چاہئے کہ جاہل کی جہالت کا جواب تحمل اور بردباری سے دے کہ یہ دعوت حق کا بہترین طریقہ ہے۔ شہد کا ایک قطرہ بہت سی مکھیوں کو اپنے میں پھانس لیتا ہے اور سرکہ کا ایک گھڑا دو مکھیوں کو بھی نہیں پھانس سکتا۔ دیکھو یہاں رب تعالٰی نے بد تمیز بے ادب کفار کے مذاق دل لگی کا جواب کس پیارے طریقہ سے اپنے محبوب سے دلوایا۔ سبحان اللہ۔ **دوسرا فائدہ:** حضور ﷺ کے کمالات کا انکار ان کا مذاق اڑانا طریقہ کفار ہے۔ یہ فائدہ **لولا اجتبیتھا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ کفار حضور کے مقبول الدعا ہونے کا مذاق اڑاتے ہوئے انکار کرتے تھے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے۔

تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کے دھلیں   کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا !!

ناممکن ہے کہ حضور انور کسی چیز کو دل سے چاہیں اور رب نہ دے اس کی تحقیق ہماری کتاب **سلطنت مصطفٰی** میں دیکھو حضور انور نے صرف دل سے چاہا تھا کہ ہمارا قبلہ کعبہ بن جاوے فوراً "بنادیا گیا **فلنولینک قبلتہ" ترضیھا۔** **تیسرا فائدہ:** حضور انور صرف قرآن کریم کے تبع نہیں بلکہ جو کچھ رب کی طرف سے وحی ہو اس سب کی اتباع فرماتے ہیں یہ فائدہ **اتبع ما یوحی الی** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا دیکھو سرکار نزول قرآن سے پہلے بھی وحی الٰہی کے تبع تھے راست گوئی 'پاک بازی' روزہ 'اعتکاف' صدقہ و خیرات امانت داری 'صدق مقال' اکل حلال سب پر عامل تھے یہ ہے **اتبع مایوحی الی** کی تفسیر عملی ﷺ۔ **چوتھا فائدہ:** حضور بعطاء الٰہی عالم کے مختار مطلق ہیں سب کچھ کر سکتے ہیں مگر کرتے وہ ہی ہیں جس میں رب کی رضا ہو جو سرکار کنکروں' پتھروں سے اپنا کلمہ پڑھوالیں کیا وہ مردے زندہ کر کے نہیں پڑھوا سکتے جو انگلیوں سے پانی کے چشمے بہادیں کیا وہ زمین مکہ سے چشمے جاری نہیں کر سکتے فرماتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو سونے کے پہاڑ ہمارے ساتھ چلیں یہ فائدہ **اتبع ما یوحی الیّٰ** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالٰی سارے جہان کا رب ہے مگر حضور ﷺ کا خصوصی رب ہے جس ربوبیت سے حضور کو پالتا ہے اس سے کسی اور کو نہ پالا نہ پالے یہ فائدہ **من ربی** فرمانے سے اشارۃً" حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** حضور انور سوا وحی الٰہی کسی چیز اور کسی شخص کے تبع نہیں ہم لوگ کھانے پینے میں ماں باپ کی ادب میں باپ کی علم میں استاذ کی اور بہت چیزوں میں دنیا کے عاقلوں کی اتباع کرتے ہیں حضور انور کا دامن ان تمام اتباعوں سے پاک ہے۔ یہ فائدہ **انما اتبع** سے حاصل ہوا کیونکہ **انما** حصر کے لئے آتا ہے حلیمہ دائی کی گود میں کبھی ان کا بایاں پستان نہ چوسا وہ حلیمہ کے بچے کے لئے چھوڑا یہ ہے اتباع وحی الٰہی۔ **ساتواں فائدہ:** ہم لوگ وحی الٰہی پر عمل حضور انور کی اتباع دیکھ کر کر سکتے ہیں براہ راست نہیں کر سکتے۔ دیکھو **اقیموا الصلوۃ** کی اتباع پہلے حضور انور نے کی پھر ہم نے حضور کا عمل حضور کی اتباع دیکھ کر اس آیتہ پر عمل کیا۔ حضور کا عمل اس آیتہ کی زندہ جاوید جیتی جاگتی تفسیر ہے اگر حضور کا عمل نہ ہوتا تو ہم اس آیتہ پر ہرگز عمل نہ کر سکتے یہ فائدہ بھی **انما اتبع** سے حاصل ہوا کہ وحی پر اتباع صرف حضور کریں گے۔ حضور کی اتباع یا حضور کو دیکھ کر قرآن کی اتباع ہم کریں گے۔ **آٹھواں فائدہ:** قرآن حدیث اگرچہ سارے عالم کی ہدایت کے لئے آئے مگر اس سے فائدہ صرف مومن اٹھا سکتے ہیں یہ فائدہ **لقوم یومنون** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** قرآن مجید حضور ﷺ کے لئے ہدایت نہیں حضور انور تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ تھے۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا یہ فائدہ بھی **لقوم یومنون** سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** اگرچہ قرآن مجید سارے مومنوں کیلئے بصیرت 'ہدایت' رحمت ہے مگر جیسا مومن ویسی اس کے لئے رحمت و ہدایت یہ فائدہ **بصائر هدی** اور **رحمتہ** اور پھر **قوم** کے نکرہ فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیتہ کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ اجتہاد نہیں فرما سکتے نہ قیاس کرتے ہیں نہ کچھ اپنی طرف سے کہتے ہیں صرف قرآن کی پیروی کرتے ہیں ہم کو بھی صرف قرآن کی پیروی چاہئے (تفسیر روح المعانی) یہ اعتراض روح المعانی نے بعض بے دینوں کا نقل کیا۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں **مایوحی** سے مراد صرف قرآن مجید نہیں بلکہ ساری وحی الٰہی ہے خواہ قرآن ہو خواہ خواب خواہ الہام خواہ اجتہاد سے حاصل کردہ مسائل حضور کی یہ تمام چیزیں وحی الٰہی ہیں اس لئے القرآن نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت **مایوحی الی** ارشاد ہوئی دیکھ لو نمازوں کی اذان صحابہ کے

خواب سے جاری ہوئی حضور کی تصدیق کی وجہ سے۔ **دوسرا اعتراض: هذا** مبتدا ہے اور واحد ہے بصائر اس کی خبر ہے اور جمع ہے نحوی قاعدے سے یہ جائز نہیں واحد کی خبر واحد چاہئے پھر یہاں ایسا کیوں ہوا۔ **جواب: هذا** سے مراد قرآن مجید ہے اور قرآن مجید میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (6666) آیات ہیں۔ ہر آیت مومن کے لئے بصیرت بھی ہے رحمت بھی ہدایت بھی اس وجہ سے بصائر جمع ہذا کی خبر بن گیا گویا ہذا لفظاً واحد ہے معنیً جمع۔ **تیسرا اعتراض:** قرآن مجید ساری مخلوق کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔ پھر یہاں مومنوں کی قید کیوں لگائی۔ **جواب:** ہدایت کر سکنا بھی قرآن مجید کی صفت اور ہدایت کر دینا بھی۔ ہدایت کر سکنا سارے انسانوں بلکہ جنات کے لئے بھی ہے مگر ہدایت کر دینا یہ صفت صرف مسلمانوں کے لئے ہے یہاں دوسری صفت مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: محض عقل کا کام ہے جرح کرتے رہنا عشق کا کام ہے اتباع۔ اس آیت کریمہ میں عقل و عشق کا بہترین اجتماع ہے **لولا اجتبیتها** میں عقل کا ذکر ہے اور **انما اتبع** میں حضرت عشق کی جلوہ گری پھر عقل دو قسم کی ہے ایک وہ جو قلب کی یار ہو دوسری وہ جو صرف قالب کی مددگار ہو۔ پہلی عقل رحمانی ہے دوسری نفسانی۔ یہی حال علم کا ہے۔

علم اگر برتن زنی مارے بود! علم اگر بر دل زنی یارے بود!
عقل زیر حکم دل یزدانی است چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

قرآن مجید ایسی عقل والوں کے لئے بصائر یعنی روشنی بلکہ روشنیاں ہیں گویا علم الیقین والوں کو بصیرت کا کام دیتا ہے اور عین الیقین والوں کے لئے ہدایت کا اور حق الیقین والوں کے لئے رحمت کا۔ سن کر ماننا علم الیقین ہے دیکھ کر جاننا عین الیقین اور اس میں داخل یا فنا ہو کر جاننا ماننا حق الیقین جیسے بارش کا پانی سیپ کو موتی بخشتا ہے باغ کو پھل پھول اور کھیت کو دانے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرآن کی رحمت عامہ سارے عالم کے لئے ہے کہ اس کے آنے سے دنیا میں عذاب الٰہی آنا بند ہو گئے امن و امان کا دور دورہ ہو گیا۔ رحمت خاصہ صرف مسلمانوں کے لئے کہ انہیں ہدایت مل گئی۔ یہ ہی حال قرآن والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے حضور رحمۃ للعالمین بھی ہیں اور بالمومنین رءوف رحیم بھی للہذا آیات میں تعارض نہیں۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب تلاوت کیا جاوے قرآن پس بغور سنو تم اسے اور چپ رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ

اور جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں قرآن مجید کے فیض دینے کا ذکر ہوا کہ یہ بصیرت، ہدایت، رحمت دینے والا ہے اب اس سے یہ فیوض لینے کی شرط بیان ہو رہی ہے کہ اس کو یہ فیض ملے گا جو اس کا ادب و احترام کرے گا اس کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب اسکی تلاوت ہو تو خاموشی سے کان لگا کر سنو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی

آیۃ میں ارشاد ہوا کہ قرآن کریم اس قوم کیلئے رحمت ہے جو ایمان رکھتی ہو اب فرمایا جارہا ہے کہ ایمان رکھنے کے لئے صرف اسے مان لینا ہی کافی نہیں بلکہ قرآن کا ادب و احترام بھی ضروری ہے گویا ایمان اعتقادی کے بعد ایمان عملی جو ایمان اعتقادی کی دلیل ہے بیان ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: گزشتہ پچھلی آیۃ میں کفار کا یہ عیب بیان ہوا کہ وہ ہمیشہ آیات کا مطالبہ ہی کرتے رہتے ہیں نازل شدہ آیات کی طرف دھیان نہیں دیتے اب مسلمانوں کو ہدایت دی جارہی ہے کہ تم نازل شدہ آیات کو بغور سنا کرو آئندہ کے مطالبات میں اپنا وقت ضائع نہ کیا کرو۔

شان نزول: ایک بار حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو باجماعت نماز پڑھائی ایک انصاری نے حضور کے پیچھے کچھ قرات کی تب ہی یہ آیت کریمہ **واذاقری القرآن** نازل ہوئی اور صحابہ کو حضور کے پیچھے نماز میں قراۃ میں یکدم منع فرمادیا گیا (روح المعانی بحوالہ عبدابن حمید' ابن ابی حاتم' سنن بیہقی عن مجاہد)۔ خیال رہے کہ شروع اسلام میں نماز میں دنیاوی باتیں بھی کی جاتی تھیں اور امام کے پیچھے قراۃ بھی پھر **وقوموالله قنتین** سے نماز میں کلام یعنی باتیں کرنا منسوخ ہوا (مسلم) پھر اس آیۃ سے نماز میں امام کے پیچھے قرات منسوخ ہوئی جیسا کہ ابھی شان نزول سے معلوم ہوا۔ ابن جریر نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو بعض لوگوں نے آپ کے پیچھے قراءۃ قرآن کی آپ نے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا کہ کیا اب تک تم لوگوں نے یہ آیت نہیں سمجھی **واذاقری القرآن** (روح المعانی)۔ خیال رہے کہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق اور چار روائتیں ہیں مگر وہ قوی نہیں جیسے (1) صحابہ کرام حضور انور کے پیچھے نماز میں بلند آواز سے قراءۃ کرتے تھے انہیں اس عمل سے روکنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی مگر یہ درست نہیں اولاً تو اس لئے کہ مقتدیوں کی بلند آواز سے قراءۃ کہیں ثابت نہیں ورنہ مسجد میں شور مچ جایا کرتا دوسرے اس لئے کہ یہاں ہے انصتو خاموش رہو پھر یوں ہوتا کہ آہستہ پڑھو (2) یہ آیت نماز میں دنیاوی بات چیت منسوخ کرنے کے لئے آئی مگر ابھی ہم بحوالہ مسلم شریف عرض کر چکے کہ نماز میں کلام منسوخ ہوا ہے **وقوموالله قانتین** سے (3) کفار قرآن سن کر شور مچاتے تھے انہیں اس حرکت سے روکنے کے لئے یہ آیت اتری مگر یہ غلط ہے کیونکہ کفار شرعی احکام کے مکلف نہیں نیز اگر کفار قرآن مجید بغور سن بھی لیا کریں خاموش رہ کر پھر بھی وہ اللہ کے رحم و کرم کے مستحق نہیں اللہ کا رحم صرف مومنوں پر ہی ہوگا (4) یہ آیۃ خطبہ جمعہ کے متعلق نازل ہوئی اور یہاں قرآن سے مراد خطبہ جمعہ ہے چونکہ خطبہ میں قرآن مجید کی آیات بھی ہوتی ہیں اس لئے اسے قرآن فرمایا گیا مگر یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ آیت مکیہ ہے اور جمعہ اور خطبہ جمعہ بعد ہجرت آئے۔ خطبہ میں سکوت و خاموشی حدیث شریف سے واجب ہے دیکھو تفسیر خازن وغیرہ غرضکہ اس آیۃ کے نزول کے متعلق پہلا قول قوی ہے۔

تفسیر: **واذاقری القرآن** حق یہ ہے کہ اگرچہ اس آیۃ کا نزول نماز کے مقتدیوں کے لئے ہے مگر چونکہ الفاظ عام ہیں اس لئے **اذا** کے معنی ہیں جب کبھی خواہ نماز میں یا نماز سے باہر قرآن پڑھا جاوے مگر فرق یہ ہے کہ مقتدیوں پر اس وقت قرآن سننا' خاموش رہنا فرض عین ہے مگر خارجی تلاوت پر فرض کفایہ کہ اگر ایک بھی اس پر عمل کرے تو سب کا ادا ہو گیا جیسے نماز جنازہ (شامی وغیرہ) **قری** فرما کر یہ بتایا گیا کہ جب پڑھنے والا تلاوت کیلئے پڑھے تب یہ حکم ہے اگر کسی اور مقصد سے پڑھے تو نہ خاموشی واجب ہے نہ خاموش رہنا جیسے استاذ کے سامنے شاگرد قرآن سیکھنے کے لئے پڑھے کہ وہ قرآن پڑھتا نہیں سیکھتا یا یاد کرتا

ہے نیز اگر بھکاری بھیک مانگنے کے لئے قرآن پڑھے تو اس وقت خاموش رہنا واجب نہیں کہ وہ تلاوت نہیں کر رہا ہے بلکہ قرآن کو بھیک کا کاسہ بنا رہا ہے بلکہ بھکاری کو خاموش کر دینا ضروری ہے کہ وہ قرآن کی توہین کر رہا ہے قرآن سے مراد پوری آیتہ قرآن ہے کہ تلاوت قرآن اس کا نام ہے اسی لئے شاگرد استاذ کو قرآن سناتے وقت **اعوذباللہ** نہیں پڑھتا (شامی) تلاوت کے وقت اعوذ پڑھنا چاہئے۔ رب فرماتا ہے **اذاقرات القرآن فاستعذباللہ** یہ فرق ہے تلاوت اور علم یعنی سیکھنے میں نیز سلام کا جواب دینا فرض ہے مگر بھکاری کے سلام کا جواب ضروری نہیں کہ وہ سلام نہیں بلکہ بھیک مانگتا ہے یہ تحقیق خیال میں رہے نیز جب مسلمان آدمی قرآن پڑھے تب سننا خاموش رہنا فرض ہے اگر جانور یا فونوگراف یا ٹیپ رکارڈ یا ریڈیو سے قرآت ہو تو اس کے لئے خاموشی وغیرہ فرض نہیں کہ یہ تلاوت نہیں اس لئے ان ذریعوں سے سجدہ کی آیتہ سنی جاوے تو سجدہ واجب نہیں ان جیسے مسائل ایک لفظ **قری القرآن** سے حاصل ہوئے۔ **فاستمعوالہوانصتوا** یہ عبارت جزا ہے **اذاقری** کی اس میں خطاب مومنوں سے ہے کہ شرعی احکام انہیں پر جاری ہیں **استماع** بنا ہے سمع سے سمع کے معنی ہیں سننا باب افتعال میں آکر اس کے معنی بہ توجہ سننا کان لگا کر دل اور طرف سے ہٹا کر سننا **لہ** کلام پاک معنی لئے ہیا۔ معنی الی یعنی طرف یا صلہ ہے جس کے معنی کوئی نہیں یعنی اس کیلئے اس کی طرف کان لگاؤ یا اسے **کان لگا** کر سنو تیسرے معنی قوی ہیں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ بھی اسی پر ہے **انصتوا** باب افعال کا امر ہے اس کا مادہ **نصت** ہے نون کے پیش سے۔ معنی خاموشی (روح المعانی) خیال رہے کہ ہر خاموشی کو سکوت کہتے ہیں مگر کچھ سننے کے لئے خاموشی کو **نصوت** لہٰذا سکوت عام ہے نصوت خاص (روح البیان) یہ دونوں صیغے فرضیت کے ہیں مگر مقتدیوں کے لئے فرض عین کے دوسروں کے لئے فرض کفایہ یہ خوب خیال رہے مقتدی کے لئے بہرحال خاموشی فرض ہے خواہ قرات امام آہستہ کر رہا ہو یا آواز سے مگر خارجی تلاوت جب آواز سے ہو تو یہ حکم ہے **لعلکم ترحمون** یہ گزشتہ حکم کی علت ہے خیال رہے کہ **لعل** رب تعالیٰ کی نسبت سے۔ معنی تاکہ ہوتا ہے اور بندوں کی نسبت سے۔ معنی شاید اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جو ترجمہ فرمایا کہ وہ دونوں معنی کو شامل ہے رحم کے معنی اس کے اقسام ان اقسام کے مستحقین کے نام رحم اور فضل میں فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیتہ کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں کیونکہ اس کے شان نزول کے متعلق بہت قول ہیں جیسا شان نزول ویسی تفسیر ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو قوی ہے اے مسلمانو جب کبھی قرآن مجید کی تلاوت کی جاوے کہ کوئی مسلمان پڑھے تو تم اسے کان لگا کر سنو اس وقت اپنا دھیان صرف قرآن مجید کی طرف کر لو کسی اور طرف توجہ نہ کرو اور بالکل خاموش رہو اس میں قرآن مجید کا ادب ہے تمہیں کیا خبر شاید اسی ادب کی وجہ سے تم سب پر اللہ تعالیٰ رحمت فرماوے۔

قراءت خلف الامام یعنی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ

احناف کے نزدیک امام کے پیچھے سورہ فاتحہ یا کوئی آیت قرآن پڑھنا حرام۔ معنی مکروہ تحریمی ہے خواہ نماز جہری ہو جیسے فجر، مغرب، عشاء، جمعہ، عیدین یا سری جیسے ظہر، عصر دوسرے اماموں کے نزدیک امام **ولاالضالین** کہہ کر خاموش رہے مقتدی اس وقت پڑھیں۔ غیر مقلدوں کے نزدیک مقتدی امام کے ساتھ ہی سورہ فاتحہ پڑھے امام کی قرآت کی بالکل پرواہ نہ کرے اس

بارمیں مذہب حنفی نہایت ہی قوی ہے۔ ہم نے اس کی کی مکمل بحث اپنی کتاب جاء الحق حصہ دوم میں کردی ہے یہاں اس میں سے کچھ مختصرا" عرض کرتے ہیں۔ امام کے پیچھے مقتدی کو قرآنی قرآت کرنا حرام ہے دوسرے کے ہاں فرض حرمت پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

(1) یہ ہی آیت کریمہ کہ اس میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے تلاوت سے روکا گیا نماز خواہ کوئی ہو (2) فرمایا نبی ﷺ نے مقتدی جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قراۃ اس کی قراءت ہے (3) فرماتے ہیں ﷺ امام اسی لئے ہے کہ اس کی پیروی کی جاوے وہ جب تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو جب قراءت کرے تو خاموش رہو (4) ایک شخص نے حضور انور کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھی تو ایک صاحب نے انہیں روکا انہوں نے حضور سے شکایت کی فرمایا وہ ٹھیک کہتے ہیں امام کی قراءۃ مقتدی کی قراءت ہے (5) ایک دفعہ حضور انور نے نماز پڑھائی تو بعض صحابہ نے حضور کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھی بعد سلام فرمایا کہ تم مجھ سے قرآن میں جھگڑتے کیوں ہو (6) اکثر صحابہ کا یہ ہی فرمان ہے کہ امام کے پیچھے مطلقا" قراءۃ نہیں چنانچہ عبداللہ ابن عبّس' عبداللہ ابن عمر' زید ان ثابت' عبداللہ ابن مسعود کا یہ ہی فرمان ہے (7) حضرت عمر اور سعد فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے کچھ تلاوت کرے اس کے منہ میں پتھر ہو (8) امام شعبی فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے پر اکثر صحابہ کا اجماع ہے (10) حضرت عبداللہ ابن مسعود نے کچھ لوگوں کو امام کے پیچھے تلاوت کرتے سنا تو فرمایا کہ کیا تم نے ابھی تک یہ آیت نہ سمجھی **اذاقری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا** (11) حضرت زید ابن ثابت فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قراءۃ نہیں (12) امام سرخس نے فرمایا کہ امام کے پیچھے تلاوت کرنے سے اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے بہت صحابہ کے نزدیک جن میں حضرت ابن ابی وقاص شامل ہیں (13) حضرت انس فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کا منہ آگ سے بھرجاوے (ابن جنان) (14) حضرت عبداللہ ابن مسعود اور جناب علقمہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں خاک (طحاوی)۔ (15) حضرت زید ابن ثابت فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (16) حضرت عبداللہ ابن معقل صحابی فرماتے ہیں کہ آیت **واذا قری القرآن فاستمعوا** قراءت خلف الامام کے متعلق نازل ہوئی لہذا جب امام قرآت کرے تو تم سنو اور خاموش رہو (بخاری) (17) عطا ابن یسار نے حضرت زید ابن ثابت سے امام کے پیچھے قرآت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا امام کے پیچھے بالکل تلاوت نہیں (مسلم) ان تمام احادیث کے مکمل حوالے تفسیر روح المعانی اور ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم اور صحیح البخاری شریف میں ملاحظہ کریں ان مذکورہ دلائل کے علاوہ اور بہت احادیث اس بارے میں موجود ہیں دیکھو جاء الحق حصہ دوم۔

عقلی دلائل: عقل کا تقاضا ہے کہ امام کے پیچھے تلاوت فرض نہیں ممنوع ہے دلائل حسب ذیل ہیں (1) جو رکوع میں امام کے ساتھ ملے تو اسے رکعت مل جاتی ہے اور سورہ فاتحہ مقتدی پر فرض ہوتی تو اس فرض کے رہ جانے پر رکعت نہ ملتی جیسے رکوع رہ جانے پر رکعت نہیں ملتی۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہ شخص تکبیر تحریمہ کہے پھر بقدر ایک تسبیح قیام کرے پھر رکوع میں جائے تاکہ تکبیر تحریمہ اور قیام دونوں فرض ادا ہو جاویں (2) اگر سورہ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنا فرض ہے تو بتاؤ کہ اگر مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ رہا ہے کہ امام نے رکوع کر دیا اب یہ کیا کرے آیا فاتحہ پوری کرے رکوع میں نہ ملے یا فاتحہ چھوڑ دے رکوع میں مل جاوے مگر جواب

حدیث سے ہو(3) اگر مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ رہا تھا کہ امام نے کہا **ولاالضالین** تو یہ آمین کہے یا نہ کہے جواب حدیث سے ہو (4) اگر کوئی وفد بادشاہ سے ملنے جاوے تو سلام آداب سب عرض کرتے ہیں مگر عرض معروض ان سب کی طرف سے ایک شخص ہی کرتا ہے یوں ہی نماز باجماعت میں اللہ کے بندے وفد بن کر حاضر بارگاہ الٰہی ہوتے ہیں تو قیام رکوع سجدہ التحیات اب ہی ادا کریں مگر عرض معروض یعنی تلاوت صرف امام کرے۔

نوٹ ضروری: یہ دلیل حضرت امام اعظم نے ان لوگوں پر پیش کیا جو آپ سے اس مسئلہ پر مناظرہ کرنے آئے تھے اسی پر مناظرہ ختم ہو گیا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** عبادات کی بلکہ ایمان کی اصل اور روح ادب ہے بے ادبی سے عبادت بے روح والا جسم ہے یہ فائدہ **فاستمعوا** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** ہر چیز کا ادب علیحدہ ہے اس کی شان کے لائق یہ فائدہ بھی **فاستمعوا** سے حاصل ہوا۔ دیکھو تلاوت قرآن کا ادب یہ سکھایا گیا کہ اس وقت خاموشی اور توجہ اختیار کرو۔ نماز کا ادب یہ ہے کہ نمازی کے سامنے سے نہ گذرو قرآن مجید کا ادب یہ ہے کہ اس کی طرف پیٹھ نہ کرو اس سے اونچے نہ بیٹھو اسے بے وضو نہ چھوؤ بے غسل نہ پڑھو۔ یوں ہی حضور انور ﷺ کا ادب روح ایمان ہے حضور کے نام کا ادب' حضور کے فرمان کا ادب کہ حدیث ادب سے بیٹھ کر پڑھو پڑھاؤ' حضور کے مدینہ کا ادب' مدینہ کی گلیوں کوچوں کا ادب' وہاں کے انسانوں کا ادب' وہاں کے جانوروں کا ادب' وہاں کی چیزوں کا ادب یہ آیتہ ان تمام ادبوں کی اصل ہے صحابہ کرام حضور کی مجلس میں سر جھکا کر خاموش بیٹھتے تھے **کان علی رءوسھم الطیر** جب قرآن مجید کے کاغذ اس کے گتے اس کے جزدان بلکہ اس کی رحل کا ادب ہے تو حضور کا ادب کیا ہونا چاہئے اس لئے قرآن مجید نے حضور کی مجلس حضور سے عرض معروض کرنے حضور کے گھر شریف پر دعوت کھانے کے ادب سورہ حجرات' سورہ احزاب میں بیان فرمائے دیکھو ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ۔ یااللہ ہم کو اپنے محبوب کا پورا ادب نصیب فرما کہ یہ ادب تمام آداب کی اصل ہے حضور کا بے ادب نہ خدا تعالیٰ کا ادب کرتا ہے نہ قرآن کریم کا نہ کسی اور دینی چیز کا۔

از خدا خواہیم توفیق ادب! بے ادب محروم ماند از فضل رب

تیسرا فائدہ: تلاوت قرآن مجید کے وقت دو کام فرض ہیں کان لگا کر توجہ سے سننا' خاموش رہنا۔ یہ فائدہ استمعوا اور انصتوا سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** جہاں لوگ سو رہے ہوں یا اپنے کام کاج میں مشغول ہوں۔ وہاں اونچی آواز سے تلاوت نہ کرو کہ یا تو ان کے کام کاج میں حرج ہو گا یا پھر وہ خاموش نہ رہ کر گنہگار ہوں گے (روح المعانی) لہٰذا لاؤڈ اسپیکر پر تراویح' شبینہ وغیرہ ہرگز نہیں پڑھنا چاہیے کہ لوگ بے خوابی کی وجہ سے تنگ ہوتے ہیں اور بہت سے لاؤڈ اسپیکروں کی آواز ٹکرا کر بہت ہی بری صورت پیدا کرتی ہے نیز لاؤڈ اسپیکر پر سجدہ کی آیت سارے شہر والے سنتے ہیں مگر سجدہ تلاوت نہیں کرتے اس ترک فرض کا وبال کتنا سخت ہے سوچ لو۔ **پانچواں فائدہ:** چند شخصوں کا ایک وقت بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کرنا سخت ممنوع ہے جیسا کہ آج کل ختم وغیرہ پر حفاظ کرتے ہیں یا تو ایک صاحب پڑھیں باقی سنیں یا سب لوگ آہستہ پڑھیں۔ یہ فائدہ بھی **فاستمعوا** اور **انصتوا** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** مقتدی امام کے پیچھے ہرگز قرآن مجید کی تلاوت نہ کرے نماز خواہ سری ہو یا جہری یہ فائدہ

فاستمعوا اور **انصتو** سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: مسبوق جسکی اگلی رکعات جماعت سے رہ گئی ہوں وہ جب اپنی رکعتیں پوری کرے تو قرات کرے کہ اب وہ مقتدی نہیں۔ **مسئلہ**: لاحق جو اول سے جماعت میں تھا پچھلی رکعتیں علیحدہ پڑھیں وہ اپنی رکعتیں پڑھتے وقت تلاوت ہرگز نہ کرے کیونکہ وہ اب بھی حکماً مقتدی ہے یہ مسئلہ خیال میں رہے۔ مسافر امام کے پیچھے مقیم مقتدی نے نماز پڑھی تو جب یہ اپنی دو رکعتیں پوری کرے تو انہیں بغیر تلاوت پڑھے۔ **ساتواں فائدہ**: ذکر بالجہر جائز ہے بلکہ بسا اوقات بہتر ہے یہ فائدہ بھی **فاستمعو** اور **انصتوا** سے حاصل ہوا۔ کیونکہ قرآن جب ہی سنا جاسکتا ہے جب کہ بلند آواز سے پڑھا جاوے۔ یہ بات یاد رہے۔ **آٹھواں فائدہ**: مکتب میں بیک وقت اونچی آواز سے قرآن مجید پڑھ بھی سکتے ہیں اور یاد بھی کرسکتے ہیں کیونکہ وہ تلاوت یعنی قراءۃ قرآن نہیں کرتے حفظ قرآن یا تعلیم قرآن کرتے ہیں یہ فائدہ **قری القران** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ**: جیسے تلاوت قرآن عبادت ہے جس پر بڑا ثواب ہے ایسے ہی قرآن مجید سننا بھی عبادت ہے جس کا بڑا ثواب ہے یہ فائدہ بھی **فاستمعوا** سے حاصل ہوا۔ حضور ﷺ نے حضرت ابی ابن کعب کو حکم دیا کہ مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ اور حضور سن کر رو دیئے۔ **دسواں فائدہ**: قرآن مجید میں غور و فکر کرنا بھی عبادت ہے بلکہ قرآن دیکھنا بھی ثواب ہے یہ فائدہ بھی **فاستمعوا** سے حاصل ہوا۔ خوش نصیب ہے وہ عالم جس کی زندگی قرآن مجید سوچنے اس سے مسائل نکالنے میں گزرے۔ **گیارھواں فائدہ**: قرآن مجید کے سننے غور کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ خاص رحمتیں نازل فرماتا ہے یہ فائدہ **لعلکم ترحمون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیۃ میں امام کے پیچھے قراءت ممنوع نہیں ہوئی بلکہ دنیاوی بات چیت ممنوع ہوئی پہلے نماز میں باتیں کرنا جائز تھا للہذا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ ضرور پڑھی جاوے (غیر مقلد)۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی ہم تفسیر میں عرض کرچکے ہیں کہ مسلم شریف میں ہے کہ نماز میں کلام اس آیۃ سے منسوخ ہوا **وقوموا للہ قنتین** لہٰذا یہ آیۃ قراءت خلف الامام روکنے کے لئے نازل ہوئی۔ **دوسرا اعتراض**: حدیث شریف میں ہے کہ **لاصلوۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب** جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص خواہ اکیلا ہو خواہ امام خواہ مقتدی سب کو نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنی فرض ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے بہت تفصیلی جوابات ہم نے اپنی کتاب جاء الحق حصہ دوم میں دیئے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ اگر اس حدیث کا وہ ترجمہ ہے جو تم نے کیا تو یہ حدیث اس آیۃ کریمہ کے بھی خلاف ہے **واذ قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا** اور مسلم شریف وغیرہ کی ان احادیث کے بھی خلاف ہے کہ **واذا قرء فانصتوا** للہذا یہ حدیث ناقابل عمل ہے اور اگر اس کا مطلب وہ ہے جو احناف کرتے ہیں اور جو حضور ﷺ نے خود بیان فرمائے تو یہ حدیث تمہارے خلاف ہے یعنی بغیر سورہ فاتحہ نماز کامل نہیں ہوتی خواہ خود پڑھے یا اس کا امام پڑھے امام کی قراءۃ مقتدی کی اپنی قراءۃ ہے اسی لئے رکوع مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے کیوں اس لئے کہ امام نے فاتحہ پڑھ لی ہے باقی جوابات جاء الحق دوم میں مطالعہ کرو۔ **تیسرا اعتراض**: اگر اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ قرآن پڑھا جاوے تو سب خاموش رہیں تو مصیبت آجاوے گی۔ آج ریڈیو پر تلاوت ہوتی ہے بچے مدرسہ میں قرآن مجید کا سبق یاد کرتے ہیں حافظ قرآن مجید حفظ کرتے ہیں سب بلند آواز سے کرتے ہیں تو اب کوئی بھی نہ بول سکے نہ کچھ اور کام کرسکے للہذا آیت کے معنی یہ ہیں کہ تلاوت قرآن پر شور نہ مچاؤ

کفار کی طرح۔خاموش رہو اسے سورہ فاتحہ سے کوئی تعلق نہیں۔**جواب**:اس اعتراض کا تفصیلی جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ ان سب صورتوں میں قراۃ قرآن نہیں بلکہ تعلیم قرآن یا حفظ قرآن ہے اس پر تلاوت قرآن کے احکام جاری نہیں یوں ریڈیو میں انسان کی بعینہ آواز نہیں لہذا یہ بھی قرآۃ نہیں یہ آیت کریمہ مقتدی کی قرآۃ کے متعلق ہی نازل ہوئی نیز بیرون نماز کی تلاوت کا سننا فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔**چوتھا اعتراض**:اچھا ہم نے مانا کہ نمازی مقتدی امام کی قرات سے خود خاموش رہے تو ظہر و عصر میں امام کی قرآت سنی نہیں جاتی تو چاہئے کہ اس میں مقتدی قراءت کرلیا کرے کیونکہ وہاں خاموشی کی وجہ نہیں پائی جاتی۔**جواب**:آیۃ کریمہ میں سننے کو خاموشی کی وجہ نہیں بتایا گیا یہ نہیں کہ سننے کے لئے چپ رہو بلکہ دو **مستقل حکم** دیئے سنو اور چپ رہو لہذا مقتدی کو بہرحال خاموش رہنا چاہئے خواہ سنے یا نہ سنے۔**پانچواں اعتراض**:اگر یہ آیت کریمہ مقتدی کو تلاوت سے روکنے کے لئے آئی ہے تو تم بیرون نماز یہ احکام کیوں جاری کرتے ہو۔**جواب**:اس لئے کہ آیۃ کریمہ کے الفاظ عام ہیں احکام الفاظ کے عموم پر جاری ہوتے ہیں نہ شان نزول کے خصوص پر اس قاعدے کے بہت دلائل اصول فقہ میں ملاحظہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ:چونکہ قرآن مجید کا فیضان بہت ہے کہ یہ بصائر بھی ہے رحمت بھی ہادی بھی نیز اس کی نسبت بہت قوی کہ یہ اللہ تعالٰی کا کلام ہے اس لئے اس کا احترام بھی بہت کہ اس کے نقوش کو بے وضو چھونا حرام اس کے کاغذ کی طرف پیٹھ کرنا ممنوع اس کے جزدان اس کی رحل کا بھی احترام ہے اس کے الفاظ کی قرات کے وقت دنیاوی کلام حرام تو اس کے لانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام بھی ایمان کی جان ہے کیونکہ قرآن مجید اس بادل کے قطرات یا اس سورج کی شعاعیں ہیں ان محبوب کی زبان قرآن کی کان ہے حضور کا فیضان قرآن کے فیضان سے زیادہ ہے اور قوی ہے قرآن قاری بناتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دیکھنے والے کو صحابی بناتے ہیں یہ آیۃ حضور کے ادب و احترام کی قوی دلیل ہے۔تلاوت قرآن کے وقت سامعین کو خاموش اور توجہ کا حکم دینا صاف بتا رہا ہے کہ قرآن میں غور کرنا چاہئے جو شخص جس غور کے لائق ہے وہ ہی غور کرے۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ علماء دین کے سینے اور زبان و ہونٹ قابل صد احترام ہیں کہ ان سے قرآن کے مضامین پڑھتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت اپنی ظاہری زبان بھی بند رکھ تاکہ ظاہری کان میں قرآن پہنچے اور باطنی زبان بھی بند رکھ تاکہ اپنے باطنی کان سے باطنی قرآن سنو تب تم پر رحم کیا جاوے گا کہ اپنے اعضاء میں ربانی تو تیں پاؤ کے **فکنت سمعہ فیسمع بی** کی جلوہ گری ہو۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ
اور ذکر کرو اپنے رب کا دل میں اپنے عاجزی کرتے ہوئے اور ڈر سے نہ کہ آواز والے کلام سے
اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے اور بے آواز نکلے زبان سے

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ

سویرے اور شام کے وقت اور نہ ہوؤ تم غافلوں میں سے — تحقیق وہ لوگ جو نزدیک ہیں تیرے

صبح اور شام اور غافلوں میں سے نہ ہونا — بے شک وہ جو تیرے رب کے پاس ہیں

لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیُسَبِّحُوْنَهٗ

رب کے وہ غرور نہیں کرتے عبادت سے اس کی اور تسبیح کرتے ہیں

اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی

وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ ع

اور اس کو سجدہ کرتے ہیں

بولتے ہیں اور اسکو سجدہ کرتے ہیں۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتہ میں قرآن مجید کے احکام بیان ہوئے وہ بھی ایک طرح کا ذکر الٰہی ہے اب تلاوت کے علاوہ دوسرے ذکروں کے احکام کا ذکر ہے گویا اہم ذکر کے بعد دوسرے اذکار کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی میں ذکر بالجہر کا ذکر ہوا کہ جب تلاوت بلند آواز سے ہو تو سننے والے یہ ادب کریں اب ذکر خفی کا ذکر ہے گویا زبانی ذکر کے بعد جنانی ذکر کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتہ میں دوسروں کو ذکر سنانے کا ذکر تھا۔ اب خود اپنے نفس اپنے دل کو ذکر سنانے کا تذکرہ ہے یعنی شاخ کا ذکر فرمانے کے بعد جڑ کا ذکر ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں قرآن مجید کے فیوض اور اس کی تلاوت کے آداب کا ذکر تھا جو صرف انسان ہی کرتا ہے اب عام ذکر الٰہی کا ذکر ہے جو فرشتے بھی کرتے ہیں **ان الذین عند ربک**۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیت میں سننے والوں کو حکم تھا کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہو اب انہیں کو حکم ہے کہ ہاں دل میں اللہ کا ذکر کرتے رہو گویا قرآن مجید سنتے وقت بھی اللہ کا ذکر دل میں کر سکتے ہو صرف زبان پر خاموشی کی مہر لگاؤ۔ **چھٹا تعلق**: پچھلی آیتہ میں فرض نماز باجماعت کا ذکر تھا کہ اس میں امام قراءت کرے اور مقتدی خاموشی سے سنیں اب فرض کے علاوہ سنن، نوافل نماز کا ذکر ہے کہ اس میں ہر شخص ذکر اللہ اپنے دل میں یعنی آہستگی سے کرے (روح المعانی) چونکہ ان نمازوں میں تلاوت، تسبیح، التحیات، درود شریف و دعا بہت سے ذکر ہوتے ہیں اور سارے ہی آہستہ اس لئے **واذکر ربک** فرمایا۔

نزول: کفار مکہ اس لئے بھی اسلام قبول نہ کرتے تھے کہ اسلام میں رب تعالیٰ کو سجدہ کرنا پڑتا ہے اس میں ہماری توہین ہے۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے **انسجد لما تامرنا وزادھم نفورا** ان کی تردید میں آیتہ کریمہ **ان الذین عند ربک** نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ کفار کی یہ نفرت ان کے رب تعالیٰ سے دور ہونے کی وجہ سے ہے جنہیں قرب الٰہی میسر ہے وہ اس سے نفرت نہیں کرتے وہ تو اس پر فخر کرتے ہیں (روح البیان)۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

تفسیر: واذکر ربک فی نفسک قوی یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے مگر روح المعانی نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے یہ فرمان عالی معطوف ہو **قل انما اتبع** پر اور واؤ عاطفہ ہو۔ **اذکر** بنا ہے ذکر سے اس کے بہت معنی ہیں جن کی تفصیل ہم **فاذکرونی اذکرکم** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں ۔ بمعنی یاد کرنا تذکرہ کرنا ہے **اذکر** میں خطاب یا تو نبی ﷺ سے ہے یا ہر مسلمان سے یا ہر سنت و نفل پڑھنے والے نمازی سے مگر دوسرا احتمال قوی ہے کہ خطاب ہر مسلمان سے ہے **ربک** فرما کر ذکر کی وجہ بیان فرمادی کہ چونکہ ہم تمہارے پالنے والے ہیں لہٰذا ہمارا حق ہے کہ تم ہم کو یاد کرو یاد رکھو تفسیر خازن نے فرمایا کہ اللہ کا ذکر امید سے بھی ہوتا ہے اور ڈر سے بھی **ربک** فرما کر امید والے ذکر کی طرف اشارہ کیا۔ چاہئے یہ کہ زندگی میں خوف غالب ہو اور مرتے وقت امید غالب (خازن) نفس کے بہت معنی ہیں ذات' دل' خون' نفس امارہ' نفس مطمئنہ' نفس لوامہ وغیرہ یہاں ۔ بمعنی دل ہے۔ دل میں ذکر اللہ کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آہستہ آواز سے اللہ کا ذکر ہو کہ وہ آواز اپنے کان تک تو پہنچ سکے دوسرے تک نہ پہنچے جسے ذکر خفی کہتے ہیں اگر اتنی آواز بھی نہ پیدا ہوئی تو وہ ذکر نہیں بلکہ فکر ہے اس پر لفظ کے احکام' طلاق' نکاح' ذبح وغیرہ جاری نہیں ہوتے دوسرے یہ کہ زبان پر ذکر ہو دل میں سوچ سمجھ تدبر خشوع و خضوع ہوں کہ یہ ذکر کا مغز ہے (تفسیر کبیر و روح البیان وغیرہ) جو شخص بغیر معنی سمجھے ذکر کرے وہ لطف ذکر نہیں پاتا بغیر معنی سمجھے خرید و فروخت کرایہ کے الفاظ زبان سے بولے تو نہ تجارت ہو نہ کرایہ (کبیر) **تضرعا" وخیفتہ** یہ دونوں لفظ مصدر ہیں ۔ بمعنی اسم فاعل اور **اذکر** کے فاعل سے حال تضرع بنا ہے **ضراعتہ** سے ۔ بمعنی عاجزی' انکسار اور گڑگڑانا **خیفتہ** اصل میں **خوفتہ** تھا بروزن **فعلتہ** چونکہ واؤ سے پہلے کسرہ تھا لہٰذا ی بن گیا ذکر کے وقت انسان کو تین خوف چاہیں ایک گزشتہ کا کہ نہ معلوم میرا نام جنتیوں کی فہرست میں لکھا جاچکا ہے یا دوزخیوں کی دوسرے موجودہ کا کہ نہ معلوم یہ ذکر قبول ہے یا نہیں تیسرے آئندہ کا کہ نہ معلوم میرا خاتمہ ایمان پر ہو گا یا نہیں قبر کے امتحان میں پاس ہوں گا یا فیل حشر میں میری نجات ہو گی یا پکڑ غرضکہ ذکر کرو اور ڈرو وہ بارگاہ فخر یا اکڑ کی نہیں **ودون الجھر من القول** اس عبارت کی بہت ترکیبیں ہیں آسان ترکیب یہ ہے کہ یہ معطوف ہے فی غنک پر اصل عبارت یہ ہے **ومتکلما بکلام ھودون الجھر** اور **من القول** اس کلام کا بیان ہے یعنی اتنی آواز سے اللہ کا ذکر کرو جو جہر یعنی چیخ و پکار سے کم ہو۔ دون کے بہت معنی ہیں۔ سواء' دور' علیحدہ' کم' نہ کہ۔ یہاں ۔ بمعنی کم ہے۔ جہر اس آواز کو کہتے ہیں جو اپنے علاوہ دور کا آدمی بھی سنے لیکن بہت زور سے ضرورت سے زیادہ بہت چیخنا جس سے تکلیف اپنے کو بھی ہو دوسرے کو بھی یہ تو ہر جگہ بہت ہی برا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ذکر اللہ کے وقت تمہارے دل میں عجز و انکسار ہو اور تمہاری آواز میں کمی اور نرمی ہو **بالغدو والاصال** یہ عبارت ظرف ہے **واذکر** کا۔ اس میں ذکر الٰہی کا وقت مستحب بیان فرمایا گیا ب ۔ بمعنی فی ہے **غدو** اصل میں **غدوو** ہے بروزن فعول اس کا واحد **غدوۃ** ہے غدوہ کہتے ہیں نماز فجر سے سورج نکلنے تک کے وقت کو فرماتا ہے **غدوھا شھر ورواحھا شھر** بعض نے فرمایا کہ **غدو** مصدر ہے **غدا یغدو** کا مگر پہلا قول قوی ہے کیونکہ آگے آصال جمع ہے (از صاوی و روح البیان) بکرہ بھی شروع دن کو کہتے ہیں مگر اس میں سورج نکلنے تک کی قید نہیں اسی سے ہے **غداء** ۔ بمعنی ناشتہ فرماتا ہے **اتنا غدائنا** آصال جمع ہے اصل کی بروزن

فعل یہ جمع ہے اصیل کی۔ اصیل دن کا آخری حصہ یعنی عصر کے بعد سے سورج ڈوبنے تک چونکہ فعیل کی جمع بروزن افعال نہیں آتی۔ اس لئے اسے جمع الجمع مانا گیا مگر قوی یہ ہے کہ یہ قاعدہ غلط ہے آصال جمع ہے اصیل کی جیسے ایمان جمع ہے یمین کی (روح المعانی)۔ خیال رہے کہ صبح و شام فرما کر سارے اوقات مراد لئے یعنی ہر وقت اللہ کو یاد کرو یا چونکہ ان دو وقتوں میں نوافل منع ہیں اس لئے فرمایا کہ ان وقتوں میں اللہ کے دوسرے ذکر کرو تاکہ تمہارا کوئی وقت ذکر سے خالی نہ رہے یا چونکہ ان دو وقتوں میں بڑا بھاری انقلاب ہوتا ہے کہ صبح کو رات جاتی ہے دن آتا ہے۔ رات آتی ہے نور جاتا ہے۔ تاریکی آتی ہے جاگنے کا وقت قریباً ختم ہوتا ہے۔ سونے کی تیاری ہوتی ہے گویا جینے کے بعد مرنا آرہا ہے ان وجوہ سے ان وقتوں میں اللہ کا ذکر ضرور کرو (تفسیر کبیر، روح البیان و معانی وغیرہ) نیز یہ وقت عموماً فراغت کے ہوتے ہیں اس وقت ذکر میں دل خوب لگتا ہے لہذا اسے غنیمت جانے اللہ اللہ کرے (معانی) **ولا تکن من الغفلین** یہ عبارت یا تو نئی ہے تو واؤ ابتدائیہ ہے یا معطوف ہے **اذکر** پر تو واؤ عاطفہ ہے اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہو سکتی ہیں (1) ان دونوں وقتوں میں زبان سے ذکر کرو دل میں بیداری رکھو۔ غافل نہ ہو زبان اذکار میں مشغول ہو دل یار میں لگا ہو یعنی غفلت لاپرواہی سے ذکر نہ کرو (2) ان دونوں وقتوں میں خصوصیت سے ذکر کرو مگر غافل کسی وقت بھی نہ ہو ہر آن رب کی طرف دھیان رکھو۔ غفلت کرنا تو کیا غافلوں کی جماعت سے بھی نہ بنو **ان الذین عند ربک** مسلمانوں کو ذکر اللہ کے حکم کے بعد اس کی رغبت دینے کے لئے مقرب بندوں کا ذکر فرمایا الذین سے مراد فرشتے ہیں عند سے مراد مکانی قرب نہیں کہ اللہ تعالیٰ مکان و زمان سے پاک ہے بلکہ رتبہ عزت و شرف کا قرب مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے وزیر بادشاہ کے پاس ہے یا فلاں بادشاہ کے پاس اتنی فوج ہے یا یہ مطلب ہے کہ فرشتے دو قسم کے ہیں مدبرات امر جو ہمارے پاس رہتے ہیں ان کی بہت قسمیں ہیں۔ جان نکالنے والے، رحم میں بچہ بنانے والے نیک و بد اعمال لکھنے والے وغیرہ دوسرے ملائکہ مقربین جو صرف عبادت کرتے ہیں زمین پر نہیں آتے یہاں مقربین مراد ہیں لہذا عند ربک فرمایا گیا ربک فرما کر یہ بتایا کہ بمقابلہ فرشتوں کے تم پر اللہ کے کرم زیادہ ہیں کہ تم کو ذکر و فکر کا ثواب ملے گا فرشتوں کو کچھ نہیں پھر بھی وہ عبادات میں مشغول رہتے ہیں اور تم غافل رہو تو کتنے افسوس کی بات ہے

ہمہ از بہر تو سر بستہ و فرماں بردار شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

اور ہو سکتا ہے کہ الذین سے مراد حضرات انبیاء و صالحین و اولیاء ہوں **لایستکبرون عن عبادتہ** یہ عبارت الذین کی خبر ہے استکبار بنا ہے کبر سے اس کے معنی ہیں اپنے کو بڑا جاننا یعنی تکبر و غرور کرنا عبادت سے مراد بدنی عبادت ہے کیونکہ فرشتے مالی عبادت نہیں کرتے یعنی مقرب فرشتے بھی اللہ کی عبادات سے تکبر نہیں کرتے اس کے حضور عبادات گزار رہے ہیں **ویسبحونہ ولہ یسجدون** یہ عبارت معطوف ہے لا یستکبرون پر اس میں عام کے بعد خاص کا ذکر ہے کیونکہ عبادت تسبیح و سجدہ بھی داخل ہیں۔ تسبیح کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی عیوب سے پاکی بیان کرنا اس کی قدوسیت کا ذکر کرنا۔ **لہ یسجدون** میں **لہ** کو مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا یعنی مقرب فرشتے صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتے ہیں تسبیح قولی عبادت ہے سجدہ فعلی عبادت یعنی فرشتے باوجود مقرب بارگاہ ہونے کے عبادت یعنی قیام، رکوع، تکبیر بھی کرتے رہتے ہیں اور ہمیشہ اس کی پاکی بولتے ہیں صرف اسی کو سجدے کرتے ہیں۔ یہاں قرآن مجید کا پہلا سجدہ تلاوت ہے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے مومنوں کو اپنے ذکر کا حکم دیا پانچ صفات کے ساتھ '(1) ذکر دل میں ہو (2) عاجزی سے ہو (3) ڈر اور خوف کے ساتھ ہو (4) زیادہ چیخ کر نہ ہو درمیانی آواز سے ہو۔ صبح شام ہوا کرے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے مومن اپنے رب کو جس نے تجھ کو قسم قسم کی نعمتوں سے پالا اور پال رہا ہے اور پالے گا اپنے دل میں یاد کیا کر مگر عاجزی زاری کے ساتھ یہ سمجھتے ہوئے کہ میں اپنے رب کو کماحقہ' نہ تو یاد کر سکتا ہوں نہ اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کر سکتا ہوں۔ میرا ذکر محدود ہے اس کی نعمتیں غیر محدود ہیں وہ رب جلیل ہے میں بندہ ذلیل ہوں وہ کریم ہے میں کمیں ہوں

تو کریمی من کمینہ بندہ ام! بر کمینی ہائے خود شرمندہ ام

خوف اور ڈر کے ساتھ گزشتہ کا خوف کہ نہ معلوم میں دوزخیوں کے زمرہ میں لکھا جا چکا ہوں یا جنتیوں کے گروہ میں موجودہ کا خوف کہ نہ معلوم میری عبادات اور ذکر قبول ہے یا نہیں آئندہ کا خوف کہ نہ معلوم میرا خاتمہ ایمان پر ہو گا یا کفر پر قبر میں کامیاب ہوؤں گا یا نہیں حشر میں نجات پاؤں گا یا پکڑا جاؤں گا بہت بلند آواز سے ذکر نہ کر جس سے تجھے چیخنے کی تکلیف ہو دوسروں کو تیری چیخ سننے کی شام سویرے میرا ذکر کر کہ ان وقتوں کا ذکر قبول ہے کیونکہ ان دونوں دقتوں میں دن رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے دل کو قدرے فراغت ہوتی ہے دنیا میں انقلاب ہوتا ہے کہ رات جا رہی ہے دن آ رہا ہے۔ اپنی زندگی غفلت میں نہ گزار بیدار ہو اور ہوش کر پھر یہ وقت نہ ملے گا غور کر کہ مقرب فرشتے جو کبھی گناہ نہیں کرتے جن کو عبادات کا جواب نہیں ملتا ان کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنی ذلت نہیں جانتے۔ فخر سے اس کی عبادت کرتے ہمیشہ اس کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے ہیں ہمیشہ سجدے سجود کرتے رہتے ہیں تو بھی ان کا یہ حال سن کر سجدہ میں گر جا تاکہ ان سے مشابہت حاصل کرے

و تشبهو ان لم تكونوا مثلهم ان التشبه بالكرام فلاح

اگر اچھے نہ ہو تو اچھوں کی سی شکل بنالو اچھوں کی شکل بنانا بھی کامیابی ہے۔

نوٹ ضروری: قرآن مجید میں کل چودہ سجدے ہیں جن میں سے دو میں اختلاف ہے بارہ میں اتفاق سورہ حج کا دوسرا سجدہ احناف کے ہاں نہیں مگر امام شافعی اور امام احمد کے ہاں ہے اور سورہ **ص** کا سجدہ احناف کے ہے مگر شوافع کے ہاں نہیں چودہ کل کے نزدیک یہ پہلا سجدہ ہے چونکہ اس میں فرشتوں کے سجدے کا ذکر ہے تو ہم بھی اس وقت سجدہ میں گر جاویں۔ احناف کے نزدیک سجدہ کی آیتہ پر سجدہ واجب ہے پڑھنے والے پھر بھی سننے والے پر بھی نماز میں ہو یا نماز سے باہر فوراً کرے یا دیر سے مگر بلاوجہ دیر نہ کرنا چاہیے کھڑے سے سجدہ میں آئے اور پھر کھڑا ہو جائے۔

مسئلہ: سجدہ تلاوت میں وضو اور رو بقبلہ ہونا۔ نیت ضروری ہے مگر معین کرنا ضروری نہیں کہ یہ فلاں آیتہ کا سجدہ ہے۔
مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ سجدہ کی آیتہ آہستہ پڑھے تاکہ دوسروں پر سجدہ واجب نہ ہو جاوے۔ **مسئلہ:** اگر ایک آیت جگہ میں بار بار تلاوت کرے تو ایک ہی سجدہ واجب ہو گا لیکن اگر جگہ بدلتی رہے تو سجدے متعدد واجب ہوں گے ہر قرات پر ایک سجدہ اس کے باقی احکام بہار شریعت اور دیگر کتب فقہ میں دیکھو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ کا ذکر بہترین عبادت ہے اس کا حکم اس کے فائدے قرآن کریم میں بہت جگہ بیان ہوئے علماء فرماتے ہیں کہ اللہ کا ذکر شہادت فی سبیل اللہ اور جہاد سے بھی افضل ہے کیونکہ جہاد اور شہادت والا جنت پاتا ہے اور اللہ کے ذکر والا رب تعالیٰ کی ہم نشینی حدیث قدسی میں ہے کہ میں اپنے ذاکرین کا جلیس ہم نشین ہوں۔ رب کا شہود جنت کے حصول سے افضل ہے۔ (روح البیان) لہذا غازی مجاہد کو چاہئے کہ ہاتھ میں تلوار بندوق وغیرہ رکھے منہ میں ذکر اللہ شہید کو چاہئے کہ اللہ کے ذکر میں جام شہادت نوش کرے۔

نام نامی رب ان کا وردزباں ذکر ہوتا رہے سانس چلتا رہے
آخری وقت ہو ان کے قدموں میں سر دید ہوتی رہے دم نکلتا رہے

ذکر کے اقسام احکام فوائد ہم دوسرے پارے میں **فاذکرونی اذکرکم** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں اور انشاء اللہ کچھ تفسیر صوفیانہ میں عرض کریں گے۔ **دوسرا فائدہ:** اکثر اوقات ذکر خفی ذکر جلی سے افضل ہوتا ہے کہ اس میں ریا کا احتمال نہیں یہ فائدہ **فی نفسک** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

نوٹ ضروری: بعض لوگوں کے لئے ذکر جلی افضل ہے بعض کے لئے ذکر خفی یوں ہی بعض اوقات میں ذکر جلی افضل ہوتا ہے بعض اوقات میں ذکر خفی افضل یوں ہی بعض ذکر جلی افضل ہیں بعض خفی افضل اس لئے بعض آیات واحادیث ذکر جلی کا حکم دے رہی ہیں بعض ذکر خفی کا رب فرماتا ہے **فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم او اشد ذکرا** ذکر جلی و خفی کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق جلد اول میں دیکھو۔ دو نمازوں میں تلاوت خفی ہے ظہر و عصر اور تین نمازوں میں جمعہ و عیدین میں تلاوت جلی ہے۔ عید الفطر میں تکبیر تشریق آہستہ کہتے عید گاہ کو جاؤ اور عید الاضحیٰ میں بلند آواز سے نماز جمعہ و عیدین' حج علانیہ ادا کرو' نماز تہجد خفیہ۔ اذان' تکبیر' تلبیہ بلند آواز سے کہو بعض ذکر پوشیدہ۔ ذکر بالجہر سے تاحد آواز ہر چیز ذاکر کے ایمان کی گواہ ہو جاتی ہے۔ غافلوں کو ذکر کی توفیق ملتی ہے شیطان بھاگتا ہے وغیرہ وغیرہ خفی کا ذکر کا نقشہ یہ ہوتا ہے۔

دل میں ہو یاد تری گوشہ تنہائی ہو! پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

اور ذکر جلی میں یہ رنگ ہوتا ہے۔

سارا عالم ہو مگر دیدہ دل دیکھے تمہیں انجمن گرم ہو اور لذت تنہائی ہو!

تیسرا فائدہ: ذکر اللہ حضور قلب کے ساتھ چاہئے۔ غافل دل کا ذکر گویا درخت بے پھل ہے یہ فائدہ **فی نفسک** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ حضور قلبی سے ذکر اللہ کرو۔

گر بہ لوائے نماز تو نہ شوی بے نقاب! ہست رکوعم حجاب ہست سجودم حجاب

چوتھا فائدہ: ذکر کے وقت عاجزی' زاری خشوع' خضوع چاہئے دل میں تکبر و غرور نہ ہو کہ ہم بڑے ذاکر شاغل ہیں یہ فائدہ **تضرعا**" سے حاصل ہوا۔

مدت سے مجھ کو اپنی عبادت پہ ناز تھا! بس دم نکل گیا جو سنا بے نیاز ہے

پانچواں فائدہ: ذکر کرے اور ڈرے کہ نہ معلوم قبول ہوا یا نہیں تفسیر کبیر میں ہے کہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ شکر بھی شرک

ہے میں نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ جو اللہ کی نعمتوں کا مقابلہ شکر سے کرے کہ مولیٰ نعمتیں تیری شکر یہ میراوہ مشرک ہے مقابلہ کیسا اپنے قصور کا اقرار کرو یہ نہ کہو کہ "کھول کھا تالے نمازیں دے جنت۔"

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی! حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

یہ فائدہ **خیفتہ** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: تلاوت یا ذکر ضرورت سے زیادہ آواز سے کرنا جس سے ذاکر اور سامعین کو تکلیف پہنچے ممنوع ہے یہ فائدہ **دون الجھر** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: یوں تو ہمیشہ ہی اللہ کا ذکر چاہئے مگر صبح و شام کے وقت خصوصیت سے ضرور ذکر اللہ کرے مشائخ کرام اکثر وردو وظیفے بعد نماز فجر و مغرب و عصر بتاتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ **آٹھواں فائدہ**: اللہ والوں کی نقل بنانا بھی مقبول ہے دیکھو اس آیت میں فرشتوں کے سجدے کا ذکر ہے اور یہاں ہم کو بھی سجدہ تلاوت کرنا لازم ہے تاکہ ان سے تشبیہ ہو۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ذکر خفی واجب ہے ذکر جلی حرام ہے دیکھو ارشاد ہوا **واذکر ربک فی نفسک۔ اذکر** صیغہ امر کا ہے امر وجوب کے لئے آتا ہے لہٰذا تمہارا ذکر کے حلقے کرنا یا حق 'یا ھو نیز نعرہ رسالت لگانا حرام ہے (وہابی)۔ **جواب**: اس اعتراض کے تین جواب ہیں ایک الزامی اور دو سرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو اذان 'حج کا تلبیہ 'بقر عید میں تکبیر تشریق 'نماز مغرب 'عشاء جمعہ 'عیدین میں قراءۃ سب کچھ ہی خفیہ ہونا چاہئے کسی موقعہ پر جہر نہ ہو تم بھی نعرہ تکبیر لگاتے ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ **فی نفسک** کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ دل سے ذکر کرو غفلت سے نہ کرو دوسرا جواب تحقیقی یہ ہے کہ بعض لوگوں کے لئے یا بعض وقت یا بعض ذکر میں خفا بہتر ہے یہاں ان ہی کا ذکر ہے۔ دیکھو تفسیر اس کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔ **دوسرا اعتراض**: **فی نفسک** کے بعد **دون الجھر** کیوں فرمایا یہ معنی تو **فی نفسک** سے معلوم ہو گئے تھے۔ **جواب**: **فی نفسک** کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ دل سے ذکر اللہ کرو دوسرے یہ کہ اپنے دل میں ذکر اللہ کرو کہ آواز نہ پیدا ہو اور **دون الجھر** کے معنی یہ ہیں کہ ضرورت سے زیادہ تکلیف دہ آواز نہ پیدا ہو لہٰذا مضمون میں تکرار نہیں۔ **تیسرا اعتراض**: شام کے وقت کو اصیل کیوں کہتے ہیں۔ **جواب**: یہ اصل میں **وصیل** وصل کا صفت مشبہ ہے۔ معنی ملنے والا چونکہ شام کے وقت آج کی تاریخ کل کی تاریخ سے ملی ہوتی ہے اس لئے اسے اصیل کہتے ہیں یعنی دوسرے سے ملا ہوا وقت دیکھو تفسیر کبیر۔ **چوتھا اعتراض**: اللہ کا ذکر تو ہر وقت ہی چاہئے پھر یہاں صبح شام کی قید کیوں لگائی **بالغدو والاصال**۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو صبح شام سے مراد ہے ہمیشہ رب فرماتا ہے **النار یعرضون علیها غدوا و عشیا** یا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ صبح و شام کے وقت نماز منع ہیں مگر ذکر الٰہی منع نہیں وہ ان اوقات میں بھی کرو یا اس وقت کا ذکر دوسرے وقتوں کے ذکر سے افضل ہے کہ اس وقت فرشتے دن و رات کے جمع ہوتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **ان قرآن الفجر کان مشهودا**"۔

تفسیر صوفیانہ: ذکر خفی مبتدین کے لئے بھی بہتر ہے اور منتہی لوگوں کے لئے بھی اپنے ذکر کو ریا سے بچانے کے لئے آہستہ ذکر کرے اور منتہی غیرت کی وجہ سے ذکر خفی کرے کہ محبت کامل ہو تو غیرت بن جاتی ہے پھر بندہ نہیں چاہتا کہ میرے منہ سے یار

کانام اغیار سنیں بندہ جب مولیٰ میں فنا ہو جاتا ہے تو اس کی ہر چیز اغیار سے چھپائی جاتی ہے فرمایا نبی ﷺ نے **من عرف اللہ کل لسانہ** جو عارف ہوا اس کی زبان گونگی ہو گئی (کبیر)

حکایت: ایک بزرگ اپنے مریدوں کو چلہ کراتے بعد فراغت اس کے سامنے اللہ کے 99 نام پڑھتے پھر پوچھتے کہ کس نام پر تیرے دل کی کیفیت بدلی وہ جو نام بتاتا فرمائے اسی نام کو دل میں پکار اسی کا فیض تجھ کو ملے گا (تفسیر کبیر) رب کا نام دل میں اتارے کہ سوا اس کے کسی کی نیت نہ کہو۔

صحبت حور نخواہم کبود عین قصور باخیال تو اگر یاد گرے پردازم!

رب کو دل سے یاد کرنے کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اپنے قول 'فعل 'اخلاق اور ذلت سے رب کو اسطرح یاد کرے کہ نفس کے اعمال بدل کر شریعت کے سانچہ میں ڈھل کر رب کے اعمال بن جاویں اور بندہ اخلاق الیہ سے موصوف ہو جاوے ذاکر کی ذات فانی الذات ہو کر باقی باللذات ہو جاوے پہلے بہ تکلف زاری کرے پھر خود دل میں خوف پیدا ہو گا اور بندہ انوار الیہ سے منور ہو جاوے گا۔ صبح ازل شام ابد میں ذاکر مانا جاوے گا پھر ذاکر بندہ اور ذکر سب ایک ہی نظر آوے گا تم اس سے غفلت نہ کرو کہ ذاکر بندہ اور اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جنہیں رب سے قرب ہے ان میں تکبر و غرور نام کو بھی نہیں رہتا وہ ہمیشہ سر بسجود رہتے ہیں وہ بندگان مخلصین سے ہوتے ہیں۔

زینت تو بس کہ کمر بندگی! تاج تو در سجدہ سرا فگندگی

(روح البیان)

صوفیاء فرماتے ہیں کہ صبح شام ذکر اسی لئے افضل ہے کہ وہ فرشتوں کے اجتماع کا وقت ہے اس آخری آیت پر سجدہ تلاوت واجب کہ یہاں مقبولوں کے سجدے کا ذکر ہے پتہ لگا کہ مقبولوں کے پاس ذکر اللہ افضل ہے اس ذکر سے جو ان سے علیحدہ ہو کر کیا جاوے نماز باجماعت اسی لئے افضل ہے بزرگوں کے مزارات کے پاس تلاوت نماز 'ذکر و فکر 'شغل اسی لئے افضل ہے کہ وہاں بندہ مقبول کا قرب ہے **ادخلوا الباب سجدا و قولوا حطۃ۔**

آیاتہا ۷۵ ۔ سورۃ الانفال مدنیۃ ۔ رکوعاتہا ۱۰

آیتہ 'رکوع 'سورت 'منزل ان سب کے معانی ان کے اقسام و احکام ہم سورہ فاتحہ کے اول میں بیان کر چکے ہیں اس سورۃ کا نام انفال ہے کیونکہ اس کے شروع میں لفظ انفال مذکور ہے نیز اس میں انفال یعنی غنیمتوں کے احکام بیان ہوئے ہیں یہ سورۃ مدنیہ ہے یعنی بعد ہجرت نازل ہوئی اس میں پچھتر آیتیں ہیں اور دس رکوع ہیں اس کی دو آیتیں مکیہ ہیں (1) **واذ یمکر بک الذین کفروا** (2) **یاایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک** کہ یہ آیت حضرت عمر کے ایمان

لانے پر نازل ہوئی ان جناب کا ایمان ہجرت سے کہیں پہلے تھا۔

خیال رہے کہ تمام سورتوں کی ترتیب خود حضور نبی کریم ﷺ نے دی تھی سواء سورہ انفال کے کہ اس کو سورہ اعراف کے بعد سورہ توبہ سے پہلے حضرت عثمان غنی نے اپنے اجتہاد سے رکھا یہ آپ کا اجتہاد تھا نیز سورہ توبہ کے اول بسم اللہ نہ لکھی یہ بھی حضرت عثمان غنی کا اجتہاد تھا بعض صحابہ خصوصاً حضرت عبداللہ ابن عباس نے حضرت عثمان غنی سے دو سوال کئے (1) یہ کہ سورہ اعراف اور سورہ توبہ کی آیات ایک سو سے زائد ہیں اور سورہ انفال کی آیات سو سے کم پھر آپ نے یہ چھوٹی سورۃ ان بڑی سورتوں کے بیچ میں کیوں رکھی (2) ہر سورت کے اول آپ نے بسم اللہ لکھی ہے سورہ توبہ کے اول کیوں نہ لکھی۔ حضرت عثمان نے اس کی بہت وجہیں بیان فرمائیں۔ جن میں سے ایک وجہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے اس میں اشتباہ ہو گیا کہ سورہ انفال اور سورہ توبہ ایک ہی سورت ہے یا دو نیز سورہ انفال کے مضامین سورہ توبہ کے مضامین سے ملتے جلتے ہیں حضور انور نے اس کی ترتیب دی نہیں ان وجوہ سے میں نے انفال اور توبہ کو ملایا اور ایک ہونے اور دو ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے نام الگ الگ رکھے مگر بیچ میں بسم اللہ نہ لکھی (بخاری شریف، تفسیر روح المعانی اور جلال الدین سیوطی) اس کی نفیس بحث اس جگہ روح المعانی میں دیکھو۔

تعلق: اس سورہ اعراف سے چند طرح کا تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی سورت میں اعراف کا ذکر تھا جو جنت دوزخ کے سواء ایک عارضی مقام ہو گا اس سورت میں نفل یعنی مال غنیمت کا ذکر ہے جو جہاد کے اصلی مقصود یعنی خدمت دین اور جنت و رضاء الہی کے علاوہ ایک عارضی چیز ہے۔ **دوسرا تعلق**: سورہ اعراف میں اطاعت الہی کا اجمالی حکم تھا **وامر بالعرف** اس سورت میں احکام الہی کی تفصیل ہے گویا تقوی کا اجمالی حکم دے کر اب تفصیل فرمائی جارہی ہے (معانی)۔ **تیسرا تعلق**: سورہ اعراف میں عموماً پچھلے نبیوں اور ان کی کافر قوموں کا ذکر تھا اس سورت میں حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کی کافر قوم کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق**: سورہ اعراف میں قرآن مجید کے دین کا ذکر تھا کہ وہ بصائر، ہدایت اور رحمت ہے اب اس سورۃ میں ان مومنوں کا ذکر ہو گا جو قرآن مجید سے مذکورہ فیوض لیتے ہیں۔ **انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم**۔ گویا دینے والے کے بعد لینے والوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس کی تفسیر سورہ فاتحہ سے پہلے **اعوذ باللہ** کی تفسیر کے بعد کی جاچکی ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ سورہ نمل شریف میں پوری آیت نہیں بلکہ آیت کا جز ہے اور سورتوں کے شروع میں پوری آیت ہے امام شافعی وغیرہ کے ہاں ہر سورۃ کے اول میں نازل ہوئی اس لئے وہ جہری نمازوں میں بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں ہمارے امام اعظم کے ہاں صرف ایک سورۃ کے اول میں نازل ہوئی پھر ہر سورت میں مکرر کر دی گئی اس لئے ہمارے ہاں تراویح میں حافظ کسی ایک سورت میں بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتا ہے۔ سورۃ توبہ کے اول میں حضرت عثمان غنی کا بسم اللہ نہ لکھنا مذہب حنفی کی تائید کرتا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا

سوال کرتے ہیں لوگ آپ سے غنیمتوں سے فرمادیجئے کہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی پس ڈرو اللہ سے

اے محبوب تم سے غنیمتوں کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ غنیمتوں کے مالک اللہ و رسول ہیں تو اللہ سے

اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ

اور درستی کرو اپنے درمیان والی کی اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی اگر ہو تم

ڈرو اور اپنے آپس میں میل رکھو اور اللہ رسول کا حکم مانو اگر ایمان

مُّؤْمِنِيْنَ ①

ایمان والے

رکھتے ہو۔

تعلق: اس آیتہ سورہ اعراف کی آخری آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو عبادات خصوصاً تسبیح و تہلیل ذکر و فکر کا حکم دیا گیا تھا اب مسلمانوں کی درستی معاملات آپس میں اچھے تعلقات رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے کیونکہ تقوی کے دو رکن ہیں ایک عبادت دوسرے معاملہ ایک رکن کا ذکر فرمانے کے بعد دوسرے رکن کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں قرآن کریم کے متعلق ارشاد ہوا کہ یہ بصائر ہے ہدایت ہے رحمت ہے اب قرآن مجید سے فیض لینے کی شرائط کا ذکر ہو رہا ہے کہ اللہ رسول کی اطاعت کرو تب ہی تم قرآن سے رحمت و ہدایت لے سکتے ہو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں بدنی عبادات کا ذکر ہوا اب جہاد' غنیمت وغیرہ کا ذکر ہے جو ان عبادات کا ذریعہ ہے کہ جہاد سے ہی نماز وغیرہ قائم ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں (۱) غزوہ بدر کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے جب مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ایسے آٹھ حضرات کو بھی حصہ دیا جو غزوہ بدر میں شریک نہ تھے حضور انور کے حکم سے اور دوسری خدمات انجام دیتے رہے۔ جن میں تین مہاجر تھے اور پانچ انصاری تین مہاجر تو حضرت عثمان ابن عفان حضرت طلحہ اور سعید ابن زید تھے۔ حضرت عثمان تو حضور انور کی صاحبزادی رقیہ کی تیمارداری میں مشغول تھے جو آپ کی زوجہ تھیں اور سخت بیمار تھیں اور حضرت طلحہ اور سعید ابن زید کو حضور نے جاسوسی کے لئے بھیجا ہوا تھا پانچ انصاری ابولبابہ مروان ابن عبدالمنذر' عاصم' حارث ابن حاطب' حارث ابن صمہ' خوات ابن جبیر تھے جو حضور انور کے حکم پر مختلف ڈیوٹیوں میں مامور تھے بعض حاضرین بدر نے سوچا کہ جب یہ حضرات جنگ میں شریک نہیں ہوئے تو انہیں غنیمت میں حصہ کیوں دیا گیا اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (کبیر)(2) بدر کی غنیمت کے متعلق غازیان بدر میں گفتگو ہوئی کہ یہ کسے دی جاوے صرف مہاجرین کو یا صرف انصار کو یا دونوں کو تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (مدارک' خازن)(3) بدر میں جوان حضرات تو جہاد میں مشغول رہے بڈھے حضرات ان کی پشت پناہ بن کر پیچھے رہے جیسا کہ جنگوں میں ہوتا ہے تقسیم غنیمت کے وقت مجاہدین نے کہا کہ صرف ہم کو ملنی چاہئے کہ جہاد ہم نے ہی کیا

ہے بڈھوں نے کہاکہ ہم بھی حقدار ہیں کہ ہم تمہارے پشت و پناہ تھے وقت پڑنے پر ہم تمہارے کام آتے تب یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر خازن) (4) بدر میں حضور ﷺ نے اعلان فرمایا تھاکہ جو کسی کافر کو مارے گا تو مقتول کا سامان قاتل کو دیا جاوے گا۔ اس کا گھوڑا جوڑا وغیرہ تقسیم غنیمت کے وقت۔ اس کے متعلق صحابہ میں گفتگو ہوئی کہ سلب یعنی مقتول کا مال غنیمت میں شامل کیا جاوے یا صرف قاتل کو دیا جاوے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن عمرو انصاری اور سعد ابن معاذ انصاری میں اختلاف ہوا تب یہ آیت نازل ہوئی (خازن) (5) کفار کے بعض مال بغیر جہاد مسلمانوں کے قبضہ میں آجاتے تھے جیسے بنی قریظہ اور بنی نضیر کے متروکہ مال جائیدادیں ان کے متعلق صحابہ میں گفتگو ہوئی کہ ان کی تقسیم کیسے ہو یہ مال غنیمت ہے یا نہیں اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی یہ قول حضرت عبداللہ ابن عباس کا ہے (تفسیر کبیر) (6) مال غنیمت میں پانچواں حصہ حضور ﷺ کا ہوتا تھا چار حصے مجاہدین غازیوں کے اس خمس کے متعلق گفتگو ہوئی کہ یہ کہاں خرچ کیا جاوے تب یہ آیتہ نازل ہوئی یہ قول مجاہد کا ہے (کبیر) یہ چھ روایات خیال میں رہیں انہی کے مطابق آیتہ کی تفسیریں ہوں گی۔

تفسیر **یسئلونک عن الانفال۔ یسئلون** بنا ہے سوال سے سوال کے معنی مانگنا بھی ہیں پوچھنا بھی جب اس کے بعد عن آئے تو بمعنی پوچھنا ہوتا ہے وہ ہی معنی یہاں مراد ہیں اس کا فاعل اصحاب بدر ہیں جن کے پوچھنے پر یہ آیت نازل ہوئی۔ انفال جمع ہے نفل کی بمعنی زائد چیز اسی لئے بعض عبادات کو نفل کہتے ہیں کہ وہ فرائض سے زیادہ ہیں پوتے کو نفل کہا گیا ہے کہ وہ بیٹے سے زائد اولاد ہے رب فرماتا ہے **ویعقوب نافلتہ** ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو یعقوب بخشے ان کی طلب سے زائد بخشے کہ انہوں نے صرف بیٹا مانگا تھا ہم نے پوتا بھی دیا یہاں نفل سے مراد یا تو غنیمت کا مال ہے جو جہاد میں کفار سے جبرا" چھینا جاوے کیونکہ وہ بھی مقصد جہاد سے زائد ہوتا ہے غازی صرف ثواب کے لئے جہاد کرتا ہے یہ مال اسے رب نے علاوہ دے دیا یا اس سے مراد وہ زائد حصہ جو امام بطور انعام مقرر فرمادے کہ جو شخص اس قلعہ میں پہلے داخل ہو اسے سر کرے اسے ہم اتنی غنیمت زائد دیں گے یا مراد وہ خمس یعنی غنیمت کا پانچواں حصہ ہے جو حضور ﷺ کے لئے خاص ہوتا تھا جیسا کہ شان نزول کی مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ قوی یہ ہے کہ غنیمت کا مال مراد ہے اکثر مفسرین کا یہ ہی خیال ہے۔ اعلیٰ حضرت نے بھی یہ ترجمہ کیا۔ خیال رہے کہ مال غنیمت اور قربانی کا گوشت صرف مسلمانوں کے لئے حلال کیا گیا۔ پچھلی امتوں کے لئے حرام تھا انہیں حکم تھا کہ یہ سارا مال پہاڑ پر رکھ دو غیبی آگ آتی تھی اسے جلا جلاتی تھی یہ جلانا قبولیت کی علامت تھی اس وجہ سے بھی غنیمت کو نفل کہا جاتا ہے یعنی ہمارے لئے زائد عطیہ یعنی اے محبوب غازیان بدر آپ سے غنیمت یا خمس یا سلب یا کفار کے متروکہ مال یا ان کی متروکہ جائداد کے متعلق پوچھتے ہیں۔ ضحاک نے اس آیت کے معنی یہ کئے ہیں کہ لوگ آپ سے غنیمتوں میں حصہ مانگتے ہیں ان کے نزدیک عن بمعنی من ہے اور سوال کے معنی ہیں مانگنا مگر یہ قول قوی نہیں (تفسیر خازن) **قل الانفال للہ والرسول** یہ ان حضرات صحابہ کے سوال کا جواب ہے اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ **للہ** میں لام ملکیت ہے اللہ کا ذکر برکت کے لئے ہے تو معنی یہ ہوئے کہ غنیمت حضور انور کی ملک ہے اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہے اس کی ناسخ وہ آیت ہے **واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ** اس لئے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت ناسخ بھی ہے منسوخ بھی ناسخ تو ہے مال غنیمت کو جلا دینے کے حکم کی کہ پچھلی امتوں میں مال غنیمت جلا دیا جاتا تھا منسوخ اس لئے

کہ اب چار خمس مجاہدین کے ہوں گے ایک خمس حضور ﷺ کا دوسرے یہ کہ الانفال سے مراد ہے غیمتوں کا حکم پھر للہ برکت کے لئے فرمایا گیا اور معنی یہ ہیں کہ غنیمت کے مالوں کا حکم رسول اللہ کے اختیار میں ہے کوئی مجتہد قیاس سے اس کا حکم نہ دے۔ تیسرے یہ کہ انفال سے مراد ہے غنیمت کا خمس اور لام ملکیت کا ہے یعنی غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ رسول کا ہے حضور اس کے مالک ہیں چوتھے یہ کہ انفال سے مراد ہے مال سلب یا انعام مقرر کردہ اور معنی یہ ہیں کہ اس کا اختیار اللہ رسول کو ہے جب چاہیں جتنا چاہیں مقرر فرمادیں پانچویں یہ کہ انفال سے مراد ہے کفار کا متروکہ مال ان کی متروکہ جائداد جو بغیر جنگ مسلمانوں کو مل جائیں ان صورتوں میں یہ آیت محکم ہے (تفسیر روح البیان' خازن' کبیر وغیرہ) اس صورت میں آیت **واعلموا انما غنمتم** اس آیت کا بیان ہے ناسخ نہیں۔ **فاتقوا اللہ و اصلحوا ذات بینکم** اس فرمان عالی میں ف جزائیہ ہے اور یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے یعنی جب اس کا حکم اللہ رسول کے سپرد تو تم لوگ آپس میں نہ جھگڑو اللہ سے ڈرو اس کے رسول کے حکم پر راضی ہو جاؤ اور اپنے آپس کے معاملات کی اصلاح کر لو۔ اصلحوا بنا ہے اصلاح سے - بمعنی درست کرنا خرابی دور کرنا ذات مونث ہے ذو کا - بمعنی والا اصل میں ذوت تھا واؤ الف بن گیا بین سے مراد ہیں وہ حالات جو لوگوں کے درمیان واقع ہوں یعنی آپس کے حالات جیسے دل کے حالات کو ذات الصدور برتن والی چیزوں کو ذات نار کہتے ہیں یعنی آپس کے حالات کی اصلاح درستی کرو میل جول رکھو اسی مال کے متعلق آپس میں لڑو جھگڑو نہیں **واطیعوا اللہ و رسولہ** یہ خاص پر عام کا عطف ہے کیونکہ آپس کا میل جول بھی اللہ رسول کا حکم ہے اطاعت خدا اور رسول میں یہ بھی داخل ہے۔ اطاعت کے معانی اور اطاعت و عبادت میں اور اطاعت و اتباع میں نفیس فرق بارہا بیان ہو چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ خدا تعالٰی کی اطاعت کی طرح حضور ﷺ کی اطاعت مطلقاً ہر مومن پر لازم ہے رسول کی نسبت رب کی طرف ہے لینے کی' ہماری طرف ہوتی ہے دینے کی اللہ کے رسول کی طرف یعنی اللہ سے فیض لینے والے رسول۔ ہمارے رسول یعنی ہم کو فیض دینے والے اللہ کی نعمتیں پہنچانے والے رسول **ان کنتم مؤمنین** اس شرط کا تعلق گزشتہ تینوں حکموں سے ہے تقوی' اصلاح اور اطاعت یعنی اگر تم مومن کامل ہو تو اللہ سے ڈرو بھی آپس میں میل جول بھی رکھو اور اللہ رسول کی فرمانبرداری بھی کرو کہ یہ چیزیں تقاضا ایمان بھی ہیں اور مومن کامل ہونے کی نشانیاں بھی۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی چھ تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک قوی اور صحیح تر تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمہ کے بھی مطابق ہے۔ اے محبوب ﷺ مجاہدین بدر اسلام کے پہلے غازی آپ سے غیمتوں کے متعلق پوچھتے ہیں کہ ان کا حکم کیا ہے کیونکہ بدر پہلا اسلامی جہاد ہے اور یہ غنیمت پہلی غنیمت ہے اس لئے یہ ان کے احکام سے بالکل بے خبر ہیں آپ جواب میں ارشاد فرمادو کہ غیمتیں اللہ رسول کی ہیں ان کے احکام براہ راست وہ ہی بیان فرمائیں گے کسی کی رائے کسی کے قیاس کو ان میں دخل نہیں وہ جس طرح تقسیم کریں جسے جتنا دیں جہاد میں شریک نہ ہونے والوں کو حصہ دیں تو انہیں اختیار ہے مجاہدین میں سے بعض کو بعض سے زیادہ دیں۔ سلب یا نفل کی شکل میں تو وہ مختار ہیں تم بلا چون و چرا ان کے حکم پر سر جھکادو اگر تم مومن کامل ہو تو تین کام کرو۔ اللہ سے ڈرو' کسی کی طرف سے دل میں میل نہ رکھو ہر مسلمان کی طرف سے دل صاف رکھو' بہرحال اللہ رسول کی فرمانبرداری کرو تمہارے یہ اعمال تمہارے ایمان

کامل کی دلیلیں ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مال غنیمت کا حلال ہونا اس امت کی خصوصیت ہے اس سے پہلے کسی نبی کی امت کے لئے یہ حلال نہ ہوا یہ فائدہ **یسئلونک** سے حاصل ہوا کہ صحابہ کرام غنیمت کی تقسیم سے بالکل بے خبر تھے اس لئے اس کے متعلق حضور انور سے بہت پوچھ گچھ کرتے تھے۔ **دوسرا فائدہ:** جہاد کا اصل مقصد تبلیغ دین ہے اس کا فائدہ رضاء رب العالمین ہے مال غنیمت مل جانا ایک زائد نفع ہے یہ فائدہ انفال کے نام سے حاصل ہوا کہ اس کے معنی ہیں زائد نفع۔ **تیسرا فائدہ:** حضور انور شرعی احکام خصوصاً "مال غنیمت کی تقسیم میں باذن الٰہی مختار مطلق ہیں جس طرح چاہیں احکام جاری فرمائیں یہ فائدہ للہ والرسول فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں **للہ** فرمانا برکت کے لئے ہے **والرسول** ملک واختیار کے لئے۔ **چوتھا فائدہ:** مال غنیمت بہت ہی طیب و طاہر ہے کہ اس کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف بھی ہے اور حضور ﷺ کی طرف بھی کہ یہ رب کا خاص عطیہ ہے اور حضور ﷺ کا تقسیم فرمودہ یہ فائدہ بھی **للہ والرسول** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ کے ساتھ حضور انور کا ذکر بغیر فاصلہ کرنا جائز ہے دیکھو للہ والرسول میں یوں ہی **اطیعوا اللہ والرسول** میں اللہ رسول ملا کر فرمایا گیا لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ رسول نے غنی کر دیا اللہ رسول نے ہم کو ایمان و عرفان نعمت دو جہان عطا فرمائیں یہ شرک نہیں۔ **چھٹا فائدہ:** حضور ﷺ مالک و مختار ہیں اگر چاہیں تو زمین مدینہ کو میدان بدر بنادیں چاہیں تو غیر مجاہد کو مجاہد بنادیں جسے جو چاہیں بنادیں غیر حاضر کو حاضر کردیں حاضر کو غیر حاضر دیکھو حضرت عثمان غزوہ بدر کے موقعہ پر مدینہ میں رہے مگر انہیں حضور نے بدر میں حاضر بنادیا غنیمت کے مال میں مجاہدین کی برابر انہیں حصہ دیا جو لوگ مجاہدین سے پیچھے رہے اگرچہ انہوں نے جہاد نہ کیا تلوار نہ چلائی زخم نہیں کھائے۔ تیر و کمان نہیں اٹھائے مگر انہیں غازی مجاہد بنادیا اور برابر کا حصہ دیا صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان غنی حدیبیہ میں موجود نہ تھے حضور کے حکم سے مکہ مکرمہ گئے ہوئے تھے ان کے پیچھے بیعت رضوان ہوئی تو حضور انور نے اپنے ایک ہاتھ کے متعلق فرمایا کہ یہ ہاتھ عثمان کا ہے اور یہ دوسرا ہاتھ محمد رسول اللہ کا ہاتھ ہے میں خود عثمان کی طرف سے بیعت کرتا اور بیعت لیتا ہوں یہ ہے میرے شہنشاہ کی بادشاہی رب خالق و مختار نے حضور کو مالک و مختار بنایا ہے۔ **اللھم صل وسلم وبارک علیہ۔ ساتواں فائدہ:** اطاعت اللہ تعالیٰ کی بھی ہوگی حضور ﷺ کی بھی عالم و حاکم دین کی بھی مگر اتباع صرف حضور کی ہوگی نہ اللہ تعالیٰ کی نہ کسی عالم و شیخ و حاکم کی یہ فائدہ **اطیعوا اللہ و رسولہ** سے حاصل ہوا دوسری جگہ ارشاد ہے **فاتبعونی** وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا یا کسی حاکم و عالم کا ذکر نہیں فرمایا۔ **آٹھواں فائدہ:** تقویٰ دل کی صفائی "اللہ رسول کی اطاعت ایمان کی دلیل ہے یہ فائدہ **ان کنتم مؤمنین** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** حضور کی اطاعت مطلقاً" واجب ہے خواہ عقل میں آئے یا نہ آئے اگر حضور ایسا حکم دیں جو ہم کو قرآن کے حکم کے خلاف معلوم ہو تب بھی حضور کی اطاعت کی جاوے یہ فائدہ **اطیعوا اللہ و رسولہ** فرمانے سے حاصل ہوا اس کی بہت مثالیں کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ کرو حضرت ابو خزیمہ انصاری اکیلے کی گواہی دو کی برابر فرمادی۔ حضرت علی کے لئے فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرا نکاح ممنوع کر دیا حضرت سراقہ کو سونے کے کنگن پہننے کی اجازت دے دی وغیرہ۔ **دسواں فائدہ:** کامل زندگی اس کی ہے جس کا دل کدورت بغض عداوت وغیرہ سے پاک و صاف ہو یہ فائدہ **اصلحوا ذات بینکم** سے حاصل

ہوا۔ **گیارھواں فائدہ**: جہاد میں غازیوں اور ان کے معاونوں کا ثواب اور غنیمت کا حصہ برابر ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے فیصلہ سے ناراض ہوتے تھے۔ دیکھو حضور نے غازیوں معاونوں کو غنیمت کا برابر کا حصہ دیا تو صحابہ ناراض ہوئے اور حضور کے فیصلہ سے ناراضی کفر ہے (روافض)۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے فرشتوں کو خبر دی **انی جاعل فی الارض خلیفتہ** ہم زمین میں اپنا نائب خلیفہ بنانے والے ہیں تو فرشتوں نے اس پر اعتراض کیا اور اپنا استحقاق بیان کیا اور رب پر اعتراض کفر ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ وہاں اور یہاں بدر میں نہ تو اعتراض تھا نہ ناراضی بلکہ اس عمل کی حکمت پوچھنا مقصود تھا اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **ویسئلونک** لوگ آپ سے پوچھتے ہیں یہ نہ فرمایا کہ آپ پر اعتراض کرتے ہیں نہ انہیں توبہ کا حکم دیا نہ دوبارہ کلمہ پڑھ کر تجدید ایمان کا۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت صرف اللہ رسول کا ہے کسی کا اس میں کوئی حق نہیں **الانفال للہ والرسول** حالانکہ وہ تو غازیوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اگر انفال سے مراد کفار کی متروکہ جائیداد یا سلب یا نفلی انعام یا خمس ہے تب تو آیت پر کوئی اعتراض نہیں اور اگر اس سے مراد مال غنیمت ہے تو معنی یہ ہیں کہ ان میں حکم اللہ رسول کا ہے، جو چاہیں حکم دیں کسی کو قیاس وغیرہ کرنے کا حق نہیں للہ میں لام ملکیت کا نہیں بلکہ اختیار کا ہے۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ فاسق فاجر اور کینہ ور آدمی مومن نہیں کافر ہے ترک اطاعت ایمان مٹا دیتا ہے کیونکہ یہاں ایمان کو ان کاموں پر معلق کیا گیا کہ ارشاد ہوا **ان کنتم مؤمنین** جب موقوف علیہ نہ رہا تو موقوف بھی نہ رہا جب اطاعت نہ رہی تو ایمان بھی نہ رہا جیسے جب چھت نہ رہی تو چھت کی معلق چیزیں بھی نہ رہیں (تفسیر کبیر)۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک الزامی باقی تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے گناہ کبیرہ کرنے والوں کو مومن فرمایا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ان اعمال کو ایمان پر معلق کیا ہے نہ کہ ایمان کو مذکورہ اعمال پر **ان کنتم مؤمنین** شرط ہے وہ اعمال جزا اور جزا شرط پر معلق ہوتی ہے نہ کہ برعکس تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں کمال ایمان مراد ہے تو ان اعمال کا نہ کرنے والا کامل مومن نہیں۔ **چوتھا اعتراض**: تقویٰ، اللہ رسول کی اطاعت دلوں کی صفائی تو سارے انسانوں کی کرنی چاہئے پھر مومن کی شرط کیوں لگائی۔ **جواب**: اس لئے کہ ان اعمال کا ثواب صرف مومن کو ملے گا اگر کوئی کافر ایمان تو نہ لائے خوف خدا کا دعویٰ کرے دل صاف رکھے حضور کے بعض ارشادات عالیہ پر عمل کرے وہ ثواب کا مستحق نہیں لہٰذا آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ: مومن کی زندگی و اعمال سب ہی گویا انفال ہیں جو رب کی طرف سے ہمارے استحقاق کے بغیر ملے ہیں کامل مومن وہ ہے جس کے انفال یعنی انفاس و اعمال اللہ رسول کے لئے ہوں بولے تو اللہ کے لئے لکھے تو اللہ رسول کے لئے حال یہ ہو

لب تو میرے ہیں مگر ان پر کرم ہے تیرا	انگلیاں میری ہیں پر ان میں قلم ہے تیرا

تقویٰ اختیار کرو یعنی غیر اللہ سے بچو، حرص دینا بھائیوں پر حسد اور دوسری دلی بیماریوں سے دل کو صاف رکھو کہ یہ چیزیں نور ایمان کو دل میں نہیں آنے دیتیں اگر تم حقیقی مومن ہو کہ تمہارا نام الست کے دن مومنوں کی فہرست میں آگیا ہے تو اللہ رسول

ے احکام بلاچون وچرا قبول کرو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے درخت کے پتے پھل پھول زمین میں دبی ہوئی جڑ کی زندگی کی دلیل ہیں یوں ہی ظاہری تقوی اطاعت خدا ور سول دل میں چھپے ہوئے ایمان کی دلیل ہے لہذا **ان کنتم مؤمنین** فرمانا بالکل حق ہے اللہ نے حضور انور کو یہ قوت وقدرت بخشی ہے کہ حضرت عثمان غنی کے لئے مدینہ کو بدر بنادیں ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ کے ذریعہ خدا کا ہاتھ بنادیں کہ خود فرمادیں کہ یہ میرا ہاتھ عثمان کا ہاتھ ہے اور رب کہے کہ محبوب تیرا ہاتھ میرا ہاتھ ہے **یداللہ فوق ایدیھم** لہذا حضور کو یہ اختیار بھی دیا کہ جس کے لئے جس جگہ کو چاہیں مدینہ بنادیں بلکہ چاہیں تو ہمارے سینہ کو مدینہ بنا دیں انہیں سب کچھ بنانا آتا ہے۔

بنا دو میرے سینہ کو مدینہ   نکالو بحر غم سے یہ سفینہ

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ
اس کے سوا نہیں کہ مومن وہ ہیں کہ جب ذکر کیا جاوے اللہ کا تو ڈر جائیں دل ان کے اور جب تلاوت کی جاویں
ایمان والے وہ ہی ہیں کہ جب اللہ یاد کیا جاوے ان کے دل ڈر جاویں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ
ان پر آیتیں اس کی تو بڑھا دیں ایمان ان کے اور رب اپنے پر ہی توکل کریں   وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں
جاویں ان کا ایمان ترقی پائے   اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کریں   وہ جو نماز قائم رکھیں
الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ
نماز کو اور اس میں سے جو دیا ہم نے انہیں خرچ کرتے ہیں یہ ہی لوگ ہیں ایمان والے سچے ان ہی کے
اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کریں   یہ ہی سچے مسلمان ہیں ان کے لئے درجے
لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۚ﴿۴﴾
واسطے ہیں درجے نزدیک رب کے ان کے اور بخشش اور روزی کرامت والی
ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور عزت کی روزی

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ کسی کی طرف سے دل میں میل نہ رکھو **واصلحوا ذات بینکم** اب اس کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ پھر تمہارے دل میں خوف الٰہی ہیبت الٰہی پیدا ہوں گے جو ایمان کی روح ہے۔ **وجلت قلوبھم** **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں اللہ رسول کی

اطاعت کا اجمالی حکم دیا گیا اب اس اجمال کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے **الذین یقیمون الصلوۃ** پچھلی آیت میں ایمان کی ظاہری علامات ارشاد ہوئیں۔ تقوی، آپس کا میل جول، اطاعت خدا و رسول۔ اب ایمان کی اصل حقیقت کا ذکر ہے دل میں ہیبت الہی ہونا تلاوت قرآن پر ایمان کا ترقی پانا رب تعالیٰ پر پورا توکل ہونا نماز و زکوۃ کا پابند ہونا وغیرہ۔

تفسیر: **انما المؤمنون** انما حصر کے لئے ہے **المؤمنون** سے مراد کامل مومن ہیں ہم ایمان کی حقیقت چھٹے پارہ کے شروع میں عرض کر چکے ہیں۔ **یریدون ان یفرقوا بین اللہ و رسلہ** کی تفسیر میں اگرچہ فرشتے اور بعض جنات بھی مومن ہیں مگر قرآن مجید میں جب مومن مطلق آتا ہے تو اس سے مراد انسان مومن ہوتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہیں نمازیں قائم کرنا، زکوۃ دینا انسان مومنوں کی ہی صفات ہیں **الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم** یہ عبارت آئندہ سے مل کر **المؤمنون** کی خبر ہے ظاہر یہ ہے کہ **ذکر اللہ** سے مراد اللہ کی ذات و صفات کا ذکر ہے بعض نے فرمایا کہ اللہ کے عذاب کا ذکر مراد ہے مگر پہلا قول قوی ہے، ذکر اللہ کے معنی اس کے اقسام و احکام ہم دوسرے پارے **فاذکرونی اذکرکم** کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔ **اذا** عموم وقت کے لئے ہے۔ بمعنی جب کبھی، خوف، خشیت، تقوی اور وجل قریب المعنی ہیں مگر اکثر وجل۔ بمعنی ہیبت ہوتا ہے خوف اکثر سزا کے ڈر کو بولا جاتا ہے یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں۔ شاعر کہتا ہے۔

لعمرک ما ادری وانی لا وجل علی اینما تعدوالمنیته اولی (کبیر)

قلوبھم میں **ھم** کا مرجع مومنین ہیں ان میں اولیاء، گنہگار، ابرار، اخیار سب ہی شامل ہیں کہ رب کی ہیبت سب کے ہی دلوں میں ہے بلکہ جس قدر ایمان قوی اسی قدر ہیبت الہی زیادہ **واذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا** یہ مومنین کاملین کی دوسری صفت ہے یہاں بھی اذا عموم وقت کے لئے ہے۔ بمعنی جب کبھی آیات سے مراد قرآنی آیتیں ہیں جیسا کہ **تلیت** میں تلاوت عام ہے خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے ایمان کی زیادتی سے مراد مقدار کی زیادتی نہیں کہ ایمان میں مقدار کی زیادتی کمی نہیں ہوتی بلکہ کیفیت کی زیادتی مراد ہے علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین یہ مرتبے ہیں ان ہی میں ترقی ہوتی ہے یا یہ مطلب ہے کہ آیات نازل ہوتی رہتی ہیں یہ ان کی تصدیق کرتے رہتے ہیں یعنی مصدق بہ کی زیادتی ایمان کی زیادتی ہے **وعلی ربھم یتوکلون** یہ مؤمنوں کی تیسری صفت ہے **علی ربھم** کو **یتوکلون** پر مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ توکل کے معنی اس کے اقسام بارہا بیان ہو چکے کہ توکل دو قسم کا ہے اسباب والا اور ترک اسباب والا اسباب والے توکل کو یوں بیان کیا جاتا ہے۔

گر توکل می کنی در کار کن کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

یعنی وہ لوگ اپنے رب پر ہی توکل و بھروسہ کرتے ہیں۔ **الذین یقیمون الصلوۃ** یہ مومنوں کی چوتھی صفت ہے پچھلی تین صفتیں دلوں کی تھیں یہ صفات جسم کی ہیں نماز پڑھنے اور نماز قائم کرنے میں فرق ہم پہلے پارے میں **یقیمون الصلوۃ** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں نماز ہمیشہ پڑھنا، صحیح پڑھنا، بروقت پڑھنا، دل لگا کر پڑھنا یہ ہے نماز قائم کرنا اللہ نصیب کرے **ومما رزقنھم ینفقون** یہ مومنوں کی پانچویں صفت ہے اس کی تفسیر بھی پہلے پارہ میں اس آیت کے ماتحت ہو چکی ہے اللہ توفیق دے تو ہر روزی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرے صرف مال کی ہی زکوۃ پر کفایت نہ کرے پھر صرف ایک دوبار پر قناعت نہ

کرے بلکہ ہمیشہ خرچ کرے ایک جگہ میں خرچ نہ کرے بلکہ ہر جگہ ہر اچھے مقام پر خرچ کرتا رہے ہر جگہ دانہ ڈالے نہ معلوم کون دانہ کب اگ جاوے اس لئے اسلام نے صرف زکوۃ نہ رکھی بلکہ اس کے ساتھ اور صدقات بھی جاری فرمائے اسی ایک جملہ میں یہ تمام باتیں بیان فرمادیں **اولئک ھم المؤمنون حقا** جن میں یہ پانچ صفات ہوں وہ سچے مومن ہیں حق کے معنی ہیں درحقیت یا سچے یا پکے یا مضبوط تینوں معنی درست ہیں یعنی یہ لوگ ہی درحقیقت مومن ہیں یا یہ ہی لوگ سچے مومن ہیں حقا" کے نصب میں بہت احتمال ہیں یا یہ مومنون کا حال ہے یا احق پوشیدہ کا مفعول مطلق جیسے رب فرماتا **اولئک ھم الکافرون حقا** اب ان کے تین انعام بیان ہو رہے ہیں۔ **لھم درجات عند ربھم** اس فرمان عالی میں **لھم** کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا درجات جمع درجتہ" کی عربی میں درجہ کے دو معنی ہیں سیڑھی اور منزلت و طبقہ جب بمعنی سیڑھی ہو تو اس کی جمع درج بروزن فعل آتی ہے اور جب معنی منزلت و طبقہ ہو تو اس کی جمع درجات آتی ہے یہاں بمعنی قرب و منزلتہ ہے (روح البیان) عند سے مراد قرب مکانی نہیں بلکہ قرب رتبی ہے یا تو اس سے مراد جنت کے طبقے ہیں جو بعد قیامت ملیں گے یا دنیا میں ایمانی عرفانی درجے مراد ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت کے سو درجات ہیں ہر دو درجوں کے درمیان فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ان درجات کو رب کی طرف نسبت فرمانا ان کی عزت افزائی کے لئے ہے اور یہ بتانے کے لئے کہ ان کو ان درجات کا ملنا یقینی ہے کہ رب کا وعدہ ہے (روح المعانی) **ومغفرۃ ورزق کریم** یہ عبارت معطوف ہے درجات پر اور دوسرے دو انعاموں کا اس میں ذکر ہے مغفرۃ سے مراد ہے تمام چھوٹے بڑے گناہوں خطاؤں کی بخشش اور رزق کریم سے مراد ہے جنت یا جنت کی نعمتیں عربی میں ہر قابل تعریف کو کریم کہتے ہیں (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ رزق کریم سے مراد ہو دنیا میں حلال طیب روزی یا نیک اعمال کی توفیق کہ یہ بھی روحانی روزی ہے۔ بہرحال اس عبارت کے بہت معانی ہو سکتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے کامل و کامیاب مومنوں کی پانچ صفات بیان فرمائیں تین روحانی اور جنانی اور دو جسمانی اور ان کے تین خصوصی انعام بیان کئے چنانچہ فرمایا کہ پیارے کامل قابل قدر مومن وہ ہیں جن کا حال یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاوے خواہ اس طرح کہ دوسرا شخص انہیں ذکر سنائے یا اس اس طرح کہ وہ دوسروں کو سنائیں یا اس طرح کہ خود اپنے دل یا زبان سے ذکر اللہ کریں تو ان کے دل ہیبت الٰہی اور جلال کبریائی سے ڈر جاویں اور جب ان کے سامنے آیات الٰہیہ یعنی قرآن مجید کی تلاوت کوئی کرے تو ان کی کیفیت ایمان میں ترقی ہو جاوے ایمان تازہ ہو جاوے اور وہ حضرات ہمیشہ صرف اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں کبھی اسباب پر عمل کرکے اور کبھی اسباب سے بھی بے نیاز ہو کر ان کا جسمانی حال یہ ہے کہ ہمیشہ صحیح طور پر دل لگا کر ہر وقت نماز ادا کرتے ہیں اور ہماری ہر دی ہوئی روزی سے ہماری راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں جو ان پانچ صفات سے موصوف ہیں وہ ہی درحقیقت سچے پکے مخلص مومن ہیں انہیں رب کے ہاں درجات کی عطا ہے ان سے تمام گناہوں خطاؤں کی بخشش کا وعدہ ہے اور ان کے لئے دنیا و آخرت میں عزت کی روزی ہے۔

حکایت: کسی نے خواجہ حسن بصری سے پوچھا کہ کیا آپ مومن ہیں آپ نے جواب دیا کہ ایمان دو طرح کا ہے ایک تو اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں، قیامت کو ماننا اس معنی سے میں مومن ہوں دوسرا وہ ایمان جو اس آیت میں مذکور ہے **اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم** مجھے پتہ نہیں کہ میں اس ایمان سے موصوف ہوں یا نہیں (تفسیر کبیر) یہ ہے خوف

الٰہی۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور جلال کبریائی سے خوف علامت ایمان ہے جس قدر ایمان قوی اسی قدر یہ خوف زیادہ یہ فائدہ **وجلت قلوبھم** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اگرچہ مومن کو ہروقت ہی خوف خدا رہتا ہے مگر ذکر خدا مضراب کا کام دیتا ہے کہ اس وقت اس خوف کا ظہور ہوتا ہے ظہور یعنی ستار میں آواز ہروقت ہے ریکارڈ میں آواز بھری ہے مگر مضراب یا سوئی لگانے پر اس آواز کا ظہور ہوتا ہے یہ فائدہ **اذا ذکر اللہ** سے حاصل ہوا اس لئے ذکر اللہ کی بہت تاکید ہے۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ کی یہ ہیبت اور خوف و جلال دنیا سے بے خوفی اور اطمینان قلب کا ذریعہ ہے دیکھو یہاں ارشاد ہے **وجلت قلوبھم** مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **لا خوف علیھم** اور ارشاد ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** یوں ہی آخرت کی بے چینی دنیا کا چین ہے آخرت کا غم دنیا کی خوشی ہے۔

لی حبیب عربی مدنی قریشی　　　　که بود درنج و غمش مایہ شادی و خوشی

چوتھا فائدہ: قرآن مجید خود پڑھنا بھی اچھا ہے اور دوسرے سے پڑھوا کر سننا بھی اچھا ہے یہ فائدہ **واذا تلیت علیھم** سے حاصل ہوا حضور ﷺ نے حضرت ابی ابن کعب سے فرمایا کہ مجھے رب نے حکم دیا کہ تم سے قرآن مجید پڑھوا کر سنوں اس پر حضرت ابی رو پڑے کہ رب نے میرا نام لیا مشکوۃ یہ بھی ثابت ہے کہ حضور انور نے قرآن مجید پڑھوا کر سنا اور اس آیت کریمہ پر روئے **وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا** قرآن سننا سنانا بہترین مشغلہ ہے۔ **پانچواں فائدہ:** ایمان میں زیادتی کمی ہوتی ہے یہ فائدہ **زادتھم ایمانا**" سے حاصل ہوا مگر یہ زیادتی کیفیت ایمان میں ہوگی نہ کہ مقدار ایمان میں یعنی کوئی آدھا یا پاؤ مسلمان نہیں سارے مسلمان پورے مسلمان ہیں مگر کوئی ناقص مومن ہے کوئی کامل اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

ہوں مسلماں گرچہ ناقص ہی سہی اے کاملو　　　　ماہیت پانی کی یم سے نم میں ہرگز کم نہیں

چھٹا فائدہ: مومن اگرچہ اسباب اختیار کرتا ہے مگر توکل صرف خالق اسباب پر ہی کرتا ہے یہ فائدہ **علی ربھم یتوکلون** سے حاصل ہوا دوسری جگہ فرمان ہے **خذوا حذرکم** **ساتواں فائدہ:** مومن کسی درجہ میں پہنچ کر اعمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا بلکہ اعمال صالحہ کمال ایمان کا ذریعہ ہیں یہ فائدہ **الذین یقیمون الصلوۃ** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** عشق و محبت یوں ہی خوف و خشیت والا ایمان پختہ ہے اور انشاء اللہ لازوال صرف اطاعت والا ایمان جو ان صفات سے خالی ہو وہ خطرہ میں ہے یہ فائدہ **ھم المؤمنون حقا** سے حاصل ہوا جبکہ حق کے معنی ہوں پختہ مضبوط۔ **فائدے:** **ممارزقنھم ینفقون** سے پانچ فائدے حاصل ہوئے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہئے نہ کہ دوسرے کا' حلال مال خرچ کرے نہ کہ حرام' بعض مال خیرات کرے نہ کہ کل' ہر کار خیر میں مال خرچ کرے صرف زکوۃ پر قناعت نہ کرے' خیرات ہمیشہ کرتا رہے ایک بار پر قناعت نہ کرے' ہم اس کی تفصیل پارہ **الم** کے شروع میں اسی آیت کے تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ **چودھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو دنیا میں بھی درجات عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی۔ ان درجات کی عظمت وہ ہی جانے یہ فائدہ درجات کی جمع اس کے نکرہ ہونے اور مطلق ہونے سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ **پندرھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے مقبولوں کو عزت کی روزی عطا فرماتا ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی یہ فائدہ رزق کریم سے حاصل ہوا رب تعالیٰ نصیب کرے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ذکر سے مومنوں کے دل ڈر جاتے ہیں، مگر دوسری جگہ ارشاد ہوا **بذکر اللہ تطمئن القلوب** اللہ کے ذکر سے دل، چین پاتے ہیں ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک عالمانہ دوسرا صوفیانہ۔ جواب صوفیانہ تو ہم تفسیر صوفیانہ میں عرض کریں گے جواب عالمانہ یہ ہے کہ اللہ کے ذکر سے اللہ کا خوف آخرت کا خوف پیدا ہوتا ہے مگر دنیاوی تکالیف سے امن و چین حاصل ہوتا ہے رب سے خوف دنیا سے بے خوفی کا ذریعہ ہے اس آیت میں دنیاوی امور میں امن و اطمینان مراد ہے اور اس آیت میں اللہ کا خوف مراد۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ذکر سے مومنوں کو خوف حاصل ہوتا ہے مگر دوسری آیت میں ہے **لاخوف علیہم ولاھم یحزنون** اللہ والوں کو نہ خوف ہے نہ غم دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب پہلے اعتراض کے جواب سے حاصل ہوا کہ اللہ والوں کو اللہ کا خوف ہوتا ہے انہیں دنیا اور دنیا والوں کا خوف نہیں ہوتا خدا کا خوف غیر خدا کے خوف سے نجات کا ذریعہ ہے۔ **تیسرا اعتراض**: مگر موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے اور طور پر سانپ سے ڈر ہوا کہ انہوں نے عرض کیا **ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا** وہ اللہ والے نبی بھی تھے اور اللہ کے ذاکر بھی۔ **جواب**: وہ خوف ایذا تھا نہ کہ خوف اطاعت **لاخوف** میں اس کی نفی ہے تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن کے ضمیمہ میں ملاحظہ کرو۔ **چوتھا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن سے مومن کے ایمان زیادہ ہو جاتے ہیں مگر متکلمین فرماتے ہیں کہ ایمان میں زیادتی کمی نہیں ہوتی وہ تو ایک بسیط چیز ہے چنانچہ فقیہہ ابو اللیث سمرقندی نے اپنی تفسیر میں سیدنا ابو ہریرہ سے روایت کی کہ بنی ثقیف کا وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا پوچھا یا رسول اللہ کیا ایمان میں زیادتی کمی ہوتی ہے فرمایا نہیں ایمان دل میں مکمل ہی آتا ہے نقصان ایمان کفر ہے آیت و حدیث میں تعارض ہے (روح المعانی)۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ایمان مقدار میں نہیں زیادہ کم ہو سکتا کوئی شخص آدھا پاؤ مومن نہیں ہو تا سارے قرآن کا منکر بھی پورا کافر ہے اور ایک آیت کا منکر بھی پورا کافر ہے۔

ہاں کیفیت میں زیادتی کمی ہوتی ہے ایمان نام ہے اللہ رسول پر یقین کا اور یقین کے کئی مرتبے ہیں علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ مجھے مردے زندہ کر کے دکھا دے فرمایا کیا تمہارا اس پر ایمان نہیں تو فرمایا **بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی** یہاں کیفیت ایمان کی زیادتی مراد ہے لہذا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میرا ایمان نبی یا جبریل کے ایمان کی طرح یا اس کی برابر ہے فرمایا نبی ﷺ نے کہ اگر سارے زمین والوں کا ایمان ابو بکر کے ایمان سے تولا جاوے تو ابو بکر کا ایمان وزنی ہو گا (تفسیر کبیر) یعنی حضرت صدیق کی معرفت الہیہ بہت قوی ہے۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندوں کو صرف رب تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے تو ولیوں، نبیوں کے دروازوں پر جانا ہرگز نہ چاہئے کہ یہ توکل علی اللہ کے خلاف ہے۔ **جواب**: اس کے کئی جواب ہیں جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم کو بھی بیماری قرض داری مظلومیت میں حکیموں امیروں، حاکموں کے پاس نہ جانا چاہئے۔

تیری اٹکے تو حکیموں سے کرے استمداد یا محمد سے بگڑتی ہے طبیعت تیری

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کے دروازوں پر خود رب بھیج رہا ہے **ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاءوک** تیسرا جواب

یہ ہے کہ نبیوں ولیوں کے آستانے خدا تعالیٰ کا دروازہ ہیں ان کے پاس جانا اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا — او نشیند در حضور اولیاء
چوں شدی دو راز حضور اولیاء — آں چناں داں دور گشتی از خدا

خیال رہے کہ توکل دو طرح کا ہے ترک اسباب والا وہ کوئی کوئی کرتا ہے کبھی کبھی حضور انور سید المتوکلین بھی فرماتے مگر حضور نے اسباب اختیار فرمائے دوسرا اسباب والا کہ اسباب پر عمل ہو مسبب اسباب پر نظر ہو حضور انور نے میدان بدر میں مجاہدین کو پہنچایا پھر رب پر توکل فرمایا۔ **چھٹا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان پانچ صفات سے جو موصوف ہوں وہ سچے مومن ہیں **هم المؤمنون حقا** تو کیا کوئی جھوٹا مومن بھی ہوتا ہے سارے مومن ہی سچے مومن ہیں۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ حقا کے بہت معنی ہیں ایک معنی پختہ بھی ہیں یعنی ان حضرات کا ایمان بفضلہ تعالیٰ پختہ اور لازوال ہے بخیریت منزل مقصود پر پہنچے گا ان کے بغیر ایمان خطرہ میں ہے نیز مومن دو قسم کے ہیں قومی مومن اور مذہبی مومن صرف قومی مومن جھوٹے مومن ہیں جیسے منافقین کہ قوما" وہ مومن تھے اس لئے ان پر جہاد نہ ہوا حضرات صحابہ قومی مومن بھی ہیں اور مذہبی مومن بھی یہاں حقا سے یہ ہی مذہبی مومن مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: نور ایمان کی شان یہ ہے کہ دل کو نرم آنکھوں کو تر' رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مومن تلاوت قرآن پر رونے لگتا ہے **ترى اعينهم تفيض من الدمع** اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں **تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم** ان کے ایمان کی کیفیت میں زیادتی ہو جاتی ہے مگر یہ حال ابتدائی ہے انتہا والوں کا حال اس کے علاوہ ہوتا ہے انہیں اطمینان قلب سکون چین عطا ہوتا ہے وہ تلاوت قرآن' ذکر اللہ کی تاب رکھتے اس کا تحمل کرتے ہیں ان کے لئے فرمایا گیا **الا بذكر الله تطمئن القلوب** تالاب میں پتھر پھینکو تو اس میں تلاطم مچ جاتا ہے وہ پتھر سمندر میں ڈالو تو وہاں جنبش بھی نہیں ہوتی پتھر ایک ہے مگر پانی کی گہرائیوں میں فرق ہے۔

حکایت: ایک جماعت حاضر بارگاہ ہو کر ایمان لائی انہوں نے قرآن سنا تو تڑپ گئے آہ و بکاء کرنے لگے ابو بکر صدیق نے فرمایا کہ شروع اسلام میں ہم بھی ایسے تھے **ثم قست قلوبنا** پھر ہمارے دل پختہ و مضبوط ہو گئے (روح البیان) اس فرمان عالی میں ادھر ہی اشارہ ہے۔

موسیٰ زہوش رفت بہ یک پر تو صفات — تو عین ذات می نگری و در تبسمی

ابتداء میں تلاطم و شور ہے انتہاء میں سکون و اطمینان ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایمان ایک نور ہے جو مومن کے دل میں روزن کی بقدر جاتا ہے قرآن دل کے روزن کو وسیع کر دیتا ہے جس سے نور ایمان زیادہ داخل ہوتا ہے یہ معنی ہیں **زادتهم** کے ایمان کے اس مقام پر پہنچ کر مومن اسباب سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

ہر کہ او در بحر مستغرق شود — فارغ او کشتی واز زورق شود
غرقہ دریا بجز دریا نہ دید — غیر دریا ہست مردے نا پدید

کشتی پر نظر اس کی ہوتی ہے جو سمندر کے اوپری سطح پر ہو جو اس میں غوطہ لگا کر تہ کو پہنچ جاوے وہ کشتی کا محتاج نہیں (روح

البیان) اب پڑھو **وعلی ربھم یتوکلون** ایمان دو طرح کا ہے عقلی اور عشقی عقلی ایمان کو زوال کا خطرہ ہے کیونکہ اس کی بنیاد دلیل پر ہے دلیل ٹوٹی ایمان کی عمارت بھی منہدم ہو گئی مگر عشقی ایمان دولت لازوال ہے کہ اس کی بنیاد دل پر ہے دل کے لئے بقا ہے اس کے ایمان کے لئے بھی بقا۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر ایمان کی بنیاد رکھ

ان دل والوں کے لئے رب نے فرمایا **اولئک ھم المؤمنون حقا** اللہ والو اللہ رسول کو دل سے مانو انہیں دل میں رکھو دل میں سوا ان کے کوئی نہ رہے۔

عشق آمد عقل خود بے چارہ شد صبح آمد شمع خود ناکارہ شد

عشق رسول خوف خدا یہ دونوں وہ نعمتیں ہیں جن کے آنے سے تمام ظلمتیں خود بخود دور ہو جاتی ہیں بلکہ اپنی انانیت بھی عشق سے ہی ختم ہوتی ہے۔

آب آمد وہ کہے اور میں تیمم برخاست مشت خاک اپنی ہو اور نور کا اہلا تیرا

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

جیسے نکالا تم کو رب نے تمہارے گھر سے تمہارے ساتھ حق کے اور تحقیق ایک ٹولہ مسلمانوں میں سے

جس طرح اے محبوب تمہیں تمہارے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا اور بیشک مسلمانوں کا ایک

لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى

البتہ ناپسند کرنے والا تھا جھگڑا کرتے تھے تم سے سچی بات میں پیچھے اس کے کہ ظاہر ہو چکی گویا وہ لے

گروہ اس پر ناخوش تھا سچی بات میں تم سے جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکی گویا وہ

الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝

جائے رہے ہیں طرف موت کے حالانکہ وہ دیکھتے ہیں

آنکھوں دیکھی موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: گزشتہ پچھلی آیات میں غازیان بدر کے اس اختلاف کا ذکر ہوا جو غزوہ سے فارغ ہونے کے بعد تقسیم غنیمت میں واقع ہوا کہ بعض نے کہا کہ صرف لڑنے والوں کو ہی دی جاوے غیر حاضرین یا معاونین کو نہ دی جاوے اب انہیں غازیوں کے اس اختلاف کا ذکر ہے جو غزوہ بدر سے پہلے واقع ہوا کہ بعض نے کہا کہ ہم عیر یعنی ابو سفیان کے قافلہ پر حملہ کریں نفیر یعنی ابو جہل کی جماعت سے جنگ نہ کریں جیسا کہ آگے معلوم ہو گا گویا انتہاء غزوہ بدر کا ذکر پہلے ہوا ابتدائی اختلاف کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کامل مومنوں کے کامل توکل کا ذکر ہوا اجمالاً" اب اس توکل کی تفصیل ایک مثال دے کر سمجھائی جا رہی ہے کہ غزوہ بدر میں مومن تھوڑے تھے ان میں

بعض کو اس جنگ سے اختلاف تھا مگر متوکلین نے توکل علی اللہ کیا کفار پر غالب آئے اور اختلاف کرنے والوں کو بھی درست کرایا جیسے حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم اور مقداد ابن اسود اور سعد ابن معاذ جیسا کہ آئندہ معلوم ہو گا۔ **تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ کامل الایمان مومنوں کو رب کی طرف سے رزق کریم یعنی عزت والی روزی عطا ہوتی ہے اب غزوہ بدر کے واقعہ سے اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ رب تعالیٰ نے ان حضرات کو باوجود بے اسباب اور کم تعداد کے کیسی غنیمت عطا فرمائی۔

نزول: یہ آیت کریمہ ابتداء واقعہ بدر کے متعلق نازل ہوئی **واقعہ یہ تھا** قریش کا قافلہ ابو سفیان کی سرکردگی میں مکہ معظمہ سے شام تجارت کے لئے گیا جہاں اس قافلہ کو بہت ہی نفع ہوا یہ نفع ان لوگوں نے مسلمانوں کے مقابل جنگی تیاریوں پر خرچ کرنا تھا یہ قافلہ براستہ مدینہ منورہ مکہ معظمہ واپس لوٹا تو حضور ﷺ نے مسلمانوں کو اس کی خبر دی اور فرمایا کہ اس میں صرف چالیس آدمی ہیں جن میں ابو سفیان، عمرو ابن عاص مخرم ابن نوفل جیسے سردار بھی ہیں ان کے پاس مال تجارت بہت زیادہ ہے صحابہ نے بے تامل اس قافلہ کا راستہ روک لینے اور اس سے سارا مال چھین لینے کا ارادہ کیا اس مقصد کے لئے تین سو تیرہ حضرات بہت بے سرو سامانی میں مدینہ سے نکلے جن میں ستر اونٹ سوار تھے اور صرف دو حضرات گھوڑے سوار زبیر اور مقداد آٹھ تلواریں تھیں چھ زرہیں یہ حضرات ادھر سے روانہ ہوئے ادھر ابو سفیان نے یا تو بھانپ لیا یا کسی جاسوس نے انہیں خبر کر دی انہوں نے ضمضم ابن عمرو غفاری کو کچھ اجرت دے کر مکہ معظمہ دوڑایا کہ ابو جہل سے کہہ دے کہ جلد اپنے اس قافلہ کی مدد کو پہنچے ابو جہل یہ خبر سن کر آگ بگولہ ہو گیا اس نے کعبہ معظمہ کی چھت پر چڑھ کر اہل مکہ کو للکارا کہ تمہارا قافلہ خطرے میں ہے جلد اس کی مدد کو روانہ ہو چنانچہ ساڑھے نو سو جنگی بہادر سامان جنگ سے لیس یہاں سے روانہ ہونے لگے ادھر حضرت عاتکہ بنت عبد المطلب نے خواب دیکھا کہ ایک اونٹ سوار مقام ابطح میں آیا اور اس نے تین سو بار اونچی آواز سے کہا کہ اے غدارو اپنی قتل گاہوں کی طرف چلو سب لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے پھر اس نے ابو قبیس پہاڑ سے ایک چٹان اکھیڑ کر فضا میں پھینکی وہ چٹان فضا میں پہنچ کر پاش پاش ہوئی اور اس کے ٹکڑے ہر گھر میں گرے حضرت عاتکہ نے یہ خواب اپنے بھائی حضرت عباس سے کہی انہوں نے اپنے دوست ولید ابن عتبہ سے کہی عتبہ نے اپنے دوست ابو جہل سے بیان کی ابو جہل ہنس کر بولا کہ عبد المطلب کی اولاد میں اب تک تو مرد نبی بنے اب عورتیں بھی نبی بننے لگیں اس نے اس خواب پر کوئی دھیان نہ دیا ساڑھے نو سو شہ سوار بہت سامان جنگ سے لیس نکلے انہیں نفیر کہتے ہیں ابو سفیان کا قافلہ عیر کہلاتا ہے یہ قافلہ نفیر۔ ان لوگوں کو اپنی فتح پر اتنا یقین تھا کہ اپنے ساتھ شراب کے گھڑے ناچنے والی عورتیں بھی لے گئے تھے کہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا کر مدینہ میں شرابیں پئیں گے اور ناچ ناچ کر جشن منائیں گے ادھر ابو سفیان نے مدینہ منورہ والا راستہ چھوڑ کر بحرین والا راستہ اختیار کیا اور اپنے قافلہ کو مکہ معظمہ پہنچا دیا ابو جہل کو کہلا بھیجا کہ چونکہ ہمارا قافلہ بخیریت مکہ پہنچ گیا ہے اس لئے تم لوگ واپس آجاؤ مگر ابو جہل نے اکڑ کر کہا کہ بہادر لوگ جب جنگ کے لئے نکل پڑتے ہیں تو بغیر کچھ کئے واپس نہیں ہوتے ابو سفیان تم ہم سے آملو ہمارے جشن میں شرکت کرو چنانچہ یہ چالیس آدمی بھی ابو جہل سے جا ملے اور اب ان کی تعداد نو سو نوے ہو گئی اس وقت حضور ﷺ وادی ذو قرآن میں مع ان صحابہ کے تشریف فرما تھے حضور نے ان حضرات سے فرمایا کہ عیر چاہتے ہو یا نفیر یعنی ابو سفیان سے جنگ چاہتے ہو یا ابو جہل کی

جماعت سے اکثر نے عرض کیا کہ ہم عیر چاہتے ہیں کیونکہ ہم جنگ کی تیاری کر کے مدینہ منورہ سے نہیں چلے حضور نے فرمایا کہ عیر تو گیا اب نفیر سے دو دو ہاتھ کرنا ہیں اسی پر ان لوگوں نے کہا کہ حضور عیر کے پیچھے چلئے نفیر کو چھوڑیئے حضور انور اس پر ناراض ہوئے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ان لوگوں کے سامنے بہت ہی دل کش اور دل نشین تقریر فرمائی جس پر ان حضرات کو جوش آگیا حضرت مقداد ابن اسود کھڑے ہو کر بولے یا رسول اللہ آپ کو جہاں رب بھیجے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہم حضرت موسیٰ کے ساتھی نہیں جو آپ سے کہہ دیں کہ **اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون** کہ آپ اور آپ کا رب جائیں دونوں جہاد کریں ہم تو یہاں ہی بیٹھے رہیں گے بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ **اذھب انت وربک فقاتلا انا معکما مقاتلون**۔ آپ اور آپ کا رب جنگ کے لئے جائیں ہم آپ کے ساتھ جہاد کریں گے اس پر حضور انور بہت خوش ہوئے پھر حضرت سعد ابن معاذ اٹھے بولے۔

تعالیٰ اللہ یہ شیوہ ہی نہیں ہے باوفاؤں کا   پیا ہے دودھ ہم لوگوں نے غیرت مند ماؤں کا

یا رسول اللہ اگر حضور ہم کو سمندر میں کود جانے کا حکم دیں تو ہم کو کوئی عذر نہ ہو گا بے دھڑک کود جائیں گے اس پر حضور انور بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ چلو اللہ پر توکل کر کے یہ کفار انشاء اللہ سخت شکست پائیں گے میں کفار کے قتل گاہ کو دیکھ رہا ہوں پھر جنگ بدر کا واقعہ پیش آیا جو ہم پچھلے پارہ میں تفصیل وار بیان کر چکے ہیں اس آیت کریمہ میں اس واقعہ کا ذکر ہے اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی دیکھو تفسیر روح البیان، روح المعانی، کبیر، خازن، مدارک وغیرہ۔

تفسیر: کما اخرجک ربک اس عبارت کی بہت ترکیبیں کی گئی ہیں آسان ترکیب یہ ہے کہ **کما** میں کاف تشبیہ کا ہے، ما موصولہ ہے یا مصدریہ اور یہ عبارت ایک پوشیدہ عبارت کی خبر ہے مطلب یہ ہے کہ غنیمت بدر کی آپ نے جو تقسیم کی ہے وہ ایسے ہی حق ہے جیسے آپ کا غزوہ بدر کے لئے اپنے گھر سے نکلنا برحق تھا اور ان لوگوں کا اس تقسیم کو پسند نہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے آپ کے بدر کی طرف روانگی کو ناپسند کرتے تھے اور تقسیم غنیمت جو آپ نے کی ہے یا کرنا چاہتے ہیں ایسے ہی فائدہ مند ہے جیسے آپ کی روانگی بدر کی طرف اور غزوہ فرمانا مفید ہوا غرضکہ رب تعالیٰ نے تقسیم غنیمت کو تشبیہ دی ہے بدر کی روانگی سے یا مفید ہونے میں یا ان لوگوں کے ناخوش ہونے میں یا برحق ہونے میں یہ معنی بالکل واضح اور آسان ہیں تفسیر خازن اور کبیر نے اس کے اور بہت معنی کئے ہیں حتیٰ کہ فرمایا کہ یہاں کاف بمعنی علیٰ ہے یا بمعنی اذ یا قسم کا ہے مگر یہ سب تکلف ہے خیال رہے کہ حضور ﷺ کی مدینہ منورہ سے بدر کی طرف روانگی یا تو حضرت جبریل کے عرض کرنے پر تھی یا خود اپنی رائے شریف سے بہرحال تھی رب کی طرف سے کیونکہ حضرت جبرائیل کا عرض کرنا وحی ہے اور خود حضور انور کے دل میں پیدا ہونا الہام اور وحی خفی ہے لہذا یہ فرمانا بالکل درست ہے کہ آپ کو آپ کے رب نے روانہ کیا رب فرما کر باریک اشارہ اسی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کہیں بھیج کر اس سے لا پرواہ نہیں ہو جاتا کیونکہ وہ رب ہے دیکھو حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو فرعون کے پاس بھیجا تو ان کی کیسی شاندار حفاظت فرمائی کہ اس مردود نے جن کی خاطر اسی ہزار بچے ذبح کئے انہیں خود اپنی گود میں پالا یہ ہے رب کی شان ربوبیت۔ **من بیتک بالحق** اس فرمان عالی میں من بیتک کا تعلق ہے اخرج سے اور بالحق متعلق ہے متلبساً کے حال ہے **اخرجک** کے کاف سے (روح البیان معانی وغیرہ) بیت سے مراد یا تو حضور انور کا مدینہ والا وہ گھر ہے جس میں آپ

رہتے تھے خواہ جناب عائشہ صدیقہ کا حجرہ ہو یا کسی اور بیوی صاحبہ کا اور ہو سکتا ہے کہ خود مدینہ منورہ مراد ہو کہ مدینہ حضور انور کا دائمی گھر ہے عربی میں بیت وطن کو بھی کہتے ہیں (تفسیر بیضاوی) **وان فریقامن المومنین لکارھون** یہ فرمان عالی گزشتہ فرمان کا حال ہے لہذا واؤ حالیہ ہے فریق فرما کر یہ بتایا کہ سارے حضرات ناخوش نہ تھے کچھ لوگ وہ بھی تھوڑے سے جیسا کہ فریقا" کی تنکیر سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ تنوین کمی بیان کرنے کے لئے ہے ان حضرات کو مومن فرما کر یہ بتایا کہ یہ حضرات اسی ناخوشی کی وجہ سے ایمان سے نہ نکل گئے مومن ہی رہے۔ کیونکہ یہ ناخوشی حضور انور کے فعل شریف سے ناراضی کی وجہ سے نہ تھی کہ یہ تو کفر ہے بلکہ اپنے بے سرو سامان اور تیار نہ ہونے کی وجہ سے تھی یہ خیال رہے کہ یہ جملہ اخرجک سے حال مقدرہ ہے یعنی آگے چل کر ناخوش ہونے والے تھے جیسے **فادخلوھاخالدین** میں خالدین حال مقدرہ ہے کیونکہ ان کی ناخوشی مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت نہ تھی اس وقت تو وہ بہت خوش تھے کہ ابو سفیان کے ساتھی تھوڑے تھے اور مال کافی سے زیادہ بلکہ جب انہیں یہ خبر لگی کہ ابو سفیان تو مکہ معظمہ پہنچ گئے اب بجائے عیر کے ابو جہل کے نفیر سے جنگ کرنا ہے تب ناخوش ہوئے کہ ہم تو کچھ سمجھ کر آئے تھے اور ہو گیا کچھ یہ ناخوشی ایسی تھی جیسے بیمار کڑوی دوا سے کراہت کرتا ہے صرف طبعاً" نا پسندیدگی سے **یجادلونک فی الحق** یہ عبارت **لکارھون** کی ضمیر سے حال ہے یا **کارھون** کا بیان جدال سے مراد مقابلہ اور مخالفت کا جھگڑا نہیں بلکہ عرض و معروض کرنا مراد ہے رب فرماتا ہے **قدسمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجھا** یہ جدال کفر نہیں ناز ہے۔ ناز ناز بردار پر ہی ہوتا ہے اس کا فاعل وہ ہی ناخوش حضرات ہیں حق سے مراد ہے بجائے عیر کے نفیر سے جہاد کرنا۔ خیال رہے کہ جھگڑے سے مراد انکار نہیں بلکہ یہ عرض کرنا ہے کہ ہم مدینہ منورہ سے اس کے لئے تیار ہو کر نہیں روانہ ہوئے ہم بالکل بے سرو سامان ہیں ہمارے مقابل بہت سازو سامان والے کفار ہیں لہذا ہم کو عیر کے مقابل ہی لے چلئے نفیر کے مقابل نہ کیجئے چونکہ حضور انور کا ہر قول ہر فعل حق ہے اس لئے فی الحق ارشاد ہوا یعنی حقانیت تمہاری سمجھ پر موقوف نہیں جو ان کی زبان حق ترجمان سے نکلے وہ ہی حق ہے تمہاری عقل میں آئے یا نہ آئے **بعدماتبین** یہ ظرف ہے **یجادلونک** کا اس میں ما یا تو موصولہ ہے یا مصدریہ ظاہر ہونے سے مراد ہے حضور ﷺ کا فتح کی خبر دے دینا کہ یہ جو سامان لائے ہیں ہم کو دینے کے لئے لائے ہیں انشاءاللہ یہ ہماری غنیمت ہو گا اور میں ان لوگوں کی قتل گاہ دیکھ رہا ہوں اس بشارت کے سننے کے بعد انہیں کسی قسم کا کوئی دغدغہ نہ رہنا چاہئے تھا مگر ان کا تو یہ حال ہوا کہ **کانمایساقون الی الموت** اس فرمان عالی میں ان حضرات کی غیر اختیاری حالت کا بیان ہے یساقون بنا ہے سوق سے۔ بمعنی پیچھے سے ہانکنا آگے سے کھینچنے کو قود کہتے ہیں اس لئے گاڑی بان کو سائق اور ڈرائیور کو سواق کہتے ہیں اور آگے سے کھینچنے والے کو قائد کہا جاتا ہے موت سے مراد موت کی جگہ ہے یعنی مذبح **وھم ینظرون** یہ یساقون کی ضمیر ھم سے حال ہے یعنی اس وقت ان کو کفار مکہ کے سامنے جانا اتنا بھاری معلوم ہو رہا تھا جیسے انہیں پھانسی گھر پھانسی دینے کے لئے یا مذبح میں ذبح کرنے کے لئے لے جایا جا رہا ہو اس تشبیہ سے ان حضرات کی صفائی بیان کی گئی کہ جیسے پھانسی یا مذبح میں جاتے وقت بے اختیاری بے قراری اور گھبراہٹ ہوتی ہے ایسے میں ان لوگوں کی یہ بے قراری بے اختیاری تھی کیونکہ یہ لوگ جنگ سے ناواقف اور اس وقت بے سرو سامان تھے اور باقاعدہ جنگ کی تیاری کر کے نہ آئے تھے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ بدر کی غنیمت کی تقسیم پر غازیان بدر کی جھجکاہٹ سے ملول نہ ہوں ان کی یہ جھجکاہٹ ایسی ہی ہے جیسے کہ جب آپ کو رب تعالیٰ نے مدینہ منورہ سے کفار قریش کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا اور پھر بجائے ابو سفیان کے قافلہ کے ابو جہل کے لشکر سے مقابلہ کی نوبت آئی جماعت صحابہ سے کچھ لوگ اس مقابلہ سے جھجکانے لگے یہ لوگ اس برحق جنگ میں آپ سے جھگڑتے تھے حالانکہ ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ انشاء اللہ فتح مسلمانوں کی ہوگی آپ نے اس کی پیش گوئی بھی کر دی تھی سرداران کفر کے قتل ہونے کی جگہ بھی بتادی تھی اس وقت ان کا حال ایسا تھا جیسے پھانسی والے ملزم کو پھانسی گھر لے جایا جارہا ہو یا جیسے جانور کو ذبح کرنے کے لئے مذبح لے جایا جارہا ہو وہ وہاں کا سامان قتل دیکھتا ہو اور گھبراتا ہو ایسے ہی یہ لوگ کفار کی تعداد ان کے ساز و سامان سن کر گھبرا گئے تھے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور انور کے سارے کام رب کی طرف سے ہیں اس لئے ان پر اعتراض کرنا کفر ہے یہ فائدہ **اخرجک** سے حاصل ہوا کہ مدینہ منورہ سے حضور انور خود روانہ ہوئے مگر رب نے فرمایا کہ ہم نے روانہ کیا۔

سنگ ریزہ ہے زند دست جناب مارمیت اذرمیت آید خطاب

دوسرا فائدہ: مدینہ منورہ حضور کا گھر ہے کعبہ بیت اللہ ہے مدینہ بیت رسول اللہ ہے یہ فائدہ **من بیتک** فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب نے سارے مدینہ کو حضور کا گھر فرمایا دیکھو اس کی دوسری تفسیر مدینہ منورہ میں اس لئے عشاق کے دل رہتے ہیں کہ یہ محبوب خانہ ہے۔

میرا دل زار مدینہ میں ہے میں ہوں یہاں یار مدینہ میں ہے

تیسرا فائدہ: حضور انور کا ہر فعل ہر ادا ہر حرکت و سکون حق ہے بلکہ حضور انور خود سراپا حق ہیں یہ فائدہ بالحق فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** کسی حکم شرعی سے طبعی ناپسندیدگی نہ کفر ہے نہ گناہ کہ یہ بے اختیاری چیز ہے دیکھو رب تعالیٰ نے ان حضرات کو مومن فرمایا جو ابو جہل کی جماعت یعنی نفیر سے جہاد کرنے سے ناخوش تھے ناخوشی اور چیز ہے برا سمجھنا کچھ اور چیز۔ **پانچواں فائدہ:** جھگڑنا جھگڑ جھگڑ کر حضور انور سے غلامانہ عرض کرنا ان سے جھگڑ جھگڑ کر تکنا نہ کفر ہے نہ گناہ دیکھو ان صحابہ کے متعلق رب نے فرمایا **یجادلونک** مگر انہیں مومن کہا نیز انہیں توبہ کا حکم نہ دیا **لہٰذا** طلب قرطاس کے موقعہ پر حضرات صحابہ میں جو اختلاف رائے ہوا وہ نہ کفر تھا نہ گناہ رائے دینے کا اختلاف گناہ نہیں۔ اسی طرح حضرت علی و معاویہ کا اختلاف گناہ نہیں کہ جب نبی سے اختلاف رائے گناہ نہیں تو حضرت علی سے اختلاف رائے کفر یا گناہ کیسے ہو سکتا ہے اس کی پوری بحث ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔ **چھٹا فائدہ:** رب تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر عتاب فرماتے ہوئے بھی ان کی حمایت کرتا ہے ان پر عتاب بھی کرم ہوتا ہے یہ فائدہ **کانما یساقون الی الموت** سے حاصل ہوا کہ رب نے اس فرمان عالی میں ان کی کراہت کی نوعیت بیان فرمائی کہ وہ ایسی تھی جیسے موت کا سامان دیکھ کر کراہت غیر اختیاری ہوتی ہے اس خطا کے قربان جس کی رب حمایت فرمائے۔ **ساتواں فائدہ:** اس موقعہ پر سارے صحابہ نے اختلاف رائے نہ کیا تھا بلکہ بہت تھوڑے حضرات نے یہ فائدہ **وان فریقا من المؤمنین** سے حاصل ہوا اس کی تنوین کا خیال چاہئے ان میں سے بہت حضرات نے ان لوگوں کو سمجھا

کر قوی دل بہادر بنا دیا جیسا کہ ابھی نزول میں عرض کیا گیا اس موقعہ پر حضرت مقداد اور حضرت سعد ابن عبادہ نے عرض و معروض کرکے بہت کچھ کمالیا۔ مصرع

کوئی رلیاں موتی لے تریاں

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ حضور انور کے فرمان و عمل سے نفرت کرتے تھے یہ نفرت کفر ہے لہٰذا وہ مومن نہ تھے رب فرماتا ہے **لکرھون** (روافض) **جواب:** تعجب یہ ہے کہ رب تعالیٰ تو انہیں مومن فرما رہا ہے اور تم انہیں کافر کہتے ہو فرماتا ہے **فریقا من المؤمنین** معترض نے کراہت اور نفرت میں فرق نہیں کیا کراہت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام بہت ہیں شرعی حکم سے نفرت کفر ہے طبعی غیر اختیاری ناخوشی نہ کفر ہے نہ گناہ جیسے ہم کو موت سے کراہت ہے حالانکہ وہ حق ہے آنی ہے ہو کر رہے گی یہ کراہت موت کفر ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے اس کراہت کو موت کی کراہت سے تشبیہ دی **کانما یساقون الی الموت** **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام بزدل تھے دیکھو بدر کے موقعہ پر کفار کے مقابلہ کی ہمت نہ کرتے تھے۔ **جواب:** حضور کے صحابہ جیسے بہادر دلیر جانباز رسول اللہ پر فدائی کبھی آسمان نے نہ دیکھے یہ ہی صحابہ تھے جنہوں نے بدر و حنین کے معرکہ سر کئے یہ ہی صحابہ تھے جنہوں نے قادسیہ یرموک جیسے میدان فتح کئے جن میں کفار سات لاکھ تھے مسلمان چالیس ہزار۔ صحابہ ہی وہ جماعت ہے جسے رب نے دین پھیلانے قرآن جمع کرنے اپنے محبوب کی ہمراہی و صحبت کے لئے منتخب کیا ان پر اعتراض رب تعالیٰ پر اعتراض ہے انہیں بزدل کہنے والے ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈالیں کہ انہوں نے دین کے لئے کونسا کارنامہ کیا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** رب تعالیٰ نے اس واقعہ کے متعلق بی الحق اور بعد ماتبین کیوں فرمایا فتح بدر تو بعد میں ظاہر ہوئی اس وقت اسے تبین کیوں کہا ابھی تو یہ ظاہر مسلمانوں کی شکست تھی کہ اسباب جنگ اور تعداد وغیرہ ہر طرح سے یہ کم تھے رب نے فرمایا **اذنصر کم اللہ ببدر وانتم اذلۃ** **جواب:** اس لئے کہ حضور انور نے فتح کی بشارت دے دی تھی بلکہ سرداران کفر کے قتل کی جگہ تک بتادی تھیں حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور نے ایک دن پہلے میدان بدر میں خطوط کھینچ کر جگہ معین کردی تھی کہ کل فلاں یہاں مارا جاوے گا اور فلاں یہاں قسم ہے رب کی کہ کوئی کافر حضور انور کی بتائی ہوئی جگہ سے ایک بال ادھر ادھر نہ مرا ٹھیک اسی جگہ قتل ہوا یہ ہے حضور انور کی غیب دانی اور یہ ہیں تبین کے معانی۔

تفسیر صوفیانہ: اے مومن یہ نہ سمجھ کہ غزوہ بدر صرف ایک بار ہو کر ختم ہو چکا خود تجھ میں میدان بدر موجود ہے جہاں مومنین اور کفار کی جنگ ہوتی رہتی ہے رب تعالیٰ نے تجھے وطن وجود سے بدر جود کی طرف نکالا جہاں صفات جمال و جلال کی تجلیاں پڑ رہی ہیں اس تجلی کے وقت بعض مومن یعنی قلب روح کراہت کرتے ہیں کہ انہیں فنا تو نظر آتی ہے مگر بعد فنا بقاء کی طرف دھیان نہیں جاتا انہیں یہ فنا فی اللہ ہونا موت کی طرح بھیانک نظر آتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

شیر دنیا جو یہ شکاری و برگ   شیر مولیٰ جو یہ آزادی و مرگ
چونکہ اندر مرگ بیند صد وجود   ہمچو پروانہ بسوزد اند وجود!
کل شیء ہالک جز وجہ او   چوں نہ در وجہ او ہستی مجو

ہر کہ اندر وجہ ما باشد فنا　　کل شئی ء ھالک نہ بود جزا
زانکہ در الا است اواز لا گذشت　　ہرکہ درالااست او فانی نگشت

دنیا کا شیر یہاں کا شکار اور برگ و بار ڈھونڈتا ہے مگر مولیٰ کا شیر آزادی اور فنا ڈھونڈتا ہے کیونکہ وہ اس فنا میں ہزار زندگیاں دیکھتا ہے وہ اس فنا کی شمع پر پروانہ کی طرح قربان ہو جاتا ہے پھر اس پر کل شئی ء ھالک کا قانون جاری نہیں ہوتا جو فنا فی اللہ ہوا سے ہلاک کون کرے جو الا اللہ میں پہنچا وہ لا یعنی نیستی سے گزر گیا جو الا میں گم ہو لوہ کبھی فنا نہ ہوا سبحان اللہ اس میں مولانا نے **بل احیاء و لکن لا تشعرون** کا نقشہ کھینچ دیا۔ نفی کی نفی ثبوت بن جاتی ہے موت نفی ہے اور فنا فی اللہ نفی کی نفی ہے لہذا اسے بقاہی ملے گی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نبی خصوصاً حضور ﷺ بذات خود بھی حق ہیں ان کا ہر قول و فعل حق ہے حتی کہ گذشتہ انبیاء کرام سے جو لغزشیں یا خطائیں صادر ہوئیں وہ بھی حق تھیں رب کی طرف سے تھیں جن پر بہت اچھے نتیجے بر آمد ہوئے سارے عالم کا ظہور حضرت آدم کی خطاء کی برکت سے ہے اب پڑھو **ویجادلونک فی الحق**۔

وَاِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىٕفَتَیْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ

اور جب وعدہ فرماتا تھا تم سے اللہ دو ٹولوں میں سے ایک کا کہ بیشک وہ تمہارے واسطے ہے اور

اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ ان دونوں گروہوں میں ایک تمہارے لئے ہے اور تم یہ چاہتے

الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ یَقْطَعَ

پسند کرتے تھے تم یہ کہ تحقیق غیر کانٹے والا ہو تمہارے لئے اور ارادہ کرتا تھا اللہ کہ حق کر دکھائے

تھے کہ تمہیں وہ ملے جس میں کانٹے کا کھٹکا نہیں اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے سچ کو سچ کر دکھائے اور کافروں

دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَ یُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

حق کو اپنے فرمانوں سے اور کاٹ دے جڑ کافروں کی تاکہ حق کو دکھائے حق کو اور باطل کر دکھائے باطل کو اگرچہ ناپسند کریں مجرم لوگ

کی جڑ کاٹ دے کہ سچ کو سچ کرے اور جھوٹ کو جھوٹا پڑے برا مانیں مجرم

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں غازیان بدر میں سے بعض کے خوف وڈر کا ذکر ہوا کہ ہم تھوڑے اور بے سروسامان ہیں گھر سے اتنی بڑی جنگ کے لئے نہیں نکلے تھے ہم ان پر فتح کیسے پائیں گے اب رب تعالیٰ کے وعدہ فتح کا تذکرہ ہے گویا صحابہ کے خوف کے ذکر کے بعد خوف دفع کرنے والی چیز کا تذکرہ ہے زخم کے بعد مرہم کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ان صحابہ نے اس غزوہ بدر کو اپنے لئے موت سمجھا اس لئے اس سے ہچکچائے اب ارشاد ہے کہ یہ جنگ ان کے لئے زندگی اور کفار کے لئے موت ہوئی گویا ان کے خیال کے بعد اصل حقیقت کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں حضور ﷺ کی حقانیت کا ذکر ہوا کہ ان کا ہر فعل ہر عمل بلکہ ہر خیال حق ہے اب اسی حقانیت کی

وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ ان کا ہر عمل رب کے ارادے سے ہوتا ہے اس کا انجام صحابہ بلکہ ساری مخلوق کے لئے اچھا ہوتا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ حق ظاہر ہونے کے بعد یہ لوگ آپ سے جھگڑتے ہیں اب حق ظاہر ہونے کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ اللہ نے ان سے وعدہ فتح فرمالیا اگرچہ یہ وعدہ حضور نے کیا تھا مگر حضور کا وعدہ رب کا وعدہ اس لئے اسے ظہور قرار دیا گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی شرح یا اس کی تفصیل ہے۔

تفسیر: واذیعدکم اللہ اس فرمان عالی میں اذ ظرفیہ ہے اور یہ عبارت **اذکروا** پوشیدہ کا مفعول ہے چونکہ یہ نیا جملہ اس لئے اس میں واؤ ابتدائیہ ہے **یعد** بنا ہے وعد سے کسی اچھی چیز کا امید وار بنانا وعدہ ہے بری اور خطرناک چیز سے ڈرانا **وعید** اللہ تعالیٰ کے وعدے ایسے سچے ہیں کہ ان کا خلاف ہونا بالکل ناممکن ہے اگرچہ وعدہ عازیان بدر سے حضور ﷺ نے کیا تھا مگر چونکہ حضور انور کا وعدہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہے اس لئے **یعدکم اللہ** ارشاد ہوا **احدی الطائفتین** یہ عبارت **یعد** کا دوسرا مفعول **احدی** مونث ہے واحد کا خلاف قیاس' دو ٹولوں سے مراد عیر اور نفیر ہیں عیر ابو سفیان کا قافلہ جس میں صرف چالیس آدمی تھی اور نفیر ابو جہل کی جماعت جس میں لولا" نو سو پچاس پھر ایک ہزار آدمی ہو گئے تھے جو سارے مسلح تھے دو ٹولوں میں سے ایک سے مراد نفیر ہے یعنی رب تعالیٰ نے تو اپنے محبوب کے ذریعہ تم سے دو ٹولوں میں سے ایک یعنی نفیر کا وعدہ کیا تھا کہ **انھا لکم** یہ عبارت بدل اشتمال ہے **احدی الطائفتین** کا **لکم** میں لام تسلط کا ہے یا خصوصیت کا یعنی ابو جہل کی نفیر جماعت تمہارے لئے مکہ سے بھیجی گئی ہے تم ان پر پورے طور پر مسلط ہو گے کہ ان کے چوٹی کے سرداروں کو قتل کرو گے اور بہت کو قید اور ان کا مال غنیمت بنا کر لو گے یہ مطلب خوب دھیان میں رہے کہ رب نے تم سے ان دو ٹولوں میں سے ایک یعنی نفیر کا وعدہ کیا مگر تمہارا یہ حال تھا کہ اس وعدہ کے باوجود **تودون ان غیر ذات الشوکتہ تکون لکم** یہ عبارت معطوف ہے **یعدکم** پر **تودون** بنا ہے **ود** سے' بمعنی چاہنا پسند کرنا رغبت کرنا ذات مونث ہے ذو کا شوکت بنا ہے شوک سے' بمعنی کانٹا ایک خاردار درخت کو بھی شوک کہتے ہیں نیز نیزہ کی نوک کو بھی شوک کہا جاتا ہے کہ وہ کانٹے کی مشابہ ہے اصطلاح میں سختی' تیزی اور ہتھیار کو شوک کہتے ہیں ذات الشوکہ تو ابو جہل کی جماعت یعنی نفیر تھی اور غیر ذات الشوکہ ابو سفیان کی جماعت یعنی عیر تھی یہاں بھی لکم میں لام تسلط کا ہے یعنی اس وعدے کے باوجود تم یہ ہی پسند کرتے تھے کہ تمہارا مقابلہ ابو سفیان کے قافلہ سے ہو جس کے پاس نہ ہتھیار ہیں نہ زیادہ تعداد تاکہ تمہیں تکلیف نہ پہنچے **ویرید اللہ ان یحق الحق** اس فرمان عالی میں رب تعالیٰ کے ارادے اس کے وعدے کی حکمت کا بیان ہے۔ **یحق** بنا ہے احقاق سے' بمعنی حق ظاہر کر دینا اس کی حقانیت لوگوں کو دکھا دینا الحق سے مراد اسلام اور اس کی حقانیت ہے یعنی اگر تم ابو سفیان کے قافلہ پر قابو پا لیتے تو اسلام کی حقانیت ظاہر نہ ہوتی یہی کہا جاتا کہ چونکہ یہ قافلہ چھوٹا سا تھا اس کے پاس سامان جنگ تھا نہیں اس لئے مار کھا گیا اب اس کے برعکس ہوا کہ تم نے باوجود اپنی کمی اور بے سامانی کے ایسے لشکر جرار کو قابو میں کر لیا انہیں شکست فاش دے دی پتہ چلا کہ تمہارے پاس روحانی طاقت ہے **بکلماتہ** یہ فرمان متعلق ہے یحق کے کلمات سے مراد یا تو وہ وحی الٰہی ہے جو حضور انور کو اس کے متعلق کی گئی یا حضور انور کے فرمان عالیہ کہ کل فلاں یہاں مارا جاوے گا اور فلاں کافر یہاں یا وہ احکام الٰہیہ مراد ہیں جو غزوہ میں امداد کرنے والے فرشتوں کو دیئے گئے جن کا ذکر اگلی آیات میں ہے **ویقطع دابر الکافرین** یہ عبارت

معطوف ہے **یحق الحق** پر اور یرید کا مفعول ۔ دابر بنا ہے دبر سے بمعنی پیچھے دابر پیچھے آنے والی چیز اصطلاح میں جڑ کو دابر کہتے ہیں کہ جب درخت کو جڑ سے کاٹتے ہیں تو پہلے شاخیں کاٹتے ہیں پھر تنا پھر سب سے پیچھے جڑ الکافرین سے مراد کفار مکہ ہیں یعنی ہم چاہتے تھے کہ کفار مکہ کی جڑ کٹ جاوے اگر تم ابو سفیان کے قافلہ پر حملہ کرتے تو سردار کفر صرف ابو سفیان مارے جاتے اب تو کفار مکہ کے چوٹی کے بہت سے سردار مارے گئے اور قید ہوئے بعد میں مسلمان ہوئے کفر کی جڑ تو اب کٹی **لیحق الحق** یہاں یحق ارادے کا مفعول تھا یعنی ہم نے حق کو ظاہر کرنے کا ارادہ کیا اور یہاں غزوہ بدر کے نتیجہ کا ذکر ہے یعنی یہ جنگ حق و باطل میں فیصلہ کن جنگ ہوئی لہٰذا عبارت میں تکرار نہیں ۔ (روح المعانی وغیرہ) **ویبطل الباطل** یہ معطوف ہے یحق پر ابطال سے مراد ہے جھوٹ و بطلان کو ظاہر فرمادینا اور الباطل سے مراد ہے کفار مکہ کا کفر یعنی اس جنگ کا دوسرا مقصد کفر کا بطلان ظاہر کرنا تھا یہ اسی صورت میں ہوا کہ تم کو ابو جہل جماعت سے بھڑا دیا گیا **ولو کره المجرمون** یہاں مجرمون سے مراد کفار مکہ ہیں **کرہ** سے مراد ہے دلی نفرت یا خلاف توقع شکست یعنی اگرچہ کفار مکہ تمہاری فتح اور اپنی شکست سے سخت متنفر تھے یا یہ واقعہ ان کی امید کے بالکل خلاف ہوا وہ تو تم کو مٹا کر جشن منانے شراب پینے رقص و سرود کی مجلسیں قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے مگر ہوا یہ کہ پہلے ہلہ میں ہی دو بچوں کے ہاتھوں ابو جہل قتل ہوا ۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو وہ وقت بھی یاد کرو یا یہ دو رکھو کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ تو کفار کی دو جماعتوں میں سے ایک جماعت یعنی ابو جہل نفیر کا تم سے وعدہ فرما رہا تھا کہ تم اس جماعت پر تسلط حاصل کرو گے کہ ان کو قتل و قید کرو گے ان کا دیا مال غنیمت بنا کر لاؤ گے مگر تمہارا یہ حال تھا کہ تم اس جماعت سے بھڑنا چاہتے تھے جو غیر مسلح تھوڑی سی تھی یعنی ابو سفیان کا قافلہ تم چاہتے تھے کہ بس یہ ہی ہمارے قابو میں آجاوے گا مگر حق تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ تمہاری جنگ اس مسلح جماعت سے ہو پھر تم ان پر فتح پاؤ اللہ کے حکم سے اسلام کی حقانیت ظاہر ہو دنیا کو کہنا پڑے کہ یہ فتح صرف حقانیت کی طاقت سے ہوئی اور کفر کی جڑ کٹ جاوے کہ تمہارے ہاتھوں سرداران کفر قتل ہوں اور کفار کی ہمت ٹوٹ جاوے یہ فائدے اس قافلہ پر حملہ کی صورت میں حاصل نہ ہوتے لہٰذا ہم نے تم کو ابو جہل کی جماعت سے بھڑا دیا تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ظاہر ہو جاوے اگرچہ یہ شکست کفار کو بڑی ہی بری معلوم ہوئی اور ان کی یہ شکست ان کی توقع کے بالکل خلاف ہوئی ۔

حکایت: جب ابو جہل نے مکہ معظمہ میں بدر کے لئے اپنی جماعت جمع کی تو بڑے بڑے سرداروں کو اس لشکر میں شامل کیا ابولہب کے سوا باقی قریباً سارے ہی سردار لشکر میں شامل ہو گئے ۔ ابولہب نے اپنی طرف سے عاص ابن ہشام ابن مغیرہ کو بھیج دیا رات میں یہ بھرتی ہوئی صبح کو روانگی تھی کہ کسی نے کہا کہ تمہارے سردار تو چل دیئے مکہ خالی کئے جا رہے ہو ممکن ہے کہ تمہارے پیچھے مکہ پر قبیلہ بنی بکر ابن عبد مناف ابن کنانہ ٹوٹ پڑے اور تمہارے گھروں بچوں بیویوں کو تباہ کر ڈالے کیونکہ ان سے ہماری پرانی دشمنی ہے قریب تھا کہ یہ لشکر تتر بتر ہو جاوے کہ ابلیس سراقہ ابن مالک ابن جعشم کی شکل میں ان کے پاس آیا سراقہ قبیلہ بنی بکر کے سردار تھے اور بولا کہ تم ایک بڑے نیک کام کے لئے جا رہے ہو میں تم کو اطمینان دلاتا ہوں کہ میرا قبیلہ بنی بکر تمہارے پیچھے مکہ پر کوئی حملہ نہ کرے گا بلکہ تمہاری مدد کرے گا یہ سنتے ہی ان لوگوں نے خوشی کے نعرے لگائے اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے (تفسیر خازن) درحقیقت ان سب کے سروں پر موت سوار تھی یہ ہی ابلیس اسی جنگ بدر کے موقعہ پر خاص بدر

کی رات شیخ نجدی کی شکل میں کفار مکہ کے پاس پہنچا اور رات بھر انہیں جنگ کی چالیں سکھاتا رہا جس کا پورا واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہے صبح کے وقت کفار کو میدان جنگ میں ساتھ لایا مگر فرشتے نازل ہوتے دیکھ کر بھاگا جب کفار نے اسے روکنا چاہا کہ تو تو ہمارا معاون بنا تھا اب وقت پر کہاں بھاگا جاتا ہے تو بولا **انی اری مالا ترون انی اخاف اللّٰہ رب العلمین**۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور ﷺ رب تعالٰی کے نائب اس کے کار مختار ہیں کہ حضور کا وعدہ رب تعالٰی کا وعدہ ہے یہ فائدہ **یعدکم اللّٰہ** سے حاصل ہوا کہ یہ وعدہ ان حضرات سے حضور ﷺ نے فرمایا تھا مگر رب تعالٰی فرمایا **یعدکم اللّٰہ** اللہ تعالٰی نے تم سے وعدہ کیا۔ **دوسرا فائدہ:** طبیعت انسانی ظاہری عیش و آرام چاہتی ہے حقیقت پر نظر کسی کسی کی ہوتی ہے یہ خواہش جرم نہیں لورنہ اس پر پکڑ ہے یہ فائدہ **وتودون** سے حاصل ہوا کہ رب تعالٰی نے ان غازیان بدر کی یہ خواہش بیان فرمائی مگر اسے جرم قرار نہ دیا بلکہ انہیں سے اتنا بڑا کار خیر کرایا انہیں کے سر پر اس فتح کا سہرا رکھا۔ **تیسرا فائدہ:** کبھی ظاہری مصیبت و تکلیف کا انجام بڑا شاندار ہوتا ہے مصیبت پر جلد گھبرانا نہیں چاہیے انجام کا انتظار کرنا چاہئے یہ فائدہ **یحق الحق** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** غزوہ بدر اللہ تعالٰی کی قدرت اور حضور ﷺ کے معجزے کا بڑا نمونہ تھی اس میں چند باتیں بے مثل ہوئیں (1) مسلمانوں کا جنگ کے لئے بالکل تیاری نہ کرنا کفار کا پوری تیاری سے میدان میں آنا (2) مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہونا کفار کی تعداد تگنی سے بھی زیادہ ہونا (3) مسلمانوں کا بالکل بے سرو سامان ہونا کفار کا ہر طرح ساز و سامان' آلات جنگ سے مسلح ہونا (4) مسلمانوں میں اکثر کا ناتجربہ کار ہونا کفار کا تجربہ کار جنگ آزمودہ ہونا (5) حضور ﷺ کا پہلے ہی فتح کی بشارت دے دینا (6) حضور ﷺ کا ایک دن پہلے خط کھینچ کر ہر کافر کے قتل گاہ کا تعین فرما دینا پھر اس کافر کا اس جگہ مارا جانا ایک انچ ادھر ادھر نہ ہونا (7) جنگ شروع ہونے سے پہلے ابو جہل کا دو ناتجربہ کار بچوں کے ہاتھ قتل ہونا اور نقشہ جنگ کا مومنوں کے موافق ہو جانا (8) اس جنگ میں بڑے بڑے سرداروں کا مارا جانا (9) مسلمانوں کے ہاتھوں ستر کفار کا مارا جانا ستر کا قید ہو جانا (10) مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتوں کا اترنا وغیرہ وغیرہ ان وجوہ سے قرآن کریم نے اس غزوہ کا ذکر جگہ جگہ کیا ہے اور اسے رب تعالٰی کی قدرت کی نشانی قرار دیا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ آرام طلب عیش پسند تھے دیکھو ایسے نازک موقعہ پر انہیں عیر کی طلب تھی جس میں تکلیف نہ ہو رب فرماتا ہے **وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم**۔ **جواب:** اگر یہ حضرات آرام طلب عیش پسند تھے تو بدر کی جنگ اس کے علاوہ بڑی بڑی جنگیں فتح کس نے کیں انہوں نے ہی کیں یہ ان کی آرام طلبی نہ تھی بلکہ تیاری جنگ نہ کرنے کی وجہ سے عرض کیا تھا کہ ہم کو فی الحال موقعہ تیاری کا دیا جاوے حکم نبی پا کر انہیں جانبازوں نے فتح کی۔ **دوسرا اعتراض:** کیا رب تعالٰی نے غازیان بدر کو اختیار دیا تھا کہ چاہیں تو عیر یعنی ابو سفیان کے قافلہ سے لڑیں اور چاہیں تو نفیر یعنی ابو جہل کے جنگجو بہادروں سے اگر نہیں دیا تو اس کے کیا معنی کہ **اذ یعدکم اللّٰہ احدی الطائفتین** اور اگر اختیار دیا تھا کہ وہ حضرات تو عیر سے جنگ چاہتے تھے انہیں نفیر سے لڑنے پر مجبور کیوں کیا گیا اختیار و جبر میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس آیت سے اختیار دینا ثابت نہیں ہوتا۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم تو تم سے ایک ٹولہ کا وعدہ کرتے تھے یعنی نفیر کا اور تم دوسرے ٹولہ کو چاہتے تھے یعنی عیر کو جس میں تم کو کوئی دشواری نہ ہو۔ **تیسرا اعتراض:** غزوہ بدر سے حق

وباطل میں فرق کیسے ہوا دن رات جنگیں ہوتی رہتی ہیں جن میں بعض کو فتح بعض کو شکست ہوتی ہے پھر اس کا ذکر اتنے اہتمات سے کیوں ہوتا ہے ابھی جنگ عظیم میں جو جرمن اور انگریزوں میں ہوئی ہزارہا آدمی مارے گئے ابھی امریکہ ٹوروویت نام میں جنگ ہو رہی ہے روزانہ سینکڑوں ہلاک ہو رہے ہیں۔ **جواب**: جنگ بدر کی اہمیت اور اس کی بے مثالی ہم ابھی چوتھے فائدے کے ماتحت عرض کر چکے ہیں کہ تھوڑے سے ناتجربہ کاروں بے سامان لوگوں کا جو کہ تیاری کر کے نہ آئے تھے۔ ایسے تجربہ کار تیار لشکر جرار سے مقابلہ پھر دو بچوں کا ابو جہل کو مارنا۔ غیبی فرشتوں کا مدد کے لئے آنا مکہ کے بڑے بڑے سرداروں کا مارا جانا یہ حق و باطل کا فیصلہ نہیں تو اور کیا ہے۔ **چوتھا اعتراض**: جنگ بدر سے کفار کی جڑ تو نہیں کٹی کفار تو اب تک موجود ہیں پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا کہ **ویقطع دابر الکافرین** رب تعالیٰ کافروں کی جڑ کٹ دے۔ **جواب**: الکافرین سے مراد کفار مکہ ہیں واقعی اس جنگ میں ان کی جڑیں کٹ گئیں کہ بڑے بڑے سردار مارے گئے جو بچے وہ آخر کار ایمان لے آئے بہت وہ تھے جو جنگ بدر کا حال دیکھ کر دل سے ایمان لے آئے مگر اس کا اظہار بعد میں کیا جیسے حضرت عباس۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ خصوصاً غازیان بدر مجرم لوگ تھے فرماتا ہے **ولو کرہ المجرمون** انہوں نے ہی کراہت کی تھی۔ **جواب**: یہ ترجمہ ہی غلط ہے المجرمون سے مراد کفار مکہ ہیں جو مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے انہیں کو یہ شکست بہت ناپسند ہوئی کہ وہ کچھ سمجھ کر آئے تھے اور ہو گیا کچھ اور حق و باطل کلیہ فیصلہ مومنوں کے لئے تو بہت ہی خوشی کا سبب ہوا وہ لوگ اس فتح سے کراہت کیوں کرتے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے عالم جسمانیات میں پانی کھانے وغیرہ کے مختلف ڈپو ہیں کہ پانی کنوئیں، تالاب، دریا بادل وغیرہ سے ملتا ہے مگر آگ کے لئے قدرت نے کوئی ڈپو پیدا نہیں کیا آگ کا نہ کہیں کنواں نہ تالاب نہ سمندر بلکہ یہ ہر جسم میں قدرت نے ودیعت رکھتی ہے کوئی تیلی لگانے والا مل جاوے اس کے لگتے ہی وہ چیز آگ بن جاتی ہے یوں ہی عالم روحانیات میں اطاعت گویا روحانی پانی ہے جس کا ڈپو علماء دین اور دینی کتب یا اور مقدس مقامات ہیں مگر عشق رسول کی آگ کے لئے نہ کتابیں ہیں نہ مدرسے نہ معلمین یہ تو قدرت نے ہر دل میں رکھی ہے **وفی انفسکم افلا تبصرون** اس کے لئے کوئی تیلی لگانے والی نگاہ چاہئے تو دل خود ہی بھڑک اٹھتا ہے یہ حضرات غازیان بدر اول درجے کے مطیع تھے فرمانبردار تھے مگر جب میدان بدر میں پہنچے تو ان میں عشق رسول کی آگ دبی ہوئی تھی انہوں نے اطاعت کی نگاہ سے عیر اور نفیر کو دیکھا اور عیر کو نفیر پر ترجیح دی مگر اللہ کے حبیب ﷺ کے ایک لفظ اور ایک نظر نے تیلی کا کام دیا دلوں میں دبی آگ بھڑک اٹھی بجلی بن کر کفار پر گری اور چند گھنٹے میں انہیں بھسم کر کے رکھ دیا عقل میں اگر مگر ہے عشق ان کاوشوں سے آزاد ہے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق   عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

اس عقل و عشق کی جنگ میں کفار کی جڑ کٹ گئی اور مومنوں کی جڑ اور بھی قائم ہو گئی یہ آیت کریمہ عقل و عشق کی جامع ہے۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ

جب کہ مدد مانگتے تھے تم رب سے اپنے پس قبول کر لی رب نے تمہاری بیشک میں امداد دینے والا ہوں تم کو

جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزار

مُرْدِفِينَ ⑨ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا

ایک ہزار فرشتوں سے آگے پیچھے اور نہیں بنایا اس کو اللہ نے مگر بشارت اور تاکہ مطمئن ہو جائیں دل تمہارے

فرشتوں کی قطار سے اور یہ تو اللہ نے نہ کیا مگر تمہاری خوشی کو اور اس لئے کہ تمہارے دل چین پائیں

النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ⑩ ع

اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کے پاس سے تحقیق اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے۔

اور مدد نہیں مگر اللہ کی بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں جنگ بدر کا مقصد بیان ہوا حق کی حقانیت اور باطل کے بطلان کا اظہار اب اس کی صورت بیان ہو رہی ہے کہ یہ کیسے ہوا ان غازیوں کی دعا اور آسمانی مدد بھی اس میں شامل تھی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں غازیان بدر کی عارضی ہچکچاہٹ کا ذکر تھا جو کفار کی ظاہری شان دیکھ کر پیدا ہو گئی تھی اب ان کے اصلی ذاتی استقلال اور اس استقلال پر رحمت خداوندی کا تذکرہ ہے یعنی غیبی' آسمانی مدد کا آنا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا ذکر ہوا **واذیعدکم اللہ احدی الطائفتین** اب اس وعدہ کے پورا ہونے کا ذکر ہے کہ یہ وعدہ آسمانی امداد سے پورا کیا گیا۔

نزول: مسلم شریف' احمد' ابو داؤد' ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر ابن خطاب نے خبر دی کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کی قلت اور بے سروسامانی ملاحظہ فرمائی ادھر کفار کی کثرت اور ان کے سازو سامان کو دیکھا تو اپنے عریش میں قبلہ رو ہو کر دعا کی الٰہی تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے وہ پورا کر اے میرے رب اگر تو نے میری اس ٹوٹی پھوٹی جماعت کی مدد نہ کی تو روئے زمین پر تیری عبادت کبھی نہ ہو گی ہاتھ پھیلائے ہوئے یہ عرض کرتے رہے حتیٰ کہ کندھے مبارک سے چادر شریف گر گئی۔ حضرت ابو بکر صدیق نے چادر کندھے شریف پر ڈالی اور حضور سے لپٹ گئے عرض کی یا رسول اللہ آپ نے دعا کافی کر لی رب تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس پر یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی (روح البیان' معانی' کبیر' خازن' بیضاوی' صاوی وغیرہ) اس کے بعد حضور انور کے پاس حضرت ابو بکر صدیق بیٹھ گئے۔ حضور انور پر کچھ غنودگی سی طاری ہوئی پھر بیدار ہوئے اور فرمایا اے ابو بکر اللہ کی مدد آگئی وہ دیکھو جبریل امین اپنے گھوڑے کی لگام تھامے آرہے ہیں (خازن)۔

تفسیر: **اذ تستغیثون ربکم** اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں اس میں اذ یا تو یحق الحق کا ظرف ہے یا **اذیعدکم اللہ** کا بیان۔ مگر قوی یہ ہے کہ یہ **اذکرو** پوشیدہ فعل کا مفعول **بہ** ہے یعنی اس وقت کو یاد کرو جب کہ **تستغیثون** تا ہے

استغاثتہ سے جس کا مادہ غوث ہے۔ بمعنی مدد، **استغاثتہ** مدد مانگنا اگرچہ مدد صرف حضور انور نے مانگی تھی مگر چونکہ حضور انور اپنی امت کے امام ہیں امام کا کام ساری جماعت کا کام ہوتا ہے قراۃ الامام لہ قراۃ۔ اس لئے **تستغیثون** جمع ارشاد ہوا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس دعا پر نمازیوں نے آمین کہی تھی اور آمین بھی دعا ہے اس لئے جمع ارشاد ہوا بعض نے فرمایا کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر صحابہ کرام نے دعا کی تھی جس کے الفاظ یہ تھے **ای رب انصرنا علیٰ عدوک یا غیاث المستغیثین اغثنا** اس آیت میں اس دعا کا ذکر ہے (روح البیان) یعنی اے ہمارے رب ہم کو اپنے دشمن پر فتح دے اے فریادیوں کی فریاد سننے والے۔ مگر پہلا قول قوی ہے چونکہ اس دعا میں لفظ رب تھا اس لئے **ربکم** فرمایا نیز جس دعا میں پانچ بار **ربنا** کہا جاوے وہ جلد قبول ہوتی ہے۔ رب کہہ کر جو دعا مانگی جاوے وہ جلد قبول ہوتی ہے اسی لئے ارشاد ہوا **فاستجاب لکم** رب نے تمہاری دعا فوراً" قبول فرمائی ف۔ بمعنی فوراً" ہے استجابت کے معنی جواب دینا بھی ہیں اور قبول کرنا بھی یہاں بمعنی قبول کرنا ہے لکم میں لام نفع کا ہے کم میں خطاب سارے غازیان بدر سے یا حضور ﷺ سے اور جمع فرمانا تعظیم کے لئے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے اپنے حبیب کی دعا تمہارے نفع کے لئے قبول فرمائی **انی ممدکم بالف من الملئکتہ مردفین** اس عبارت میں **انی** بمعنی **بانی** ہے اور یہ استجاب کا بیان ہے ممد بنا ہے امداد سے بمعنی مدد دینا اس موقعہ پر پہلے ایک ہزار فرشتے نازل ہوئے پھر تین ہزار پھر پانچ ہزار پورے کر دیئے گئے لہٰذا یہ آیت ان آیات کے خلاف نہیں جن میں تین ہزار یا پانچ ہزار فرشتوں کے نزول کا ذکر ہے **مردفین** حال ہے ملئکہ سے یہ لفظ بنا ہے **ردف** سے بمعنی پیچھے ہونا رب فرماتا ہے **ردف لکم** ایک گھوڑے پر دو سوار ہوں تو پیچھے والے کو ردیف کہتے ہیں چونکہ یہ فرشتے ایک ساتھ بھیڑ کی شکل میں نہ تو آئے تھے نہ اس طرح کھڑے ہوئے تھے بلکہ آگے پیچھے لائن لگائے ہوئے آئے اور غازیوں کے ساتھ کھڑے ہوئے نیز وہ سب ایک دم نہ آئے بلکہ پہلے ایک ہزار پھر دو ہزار پھر ان کے پیچھے اور دو ہزار اس لئے مردفین ارشاد ہوا۔ دوسرا جملہ ارشاد ہوا سومین نشان والے کیونکہ وہ سب فرشتے جنگی وردی پٹی میں تھے یعنی سپاہیانہ لباس میں **وما جعلہ اللہ الا بشری** اس فرمان عالی میں فرشتے بھیجنے کی حکمت کا ذکر ہے یعنی یہ فرشتے کفار کو ہلاک کرنے نہ آئے تھے اس کے لئے تو ایک فرشتہ ہی کافی تھا ایک فرشتے نے قوم لوط کی بستیاں الٹ کر رکھ دیں ایک فرشتے نے چیخ مار کر قوم صالح علیہ السلام کی بستی ہلاک کر دی بلکہ یہ نزول ملئکہ چند حکمتوں سے ہوا ایک یہ کہ اس سے تم کو خوشی ہوئی کہ جب تم نے فرشتوں کا نزول سنا تو تمہارے مرجھائے ہوئے چہرے کھل گئے اور تم کو اپنی فتح کفار کی شکست کا یقین ہو گیا۔ دوسری حکمت یہ کہ **ولتطمئن بہ قلوبکم** قوی یہ ہے کہ یہ عبارت معطوف ہے بشری پر' چونکہ غازیوں کا اطمینان اصل مقصود تھا اور بشارت اس کے تابع اس لئے اسے اتنی دراز عبارت سے بیان فرمایا مفرد پر جملہ کا اور جملہ پر مفرد کا عطف جائز ہے رب فرماتا ہے **لترکبوھا وزینتہ** (روح المعانی) یعنی ان فرشتوں کے نزول کا اثر یہ ہو گا کہ اس سے تمہارے دلوں کو چین و امن نصیب ہو گا۔ جہاد میں دل کا چین بہت ضروری ہے اگرچہ وہ فرشتے دیکھنے میں نہ آئیں گے مگر اس کا اثر تمہارے دلوں پر ضرور پڑے گا یہ پروگرام تو ظاہری اہتمام کے لئے ہے حقیقت یہ ہے کہ **وما النصر الا من عند اللہ** مدد اور فتح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے فرشتے اور یہ تمام کاروائیاں صرف سبب فتح ہیں منصور وہ جسے اللہ فتح دے لہٰذا مومن کو چاہئے کہ رب کے کرم پر نظر رکھے **ان اللہ عزیز حکیم** یہ فرمان عالی

وماالنصر کی دلیل ہے یعنی اللہ تعالیٰ غالب بھی ایسا غالب کہ جسے چاہے اسے غالب کرے اور حکمت والا بھی کہ اگر جنگ میں فتح دیتا ہے اس میں حکمت ہے اور اگر کسی کو شکست دیتا ہے تو اس میں بھی کوئی حکمت۔

خلاصہ تفسیر: اے غازیان بدر وہ وقت بھی یاد رکھو یاد کرو جب کہ تم کو یقین ہو گیا کہ ہم کو ابو جہل کے نفیر سے جنگ کرنا ہے تو تم نے یا تمہارے نبی نے تمہارے لئے تمہارے رب سے فتح کی دعا مانگی عرض کیا کہ اے مولیٰ تو نے جو مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ پورا فرما اگر تو نے اس جماعت کی مدد نہ کی تو پھر دنیا میں تیری عبادت کوئی نہ کرے گا کہ یہ امت آخری امت ہے تو رب تعالیٰ نے فوراً تمہاری دعا قبول فرمائی اور تم کو خبر دی کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرتا ہوں جو لگاتار صف بستہ آگے پیچھے تمہارے پاس پہنچ رہے ہیں چنانچہ ابن جریر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ حضرت جبریل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کی جماعت لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنی طرف اترے اس جانب حضرت ابو بکر صدیق تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کی جماعت لے کر حضور انور کی بائیں طرف اترے اس طرف میں تھا (روح المعانی) یہ خیال رہے کہ فرشتے کفار کو ہلاک کرنے نہیں آئے تھے اس کے لئے تو ایک فرشتہ ہی کافی تھا بلکہ اس کے چند فوائد تھے (1) ان کی آمد سے تمہارے مرجھائے چہرے کھل جاویں یاس کے بعد آس بندھ جاوے (2) ان کی آمد سے تمہارے دلوں کو اطمینان و چین نصیب ہو جاوے (3) ان فرشتوں کی عزت افزائی ہو کہ وہ حضور انور کی قیادت میں سپاہی بنے (4) تمہاری عزت افزائی ہو کہ تم فرشتوں کے ساتھ ہو کر کفار سے لڑے (5) ہمارے محبوب کی عظمت کا ظہور ہو کہ اور جرنل کرنل صرف انسانوں کے لشکر کی کمان کرتے ہیں حضور انور وہ شان والے افسر ہیں کہ فرشتوں کی بھی کمان فرماتے ہیں۔ مدد تو صرف رب کی طرف سے ہے وہ ہی غالب ہے حکمت والا ہے۔ خیال رہے کہ دو غزوات میں فرشتے نازل ہوئے ہیں ایک غزوہ بدر میں دوسرے غزوہ حنین میں مگر بدر میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ بھی کی ہے حنین میں نہیں کی۔ صحابہ فرماتے ہیں ہم بدر میں ایک کافر پر تلوار اٹھاتے تھے تلوار اس کی گردن تک نہیں پہنچتی تھی کہ اس کا سر کٹ کر گر جاتا تھا ایک صحابی نے آواز سنی اقدم یا حیزوم یعنی اے حیزوم آگے بڑھ کر حضور انور نے فرمایا کہ حیزوم حضرت جبریل کے گھوڑے کا نام ہے۔ خندق کے موقعہ پر بھی فرشتے آئے ہیں مگر اس وقت باقاعدہ جہاد نہیں ہوا بدر میں بعض صحابہ نے ان فرشتوں کو سفید عمامہ باندھے شکل انسانی میں دیکھا بلکہ انہیں اترتے بھی بعض نے دیکھا سید نا ابو اسید ابن مالک ابن ربیعہ نابینا ہو چکنے کے بعد فرمایا کرتے تھے۔ اگر میری آنکھیں ہوتیں تو میں تم کو وہ جگہ دکھاتا جہاں فرشتے اترے تھے (خازن) فقیر حقیر احمد یار عرض کرتا ہے کہ میں نے کئی بار بدر شریف کی حاضری دی ہے ہر بار میں مجھے وہ جگہ دکھائی گئی جہاں فرشتے اترے تھے وہاں اب کچا ٹیلہ ہے بدر کنوئیں سے قریباً دو فرلانگ دور وہاں ایک بار رات کے وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا مشہور سلام پڑھا گیا جب یہ شعر پڑھا۔

جاں نثاران بدر و احد پر درود   حق گزاران بیعت پہ لاکھوں سلام

تو پڑھنے والوں نے طبل جنگ کی آواز سنی جو پانچ منٹ تک جاری رہی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مومن کو چاہئے کہ اللہ کی نعمت کو ہمیشہ یاد رکھے اور یاد کیا کرے لوگوں سے اس کا تذکرہ کیا کرے کہ یہ اس کی نعمت کا شکریہ ہے یہ فائدہ **اذ** فرمانے سے حاصل ہوا کہ اس سے پہلے

اذکروا پوشیدہ ہے رب فرماتا ہے **واما بنعمۃ ربک فحدث** عرس بزرگان میلاد شریف وغیرہ کا یہی منشا ہے اللہ کی نعمت کو یاد رکھنا یاد دلانا۔ **دوسرا فائدہ**: حضور ﷺ اپنی امت کے امام ہیں حضور انور کے کام امت کے لئے کار آمد ہیں یہ فائدہ **تستغیثون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ یہ دعا حضور انور نے مانگی ہو دیکھو تفسیر۔ **تیسرا فائدہ**: مومن کو چاہئے کہ یوں تو ہمیشہ اللہ کا ذکر اس سے دعائیں کیا کرے مگر خصوصیت سے جہاد کے وقت اور آفات کے موقعہ پر ذکر اللہ دعائیں وغیرہ بہت اہتمام سے کیا کرے یہ فائدہ **تستغیثون** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس کا فاعل غازیان بدر ہوں۔ رب فرماتا ہے **اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون** جب تم دشمن سے بھڑو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر بہت کیا کرو تاکہ تم کامیاب رہو اللہ کا ذکر وہ ہتھیار ہے جو مومن کے پاس ہے کفار کے پاس نہیں۔ **چوتھا فائدہ**: دعا میں اللہ تعالیٰ کو رب کہہ کر پکارنا بہت ہی بہتر ہے یہ فائدہ ربکم سے حاصل ہوا سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جس دعا میں ربنا پانچ دفعہ کہا جاوے انشاء اللہ قبول ہوگی اور آپ نے دلیل میں وہ آیت پیش فرمائی **ربنا ما خلقت ھذا باطلا** کہ وہاں پانچ بار ربنا ہے پھر **فاستجاب لھم** ہے دیکھو اس آیت کی تفسیر۔ **پانچواں فائدہ**: مسافر کی غازی کی دعا بفضلہ تعالیٰ بہت قبول ہوتی ہے اور جو کوئی مسافر بھی ہو غازی بھی تو اس کی دعا انشاء اللہ تیر بہدف ہے یہ فائدہ فاستجاب لکم کی ف سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: اللہ تعالیٰ کبھی فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد فرماتا ہے یہ فائدہ **انی ممدکم** سے حاصل ہوا ابھی 1965ء انیس سو پینسٹھ عیسوی میں پاکستان اور ہندوستان کی جنگ ہوئی اس میں شکل انسانی میں کچھ اجنبی صورتیں دیکھی گئیں۔ حضرات اولیاء اللہ کو مدد فرماتے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ابوجہل نے مرتے وقت حضرت عبداللہ ابن مسعود سے پوچھا کہ سفید عمامے والے اجنبی لوگ کون تھے جو تمہارے ساتھ مل کر جنگ کر رہے تھے آپ نے فرمایا وہ فرشتے تھے دیکھو پاکستان کی جنگ کے موقعہ پر دمشق میں حضرت بلال کی قبر سے حی علی الجہاد کی آواز سنی گئی۔ مدینہ منورہ میں بزرگوں نے خواب میں حضور انور کو تیزی سے روانہ ہوتے ہوئے دیکھا پوچھا حضور کہاں جا رہے ہیں فرمایا پاکستان جہاد کے لئے یہ خبریں اس زمانہ میں اخبارات اور رسالوں میں چھپیں ہندو قیدی مسلمان غازیوں سے پوچھتے تھے کہ وہ سبز پوش سپاہی کہاں ہیں جو تمہارے ساتھ ہم سے جنگ کر رہے تھے۔ **ساتواں فائدہ**: بدر میں فرشتوں کا نزول مسلمانوں کی ہمت افزائی عزت افزائی کے لئے تھا نہ کہ کفار کو ہلاک کرنے کے لئے یہ فائدہ **الا بشری** اور **ولتطمئن بہ قلوبکم** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: رحمت کے فرشتوں کے اترنے سے مومن کے دل کو اطمینان ہوتا ہے اگرچہ وہ نظر نہ آئیں یہ فائدہ بھی **ولتطمئن بہ قلوبکم** سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے **تتنزل علیہم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا** جنگ میں دلی چین کی سخت ضرورت ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بدر میں فرشتے ایک ہزار نازل ہوئے مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تین ہزار آئے تھے اور ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ ہزار آئے ان آیات میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اولاً ایک ہزار فرشتے آئے پھر تین ہزار کئے گئے پھر ان کی نفری پانچ ہزار کر دی گئی۔ **دوسرا اعتراض**: وہ فرشتے آگے پیچھے کیوں آئے یکدم کیوں نہ آئے۔ فرمایا گیا **مردفین**۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہ فرشتے بھیڑ کی طرح نہ آئے بلکہ صف بستہ سپاہی کی طرح آئے جیسا کہ جنگ میں ہوتا ہے نیز تین بار میں ان کا آنا یہ بھی

مومنوں کی ہمت افزائی کے لئے تھابار بار کمک پہنچے تو لشکر کی ہمت بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ **تیسرا اعتراض**: جب فرشتے غازیان بدر کو نظر ہی نہ آئے تو انہیں بشارت اور دل کا اطمینان کیسے نصیب ہوا۔ **جواب**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سے نیز بعض صحابہ نے انہیں دیکھا نیز ان کے نزول کا اثر دلوں کا اطمینان تھا نظر آئیں یا نہ آئیں یہ اثر آج بھی کبھی کبھی محسوس ہوتا ہے۔ **چوتھا اعتراض**: جب فرشتوں کے ذریعہ کفار کو ہلاک کرانا نہ تھا تو انہیں اتارا کیوں یہ کام تو بے فائدہ ہوا۔ **جواب**: اس نزول ملائکہ میں بہت حکمتیں تھیں (1) مسلمانوں کو بشارت فتح دینا (2) غازیوں کے دلوں میں سکون عطا ہونا (3) ان فرشتوں کی عزت افزائی کیونکہ جیسے تمام صحابہ میں بدری صحابہ سب سے افضل ہیں یوں ہی فرشتوں میں بدری فرشتے سب فرشتوں سے افضل ہیں۔ (4) حضور انور کی عظمت و عزت کا اظہار کہ حضور کے ماتحت سپاہی فرشتے بھی ہوئے۔

جن و ملک ہیں ان کے سپاہی رب کی خدائی میں ان کی شاہی

اونچے اونچے یہاں جھکتے ہیں سارے انہیں کا منہ تکتے ہیں

(5) خود غازیان بدر کی عزت افزائی ہمت افزائی کہ وہ حضرات فرشتوں کے ہمدوش ہیں ان کے ساتھی ہیں جس محبوب اعظم کے غلام فرشتوں کے ہم پلہ ہیں تو محبوب کا مقام کہاں ہو گا غور کرلو۔

کس ندانست کہ منزل گہ محبوب کجا است این قدر ہست کہ بانگ جرس می آید

پانچواں اعتراض: کفار مکہ کو رب نے بالکل ہلاک کیوں نہ فرمادیا ان کے جرم تو قوم فرعون وغیرہ سے کسی طرح کم نہ تھے بدر میں فرشتے آئے مگر کافروں کو ہلاک نہ کیا۔ **جواب**: اس لئے کہ حضور انور رحمت عالم ہیں آپ کے آنے سے دنیا میں کفار پر عیبی عذاب آنا بند ہو گیا بدر میں جو مارے گئے وہ تو مارے گئے باقی بچے ہوئے سارے کفار بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے اسلام کی بڑی خدمات انجام دیں حضور نے کفر کو مٹایا کافروں کو ہلاک نہ فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ: فرشتوں کی مدد تاقیامت برحق ہے وہ مجاہد غازیوں کی بھی مدد کرتے ہیں اور اکیلے اکیلے مومنوں کی بھی اگرچہ وہ دیکھنے میں نہیں آتے مگر کام کر جاتے ہیں ہر شخص ہر وقت مجاہد ہے وہ نفس امارہ شیطان اور شیطانی لوگوں سے جہاد کرتا رہتا ہے اور رب تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی مدد بھی آتی رہتی ہے۔ بنی اسرائیل کو اطمینان دل ایک خاص قسم کی ہوا سے دیا جاتا تھا جسے نسیم کہتے ہیں۔ حضور کی امت کو خاص فرشتوں کے ذریعہ حضرت ابو بکر صدیق کو جب ہجرت کے موقعہ پر غار ثور میں حضور کے متعلق گھبراہٹ ہوئی تو رب نے ان کے دل پر سکینہ اتاری **فانزل اللہ سکینتہ علیہ** اس سکینہ سے خائف کو سکون، غمگین کو تسلی مجاہد کو قوت نصیب ہوتی ہے اگر کسی موقعہ پر سکینہ نازل نہ ہو تو اس میں قصور ہمارا ہوتا ہے۔

ہر خلل کاندر عمل بینی ز نقصان دل ست رخنہ اندر قصر بینی از قصور قیصر است

ضعیفوں کی دعا سکینہ کے نزول کا سبب ہے دیکھو صحابہ نے دعا کی تو فوراً ملائکہ نازل ہوئے۔

دعا ضعیفان امیدوار زبازوئے مردے بہ آید بکار

صدق مقال اکل حلال اتباع رسول کی قیل و قال نزول سکینہ کا ذریعہ ہے تاقیامت جاری رہے گا۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً

جب ڈھک رہا تھا تم کو اونگھ سے امن کے لئے اس کی طرف سے اور اتار رہا تھا اوپر تمہارے آسمان سے

جب اس نے تمہیں اونگھ سے گھیر دیا تو اس کی طرف سے چین تھی اور آسمان سے تم پر

لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ

پانی تاکہ پاک کرے تم کو اس سے اور لے جاوے تم سے پلیدی شیطان کی اور تاکہ ڈھارس

پانی اتارا کہ تمہیں اس سے ستھرا کرے اور شیطان کی ناپاکی تم سے دور فرمائے اور

قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾

باندھے اوپر دلوں کے تمہارے اور ثابت کرے اس سے قدموں کو

تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے اور اس سے تمہارے قدم جمائے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں غازیان بدر کی روحانی غیبی مدد کا ذکر ہوا یعنی فرشتوں کا نزول اب ان ہی بزرگوں کی جسمانی ظاہری مدد کا ذکر ہے یعنی اس موقعہ پر غازیوں پر اونگھ کا طاری کرنا بارش برسانا گویا غیبی امداد کے بعد شہودی مدد کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کے دل مطمئن ہوگئے اب اس اطمینان قلبی کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ انہیں اس موقعہ پر اونگھ آگئی اور ظاہر ہے کہ اونگھ اطمینان میں ہی آتی ہے گویا دعوے کے بعد دلیل کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ غازیان بدر نے رب تعالیٰ سے مدد مانگی رب نے قبول فرمائی اب اس قبولیت کے ثبوت میں چھ ظاہری دلیلیں بیان ہو رہی ہیں۔

نزول: جب نبی کریم ﷺ بدر کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں قریب بدر دو شخص ملے ان سے حضور انور نے پوچھا کہ کیا یہاں سے ابو سفیان کا قافلہ گذرا تھا وہ بولے ہاں رات کے وقت گذرا تھا ان دونوں کو مسلمانوں نے کفار مکہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے پکڑ لیا ان دونوں میں سے ایک تو ابو رافع تھے یعنی حضرت عباس کا غلام دوسرا اسلم تھا عقبہ ابن ابی معیط کا غلام صحابہ نے ابو رافع سے پوچھا کہ اس جنگ کے لئے مکہ معظمہ سے کتنے لوگ نکلے ہیں وہ بولا کہ قریباً سارے ہی نکل پڑے ہیں حضور انور نے فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے ہماری طرف پھینک دیئے ہیں پھر ابو رافع سے پوچھا کہ کیا کچھ لوگ واپس بھی لوٹ گئے وہ بولا ہاں جب ابو سفیان کے قافلہ کی بخیریت نکل جانے کی خبر ملی تو ابی ابن سرجی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ گیا یہ شخص بنی زہرہ کا سردار تھا حضور انور نے اس دن ابی کو لقب دیا اخنس کا کیونکہ وہ اپنی قوم سے کٹ گیا اتنی تحقیق کے بعد یہ حضرات بدر کی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ کفار مکہ وہاں پہلے سے پہنچ چکے ہیں اور انہوں نے وادی بدر کے اچھے صاف میدانی علاقہ پر قبضہ کرلیا ہے جہاں پانی ہے مسلمان بدر کے ریتے والے حصہ میں اترے جہاں پانی نہ تھا ان حضرات کو اس وقت دو

دشواریاں پیش آئیں ایک پانی کانہ ہونا سخت پیاس دوسرا ریتے میں پاؤں دھنس جانا اچھی طرح چل نہ سکنا اس موقعہ پر شیطان بہ شکل انسانی ان غازیوں کے پاس آیا اور الگ الگ ایک ایک سے ملا بولا کہ تم کہتے ہو کہ تم حق پر ہو اللہ کے پیارے ہو تمہارے نبی سچے ہیں یہ عجیب حقانیت ہے کہ رب نے تم کو خشک اور ریتے والے علاقہ میں اتارا اب نتیجہ یہ ہوگا کہ جب تم پیاس سے بدحال ہو جاؤ گے تو کفار نہایت آسانی سے تم کو شکست فاش دے دیں گے تم میں سے کوئی گھر واپس نہ جاوے گا کہ تم پیاسے ہو گے کفار تازہ دم۔ اس پر ان میں سے بعض حضرات کو سخت فکر ہوئی ادھر دریائے رحمت الٰہی جوش میں آیا اور خوب موسلا دھار بارش ہوئی جس سے ریتہ جم کر نہایت اچھی زمین بن گیا اور صحابہ نے اسی حصہ میں لمبی چوڑی حوض نما جگہ بنائی جس میں پانی بھر گیا ان لوگوں نے تالابوں کی طرح اسے استعمال کیا ادھر کفار والا حصہ پھسلن ہو گیا جس سے انہیں چلنا پھرنا دشوار ہو گیا مومنوں کو اس بارش سے اتنی خوشی ہوئی جو بیان سے باہر ہے سب کے دل مطمئن ہو گئے اور یہ بارش ان کو فتح کا پیش خیمہ معلوم ہوئی اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان)۔

تفسیر: **اذ یغشیکم النعاس** یہ اذ بھی ظرف ہے، معنی جبکہ یہ فرمان عالی یا تو پہلے اذ سے تعلق رکھتا ہے جو **اذ تستغیثون** میں ہے یا پوشیدہ **اذکر** کا مفعول ہے یا یحق الحق کا ظرف ہماری قراءت میں **یغشی** شین کے شد سے ہے باب تفعیل کا مضارع ایک قراءت میں **یغشی** باب افعال سے ہے اس کا مادہ ہے غشی، معنی چھا جانا گھیر لینا اسی لئے پردہ کو غشا وہ کہتے ہیں اور بے ہوشی کو غشی کہ وہ بھی چھپالیتی ہے اور چھا جاتی ہے اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے اور کم میں خطاب غازیان بدر سے ہے یہ کم۔ غشی کا مفعول اول ہے اور نعاس دوسرا مفعول۔ نعس نیوں ہی **سنته** کے معنی ہیں اونگھ جو نیند کا پیش خیمہ ہوتی ہے **امنتمنه** یہ فرمان عالی **یغشی** کا مفعول لہ ہے چونکہ **یغشی** اور **امنته** دونوں کا فاعل رب تعالیٰ ہی ہے اس لئے مفعول لہ کا لام حذف ہو گیا **منه** کی ضمیر رب تعالیٰ کی طرف ہے یعنی وہ وقت یاد رکھو جب رب تعالیٰ نے تم پر اونگھ طاری کر دی تم کو اپنی طرف سے سکون قلبی اور چین دینے کے لئے۔ خیال رہے کہ ترتیب بیانی ترتیب واقعی کے خلاف ہے کیونکہ بارش جنگ سے ایک دن پہلے آئی تھی اور یہ اونگھ خاص جنگ کے وقت جب سب صف بستہ ہو چکے تھے یہ نیند اللہ کی قدرت حضور ﷺ کا خاص معجزہ تھی کیونکہ ایسی شدت میں نیند نہیں آیا کرتی بلکہ آئی ہوئی اڑ جایا کرتی ہے مگر ان غازیوں کا یہ حال تھا کہ صف قتال میں کھڑے ہوئے ایسے اونگھ رہے تھے کہ ان کے ہاتھوں سے تلوار گر گر جاتی تھی مگر یہ اونگھ ایسی غفلت کی نہ تھی کہ کفار ان کو غافل پا کر حملہ کر دیتے بلکہ امن و سکون کی تھی اور وقتی تھی اس کے بعد پھر یہ لوگ جنگ کے لئے اور بھی تیار ہو گئے **و ینزل علیکم من السماء ماء** یہ دوسری نعمت کا ذکر ہے جو جنگ سے ایک دن پہلے ہو چکی تھی یعنی تیز بارش کا ہو جانا یہاں تنزیل آہستگی کے معنی میں نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے ہے یعنی خوب اچھی طرح شراٹہ کی بارش برسانا علیکم فرما کر یہ بتایا کہ اس بارش کے مقصود اعظم تم تھے تمہارے لئے کی گئی تھی اس لئے یہ بارش صرف بدر میں ہوئی دوسری جگہ نہ ہوئی **من السماء** کے معنی ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ آسمان کی طرف سے بارش نازل کی ورنہ بارش بادل سے آتی ہے نہ کہ آسمان سے **لیطهرکم به** یہ فرمان عالی بارش کی حکمت کا بیان ہے پاک کرنے سے مراد ہے جسمانی پاکی کہ بے وضو لوگ وضو کر لیں جن کو غسل کی حاجت ہو گئی تھی وہ غسل کر لیں **ویذهب عنکم رجز الشیطن** یہ بارش کی دوسری حکمت کا بیان ہے

رجز الشیطان سے مراد شیطان کا وہ وسوسہ ہے جو اس نے مومنین کے دلوں میں ڈالا تھا کہ اگر تم حق پر ہوتے تو تم کو خشک ریتلے میدان میں رب تعالیٰ کیوں اتارتا جب رب نے بارش برسا کر اس میدان کو ہموار کر دیا تو دلوں سے یہ وسوسہ بالکل جاتا رہا۔ قرآن مجید میں لفظ رجز طاعون بیماری کو بھی کہا گیا ہے اور گندگی و ناپاکی کو بھی یہاں دو سرے معنی مراد ہیں **ولیربط علی قلوبکم** یہ بارش کی تیسری حکمت کا بیان ہے ربط کے لفظی معنی ہیں باندھنا قوت کو اس لئے ربط کہتے ہیں کہ اس سے دل بندھ جاتا ہے اڑا اڑا نہیں پھرتا وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی تاکہ رب تمہارے دلوں کو قوت دے شیطان نے یہ کہا تھا کہ کفار تم پر جب حملہ کریں گے جب تم پیاس سے ادھ مرے ہو چکے ہو گے اور نہایت آسانی سے تم کو فنا کر دیں گے اس سے بعض صاحبوں کے دل گھبرا گئے تھے اس بارش سے یہ وہم یہ اندیشہ ختم ہو گیا ان کے دل قوی ہو گئے سبحان اللہ رب تعالیٰ کے ہر کام میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں یہ بارش آئندہ فتح کی نیک فال بھی ہوئی اس لئے اسے قوت قلوب کا ذریعہ فرمانا بالکل درست ہوا **ویثبت بہ الاقدام** یہ بارش کی چوتھی حکمت کا بیان ہے یعنی اس بارش کے ذریعہ ریتہ جم کر ہموار زمین ہو جاوے اور تمہارے قدم اس پر بخوبی جمنے لگیں تم کو چلنا پھرنا آسان ہو جاوے تم کو پاؤں دھنسنے کی دشواری محسوس نہ ہو جنگ میں اس کی بھی سخت ضرورت ہوتی ہے اس سے بھی غازیوں کی ہمت اور زیادہ ہو گئی تجربہ ہے کہ ریتہ جب بارش سے جم جاتا ہے تو بہترین سڑک بن جاتا ہے جو لک کی سڑک سے بھی بہتر ہوتا ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں قدم جمانے سے مراد ہے صبر اور دل کی قوت کیونکہ کمزور دل والے آدمی کے قدم ٹھہرتے نہیں بلکہ وہ بہت جلد بھاگ جاتا ہے مقابلہ میں ڈٹتا نہیں (تفسیر خازن) مگر پہلی توجیہ قوی ہے کہ یہ معنی تو **لیربط علی قلوبکم** میں آ گئے تھے بہرحال اس بارش میں بہت حکمتیں تھیں۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے مجاہدین بدر پر سات خصوصی عنائتیں کیں ایک غیبی باقی چھ ظاہر ظہور غیبی عنایت تو فرشتوں کا نزول اور ظاہری نعمت ان پر عین جہاد کے وقت اونگھ طاری فرمانا' بارش برسانا انہیں طہارت و پاکیزگی عطا فرمانا' شیطانی وسوسے دور کر دینا' ڈھارس بندھوا دینا' ان کے قدم ثابت فرما دینا' فرشتوں کا ذکر تو پچھلی آیت میں ہو ابا قی کا ذکر اس آیت میں ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ اے مجاہدین بدر ہمارا یہ احسان بھی یاد رکھو کہ تم بدر کے میدان میں جہاد کے لئے کھڑے تھے کہ تمہارے دل کو ہم نے ایسا چین دیا کہ تم کو اونگھ آ گئی اس کے علاوہ تم پر آسمان سے خوب تیز تراٹے کی بارش برسائی جس سے تم نے غسل اور وضو کیا پاک صاف ہو گئے اور اس کی وجہ سے شیطانی وسوسہ تمہارے دل سے دور ہو گیا کہ اگر ہم حق پر ہوتے تو ہم کو خشک اور ریتلا میدان کیوں ملتا اور اس بارش سے ہی تمہارے دل مضبوط ہو گئے کہ یہ بارش تمہاری فتح و نصرت کا پیش خیمہ تھی اور اس بارش کے ذریعہ تمہارے قدم ٹھہر گئے کہ اس سے ریتہ جم کر اچھی سڑک کی طرح ہو گیا جس پر تم کو چلنا پھرنا آسان ہو گیا غرضیکہ ہم نے تم پر وہاں نعمتوں کے دریا بہا دیئے۔ خیال رہے کہ غزوہ احد میں بھی مومنوں پر اونگھ طاری ہوئی تھی مگر وہ اونگھ مخلصین اور منافقین میں فرق کرنے کے لئے کہ مخلصین تو اونگھ رہے تھے اور منافقین ان حالات کی بنا پر سخت پریشان تھے مگر یہاں بدر میں اونگھ مومنوں کو اطمینان و تسکین دینے کے لئے تھی کیونکہ بدر میں کوئی منافق شریک نہیں ہوا یہ تو سارے مخلصین ہی تھے احد میں مجبوراً" منافقین بھی پہنچ گئے تھے رب احد کے متعلق فرماتا ہے **ثم انزل علیکم من بعد الغم امنتہ نعاسا یغشی طائفتہ منکم و طائفتہ قد اھمتھم انفسھم**۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جہاد' مناظرہ اور دوسری آفات میں اونگھ اللہ کی رحمت ہے کہ اس سے دل کو اطمینان اور مقابلہ کی ہمت پیدا ہوتی ہے مگر نماز مطالعہ وغیرہ میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہے حضرت ابن مسعود کا یہ فرمان ہے (تفسیر خازن) **دوسرا فائدہ**: جہاد کے موقعہ پر بارش اللہ کی رحمت ہوتی ہے اور فتح کی بشارت ہے یہ فائدہ **ولیربطعلی قلوبکم** سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ**: کوئی شخص اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ جانے دیکھو غازیان بدر' صحابی' غازی' نمازی سب کچھ تھے مگر شیطان ان سے بھی نہ چوکا ان کے دلوں میں بھی وسوسے ڈال دیئے یہ فائدہ **رجز الشیطان** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: جہاد میں ثابت قدمی اللہ کی بڑی نعمت ہے چھوٹی جماعت جو ثابت قدم ہو بڑی مگر اکھڑی جماعت پر فتح پالیتی ہے یہ فائدہ **ویثبت بہ الاقدام** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ **امنتہ** مفعول لہ ہے **یغشیکم** فعل کا مگر **یغشیکم** کا فاعل رب تعالٰی ہے اور **امنتہ** کا فاعل صحابہ کرام جب فعل اور مفعول لہ کے فاعل الگ ہوں تو مفعول لہ کلام پوشیدہ نہیں ہو سکتا تو یہاں لامن چاہئے تھا نہ کہ **امنتہ جواب**: اس اعتراض کے تفسیر روح المعانی نے بہت جوابات دیئے ہیں مگر قوی جواب یہ ہے کہ **امنتہ** کے معنی امن پانا نہیں بلکہ امن دینا ہیں اس صورت میں اس کا فاعل بھی رب تعالٰی ہے جب ان دونوں کا فاعل ایک ہے تو لام پوشیدہ کردیا گیا (معانی) **دوسرا اعتراض**: یہاں **ینزل** فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ بارش تھوڑی تھوڑی عرصہ تک ہوتی رہی مگر واقعہ اس کے خلاف ہے وہ بارش تو یکدم ہوئی تھی پھر **ینزل** باب تفعیل سے کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں باب تفعیل مبالغہ کے لئے ہے آہستگی کے لئے نہیں یعنی خوب بارش بھیجی لہٰذا مطلب واضح ہے۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو بھی شیطانی پلیدی یعنی شرک و کفر پہنچی ورنہ اس کے دفعہ کرنے کے کیا معنی حضرات اہل بیت ہی وہ ہیں جو ہر گناہ سے معصوم ہیں (رافضی) **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ اس قسم کی آیت اہل بیت کے لئے بھی آئی ہے فرمایا ہے **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا** جواب تحقیقی یہ ہے کہ ان جیسی آیات میں رجز یا رجس سے مراد بد عقیدگی نہیں بلکہ اس سے مراد شیطانی وسوسے یا برے خیالات ہیں اس وسوسہ کا ذکر ہم نے ابھی نزول کے بیان میں کردیا بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں **یطھرکم** سے مراد بے وضوئی سے پاک کرنا ہے اور رجز الشیطان سے مراد ہے بے غسلی کیونکہ احتلام شیطان کے اثر سے ہوتا ہے بدر کے موقعہ پر بعض غازیوں کو احتلام ہو گیا تھا پانی نہ ہونے سے وہ غسل نہ کر سکے تھے مگر جو تفسیر ہم نے عرض کی وہ قوی بھی ہے اور ظاہر بھی۔ **عمل**: جو شخص سوتے وقت اپنی انگلی سے اپنے سینہ پر لکھ لیا کرے "عمر" تو انشاء اللہ احتلام نہ ہو گا کیونکہ احتلام شیطان کے اثر سے ہوتا ہے اور وہ حضرت عمر کے نام سے بھاگتا ہے (روح البیان) مگر یہ عمل خواب والے احتلام کے لئے ہے بیماری میں جو بغیر خواب احتلام ہو جاتا ہے اس کے لئے یہ عمل نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: بنی اسرائیل کو ایک جہاد کے موقعہ پر تابوت سکینہ کے ذریعہ سکون قلبی عطا ہوا تھا فرماتا ہے **ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم** جناب صدیق اکبر کو غار ثور میں ہجرت کی رات بذریعہ فرشتے کے سکینہ و اطمینان دیا گیا فرماتا ہے **فانزل اللہ سکینتہ علیہ** غازیان بدر کو ملائکہ اور بارش اور اونگھ کے ذریعہ امن و سکون بخشا گیا ان

حضرات کا سکون بنی اسرائیل کے سلوی سے قوی تر ہے انہیں اتنا سکون دیا کہ عین جنگ میں انہیں نیند آگئی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ پانی، خوف سے امن بھوک پیاس سے حفاظت اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں جب توکل قوی ہوتا ہے تو انسان مطمئن ہوتا ہے یہ توکل بدروالی بارش ہے جو مومن کے دل پر پڑتا ہے اے مومن تو شیر ہے شیر میں تین خصوصی صفات ہیں بھوک پر صبر کہ خواہ کتنا ہی بھوکا ہو مگر دوسرے کا مارا شکار نہیں کھاتا پیاس پر صبر کر خواہ کتنا ہی پیاسا ہو مگر کتے کا جھوٹا نہیں پیتا اللہ پر توکل کہ اپنا کیا ہوا شکار دیر ہو چکنے کے بعد دوسرے وقت نہیں کھاتا بلکہ دوسرے جانوروں کے لئے چھوڑ دیتا ہے اپنے میں یہ صفات پیدا کرو شعر۔

علی المرا ان یسعی لتحسین حاله ولیس علیه ان یسا عده الدهر

مسلمانوں کی مدد کرنا سنت انبیاء بھی ہے سنت ملائکہ بھی مسلمان کو ستانا بہکانا طریقہ ابلیس ہے (روح البیان)۔

توانگرا دل درویش خود بدست آور که مخزن زرو گنج درم نخواهد ماند

رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
جبکہ وحی کرتا تھا رب تمہارا طرف فرشتوں کے بے شک میں ساتھ ہوں تمہارے پس ثابت رکھو تم
جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو
سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ
ان لوگوں کو جو ایمان لائے ڈال دوں گا میں دلوں میں انکے جنہوں نے کفر کیا رعب پس مارو تم اوپر گردنوں
ثابت رکھو عنقریب ہم کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا تو کافروں کی گردنوں سے
اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝۱۲ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ
کے اور مارو ان میں سے ہر ایک کے ہر جوڑ پر یہ بوجہ اس کے ہے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی
اوپر مارو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس
یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝۱۳ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ
اور رسول کی اس کے اور جو مخالفت کرے اللہ کی اور رسول کی اس کے پس تحقیق اللہ سخت عذاب والا
کے رسول سے مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو بیشک اللہ کا عذاب
وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ۝۱۴
ہے یہ ہے پس چکھو تم اسے اور تحقیق واسطے کافروں کے عذاب ہے آگ کا
سخت ہے یہ تو چکھو اور اس کے ساتھ یہ ہے کہ کافروں کو آگ کا عذاب ہے

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں بدر میں فرشتوں کی آمد کا ذکر ہوا اب ان کی ڈیوٹی اور کارکردگی کا تذکرہ ہے کہ وہ فرشتے یوں ہی نہیں بھیجے گئے بلکہ ان کے ذمہ کچھ خدمات بھی کی گئی تھیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں بدر میں فرشتوں کی حاضری کا ذکر تھا اب بتایا جارہا ہے کہ ان فرشتوں کی شان یہاں کی حاضری سے دوبالا ہو گئی کیونکہ اس وقت ہم بھی ان کے ساتھ تھے **انی معکم** تو سمجھ لو کہ بدری صحابہ کی شان کیسی بلند و بالا ہو گی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فتح غزوہ بدر کے ایک رکن کا ذکر تھا "مسلمانوں کے دلوں میں ہمت و جرات دینا اب اسی فتح کے دوسرے رکن کا ذکر ہے یعنی کفار کے دلوں میں رعب و ہیبت کا پیدا فرمانا **سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب** **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں مسلمانوں پر کرم خداوندی کی وجہ بیان ہوئی یعنی اللہ رسول کی فرمانبرداری اب کفار کی شکست کی اصل وجہ بیان ہو رہی ہے یعنی اللہ رسول کی مخالفت **شاقوا اللہ ورسولہ** تاکہ تاقیامت مسلمان یاد رکھیں کہ اللہ رسول کی اطاعت سے قدم باہر نکالنا شکست کھاجانے کا ذریعہ ہے۔

تفسیر: **اذ یوحی ربک الی الملئکتہ** قوی یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے اور اذ سے پہلے **اذکر** یا **اذکروا** پوشیدہ ہے یوحی بنا ہے وحی سے جس کے لغوی معنی ہیں خفیہ اشارہ یا دل میں ڈالنا رب فرماتا ہے **اوحی ربک الی النحل** اور فرماتا ہے **واوحینا الی ام موسی** ہم نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈال دیا۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں ڈال دیا شریعت میں وحی وہ کلام ہے جو بواسطہ فرشتہ نبی سے کیا جاوے ملا ئکہ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لئے بھیجے گئے تھے یعنی اے محبوب ﷺ انہیں وہ وقت یاد دلاؤ جب آپ کے رب نے بدر والے فرشتوں سے فرمایا تھا ان کے دل میں ڈالا تھا **انی معکم** یہ عبارت **یوحی** کا مفعول ہے اس کا مقصد یہ نہیں کہ فرشتوں کو کفار سے ڈر تھا یہ ڈر دفع کرنے کے لئے یوں فرمایا بلکہ ان کی عزت افزائی مقصود ہے یعنی اے فرشتو تمہارے بدر میں آنے سے تمہاری یہ عزت ہو گئی کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہمارا کرم ہماری مہربانی تمہارے ساتھ ہے **فثبتوا الذین امنوا** اس جملہ میں ف جزائیہ ہے اور یہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے یعنی جب ہم تمہارے ساتھ ہو گئے تو تم یہ خدمت انجام دو کہ ان غازیان بدر مومنین کو ثابت قدم رکھو ثابت قدم رکھنے میں چند احتمال ہیں۔ (1) تم شکل انسان میں ان مومنین سے ملو اور انہیں فتح کی بشارت دو تاکہ ان کے دل قوی ہوں۔ (2) ان مومنوں کے دل میں الہام کرو کہ اللہ کی مدد آنے والی ہے کیونکہ جیسے شیطان انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے جس سے انسان پریشان ہو جاتا ہے یوں ہی فرشتہ انسان کے دل میں الہام کرتا ہے۔ جس سے اس کے دل کو سکون نصیب ہوتا ہے۔ (3) ان مومنین کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد کرو ان مومنوں کی مدد کرو جس سے ان کے دل قوی ہوں۔ (4) بحالت جنگ شکل انسانی میں سپاہیانہ شان سے ان کے ساتھ صف جہاد میں کھڑے ہو ان کی جماعت بڑھاؤ تاکہ ان کے دل قوی ہوں (تفسیر خازن) مومنوں سے مراد غازیان بدر ہیں **سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب** اس میں رب تعالیٰ نے اپنا کام بتایا کہ اے فرشتو مومنوں کو ہمت دو ہم کفار کے دلوں میں رعب۔ ڈال دیں گے **الذین کفروا** سے مراد بدر میں آنے والے کفار ہیں رعب **ر** اور **ب** دونوں کے پیش سے بھی آتا ہے اور ر کے پیش ب کے سکون سے بھی ہماری قراءت میں یہ ہی ہے اس کے معنی چند ہیں ڈر، دل کی ہیبت۔ لمبائی میں چیرنا۔ کہا جاتا ہے رعبت السنام میں نے اونٹ کو کوہان کو چیر دیا۔ بھرنا۔ کہا جاتا ہے

رعبت السیل الوادی "سیلاب نے جنگل بھر دیا" یہاں * بمعنی ہیبت ہے (روح المعانی) **فاضربوا فوق الاعناق** یہ عبارت یا تو **فثبتوا** کی تفسیر ہے تو ف تفسیریہ ہے یا ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے تو ف جزائیہ ہے بعض نے فرمایا کہ **اضربوا** میں خطاب غازیان بدر سے ہے۔ مگر قوی یہ ہے کہ یہاں بھی خطاب فرشتوں سے ہی ہے **اضربوا** کا مفعول پوشیدہ ہے **ھم** اس سے مراد کفار مکہ ہیں جو بدر میں مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے فوق یا تو * بمعنی علی ہے یا اپنے معنی میں ہے یعنی اے فرشتو تم مسلمانوں کے ساتھ مل کر کفار کی گردنوں کے اوپر یعنی کھوپڑی پر چوٹ مار دینا جس سے وہ مرجائیں یا ان کی گردنوں پر مارو کہ انہیں قتل کر دو **واضربوا منھم کل بنان** یہ عبارت پہلے **اضربوا** پر معطوف ہے اس میں جنگ کی دوسری چوٹ کا ذکر ہے اس میں **منھم کل بنان** کا حال ہے بنان جمع ہے **بنانتہ** کی * بمعنی جوڑ 'پورے' ہاتھ پاؤں کی انگلیاں 'خود انگلیاں ظاہر یہ ہے کہ یہاں "مطلقاً" جوڑ مراد ہے خصوصاً" ہاتھ کے جوڑ جن کے بیکار ہو جانے سے انسان لڑنے کے قابل نہ رہے نیز تلوار اور کوئی ہتھیار نہ اٹھا سکے یعنی اے فرشتو ان کفار کو ہلاک کرنے کیلئے گردن پر یا گردن کے اوپر کھوپڑی پر چوٹ مارو اور انہیں بیکار کرنے کے لئے ان کے جوڑوں پر چوٹ لگاؤ **بانھم شاقوا اللہ ورسولہ ذالک** میں اشارہ ہے گذشتہ قتل اور چوٹ مارنے کی طرف **بانھم** میں ب سببیہ ہے **ھم** کا مرجع وہ ہی مذکورین کفار ہیں **شاقوا** بنا ہے شق سے * بمعنی کروٹ یا جانب چونکہ مخالف اپنے مقابل کے دوسری جانب یعنی سامنے ہو جاتا ہے اس لئے اسے شاقہ کہا جاتا ہے جیسے کہ دشمن کو عدو کہتے ہیں جو بنا ہے **عدو** سے * بمعنی حد سے بڑھ جانا چونکہ دشمن دوستی کی حد سے بڑھ کر دشمنی کی حد میں آجاتا ہے اس لئے اسے عدو کہا جاتا ہے بروزن فعول یعنی حد سے نکل جانے والا (روح المعانی و کبیر وغیرہ)۔ خیال رہے کہ کفار خدا تعالیٰ کے دشمن نہ تھے اسے تو اپنا رب مانتے تھے اسے اللہ اکبر کہتے تھے اس کی عبادت کرتے تھے مگر چونکہ حضور انور کے دشمن تھے اور حضور کی دشمنی خدا تعالیٰ کی دشمنی ہے اس لئے شاقوا اللہ و رسولہ ارشاد ہوا مقصد یہ ہے کہ اے فرشتو تمہارا ان کفار سے لڑنا کسی اور وجہ سے نہیں صرف اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ اللہ رسول کے دشمن ہیں صحابہ اللہ رسول کے دوست ہیں تو صحابہ کی حمایت میں کفار سے جنگ کرو **ومن یشاقق اللہ ورسولہ فان اللہ شدید العقاب** یہ فرمان عالی یا تو مذکورہ قتل و مار کی وجہ سے ہے یا اس میں آخرت کے عذاب کا ذکر ہے یعنی جو اللہ رسول کا مخالف ہو تو اسے صرف دنیاوی عذاب ہی نہیں دیا جاتا بلکہ اسے سخت آخرت کا عذاب دیا جاوے گا کیونکہ اللہ کا عذاب بہت ہی سخت ہے **ذلکم فذوقوہ وان للکفرین عذاب النار** اس فرمان عالی کی نحوی ترکیبیں بہت ہیں آسان ترکیب یہ ہے کہ **ذالکم** سے پہلے **ذوقوا** فعل پوشیدہ ہے اور **فذوقوا** اس پوشیدہ فعل کی تفسیر ہے اور وان الکفرین میں واؤ * بمعنی مع ہے معنی یہ ہیں کہ اے کافرو یہ مذکورہ عذاب تو دنیا میں چکھ لو اس کے ساتھ ہی تم کو آخرت میں دوزخ کا عذاب بھی ہے دنیا کا عذاب تو نہایت ہی ہلکا ہے اس لئے اس کے لئے چکھنا ارشاد ہوا اصل عذاب تو آخرت کا ہے (روح المعانی) چونکہ وہ دنیاوی عذاب سارے کافروں کو ہے اس لئے **ذلکم** جمع ارشاد ہوا یا اس جمع سے اشارہ مذکورہ بہت سے عذابوں کی طرف ہے یعنی چکھو ان عذابوں کو آگ کا عذاب ان کے سوا ہے اس کے علاوہ اس جملہ کی اور بھی ترکیبیں اور تفسیریں ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ آپ اپنے جاں نثار صحابہ غازیان بدر کو یہ بھی یاد کراؤ یا ان سے اس کا ذکر بھی کرو کہ جو فرشتے

ان کی مدد کے لئے بدر میں بھیجے گئے تھے ہم نے ان سے بذریعہ وحی یا الہام کہہ دیا تھا کہ اے فرشتو اس میدان بدر میں جانے کی برکت سے تم کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تم ہمارے مقرب خاص ہو گئے اب تمہارا کام تو یہ ہے کہ ان غازی مومنوں کی ہمت بڑھاؤ انہیں ثابت قدم رکھو کہ تم ان کے دل میں ڈال دو کہ فتح تمہاری ہے بلکہ شکل انسان میں ان کے سامنے جا کر فتح کی بشارت کا اعلان کر دو ہمارا کام یہ ہے کہ وقت جنگ ہم کفار بدر کے دلوں میں ان تھوڑے بے سر و سامان مسلمانوں کی ہیبت ڈال دیں گے یہ دونوں کام تو جنگ شروع ہونے سے پہلے ہوں گے پھر جب جنگ شروع ہو جاوے تو تم مسلمانوں کے ساتھ مل کر کفار کی کھوپڑیوں پر بھی چوٹ لگاؤ جس سے وہ ہلاک ہو جاویں اور ان کے جوڑ جوڑ پر بھی مارو جس سے وہ اگرچہ ہلاک نہ ہوں مگر بیکار ہو جاویں آئندہ جنگ کے قابل نہ رہیں تم ان کو یہ سزا اسی لئے دو کہ انہوں نے اللہ رسول کی مخالفت کی ہے اور ہمارا قانون یہ ہے کہ جو اللہ رسول کا مخالف ہو اسے اللہ تعالٰی سخت عذاب دیتا ہے اے کافرو تم بدر کا یہ عذاب تو ابھی دنیا میں چکھ لو چونکہ تم کافر ہو لہذا تمہارا آگ کا عذاب اس کے علاوہ ہے۔ خیال رہے کہ غزوہ بدر سترہ (17) رمضان جمعہ کے دن 2 ہجری میں واقع ہوئی فرشتوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ کی بہت صحابہ نے اس کا مشاہدہ کیا اس میں ستر کفار مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے حضرت عباس ابن عبدالمطلب کو حضرت ابوالیسر کعب ابن عمرو سلمی نے گرفتار کیا حضور انور نے حضرت ابوالیسر سے پوچھا کہ تم دبلے پتلے آدمی ہو اور جناب عباس بھاری بھرکم تم نے انہیں کیسے گرفتار کر لیا وہ بولے کہ اس کام میں میری مدد ایسے شخص نے کی جسے میں نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اور اب بھی نظر نہیں آ رہا ہے اس کی شکل ایسی ایسی ہے حضور انور نے فرمایا تمہاری مدد فرشتے نے کی وہ فرشتہ تھا (تفسیر خازن)۔

ابولہب کی موت حضرت ابورافع جو حضرت عباس کے غلام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے گھر میں اسلام تو ہجرت نبوی سے پہلے ہی داخل ہو چکا تھا حضرت عباس اپنا اسلام کفار مکہ کے خوف سے ظاہر نہ کر سکے تھے حتی کہ وہ بدر میں کفار کے ساتھ بھی انہیں کے خوف سے چلے گئے تھے ابولہب نے اپنی جگہ عاص ابن ہشام ابن مغیرہ کو بھیج دیا تھا مگر خود مکہ معظمہ میں سخت بے چین و بے قرار تھا جب بدر میں کفار کی شکست کی خبریں پہنچیں تو اس کی بے قراری اور بھی بڑھ گئی یہ کمزور سا آدمی تھا زمزم کے پاس بیٹھا ہوا اپنے تیر سیدھے کر رہا تھا میری مولات ام الفضل یعنی حضرت عباس کی بیوی میرے پاس بیٹھی تھیں کہ ابولہب بھی آ گیا شور مچا کہ بدر سے ابوسفیان ابن حارث ابن عبدالمطلب واپس آئے ہیں وہ بھی ابولہب کے پاس آ گئے اور کفار جمع ہو گئے ابولہب نے ان سے پوچھا کہ تم بدر کی جنگ کا چشم دید واقعہ مجھے سناؤ ابن حارث نے سارا واقعہ بدر سنایا اس دوران میں یہ کہا کہ ہم نے مسلمانوں کے ساتھ سفید عمامے والے چت کبرے گھوڑوں پر سوار ایسے لوگ دیکھے جنہیں کبھی نہ دیکھا تھا یہ آسمان و زمین کے درمیان فضا سے اترتے تھے ابورافع کہتے ہیں کہ یہ سن کر میرے منہ سے نکلا کہ یہ تو آسمانی مدد تھی اس پر ابولہب مجھ پر پل پڑا مجھے زمین پر پٹخ دیا میرے سینہ پر بیٹھ گیا اس پر ام الفضل کو غیرت آئی کہ میرے غلام کو کیوں مار رہا ہے انہوں نے ایک چوب اٹھا کر ابولہب کے سر میں ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا اور بولیں کہ کیا تو ابورافع کو اس لئے مار رہا ہے کہ اس کا مولی عباس قید ہو گیا ابھی میں تو موجود ہوں ابولہب ان سے کچھ نہ کہہ سکا میرے سینہ سے اتر کر زخمی حالت میں چلا گیا پھر قدرتی طور پر اس کے پاؤں میں ایک زہریلا دانہ نکلا جس سے وہ ساتویں دن مر گیا (تفسیر خازن) معلوم ہوا کہ غلام کی بے عزتی سے مولی کو غیرت آتی ہے یونہی

ہماری بے عزتی سے ہمارے آقا ﷺ کو غیرت آئے گی ہم بے مالک نہیں ہم مالک والے ہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** غازیان بدر کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے وہ اللہ کے نہایت ہی مقبول بندے ہیں، جو مومن ان کے ساتھ ہو جاوے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بھی ہو جاتا ہے یہ فائدہ **انی معکم** سے حاصل ہوا کہ جب وہ فرشتے ان غازیوں کے ساتھ ہو گئے تو اللہ ان کے ساتھ ہو گیا اور ان غازیوں کے ساتھ اللہ اس لئے ہو گیا کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ ہو گئے۔ شعر۔

ان کے در کا ہو ہوا خلق خدا اسکی ہوئی ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا

ہر کہ خواہد ہم نشیند باخدا او نشیند در حضور اولیاء

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ طاقت دی ہے کہ وہ مومنوں کا دل مضبوط رکھتے ہیں ان کے قدم جما دیتے ہیں جس پر نظر کرتے ہیں اس کے دل کو سکون ہو جاتا ہے یہ فائدہ **فثبتوا** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر تو حضور ﷺ کی نگاہ ان کی نظر کی تاثیر کا کیا کہنا۔

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

تیسرا فائدہ: فرشتوں کے ذریعہ سکون و چین مسلمانوں کو نصیب ہوتا ہے حضور انور کی شان اس سے وراء ہے آپ کو سکون و چین براہ راست رب تعالیٰ نے دیا ہے یہ فائدہ **الذین امنوا** سے حاصل ہوا حضور انور کے ذریعہ تو مومنوں بلکہ فرشتوں اور جن و انس کو سکون ملتا ہے حضور کے ذریعہ تو جانوروں لکڑیوں شیر خوار بچوں کو چین و سکون ملا ان کی یاد سے غم دور ہوتے ہیں۔

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں۔

رب فرماتا ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** ذکر اللہ حضور ﷺ ہیں **قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا**

چوتھا فائدہ: جیسے فوج کی کثرت ہتھیاروں مددگاروں کی زیادتی دشمن کے دلوں میں رعب پیدا کرتی ہے ایسے ہی دل کے ایمان تقویٰ سے دشمن کے دل میں رعب پیدا ہوتا ہے یہ فائدہ **سالقی فی قلوب** سے حاصل ہوا دیکھو بدر میں غازی تھوڑے تھے اور بے سروسامان مگر کفار کے لشکر جرار کے دل میں ان کا رعب چھا گیا ان کی قوت ایمان سے۔ **پانچواں فائدہ:** جنگ میں مومنوں کے دل میں سکون اور کفار کے دل میں رعب ہونا اللہ کی بڑی ہی مہربانی ہے یہ دو چیزیں اگر جمع ہو جاویں تو انشاء اللہ مسلمانوں کی فتح یقینی ہے۔ **چھٹا فائدہ:** نبوت کا فن مبارک ہے اس کا ماخذ یہی آیت ہے اس فن میں مقابل کے سر اور جوڑوں پر چوٹ مارنا ہی سکھایا جاتا ہے یہ فائدہ اعناق اور کل بنان سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** غزوہ بدر میں فرشتوں نے مسلمان غازیوں کے ساتھ کفار سے جنگ کی یہ فائدہ **فاضربوا** سے حاصل ہوا کہ اس میں خطاب فرشتوں سے ہے جو حضرات فرماتے ہیں کہ جنگ نہ کی وہ کہتے ہیں کہ **فاضربوا** میں خطاب مسلمانوں سے ہے بہت صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم کافر کو مارنے کا ارادہ کرتے تھے ہماری تلوار اس کی گردن پر نہیں پہنچتی تھی اور اس کی گردن کٹ جاتی تھی چنانچہ ابو داؤد مازنی سہیل ابن حنیف وغیرہ غازیان بدر نے حضور انور سے یہ واقعہ عرض کیا تو فرمایا یہ فرشتوں کی مدد تھی (تفسیر خازن)۔ **آٹھواں فائدہ:** غزوہ میں مسلمان کافروں سے صرف اس لئے لڑیں کہ یہ اللہ رسول کے دشمن ہیں اس کے سوا اور کوئی نیت نہ ہو انشاء اللہ فتح ہو گی یہ

فائدہ **بانهم شاقوا الله ورسوله** سے حاصل ہوا یوں ہی جہاد میں کلمۃ اللہ بلند کرنے اللہ رسول کی رضا کے لئے جائے اپنی نام وری ملک گیری، غنیمت حاصل کرنے کی نیت ہرگز نہ ہو کہ وہ چیزیں خود حاصل ہو جائیں گی گندم بوؤ بھوسہ خود ملے گا۔ **نواں فائدہ**: حضور ﷺ کی مخالفت و دشمنی رب تعالیٰ کی مخالفت اس سے دشمنی ہے یہ فائدہ **شاقوا الله ورسوله** سے حاصل ہوا دیکھو کفار صرف حضور انور کے دشمن تھے مگر رب نے فرمایا اللہ رسول کے دشمن یوں ہی حضور کا دوست رب کا دوست ہے۔ **دسواں فائدہ**: آگ کا عذاب صرف کفار کے لئے ہے گنہگار مومن گناہوں سے پاک و صاف ہونے کے لئے وہاں رکھے جائیں گے یہ فائدہ **للكافرين** کو عذاب النار پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کو کفار کا خوف تھا کیونکہ رب نے فرمایا **انی معكم** تم ڈرو مت میں تمہارے ساتھ ہوں جیسے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا **لا تخافا اننى معكما** کافروں سے ڈرنا فرشتوں کی شان کے خلاف ہے۔ **جواب**: اس فرمان عالی کا مقصد وہ ہے جو ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کر دیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس غزوہ میں ان صحابہ کے ساتھ ہو اور وہ حضرات ہمارے محبوب کے ساتھ ہیں اور میں اپنے محبوب کے ساتھ ہوں تو اس دور کی نسبت کی وجہ سے میں تمہارے بھی ساتھ ہوں۔

مجھے ہے دل سے الفت دل کو تم سے تم کو غیروں سے　　　میں اپنے دل کو چاہوں تم کو چاہوں چاہوں غیروں کو

دوسرا اعتراض: جب حضور انور سے دلوں کو چین ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے تو حضور کے ہوتے فرشتوں کی کیا ضرورت تھی کیا حضور دل کے چین کے لئے کافی نہ تھے فرشتوں سے کیوں فرمایا **فثبتوا الذين امنوا** (وہابی) **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ کے ہوتے فرشتوں کی کیا ضرورت تھی کیا رب تعالیٰ انہیں سکون و چین دینے کے لئے کافی نہ تھا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ تارے سورج سے نور لے کر دنیا کو دیتے ہیں اس وقت فرشتے حضور انور کا یہ فیض سکون مومنوں کو دے رہے تھے اللہ نے حضور انور کو ایمان، عرفان، عزت، چین، سکون، قرار کا مرکز بنایا ہر ایک کو ہر نعمت اس مرکز سے ملتی ہے بلاواسطہ ہو یا واسطہ سے۔

ایک تم ہی تو آس ہو قلب گنہگار میں　　　تم ہی ہو چین اور قرار ہر دل بے قرار میں

تیسرا اعتراض: فرشتوں کو کفار کی گردنوں پر ان کے جوڑوں پر مارنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو سارے کفار کو آن کی آن میں فنا کر سکتے ہیں پھر ان سے یہ کیوں فرمایا کہ ان کی گردنوں پر اور جوڑوں پر مارو۔ **جواب**: اس کا جواب پچھلی آیت میں دیا جا چکا ہے کہ بدر میں فرشتے کفار کو ہلاک کرنے نہیں آئے تھے کہ بچے ہوئے کفار ایک دن مومن ہونے والے اور اسلام کی خدمت کرنے والے تھے صرف غازیوں کی ہمت افزائی عزت افزائی اور ان کے کام کی تکمیل کے لئے آئے تھے کہ غازی نے کافر پر تلوار اٹھائی اور فرشتہ نے گردن کاٹ دی۔ **چوتھا اعتراض**: اس آیت میں **للكافرين** کو پہلے لایا گیا ہے اور عذاب النار کو پیچھے جس سے حصر کا فائدہ ہوا تو کیا گنہگار مومن دوزخ میں نہیں جائیں گے حالانکہ مومن کو قتل کرنے والا از روئے قرآن دوزخ میں جاوے گا **ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم** یوں ہی شرابی، جواری، زانی دوزخی ہیں از روئے حدیث۔ **جواب**: بے شک گنہگار مومن دوزخ میں عذاب نہ دیئے جائیں گے بلکہ گناہوں سے پاک و صاف کئے جائیں گے پھر وہاں سے

نکال لئے جائیں کے جنگی میں کوئلہ جلنے کو جاتا ہے اور سونا صاف ہونے کو۔ **پانچواں اعتراض**: ان آیات میں ثابت قدمی کو فرشتوں کی طرف نسبت کیا گیا کہ فرمایا گیا **ثبتوا** اور رعب ڈالنے کو رب کی طرف کہ ارشاد ہوا **سالقی** اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ **جواب**: اس میں غازیان بدر کی عزت افزائی ہے کہ اے فرشتو یہ غازی ہمارے کام کے لئے نکلے ہیں تو ان کا ایک کام تم کرد انہیں ثابت قدم رکھنا اور ان کا دوسرا کام ہم کرتے ہیں دشمن کے دل میں رعب ڈال دینا سبحان اللہ کیا کرم نوازی ہے بھلا کوئی ٹھکانا ہے بندہ نوازی کرم پروری کا کہ اپنے لئے فرمایا رؤف رحیم اور اپنے حبیب کے لئے فرمایا **وبالمومنین رءوف رحیم** یعنی ہم منگتے ایک اور داتا دو۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم   صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

یہ ساری بہاریں اس دولہا کے دم کی ہیں۔

ہے جہاں میں جن کی چمک دمک ہے چمن میں جن کی چہل پہل
وہ ہی اک مدینہ کے چاند ہیں سب انہیں کے دم کی بہار ہے

تفسیر صوفیانہ: بدر اکبر کا واقعہ ایک دفعہ ہو چکا نصیب ور لوگ بہت کچھ لے گئے مگر بدر اصغر تاقیامت قائم ہے دنیا گویا بدر کا میدان ہے مومنوں کے دل گویا غازیوں کا لشکر ہے ان کے نفس امارہ اور ابلیس اور اس کی ذریت گویا کفار بدر کی فوج ہے مومن کے دل اس فوج سے برسرپیکار ہیں اللہ تعالیٰ اس جنگ میں اپنے غیبی فرشتے ان پر نازل فرماتا ہے انہیں حکم دیتا ہے کہ مومنوں کو دنیاوی مصیبتوں تکالیف شیطانی اثرات نفس لوامہ کے خطرات کے مقابل ثابت قدم رکھو کہ ان کے قدم ڈگمگانہ جائیں دوسرا کام میرا ہے کہ ان کے مقابل تمام دشمنوں کو مرعوب و مغلوب کروں گا مومن ہزار مصیبتوں میں گھر کر نہیں گھبراتا کہ اس پر اللہ رسول کا ہاتھ ہے حکم ہے کہ ان رکھوتوں کو فنا اور بیکار کر دو تم اللہ رسول کے دھڑے کے ہو یہ مقابل شیطان کے دھڑے کے ہیں **اولئک حزب الشیطن**۔ مومن کے ایمان کا رعب ساری خلق پر ہوتا ہے حضرت عمر کے حکم سے دریائے نیل جاری ہوا اور آج تک جاری ہے آپ کے حکم سے زمین نے جو سونا ہوا تیل اس کی مالکہ کو واپس کر دیا اگل دیا حضرت سفینہ کے سامنے شیر دم ہلا تا ہوا چلا تو تم خدا کے ہو جاؤ خدائی تمہاری ہے۔

توہم گردن از حکم داور مپیچ   کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کی معیت چاہتے ہو تو ان کے ساتھ رہو جو رسول اللہ کے ساتھ ہیں اللہ کی معیت بہت قسم کی ہے مدد کی ہمراہی، رحمت و کرم کی ہمراہی، قرب خاص کی ہمراہی، محبت کی ہمراہی، غضب و قہر کی ہمراہی یہاں محبت و کرم کی ہمراہی مراد ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے جب ٹھہرو تم ان لوگوں سے جو کافر ہوئے تو مت پھیرو تم ان سے
اے ایمان والو جب کافروں کے لام سے تمہارا مقابلہ ہو تو انہیں پیٹھ نہ دو

الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا

پیٹھیں　اور وہ جو پھیرے گا ان سے اس دن پیٹھ اپنی مگر داؤں چلتے ہوئے جنگ کا

اور جو اس دن انہیں پیٹھ دے گا مگر لڑائی کا ہنر کرنے کو یا اپنی جماعت میں جا ملنے کو

اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ

یا ملنے والا طرف لشکر کے پس بے شک لوٹا وہ غضب میں اللہ کی طرف سے اور ٹھکانہ اس کا

تو وہ اللہ کے غضب میں پلٹا　اور اس کا ٹھکانہ　دوزخ ہے　اور کیا بری

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

دوزخ ہے اور بری ہے واپسی کی جگہ

جگہ پلٹنے کی

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں مومنوں کو بدر میں ثابت قدم رکھنے ان پر فرشتے نازل فرمانے کا ذکر ہوا اب ان نعمتوں پہ شکریہ کا حکم دیا جارہا ہے یعنی جہاد میں ڈٹ کر ثابت قدم رہنا پیٹھ نہ دکھانا۔ ہر نعمت کا شکریہ اس کے مطابق ہوتا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار پر حملہ کا حکم دیا تھا ان کی کھوپڑیوں اور ہر جوڑ پر چوٹ مارو اب حکم دیا جارہا ہے کہ کبھی انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ کیونکہ اس مار کی شرط تمہاری ثابت قدمی ہے گویا مقصودی عبادت کا ذکر پہلے ہوا تھا اس کی شرط اول یعنی استقامت کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ کافروں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔ اب ارشاد ہے کہ انہیں اس آگ تک لے مسلمانوں تم پہنچاؤ کہ ان سے ڈٹ کر مقابلہ کرو انہیں جہنم رسید کرو گویا کفار کا ٹھکانہ ذکر فرمانے کے بعد انہیں ٹھکانے تک پہنچانے کا ذکر ہے۔ جس کی شرط مسلمان غازیوں کی استقامت ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں بحالت جہاد استقامت کے فوائد بیان ہوئے اب ان آیات میں بحالت جہاد گھبرا جانے کے نقصانات کا تذکرہ ہے۔ **فقد باء بغضب من اللہ** گویا مفید چیز کے فوائد کے بعد مضر چیز کے نقصانات کا ذکر ہے۔

تفسیر: **یایھا الذین امنوا** قوی یہ ہے کہ یہ خطاب صرف غازیان بدر سے نہیں بلکہ تاقیامت سارے مسلمانوں سے ہے کیونکہ کفار سے جہاد تاقیامت جاری ہے تو یہ احکام جہاد بھی تاقیامت جاری ہیں جہاد کا تعلق کچھ شرائط کے ماتحت سارے مسلمانوں سے ہے تو یہ خطاب بھی انہی سارے مسلمانوں سے ہی ہے **اذا لقیتم الذین کفروا زحفا** "یہاں اذا ظرفیہ ہے۔ بمعنی شرط اسی لئے **فلا تولوھم** میں ف جزائیہ آئی **لقیتم** سے مراد ہے جہاد میں کفار سے مڈھ بھیڑ اور مقابلہ ہونا روح البیان نے فرمایا کہ یہاں **لقیتم** ۔ بمعنی ردلتم ہے یعنی جب تم کفار کو اپنے مقابلہ میں آتا دیکھو **کفروا** میں سارے حربی کفار داخل ہیں اہل کتاب ہوں یا مشرکین منافق یا ذمی کفار مراد نہیں کہ اسلامی حاکم پر انکی حفاظت لازم ہے **زحفا** یا تو **لقیتم** کے فاعل سے حال ہے یا الذین کفروا سے حال زحف مصدر ہے۔ بمعنی اسم فاعل زاحفین اس کی جمع زحوف آتی ہے زحف کے معنی

ہیں چھوٹے بچہ کا گھٹنے کے بل گھسیٹنا پھر ہر سست رفتاری کو زحف کہنے لگے اب اصطلاح میں بڑے بھاری لشکر کو زحف کہتے ہیں جو باجود تیز رفتاری کے آہستہ چلتا محسوس ہو کہ بڑی چیز کی تیز رفتاری سست محسوس ہوتی ہے رب فرماتا ہے **وتری الجبال تحسبھا جامدۃ وھی تمر مر السحاب** (روح المعانی) یعنی جب تم عظیم الشان لشکر بن کر کفار سے ملو یا کفر کے ٹڈی دل لشکر سے تمہارا مقابلہ ہو **فلا تولوھم الادبار** یہ **اذا لقیتم** کی جزا ہے **لا تولو** بنا ہے **تولیتہ** سے جس کا مادہ ولی۔ بمعنی قرب ہے باب تفعیل۔ بمعنی سلب ہے تو معنی ہوئے دور ہونا پھرنا یہاں۔ بمعنی پھیرنا ہے ادبار جمع ہے دبر کی۔ بمعنی انسان کے جسم کا نچلا حصہ گذشتہ کل کو دابر اور درخت کی جڑ کو دابر کہا جاتا ہے **ان دابر ھؤلاء مقطوع** مصبحین یعنی کفار کی طرف پیٹھ نہ کرو بھاگنا تو درکنار پیٹھ پھیرنا بھی جرم ہے **لا تولو** دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے پہلا مفعول **ھم** ہے دوسرا الادبار یعنی ان کو پیٹھ نہ دو انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ **ومن یولھم یومئذ دبرہ** اس فرمان عالی میں اس جرم کی سزا کا ذکر ہے **من** سے مراد ہے غازی مومن **یولھم** میں **ھم** سے مراد اپنے مقابل کفار ہیں **یومئذ** سے مراد ہے جہاد کا دن یعنی جو مسلمان غازی جہاد کے دن کفار کو پیٹھ دکھائے چونکہ پیٹھ دکھانے کی تین صورتیں ہیں ایک تو مقابلہ سے بھاگنے کے لئے جو کہ جرم ہے دوسرے دو وجہیں اور بھی ہیں جو جائز ہیں اس لئے ارشاد ہوا **الا متحرفا" لقتال** یہ ان دو جائز وجہوں میں سے ایک وجہ ہے الا کے معنی ہیں بغیر متحرفا **یول** کی ضمیر سے حال ہے متحرف بنا ہے **حرفتہ** سے۔ بمعنی تدبیر یا جنگی چال لقتال متعلق ہے متحرفا" کے جنگی چال کے لئے بھاگنے کی چند صورتیں ہیں۔ ا۔ غازی لشکر کفار کے مقابلہ سے بھاگا اس کے پیچھے ایک دو کافر بھاگے جب وہ اپنے لشکر سے الگ ہوئے یہ فورا" اچانک پلٹا اور انہیں قتل کر دیا۔ 2۔ یہ جگہ خطرناک ہوئی تھی غازی یہاں سے بھاگ کر محفوظ جگہ پہنچا وہاں سے حملہ کر دیا حضرت عبداللہ ابن جبیر نے یہ بھی معنی کئے ایک شاعر کہتا ہے۔

تفر ثم — نکر والحرب — کرو — فر

ہم بھاگیں گے پھر لوٹیں گے جنگ بھاگنے لوٹنے کا نام ہے۔ حضرت علی کا لقب ہے حیدر کرار "یعنی پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والا شیر" (از خازن 'معانی' کبیر وغیرہ)۔ 3۔ غازی یہاں سے بھاگے ان کے پیچھے کفار کی صف دوڑی جب وہ دوڑنے کے لئے تتر بتر ہوئی کہ اچانک ان پر پلٹ کر حملہ کر دیا سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ 4۔ غازی کفار کے سامنے سے بھاگے اور کفار کے پیچھے پہنچ کر ان پر حملہ آور ہو گئے غرضکہ یہ سب جنگی چالیں ہیں الحرب خدعۃ جنگ نام ہے دھوکہ کا بعض نے فرمایا کہ متحرف بنا ہے حرف سے۔ بمعنی کنارہ یا علیحدگی یعنی جنگ کے لئے مقابلہ سے علیحدہ کنارہ پر ہو کر لڑے **او متحیزا الی فئتہ** یہ عبارت معطوف ہے متحرفا" پر متحیز بنا ہے یا تو حاز یحوز سے تو یہ باب تفعلہ سے ہے اصل میں متحیوز تھا واو ی بن کر ی میں مدغم ہو گیا اگر حاز یحیز سے ہے تو یہ باب تفعیل سے ہے (از کبیر) بہر حال حوز یا حیز کے معنی ہیں جمع ہونا یا ملنا اب ملنے کے لئے کسی سے بٹنے کو بھی حوز یا حیز کہتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہے **فئتہ** کے معنی ہیں جماعت گروہ یعنی غازی اس لئے میدان سے بھاگے کہ یہاں وہ اکیلا تھا اس کی جماعت یا امیر دوسری جگہ تھے یہ وہاں پہنچ کر کفار سے لڑے تب بھی گنہگار نہیں **فقد باء بغضب من اللہ** یہ عبارت جزا ہے **من یولھم** کی اس میں اسی جرم کی دنیاوی سزا کا ذکر ہے باء بنا ہے بوء سے۔ بمعنی لوٹنا ب۔ بمعنی جمع ہے (ساتھ) یعنی ایسا شخص جو سوا ان دو وجہوں کے جہاد میں کفار کے مقابلہ سے بھاگا تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا شکست بدنامی کفار

کی غلامی اپنی جماعت کا وقار ختم ہو جانا سخت گناہ ہے **وماوٰہ جھنم** یہ اس کی اخروی سزا کا بیان ہے ماوٰی بنا ہے اوی سے بمعنی لوٹنا ماوی کے معنی ہیں لوٹنے کی جگہ یعنی ٹھکانہ یعنی ایسے بزدل کا ٹھکانہ آخرت میں دوزخ ہے **وبئس المصیر** دوزخ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ مصیر اور ماوی کے ایک ہی معنی ہیں یعنی خیال رکھنا کہ دوزخ بہت ہی بری جگہ ہے سزا پانے والوں کے لئے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت میں میدان جہاد سے ہٹنے وہاں سے پیٹھ پھیرنے کی تین صورتیں بیان فرمائی گئیں جن میں سے ایک گناہ کبیرہ ہے اور دو جائز چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے مسلمانو جب تم کفار کے لشکر جرار سے بھڑو یا اس کے مقابل جاؤ تو خیال رکھنا کہ اس وقت انہیں پیٹھ نہ دکھانا بھاگ نہ جانا جو کوئی جہاد کے دن کفار کے مقابلہ سے بھاگے گا وہ دنیا میں تو اللہ کا غضب لے کر لوٹے گا کہ موت تو اسے وقت پر ہی آوے گی مگر ایسی حرکت سے وہ گناہ 'بدنامی 'مسلم قوم کی رسوائی' کفار کی جرات بڑھ جانا' مسلمانوں کی ہمت ٹوٹ جانا وغیرہ کا داغ لے کر لوٹے گا اور آخرت میں اس کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا دوزخ مجرم کے لئے بڑی ہی بری جگہ ہے جس کا عذاب برداشت سے باہر۔ ہاں دو صورتیں ہیں جن میں یہ کام جائز ہے ایک یہ کہ غازی کا یہ ہٹنا کسی جنگی چال کی بنا پر ہو مثلاً" اس لئے کہ غازی بھاگے کچھ کافر اس کے پیچھے بھاگیں جب وہ اپنی فوج سے کٹ جائیں تو یہ اچانک پکڑ کر ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دے یا ان کے سامنے سے بھاگے تاکہ پیچھے سے جا کر ان پر ٹوٹ پڑے یا اپنا بھاگنا دکھا کر انہیں مطمئن کر دے رات کو ان پر شب خون مارے وغیرہ دوسرے یہ کہ غازی تھوڑے تھے سامنے لشکر کفار بہت تھا اسلامی لشکر اور جگہ تھا یہ یہاں سے بھاگ کر اپنے لشکر سے جا ملے پھر ان سے مل کر بڑا حملہ کر دے یہ دونوں صورتیں جائز بلکہ ثواب ہیں کہ یہ بھاگنا نہیں بلکہ جہاد کی ایک چال ہے۔

روایت: بخاری نے ادب المفرد میں اور احمد 'ابوداؤد' ابن ماجہ اور ترمذی' ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی کہ حضور انور ﷺ نے ہم کو ایک لشکر میں بھیجا وہاں ہمارے قدم اکھڑ گئے ہم مدینہ منورہ گئے مگر شرم سے حضور اقدس کی خدمت میں نہ آسکے کہ ہم کس منہ سے سامنے جائیں۔

در اقدس پہ میرا دل ہے لرزاں — کہ ان کا سامنا ہے اور میں ہوں!

آخر کار جھجکتے کانپتے حاضر ہوئے فجر سے پہلے کا وقت تھا فرمایا کون ہم نے عرض کیا حضور ہم ہیں بھگوڑے فرمایا تم فرار یعنی بھگوڑے نہیں بلکہ عکار یعنی اپنی پناہ کے پاس آنے والے ہو پھر فرمایا **انا فئتہ المسلمین** میں مسلمانوں کی پناہ ہوں۔

دوسری روایت: خلافت فاروقی میں ایک شخص قادسیہ کے میدان سے بھاگ کھڑا ہوا حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا بولا میں تو ہلاک گیا جہاد سے بھاگ آیا فرمایا میں تیری پناہ ہوں تو اپنی پناہ کے پاس آیا ہے (روح المعانی) خیال رہے کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ حکم صرف غازیان بدر کے لئے تھا دوسرے غازیوں پر یہ سختی نہیں کیونکہ اس غزوہ میں حضور انور بنفس نفیس موجود تھے نیز وہ پہلا غزوہ تھا اگر اس وقت یہ سختی نہ کی جاتی تو بڑی بدنامی ہوتی حضرت قتادہ' حسن' ضحاک کا یہ ہی قول ہے (خازن' کبیر وغیرہ) محمد ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق کو حضرت ابو عبیدہ کے قتل کی خبر پہنچی تو فرمایا کاش وہ

میرے پاس آ جاتے میں مسلمانوں کی پناہ ہوں (خازن) بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت کی چند صورتیں ہیں جن میں ایک صورت منسوخ ہے۔

منسوخ صورت یہ ہے کہ کہ کفار مومنین سے دوگنے سے زیادہ ہو جائیں تو مسلمان ان کے مقابل سے ہٹ سکتے ہیں ناسخ یہ آیت ہے **الئن خفف اللہ عنکم و علم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائتہ صابرۃ یغلبوا مائتین** یہ قول عطاء ابن ابی رباح کا ہے (خازن) بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ حکم تاقیامت بعینہ باقی ہے کسی حالت میں بھی مسلمان غازی کو کفار کے مقابلہ سے بھاگنا جائز نہیں دشوار ہے اگرچہ شہید ہو جاوے کیونکہ **یایھا الذین امنوا** سب کو شامل ہے (تفسیر خازن) حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر ایک مسلمان تین کافروں سے جہاد میں بھاگا تو وہ بھگوڑا نہیں اگر دو کافروں سے بھاگا تو بھگوڑا ہے ترجیح اسی قول کو ہے اکثر علماء کا یہی قول ہے (خازن بیضاوی)۔

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جہاد میں دو چیزیں بہت ضروری ہیں اللہ کا ذکر اور ثابت قدمی انشاء اللہ فتح قدم چومے گی رب فرماتا ہے **اذا لقیتم فئتہ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون** یہ فائدہ **فلا تولوھم** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** استقامت ہر برحق جہاد میں چاہئے خواہ کفار سے ہو یا مرتدین سے یا باغیوں سے یا خوارج سے ہاں باغیوں سے جنگ میں یہ رعایت ہوگی کہ ان کے بھاگتوں کا پیچھا نہ کیا جاوے گا ان کا مال غنیمت نہ بنایا جاوے گا ان کے قیدیوں کو لونڈی غلام نہ بنایا جاوے گا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جناب معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کے وقت یہ ہی حکم دیا تھا اور فرمایا تھا **اخواننا بغوا علینا** یہ ہمارے بھائی ہیں ہم سے بغاوت کر بیٹھے اور جنگ جمل میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب ہتھیار ڈال دیئے تو ان کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جو بیٹا اپنی ماں سے کرتا ہے۔ مرتد مردوں کو صرف قتل ہے یا اسلام۔ اسلام میں مرتدہ عورتوں کے لئے قید بھی ہے اس کے لئے حضرت ابوبکر صدیق کا عمل مشعل راہ ہے جو آپ نے جنگ یمامہ پر کیا کہ حضرت خولہ بنت جعفر لونڈی بنائی گئیں پھر آزاد کر کے حضرت علی کے نکاح میں دی گئیں۔ یہاں کفار سے جہاد کا ذکر ہے۔ **تیسرا فائدہ:** جہاد میں دشمن کو دھوکہ دینا جائز بلکہ ثواب ہے مثلاً دھوکے کے لئے بھاگ جانا پھر پلٹ کر اچانک حملہ کر دینا اپنی تھوڑی فوج کو بہت ظاہر کر دینا وعدہ خلافی اور جھوٹ وہاں بھی حرام ہے یہ فائدہ **الا متحرفا لقتال** سے حاصل ہوا حیدر علی والی میسور نے انگریزی فوج کے مقابلہ میں دس ہزار لڑکیوں کو وردی پہنا کر ہاتھوں میں لکڑی کی بندوقیں دے کر کھڑا کر دیا اس سے جنگ جیت لی حضور فرماتے ہیں **الحرب خدعتہ** **چوتھا فائدہ:** غازی کا اپنے مقابل کفار سے بھاگ کر اپنی جماعت سے جا ملنا بالکل جائز ہے کہ یہ بھاگنا نہیں بلکہ قوت حاصل کرنا ہے یہ فائدہ **او متحیزا** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جہاد سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے یہ فائدہ **فقد باء بغضب** سے حاصل ہوا حضور انور نے گناہ کبیرہ گنائے ان میں **تولی یوم الزحف** بھی فرمایا یعنی جہاد کے دن بھاگنا اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ **چھٹا فائدہ:** بعض گناہوں کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی جہاد میں بزدلی سے بھاگنا بھی انہی گناہوں میں سے ہے یہ فائدہ **بغضب من اللہ** اور **ماوہ** جہنم سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد میں بھاگ جانے والا سخت گنہگار غضب الٰہی کا مستحق اور دوزخی ہے تو حضرت عثمان غنی اور بہت سے صحابہ غزوہ احد میں بھاگ گئے تھے وہ سب دوزخی ہیں (روافض)۔ **جواب**: اللہ تعالٰی نے ان کے اس گناہ کی معافی کا اعلان فرمادیا کہ ارشاد فرمایا **ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعن۔ و لقد عفا اللہ عنھم** اب ان حضرات پر اعتراض کرنا ایسا ہی ہے جیسے آدم علیہ السلام پر گندم کھانے کا اعتراض یہ مذکورہ عذاب جب ہے جب رب نے معافی نہ دی ہو۔ **دوسرا اعتراض**: معافی کا اعلان احد والوں کے لئے تو ہو گیا مگر غزوہ حنین میں بھی صحابہ کے قدم اکھڑ گئے تھے اور وہ بھاگ پڑے تھے وہ اس آیت کے حکم میں داخل ہیں کہ ان پر غضب الٰہی بھی ہے اور وہ دوزخی بھی (روافض)۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب اس آیت میں موجود ہے جہاں یہ واقعہ مذکورہ ہے یعنی سورہ توبہ میں چنانچہ ارشاد ہے **ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المومنین و انزل جنودا** "یعنی اولا" ان کے پاؤں اکھڑ گئے پھر رب نے جما دیئے۔ وہ ہی لوگ لوٹے ان پر رب نے سکینہ اتارا انہیں کی مدد کے لئے فرشتے اترے انہوں نے جنگ فتح کی بعد کی استقامت کفارہ بن گئی مذکور سزا جب ہے جبکہ توبہ کفارہ نہ ہوا ہو۔ **تیسرا اعتراض**: بہت دفعہ غازی بھاگنے پر مجبور ہو جاتا ہے جبکہ اپنا قتل سامنے نظر آ رہا ہو۔ عجیب بات ہے کہ بہرحال غازی پر بھاگنا حرام ہو آگے بڑھتا یا کھڑا رہتا ہے تو خطرہ جان ہے پیچھے ہٹتا ہے تو خطرہ ایمان یعنی سامنے موت ہے پیچھے دوزخ اتنی سختی تو شان رحمت سے بعید ہے۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہ آیت کریمہ یا تو صرف بدر کے غازیوں کے لئے تھی یا کسی مذکورہ صورت اس آیتہ سے منسوخ کہ **الئن خفف اللہ** ایسے وقت غازی کو چاہیے کہ یہ نیت کرے کہ ابھی تو بھاگا جاتا ہوں انشاء اللہ اور صورت سے حملہ کروں گا تب اس فرمان عالی میں داخل ہو گا **او متحیزا الی فئتہ** علماء فرماتے ہیں کہ ایسے نازک اور خطرناک موقعہ پر ڈٹ جانا عزیمت ہے اور ہٹ جانا رخصت۔ **چوتھا اعتراض**: بھاگ جانے والا غازی کافر نہیں گنہگار ہے اور دوزخ ٹھکانہ کافر کا ہے نہ کہ گنہگار مومن کا پھر اس کے متعلق یہ کیوں ارشاد ہوا کہ **ماواہ جھنم** مومن خواہ کیسا ہی مجرم ہو اس کا انجام نجات و رہائی ہے۔ **جواب**: یہ فرمان عالی ایسا ہی ہے جیسے ارشاد ہوا کہ جو شخص کسی مومن کو عمدا" قتل کرے تو **فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا و غضب اللہ علیہ و لعنہ و اعد لہ** کہ اس سے مراد ہمیشہ رہنا نہیں بلکہ بہت دیر تک رہنا ہے یا یہ قانونی سزا ہونی چاہئے کیونکہ جرم بہت سنگین ہے معافی و کرم دوسری چیز ہے اس کے لئے وہ آیت ہے **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذلک لمن یشاء** اللہ تعالٰی کفر نہ بخشے گا اس کے سواء جسے چاہے بخش دے گا۔ **پانچواں فائدہ**: یہاں **زحفا**" کی قید کیوں لگائی کہ جب تم کفار کے لشکر جرار سے ملو یا تم لشکر جرار ہو کر ان سے ملو کیا لشکر نہ ہو تو حکم کچھ اور ہو گا۔ **جواب**: یہ قید لگا کر موجودہ بلووں کو نکال دینا مقصود ہے یعنی یہ حکم جہاد کے لئے ہے لیکن اگر کسی جگہ نہتے مسلمانوں پر کفار ٹوٹ پڑیں جیسے آج ہندوستان میں ہو رہا ہے تو مسلمان وہاں سے جان بچانے کے لئے بھاگ سکتے ہیں بلکہ ایسی مجبوری کی حالت میں تو منہ سے کفر بول دینا اور جان بچالینا جائز ہے۔ رب فرماتا ہے **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان** سیدنا جندع ابن ضمیرہ لیثی کا واقعہ اس کے متعلق مشہور و معروف ہے کہ وہ کفر بول کر مکہ سے جان بچا کر مدینہ منورہ پہنچے تھے اور فرماتا ہے **و من الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ** یہ ان کے متعلق ہے جو اپنا مال کفار مکہ کو

دے کر مدینہ منورہ پہنچے تھے خود حضور انور ﷺ نے کفار مکہ سے غار ثور میں پناہ لی۔

مسئلہ: جہاد سے بھاگنے والا فاسق ہے اس کی گواہی قبول نہیں تاوقتیکہ توبہ نہ کرے حضور انور نے گناہ کبیرہ ستر گنائے ہیں ان میں جہاد سے بھاگنا بھی ہے (تفسیر روح البیان)۔ **چھٹا اعتراض:** دھوکہ دینا بڑی ہی بری بات ہے اسے کوئی ملت والا اچھا نہیں کہتا پھر اسلام نے جہاد میں دھوکہ کیوں جائز رکھا رب نے فرمایا **متحرفا لقتال** اور حضور انور نے فرمایا **الحرب خدعۃ**۔ **جواب:** کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے دھوکہ دینا برا ہے مگر کسی کے شر سے بچنے کے لئے دھوکہ سے اس کی زد سے نکل جانا عقلاً" نقلاً" ہر طرح درست ہے جہاد میں اس قسم کا دھوکہ کفار کا زور توڑنے اور کفار کا شر مٹانے اور کم سے کم خون بہا کر فتح اسلام حاصل کرنے کے لئے بہانہ ہے بالکل درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ: غازی کو چاہئے کہ کفار کے مقابلہ میں دو عقیدے اور چند صفات لے کر جائے۔ عقیدہ ۱- بزدلی سے آئی ہوئی موت ٹل نہیں جاتی۔ 2 بہادری سے موت وقت سے پہلے نہیں آجاتی نیز غازی شیر کا سا بہادر دل لے کر جائے جو مقابلہ سے بھاگنا جانتا ہی نہیں وہ کرار ہے فرار نہیں۔ کبر میں چیتے کی طرح جو ہر ایک کو اپنے مقابل کمزور جانتا ہے بہادری میں گوہ کی طرح جو اپنے سارے اعضاء سے لڑتی ہے بھاری ہتھیار اٹھانے میں چیونٹی کی طرح ہو جو اپنے سے کئی گنا زیادہ بوجھ اٹھالیتی ہے ثابت قدمی میں پتھر کی طرح ہو جو اپنی جگہ سے ہلنا جانتا ہی نہیں موقع کی تلاش میں مرغ کی طرح ہو صف میں ثابت قدمی میں خشوع خضوع والے نمازی کی طرح۔ امیر کی اطاعت میں مقتدی نمازی کی طرح ہو جس کی ہر حرکت و سکون امام کے تابع ہوتے ہیں اگر یہ صفات لے کر غازی میدان میں جاوے گا تو انشاء اللہ فتح و ظفر پائے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ میدان جہاد خوش نصیبوں کے لئے کچھ پانے کا مقام ہے شہادت یا فتح اور غنیمت اور بد نصیبوں کے لئے گمانے کی جگہ ہے خوش نصیب غازی مر کر بھی جی جاتا ہے بد نصیب بھگوڑا جی کر بھی مر جاتا ہے کہ پھٹکار و لعنت سے جیتا ہے دوزخ مجرموں کے لئے برا ٹھکانہ ہے مگر شفاعت کرنے والے مومنوں کے لئے شفاعت خانہ ہے کہ وہ حضرات بے دھڑک وہاں کود کر دوزخی مسلمانوں کو نکالیں گے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ
پس نہیں قتل کیا تم نے انہیں اور لیکن قتل کیا انہیں اللہ نے اور نہیں پھینکی تم نے اور لیکن اللہ نے پھینکی
تو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے
وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝
اور تاکہ دے وہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے عطیہ اچھا تحقیق اللہ سننے والا جاننے والا ہے
نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی، اور اس لئے کہ مسلمانوں کو اس سے اچھا انعام عطا فرمایا ہے بے شک اللہ

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

یہ اور یہ شک اللہ کمزور کرنیوالا ہے فریب کا فروں کا

سننا جانتا ہے یہ تو لو اور اس کے ساتھ یہ ہے کہ اللہ کافروں کا داؤ سست کرنیوالا ہے۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں غازیان بدر کی اس امداد کا ذکر ہوا جو فرشتوں کے ذریعہ کی گئی اب ان ہی غازیوں کی اس مدد کا ذکر ہے جو بلاواسطہ خود رب نے کی **ولکن اللہ رمی دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ رسول کی پوری اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا گیا تھا اب اس کے نتیجہ اور انعام کا ذکر ہے کہ تم نے یہ عمل کیا تو تم کو فنافی اللہ کا درجہ نصیب ہوا کہ تمہارے کام رب کے کام قرار پائے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں خطرناک حالات میں بھی ثابت قدمی کا حکم دیا گیا اب اس استقامت کا انجام بیان ہو رہا ہے یعنی مومنوں کی قوت اور کفار کی کمزوری **ان اللہ موھن کید الکفرین۔ چوتھا اعتراض**: پچھلی آیات میں غزوہ بدر کے موقعہ پر آسمانی امداد کا ذکر تھا اب مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اس فتح کو اپنی طاقت و قوت کا نتیجہ نہ سمجھو اور فخر نہ کرو بلکہ رب تعالیٰ کا کرم جانو اور اس پر اس کا شکر کرو گویا فخر سے روکا شکر کا حکم دیا۔

شان نزول: جب حضور ﷺ نے بدر میں غازیوں کو اتارا تو دو شخص حضور انور کی خدمت میں لائے گئے اسلم جو بنی حوج کا غلام تھا ابو یسار جو بنی عاص ابن سعد کا غلام تھا انہیں غازیان بدر پکڑ کر حضور کے پاس لائے ان سے حضور انور نے پوچھا کہ کفار مکہ کتنی تعداد میں ہیں وہ بولے بہت ہیں مگر ہم کو پوری گنتی نہیں معلوم فرمایا روزانہ کتنے اونٹ ان کی خوراک کے لئے ذبح ہوتے ہیں وہ بولے ایک دن دس دوسرے دن نو حضور انور نے فرمایا کہ وہ نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہیں پھر پوچھا کہ ان میں سردار ان قریش کتنے ہیں وہ بولے کہ عتبہ ابن ربیعہ' شیبہ ابن ربیعہ' ابو البختری ابن ہشام' حکیم ابن حزام' حارث ابن عامر' طعمہ ابن عدی' نضر ابن حارث' عمرو ابن ہشام یعنی ابو جہل' امیہ ابن خلف' نبیہ ابن حجاج' منیہ ابن حجاج' سہیل ابن عمرو یہ بارہ تو چوٹی کے سردار ہیں باقی ان کے علاوہ ہیں حضور انور نے فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر پارے نکال پھینکے ہیں پھر عرض کیا اے میرے رب یہ قریش یہاں فخر و تکبر کرتے آئے ہیں انہوں نے تیرا مقابلہ کیا تیرے نبی کو جھٹلایا تو نے مجھ سے جس فتح کا وعدہ فرمایا ہے وہ پورا کر پھر جناب علی سے فرمایا کہ مجھے ایک مٹھی خاک دو آپ نے پیش کی حضور انور نے شاہت الوجوہ کہہ کر وہ خاک کفار کی طرف پھینکی تو سارے کفار کی دونوں آنکھوں میں وہ دھول پڑ گئی بلکہ نتھنوں اور منہ میں بھی۔

میں تیرے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جس سے سارے کافروں کا دفعتہ منہ پھیر گیا

یہ واقعہ فتح بدر کا پیش خیمہ ہوا پھر چند گھنٹوں میں مسلمانوں نے ستر کافر مار دیئے اور ستر گرفتار کر لئے ان کے اپنے 13 غازی شہید ہوئے جو بدر میں آرام فرما رہے ہیں اس فتح کے بعد غازیان بدر آپس میں باتیں کرنے لگے کوئی کہتا کہ میں نے فلاں کافر کو یوں مارا کوئی کہتا میں نے فلاں کو یوں قید کیا تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن) اس کو تفسیر کبیر' بیضاوی' صاوی' مدارک' روح

المعانی، روح البیان وغیرہم نے بیان کیا مگر تفصیل خازن میں ہے۔ 2۔ یہ آیت کریمہ غزوہ خیبر کے موقعہ پر نازل ہوئی۔ کہ حضور ﷺ نے قلعہ کے دروازے پر تیر چلایا تو اس سے قلعہ کے اندر ابن ابی الحقیق ہلاک ہوا 3۔ یہ آیت غزوہ احد کے موقعہ پر نازل ہوئی کہ ابی ابن خلف اولا "بدر میں قید ہوا یہاں سے فدیہ دے کر رہا ہوا پھر حضور سے بولا کہ میں نے آپ کو قتل کرنے کے لئے ایک گھوڑا پالا ہے جسے میں بذات خود گھاس دانہ پانی دیتا ہوں اس پر بیٹھ کر آپ کو قتل کروں گا حضور نے فرمایا انشاءاللہ میں تجھے قتل کروں گا۔ چنانچہ یہ مردود اس گھوڑے پر سوار حضور انور کی طرف دوڑا آیا مسلمان غازی اس کے مقابل آئے حضور نے فرمایا اسے مجھ تک آنے دو حضور انور نے اس پر نیزہ سے حملہ کیا جس سے اس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی زخمی ہو کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا وہ بولے کوئی بات نہیں معمولی زخم ہے آرام ہو جائے گا ابی ابن خلف بولا کہ زخم تو معمولی ہے مگر زخم لگانے والا بڑا قوی ہے محمد کا مارا ابھی بچ نہیں سکتا پھر وہ کتے کی طرح بھونکتا ہوا مر گیا۔ 4۔ یہ آیت کریمہ غزوہ حنین کے موقعہ پر نازل ہوئی حضور انور نے اس دن بھی ایک مٹھی خاک کفار کی طرف پھینکی جس سے ان ساروں کی آنکھوں میں دھول ہی دھول ہو گئی مگر قوی پہلا قول ہے کہ یہ آیت غزوہ بدر میں نازل ہوئی (تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی)۔

تفسیر: فلم تقتلوهم اس فرمان عالی میں ف یا تو جزاء کی ہے اور اس کا تعلق پچھلے مضمون سے ہے یعنی جب بدر میں ہماری مدد تمہارے شامل حال رہی نبی پاک کا حضور فرشتوں کا نزول تمہارے دلوں میں چین و قرار کفار کے دلوں میں رعب اور قرار یہ سب چیزیں ہماری طرف سے تھیں تو تم نے کفار کو مستقل طور پر قتل نہ کیا یا یہ ف وجہ بیان کرنے کی ہے (علیہ) یعنی تم اس فتح بدر پر فخر نہ کرو کیونکہ کفار کو تم نے قتل نہ کیا مستقل طور پر **تقتلوا** میں خطاب غازیان بدر سے ہے مگر سنانا سارے مسلمانوں کو ہے کہ کبھی نیکی کو اپنی طرف سے نہ جانیں رب کا کرم سمجھیں **هم** کا مرجع کفار مکہ ہیں جو بدر میں مسلمانوں کے مقابل آئے اے مسلمانو رب تعالیٰ کا شکر کرو کیونکہ **ولكن الله قتلهم** یہ عبارت پچھلی عبارت پر معطوف ہے یعنی انہیں اللہ نے درحقیقت قتل کیا کیونکہ اس نے تمہیں جرات و ہمت دی کفار کے دلوں میں رعب ڈالا اس لئے آسمان سے فرشتے اتارے۔ خیال رہے کہ یہ گفتگو حقیقت پر مبنی ہے یعنی حقیقتہ "فاتح تم نہیں ہم ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ یہ سارے کام تو غازیوں نے ہی کئے تھے مگر مجازاً" **وما رميت اذ رميت** یہ عبارت پچھلی پوری عبارت پر معطوف ہے اس میں خطاب ہے نبی کریم ﷺ سے مگر طریقہ بیان اس میں بدلا ہوا ہے وہاں مسلمانوں سے قتل کی صرف نفی کی گئی تھی یہاں حضور انور سے پھینکنے کی نفی بھی ہے **ما رميت** اور ثبوت بھی **اذ رميت** اس میں بہت ہی لطف ہے رمیت کے مفعول پوشیدہ ہے اگر یہ آیت بدر، حنین یا احد کے متعلق ہے تو اس کا مفعول کنکریاں یا خاک ہے جو مٹھی بھر حضور انور نے پھینکی تھی اور اگر خیبر کے موقعہ پر اتری ہے تو اس کا مفعول وہ تیر ہے جو حضور انور نے دروازہ خیبر سے چلایا تھا۔ اس سے ابن ابی الحقیق قتل ہو گیا قوی یہ ہے کہ یہ بدر کا واقعہ بیان ہو رہا ہے اور کنکریاں یا خاک اس کا مفعول ہے۔ خیال رہے کہ رمی کے دو کنارے ہیں ابتداء پھینکنے والے سے ہوتی ہے اور انتہا پہنچنے پر اس خاک پھینکنے کی ابتدا حضور انور کے ہاتھ سے ہوئی اس کے متعلق ارشاد ہوا **اذ رميت** اور انتہا یہ ہوئی کہ یہ کافر کی آنکھوں میں پڑ گئی یہ رب کی طرف سے اس کے متعلق ارشاد ہے **ما رميت** یعنی جب تم نے مٹھی بھر کنکریاں پھینکیں تو ان کفار کی آنکھوں میں تم نے نہیں ڈالیں بلکہ ہم نے ڈالیں لہذا مطلب واضح ہے نفی اور چیز کی ہے ثبوت دوسری چیز کا اس کی اور

بہت تفسیریں ہیں کچھ تفسیر صوفیانہ میں عرض کی جائیں گی **ولکن اللہ رمی** اس کا عطف **ما رمیت** پر ہے رمی کا مطلب وہ ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ کفار کی آنکھوں میں رب نے ڈالا اس نے پہنچائی یا ہاتھ تمہارے تھے قوت ہماری تھی کام تمہارا تھا اذن ہمارا تھا یا چونکہ تم ہمارے محبوب ہو تمہارا ہر کام ہمارا کام ہے تمہارا پھینکنا ہمارا پھینکنا ہے اور ہمارا کرم فرمانا تمہارا کرم فرمانا ہے **ویزکیھم** جب بندے کو رب تعالیٰ سے قرب زیادہ ہو جاتا ہے تو رب کے کام کو بندہ کہتا ہے کہ یہ میرا کام ہے **احی الموتی باذن اللہ** اور بندے کے کام کو رب کہتا ہے کہ میرا کام ہے یہاں یہ ہی رنگ ہے **ولیبلی المؤمنین منہ بلاء حسنا**" یہ عبارت یا تو معطوف رمی پر اسی صورت میں **لیبلی** متعلق ہے **لیمحق الکافرین** پوشیدہ پر یا اعتراضیہ ہے اور یہ جملہ معترضہ اور **لیبلی** ایک پوشیدہ عبارت کے متعلق ہے **وفعل ذالک لیبلی** خیال رہے کہ لیبلی بنا ہے بلاء سے ۔ معنی آزمائش رب تعالیٰ آفتوں کے ذریعہ سے بندوں کو آزماتا ہے اور نعمتوں کے ذریعہ بھی یہاں دوسری قسم کی آزمائش مراد ہے۔ رہبر کہتا ہے۔

جزی اللہ بالاحسان مافعل بکم فابلا ھما خیر البلاء الذی یبلی

اہل عرب قوت سے جنگ کرنے کو بھی **بلاء حسنا** کہتے ہیں اور صبر جمیل کو بھی یعنی اللہ تعالیٰ نے بدر کی تمام کاروائیاں اس لئے کیں کہ کافروں کو مٹائے اور مومنوں کو اپنی طرف سے بطور آزمائش اچھی نعمتیں عطا فرمادے (روح المعانی) فتح نصرت غنیمت کفار کے دلوں میں آئندہ کے لئے ہیبت مومنوں کے دلوں میں جرات و ہمت چنانچہ بدر کے بعد کے تمام غزوات اس فتح بدر کا نتیجہ تھے کہ مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو چکے تھے **ان اللہ سمیع علیم** یہ عبارت یا تو گذشتہ کی علت ہے یا اس کا نتیجہ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی مانگی ہوئی دعائیں سنتا بھی ہے اور ان کے دل کا "مسلمانوں کے دلوں کا حال خوب جانتا ہے وہ جانتا ہے کہ اگر مسلمان بدر میں شکست کھا گئے تو آئندہ کے لئے ان کی ہمت پست ہو جاوے گی اس لئے انہیں یہ شاندار فتح و کامرانی عطا فرمائی **ذالکم** اس سے اشارہ تمام مذکورہ نعمتوں کی طرف ہے اس لئے جمع لایا گیا یہ یا تو **خذوا** پوشیدہ کا مفعول ہے یعنی ابھی یہ نعمتیں تو لو اگلی نعمتیں آئندہ ملیں گی یا المقصود پوشیدہ کی خبر ہے یعنی ہمارا مقصد یہ ہی ہے تو **ذالکم** سے اشارہ **بلاء حسنا** کی طرف ہے یعنی کہ تم کو انعام دینا ہی مقصود ہے **وان اللہ موھن کید الکفرین** یہ عبارت **ذالکم** پر معطوف ہے اور المقصود کی خبر یعنی اس جنگ کے مقصود دو ہیں ایک تم کو انعام و اکرام سے نوازنا دوسرے کفار کے فریب و مکر کو کمزور بنانا **موھن** بنا ہے ایہان سے جس کا مادہ وھن ہے یعنی سستی و کمزوری **کید** اور **مکر و خداع** قریبا" ہم معنی ہیں۔ کافرین سے مراد یا تو کفار قریش ہیں جو بدر میں مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے یا سارے کفار عرب یا دنیا بھر کے تاقیامت کفار تیسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے بدر کے غازیو اس فتح بدر کفار کے قتل، غنیمت کے حصول کفار کو قید کرنے پر فخر نہ کرو اسے اپنا کمال نہ سمجھو کیونکہ در حقیقت انہیں تم نے قتل و قید نہیں کیا تم نے غنیمت حاصل نہیں کی تم نے بدر کا میدان نہیں جیتا بلکہ اللہ کا شکر کرو کیونکہ اسی نے کفار کو در حقیقت قتل کیا اسی نے تمہیں فتح دی کہ اسی نے تم کو جرات دی انہیں مرعوب کیا فرشتوں نے تمہاری مدد کی اور اے محبوب جب تم نے بدر میں کفار کی طرف مٹھی بھر کنکریاں پھینکیں تو کفار کی آنکھوں میں تم نے نہ ڈالیں

بلکہ ہم نے ڈالیں پھینکنا تمہارا کام تھا پہنچانا ہمارا کام یا یہ ظاہر تم نے پھینکیں مگر درحقیقت ہم نے پھینکیں کیونکہ ہاتھ تمہارا تھا زور ہمارا تھا کام تمہارا تھا پیغام ہمارا تھا مٹھی تمہاری تھی اس پر تجلی ہماری تھی بظاہر انگارا جلاتا ہے مگر درحقیقت وہ آگ جلاتی ہے جو انگارے میں جلوہ گر ہے بظاہر ریڈیو کی پیٹی بولتی ہے مگر درحقیقت بولنے والا بولتا ہے روشنی بظاہر بلب دیتا ہے مگر درحقیقت پاور دیتا ہے جو بلب میں جلوہ گر ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اگر بلب کا واسطہ نہ ہو تو پاور ہم کو روشنی ہرگز نہیں دے گا اگر فرج یا ہیٹر کا واسطہ نہ ہو تو پاور ہرگز سردی گرمی نہ دے گا اعلیحضرت نے کیا خوب فرمایا۔

سنگریزہ ے زند دست جناب   مارمیت اذرمیت آید خطاب
تابد گر شرح این محمل کنم   جز تحیر هیچ نبود حاصلم!

یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تاکہ اللہ کفار کا زور توڑے اور مومنوں کو اپنی طرف سے اچھی عطائیں دے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی دعائیں سننے والا ہے اور حالات کی نزاکت جاننے والا وہ جانتا تھا کہ اگر بدر میں مسلمانوں کو فتح نہ دی تو آئندہ ان کی ہمتیں پست اور کفار کی جرائتیں بڑھ جائیں گی اے مومنو اللہ کی یہ نعمتیں تو لے لو اگلی نعمتیں آئندہ ملیں گی اللہ تعالیٰ کفار کے فریب کمزور کرنے والا ہے وہ اپنے داؤ چلاتے رہیں گے مگر مسلمانوں کو ترقی ہوتی رہے گی کیوں نہ ہو کہ اسلام محمد مصطفےٰ کا پھلتا پھولتا باغ ہے۔

محمد مصطفےٰ کے باغ کے سب پھول ایسے ہیں   کہ بے پانی بھی تر رہتے ہیں مرجھایا نہیں کرتے

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مومن اپنی کسی نیکی پر فخر نہ کرے بلکہ رب کا شکر کرے کیونکہ نیکی بندہ خود نہیں کرتا رب تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہوتی ہے تو کرتا ہے یہ فائدہ **فلم تقتلوھم** اور **لکن اللہ قتلھم** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اگر نیت خیر ہو تو اللہ تعالیٰ مومن کی بے مثل مدد فرماتا ہے جو دیکھی جاتی ہے یہ فائدہ بھی **لکن اللہ قتلھم** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** اگر رب کرم کرے تو ابابیل سے فیل مروا دے اگر کرم نہ کرے تو فیل بھی ابابیل کو نہ مار سکے بدر میں تھوڑے نہتے مسلمانوں کے ہاتھوں بڑے لشکر جرار کو شکست فاش دے دی یہ فائدہ بھی **لکن اللہ قتلھم** سے حاصل ہوا اپنے محبوب پر کرم کیا تو انہیں مکڑی کے جالے اور کبوتری کے انڈوں کے ذریعہ کفر کی یلغار سے بچا لیا (غار ثور میں) فرعون پر قہر کیا تو اس کے قلعہ کی دیواریں بھی اسے نہ بچا سکیں۔

گلستاں کند آتشے بر خلیل   گرو ہے بہ آتش برد آب نیل

چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ کے محبوب اکبر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور کے کام کو اپنا کام قرار دیا یہ فائدہ **ولکن اللہ رمی** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ کے بندوں میں خدائی طاقت ہوتی ہے وہ رب کی قوت سے دیکھتے سنتے بولتے چلتے پھرتے ہیں اعضاء ان کے ہوتے ہیں مگر ان اعضاء میں زور رب کا یہ فائدہ بھی **لکن اللہ رمی** سے حاصل ہوا فرماتا ہے **کنت انا بصرہ الذی یبصر بی و سمعہ الذی یسمع بی** (حدیث قدسی) میں اس کے آنکھ کان وغیرہ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا سنتا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ کی نعمتیں بھی اللہ کی آزمائش ہیں انسان اس سے دھوکہ نہ کھائے یہ فائدہ **لیبلی المؤمنین** سے حاصل ہوا کہ رب نے بدر کی فتح و غنیمت کو بلاء یعنی آزمائش قرار دیا وہ لے کر بھی آزماتا ہے اور دے کر بھی بہت کم ہیں جو اللہ کی نعمتیں ہضم کر سکیں اللہ تعالیٰ توفیق شکر دے۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کبھی مومنوں کو ان کی

نیکیوں کا فائدہ دنیا میں بھی دیتا ہے آخرت کا انعام اس کے علاوہ ہے یہ فائدہ **ذالکم** سے حاصل ہوا کہ یہ فتح و ظفر ابھی لے لو یعنی آخرت کے انعام باقی ہیں۔ **آٹھواں فائدہ**: ہمیشہ کفار مومنوں کے خلاف تدبیریں مکر و فریب کرتے رہیں گے مگر اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کے فریب سے بچاتا رہے گا بشرطیکہ مومن صحیح مومن ہوں یہ فائدہ **موھن کید الکافرین** سے حاصل ہوا امام حسین شہید ہوئے مگر یزید کا فریب ان پر نہ چلا آپ نے اپنا کام پورا کر دیا۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

پہلا اعتراض: بدر میں کفار کو قتل غازیوں نے ہی کیا تھا اس لئے وہ غازی کہلائے مگر قرآن کریم فرما رہا ہے **فلم تقتلوھم** تم نے انہیں قتل نہیں کیا یہ بات تو خلاف واقعہ ہے۔ **جواب**: یہاں حقیقتہً "بذات خود قتل کرنے کی نفی ہے یعنی ان کا قتل تمہاری طاقت سے باہر تھا در حقیقت ہم نے ہی انہیں قتل کیا بظاہر اور ہوتا ہے حقیقت کچھ اور لہٰذا آیت واضح ہے۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا **وما رمیت اذ رمیت** یعنی حضور انور سے کنکریاں پھینکنے کی نفی بھی ہے اور ثبوت بھی یہ اجتماع نقیضین کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: علماء کرام اور صوفیاء عظام نے اس اعتراض کے بہت جوابات دیئے ہیں آسان جواب یہ ہے کہ **ما رمیت** میں کفار کی آنکھوں تک پہچانے کی نفی ہے اور **اذ رمیت** میں ہاتھ سے پھینکنے کا ثبوت یعنی جب آپ نے اپنے دست اقدس سے کنکریاں پھینکیں تو ان کی آنکھوں میں آپ نے نہ ڈالیں ہم نے ڈالیں لہٰذا نفی اور جز کی ہے ثبوت دوسری جز کا لہٰذا اجتماع نقیضین نہیں۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت میں قتل کفار کی نفی غازیان بدر سے کی گئی اور کنکر پھینکنے کی نفی حضور انور سے کی گئی مگر ان دونوں میں فرق اس طرح کیا گیا حضور کے متعلق **اذ رمیت** بھی ارشاد ہوا یعنی پھینکنے کا ثبوت بھی مگر غازی مومنوں کے متعلق **اذ قتلتم** ارشاد نہیں ہوا اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: ان دونوں نفی کے مقصد میں فرق ہے اس فرق کو دکھانے کے لئے بیان میں فرق ہوا مسلمانوں سے قتل کی نفی کا مقصد ان کا فخر دور فرمانا ہے یعنی تم اس فتح پر فخر نہ کرو شکر کرو اور حضور انور سے رمی کی نفی کا مقصد حضور کی محبوبیت آپ کا فنافی اللہ ہونا دکھانا ہے حضور انور نے تو فخر کیا ہی نہ تھا بتایا یہ گیا کہ آپ نے کنکر پھینکے تو ہیں مگر چونکہ فنافی اللہ کے درجہ پر فائز ہیں اس لئے آپ کا کام ہمارا کام ہے دفع فخر اور ثبوت محبوبیت میں بڑا فرق ہے اس کے متعلق صوفیاء کرام عجیب و غریب نکات بیان فرماتے ہیں۔ **چوتھا اعتراض**: اللہ تعالیٰ نے فتح بدر کو بلا کیوں فرمایا بلا تو آفات کو کہا جاتا ہے۔ **جواب**: بلا کے معنی ہیں آزمائش اسی سے ہے ابتلاء رب فرماتا ہے **ولنبلونکم بشیء من الخوف** بھی اسی سے ہے رب تعالیٰ کی نعمتیں بھی بندے کی آزمائش ہیں۔ رب فرماتا ہے **اما الانسان اذا ما ابتلٰہ ربہ فاکرمہ ونعمہ فیقول ربی اکرمن** دیکھو اس آیت میں رب نے اکرام و انعام کو ابتلا یعنی آزمائش فرمایا بلکہ یہ آزمائش مصیبت کی آزمائش سے سخت ہے کہ آفت و مصیبت میں انسان جلد متوجہ **الی اللہ** ہو جاتا ہے مگر عیش و آرام میں اکثر غافل ہو جاتا ہے تکالیف میں صبر کا امتحان ہے راحت و آرام میں شکر کا امتحان۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت میں رب تعالیٰ نے مومنوں سے وعدہ فرمایا **ان اللہ موھن کید الکافرین** اللہ کفار کی تدبیروں کو سست کر دے گا مگر دیکھا یہ جا رہا ہے کہ کفار کی تدبیریں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بہت جاری ہیں اور وہ کامیاب ہیں تو یہ وعدہ کیونکر پورا ہوا۔ **جواب**: اگر اس آیت میں کفار عرب مراد ہیں اور خطاب صحابہ کرام سے ہے تب تو مطلب ظاہر ہے کہ

کفار عرب نے مسلمانوں کے خلاف ایڑی چوٹی کے زور لگائے مگر ناکام ہوئے سارے عرب میں صحابہ چھا گئے اور اگر سارے مسلمانوں سے خطاب ہے اور کفرین سے مراد سارے کفار ہیں تو اس آیت کی تفسیر وہ آیت ہے **وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین** اگر مسلمان سچے مومن ہیں تو ان کے مقابل کفار کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے یا یہ مطلب ہے کہ تاقیامت کفار کی تدبیریں اسلام کو مٹانے کے لئے ناکام ہوں گی اس کا مشاہدہ آج بھی ہو رہا ہے اسلام اور اس کے سارے احکام بفضلہ تعالیٰ محفوظ ہیں اور رہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ: ہر چیز اللہ تعالیٰ کی عبد ہے مگر حضور ﷺ عبدہ ہیں عبد اور عبدہ میں چند طرح فرق ہے 1-عبد وہ جو اللہ کی رضا چاہے عبدہ وہ کہ اللہ اس کی رضا چاہے **ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ** 2-عبد وہ جو اپنی عبدیت پر ناز کرے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں عبدہ وہ جس کی عبدیت پر دست قدرت ناز کرے رب فرماتے ہیں کہ میں وہ ہوں کہ محمد رسول اللہ کا رب ہوں۔ 3-عبد وہ کہ اس کی شان رب سے ظاہر ہو عبدہ وہ کہ رب کی شان اس سے ظاہر ہو 4-عبد وہ جو کسی کے لئے بنے عبدہ وہ جس کے لئے دوسرے بنیں **لولاک لما خلقت الافلاک**۔ 5-عبد وہ جو رب سے ملنا چاہے عبدہ وہ کہ رب اس سے ملنا چاہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہ 6-عبد وہ جو رحمت رب کے پاس جاوے مگر عبدہ وہ کہ رحمت رب اسے تلاش کرے اس کے پاس آئے۔

کلام لینے کو جاتے تھے طور پر موسیٰ تمہارے گھر میں خدا کا کلام آتا ہے

7-عبد وہ جو کچھ نہ ہو عبدہ وہ جو کچھ نہ ہو کر سب کچھ ہو 8-عبد وہ جو کسی سے بنے عبدہ وہ جس سے سب کچھ بنے **انا نور من نور اللہ وکل الخلائق من نوری** 9-عبد وہ جو اپنے کام کو خود ذمہ دار ہو عبدہ وہ جس کے ہر کام کی رحمت رب ذمہ دار ہو **فلما قضیٰ زید منها وطرا زوجناکها** 10-عبد وہ کہ کرنا بھی اس کا ہو اور کام بھی اس کا ہو عبدہ وہ کہ کرنا تو اس کا ہو مگر کام رب کا ہو یعنی مصدر اس کی ذات ہو حاصل مصدر رب کا کرم ہو۔ اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے حضور انور کے عبدہ ہونے کی جھلک دکھائی ہے صحابہ سے فرمایا کہ تم نے بدر میں جہاد قتال فتح وغیرہ کو کیا ہی نہیں جو کچھ کیا وہ درحقیقت رب نے کیا تم سبب ہو رب مسبب ہے مسبب کے آگے سبب ہیچ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہرچہ خواہد آں مسبب آورد قدرت مطلق سببہا بر آورد
از مسبب می رسد ہر خیر و شر نیست اسباب و وسائط را اثر
ایں سببہا بر نظر ہا پردہ ہاست کہ نہ ہر دیدار صنعش را سزا است
دیدہ باید سبب سوراخ کن تا حجب را بر کند از بیخ و بن
تا مسبب بیند اندر لامکاں ہرزہ بیند جہد و اسباب و دکاں

یعنی سبب پردہ ہے مسبب پردہ دار ہے سبب نقاب ہے مسبب درون حجاب ہے اس پردہ کی آڑ کو پھاڑ اور دیکھ لے جمال یار لہٰذا وہاں فعل صحابہ کی بالکل نفی فرمادی حضور ﷺ سبب ہیں مگر مسبب سے وابستہ حجاب ہیں مگر یار کو دکھانے والے حجاب نہ کہ یار کو چھپانے والے جیسے ہلکا بادل حجاب بن کر سورج کو دکھا دیتا ہے صاف سورج پر نظر نہیں ٹھہرتی اس حجاب میں یار نظر آ رہا ہے اس

لئے فرمایا کہ تم نے کنکر پھینکے مگر تمہارے اس کام میں یار کی تجلی نظر آرہی ہے کہ وہ ہم نے پھینکے۔ صوفیاء فرماتے ہیں **مارمیت لکن رمیت باللہ** یعنی تم نے تم بن کر نہ پھینکا بلکہ تم نے قدرت الیہ کا مظہر بن کر پھینکا تمہارا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے اس لئے حضور کی بیعت اللہ کی بیعت **انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم** مگر وہ محل آفات ہے اور عبدہ آفات سے منزہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

مارمیت اذرمیت گفت حق ۔۔۔ کار حق ہر کارہا دارد سبق
گربہ پرا نیم تیراں ئی زماست ۔۔۔ ماکمان و تیر اندازش خداست
تانہ شد مغلوب کس ایں سرنہ یافت ۔۔۔ گر تو خواہی آں طرف باید شناخت

عیسی علیہ السلام نے فرمایا کہ چراغ کو ہوا بجھاتی ہے اور چراغ ایمان چراغ تقوی کو ہوا یعنی تکبر بجھاتا ہے اپنے کاموں کو رب کی بارگاہ کا ہدیہ بناؤ قیمتی ہو جائیں گے انگور کا خوشہ بازار میں چند پیسوں کا ہوتا ہے لیکن اگر وہ بادشاہ کریم کی بارگاہ کا ہدیہ بن جاوے اور وہ کریم سلطان قبول کرے تو اس کی قیمت لاکھوں روپے بن جاتی ہے اس پر بڑی بڑی جاگیریں انعام مل جاتی ہیں یہ چیز کی قیمت نہیں بلکہ سلطان کی نظر کی قیمت ہے اپنے اعمال کو حضور تاجدار کونین کا تحفہ بناؤ لاکھوں پاؤ گے بازار کی قیمت اور ہے دربار یار کی قیمت کچھ اور ہے۔

حکایت: ایک شخص نے کئی سال عبادت کی قبول نہ ہوئی دعا مانگی رد ہو گئی بولا اے نفس اگر تو کچھ ہوتا تو تیری دعا قبول ہوتی تو کچھ بھی نہیں یہ کہنا تھا کہ غیب سے آواز آئی تیری یہ ساعت اور یہ بات برسوں کی عبادت سے افضل ہے کہ قبول ہو گئی۔

در رلو ما شکستہ دلی مجز مند و بس ۔۔۔ بازار خود فروشی ازاں سوئے دگر است

ہمارے بازار میں صرف عجز و نیاز خریدا جاتا ہے غرور فروشی کے بازار دوسرے ہیں۔ حضرت ربیعہ ابن کعب نے صرف وضو کرایا تھا کہ فرمایا اے ربیعہ جو چاہو مجھ سے مانگو عرض کیا حقیقت میں حضور کی ہمراہی حضور سے مانگتا ہوں فرمایا کچھ اور بھی مانگو بولے یہ کافی ہے یہ ہے تحفہ یار کی قیمت کہ وضو کرانے پر ایمان تقوی عرفان وغیرہ ہر جگہ سے نجات سب کچھ مل گیا۔ صوفیاء کی نزدیک بلا حسن یہ ہے جس کا یہاں ذکر ہے۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَإِنْ

اگر تم فتح مانگتے ہو پس بے شک آئی تمہارے پاس فتح اور اگر باز رہو پس وہ بہتر ہے واسطے تمہارے اور اگر

اے کافرو اگر تم فیصلہ مانگتے ہو تو یہ فیصلہ تم پر آ چکا اور اگر باز آؤ تو تمہارا بھلا ہے اور اگر تم پھر

تَعُودُوا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ

لوٹو گے تم تو لوٹیں گے ہم اور ہرگز نہیں دفع کرے گی تم سے جماعت تمہاری کچھ بھی اگرچہ زیادہ ہو اور تحقیق

شرارت کرو تو ہم پھر سزا دیں گے اور تمہارا جتھا تمہیں کچھ کام نہ دے گا چاہے کتنا ہی بہت ہو اور اس

اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ ع ۱۶
اللہ ساتھ ہے مسلمانوں کے
کے ساتھ یہ ہے کہ اللہ مسلمانوں کے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں فتح مکہ کا نقشہ کھینچا گیا اب اس کا نتیجہ کفار کو سنایا جارہا ہے کہ تم لوگ اس بے مثال فتح و کامرانی سے یہ نتیجہ نکالو اور ایمان قبول کرو۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فتح بدر کا ذکر ہوا جو ہو چکی اب اگلی فتوحات کی خبر دی جارہی ہے **وان تعودوا نعد** کہ ہم آئندہ بھی مسلمانوں کو فتح دیں گے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ بدر میں فرشتے نازل ہوئے مدد کے لئے اب ارشاد ہے کہ ہم بھی مومنوں کے ساتھ تھے اور ہیں اور رہیں گے لہذا ان کو ایسی ہی شاندار فتحیں میسر ہوتی رہیں گی۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ بدر میں فتح مسلمانوں کی دعا سے ہوئی **اذ تستغیثون ربکم** اب ارشاد ہے کہ یہ فتح خود کفار مکہ کی اپنی دعا سے ہوئی کہ انہوں نے دعا کی تھی کہ ہم میں سے جو حق پر ہو اے اللہ اسے فتح دے ہم نے حق والوں کو فتح دے دی۔

شان نزول: جب کفار مکہ اپنے وطن سے بدر کی طرف چلے تو ابو جہل نے کعبہ شریف کا پردہ پکڑ کر دعا کی کہ یا رب ہمارا دین پرانا ہے محمد مصطفےٰ ﷺ کا دین نیا ان دونوں دینوں میں سے جو دین تجھے پیارا ہو اس کو فتح دے اے میرے رب ان دونوں جماعتوں میں جو ہدایت پر ہو تو اس کی مدد کر اے اللہ ہم میں اور محمد میں (ﷺ) جو تیرا مجرم ہو جو حق قرابت توڑنے والا ہو آج تو اسے ذلیل کر دے اس کے متعلق یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی (روح المعانی 'خازن' روح البیان' مدارک' تفسیر کبیر وغیرہ) اس مردود نے خود اپنے پر ہی یہ دعا کرلی جو رب نے قبول فرمائی اور وہ نہایت ذلیل ہو کر مارا گیا۔ یہ قول حسن اور مجاہد کا ہے۔ 2۔ غزوہ بدر سے پہلے مسلمانوں نے فتح و نصرت کی دعا کی اللہ نے فتح دے دی۔ پھر بعد فتح تقسیم غنیمت اور قیدی کفار سے فدیہ لینے کے متعلق آپس میں اختلاف کرنے لگے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری یہ قول حضرت عطا اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہما کا ہے (تفسیر روح المعانی و کبیر 'خازن' مدارک) مگر پہلی روایت قوی ہے ظاہر آیت اس کے مطابق ہے۔

تفسیر: **ان تستفتحوا** ظاہر یہ ہے کہ اس میں خطاب کفار مکہ سے ہے جیسا کہ ہم شان نزول میں ایک روایت اس کے متعلق بیان کرچکے ہیں یہاں **ان** شک یا تردد کے بیان فرمانے کے لئے نہیں کیونکہ وہ لوگ یہ دعا تو یقیناً" مانگ چکے تھے بلکہ فقط معلق کرنے کے لئے ہے۔ معنی چونکہ۔ فتح کے معنی فیصلہ بھی ہیں اور فتح و ظفر بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی اگر تم ہمارا فیصلہ مانگتے ہو کہ خدایا فیصلہ فرمادے ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان یا اگر تم حق کی فتح مانگتے ہو کہ خدایا جو حق پر ہو اس کی فتح ہو۔ دوسری روایت کی بنا پر خطاب مسلمانوں سے ہے کہ اے غازی مسلمانوں اگر تم نے ہم سے فتح مانگی لہذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں اول تفسیر قوی ہے **فقد جاءکم الفتح** یہ عبارت جزا ہے **ان** کی اگر کم میں خطاب ہو کفار مکہ سے تو مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے سامنے حق والوں کی فتح آگئی جو تم نے مانگی تھی یا تمہارے پاس ہمارا فیصلہ آگیا یہ فتح ہمارا عملی فیصلہ ہے حق و باطل کے درمیان اور اگر خطاب غازیان بدر مومنین سے ہے تو معنی ظاہر ہیں کہ اے مسلمانو تمہاری فتح ہوگئی یہ بات خیال میں رہے مگر

پہلی تفسیر قوی ہے غرضکہ اس جملہ کی بھی تین تفسیریں ہیں۔ **وان تنتھوا فھو خیر لکم** اس فرمان عالی میں اگر خطاب مشرکین مکہ سے ہے تو معنی یہ ہیں کہ اے مشرکو! اگر تم بدعقیدگی اور ہمارے نبی کی مخالفت سے باز آجاؤ تو تمہارے لئے دنیا و دین میں بہتر ہے کہ تم دنیا میں قتل و قید سے بچ جاؤ گے اور آخرت میں عذاب دوزخ سے اور اگر خطاب غازیان بدر سے ہے تو مطلب یہ ہے کہ اگر تم آئندہ تقسیم غنیمت وغیرہ میں اختلاف سے علیحدہ رہو تم تمہارے واسطے بہت ہی بہتر ہے کہ ہر قدم پر فتح و نصرت تمہارے قدم چومے گی (تفسیر کبیر) مگر پہلی تفسیر قوی ہے **وان تعودوا نعد** یہ عبارت معطوف ہے **ان تنتھوا** پر یعنی اے مشرکو! اگر تم پھر ہمارے نبی کے مقابلہ میں مکہ معظمہ سے لوٹ کر آؤ گے تو ہم پھر تم کو ایسی ہی عبرت ناک سزا دیں گے اور مسلمانوں کو تم پر فتح دیں گے اور اگر خطاب مومنین سے ہے تو مطلب یہ ہے کہ اگر تم آئندہ پھر کسی مسئلہ میں اختلاف کرو گے تو ہم پھر تم پر عتاب فرمائیں گے (تفسیر کبیر و روح المعانی) **ولن تغنی عنکم فئتکم شیئا** "یہ عبارت معطوف ہے **نعد** پر اور جزا ہے **ان تعودو** کی اگر اس میں خطاب ہے کفار سے تو معنی ظاہر ہیں کہ جیسے بدر میں تمہاری بڑی تعداد اور زیادہ سامان جنگ کچھ کام نہ آیا تم شکست کھا گئے یوں ہی آئندہ جنگوں میں ہو گا کہ تم باوجود کثرت کے مغلوب ہو گے رب نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔ حنین، خندق، فتح مکہ میں اور خلافت فاروقی میں تو کمال ہی ہو گیا کہ جنگ قادسیہ، ویرموک میں سات لاکھ کفار پر صرف چالیس ہزار مسلمانوں نے فتح پائی یہ ہے اس آیت کی زندہ و جاوید تفسیر اور اگر خطاب مسلمانوں سے ہے تو مطلب یہ ہے کہ تمہاری فتح و نصرت میرے محبوب کی غلامی میں ہے اگر تم نے بال برابر ان کی اطاعت سے قدم باہر کیا تو تم کو فتح نصیب نہ ہو گی اور تمہاری جماعت کچھ کام نہ آئے گی (کبیر) اس کا ظہور احد میں اور کچھ ظہور حنین میں ہوا مگر تفسیر اول قوی ہے **وان اللہ مع المؤمنین** یہ جملہ مستقل ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے ہمراہی سے مراد مکانی یا علمی ہمراہی نہیں کیونکہ مکانی ہمراہی سے رب تعالیٰ پاک ہے نہ علمی ہمراہی مراد ہے کہ رب تعالیٰ علم و قدرت سے ہر بندہ کے ساتھ ہے ہر مومن و کافر اس کے علم اس کی قدرت میں ہے بلکہ رحمت و کرم کی ہمراہی مراد ہے یعنی رب تعالیٰ کی رحمت اس کا کرم ہمیشہ مومنین کے ساتھ ہے پھر ان کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ان رحمت اللہ قریب من المحسنین** غرضکہ رب تعالیٰ کی غضب و قہر کی ہمراہی کفار کے ساتھ خاص ہے اور رحم و کرم کی ہمراہی مومنوں کے ساتھ خاص اور علم و قدرت کی ہمراہی سب کے ساتھ۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو بہت قوی اور ظاہری آیت کے مطابق ہے۔ اے کفار مکہ چونکہ تم نے خود کعبہ معظمہ کا غلاف پکڑ کر ہم سے حق و باطل کا فیصلہ مانگا ہے کہ تم نے بدر کو روانہ ہوتے وقت کہا تھا کہ اے اللہ اس جنگ میں حق و باطل کا فیصلہ کر دے ہم دونوں فریق میں سے جو حق پر ہو اسے فتح دے اور جو باطل پر ہو اس کو شکست دے تمہاری طلب کے مطابق تمہارے سامنے ہمارا فیصلہ آ گیا کہ حق والے مسلمانوں کی فتح ہو گئی اور تم جھوٹوں کی شکست فاش اگر تم اب بھی کفر اور نبی کی مخالفت سے باز آجاؤ تو تمہارے لئے دنیا و آخرت میں بہتر ہے کہ تم آئندہ قتل و قید سے بچ جاؤ گے اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہو گے اور اگر تم پھر ایسی ہی حرکتیں کرو گے تو ہم پھر تم کو بدر جیسی ہی سزا دیں گے تم کو تمہاری جماعت ہمارے غضب اور شکست سے بچا نہ سکے گی جیسا کہ تم نے آزما لیا خواہ کتنی ہی بڑی جماعت ہو خیال رکھو کہ اللہ کی رحمت اس کا کرم ہمیشہ مومنوں کے ساتھ ہے اور رہے گا کیونکہ وہ نبی

کے ساتھ ہیں اور رحمت الٰہی بھی نبی کے ساتھ ہے لہٰذا رحمت الٰہی ان کے ساتھ ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جنگ بدر در حقیقت حق و باطل کا فیصلہ تھی وہاں فتح حقانیت کی دلیل تھی اور شکست باطل ہونے کی دلیل یہ فائدہ **جاءکم الفتح** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ فتح سے مراد فیصلہ ہو۔ **دوسرا فائدہ:** کبھی مجرم اپنے خلاف دعا کر لیتا ہے اپنی نا سمجھی کی وجہ سے یہ فائدہ **ان تستفتحوا** سے حاصل ہوا کفار مکہ نے در حقیقت اپنی شکست کی بد دعا خود ہی کر لی کہ انہوں نے کہا کہ خدایا جو حق پر ہو اسے فتح دے اس دعا نے ہی ان کا بیڑہ غرق کر دیا۔ **تیسرا فائدہ:** دنیا میں کبھی کافر کی دعا بھی قبول ہو جاتی ہے یہ فائدہ **فقد جاءکم الفتح** سے حاصل ہوا کہ کفار مکہ نے جو دعا کی وہ ہی قبول ہوئی **فقد جاءکم** کی **ف** سے پتہ لگا کہ اس فتح میں کفار مکہ کی دعا کا بھی اثر تھا۔ **چوتھا فائدہ:** انسان کے ایمان و نیک اعمال سے خود اس کا اپنا ہی بھلا ہے اللہ رسول کا کوئی نفع نہیں وہ ہم سے بے نیاز ہیں یہ فائدہ **فھو خیر لکم** سے حاصل ہوا یوں ہی کسی کے کفر و بد عملی سے اللہ رسول کا نقصان نہیں خود اس کا اپنا نقصان ہے وہ ہم سے بے نیاز ہیں بلکہ ہمارے نیک بن جانے میں اللہ رسول کا ہم پر احسان ہے۔ **پانچواں فائدہ:** رب تعالیٰ تا قیامت مومنوں کا حامی و ناصر ہے مسلمان جب بھی اللہ کے لئے کفر سے جنگ کریں انشاء اللہ فتح پائیں گے یہ فائدہ **ان تعودوا نعد** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جنگ لشکر کی بڑی تعداد یا زیادہ سامان جنگ سے نہیں جیتی جاتی اللہ تعالیٰ کی رحمت مہربانی سے جیتی جاتی ہے یہ فائدہ **ولن تغنی** سے حاصل ہوا غزوہ حنین میں مسلمانوں کی تعداد بنی ہوازن سے زیادہ تھی انہیں خیال ہوا کہ آج ہوازن کو مار لیں گے ہم تعداد میں بہت ہیں پہلے حملہ ہی میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے ان میں بھاگڑ پڑ گئی پھر اللہ نے کرم کیا اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیا و ضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ** غرضکہ غزوہ حنین ہم کو بہت سبق دیتا ہے مومن کی نظر ہمیشہ رب پر چاہئے۔

پہلا اعتراض: کفار مکہ نے کعبۃ اللہ میں مذکورہ دعا تو مانگی ہی تھی پھر رب نے **ان تستفتحوا** **ان** کے ساتھ کیوں فرمایا ان تو شک کی جگہ بولا جاتا ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں **ان** شک دلانے کیلئے نہیں بلکہ صرف معلق کرنے کے لئے ہے جیسے باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اگر میں تیرا باپ ہوں تو میری فرمانبرداری کر حالانکہ باپ کو اپنے باپ ہونے کا یقین ہے یہ **ان** بمعنی چونکہ ہے۔ **دوسرا اعتراض:** کفار مکہ نے اپنی فتح مانگی تھی مگر ہوئی مسلمانوں کی پھر ان کی دعا پوری کیسے ہوئی اور **فقد جاءکم الفتح** کی ف کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** نیت تو ان کی یہ ہی تھی مگر ان کے الفاظ یہ تھے کہ جو حق پر ہو اس کی فتح ہو ان کے یہ الفاظ قبول ہوئے نہ کہ نیت۔ **تیسرا اعتراض:** کفار خصوصاً کفار مکہ حضور انور کو دل سے برحق مانتے تھے **یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم** پھر انہوں نے مذکورہ دعا کیوں مانگی کہ خدایا حق والے کی فتح ہو۔ **جواب:** اپنی فوج کو دھوکہ دینے کو کہ وہ لوگ سمجھیں کہ واقعی یہ لوگ اپنے کو حق پر جانتے ہیں اور یہ جنگ میں حق بجانب ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **فھو خیر لکم** کیوں ارشاد ہوا ایمان لانا کفر سے باز آنا تو بہتر ہی بہتر ہے خود ان کے لئے بھی ان کے بال بچوں عزیزوں کے لئے بھی کہ وہ انہیں دیکھ کر ایمان قبول کر لیں۔ **جواب:** اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے ایمان لانے میں

اللہ رسول کا بھلا نہیں وہ تم سے بے نیاز ہیں بلکہ تمہارا بھلا ہے سورج سے روشنی لیتے ہیں سورج کا بھلا نہیں بلکہ ہمارا اپنا بھلا ہے یہ **لکم** اللہ رسول کی نسبت سے ہے نہ کہ دوسرے اور کی نسبت سے۔ **پانچواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ ت سب کے ہی ساتھ ہے فرماتا ہے **وهو معكم اين ماكنتم** اور فرماتا ہے **مايكون من نجوى ثلثة الا هو رابعهم ولا خمسة الا هو سادسهم**۔ آیت اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں رحم و کرم کی ہمراہی مراد ہے کفار کے ساتھ ہمراہی غضب و قہر کی ہے ساری مخلوق کے ساتھ ہمراہی علم و قدرت کی ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اے لوگو اگر تم اپنے دلوں کے قفل صدق و اخلاص اور ترک ماسوی اللہ کی چابی سے کھولنا چاہتے ہو تو جان لو کہ تمہارے کھولنے کا ذریعہ آ چکا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات سے ہمیشہ تجلی بندوں پر ڈال رہا ہے فرق تم میں ہے کہ کبھی حجاب میں ہو جاتے ہو اپنے دل کے دروازے خود بند کر لیتے ہو اور تجلی سے محروم ہو جاتے ہو اگر تم ماسوی اللہ کی طلب سے باز رہو تو وہ تمہارے ہر ماسوی اللہ سے بہتر ہے اگر تم پھر دنیا کی ٹیپ ٹاپ کی طرف لوٹے تو ہم پھر تم پر تمہاری نفسانی صفات کو غالب کر دیں کے پھر ہمارے مقابل ساری دنیا اور دنیا کی زیب و زینت کچھ کام نہ آوے گی۔ دنیا کی نعمتیں اگرچہ بہت ہوں مگر اخروی ایک نعمت کے برابر نہیں ہو سکتیں اخروی نعمتیں اللہ والوں کو ملتی ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایمان اسلام تسلیم احکام کا انجام نجات ہے باطل کو اگرچہ اول امہال (مہلت) ہے مگر آخر کار اس کے لئے زوال و اضمحلال ہے اللہ کے ولیوں سے جنگ نبی سے جنگ کی طرح خطرناک ہے رب تعالیٰ کو یاد کرو وہ تم کو یاد کرے گا۔

واذا السعادة لا حظتك عيونها ... نم فالمخاوف كلهن امان

امطر بها العنقاء فهي حبالته ... واقتديها الجوزاء فهي عنان

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے فرمانبرداری کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نہ پھرو ان سے حالانکہ

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور سن سنا کر اس سے

تَسْمَعُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝

تم سنتے ہو اور نہ ہو تم ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کہا سن لیا ہم نے حالانکہ وہ نہیں سنتے

نہ پھرو اور ان جیسے نہ ہونا جنہوں نے کہا ہم نے سنا اور وہ نہیں سنتے

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار سے کہا گیا تھا کہ اللہ رسول کی مخالفت سے باز آؤ ورنہ پچھتاؤ گے تمہارا انجام تم کو عذاب سے بچانہ سکے گا اب روئے سخن مسلمانوں سے ہے کہ آئندہ کے لئے تم بھی محتاط رہو۔ اللہ رسول کی نافرمانی سے بچو ان کی نافرمانی کا انجام خراب ہے گویا نافرمانوں کی فرمانبرداری کی طرف بلانے کے بعد

فرمانبرداروں کو فرمانبرداری پر قائم رکھا جارہا ہے فرمانبردار ہونا کافی نہیں بلکہ فرمانبردار رہنا ضروری ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں غزوہ بدر کا عجیب و غریب واقعہ بیان ہوا جو اللہ کی قدرت حضور ﷺ کے معجزے کی کھلی نشانی ہے اب مسلمانوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ تم نے یہ جنگ اللہ رسول کی فرمانبرداری سے جیتی ہے نہ کہ تعداد اور کثرت سامان سے آئندہ بھی یہ ہتھیار یعنی فرمانبرداری اپنے ساتھ رکھو ہمیشہ فتح پاؤ گے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار سے فرمایا گیا تھا ان تعودوا نعد اگر تم پھر شرارت کرو گے تو ہم پھر سزا دیں گے اب تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جارہا ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم آئندہ پھر اللہ رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو ہم پھر تم کو فتح و نصرت دیں گے یہ تو ابھی ابتدا ہے غرضکہ دو رخوں میں سے ایک رخ کے بعد دوسرے رخ کی جھلک دی جارہی ہے تاکہ مومن اس سے بچیں اور یہ عمل اختیار کریں۔

تفسیر: **یاایھاالذین آمنوا** ان جیسی آیات میں ندا اہم جیسے غافلوں کو جگانے کے لئے ہے اور کفار کو پکارنا اظہار غضب کے لئے حضور ﷺ کو پکارنا اظہار کرم کے لئے چونکہ اللہ رسول کی اطاعت واجب ہونا ایمان کی وجہ سے ہے اس لئے اطاعت کے حکم سے پہلے ایمان کا ذکر کیا نیز رب کے نزدیک انسانوں کی دو ہی قومیں ہیں مومن و کافر۔ باقی دوسری قومیں صرف دنیاوی جان پہچان کے لئے ہیں اس لئے **الذین امنوا** کے پیارے خطاب سے ہم کو پکارا جاتا ہے۔ دوسری قوموں کو ان کے نسبی ناموں سے پکارا یا بنی اسرائیل وغیرہ مگر ہم کو ایمان کی صفت یعنی نسبتی نام سے نیز ہم کو مومنین کہہ کر نہیں پکارا بلکہ **الذین امنوا** ماضی کے صیغہ سے پکارا تاکہ پتہ لگے کہ ایمان ہماری اصلی صفت نہیں رب کا عطیہ ہے ہمارا عارضی حال ہے جس کے زائل ہونے کا خطرہ اس صفت کو زوال سے بچانا چاہتے ہو تو اللہ رسول کی اطاعت کرو۔ خیال رہے کہ ایمان سے مراد تبلیغی ایمان نہ کہ فطری ایمان لہٰذا اس خطاب میں فرشتے داخل نہیں اور ہو سکتا ہے کہ مومن جن، فرشتے، مومن انسان سب ہی داخل ہوں مگر پہلی بات قوی ہے جیسا کہ آیت کریمہ کے اگلے مضمون سے ظاہر ہے **اطیعوا اللہ و رسولہ** یہ فرمان عالی اس نداء کا مقصود ہے اطاعت کا مادہ طوع ہے۔ بمعنی خوشی جس کا مقابل ہے کرہا "طوعا" اور کرہا" اب اصطلاح میں بخوشی فرمانبرداری کو اطاعت کہا جاتا ہے جبری اطاعت پر ثواب نہیں ملتا یہ اطاعت تو منافقین بھی کر لیتے تھے۔ خیال رہے کہ اللہ رسول کی احکام شرعیہ میں اطاعت صرف مسلمانوں پر فرض ہے۔ حکم ایمان کی اطاعت کافروں پر فرض ہے جیسے مخاطبین ویسی اطاعت۔ خلاصہ یہ کہ ایمان کی بہت قسمیں ہیں ان **نداؤں** میں ایمان شرعی مراد ہوتا ہے اطاعت بہت قسم کی ہے خوشی سے ناخوشی سے پھر تشریعی احکام میں اطاعت اور تکوینی احکام میں طاعت تشریعی میں حکم ایمان میں اطاعت، حکم عبادات و معاملات میں اطاعت ان جیسی آیات میں آخری اطاعت مراد ہے اسی اطاعت پر ثواب ہے مسلمانوں کی رعایا کفار ملکی احکام میں اسلامی احکام کی اطاعت کرتے ہیں مگر ثواب نہیں پاتے۔ یہ تفصیل خیال رہے **ولا تولوا عنہ** مسلمانوں کو یہ دوسرا حکم ہے **تولوا** بنا ہے تول سے۔ بمعنی منہ پھیرنا توجہ ہٹانا **عنہ** میں **ہ** کا مرجع رسول ﷺ ہیں چونکہ اطاعت تو رسول اللہ کی ہی ہوتی ہے اس کے ضمن میں خدا کی اطاعت ابھی ادا ہو جاتی ہے اللہ کا ذکر صرف برکت کے لئے کیا جاتا ہے اس لئے یہاں عنہما نہ فرمایا بلکہ **عنہ** ارشاد ہوا (تفسیر روح البیان، معانی، کبیر، بیضاوی وغیرہ) بعض نے فرمایا کہ عنہ کا مرجع اطاعت یا جہاد یا امر خداوندی ہے مگر قوی یہ ہی ہے کہ اس کا مرجع رسول ہیں۔ رب فرماتا ہے **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ** یعنی اللہ کے رسول سے بھی دل کا رخ نہ پھیرو۔ خیال رہے کہ

حضور اللہ کے رسول بھی ہیں ساری مخلوق کے رسول بھی پھر مومنوں کے بھی رسول ہیں کافروں کے بھی مومنوں میں اولیاء اصفیاء غوث و قطب کے بھی رسول ہیں ہم گنہگاروں کے بھی ان سے منہ کیسے پھیرا جا سکتا ہے **وانتم تسمعون** یہ عبارت **لاتولو** کے فاعل **انتم** سے حال ہے **تسمعون** کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی القرآن یا آیت القرآن یعنی حالانکہ تم اے مومنو قرآن آیات قرآنیہ سنتے رہتے ہو کہ وہ تم کو اللہ رسول کی اطاعت کا حکم دیتا ہے اگر تم ان سے روگردانی کرو گے تو چونکہ تم باخبر نافرمان ہوئے سخت سزا پاؤ گے، **ولاتکونوا کالذین قالوا سمعنا** اس فرمان عالی میں مسلمانوں کو تیسرا حکم دیا گیا کاف تشبیہ کا ہے **الذین** سے مراد منافقین ہیں کاف فرما کر یہ بتایا کہ منافق ہونا تو کیا تم صورت 'سیرت' عادات 'افعال میں ان کی مثل بھی نہ ہو تو کہ بروں کی طرح ہونا ان کا ہم شکل ہونا بھی برا ہے **قالوا سمعنا** فرما کر یہ بتایا کہ منافقین سننے کا صرف زبانی دعوی کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ **وھم لایسمعون** وہ بالکل سنتے نہیں کیونکہ وہ قرآن مجید حضور انور کے فرمان احکام اطاعت کے لئے نہیں سنتے بلکہ ان میں عیب نکالنے یا کفار تک پہنچانے جاسوسی کرنے کے لئے سنتے ہیں کان سے سنتے ہیں دل سے انکار کرتے ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **وقالوا سمعنا وعصینا** اے مسلمانو تم کان سے سننا زبان سے کہنا اطعنا ہم اطاعت کریں گے۔

خلاصہ تفسیر: اے وہ لوگو جو ہماری بارگاہ سے ایمان کی نعمت پا چکے مومنوں کے زمرہ میں داخل ہو چکے اس کی حفاظت اس طرح کرو کہ ہمیشہ اس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو اور کبھی کسی حال میں ہمارے رسول سے دل کا رخ نہ پھیرو ان سے دھیان نہ ہٹاؤ جبکہ تم قرآن اس کے احکام سنتے رہتے ہو کہ وہ تم کو اطاعت رسول کا حکم دے رہا ہے اگر تم یہ سنتے جانتے ہوئے اطاعت سے باہر ہو گئے تو سخت سزا پاؤ گے اور یہ خیال رکھنا کہ تم صورت 'سیرت' عادات 'حالات کسی چیز میں ان منافقوں کی طرح مت ہونا جو صرف زبان سے کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ ہم نے قرآن آپ کے فرمان احکام سب کچھ سن لئے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ان میں سے کچھ بھی نہیں سنتے وہ اطاعت کے لئے نہیں سنتے بلکہ قرآن و حدیث میں عیب نکالنے کفار کی جاسوسی کرنے کے لئے سنتے ہیں ایسا سننا در حقیقت نہ سننا ہے سننا نفع نہیں دیتا بلکہ انہیں مضر ہوتا ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: شریعت کے احکام صرف مسلمانوں پر جاری ہیں کفار پر نہیں اس لئے کافر مسلمان ہونے پر زمانہ کفر کی نمازیں روزے قضا نہیں کرتا نہ اس زمانہ کی زکوۃ دیتا ہے کیونکہ قضا اس پر واجب ہوتی ہے جس پر ادا واجب ہو یہ فائدہ اس آیت کو **یاایھا الذین امنوا** سے شروع فرمانے سے حاصل ہوا کفار پر صرف ایمان لانا فرض ہے ایمان کے بعد احکام کی اطاعت۔

نوٹ ضروری: جو کفار مسلمانوں کی رعایا ہیں ان پر سیاسی و ملکی احکام کی اطاعت کرنا لازم ہے مذہبی احکام میں وہ آزاد ہیں لہذا وہ بت پرستی 'شراب نوشی' سود خوری کر سکتے ہیں کہ یہ ان کے مذہبی احکام ہیں مگر چوری 'ڈکیتی' رشوت خوری نہیں کر سکتے کہ یہ ملکی انتظامات ہیں۔ **دوسرا فائدہ**: ایمان ہمارا اپنا کمال نہیں بلکہ خاص عطیہ رب ذوالجلال ہے یہ فائدہ **امنو** فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب نے **یاایھا المومنون** نہ فرمایا بلکہ **یاایھا الذین امنوا** فرمایا دیکھو تفسیر۔ **تیسرا فائدہ**: مسلمان خواہ

کتنے ہی اونچے درجہ کا ہو ولی ہو قطب ہو غوث ہو اس پر اللہ رسول کی اطاعت واجب ہے کوئی مسلمان کسی درجہ پر پہنچ کر ان کی فرمانبرداری سے نہیں نکل سکتا یہ فائدہ **اطیعوا اللہ و رسولہ** مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: اللہ رسول کی اطاعت خوش دلی سے چاہئے ناخوشی کی جبری اطاعت پر کوئی ثواب نہیں یہ فائدہ لفظ اطاعت سے حاصل ہوا کہ یہ بنا ہے **طوع** سے بمعنی خوشی' رضامندی قالب کے ساتھ قلب کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ **پانچواں فائدہ**: حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت کی طرح بہرحال چاہئے خواہ کیسا ہی حکم دیں بغیر چون و چرا مان لو خواہ قرآن مجید کے موافق حکم دیں یا اس کے خلاف حضرت علی کو فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرے نکاح سے منع فرمادیا تو ان کے لئے اس زمانہ میں دوسرا نکاح حرام رہا اگرچہ قرآن نے چار بیویوں کی اجازت دی ہے یہ فائدہ **و رسولہ** کے واؤ سے حاصل ہوا اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفےٰ میں دیکھو۔ **چھٹا فائدہ**: اطاعت و فرمانبرداری صرف حضور انور کی لازم ہے ان جیسی آیات میں اللہ کا ذکر تمہید یا برکت کے لئے ہوتا ہے یہ فائدہ **لا تولوا عنہ** میں ضمیر واحد لانے سے حاصل ہوا (تفسیر بیضاوی' کبیر' روح المعانی' خازن وغیرہ) اللہ کی اطاعت حضور انور کی اطاعت میں داخل ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ**۔ **ساتواں فائدہ**: مومن کو چاہیے کہ کسی وقت کسی حال میں حضور انور سے بے توجہ نہ ہو حتیٰ کہ نماز میں بھی توجہ حضور انور کی طرف رکھے یہ فائدہ **لا تولوا عنہ** سے حاصل ہوا دل کا رخ ہر وقت حضور کی طرف چاہئے۔ **آٹھواں فائدہ**: عالم کا گناہ جاہل کے گناہ سے بدتر ہے اسے سزا بھی سخت ہو گی یہ فائدہ **وانتم تسمعون** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ **نواں فائدہ**: بغیر عمل وعظ وغیرہ سننا بیکار ہے علم کا اصل مقصود عمل ہے یہ فائدہ **ولا تکونوا کالذین** سے حاصل ہوا دیکھو حضور انور کے فرمان مخلص مومنین بھی سنتے تھے اور منافقین بھی مگر رب تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا **وھم لا یسمعون** یہ سنتے ہی نہیں کیونکہ وہ قبول کے لئے نہیں سنتے تھے ایسا علم انسان کے لئے وبال ہے۔ **دسواں فائدہ**: اپنے متعلق زبانی شیخی نہیں مارنی چاہیے کہ ہم ایسے ہم ویسے اس بارگاہ میں کہنے کی ضرورت ہی نہیں جیسے ہم ہیں اللہ رسول خوب جانتے ہیں یہ فائدہ **قالوا سمعنا** میں **قالوا** فرمانے سے حاصل ہوا منافقین کہتے پھرتے تھے کہ ہم حضور کی سنتے ہیں مانتے ہیں مخلصین کو ان دعووں کی ضرورت بھی نہ تھی۔

پہلا اعتراض: حضور ﷺ ساری خدائی کے نبی ہیں **کافتہ للناس بشیرا و نذیرا** آپ کی شان ہے **وما ارسلنک الا رحمتہ للعلمین** آپ کی شان ہے تو چاہیے کہ ساری مخلوق پر آپ کی اطاعت واجب ہو پھر اطاعت کی آیات میں خطاب صرف مسلمانوں سے کیوں ہوتا ہے اس آیت کو **یا ایھا الذین امنوا** سے شروع کیوں فرمایا۔ **جواب**: بے شک آپ کی اطاعت سب پر واجب ہے **وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ** مگر جیسا بندہ ویسی اس کی اطاعت کفار پر آپ کی اطاعت ایمان بھی واجب ہے کہ وہ آپ پر ایمان لائیں مسلمانوں پر آپ کی اطاعت اعمال و عبادات میں ضروری ہے حتیٰ کہ چاند' سورج' کنکروں' پتھروں پر آپ کی اطاعت ادب احترام حکم ماننے میں ضروری ہے دیکھو اشارہ چاند پھٹا اشارہ پر ڈوبا سورج لوٹا' اشارہ پر جانوروں پتھروں نے کلمہ پڑھا یہ اس مخلوق کی اطاعت ہے چونکہ یہاں احکام شرعیہ میں اطاعت کا حکم ہے اسی لئے مومنوں کو خطاب ہوا اسی اطاعت پر ثواب و جزا ہے۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں اولاً تو فرمایا گیا اللہ رسول کی

اطاعت کرو پھر ارشاد ہوا **ولا تولوا عنه** ان رسول سے نہ منہ پھیرو کیونکہ درست ہوا چاہیے تھا کہ یوں فرمایا جاتا **ولا تولوا عنهما** ان دونوں یعنی اللہ رسول سے نہ پھیرو یہ فرق عبارت کیا۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ درحقیقت اطاعت صرف رسول کی ضروری ہے اللہ کی اطاعت رسول کی اطاعت کے ضمن میں آجاتی ہے اللہ کی اطاعت کا ذکر برکت یا تمہید کے لئے ہے نیز روگردانی صرف رسول سے ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ سے نہیں ہو سکتی اس لئے عنہ فرمانا درست ہوا قرآن مجید اس کی مثالیں بہت ہیں فرماتا ہے **استجیبوا للّٰہ وللرسول اذا دعاکم** اس میں اولاً اللہ رسول کا ذکر ہے اور دعا صیغہ واحد ہے کیونکہ حضور ہی بلاتے ہیں اللہ تعالیٰ کسی کو براہ راست نہیں بلاتا فرماتا ہے **مهاجرا الی اللّٰہ ورسوله** انسان ہجرت کر کے حضور کے پاس پہنچ سکتا ہے نہ کہ اللہ کے پاس اللہ کا ذکر برکت کے لئے ہے۔ فرمایا ہے **یخادعون اللّٰہ والذین امنوا** یہاں اللہ نے نام اپنا لیا مگر مراد ہے رسول اللہ (خازن) ایسے ہی یہاں ہے۔ **تیسرا اعتراض**: **لا تولوا** کے بعد یہ کیوں فرمایا کہ **وانتم تسمعون** کہ جب تم سنتے ہو تو رسول سے منہ نہ پھیرو کیا بغیر سنے منہ پھیرنا درست ہے۔ **جواب**: اس لئے کہ عالم کا گناہ جاہل سے بدتر ہوتا ہے یعنی تم قرآن مجید اس کے احکام برابر سن رہے ہو قرآن مجید تم کو حضور کی اطاعت کا حکم دے رہا ہے اب اگر تم روگردانی کرو گے تو سخت مجرم ہو گے جس کو قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کی خبر ہی نہ ہو وہ اسلام قبول نہ کرنے پر مجرم نہ ہوگا کہ اسے اسلام کی خبر ہی نہیں اس لئے اصحاب فترت جیسے حضور انور کے والدین ماجدین وغیرہم کے لئے صرف عقیدہ توحید کافی ہے۔ **چوتھا اعتراض**: منافقین حضور انور کے فرمان عالی سنتے تھے بہرے نہ تھے پھر ان کے متعلق یہ کیوں ارشاد ہوا کہ **وھم لا یسمعون** وہ سنتے نہیں یہ بات تو واقعہ کے خلاف ہے۔ **جواب**: سننے کی بہت قسمیں ہیں نکتہ چینی کے لئے کسی کی بات سننا' جاسوسی کے لئے سننا' نفرت کے ساتھ سننا' قبول کرنے اطاعت کرنے کیلئے سننا' پیار و محبت کی بنا پر جیسے آپ اپنے پیارے بچوں کی بھولی بھالی باتیں سنتے ہیں یہاں قبول یا محبت کے لئے سننے کی نفی ہے واقعی منافقین اس طرح حضور کا کلام نہ سنتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ: جن آیات میں ظاہری عبادات و اطاعات کا حکم ہے اور ایمان والوں سے خطاب ہے وہاں ایمان سے مراد شرعی تکلیفی ایمان مراد ہوتا ہے اس سے فرشتے خارج ہوتے ہیں کہ ان کا ایمان فطری ہے مگر حضور کے عشق' ادب' احترام والی آیتوں میں ایمان سے ایمان سے مطلق ایمان مراد ہوتا ہے خواہ تکلیفی ہو یا فطری جیسے اے ایمان والو اپنی آوازیں رسول کی آواز سے اونچی نہ کرو یا ایمان والو نبی کے گھر میں بغیر اجازت نہ جاؤ یا اے ایمان والو نبی سے آگے نہ بڑھو یا اے ایمان والو نبی کے بلانے پر آجاؤ ان جیسی آیات میں فرشتے کیا چاند' سورج' کنکر' پتھر' جانور تک داخل ہیں سب پر حضور کا ادب و احترام لازم ہے۔

یہ ادب کہ بلبل بے نوا کبھی کھل کے کر نہ سکے نوا
نہ ہوا کو تیز روش روانہ چھلکتی نہروں کی دھار ہے

اطاعت ڈر کی بھی ہوتی ہے لالچ کی بھی محبت کی بھی ان جیسی آیات میں محبت والی اطاعت کا حکم ہے کہ انسان دماغ اور عقل کی آنکھیں بند کر لے محبوب کا حکم مانے ﷺ۔ خیال رہے کہ نماز شریعت میں سلام کے وقت منہ کعبہ سے پھر جاتا ہے اور نماز ختم ہو جاتی ہے مگر نماز محبت میں دل کا رخ حضور سے کبھی نہیں پھرتا اور وہ نماز کبھی ختم نہیں ہوتی جسم کی نماز کا قبلہ کعبہ مگر عشق کی

روح دل کی نماز کا قبلہ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں یہ نماز تو مرے بعد بھی ختم نہ ہو گی رب فرماتا ہے **هم فی صلوتهم دائمون** مشتاق ہمیشہ نماز میں رہتے ہیں ان مشتاق سے فرمایا گیا کہ ولاتولوا عنہ ان نبی سے عاشقو رخ نہ پھیرو ہمیشہ ان کی نظروں میں رہو انہیں تکتے رہو۔

یہ کوچہ حبیب ہے صحن حرم نہیں ۔۔۔ سر رکھ دیا تو سر کا اٹھانا حرام ہے

لطف یہ ہے کہ یہاں غلاموں کو حکم ہے کہ **لاتولوا عنه** ان نبی سے رخ نہ پھیرو منہ نہ موڑو ادھر حضور کو حکم ہے **لاتعد عيناك عنهم** اے محبوب ان غلاموں سے اپنی آنکھیں نہ پھیرو امت تمہیں تکتی رہے تم امت پر نظر فرماتے رہو۔

روح نماز ہے یہی اصل نماز ہے یہی ۔۔۔ میں ترے سامنے رہوں تو مرے سامنے رہے

اور فرمایا **اخفض جناحك للمؤمنين** اے محبوب مومنوں کے لئے اپنے رحمت کے پر کھلے اور جھکے رکھو کہ یہ تمہاری پناہ و امان میں رہیں اے مسلمان حضور کے سواء تیرا ٹھکانہ تیری پناہ کہیں نہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور انور کے منہ سے نکلا ایک ایک لفظ مومن و کافر، صدیق و زندیق، مخلص و منافق کے کانوں میں پہنچ کر سینے میں اتر کر مختلف اثر دکھاتا ہے منافقوں کا نفاق ازلی کافروں کا کفر اور زیادہ کرتا ہے مخلصین کا ایمان بڑھاتا ہے۔ حضرت صدیق و فاروق کے سینے میں بیش قیمت موتی بناتا ہے علماء کے سینوں کو رحمت کا تالاب بناتا ہے پانی ایک ہے مگر اثرات مختلف ہیں۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ	
تحقیق بدترین جانوروں میں نزدیک اللہ کے وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل نہیں رکھتے اور اگر	
بیشک سب جانوروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو بہرے گونگے ہیں جن کو عقل نہیں اور اللہ اگر ان	
عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾	
جانتا اللہ ان میں خیر تو البتہ سنا تا ان کو اور اگر سنا تا ان لوگوں کو تو البتہ پھر جاتے یہ لوگ حالانکہ وہ منہ موڑنے والے ہوتے	
میں کچھ بھلائی جانتا تو انہیں سنا دیتا جب بھی انجام کار منہ پھیر کر پلٹ جاتے	

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا اب ان کے فرمان عالی سننے کا حکم ہے جو اطاعت کے لئے لازم و ضروری ہیں گویا نماز اطاعت کے بعد وضو سماع کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں منافقین کے نہ سننے کا ذکر تھا **وهم لا يسمعون** اب ان کے بدترین مخلوق ہونے کا تذکرہ ہے کہ یہ لوگ انسان ہو کر گدھوں کتوں سے بدتر ہیں گویا جرم کے بعد اس کے نتیجہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں منافقین کا یہ عیب بیان ہوا کہ وہ نبی کی بات قبولیت کے لئے نہیں سنتے اب ارشاد ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے گویا روحانی بیماری کا ذکر فرمانے کے بعد اس بیماری کی وجہ کا تذکرہ ہے۔

شان نزول: ایک بار کفار مکہ نے حضور ﷺ کی بارگاہ عالی میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر آپ سچے رسول ہیں تو ہمارے مورث اعلیٰ ابن کلاب اور دوسرے مردوں کو زندہ کر کے ہمارے سامنے کر دیں وہ ہم سے کہیں کہ آپ سچے رسول ہیں تو ہم آپ پر ایمان لے آویں کیونکہ قصی بہت نیک اور سچا آدمی تھا ہمیں اس پر اب بھی اعتماد ہے۔ اس پر آیت **لوعلم اللہ** نازل ہوئی (تفسیر خازن، کبیر، بیضاوی، روح المعانی) 2۔ قبیلہ بنی عبدالدار ابن قصی نے ایک بار حضور ﷺ سے عرض کیا تھا کہ اے محمد (ﷺ) ہم آپ کی باتیں سننے سے بہرے اور کلمہ پڑھنے سے گونگے ہیں ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی یہ سارے غزوہ احد میں مارے گئے سواء دو صاحبوں کے ایک مصعب ابن عمیر دوسرے سوید ابن حرملہ کہ یہ دونوں اسلام لائے (روح المعانی) 3۔ خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ آیت منافقین اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی جو اس قسم کی بکواس کرتے تھے (روح المعانی)۔

تفسیر: ان شر الدواب عند اللہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے چونکہ اس مضمون کے انکاری سارے کفار و مشرکین تھے اس لئے اسے "ان" سے شروع فرمایا گیا **شر** مصدر بھی آتا ہے اور صفت مشبہ بمعنی اسم تفضیل بھی یعنی اس کے معنی ہیں شرارت، بد، خیر کا مقابل اور شریر ترین بد ترین یہ بھی خیر کا مقابل ہے خیر کے بھی دو معنی ہیں یہاں دوسرے معنی میں ہے یعنی بد ترین دواب جمع ہے دابۃ کی جس کا مادہ دب ہے بمعنی زمین پر چلنا مشی پاؤں سے چلے یا پیٹ پر رینگے لغت میں ہر جاندار کو دابۃ کہتے ہیں رب فرماتا ہے **وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا** مگر اصطلاح میں ہر چار ہاتھ پاؤں والے جانور کو دابۃ کہا جاتا ہے جیسے بکری گائے وغیرہ اس سے انسان خارج ہے یہاں دواب کے دونوں معنی درست ہیں عند اللہ مراد ہے اللہ کا فیصلہ اللہ کا حکم (روح البیان و معانی وغیرہ) **الصم البکم الذین لا یعقلون** اس فرمان عالی میں کفار کے تین عیوب بیان ہوئے ہیں۔ بہرے گونگے اور ناسمجھ بے عقل **صم** اور **بکم** کی تفسیر ہم شروع پارہ **الم** میں کر چکے ہیں **صم بکم عمی** کی تفسیر میں یہاں دو باتیں سمجھ لو ایک یہ کہ انسان کی جو طاقت و قوت اپنے مقصد میں استعمال نہ ہو وہ کالعدم ہے گویا کہ ہے ہی نہیں کفار نے اپنی قوت سماع قوت گویائی سمجھ بوجھ حق سننے، حق بولنے، حق سمجھنے میں صرف نہیں کیں تو گویا ان میں یہ طاقتیں تھیں ہی نہیں دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص بہرا گونگا ہو مگر سمجھ بوجھ رکھتا ہو وہ اشارہ وغیرہ سے ہدایت پا جاتا ہے راستہ معلوم کر لیتا ہے مگر جو ساتھ ہی پاگل دیوانہ بے عقل بھی ہو وہ کسی طرح ہدایت پر نہیں آسکتا کفار کا یہ ہی حال ہے۔ خیال رہے کہ انسان پہلے حق بات سنتا ہے پھر بولتا ہے سننے میں سیکھنا ہے بولنے میں سکھانا سیکھنا سکھانے سے پہلے ہوتا ہے اس لئے یہاں **صم** پہلے ارشاد ہوا اور **بکم** بعد میں۔ یعنی وہ کفار جو حق سننے سے بہرے حق بولنے سے گونگے حق سمجھنے سے دیوانے پاگل ہیں وہ سارے جانوروں سے بد تر ہیں کیونکہ جانوروں میں عقل نہ تھی ان میں عقل تھی مگر اس سے کام نہیں لیا نیز جانوروں نے اپنے حواس اپنے کام میں صرف کئے وہ مالک کی اطاعت کرتے ہیں ان کفار نے یہ بھی نہ کیا لہذا یہ جانوروں سے بد تر ہوئے چونکہ یہاں ذکر کافر انسانوں کا ہے لہذا **الذین** اور **لا یعقلون** عاقل کے صیغے استعمال ہوئے۔ **ولو علم اللہ فیھم خیرا** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس لئے اس کا واو ابتدائیہ ہے یہاں علم الٰہی کی نفی فرما کر واقعہ کی نفی فرمائی گئی ہے کیونکہ واقعہ ملزوم ہے علم الٰہی اس کے لئے لازم واقعی خیر کو رب تعالیٰ ضرور جانتا ہے جو واقعہ میں نہ ہو اس کا ہونا رب تعالیٰ ہرگز نہیں جانتا کہ غیر واقعی کو واقعی جاننا جہالت اور بے علمی ہے لہذا آیت کریمہ واضح ہے **فیھم** میں **ھم** کا مرجع وہ بہرے گونگے کفار ہیں جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں

پکا خیر سے مراد ایمان کی قابلیت اور اپنی قوتوں کو ہدایت کی اتباع میں صرف کرنا ہے جزا کی تنکیر قلت و کمی بیان فرمانے کے لئے ہے یعنی اگر ان میں ذرہ بھر بھی بھلائی ہوتی تو رب تعالیٰ اسے ضرور جانتا کیونکہ وہ ان کا خالق ہے وہ ہر ایک بندے کی قوت و قابلیت کو جانتا ہے **لاسمعهم** یہ فرمان عالی جزا ہے **لوعلم** کی **السمع** کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور **هم** سے مراد وہی کفار ہیں اس کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے حق یا حضور عالی کے فرامین یا ان کے باپ داداؤں کا اٹھ کر آنا اور ان کے سامنے حضور کی گواہی دینا یہ تیسرے معنی وہی ہیں جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان کفار کے دلوں میں قبول اسلام کی لیاقت جانتا تو ان کے مردہ باپ کو زندہ فرما کر ان کی گواہی انہیں سنا دیتا۔ اس کی قدرت سے یہ کچھ بعید نہ تھا **ولواسمعهم** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے اور سنانے سے مراد ہے اس حالت میں سنانا کہ ان میں قبولیت کی قابلیت نہ ہو اور مردے آکر کلمہ پڑھ جاویں یعنی اگر ہم اس حالت میں ان کو یہ معجزہ دکھا بھی دیں اور انہیں مردوں کی گواہی سنا بھی دیں تو **تتولواوهممعرضون** یہ **ولواسمعهم** کی جزا ہے یہاں تولی سے مراد ہے حضور انور کے پاس سے چلا جانا اور اعراض سے مراد ہے آپ کی تعلیم سے منہ پھیرنا اسے قبول نہ کرنا یعنی پھر بھی یہ اسلام قبول نہ کرتے بلکہ اسے جادو کہتے ہوئے آپ کے پاس سے بھاگ جاتے اور پھر ان پر عذاب آجاتا کہ منہ مانگے معجزہ پر ایمان نہ لانا عذاب کا باعث ہے لہٰذا ان کے مطالبے پورے نہ کرنا بھی اس لئے کہ حضور رحمت ہیں ﷺ۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ وہ لوگ جو حق سننے سے بہرے ہوں حق بولنے سے گونگے حق سمجھنے سے بے عقل ہوں وہ سارے جانوروں، کتوں، گدھوں، سوروں تک سے بدتر ہیں کہ انہیں اللہ نے حواس اور عقل دی مگر انہوں نے انہیں صحیح مصرف میں خرچ نہ کیا عقل نہ ہونا مضر نہیں عقل ہو اور اسے دین کا ذریعہ نہ بنانا سخت جرم ہے اے محبوب ﷺ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں خیر یعنی توفیق ایمان جانی ہی نہیں اگر اللہ ان میں توفیق جانتا تو ان کے مطالبے پورے فرما دیتا ان کے مرے باپ دادے زندہ کر کے ان سے کلمہ پڑھوا کر حضور انور کی تصدیق کرا کر انہیں سنا دیتا اگر ہم اس طرح ان کو آپ کا یہ معجزہ دکھا بھی دیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے بلکہ آپ کو جادوگر اور اس معجزے کو جادو کہتے ہوئے آپکے پاس سے چلے جائیں گے اور پھر ان پر عذاب الٰہی آجاوے گا کیونکہ منہ مانگا معجزہ دیکھ کر ایمان نہ لانا عذاب الٰہی کا باعث ہے اور ہم یہ چاہتے نہیں کہ آپ کی تشریف آوری کے بعد دنیا میں غیبی عذاب آئے انہوں نے کنکروں، پتھروں، جانوروں کو کلمہ پڑھتے دیکھا سنا پھر ایمان نہ لائے تو مردوں کا زندہ ہو کر کلمہ پڑھنا انہیں کیسے ایمان دے سکتا ہے لہٰذا آپ ان مطالبوں پر دھیان نہ دیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اگر انسان عقل سے دین دار نہ بنے تو جانوروں، سور، کتوں، گدھوں سے بدتر ہے یہ فائدہ **شرالدواب** سے حاصل ہوا کیونکہ دواب میں سارے جانور داخل ہیں کیا تمہیں خبر نہیں کہ نوح علیہ السلام کی کشتی میں کتوں، گدھوں، سوروں، سانپوں، بچھوؤں کے لئے جگہ تھی مگر کافروں کے لئے نہ تھی رب فرماتا ہے **من کل زوج اثنین واهلک الا من سبق القول** شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

بہا ئم خموشند و گویا بشر — پرا گندہ گواز بہائم بتر
بنطق است و عقل آدمی زادہ فاش — چو طوطی سخن گوی ناداں مباش

دوسرا فائدہ: اگر انسان اپنے حواس و عقل صحیح معنی میں استعمال کرے تو فرشتوں سے بڑھ جاوے رب فرماتا ہے **ولقد کرمنا بنی ادم** یہ فائدہ بھی **ان شر الدواب** سے اشارۃً حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: جو شخص اپنے حواس و عقل کو دین کے لئے استعمال نہ کرے وہ بہرا گونگا اور دیوانہ ہے جو شر اپنا مقصد پورا نہ کرے وہ شر شر ہی نہیں یہ فائدہ **الصم البکم** سے حاصل ہوا اللہ کے نزدیک فوت شدہ شہید زندہ ہیں **بل احیاء ولکن لا تشعرون** اور زندہ کافر مردہ ہیں اموات غیر احیاء۔ **چوتھا فائدہ**: لفظ لو شرط و جزا کی نفی پر دلالت نہیں کرتا صرف ان میں لزوم چاہتا ہے یہ فائدہ **لو علم اللہ** اور **لو اسمعھم** سے حاصل ہوا کیونکہ اگر لو شرط جو جزا کی نفی چاہے تو پہلے لو سے معلوم ہو گا کہ اللہ نے کفار میں خیر نہ چاہی اور انہیں نہ سنایا اور دوسرے لو سے معلوم ہو گا کہ انہیں رب نے نہ سنایا اور ان کفار نے حضور سے منہ نہیں پھیرا اور اعراض نہیں کیا یہ معنی بالکل فاسد ہیں پہلے لو سے معلوم ہو گا کہ کفار میں خیر نہیں اور دوسرے لو سے معلوم ہوا کہ ان میں خیر نہیں (تفسیر کبیر) نحوی حضرات کہتے ہیں کہ لو شرط و جزا دونوں کی نفی بتاتا ہے مگر اکثر فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ صرف معلق ہونا بتاتا ہے شرط و جزا کے ہونے نہ ہونے سے بالکل خاموشی ہوتی ہے (کبیر و روح المعانی) حدیث شریف میں ہے **نعم الرجل صہیب لو لم یخف اللہ لم یعصہ** اگر لو دونوں کی نفی بتاتا تو اس کے معنی ہوتے کہ حضرت صہیب رب سے ڈرتے بھی ہیں اور گناہ بھی کرتے ہیں (کبیر) یہ بحث خوب یاد رہے عجیب اور نفیس۔ **پانچواں اعتراض**: جب تقدیر میں ایمان نہ ہو تو اسے کسی معجزے سے ایمان نہیں ملتا یہ فائدہ **لتولوا** سے حاصل ہوا دیکھو جو کفار مرے باپ دادوں کے زندہ کرنے ان کے کلمہ پڑھنے کا مطالبہ کرتے تھے وہ اپنی آنکھوں سے کنکروں، پتھروں کو کلمہ پڑھتے دیکھ چکے تھے ان کی گواہیاں سن چکے تھے مگر ایمان نہ لائے ان معجزات کو جادو ہی کہتے رہے رب تعالیٰ توفیق خیر دے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں کفار کو جانوروں سے بدتر فرمایا تو کیا وہ دوسری مخلوق سے بدتر نہیں دوسری جگہ رب تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے **اولئک ھم شر البریہ** کفار ساری مخلوق سے بدتر ہیں دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: کافر جانوروں سے بھی بدتر ہیں اور دوسری مخلوق سے بھی یہاں صرف جانوروں کا ذکر ہے دوسری آیت میں ساری مخلوق کا تذکرہ تعارض کوئی نہیں یہاں مقصود یہ ہے کہ جانوروں کے پاس حواس نہیں عقل نہیں کفار کے پاس حواس بھی ہیں عقل بھی مگر اس کے باوجود یہ جانوروں سے بدتر ہیں لہٰذا مقصد ظاہر ہے۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت کریمہ میں کفار کے تین عیب بیان ہوئے بہرے، گونگے، بے عقل مگر طرز بیان میں فرق ہے **صم** اور **بکم** مفرد لفظ اور **یعقلون** مضارع ہے اس فرق کی وجہ کیا ہے بے عقل کو بھی نیز عاقلین سے بیان فرما دیا جاتا ہے یا **صم بکم** کے بھی مضارع ارشاد ہوتے۔ **جواب**: چند وجہ سے ا۔ **صم** اور **بکم** اسم جامد ہیں عقل جامد نہیں اس سے سننے اور گردان ہو سکتی ہے۔ 2۔ **لا یعقلون** صلہ ہے **الذین** کا اور صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے **صم بکم** صلہ نہیں۔ 3 کفار مکہ کو اپنی عقل پر ناز تھا کہ دنیا میں ہم سے بڑھ کر عاقل کوئی نہیں تو ان سے عقل کی نفی کی بہت شدت کے ساتھ **لا یعقلون** میں تجدد ہے یعنی ہر آن ہر ساعت میں وہ نئی بے عقلی میں مبتلا ہیں۔ **تیسرا اعتراض**: اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا جاننے والا ہے **بکل شیء علیم** پھر یہ کیوں ارشاد ہوا کہ اللہ اگر ان میں خیر جانتا یہ تو علم الٰہی کی نفی ہوئی یوں کہنا چاہیے کہ اگر ان میں خیر ہوتی تو انہیں سنا دیتا اس طرز بیان کی وجہ کیا ہے۔ **جواب**: اس

صورت میں دعوی مع دلیل ہے کیونکہ جو چیز واقع میں ہے تو لازم ہے کہ رب اس کو جانے لہٰذا جو چیز واقع ہی نہیں ہے لازم ہے کہ رب اسے نہ جانے لازم کی نفی ملزوم کی نفی کی دلیل ہوئی جب رب نے ان میں خیر نہ جانی تو یقیناً ان میں خیر نہیں ہے جیسے ہم کہیں کہ اگر دھوپ ہوتی تو دن نکل آتا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر دھوپ ہوتی تو سورج نکلا ہوا ہوتا تو دن نکل آتا (از روح البیان)۔ **چوتھا اعتراض**: یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ کفار کے مرے باپ دادے جی کر حضور کی گواہی دیتے اور پھر بھی کفار نہ مانتے پھر تو ماننے پر مجبور ہو جاتے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا کہ **لو اسمعھم لتولوا**۔ **جواب**: یقیناً ایسا ہی ہوتا رب تعالیٰ کی خبر سچی ہے مردوں کے کلام سے زیادہ تعجب ناک کنکروں ' پتھروں ' جانوروں کا کلمہ پڑھنا ہے کفار مکہ نے یہ معجزات دیکھتے تھے مگر ایمان نہ لائے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے یہ معجزہ بھی دکھایا تاکہ مردے زندہ کرکے ان سے اپنا کلمہ پڑھوالیا **واحی الموتی باذن اللہ** مگر یہ بد نصیبوں نے نہ مانا انسان بگڑے تو بڑا ضدی بن جاتا ہے۔ **پانچواں اعتراض**: تولی اور اعراض دونوں ایک ہی ہیں پھر تولوا کے ساتھ معرضون کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب**: ان دونوں میں بڑا فرق ہے منہ پھیرنا اعراض ہے اور چلا جانا تولی مطلب یہ ہے کہ وہ منہ پھیر کر چل دیتے آپ کی بات نہ سنتے۔

تفسیر صوفیانہ: تمام بھلائیوں کی جڑ عشق رسول ہے اور تمام برائیوں کی جڑ عداوت رسول جب دل میں حضور کی عداوت ہو تو عقل ' کان ' زبان سب پر پردے پڑ جاتے کوئی چیز کام نہیں کرتی بلکہ الٹا کام کرتی ہے۔ اللہ عشق رسول دے تو بغیر کان ' زبان ' عقل کے بھی کامیابی ہو جاتی ہے۔ جانوروں کے پاس کان ' زبان تھے عقل نہ تھی کنکروں ' پتھروں میں یہ کچھ بھی نہ تھا مگر وہ بے عقلی کے باوجود حضور کو پہچانتے تھے اور کنکر پتھر بغیر کان حضور کی سنتے تھے اور بغیر زبان کلمہ پڑھتے تھے کیونکہ عشق رسول ان سب کو رب نے دیا تھا ستون حنانہ کا فراق رسول میں رونا اس عشق کی جلوہ گری تھی کفار عشق رسول سے خالی تھے تو عاقل ہو کر دیوانے ہو گئے کان ہوتے ہوئے بہرے زبان ہوتے ہوئے گونگے ہوئے اور تمام جانوروں سے بد تر۔ اس آیت کریمہ میں خیر سے مراد محبت رسول ہے یعنی اگر کفار میں عشق کی چنگاری ہوتی تو صرف شعلہ دکھانے کی دیر تھی حضور کی ہر ادا پر ایمان لاتے ' بے درد بندہ اگر کچھ سن بھی لے تو اس پر قائم نہیں رہتا۔ مومن بن کر مرتد ہو جاتا ہے عشق و محبت والے کی آنکھ ' کان ' زبان بلکہ ہاتھ پاؤں میں ربانی طاقتیں آجاتی ہیں۔ بخاری نے حدیث قدسی نقل فرمائی کہ رب فرماتا ہے کہ میں اس کان ' آنکھ ' ہاتھ ' پاؤں ' زبان بن جاتا ہوں جس سے بندہ سنتا دیکھتا چھوتا ' چلتا ہے اسی عشق کی برقی طاقت سے حضرت آصف برخیا پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس یمن سے فلسطین لے آئے عشق وہ پاور ہے کہ جس چیز سے کنکشن اس کا ہو جائے اس میں اپنا کمال دکھا دیتا ہے۔

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما　　اے علاج جملہ علتہائے ما

عشق رسول اتباع رسول سے حاصل ہوتا ہے کسی طور پر اور کسی عاشق رسول کی صحبت اس کی نظر سے حاصل ہوتا ہے عطائی طور پر کسی عشق دیر سے عطائی عشق آنا "فانا" میسر ہو جاتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْا

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے قبول کرو اللہ کا اور اسکے رسول کا بلانا جب وہ رسول بلائیں تم کو

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں

اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اس لئے کہ وہ زندگی بخشتے ہیں تم کو اور جان لو کہ تحقیق اللہ آڑ واقع کر دیتا ہے درمیان انسان کے اور اسکے دل کے اور یہ کہ

زندگی بخشے گی اور جان لو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اسکے دلی ارادوں میں حائل ہو جاتا ہے اور یہ کہ تمہیں اس کی طرف اٹھنا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار کی بدبختیوں کا ذکر ہوا کہ وہ باوجود کان' زبان' عقل رکھنے کے بہرے گونگے اور بے عقل ہیں کیونکہ انہوں نے ان چیزوں سے فائدہ نہیں اٹھایا اب مسلمانوں کو حکم ہے کہ تم اس سے عبرت پکڑو اپنی ہر قوت اللہ کی اطاعت میں صرف کرو اس کی صورت یہ ہے کہ نبی ﷺ کے بلاوے پر حاضر ہو جاؤ۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ کفار بہرے گونگے اور بے عقل ہیں اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ زندہ نہیں ہیں ان اعضاء سے مردہ فائدہ نہیں اٹھاتا وہ مردہ ہیں کیونکہ زندگی تو حضور انور بخشتے ہیں وہ ہی جان کی جان اور ایمان کی روح ہیں **لمایحییکم** جب کفار ان محبوب سے بے تعلق ہو گئے تو ان میں زندگی کہاں سے آئے اور جب زندگی نہیں تو ان اعضاء سے فائدہ کیسے اٹھائیں گویا پہلے کفار کی بے بسی کا ذکر ہوا اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اگر کفار اپنے مردہ باپ دادوں کو زندہ ہوتے دیکھ بھی لیں ان سے توحید و رسالت کی گواہی سن بھی لیں تب بھی وہ منہ پھیر کر چل دیں گے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی کہ ایمان مردوں کے کلمہ پڑھنے سے نہیں ملتا بلکہ آستانہ رسول ان کی اطاعت سے ملتا ہے اے مومنو تم یہاں سے نہ ہٹو۔

تفسیر: **یاایھاالذین امنوا** ابھی کچھ پہلے اطاعت کے حکم پر مسلمانوں کو صفت ایمان کے ساتھ پکارا گیا تھا اب اجابت کے حکم پر بھی انہیں اسی صفت سے پکارا گیا چند وجوں سے بار بار رب تعالیٰ کے پکارنے سے بندے کو وہ لذت آتی ہے جو بیان سے باہر ہے لطف یہ ہے کہ ادھر سے ہم اسے بار بار پکارتے ہیں ادھر سے وہ ہم کو بار بار پکارتا ہے ہر بار پکار میں نیا لطف ہوتا ہے۔ 2۔ اس ندا میں یہ بتایا جاتا ہے کہ تم لوگ جو مومن اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن اللہ رسول کی اطاعت بھی کرے ان کی اجابت یعنی قبولیت بھی کرے وہ ڈیوٹی والا نوکر ہے اپنی ڈیوٹی پوری کرے۔ 3۔ چونکہ اللہ رسول کی اطاعت ان کی اجابت نفس پر گراں اور دشوار ہے تو رب تعالیٰ پہلے مومنوں کو اس خطاب سے مست شراب الست کر دیتا ہے پھر حکم سناتا ہے تاکہ اس مستی میں یہ کام آسان ہو جائیں جیسے اپریشن سے پہلے ٹیکہ لگا دیا جاتا ہے جس سے اپریشن کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ ہم ایمان و توحید کا فرق بارہا بیان کر چکے ہیں کہ اللہ رسول کو ماننے کا نام ایمان ہے انہیں الگ سمجھنے کا نام کفر ہے **یریدون ان یفرقوا بین اللہ و رسلہ** ان کے لئے قرآن کا فتویٰ ہے **اولئک ھم الکافرون حقا** ظاہر یہ ہے کہ **الذین امنوا** سے مراد حضرات صحابہ کرام

ہیں کہ حضور انور کا پکارنا اور اس پکار پر دوڑے آنا انہیں کو میسر تھا ہمارے ایسے نصیب کہاں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد تا قیامت مسلمان ہوں تو اگلے مضمون کی تفسیر کچھ اور ہی ہو گی **استجیبوا للہ وللرسول** اس فرمان عالی میں **استجیبوا** ۔ معنی **اجیبوا** ہے یعنی باب استفعال ۔ معنی باب افعال ہے (خازن و کبیر) تفسیر صاوی نے فرمایا کہ اس میں س اور ت زائد ہے اس کے معنی ہیں حاضر بارگاہ ہو جانا بلانے پر آجانا اس صورت میں خطاب صحابہ کرام سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ہو حکم ماننا یا حضور کے بلانے سے عام معنی مراد ہوں کہ حضور انور ہی بلائیں بلاواسطہ یا حضور انور کا کوئی نوکر نائب بلائے جیسے سلطان اسلام یا نماز کا موذن اس صورت میں یہ خطاب سارے مسلمانوں سے ہے یہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر برکت کے لئے ہے مقصود یہ یہ ہے کہ رسول اللہ کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ کیونکہ رب تعالیٰ بلاواسطہ کسی کو نہیں پکارتا یا یوں کہو کہ **وللرسول عطف تفسیر** ہے **للہ** پر مطلب یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ یعنی رسول اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ اس لئے ارشاد ہوا کہ **اذا دعاکم** صیغہ واحد کا **دعواکم** یہ ارشاد نہ ہوا **اذا** کے معنی ہیں جب کبھی دعا کا فاعل رسول اللہ ہیں کم میں خطاب سارے صحابہ کرام سارے اہل بیت عظام سے ہے خواہ وہ کسی درجے کے ہوں اور ہو سکتا ہے کہ خطاب سارے مسلمانوں سے ہو تب **دعاکم** کا مطلب وہ ہو گا جو ابھی عرض کیا گیا یعنی جب کبھی رسول تم کو بلائیں فوراً حاضر ہو جاؤ خواہ تم نماز میں ہو یا کسی دینی دنیاوی کام میں سب کچھ اسی طرح چھوڑ کر حاضر ہو جاؤ۔ **لما یحییکم** عام مفسرین اس جملہ کی تفسیریں کرتے ہیں کہ **لما** میں لام ۔ معنی **الی** ہے یا صلہ کا ہے یا موصولہ ہے یا نکرہ کا معنی شئی یحییکم فاعل ما ہے معنی جب تم کو رسول کسی ایسے کام کے لئے بلائیں جو تم کو زندگی بخشے خواہ اسے قرآن مراد ہو کیونکہ قرآن مومنوں کو روحانی زندگی بخشتا ہے **اوحینا الیک روحا" من امرنا** یا مراد جہاد ہو کہ وہ قوموں کی زندگی کا ذریعہ ہے یا اس سے مراد سارے اسلامی عقائد و اعمال کہ ان سے بندے کو دائمی زندگی ملتی ہے عروہ ابن زبیر کا یہ ہی قول ہے یا مراد ایمان ہے کہ اس سے دونوں جہاں میں زندگی امن نصیب ہوتی ہے یا مراد شہادت فی سبیل اللہ ہے کہ شہید بہ حکم قرآن زندہ ہیں **بل احیاء ولکن لا تشعرون**۔ لیکن اس تفسیر پر دو سخت دشواریاں لازم آتی ہیں ایک یہ کہ اس صورت میں حضور انور کے ہر بلانے پر حاضری لازم نہیں رہتے بلکہ بعض بلانے پر لازم ہوتی ہے۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بلانے پر حاضری لازم ہے جیسا کہ حضرت ابی ابن کعب اور سعید ابن معلی کی بخاری شریف والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے جسے ہم خلاصہ تفسیر میں عرض کریں گے۔ دوسرے یہ کہ پکار سننے والے کو کیسے معلوم ہو گا کہ حضور مجھے کسی کام کے لئے بلا رہے ہیں آیا یہ کام زندگی بخشنے والا ہے اور مجھ پر حاضری ہے یا دوسرا کوئی اور کام ہے اور مجھ پر حاضری لازم نہیں **لھذا** اس فرمان کی قوی تفسیر فقیر کے نزدیک یہ ہے کہ **لما** ۔ معنی **لانہ** ہے اور **یحییکم** کا فاعل رسول ﷺ ہیں اور معنی یہ ہیں کہ رسول جب تم کو بلائیں فوراً حاضر ہو جاؤ کیونکہ رسول تم کو زندگی بخشتے ہیں لہٰذا ان کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کی ہر پکار پر لبیک کہتے دوڑے آؤ اس تفسیر کی تائید تفسیر کبیر سے ہوتی ہے کہ وہاں فرمایا کہ حضور انور کے ہر حکم پر دوڑے آنا ضروری ہے کسی شرط کی قید نہیں اور حضرت ابی ابن کعب کی حدیث سے انہوں نے اس پر دلیل پکڑی۔ **واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ** یہ جملہ نیا ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے اس جملہ میں مذکور حکم کی وجہ حکمت بیان فرمائی گئی **یحول** بنا ہے حول سے جس کے لغوی معنی ہیں گھومنا کہا جاتا ہے **یحول علیہ الحول**

سال اور برس کو اس لئے حول کہتے ہیں کہ وہ گھوم گھوم کر آتا ہے پھر درمیان میں آجانے آڑ بن جانے کو حول کہنے لگے اس لئے پردہ کو حائل کہتے ہیں اسی سے ہے **حیلو لتمرء** سے مرد صرف انسان ہے مرد ہو یا عورت اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں 1۔اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان آڑ واقع کر دیتا ہے۔جس کی وجہ سے دل میں ہدایت داخل نہیں ہوتی یا داخل شدہ ہدایت نکل جاتی ہے۔2 اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب بندے اور اس کے دل کے درمیان آڑ واقع کر دیتا ہے۔جس کی وجہ سے کان سے سنا ہوا قرآن یا حضور کے معجزات اور آنکھ سے دیکھے ہوئے دلائل ایمان دل میں نہیں اترتے اور دل ہدایت سے محروم رہتا ہے۔3 اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان موت کی آڑ واقعہ کر دیتا ہے کہ اسے موت دے دیتا ہے۔جس سے بندہ اپنی دلی کیفیات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔4 اللہ تعالیٰ انسان اور اس کی دلی تمناؤں کے درمیان آڑ واقع کر دیتا ہے کہ اس کی آرزوئیں باوجود کوشش کے پوری نہیں ہوتیں گویا دل سے مراد دلی تمنائیں ہیں۔ ظرف بول کر مظروف مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے سال الوادی جنگل بھر گیا یعنی جنگل میں پانی بھر گیا۔5 قلب سے مراد عقل ہے رب فرماتا ہے **ان فی ذالک لذکری لمن کان له قلب** یہ قول مجاہد کا ہے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالے انسان اور اس کی عقل کے درمیان آڑ واقع کر دیتا ہے کہ اسے پاگل دیوانہ بنا دیتا ہے۔6۔ قلب سے مراد قرب الٰہی ہے یعنی دل کی ایک خاص کیفیت یعنی اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے قرب کے درمیان آڑ ڈال دیتا ہے کہ اسے اپنے سے دور کر دیتا ہے دربار عالی سے نکال دیتا ہے کہ متقی دل فاسق و فاجر بن جاتا ہے۔7 اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان ہے یعنی اس کے دل سے بھی قریب ہے۔رب فرماتا ہے **نحن اقرب الیه من حبل الورید** (تفسیر کبیر وغیرہ) بہرحال مقصد یہ ہے کہ موقعہ غنیمت جانو اللہ رسول کی اطاعت کر لو پھر موقعے بار بار نہیں ملتے زندہ مردہ ہو جاتا ہے عاقل پاگل ہو جاتا ہے اچھے خیالات دم کے دم میں بدل جاتے ہیں اس لئے نیکیوں میں جلدی کرو **وانه الیه تحشرون** یہ عبارت معطوف ہے **ان الله** پر اور **اعلموا** کا مفعول ہے یعنی یہ بھی جان لو یقین رکھو کہ دنیا میں ہمیشہ رہنا نہیں آخر کار بارگاہ الٰہی میں پیش ہو گے پھر پچھتاؤ گے۔

اے اونا سمجھ قربان ہو جا ان کے قدموں پر
یہ موقع زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کی بارہ تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو ہمارے نزدیک قوی ہے اے وہ مومنین جنہیں محبوب کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہے اس آستانہ عالیہ کا ایک ادب یاد رکھو کہ جب کبھی تم کو اللہ یعنی اس کے رسول بلائیں تو تم جس حال میں بھی ہو فوراً حاضر ہو جاؤ خواہ نماز پڑھتے ہو یا کوئی اور کام کرتے ہو اس لئے کہ رسول ﷺ کا تم پر یہ احسان ہے کہ وہ تم کو زندگی عطا کرتے ہیں اور قوت عطا کرتے ہیں کہ تمہارا ایمان' عرفان' تقویٰ' خدا رسی قلب و قالب کی ساری نعمتیں قرآن' فرقان سب اسی دروازے کی بھیک ہیں ایسے محسن اعظم کی ایسی ہی فرمانبرداری چاہئے یہ حکم تم کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ دل کو بدلتے دیر نہیں لگتی آن کی آن میں متقی دل فاسق بن جاتا ہے دیر لگانے میں اندیشہ ہے کہ دل بدل جائے۔اطاعت کا ارادہ نافرمانی میں تبدیل ہو جاوے یوں ہی تم کو موت کی خبر نہیں ممکن ہے کہ حاضری میں دیر کرو اور موت آجاوے اور تم نافرمان بن کر مرو لہذا جلدی کرو یہ بھی خیال رکھو کہ دنیا دائمی چیز نہیں آخر تم کو بارگاہ

الہی میں پیش ہونا ہے چاہیے کہ اچھے کام کرتے مرو تاکہ اچھی حالت میں اچھوں کے ساتھ تمہارا حشر ہو بخاری شریف نے حضرت سعید ابن معلی سے روایت کی فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں نماز پڑھ رہا تھا مجھے رسول اللہ ﷺ نے پکارا میں نے جواب نہ دیا پھر میں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یعنی نماز پوری کرنے کے بعد۔ یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابی ابن کعب نماز پڑھتے تھے حضور نے انہیں پکارا انہوں نے جلدی نماز ختم کر کے حاضر بارگاہ ہو کر سلام عرض کیا۔ حضور انور نے فرمایا تم کو جواب دینے حاضر ہونے سے کس چیز نے روکا عرض کیا حضور میں نماز میں تھا حضور انور نے فرمایا کیا تم نے قرآن پاک میں یہ نہیں پڑھا **استجیبوا اللہ وللرسول اذا دعاکم** عرض کیا ہاں اب آئندہ ایسا نہ ہوگا (خزائن العرفان ' خازن ' ترمذی شریف وغیرہ) بلکہ حدیث شریف میں یہاں تک آتا ہے کہ حضور انور نے ایک صحابی کے دروازے پر آواز دی وہ اپنی بیوی سے مشغول تھے بغیر فراغت اسی طرح اٹھ کر حاضر ہو گئے فرمایا **لعلنا اعجلناک** شاید ہم نے تم کو جلدی ہٹا دیا عرض کیا ہاں فرمایا تم پر غسل واجب ہو گیا اس قسم کی روایات ہماری کتاب سلطنت مصطفےٰ میں دیکھو یہ ہے اس آیت کریمہ پر عمل بلکہ اس کی عملی نہ مٹنے والی تفسیر۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضرات صحابہ بڑے خوش نصیب ہیں کہ انہیں حاضری بارگاہ میسر تھی آداب حاضری انہیں نصیب تھے یہ فائدہ **یاایھا الذین امنو** کی تفسیر سے حاصل ہوا ہمیں یہ کہاں نصیب۔

جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے!!

دوسرا فائدہ: حضرات صحابہ کرام کو بہت سی عبادات وہ میسر ہوئیں جو ہم کو نہیں ہوئیں جیسے حضور انور کا دیدار حضور کی خدمت حضور کے پکارنے بلانے پر حاضری حضور کے دربار کے آداب یہ فائدہ بھی **الذین امنوا** کی تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس سے مراد حضرات صحابہ ہیں لہٰذا کوئی شخص کسی درجے میں پہنچ کر صحابی تک نہیں پہنچ سکتا نبی کی شان تو بہت بلند ہے۔ **تیسرا فائدہ:** حضور انور کا بلانا اللہ تعالیٰ کا بلانا ہے کیونکہ رب تعالیٰ بلاواسطہ کسی کو نہیں بلاتا یہ فائدہ **للہ وللرسول** فرمانے اور بعد میں دعا واحد فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** مومن کسی حالت میں ہو ضروری ہے کہ حضور انور کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جاوے حتیٰ کہ اگر نمازی بحالت نماز حضور کی پکار سنے تو اسی حالت میں خدمت اقدس میں حاضر ہو جاوے یہ فائدہ **اذا دعاکم** میں **اذا** کے عموم سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: اگر نمازی بحالت نماز حضور انور کے بلانے پر خدمت اقدس میں حاضر ہو اور جس کا حضور حکم دیں وہ بھی کرے جب بھی وہ نماز ہی میں رہے گا پھر جتنی رکعات رہ گئی تھیں وہ ہی پڑھے (تفسیر روح المعانی و تفسیر بیضاوی) یہاں تفسیر بیضاوی نے فرمایا کہ نماز بھی حضور کی پکار پر حاضری ہے تو یہ حاضری دوسری حاضری سے نہیں ٹوٹ سکتی فقیر کہتا ہے کہ اگر نمازی کا وضو ٹوٹ جاوے تو وضو کر آنے سے نماز نہیں ٹوٹی تو حاضری بارگاہ سے نماز کیوں ٹوٹے کہ وہ دل اور روح کا وضو ہے۔ نماز کی حالت میں

حضور کو سلام کرنا واجب ہے **السلام علیک ایھا النبی** دوسرے کو سلام کرنا نماز توڑ دیتا ہے اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمن اور سلطنت مصطفیٰ میں دیکھو۔ **مسئلہ**: چند صورتوں میں نماز توڑ دینا چاہئے۔ اماں کے بلانے پر نفل نماز توڑ دے جبکہ اسے خبر نہ ہو کہ میرا بیٹا نماز پڑھ رہا ہے۔ 2 اگر کوئی شخص بے خبری میں چھت سے یا کنوئیں میں گر اجارہا ہے تو نماز توڑے اور اسے بچائے۔ 3۔ اگر نمازی کا گھوڑا بھاگا جاتا ہے یا ریل چھوٹی جارہی ہے یہ پیچھے نماز پڑھ رہا ہے وغیرہ مگر ان صورتوں میں نماز ٹوٹ جاوے گی دوبارہ پڑھنی ہوگی اس کی تفصیل شامی میں دیکھو۔ **پانچواں فائدہ**: حضور انور ﷺ مومنوں کو دائمی اور نہ مٹنے والی زندگی بخشتے ہیں یہ فائدہ **لما یحییکم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جو حضور کے دامن سے وابستہ ہو گیا وہ موت سے بھی فنا نہیں ہوتا اور جو ان سے جدا ہوا وہ جیتے جی بھی مردہ ہے۔

لا تعجبن الجھول حلتہ　　فذاک میت و ثوبہ کفن

جاہلے کان بعلم زندہ نہ شد　　میش دان و مسکنش مدفن

از جنازہ نشاں جنازہ او　　جا مہائے تنش بجائے کفن

یعنی جاہل جیتے جی مردہ ہے اس کے اعلیٰ کپڑے کفن ہیں اس کی کوٹھی اس کا مدفن (قبر) ہے زمین کی زندگی بارش سے ہے دل کی زندگی علم دین سے اور علم دین حضور انور سے (روح البیان)۔ **چھٹا فائدہ**: حدیث پر عمل کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا قرآن مجید پر عمل کرنا کیونکہ قرآن و حدیث ایک زبان ایک ہی لب سے ادا ہوئے یعنی حضور کی زبان ان کے لب اور دہان سے جن الفاظ کے متعلق حضور نے فرمادیا کہ یہ قرآن ہے ہم نے انہیں قرآن مان لیا اور جن **کلمات** کے **متعلق** فرمادیا کہ یہ حدیث ہے ہم نے انہیں حدیث مان لیا زبان ایک ہے مگر کلام کی نوعیتیں دو بلانے والے حضور ہی ہیں کبھی اپنا نام لے کر کبھی رب کا نام لے کر یہ فائدہ بھی **للہ والرسول** کے بعد دعا صیغہ واحد فرمانے سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: امر وجوب کے لئے ہے کیونکہ حضور انور کا فرمانا کہ یہاں آؤ امر ہے اور اس کا قبول کرنا اس آیت کے بموجب ضروری ہے کہ ارشاد ہوا **استجیبوا**۔ **اٹھواں فائدہ**: انسان خیر کی توفیق کو غنیمت جانے اور نیکی میں جلدی کرے دل کو بدلتے دیر نہیں لگی مسلم شریف نے بروایت حضرت عبداللہ ابن عمرو حدیث نقل کی کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ انسان کا دل رحمان کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہے جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اور پھر فرمایا اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دل اپنی اطاعت پر جما دے حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اکثر یہ دعا کرتے تھے کہ **مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک** اے دلوں کے پھیرنے والے میرا دل اپنے دین پر جما دے۔ یہ فائدہ **یحول بین المرء و قلبہ** سے حاصل ہوا جبکہ آڑ سے مراد ہو توفیق کا زائل ہو جانا۔ **نواں فائدہ**: انسان زندگی کا ہر لمحہ غنیمت سمجھے موت کو قریب جانے اور نیکی میں جلدی کرے نہ معلوم موت کب آجاوے یہ فائدہ بھی **یحول** سے حاصل ہوا جبکہ حائل سے مراد موت ہو دیکھو تفسیر۔ **دسواں فائدہ**: تقویٰ کی اصل قیامت وہاں کے حساب کو یاد رکھنا ہے جو اس دن کی پیشی وہاں کے حساب کا خیال رکھے وہ انشاء اللہ گناہ کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا یہ فائدہ **الیہ تحشرون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں **استجیبوا** ارشاد ہوا باب استفعال جس کے معنی ہیں حاضری یا قبولیت مانگو تم نے معنی کئے حاضر

ہو جاؤ یا قبول کرو یہ معنی غلط ہیں۔ جیسے **استعینوا** کے معنی ہیں مدد مانگو نہ کہ مدد کرو۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب تفسیر صاوی نے یہ دیا کہ یہاں **استجیبوا** باب افعال سے ہے سین اور ت زائدہ ہے جیسے **اھریقوا** میں **اریقو** ہے اس میں ہ زائدہ ہے باقی مفسرین نے فرمایا کہ یہاں باب استفعال طلب کے لئے نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فوراً بلاوغدغہ حاضر ہو جایا کرو حروف کی زیادتی معنی کی زیادتی کا سبب ہے۔ بہر حال یہ معنی **اجیبوا** ہے مبالغہ کے معنی پیدا کرنے کے لئے اس طرح ارشاد ہوا۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت کریمہ میں اللہ اور رسول دو ذاتوں کا ذکر ہوا مگر دعا صیغہ واحد ارشاد ہوا نحوی قاعدہ سے دعوا فرمانا چاہئے تھا یہ کیوں ہوا۔ **جواب**: اس کے جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوئے اللہ کا ذکر برکت کے لئے ہے بلانے والے صرف رسول ہیں انہیں کے اعتبار سے دعا واحد ارشاد ہوا معنی یہ ہیں کہ جب رسول اللہ تم کو بلائیں تو فوراً حاضر ہو جاؤ یا یوں کہو کہ اگرچہ بلانے والے دو ہیں۔ اللہ رسول مگر بلاوا ایک ہے کہ خدا تعالیٰ کا بلاوا حضور نبی کے ذریعہ سے ہے یا یوں کہو کہ بلاوے دو ہیں مگر ان دونوں بلاووں کی زبان و دہان ایک ہی یعنی زبان و دہان مصطفےٰ ﷺ ان وجوہ سے دعا واحد ہی آنا چاہئے تھا۔ **تیسرا اعتراض**: اگر یہ بات ہے تو دعا کا فاعل رب تعالیٰ کو کیوں نہیں مانتے کہ اسکا بلانا اصل ہے رسول کا بلانا فرع رسول کو فاعل کیوں مانتے ہو۔ **جواب**: چند وجہ سے ایک یہ کہ رسول قریب ہے **دعاکم** سے لفظ اللہ دور اور ضمیر لوٹا کرتی ہے قریب کی طرف دیکھو۔ رب فرماتا ہے **اغناھم اللہ و رسولہ من فضلہ** یہاں بھی ذکر ہوا اللہ رسول کا مگر من فضلہ میں ضمیر آئی واحد چونکہ رسول ضمیر سے قریب ہے اس لئے یہ ضمیر رسول کی طرف لوٹی دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی مومن کو نہ بلاتا ہے نہ پکارتا ہے رسول ہی بلاتے پکارتے ہیں خواہ اپنی طور سے بلائیں پکاریں یا رب تعالیٰ کی طرف سے لہٰذا دعا کی ضمیر رسول ہی کی طرف لوٹنی چاہئے کہ اس میں دونوں پکاریں شامل ہو جائیں گی۔ **چوتھا اعتراض**: عام مفسرین نے آیت کریمہ کے معنی یہ کئے کہ: جب تم کو اللہ رسول اس کام کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے جیسے کلمہ، قرآن، جہاد، شہادت، نیک اعمال، علم وغیرہ تب تم حاضر ہو جاؤ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے ہر بلاوے پر حاضر ہو جانا ضروری نہیں۔ **جواب**: ان مفسرین کی طرف سے یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ یہ قید احترازی نہیں بلکہ بیان واقعہ کی ہے یعنی وہ جس کام کے لئے بھی تم کو بلائیں گے وہ تم کو زندگی ہی بخشے گا خواہ دینی کام کے لئے بلائیں خواہ اپنے ذاتی کام کے لئے کیونکہ وہ محبوب سراپا دین ہیں ان کا ہر کام ہر ارشاد عین دین ہے تمہارے لئے زندگی بخش ہے۔ جیسے رب فرماتا ہے **من ذالذی یقرض اللہ قرضاً حسنا** وہاں بھی حسن کی قید بیان کی ہے احترازی نہیں کیونکہ رب تعالیٰ کو جو قرض دیا جاوے گا وہ حسن ہی ہو گا قبیح یا برا نہ ہو گا ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ ہمارے نزدیک اس فرمان کے یہ معنی قوی ہیں کہ رسول تم کو زندگی بخشتے ہیں اور یہ حکم کی وجہ کا بیان ہے اس صورت میں کوئی اعتراض ہی نہیں۔ **پانچواں اعتراض**: حضور انور کسی کو زندگی کیسے دے سکتے ہیں وہ تو خود زندہ نہ رہے وفات پاگئے لہٰذا یہ ترجمہ غلط ہے (بے ادب وہابی)۔ **جواب**: جو حضور انور کو مردہ کہے اس کا اپنا دل، دماغ، ایمان مردہ ہے وہ زندہ تھے زندہ ہیں زندہ رہیں گے بلکہ جس پر وہ نگاہ کرم پڑ جائے وہ نہیں مرتا ایک صوفی کہتے ہیں۔

میں مروں تو جگ مرے مرے میری بلائے سچے پیر کا بالکا مرے نہ مارا جائے!

رب فرماتا ہے شہداء کے لئے **بل احیاء** اللہ والوں کی موت ان کی زندگی کو فنا نہیں کر سکتی سورج ڈوب کر چھپ جاتا ہے مٹ

نہیں جاتا حضور وفات پاکر ہم سے چھپ گئے ہیں مٹ نہیں گئے سورج چھپ کر بھی دنیا کے کام بناتا ہے رات بناتا ہے تارے چمکاتا ہے نماز مغرب' عشاء' تہجد' فجر کے اوقات بناتا ہے حضور انور قبر انور میں رہ کر ہم سے چھپ کر ہمارے سارے دینی و دنیاوی کام بنا رہے ہیں ایمان' عرفان' تقوی بلکہ عالم کا بقا حضور سے ہے اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب مرآت باب الجمعہ میں حدیث نبی اللہ حی یرزق کی شرح میں دیکھو خدا آنکھ دے تو وہ آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں ان کی آوازیں اب بھی دلوں پر وارد ہوتی ہیں جو محسوس ہوتی ہیں۔ **چھٹا اعتراض**: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے دل پر آڑیا پردہ ڈال دے یا خود آڑبن جائے یہ تو اس کی شان کے خلاف ہے کہ لوگوں کے دلوں تک ہدایت نہ پہنچنے دے وہ کریم تو غافلوں کے پردے اٹھاتا ہے نہ کہ خود ڈالے۔ **جواب**: **یحول بین المرء** میں پردے ڈالنے کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف خلق کی ہے نہ کسب کی جیسے چھری گلے پر چلا دینے سے اللہ مذبوح و مقتول میں موت پیدا کر دیتا ہے ایسے ہی جب انسان غفلت والے کام کرتا ہے دنیا میں پھنستا ہے تو رب تعالیٰ دل میں غفلت پیدا کر دیتا ہے دوسری جگہ فرماتا ہے **کلا بل ران علی قلوبهم ما کانو یکسبون** یہاں غفلت کی وجہ بندوں کے کسب کو فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: یہاں **الذین امنوا** میں مومن جن و انس سارے فرشتے سارے نباتات جمادات حتیٰ کہ چاند تارے سورج بھی اس میں داخل ہیں سواء بعض جن و انس کے کوئی مخلوق کافر نہیں سب مومن ہیں رب فرماتا ہے **وان من شیی الا یسبح بحمده** ان سب کو حکم ناطق دیا جا رہا ہے جب اور جس ساعت میں پکاریں حاضر ہو جاؤ جس کا حکم دیں فوراً تعمیل ارشاد کرو کیونکہ تم سب کی حیات و بقاء انہیں کے طفیل ہے اس آیت پر عمل تھا کہ اشارہ پاتے ہیں چاند پھٹا **اقتربت الساعته وانشق القمر** ڈوبے ہوئے آئے کلمہ پڑھتے حاضر ہوئے کنکروں پتھروں کو حکم دیا تو بول پڑے کلمہ شہادت پڑھنے لگے۔ جانوروں کو بلایا تو وہ سجدہ کرتے حاضر ہوئے غرضکہ اس سلطان کونین کا حکم سب پر جاری و طاری و ساری ہے۔ **استجیبوا للّٰہ** کا اعلان ہو چکا ہے چونکہ مخاطبین کی ان فہرست میں انسان سرفہرست تھا اس کو بہکانے والے بہت ہیں اس لئے خصوصیت سے اسے مخاطب فرماکر ارشاد ہوا کہ اے انسانوں تمہاری عمریں چھوٹی ہیں تم کو پہنچنا ہے اعلیٰ درجہ پر لہٰذا تم بہت احتیاط سے اطاعت و اجابت کرو ایسا نہ ہو کہ دل پر کوئی ایسی افتاد پڑے کہ توفیق خیر جاتی رہے اس پر توجہ رکھو آخر تم سب نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں جمع ہونا ہے تم نے اونچا ہونا ہے تو اونچے اعمال لے کر آؤ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اجابت سرائر سے ہے حضور کی اجابت ظواہر سے اللہ کی اجابت روح کی شہود کیلئے ہے قلوب کی شواہد کے لئے۔ اسرار کی مشاہدہ کے لئے خفی کی فنا فی اللہ کے لئے حضور انور کی اجابت اقوال' افعال' احوال سب میں ہی چاہئے یہاں اجابت اختیار کرو تاکہ تم انابت الی اللہ نصیب ہو۔

وَاتَّقُوۡا فِتۡنَةً لَّا تُصِيۡبَنَّ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡكُمۡ خَآصَّةً‌ ۚ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ
اور ڈرو تم فتنے سے جو ہرگز نہیں پہنچے گا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے خاص کر اور جانو کر تحقیق اللہ
اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو ہرگز تم میں خاص ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا اور جان لو کہ اللہ کا عذاب

اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذۡکُرُوۡۤا اِذۡ اَنۡتُمۡ قَلِیۡلٌ مُّسۡتَضۡعَفُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ

سخت عذاب والا ہے اور یاد کرو وہ وقت جبکہ تم تھوڑے تھے کمزور سمجھے ہوئے تھے زمین میں تم

سخت ہے اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے ملک میں دبے ہوئے تھے ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ

تَخَافُوۡنَ اَنۡ یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىکُمۡ وَاَیَّدَکُمۡ بِنَصۡرِہٖ وَرَزَقَکُمۡ مِّنَ

خوف کرتے تھے کہ اچک لیں تم کو لوگ پس پناہ دی تم کو اس نے اور قوت دی تم کو اس نے ساتھ

تمہیں اچک نہ لے جائیں تو اس نے تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد سے زور دیا اور

الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۲۶﴾

مدد اپنی کے اور روزی دی تم کو پاکیزہ چیزوں تاکہ تم شکر کرو

ستھری چیزیں تمہیں روزی دیں کہ کہیں تم احسان مانو

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں اللہ رسول کے بلائے حاضر ہو جانے کا حکم دیا گیا تھا اب اس کے خلاف ورزی کرنے پر سزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اگر اس پر عمل نہ کرو گے تو عام فتنہ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں اندرونی روحانی جنانی آفت کا ذکر فرمایا گیا تھا یعنی توفیق خیر نہ رہنا اس وجہ سے نیکیاں بند ہو جانا اب ظاہری، اندرونی، جسمانی آفت کا ذکر ہے یعنی عام فتنہ میں مبتلا ہو جانا جس سے نیک اعمال کا موقع نہ ملے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اللہ رسول کی پکار پر حاضری کا حکم دیا گیا اب اس انعام و احسان کا ذکر ہے۔ جو رب نے حضور انور کے ذریعہ ہم کو عطا کئے یعنی قلت کے بعد کثرت، کمزوری کے بعد قوت خود و ڈر کے بعد امن **واذکروا اذانتم**

نزول: آیت کریمہ **واتقوا فتنۃ** کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں ا یہ آیت حضرت علی، عمار، طلحہ، زبیر وغیرہم کے متعلق نازل ہوئی جس میں ان لڑائیوں کی خبر دی گئی جو بعد میں ان میں آپس میں ہوئیں جیسے جنگ جمل اور صفین وغیرہ روایت ہے کہ ایک بار حضرت زبیر جناب علی مرتضیٰ سے بہت محبت سے باتیں کر رہے تھے حضور ﷺ نے پوچھا کہ اے زبیر کیا تم علی سے محبت کرتے ہو عرض کیا اتنی محبت جتنی اپنے بچوں عزیزوں سے کرتا ہوں فرمایا اس وقت کیا ہو گا جب تم علی سے جنگ کرو گے (تفسیر کبیر، خازن وغیرہ) امام سدی نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ **واذکروا اذانتم** غزوہ بدر کے متعلق نازل ہوئی (کبیر)۔ 3۔ یہ آیت کریمہ **واتقوا فتنۃ** ان اوقات ان فتنوں کے متعلق نازل ہوئی جن کے متعلق حضور انور نے خبر دی تھی کہ اس میں بیٹھا رہنے والا کھڑے رہنے والے سے بہتر ہو گا اور کھڑا رہنے والا دوڑنے والے سے غنیمت ہو گا (خازن)۔

تفسیر: **واتقوا فتنۃ** یہ فرمان یا تو معطوف ہے **واعلموا** پر تو واؤ عاطفہ ہے یا نیا جملہ ہے تو واؤ ابتدائیہ ہے **اتقوا** میں خطاب یا صحابہ کرام سے ہے یا سارے مسلمانوں سے دوسری بات قوی ہے یہاں تقویٰ بمعنی ڈرنا ہے **فتنۃ** یا تو بمعنی

آزمائش ہے یا بمعنی آفت ناگہانی یا بمعنی آپس کا جنگ وجدال یا بمعنی گناہ جو عذاب کا سبب ہو (خازن کبیر) **لاتصیبن الذین ظلموامنکم خاصتہ** یہ عبارت صفت ہے **فتنتہ** کی اگر فتنہ سے مراد گناہ تھا **لاتصیبن** کا فاعل اس گناہ کا وبال ہے یعنی دنیاوی آفات اور ظلموا میں ظلم سے مراد گناہ ہے اگر فتنہ سے مراد آپس کی لڑائیاں ہیں تو **لاتصیبن** کا فاعل خود وہ ہی ہیں یا ان کا اثر اور ظلموا سے مراد وہ جو اس لڑائی میں مشغول ہوں **خاصتہ** یا تو ظلموا کے فاعل کا حال ہے یا **لاتصیبن** کے فاعل کا حال ہے خیال رہے کہ **لاتصیبن** اگرچہ نفی ہے مگر بمعنی نہی ہے اس لئے اس پر نون تاکید آگیا ورنہ نون تاکید نفی پر نہیں آیا کرتا جو نفی امر کے جواب میں آتی ہے وہ بمعنی نہی ہوتی ہے جیسے رب فرماتا ہے **ادخلوامساکنکم لا یحطمنکم** سلیمان و جنودہ دیکھو **لایحطمن** نفی بمعنی نہی ہے اس لئے اس میں نون تاکید آگیا یعنی اے صحابہ رسول یا اے امت رسول اس آفت ناگہانی یا اس آزمائش رب یا اس آپس کے جنگ وجدال کشت وخون سے ڈرو جو صرف گنہگاروں خطاکاروں کو ہی نہیں پہنچے گی بلکہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی یا ان گناہوں سے بچو جن کا وبال صرف گنہگاروں پر ہی نہ پڑے گا بلکہ اپنی لپیٹ میں بے گناہوں کو بھی لے لے گا **واعلموان اللہ شدید العقاب** یہ عبارت یا تو معطوف ہے **اتقوا** پر یا نیا جملہ ہے یعنی یہ بھی یقین رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے کبھی وہ دنیا میں بھی بعض خطاؤں پر سزا دے دیتا ہے خوف کے بعد امید کا قہر کے بعد کرم و مہر کا ذکر ہوتا ہے کہ **واذکروااذانتم قلیل** اذ فرمان عالی میں وہ ہی دونوں احتمال ہیں کہ یا تو **اعلموا** پر معطوف ہے یا نیا جملہ ذکر کے معنی یاد کرنا بھی ہیں اور یاد رکھنا بھی تذکرہ کرنا بھی اس میں خطاب یا حضرات صحابہ سے ہے یا مہاجرین سے یا تمام اہل عرب سے اور ہو سکتا ہے کہ سارے مسلمانوں سے ہو کہ پہلے مسلمانوں کے وہ ہی حالات تھے جو یہاں مذکور ہیں یا غازیان بدر سے ہو کہ وہ اسی جنگ میں تھوڑے تھے قلیل سے مراد ہے تعداد و شمار میں تھوڑے **مستضعفون فی الارض** یہ عبارت یا تو **انتم** کی دوسری خبر ہے یا قلیل کی صفت استضعاف کے معنی ہیں کمزور سمجھا جانا ارض سے مراد یا زمین مکہ ہے یا زمین بدر یا زمین عرب یا ساری زمین جیسا **انتم** میں خطاب ویسے الارض کے معنی قلیل ہیں تعداد کی کمی بیان ہوئی اور اس میں سامان کی کمی بیان ہوئی اور اس میں سامان کی کمی حالات کی ناموافقت اسباب کا نہ ہونا بیان ہوا یعنی اے مہاجرین تم زمین مکہ میں کمزور سمجھے جاتے تھے کہ قریش تمہیں بہت ضعیف و ناتواں جان کر تم پر ظلم کرتے تھے یا اے صحابہ تم زمین عرب میں کمزور سمجھے جاتے تھے یا اے اہل عرب تم کو روم و فارس والے بہت ہی کمزور سمجھتے تھے یا اے روئے زمین کے مسلمانو تم کو ساری زمین میں بہت کمزور شمار کیا جاتا تھا **تخافون ان یتخطفکم الناس** یہ فرمان عالی بھی یا تو **انتم** کی تیسری خبر ہے یا قلیل کی دوسری صفت اس میں مسلمانوں کی تیسری حالت کا ذکر ہے جتنے احتمال **مستضعفون** میں تھے اتنے ہی احتمال اس میں ہیں **تخطف** کے معنی ہیں اچانک کوئی چیز چھین لینا یعنی اچک لینا یا اچانک کسی کو قتل کر دینا یا اچانک گھروں سے نکال دینا وغیرہ **الناس** سے مراد یا کفار مکہ ہیں یا کفار بدر جو مسلمانوں کے مقابل مکہ معظمہ سے آئے یا فارس و روم کے کفار یا سارے کفار یعنی اے غازیان بدر تم کو خطرہ تھا کہ کفار بدر تمہیں اچانک فنا کر دیں یا اے مہاجرین مکہ تم کو ڈر تھا کہ قریش مکہ تم کو اچانک ہلاک کر دیں یا اے عرب والو تم تھرتھراتے تھے کہ روم و فارس کی طاقتیں تم کو پامال کر ڈالیں تمہارے یہ حال تھے کہ اچانک تم پر ہماری نعمتیں نازل ہوئیں پہلی یہ کہ **فاواکم** یہ فرمان عالی معطوف ہے **انتم قلیل** پر تو ف عاطفہ ہے اس کے معنی ہیں پس فوراً معنی

نہیں یعنی صرف بعدیت کے لئے ہے فوراً کے لئے نہیں اوابنا ہے اوی سے ۔ معنی پناہ اسی سے ہے ماوی ۔ معنی پناہ گاہ رب فرماتا ہے او آوی الی رکن شدید۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ فرمان ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہو اور ف جزائیہ کلم میں بھی احتمالات وہ ہیں جو پہلے عرض کئے گئے یعنی اے مہاجرو رب نے تم کو مدینہ منورہ میں پناہ دی یا اے غازیان بدر رب نے تم کو دامن رحمت میں پناہ دی یا اے عرب والو تم کو رب نے دامن محبوب میں پناہ دی کہ ان کی برکت سے تم نے روم و فارس عہد فاروقی میں فتح کئے **وایدکم بنصرہ** یہ فرمان عالی معطوف ہے اواکم پر ایدبنا ہے اید سے ۔ معنی قوت تائید قوت دینا یعنی اے مہاجرو اللہ نے تم کو انصار کے ذریعہ قوت دی یا اے غازیان بدر اللہ نے تم کو فرشتوں کے ذریعہ قوت اور فتح دی یا اے عرب والو اللہ نے تم کو روم و فارس پر فتح و نصرت بخشی ورنہ کہاں یرموک کے سات لاکھ عیسائی اور کہاں تم چالیس ہزار یا اے روئے زمین کے مسلمانوں اللہ نے تمہاری مدد کی کہ دنیا نے تمہارا وجود مان لیا پہلے تو تم کو کفار کچھ سمجھتے ہی نہ تھے **ورزقکم من الطیبات** یہ تیسرے احسان کا بیان ہے رزق میں ساری جسمانی روزیاں داخل ہیں۔ غذا لباس روپیہ پیسہ وغیرہ طیبات جمع ہے طیبۃ کی ۔ معنی پاکیزہ ستھری اس سے مراد ہوتا ہے مزے دار لذیذ یعنی اے مہاجرو تم کو مدینہ منورہ میں مزے دار غذائیں پھل فروٹ وغیرہ عطا فرمائیں تم کو انصار کے مال سے غنی کر دیا انصار نے تم کو اپنے مال میں برابر کا شریک کر لیا۔ اے غازیان بدر تم کو غزوہ بدر میں مال غنیمت بعد میں مال فدیہ عطا فرمایا تم پہلے وہ ہو جن کے لئے غنیمت حلال ہوئی تم سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں ہوئی تھیں یا اے عرب والو تم کو عرب و عجم کا حاکم بنا کر ہر جگہ کی مزیدار چیزیں دیں ان سب کرم نوازیوں کا مقصد یہ ہے کہ **لعلکم تشکرون** کہ تم بھی ہمارا احسان مانو ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرو شکر کے معانی اور اس کے اقسام و احکام ہم دوسرے پارے میں **واشکروالی ولاتکفرون** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں جیسی نعمت ویسا شکریہ۔ شکر سے نعمت بڑھتی ہے کفران یعنی ناشکری سے گھٹتی ہے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان آیات کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں جن میں سے ہم ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے مسلمانو ہمیشہ ایسے عام فتنہ سے ڈرتے رہو کہ جو صرف ملزم و مجرم کو نہیں پکڑتا بلکہ اپنی لپیٹ میں تمام قصوروار اور بے قصوروں کو لے لیتا ہے ایسی حرکتیں نہ کرو جن سے ایسے فتنے رونما ہوں۔ یہ خیال رکھو کہ رب تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے جو کبھی دنیا میں بھی نازل ہو جاتا ہے اللہ کا یہ فضل بھی ہمیشہ یاد رکھو کہ پہلے تم تھوڑی تعداد میں تھے روئے زمین کے کفار تم کو کمزور و ضعیف سمجھتے تھے تمہارا کوئی ٹھکانہ نہ تھا تم کو ہر دم کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کبھی ہم کو دنیا کے کفار اچانک فنا نہ کر دیں اللہ تعالیٰ نے تم پر کئی کرم کئے ایک یہ کہ تم بے ٹھکانوں کو ٹھکانہ دیا۔ دوسرے یہ کہ تم کو ہر موقع پر غیب سے مدد بھیجی اور تیسرے یہ کہ تم کو حلال روزیاں مختلف قسم کی عطا کیں یہ تمام کرم نوازیاں اس لئے کیں کہ تم ان پر فخر نہ کرو بلکہ شکر کرو جیسی نعمت ویسا شکریہ۔ خیال رہے کہ چند موقعوں پر عام مصیبت آجاتی ہے جس میں قصوروار اور بے قصور سب گرفتار ہو جاتے ہیں۔ 1۔ جب کہ کچھ لوگ گناہ کریں باقی لوگ ان کے گناہ سے راضی ہوں۔ 2۔ جبکہ عام لوگ گناہ کریں اور دوسرے لوگ قادر ہوتے ہوئے انہیں منع نہ کریں۔ 3۔ جبکہ بہت بھاری اکثریت گناہوں میں گرفتار ہو جائے بہت کم لوگ بچے رہیں۔

احادیث: امام بغوی نے بروایت عدی ابن عدی کندی روایت کی کہ فرمایا رسول ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ خواص کے گناہ سے

عوام پر عذاب نہیں بھیجتا حتی کہ جب یہ حالت ہو جاوے کہ لوگ علانیہ گناہ کریں اور دوسرے انہیں روکنے پر قادر ہوں مگر نہ روکیں جب یہ حال ہو گا تو عام لوگ عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے۔ ابوذر نے جریر ابن عبداللہ سے روایت کی کہ فرمایا رسول ﷺ نے جس قوم میں گناہ کئے جاویں دوسرے لوگ اس روکنے پر قادر ہوں مگر نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ ان کی موت سے پہلے ان پر عذاب بھیجے گا (تفسیر خازن) بعض روایات میں اس عذاب کی مثال یوں دی گئی ہے کہ اگر لوگ کشتی میں سوار ہوں ایک شخص کشتی کا تختہ توڑنے لگے دوسرے اسے نہ روکیں وہ توڑنے میں کامیاب ہو جاوے تو سب ہی ڈوبیں گے یہ احادیث اس آیت کی شرح ہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اگرچہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے عام غیبی عذاب آنا بند ہو گئے پتھر برسنا، صورتیں مسخ ہونا زمین لوٹ جانا مگر دوسرے ظاہری عام عذاب اب بھی آسکتے ہیں جیسے وبائی بیماریاں، زلزلے، آپس میں کشت و خون لڑائیاں فساد وغیرہ یہ فائدہ **واتقوا فتنۃ** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** علماء کو چاہیے کہ کبھی تبلیغ میں کوتاہی نہ کریں ورنہ وہ بھی سب کے ساتھ گرفتار بلا ہو جائیں گے وہ یہ نہ خیال کریں کہ لوگ گناہ کرتے ہیں تو کریں ہم کو کیا ہم تو نیکیاں کر رہے ہیں گندم کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں اگر ایک **شخص** کشتی توڑ دے تو سارے سوار ڈوب جاتے ہیں یہ فائدہ **لا تصیبن الذین ظلموا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** انسان امن و عافیت کو غنیمت جانے اس زمانہ میں جس قدر نیکیاں ہو سکے کرے اور امن عامہ کی دعا کرتے رہے۔ حضور سید عالم ﷺ اکثر عفو اور عافیت کی دعا کرتے تھے۔ **چوتھا فائدہ:** بعض گناہوں کی سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے ماں باپ کا نافرمان دنیا میں چین نہیں پاتا، زنا کی کثرت سے بلائیں ٹوٹتی ہیں۔ زکوۃ ادا نہ کرنے سے وقت پر بارشیں نہیں آتیں اس کا ظہور اب بھی ہو رہا ہے ابھی جنوبی امریکہ میں زلزلہ آیا ہے جس میں پچاس ہزار آدمی ہلاک اور ساڑھے چار لاکھ بے گھر ہو گئے یہ زلزلہ جون 1970ء کی تاریخوں میں آیا ان بے گھروں کو غذا اور دوائیں پہنچانا مشکل ہو گیا ہے کیونکہ زلزلے سے دریاؤں میں طوفان آگیا ہے یہ پانی میں گھرے ہوئے ہیں اللہ کی پناہ۔

پانچواں فائدہ: مومن کو چاہیے کہ اپنا گزرا وقت یاد رکھے تاکہ اس میں تکبر و غرور نہ پیدا ہو یہ فائدہ **واذکروا اذ انتم قلیل** سے حاصل ہوا دیکھو نماز ظہر و عصر کی نماز میں قراءۃ آہستہ کی جاتی ہے تاکہ ہم کو اپنا وہ وقت یاد رہے جو ہم ان نمازوں میں تلاوت قرآن آواز سے نہیں کر سکتے تھے۔ کفار مکہ کے خوف سے کہ ان وقتوں میں کفار گلی کوچوں بازاروں میں پھیلے ہوتے تھے۔ **چھٹا فائدہ:** زمین مدینہ بڑی ہی مبارک ہے کہ اس نے مہاجرین بلکہ خود حضور سید العالمین ﷺ کو آڑے وقت میں پناہ دی گویا یہ مسلمانوں کی جاء پناہ ہوگی جبکہ اسلام ہر طرف سے سمٹ کر مدینہ میں پہنچ جاوے گا جیسا کہ احادیث میں ہے۔

مدینہ کے خطے خدا تجھ کو رکھے   غریبوں • فقیروں کے ٹھہرانے والے

ساتواں فائدہ: انصار مدینہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے ہی درجہ والے ہیں یہ حضرات مہاجرین بلکہ حضور ﷺ کے محسن مہمان نواز ہیں ان کی خدمات جلیلہ کو رب تعالیٰ نے اپنی تائید قرار دیا۔ یہ فائدہ **وایدکم بنصرہ** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** مدینہ منورہ کی غذائیں پانی ہوائیں دوائیں سب طیبات ہیں وہاں کی خاک تک شفاء دافع البلا ہے یہ فائدہ **رزقکم من الطیبات** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ آیت میں خطاب مہاجرین سے ہو اور طیبات سے۔ مدینہ منورہ کی

غذائیں ہو آئیں مراد ہوں اب بھی۔ وہ لذت وہاں کے گوشت، دودھ، دہی، پانی، سبزی، روٹی میں ہے وہ دنیا کے کسی خطے کی چیزوں میں نہیں جا کر کھا کر دیکھو اور اللہ تعالیٰ پھر نصیب فرمادے۔ **نواں فائدہ**: مدینہ منورہ میں رہنا بسنا وہاں مرنا دفن ہونا اللہ کی بڑی نعمت ہے اللہ نے یہ نصیب کرے ایمان اور ادب کے ساتھ اس پر اللہ کا بڑا کرم ہے یہ فائدہ بھی **فاوالکم** سے حاصل ہوا۔

پس مرون مٹی ٹھکانے خوب لگ جاتی میسر گر مجھے دو گز مدینہ میں زمین ہوتی

گر ایسی موت آئے تو کیا پوچھنا مرا میں خاک پر نگاہ دریار کی طرف!

دسواں فائدہ: مال غنیمت غازیوں کے لئے نہایت طیب و طاہر روزی ہے یہ فائدہ **من الطیبات** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد بدر کی غنیمت ہو۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر بھی دنیا میں عذاب عام آسکتے ہیں بلکہ آئیں گے مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **وماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم**۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور کی تشریف آوری سے عذاب آنا بند ہو گئے آیات میں تعارض ہے۔ **جواب**: تمہاری پیش کردہ آیت میں وہ عذاب مراد ہے جو قوم کو بالکل ہلاک کر دے جسے کہتے ہیں عذاب استیصال جس کے متعلق رب کا فرمان ہے **ان دابر ھولاء مقطوع مصبحین** کہ صبح کو ان کی جڑ کاٹ دی جاوے گی یہاں اس آیت میں تکلیف دہ فتنہ مراد ہے جو مسلمانوں کو تکلیف میں ڈال دے یا اس سے بہت لوگ ہلاک ہو جاویں قوم کی تباہی اور چیز ہے تکلیف دوسری چیز یا وہاں اس آیت میں خلاف عادت غیبی عذاب مراد ہیں جیسے آسمان سے پتھر یا آگ برسنا، صورتیں مسخ ہو جانا، زمین کا تختہ الٹ جانا ایسے عذاب عام نہ آئیں گے یہاں عادی عذاب مراد ہیں جیسے بیماریاں، آپس کی لڑائیاں ملک میں فساد ظالم بادشاہ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ عذاب مجرم و غیر مجرم دونوں پر آئیں گے مگر دوسری آیت میں ہے **علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم** یعنی اے مسلمانوں اپنی فکر کرو اگر تم ہدایت پر رہو تو گمراہ ہونے والے تمہیں کوئی نقصان نہ دیں گے دوسری جگہ **لا تزر وازرۃ وزر اخری** کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ تیسری جگہ ارشاد ہے **وعلیھا ما اکتسبت** ہر ایک پر اپنے ہی اعمال کا وبال ہے یہ آیت ان آیات کے خلاف ہے۔ **جواب**: یہ عام عذاب عام طور پر جب آتا ہے جبکہ عام لوگ گناہ کریں اور دوسرے لوگ باوجود طاقت کے انہیں منع نہ کریں مجرم جرم کرنے کے خطاوار اور یہ لوگ منع نہ کرنے کے مجرم ہیں ہر ایک اپنے جرم کی سزا پاتا ہے یا مجرمین تو جرم کے مجرم اور دوسرے لوگ ان کے ساتھ رہنے کے مجرم ایسی بستی سے نکل جانا چاہئے یا یوں کہو کہ یہ عذاب مجرموں کے لئے سزا ہے اور غیر مجرموں کے لئے رحمت کہ ان کو آخرت میں اس کا اجر و ثواب دیا جاوے گا جیسے حکومت باغی قوم کے شہر کو بمباری سے تباہ کر دے تو اس میں جو وفادار دوچار ہوتے ہیں ان کو تباہ شدہ مکان وغیرہ کا معاوضہ دے دیا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ اس آیت میں ارشاد ہے **اذا اھتدیتم** جب تم ہدایت پر رہو یعنی اپنے فرائض پورے کرو تو تم کو مجرمین نقصان نہ دیں گے تبلیغ دینی اور برائیوں سے روکنا بھی تو ایک فریضہ ہے جس نے یہ ادا نہ کیا وہ ہدایت پر نہیں رہا بہرحال آیات میں تعارض نہیں۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں رب تعالیٰ نے ہم پر تین احسان جتائے تمہیں پناہ دی قوت دی طیب روزی دی مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **لا تمنن** کسی کو کچھ دے کر احسان نہ جتاؤ احسان جتانا اگر برا ہے تو رب نے کیوں جتایا اگر

اچھا ہے تو ہم کو اس سے منع کیوں فرمایا۔ **جواب**: دل دکھانے طعنہ دینے کے لئے احسان جتانا برا ہے عبادات کرنے شکریہ کی رغبت دینے کیلئے احسان جتانا تبلیغ ہے بہت اچھا ہے اس لئے آخر میں ارشاد ہوا **لعلکم تشکرون** دونوں آیتیں درست ہیں ان میں تعارض نہیں۔ **چوتھا فائدہ**: یہاں ارشاد ہوا کہ وہ وقت یاد کرو جب تم تھوڑے تھے مسلمان تو اب بھی تھوڑے ہیں دنیا کی مردم شماری میں مسلمانوں کی تعداد تہائی ہے اور بہت ملکوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب**: تم نے پاؤ آیت پڑھی یہاں ارشاد ہوا ہے کہ تم تھوڑے تھے کمزور تھے خوف زدہ تھے اب مسلمان اگرچہ تعداد میں تھوڑے ہیں مگر بہت پر غالب بھاری ہیں نیز مسلمان کفار کے مجموعہ سے کم ہیں مگر ہر کافر جماعت سے بحمدہ تعالیٰ زیادہ ہیں جیسا کہ آج کل کے شمار سے ظاہر ہے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کو چاہیے کہ اپنے سارے اعضاء سے نیکیاں کرائیں اور ان کو گناہوں سے بچائیں جیسے مجرموں کی صحبت سے غیر مجرم آفات میں گرفتار ہو جاتے ہیں جہاں عذاب آتا ہے وہاں جانور اور بچے بھی ہلاک ہو جاتے ہیں یونہی خطاکار اعضاء کی وجہ سے غیر خطاکار اعضاء پر آفت آجاتی ہے زبان چلتی ہے سر پر جوتا پڑتا ہے کیونکہ وہ زبان کا پڑوسی ہے مردہ کی صحبت مردہ کر دیتی ہے زندہ کی صحبت زندہ کرتی ہے۔

اے خنک آں مردہ کز خود رستہ شد در وجود زندہ پیوستہ شد!
وائے آں زندہ کہ بامردہ نشست مردہ گشت و زندگی از وے بجست!
حق ذات پاک اللہ الصمد کہ بود بہ مار بد از یار بد!
مار بد جانے ستاند از سلیم یار بد آرد سوئے نار مقیم

یعنی مبارک ہے وہ مردہ جو زندوں کے ساتھ بیٹھ کر زندہ ہو جاوے۔ منحوس ہے وہ زندہ جو مردہ کے ساتھ رہ کر اپنی زندگی ختم کر دے برے سانپ سے برا ساتھی بدتر ہے کہ برا سانپ صرف جان لے کر چھوڑ دیتا ہے مگر برا ساتھی دوزخ کی دائمی آگ میں پہنچاتا ہے۔ دائمی عذاب لاتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نعمتوں کا بقا چاہتے ہو تو ان کا شکر ادا کرو۔

شکر نعمت نعمت افزوں کند کفر نعمت از کفت بیرون کند

کھاؤ کم مگر شکر اور اطاعت زیادہ کرو کھانے کے چار فرض ہیں حلال ہونا۔ یہ جاننا کہ یہ رب کا عطیہ ہے رب ہو وے اس پر راضی رہنا اس کھانے سے جو بدن میں طاقت ہو اسے گناہوں میں خرچ نہ کرنا اور چار سنتیں ہیں۔ اول میں بسم اللہ پڑھنا آخر میں الحمد للہ پڑھنا کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ دھونا اور بایاں پاؤں بچھا کر داہنا کھڑا کر کے کھانا چار ہی ان کے مستحبات ہیں اپنے سامنے سے کھانا چھوٹا لقمہ لینا خوب چبانا دوسرے کے لقمے نہ دیکھنا اور دو اس کی دوائیں ہیں گرے ہوئے لقمہ کو اٹھا کر صاف کر کے کھا لینا برتن صاف کر کے چاٹ لینا دو مکروہات ہیں کھانا سونگھنا کھانے میں پھونکیں مارنا ان سے بچو گرم کھانا مزے دار ہے مگر ٹھنڈے میں برکت ہے بندے کو چاہئے کہ اکل حلال صدق مقال اختیار کرے اس لئے طیبات کے ساتھ ارشاد ہوا **لعلکم تشکرون** (از روح البیان)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے نہ خیانت کرو اللہ اور رسول کی اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں میں حالانکہ

اے ایمان والو اللہ اور رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں دانستہ

تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ

تم جانتے ہو اور جان لو کہ اس کے سوا نہیں کہ تمہارے مال اور تمہارے بال بچے فتنہ ہیں اور تحقیق اللہ

خیانت اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد سب فتنہ ہے اور اللہ کے پاس

ركوع عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اس کے پاس ثواب ہے بڑا

بڑا ثواب ہے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں حلال طیب روزی کا ذکر ہوا اب خیانت سے منع فرمایا جا رہا ہے کیونکہ خیانت سے روزی حرام ہو جاتی ہے۔ حلال نہیں رہتی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں وقتی اور عام فتنہ کا ذکر ہوا **واتقوا فتنۃ** اب شخصی اور ہر وقت کے فتنہ کا ذکر ہے یعنی زن و فرزند۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ایسے فتنہ کا ذکر ہوا جس سے بچنا ضروری ہے اب اس فتنہ کا ذکر ہے جس میں رہنا ضروری ہے مگر اس کے شر سے بچنا لازمی یعنی مال و اولاد۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں بندوں کو اپنی نعمتوں کے شکر کا حکم دیا گیا اب اس ذکر کی تفصیل کی جا رہی ہے یعنی اللہ رسول کی خیانت سے بچنا مال و اولاد کے شر سے دور رہنا۔

شان نزول: اس آیت کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ ایک انصاری ہارون ابن منذر جو بنی عوف ابن مالک قبیلہ سے تھے ان کی کنیت ابولبابہ تھی ان کا گھر بار بال بچے یہود مدینہ بنی قریظہ کے محلہ میں رہتے تھے۔ غزوہ خندق کے بعد حضور انور نے بنی قریظہ کا اکیس دن محاصرہ رکھا اور وہ تنگ آ گئے تو انہوں نے بنی نضیر کی طرح حضور سے صلح کرنی چاہی حضور انور نے انکار کیا اور فرمایا کہ اگر چاہو تو سعد ابن معاذ کو ہمارے اور اپنے درمیان حکم بنالو انہوں نے کہا کہ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیا جاوے ہم ان سے مشورہ کر لیں چنانچہ حضور انور نے انہیں بنی قریظہ کے پاس بھیجا انہوں نے ان سے پوچھا کہ اگر ہم سعد ابن معاذ کو حکم بنالیں تو ہمارے متعلق وہ کیا فیصلہ کریں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے ابولبابہ نے اپنے حلق پر اپنی انگلی پھیر دی یعنی تم سب کے قتل کا فیصلہ ہو گا انہیں اپنے بال بچوں گھر بار کی فکر تھی کہ بنی قریظہ انہیں پریشان نہ کریں مگر اشارہ کرتے ہی خیال آیا کہ میں نے اللہ رسول کی خیانت کی کہ ان کا راز ظاہر کر دیا مسجد نبوی میں آئے اور ایک ستون سے اپنے کو باندھ دیا اور بولے اب مجھے حضور کھولیں گے تو کھلوں گا ورنہ نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا میں نے بڑا قصور کیا ہے حضور انور کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا گیا۔ حضور انور نے فرمایا کہ اگر ابولبابہ میرے پاس آ جاتے تو میں ان کی معافی کی دعا کر دیتا اب وہ براہ راست رب کے پاس حاضر ہو گئے

اب وہاں کے فیصلہ کا انتظار کرنا چاہیے ابولبابہ سات دن بھوکے پیاسے بندھے رہے حتی کہ غشی آگئی تب ان کی توبہ قبول ہوئی لوگوں نے کہا کہ تمہاری توبہ قبول ہو گئی اب تم اپنے کو کھول لو وہ بولے ہرگز نہیں بلکہ مجھے حضور انور اپنے ہاتھ سے کھولیں تو کھلوں گا تب حضور انور نے انہیں اپنے ہاتھ مبارک سے کھولا اس پر یہ آیات نازل ہوئی (تفسیر خازن) اب اس ستون کو استوانہ توبہ بھی کہتے ہیں اور استوانہ ابولبابہ بھی لوگ وہاں کھڑے ہو کر توبہ کرتے نوافل پڑھتے ہیں اس توبہ قبول ہونے پر ابولبابہ حضور کی خدمت میں آئے اور بولے کہ مجھ سے گناہ گھر بار مال و متاع کی محبت نے کرایا اچھا میں وہاں کا رہنا سہنا چھوڑتا ہوں اور اپنا سارا مال فقراء میں خیرات کرتا ہوں (خازن، کبیر، معانی وغیرہ)۔ 2۔ بعض سادہ لوح مسلمان حضور انور کی مجلس شریف میں کوئی اسکیم سنتے یا جنگی تدبیریں معلوم کرتے تو محض اپنی سادہ لوحی سے اس کا تذکرہ یا تو یہود مدینہ سے کر دیتے یا منافقین سے اور منافقین یہود کو پہنچا دیتے تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن، کبیر، معانی وغیرہ)۔ 3 امام سدی فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور انور نے خبر دی کہ ابوسفیان مع قافلہ کے فلاں جگہ ہیں خفیہ چلو اور ان کا راستہ روک لو ایک صاحب نے یہ خبر ابوسفیان کو لکھ دی کہ تم بچ کر کہاں جاؤ گے تم پر حملہ ہونے والا ہے تب یہ آیت نازل ہوئی (خازن، معانی وغیرہ) 4۔ یہ آیت کریمہ حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر مشرکین مکہ کو ایک خط ایک مکہ والی مشرکہ عورت کے ذریعہ بھیجا جس میں حضور انور کے ارادوں کی اطلاع دے دی وہ عورت حضور انور نے پکڑوا کر اس سے خط چھنوا کر منگالیا۔ حضرت عمر نے حاطب کے قتل کی اجازت مانگی مگر نہ دی گئی ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (کبیر وغیرہ)۔

تفسیر: **یاایھا الذین امنوا** اس خطاب شریف میں نہ تو حضور ﷺ داخل ہوتے ہیں کیونکہ آمنو کے معنی ہیں جو ایمان لے چکے حضور انور ایمان کسی بندہ سے لیتے نہیں بلکہ وہ ایمان دیتے ہیں ایمان کا ایک کنارہ یعنی لینا ہم سے قائم ہے دوسرا کنارہ یعنی دینا حضور انور سے قائم نہ منافقین اس میں داخل ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے ایمان حضور سے لیا ہی نہیں صرف اسلام ظاہر کیا فرماتا ہے **لاتقولوا امنا ولکن تقولوا اسلمنا** ہم اسلام اور ایمان میں فرق بارہا بیان کر چکے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اس میں تا قیامت سارے مومنوں سے خطاب ہے کیونکہ اگرچہ اس کا نزول خاص ہے مگر عبارت عام نیز اگلا حکم بھی سب سے متعلق ہے **لاتخونوا اللّٰہ والرسول۔ لاتخونو** بنا ہے خون سے ۔ معنی کمی اس کا مقابل ہے وفی ۔ معنی پورا دینا **وابراھیم الذی وفی** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں دو قسم کی خیانتوں سے روکا اللہ رسول کی خیانت تو ایک چیز ہے اور مومنوں کی خیانت علیحدہ چیز ہے کیونکہ اللہ کی خیانت تو ہو سکتی ہی نہیں رسول اللہ ﷺ کی خیانت ہی ہو سکتی ہے اور اس کے نزول کے موقعہ پر بعض لوگوں نے حضور انور کی بھی خیانت کی تھی اسے رب نے اپنی خیانت قرار دیا مگر بعض محققین نے فرمایا کہ یہاں تین خیانتوں سے روکا گیا اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنا اس کی دی ہوئی طاقتوں کو اسکی نافرمانی میں صرف کرنا غنیمت کے مال میں تقسیم سے پہلے تصرف کرنا اللہ کی خیانت ہے حضور انور کے راز دشمنوں میں پھیلا دینا جاسوسی کفار کرنا رسول اللہ کی خیانت ہے ان دونوں سے اس خبر میں منع کیا گیا خیانت صرف مال میں نہیں ہوتی۔ راز، اعمال، اعضاء اور ان قوتوں میں بھی ہوتی ہے یہ فرمان عالی شریعت اور طریقت دونوں کے جامع ہے **وتخونوا اماناتکم** یہ عبارت پہلے تخونوا پر معطوف ہے اور اس کے ماتحت ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں پوشیدہ ہو ان جیسی وجوہ سے یہاں تخونون نہیں ارشاد ہوا نون اعرابی گرا دیا گیا چونکہ اس امانت

میں بہت چیزیں داخل ہیں۔ مالی امانت راز کی امانت عزت و آبرو کی امانت اسلئے امانات جمع ارشاد ہوا یعنی کسی مسلمان کا مال نہ مارو کسی کا خفیہ راز فاش نہ کرو کسی مسلمان کی عزت نہ گراؤ اسے ذلیل نہ کرو۔ بہرحال اس ایک فرمان میں بہت سے احکام داخل ہیں۔ **وانتم تعلمون** یہ عبارت **لا تخونو** کی قید ہے خیانت دانستہ ہو یا نادانستہ بہرحال جرم ہے۔ ہم نے کسی کی امانت لی ادا کرنا بھول گئے تب بھی وہ خیانت ہے یاد آنے پر فوراً ادا کرو بلکہ اس **لا تعلمون** کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی تم خیانت کا وبال جانتے ہو یا تم جانتے ہو کہ حلق پر انگلی پھیر دینا بھی عملی خیانت ہے یا تو جانتے ہو کہ کفار کو خفیہ خط بھیج کر راز مسلمانوں کے بتا دینا بھی خیانت ہے (تفسیر خازن) لہٰذا اس کا تعلق تینوں خیانتوں سے ہے اور **لا تعلمون** اسی خیانت کی قید ہے **اللہ و رسولہ اعلم باسرار** فا اس فرمان عالی کے بعد ان خیانتوں کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ تم خیانت کیوں کر بیٹھتے ہو چنانچہ ارشاد ہوا **واعلموا انما اموالکم و اولادکم فتنہ** یہاں بھی خطاب ہے انہیں مسلمانوں سے جن سے خطاب **لا تخونون** تھا یعنی تاقیامت سارے مسلمانوں سے یہاں **اعلموا** میں علم ۔ بمعنی یقین ہے **انما** حصر کے لئے ہیں۔ اموال سے مراد ہر قسم کے مال ہیں جائداد غیر منقول اور منقول مال یوں ہی اولاد میں بیٹی ' بیٹے ' پوتی ' پوتے ' نواسی ' نواسے سب ہی داخل ہیں ان مال و اولاد سے مراد وہ مال و اولاد ہیں جن میں دل لگا کر انسان اللہ رسول کو بھول جائے انہیں کو فتنہ فرمایا گیا فتنہ یا ۔ بمعنی آفت و بلا ہے کہ انسان ان کی وجہ سے اللہ رسول سے غافل بلکہ ان کا نافرمان ہو جاتا ہے جو مال و اولاد خدا رسی کا ذریعہ بنے وہ اس حکم سے الگ ہے **فتنہ** یا محض آزمائش و امتحان ہے تب اس سے مراد سارے مال و اولاد ہیں غافل کرنے والے اب تک پہنچانے والے اس لئے اس کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے ابو لبابہ اور حاطب ابن ابی بلتعہ کی اولاد مراد ہیں کہ ان ہی کی وجہ سے ان سے یہ گناہ سرزد ہوئے یعنی فتنہ ۔ بمعنی بلا دوسرے یہ کہ اس سے مراد تمام مسلمانوں کے سارے مال و اولاد ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہیں انسان مال و اولاد کی ناجائز محبت میں خیانت بلکہ چوری بلکہ ڈکیتی کر بیٹھتا ہے۔ **وان اللہ عندہ اجر عظیم** یہ عبارت معطوف ہے **انما اموالکم** پر اور مفعول ہے **اعلموا** کا اس فرمان کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اگر اپنے مال و اولاد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے رب کو راضی کرو گے تو اس کے پاس بڑا اجر پاؤ گے دوسرے یہ کہ اگر تم اپنے مال و اولاد کی خوشنودی رب کا ذریعہ بناؤ گے تو اس کا بڑا ہی اجر و ثواب پاؤ گے۔ خلاصہ یہ کہ تم اگر اس آزمائش میں کامیاب ہوئے تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے اگر فیل ہوئے تو نقصان میں رہے دونوں راستے تمہارے لئے ہیں جو چاہو اختیار کرو۔

خلاصہ تفسیر: اے وہ لوگو جو ہمارے نبی سے ایمان لے چکے اب تم ایمان بچانے کی کوشش کرو چنانچہ تین چیزوں سے بچے رہو ایک تو اللہ تعالیٰ کی امانتوں میں خیانت نہ کرو اس کے دیے ہوئے قرآن ' ایمان ' ظاہری باطنی اعضاء کی طاقتیں تو تمیں سب تمہارے پاس رب کی امانتیں ہیں ان میں خیانت نہ کرو یہ نعمتیں اس کام میں خرچ کرو جن کے لئے یہ دی گئی ہیں نہ اس کے رسول کی خیانت کرو کہ ان کی سنتیں ان کے راز ان سے کئے ہوئے وعدے سب رسول کی سنتیں ہیں ان میں خیانت نہ کرو ان کا حق ادا کرو پھر آپس میں ایک دوسرے کی امانتیں ادا کرو ان میں خیانت نہ کرو مسلمانوں کی جان ' مال ' عزت ' آبرو تمہارے پاس ان کی امانتیں ہیں انہیں برباد نہ کرو ورنہ تم مومن قوم کے خائن ہو جو کچھ ان بھولے بھالے صحابہ سے سرزد ہوا ان کے مال و اولاد کی محبت میں ہوا لہٰذا خیال رکھو کہ تمہارے ہر قسم کے مال و اولاد جن کی محبت میں پھنس کر تم نے یہ حرکتیں کیں یہ تمہارے دین و

ایمان کے لئے آفتیں ہیں اس سے اپنے دین و ایمان کو بچاؤ یا تمہارے مال و اولاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری آزمائشیں ہیں اس آزمائش میں کامیاب رہو مال و اولاد کے مقابل رضاء الٰہی حاصل کرو اس کے پاس عظیم الشان دائمی اجر و ثواب تمہارے لئے موجود ہے یا اپنے مال و اولاد کو خدا رسی کا ذریعہ بنالو بجائے آڑ کے آڑ کو پھاڑنے والا بنالو بڑا ثواب پاؤ گے۔ فرمایا نبی ﷺ نے جو تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت کرو اگر وہ تم سے خیانت کرے تو تم اس کے عوض خیانت نہ کرو (ابو داؤد ' ترمذی ' خازن ' عن ابی حریرہ) ام المومنین جناب عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک بار ایک بچہ حضور انور کی خدمت میں لایا گیا تو اسے بوسہ دیا اور فرمایا کہ تم بخیل اور بزدل کردیتے ہو خولہ بنت حکم فرماتی ہیں کہ حضور انور کی خدمت میں حضرت حسن یا حسین لائے گئے تو آپ نے انہیں اپنی گود میں لے لیا اور فرمایا کہ تم اللہ کی ریحان ہو مگر تم ہی بزدل ' بخیل ' بلکہ جاہل کردیتے ہو (ترمذی و خازن)۔ یعنی عموماً" ماں باپ تمہاری وجہ سے کنجوس جہاد میں بزدل ہو جاتے ہیں یہ ہی نمازی کلوھیان ہٹاتے ہیں۔

شب چو عقد نماز بر بندم چہ خورد بامداد فرزندم
زن و فرزند و فکر جامہ و قوت بازت آرد زسیر در ملکوت

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بڑے سے بڑے گناہ سے انسان کافر نہیں گنہگار ہو جاتا ہے جب تک کہ عقیدہ فاسد نہ ہو یہ فائدہ خیانت کرنے والوں کو **الذین آمنوا** سے خطاب فرمانے سے حاصل ہوا رب نے قاتل کو مومن فرمایا ہے **وان طائفتان من المومنین اقتتلوا** **دوسرا فائدہ:** خیانت خواہ کسی کی ہو سخت جرم ہے یہ فائدہ **لاتخونوا اللہ ورسولہ** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ان تمام خیانتوں میں اللہ تعالیٰ کی خیانت بد ترین جرم ہے پھر رسول اللہ ﷺ کی خیانت پھر مومنوں کی خیانت یہ فائدہ یہاں ترتیب بیان سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ضروری ہے کہ گناہ ہو جائے تو حضور انور کی بارگاہ میں حاضر ہو حضور کی معرفت رب سے عرض معروض کرے بغیر واسطہ رب کی بارگاہ میں حاضری خطرناک ہے یہ فائدہ اس آیت کے پہلے شان نزول سے حاصل ہوا کہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو حضور کی معرفت رب سے عرض معروض کرے بغیر واسطہ رب کی بارگاہ میں حاضری خطرناک ہے یہ فائدہ اس آیات کے پہلے شان نزول سے حاصل ہوا کہ حضور انور نے ابو لبابہ کے متعلق فرمایا کہ اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لئے دعاء مغفرت فرماد یعنی چونکہ وہ براہ راست رب کی بارگاہ میں پہنچے تو اب وہاں کی مغفرت کا انتظار کریں۔ **پانچواں اعتراض:** اللہ رسول کے احکام نہ ماننا بھی خیانت ہے ان کی فرمانبرداری کرنا امانت داری ہے رب تعالیٰ امین بننے کی توفیق دے یہ فائدہ **لاتخونوا اللہ والرسول** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** آپس کی امانتیں بہت قسم کی ہیں۔ مال ' راز ' عزت و آبرو وغیرہ ان سب میں امانت داری چاہئے یہ فائدہ امانات جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** مال و اولاد اکثر گناہوں غفلتوں کا سبب بن جاتے ہیں یہ فائدہ **اموالکم واولادکم فتنۃ** سے حاصل ہوا دیکھو حضرت ابو لبابہ اور حاطب ابن ابی بلتعہ سے جو قصور سرزد ہوئے وہ صرف مال و اولاد کی محبت میں ہوئے وہ حضرات جاسوس نہ تھے۔ **آٹھواں فائدہ:** اگر مومن مال و اولاد کی وجہ سے رب تعالیٰ سے غافل نہ ہو تو بڑے ثواب کا مستحق ہے ایسی اولاد و مال اللہ کی نعمت ہے یہ فائدہ اجر عظیم سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ فرمایا نبی ﷺ نے کہ تین چیزیں وہ ہیں جن کا ثواب مومن کو مرے بعد بھی ملتا رہتا ہے صدقہ جاریہ جیسے مسجد ' پل '

سرائے "نیک اولاد جو اسے دعاخیر سے یاد کرتی رہے۔ علمی خدمات جیسے دینی کتاب 'دینی شاگرد۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام خائن تھے خیانت بڑا ہی گناہ ہے تو تم ان سب کو عادل کیوں کہتے ہو کہ **الصحابتہ کلھم عدول**۔ **جواب**: ہم حضرات صحابہ کرام کو معصوم نہیں مانتے بلکہ عادل مانتے ہیں عادل وہ جو گناہ پر قائم نہ رہے اللہ تعالیٰ انہیں گناہ پر قائم نہیں رہنے دیتا اس واقعہ میں غور کرلو کہ انہوں نے کیسی توبہ کی۔ **دوسرا اعتراض**: صحابہ نے جیسے ان موقعوں پر خیانت کی ویسے ہی حضور انور کے پردہ فرمانے پر بھی خیانت کی ہوگی۔ خلافت حضرت علی کا حق تھا مگر دوسروں نے لے لیا (شیعہ)۔ **جواب**: حضرات صحابہ ایسے امین ہیں کہ انہیں رب تعالیٰ نے قرآن مجید کی امانت داری کیلئے چن لیا کہ جمع قرآن انہیں سے کرلیا اگر وہ خائن ہیں تو قرآن مجید مشکوک ہو جائے گا **نعوذباللہ** خائن وہ ہوتا ہے جس کی عادت خیانت ہو جو ایک بار خیانت کرکے فوراً توبہ کرے وہ خائن نہیں اگر جناب صدیق و فاروق و عثمان غنی خائن ہوں تو ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے حضرات اہل بیت ان کی بیعت کرکے گنہگار ہوں گے پھر تو انہیں چاہیے تھا کہ حضرت حسین کی طرح مقابلہ میں ڈٹ جاتے۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں امانات جمع فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدھی امانت کی خیانت جائز ہے، بہت سی امانتوں کی خیانت ممنوع ہے امانت واحد فرمانا چاہیئے تھا۔ **جواب**: آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ امانات میں سے کسی امانت میں خیانت نہ کرو جیسے کہا جاوے کہ تم گناہوں سے بچو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ دو ایک گناہ کرلیا کرو زیادہ گناہوں سے بچو۔ **چوتھا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جان بوجھ کر خیانت منع ہے تو کیا بغیر جانے خیانت جائز ہے گناہ بہرحال گناہ ہے خواہ جان کر ہو یا نادانستہ۔ **جواب**: آیت کا مطلب وہ ہے جو ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اے مومنو تم جانتے ہی ہو کہ خیانت کا انجام کیا ہے یعنی یہ عقلاً" نقلاً" ہر طرح گناہ ہے اور اگر وہی مطلب ہو کہ دانستہ طور پر خیانت نہ کرو تو بھی مطلب واضح ہے کہ دانستہ خیانت تو خیانت ہے نادانستہ طور پر جو واقع ہو وہ خیانت نہیں عمد اور خطاء کے قتلوں میں فرق ہے تو ان دونوں خیانتوں میں فرق کیوں نہ ہوگا۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مال و اولاد فتنہ آفت بلا ہیں مگر حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں اللہ کی نعمتیں ہیں آیت و احادیث میں تعارض ہے۔ **جواب**: واقعہ میں تو یہ چیزیں نعمتیں ہیں لیکن ان کے غلط استعمال سے یہ ہی چیزیں وبال ہیں اگر مومن ان میں پھنس کر رب سے غافل ہو جاوے تو وبا ہیں لہذا آیت و حدیث دونوں برحق ہیں بلکہ ہر نعمت کا یہی حال ہے کہ غلط استعمال سے وہ زحمت بن جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: امانت داری اللہ کی بڑی نعمت ہے مگر اس کی حفاظت بہت ہی دشوار ہے ایسی دشوار کہ زمین و آسمان اس کا تحمل نہ کر سکے کہ رب نے ان پر امانت پیش کی انہوں نے معذوری ظاہر کی **فابین ان یحملنھا** امانت ہی وہ نعمت خداوندی ہے کہ حضور انور نبوت سے پہلے ہی امین کے نام سے مشہور ہوئے۔ جو مال و اولاد رب سے غافل کریں وہ منحوس ہیں اور جو رب سے قریب کردیں وہ عبادات میں مدد کریں وہ ہر زبان میں محمود اور ہر انسان کے نزدیک محبوب مولانا فرماتے ہیں۔

مال را کز بہر دیں باشی حمول — نعم مال صالح خواندش رسول

چونکہ مال و ملک را از دل براند — زاں سلیماں خویش جز مسکیں نخواند

صوفیاء فرماتے ہیں کہ امانتدار نا خائن انسان سے بہتر ہے یہاں ارشاد ہے کہ اے وہ ارواح و قلوب جو نور ایمان سے منور ہو چکے اور عرفان کی سعادتوں کے لئے تیار ہو چکے اللہ کی خیانت نہ کرو کہ دین کو دنیا کے شکار کیلئے جال نہ بناؤ اور رسول کی خیانت نہ کرو کہ سنت کے مقابل بدعت پر عمل کرو اور اپنی امانتوں میں بھی خیانت نہ کرو کہ محبت الٰہی اور محبت رسول کو محبت دنیا میں تبدیل کر دو جو کوئی اللہ رسول والا ہو کر دنیا میں توجہ رکھے وہ خائن ہے جس کی سزا میں وہ اللہ کی رحمتوں سے محروم رہے گا تم جانتے ہو کہ دین کو دنیا کے عوض فروخت کرنا خسارہ کا سودا ہے جو مال و اولاد یار سے آڑ بن جاوے وہ فتنہ ہے اس کے ذریعہ منافق موافق اور صدیق و زندیق میں فرق ہو جاتا ہے اللہ کے نزدیک بڑا اجر ہے تم جھوٹی چیزوں میں پھنس کر بڑی نعمت سے محروم کیوں ہوتے ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے اگر ڈرو تم اللہ سے تو بنا دے گا وہ واسطے تمہارے فرق والی چیز
اے ایمان والو اگر اللہ سے ڈرو گے تو تمہیں وہ دے گا جس سے حق کو باطل سے جدا کر لو
سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾
اور مٹا دے گا تم سے گناہ تمہارے اور بخش دے گا واسطے تمہارے اور اللہ بڑے فضل والا ہے
اور تمہاری برائیاں اتار دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے ۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں مال و اولاد کے فتنہ کا ذکر ہوا اب تقوی کے ذکر جو اس فتنہ سے بچائے گویا بیماری کے ذکر کے بعد علاج و دوا کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں تین قسم کی خیانتوں سے مسلمانوں کو روکا گیا اب ارشاد ہے کہ اگر تم نے تقوی یعنی خیانتوں سے پرہیز اختیار کیا تو تم کو تین بڑی نعمتیں عطا ہوں گی فرقان' کفارہ' مغفرت گویا عمل کا ذکر پہلے ہوا اور عمل کی اجرت کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ بڑے فضل والا ہے اب اس سے فضل حاصل کرنے کا طریقہ ارشاد ہو رہا ہے یعنی تقوی اختیار کرنا گویا داتا کریم کی عطا کے فقیروں کو بھیک مانگنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔

تفسیر: **یاایھا الذین امنوا** اس فرمان عالی میں قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب ہے ان جیسی آیات میں حضور ﷺ داخل نہیں ہوتے چونکہ ایمان سارے اعمال پر مقدم ہے اس لئے اس مضمون کو ایمان سے شروع فرمایا چونکہ تقوی و پرہیزگاری ایمان کا زیور ہے اس لئے اس کے بعد تقوی کا ذکر ہوا ایمان بہت قسم کا ہوتا ہے علم الیقین والا ایمان' عین الیقین والا اور حق الیقین والا یہ فرمان سب کو شامل ہے جیسا ایمان ویسا تقوی لہٰذا یہ آیت بڑی جامع ہے **ان تتقوا اللہ** یہاں ان شک کے لئے نہیں بلکہ معلق کرنے کے لئے ہے تقوی کے معنی اسکے اقسام و احکام بارہا بیان ہو چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ تقوی دو قسم کا ہے تقوی ظاہری یعنی جسم کا تقوی اور تقوی باطنی یعنی دل کا تقوی' تقوی ظاہری کے دو رکن ہیں۔ گناہوں سے بچنا اور نیکیاں کرنا تقوی باطنی یعنی دل کا تقوی ہے **شعائر اللہ** کی تعظیم و توقیر کرنا رب فرماتا ہے **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من**

تقوی القلوب یہاں یہ تینوں تقوی مراد ہیں چونکہ تقوی کی ابتداء خوف خدا پر ہوتی ہے اس کی انتہا عشق خدا پر اس لئے **ان تتقوا** کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمایا گیا گویا خوف ابتداء ہے ذوق و شوق درمیانی حالت اور عشق و سوز انتہا تقوی کے تین انعامات کا ذکر فرمایا پہلا انعام **یجعل لکم فرقانا** "**یجعل** بنا ہے **جعل** سے ۔ معنی پیدا کرنا بنانا دینا یہاں دوسرے معنی میں ہے **لکم** میں لام نفع کا ہے یا صلہ کا فرقان بنا ہے فرق سے ۔ معنی چھانٹ فرقان چھانٹ کرنے والی چیز اس لئے قرآن مجید کو فرقان کہا جاتا ہے کہ وہ حق و باطل میں چھانٹ کرنے والی کتاب ہے یعنی رب تم کو فرقان چھانٹ عطا فرمائے گا فرقان سے کیا مراد ہے اس میں چند قول ہیں۔ 1۔ دل کا نور جس سے مومن حق و باطل میں فرق کرلیا کرے یہ قول ابن جریج اور ابن زید مفسرین کا ہے۔ 2۔ مسلمانوں کی فتح و نصرت جہادوں مناظروں میں کامیابی جس سے مسلمانوں کو عزت کفار کو ذلت ہو حق و باطل میں چھانٹ ہو یہ قول فراء کا ہے اسی لئے غزوہ بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا گیا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان۔ 3۔ دین و دنیا میں مسلمانوں کی نجات کفار کی پکڑ یہ قول امام سدی کا ہے۔ 4۔ شبہات و وہمیات سے نجات کہ مومن یقین پر کافر شبہات میں رہتے ہیں یہ قول مقاتل کا ہے۔ 5۔ مومنوں کی شہرت کا ان کا دبدبہ ان کی ہیبت کفار کی ذلت یہ قول محمد ابن اسحاق کا ہے اس لئے صبح صادق کو فرقان کہتے ہیں جیسے طلع الفرقان یعنی طلع الفجر)۔ مومن کے دل کا نور جس سے وہ مخلص و منافق میں چھانٹ کرے۔

بندہ مومن کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

بہرحال اس فرمان عالی کے بہت مطلب ہو سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہ سارے معنی مراد ہوں کہ رب تعالیٰ متقی مومن کو یہ تمام صفات عطا فرماتا ہے۔ ساری نعمتیں بخشتا ہے (تفسیر روح المعانی' بیان' خازن' مدارک' کبیر وغیرہ) **و یکفر عنکم سیاتکم** یہ دوسرے انعام کا ذکر ہے یہ عبارت معطوف ہے **یجعل لکم** پر اور ان شرطیہ کی جزا **یکفر** کا مادہ کفر ہے ۔ معنی چھپانا یا مٹانا یا انکار کرنا اس لئے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کو کفران اور اسلام کے کسی عقیدے کے انکار کو کفر کہتے ہیں ایک دوا کا نام کافور ہے کہ اپنی تیز خوشبو سے دوسری خوشبوں کو چھپالیتا ہے چونکہ اس میں چھپانے مٹانے کے لئے معنی شامل ہیں اس لئے اس کے بعد **عن** ارشاد ہوا **سیات** جمع ہے سیہ کی جس کا مادہ **سوء** ۔ معنی برائی یہ بروزن فیعلہ ہے واؤ "ی" بنکر ی میں مدغم ہو گیا قصداً" گناہ کو سیئہ کہا جاتا ہے بغیر قصد گناہ کو خطاء (روح البیان) کبھی گناہ صغیرہ کو سیئہ کہا جاتا ہے رب فرماتا ہے **ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنه نکفر عنکم سیئاتکم** اور کبھی ۔ معنی دنیاوی تکالیف آتا ہے یہاں مطلقاً" گناہوں کے معنی میں ہے اس سے حقوق العباد خارج ہیں کہ وہ بغیر ادا کئے یا حق والے کے معاف کئے نہیں معاف ہوتے۔ **ویغفر لکم** یہ تیسرے انعام کا ذکر ہے یہ عبارت یکفر پر معطوف ہے ۔ غفر کا مادہ غفر ہے ۔ معنی بخش دینا اس کا مفعول پوشیدہ ہے **ذنوبکم** اور ہو سکتا ہے کہ اس کا مفعول بھی سیات ہو ان دو انعاموں میں کئی طرح فرق کیا گیا ہے۔ 1 دنیا میں تمہارے گناہ چھپائیں گے آخرت میں بخش دیں گے (روح المعانی) **واللہ ذو الفضل العظیم** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں گذشتہ وعدوں کی پختگی کا اعلان ہے یعنی اللہ تعالیٰ بڑے فضل و کرم اور مہربانی والا ہے وہ بندوں کو ان کے استحقاق کے بغیر یا استحقاق سے زیادہ دے دیتا ہے پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ تم سے وعدہ فرمائے اور پورا نہ کرے تم لینے والے ہو ہم دینے کو تیار ہیں فضل کے معنی اس کے اقسام اور فضل و رحم میں فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے مومنو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو کہ اس کے احکام پر عمل کرو اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچتے رہو تو اللہ تعالیٰ تم کو تین خصوصی نعمتیں عطا فرمادے گا۔ ا تمہارے دل میں وہ نور اور ہدایت دے گا جس سے تم دنیا میں بھلے برے کاموں میں یا بھلے برے آدمیوں میں فرق کرلیا کرو گے تمہارا دل تم کو فتویٰ دے گا کہ یہ کام اچھا ہے اسے کرو یہ کام برا ہے اس سے بچو یا یہ آدمی اچھا ہے اس سے میل ملاپ رکھو یہ برا ہے اس سے دور بھاگو یا تم کو ہر میدان میں وہ فتح اور تمہارے دشمنوں کو وہ شکست دے گا جو حق و باطل میں چھانٹ کردیا کرے گی۔2 اس تقویٰ کی برکت سے تمہارے سارے گناہ مٹادے گا تم کو پاک و صاف فرمادے گا۔3 تمہارے عیوب چھپالے گا تم کو عزت و عظمت دونوں جہاں میں بخشے گا تم یہ خیال بھی نہ کرنا کہ رب تعالیٰ اپنے یہ وعدے پورے نہ فرمائے وہ بڑے فضل و کرم والا ہے وہ تو بغیر استحقاق یا استحقاق سے زیادہ نعمتیں بخشتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ اپنے وعدے پورے نہ کرے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: انسان کو چاہئے کہ پہلے اپنے عقیدے ٹھیک کرے پھر اعمال درست رکھے کہ عقیدہ کا تعلق دل سے ہے اعمال کا تعلق بدن سے دل بادشاہ ہے بدن اس کی رعایا بادشاہ درست ہو تو رعایا کو ٹھیک کرلیتا ہے یہ فائدہ ترتیب ذکری سے حاصل ہوا کہ پہلے ایمان کا ذکر ہوا پھر تقویٰ کا۔ **دوسرا فائدہ**: کافر پر نیک اعمال کرنا فرض نہیں برے اعمال حرام نہیں کہ یہ دونوں چیزیں تقویٰ ہیں اور تقویٰ کا حکم ایمان کے بعد ہے لہٰذا اس پر نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ فرض نہیں شراب سور وغیرہ حرام نہیں یہ فائدہ بھی اس ترتیب ذکری سے حاصل ہوا مگر یہ حکم شرعی ہے جس کا تعلق دنیا سے ہے لہٰذا کافر مومن ہونے کے بعد زمانہ کفر کی نمازیں قضا نہ کرے گا اس زمانہ میں شراب پینے سور کھانے کی سزا نہ پائے گا آخرت میں کفار کو کفر کی سزا بھی ملے گی اور بد عملیوں کی بھی **قالوا لم نک من المصلین و لم نک نطعم المسکین**۔ **تیسرا فائدہ**: اللہ تعالیٰ مومن متقی کو دل کا نور عطا فرماتا ہے جس سے وہ برے بھلے کاموں کو پہچان لیتا ہے اس کا مفتی اس کے سینہ میں رہتا ہے یعنی اس کا دل یہ فائدہ **یجعل لکم فرقانا**" سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: بعض خوش نصیب بندے وہ ہیں جنہیں تقویٰ بلکہ ایمان سے پہلے ہی یہ فرقان عطا ہو جاتا ہے حضرت ابوبکر صدیق قبول اسلام سے پہلے بھی شراب ہونے زنا وغیرہ کے قریب بھی نہ گئے فرماتے ہیں کہ میرا دل کہتا تھا کہ یہ چیزیں بری ہیں کیوں نہ ہو تا وہ تو ازل سے حضور انور کی خصوصی صحبت کے لئے منتخب ہو چکے تھے وہ الست کے دن سے **یاایھا الذین امنوا** کے خطاب سے مشرف ہو چکے تھے۔ **پانچواں فائدہ**: متقی مومن انسان کی شکل دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہ دوزخی ہے یا جنتی ایک بزرگ فرماتے تھے کہ میں انسان کے نقش قدم کو دیکھ کر اسکا جنتی دوزخی ہونا معلوم کرلیتا ہوں یہ فائدہ **فرقانا**" کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد ہو برے بھلے آدمی میں فرق کرنا تو کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کو منافقین و مخلصین کی پہچان نہ ہو حضرت عمر کا نام ولقب ہی فاروق ہے یعنی اچھے برے کاموں اچھے برے لوگوں میں فرق کرنے والے اس لقب شریف کا ماخذ یہ آیت کریمہ بھی ہے۔

حکایت: خلافت عثمانی میں حضرت انس امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے دربار میں حاضر ہوئے راہ میں کسی اجنبیہ

عورت پر نگاہ پڑ گئی جب خدمت عالیہ میں پہنچے تو فرمایا کہ بعض حضرات ہمارے ہاں اس حالت میں آتے ہیں کہ ان کی آنکھ میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔ حضرت انس تڑپ گئے بولے کہ کیا ابھی وحی بند نہ ہوئی فرمایا یہ وحی نہیں بلکہ مومن کی فراست ہے۔ حضور انور فرماتے ہیں **اتقوا فراسته المومن فانه ینظر بنور اللّٰه** مومن کی فراست و دانائی سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے یہ ہے فرقانا" کی تفسیر۔ **چھٹا فائدہ**: جس شخص کا دل قدرتی طور پر اچھے کاموں اچھے لوگوں کی طرف راغب ہو اور برے کاموں برے لوگوں سے متنفر ہو تو وہ بفضلہ تعالیٰ مومن متقی ہے یہ فائدہ بھی **فرقانا**" سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ متقی مومنوں کو دشمنوں پر جہاد میں فتح دیتا ہے اگر فتح چاہئے تو ایمان مضبوط تقویٰ پختہ اختیار کرو یہ فائدہ فرقانا" کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ فرقان سے مراد ہو مومنوں کی فتح و نصرت جو حق و باطل میں فرق کردے فرماتا ہے **اذا لقیتم فئته فاثبتوا واذکروا اللّٰه کثیرا** ایمان و تقویٰ وہ روحانی ہتھیار ہیں جو کفار کو میسر نہیں اللہ کے وعدے سچے ہیں۔ **اٹھواں فائدہ**: قوت ایمان اور تقویٰ سے دشمن کے دلوں میں قدرتی ہیبت پیدا ہوتی ہے یہ ہیبت خداداد بھی اللہ کی نعمت ہے یہ فائدہ فرقان کی چوتھی تفسیر سے حاصل ہوا کہ فرقان کے معنی شہرت و ہیبت ہوں۔ **نواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ نیک اعمال کی برکت سے مومن کے گناہ معاف فرما دیتا ہے یہ فائدہ **ویکفر عنکم سیاتکم** سے حاصل ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الحسنات یذھبن السیئات** بلکہ کبھی اس کی برائیاں خوبیوں میں گناہ نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں رب فرماتے ہیں **فاولئک یبدل اللّٰه سیاتھم حسنات تقوی اللّٰه** کی بڑی نعمت ہے۔ **دسواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنے وعدوں سے بڑھ کر عطا فرماتا ہے یہ فائدہ **وذو الفضل العظیم** سے حاصل ہوا کہ اس فرمان عالی میں تین انعامات کے بعد رب نے اپنے فضل و کرم کا ذکر فرمایا جس میں بتایا کہ ان تین نعمتوں کا وعدہ ہے باقی ہمارا افضل بڑا ہے تمہیں کیا خبر کہ ہم تم کو ان کے علاوہ اور کیا کیا دیں گے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ **ان تتقوا اللّٰه** ان شک کے لئے آتا ہے اللہ تعالیٰ شک اور تردد سے پاک ہے پھر اس نے **ان** کیوں ارشاد فرمایا۔ **جواب**: ان محض معلق کرنے کے لئے بھی آتا ہے جیسے کہا جائے کہ اگر سورج نکلے گا تو دن نکل آئے گا حالانکہ سورج کا نکلنا بھی یقینی ہے دن نکلنا بھی یقینی صرف یہ بتانا ہے کہ دن کا نکلنا سورج کے طلوع ہونے پر لازمی ہے اس پر موقوف ہے وہ ہی یہاں ہے مقصد یہ ہے کہ یہ تین نعمتیں تمہارے ایمان و تقویٰ پر معلق ہیں اگر یہ چاہیں تو متقی مومن بنو۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں وعدہ فرمایا گیا کہ متقی مومن کو حق و باطل میں تمیز عطا ہو گی ہم نے بڑے بڑے نمازی لوگ شریعت سے بالکل بے خبر پائے پھر یہ وعدہ ربانی کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: تقویٰ صرف نماز پڑھنے کا نام نہیں بلکہ اس کے لئے کچھ اور چیزیں بھی ضروری ہیں ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ 1 جسمانی تقویٰ اللہ رسول کے سارے احکام ماننے کا نام ہے جس کے دو رکن ہیں ممنوعہ چیزوں سے رک جانا۔ 2 فرائض و سنت پر عمل کرنا۔ دوسرا تقویٰ ہے روحانی یا جنانی یعنی اللہ کی محبوب چیزوں کا دل سے ادب و احترام کرنا جسے اللہ تعالیٰ یہ نصیب کرے تو انشاء اللہ اسے یہاں کے مذکورہ انعامات ضرور ملیں گے۔ **تیسرا اعتراض**: کفارہ سیئات اور مغفرت میں کیا فرق ہے۔ **جواب**: ان میں چند فرق ابھی تفسیر میں ہم نے عرض کئے کہ گناہ مٹانا کفارہ سیئات ہے ہمارے عیوب چھپانا مغفرت ہے یا بڑے گناہ معاف فرمانا کفارہ سیئات ہے چھوٹے گناہ بخش دینا مغفرت ہے

پرانے گناہ معاف فرما دینا کفارہ سئیات ہے نئے گناہ معاف فرما دینا مغفرت وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا یہ مضمون مکرر نہیں۔ **چوتھا اعتراض**: مذکورہ تین انعامات کے بعد **واللہ ذو الفضل العظیم** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب**: تاکہ بتایا جاوے کہ فقط ان تین انعامات پر ہی کفایت نہیں یہ تو تمہارے ایمان و تقویٰ کی گویا اجرت ہے ہم بڑے فضل والے ہیں ان کے علاوہ اپنی مہربانی سے تم کو اور بہت کچھ دیں گے روزی میں برکت "دنیاو آخرت میں عزت "چہرے کا نور "اپنی جنت اور وہاں خاص مقام بلکہ انشاء اللہ اپنا دیدار جو سب سے بڑی نعمت ہے ان سب چیزوں کا ذکر قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ہے مثلاً" فرماتا ہے **ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا" ویرزقہ من حیث لا یحتسب** یا فرماتا ہے **وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ** یا فرماتا ہے **ھدی للمتقین**۔

تفسیر صوفیانہ: تقویٰ دو طرح کا ہے شریعت کا تقویٰ یعنی اللہ سے بقدر طاقت ڈرنا اس کا ذکر اس آیت میں ہے **فاتقوا اللہ ما استطعتم** طریقت کا تقویٰ اللہ سے ڈرنا جیسا رب کا حق ہے اس کا ذکر اس آیت میں ہے **واتقوا اللہ حق تقاتہ** صوفیاء کے نزدیک متقی وہ ہے جو ہر حال میں رب کو اپنا امان جانے اپنی ذات کو رب کی ذات کو رب کی ذات میں اپنی صفات کو رب کی صفات میں اپنے اعمال و افعال کو رب کے افعال میں اس طرح گم کردے کہ حالت یہ ہو جاوے کہ۔

تجھ میں میں ایسا سما جاؤں کہ میں ہی نہ رہوں   مجھ میں تو ایسا سما جائے تو ہی تو ہو جائے

غرضکہ اپنے کو اس میں گم کردے گناہوں سے بچنا دنیا سے بچنا غافل کرنے والی چیزوں سے بچنا تقویٰ کی ابتدائی منزلیں ہیں اس کی انتہا ہے خود اپنے سے بچنا انا کو فنا کر دینا۔

گم شدہ چون سایہ نور آفتاب   یا چو بوئے گل و زا اجزائے گلاب

اس آیت کریمہ میں تقویٰ کو بندوں کی طرف نسبت فرمایا اور فرقان کو رب کی طرف کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے اپنے لئے بنا لیتا ہے اور اس کے دل میں عالم قدسی کا چراغ روشن فرما دیتا ہے جس سے بندہ حق و باطل وجود و عدم' حدوث و قدم میں فرق کرنے لگتا ہے اس نور سے وہ اپنے عیوب دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اے موسیٰ پانچ باتیں یاد رکھو اصل دین ہیں جب تمہیں خبر ہے کہ میرا ملک لازوال ہے تو چاہئے کہ تمہاری اطاعات بھی لازوال ہوں۔

ہمہ تخت و ملکے پذیرد زوال   بجز ملک فرمان وہ لازوال

چونکہ میرے خزانے فانی نہیں تو تم روزی کا غم نہ کھاؤ۔

در دائرہ قسمت ما نقطہ تسلیم   لطف آنچہ تو اندیشی و حکم آنچہ تو فرمائی

چونکہ ابلیس مرا نہیں لہٰذا اس سے امن میں نہ رہو ہمیشہ احتیاط رکھو۔ 4۔ چونکہ اپنی مغفرت پر بھروسہ نہیں لہٰذا دوسروں کی عیب جوئی نہ کرو۔

طعن بنامہ سیاہی ملامت من مست   کہ آگہ است کہ تقدیر بر سرش چہ نوشت

جب تک جنت میں نہ پہنچ جاؤ تب تک ہمارے امتحان سے بے خوف نہ ہو عاقل کو چاہئے کہ آخر عمر تک تقویٰ میں کوشش کرے تاکہ اللہ اسے حق و باطل کے معیار بنادے اور اس کے فانی وجود کو اپنے غیر فانی نور سے چھپائے اپنے جمال و جلال میں

اسے جگہ دے اللہ بڑے فضل والا ہے اس کا بڑا فضل یہ ہے کہ ہماری انا کو فنا کرے بقاء عطا فرمائے (از تفسیر روح البیان)

وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ

اور جب داؤ سوچتے تھے تمہارے متعلق وہ لوگ جو کافر ہوئے تاکہ قید کر لیں تم کو یا قتل کر دیں تم کو یا نکالیں

اور اے محبوب یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کر لیں یا شہید کر دیں یا نکال

وَیَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ۝

تم کو اور وہ داؤں چلتے تھے اور تدبیر فرماتا تھا اللہ اور اللہ بہتر تدبیر والوں سے ہے

دیں اور اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے اب اس فضل و کرم کے ثبوت میں ایک عجیب واقعہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو ہجرت رسول ﷺ کے موقعہ پر واقع ہوا۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں پر ایک خاص فضل و کرم کا ذکر ہوا تھا **واذکروا اذانتم قلیل** اب اس فضل ربانی کا تذکرہ ہے جو حضور ﷺ پر خصوصی طور پر ہوا یعنی حضور انور کو ایسے نازک موقعہ پر شر کفار سے محفوظ رکھنا جو بالواسطہ سارے مسلمانوں پر کرم ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر مومن متقی بن کر رہیں تو انہیں فرقان عطا فرمایا جاوے گا اب اسی فرقان کی عطا کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ فرقان کے معانی ہم اس جگہ بیان کر چکے ہیں ہجرت کلیہ واقعہ فرقان الہی ہی تو تھا۔

شان نزول: جب مسلمان مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے دوسرے علاقوں میں جا بسے اور وہاں یہ فراغت رب کی عبادت کرنے لگے تو کفار مکہ کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی کہ یہ لوگ ہمارے پنجہ ستم سے کیوں نکل گئے پھر ایک حج کے موقعہ پر بارہ انصار مدینہ نے حضور انور کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی دوسرے سال حج کے موقعہ پر ۷۱ انصار نے بیعت کی جسے بیعت عقبہ کہتے ہیں یہ خبر کفار مکہ کو لگ گئی تو وہ اور بھی آگ بگولہ ہو گئے آخر کار یہ لوگ ایک دن سرداران قریش قصی ابن کلاب کے گھر میں جمع ہوئے جو اب دار ندوہ بن چکا تھا (یعنی کمیٹی گھر) (معانی) ان لوگوں میں عتبہ ابن ربیعہ، شیبہ ابن ربیعہ، ابو جہل، ابو سفیان طعیمہ ابن عدی، نضر ابن حارث، ابو بختری، ابن ہشام، زمعہ ابن اسود، حکیم ابن حزام، نبیہ ابن حجاج، منبہ ابن حجاج، اور امیہ ابن خلف خصوصی مہمان تھے یہ لوگ بولے کہ اب کیا کرنا چاہئے محمد (ﷺ) کا معاملہ ہمارے قابو سے باہر نکلا جا رہا ہے ان کے اثرات دوسرے علاقوں میں پہنچ رہے ہیں ابھی بات یہاں تک ہوئی تھی کہ ایک سفید ریش بوڑھا دروازہ پر آ کھڑا ہوا حاضرین نے پوچھا کہ تو کون ہے اور ہماری اس خصوصی میٹنگ میں کیوں آیا ہے کہا میں شیخ نجدی ہوں مجھے تمہارا اس اجتماع کا یہاں آ کر

پتہ لگا تو میں بھی تم کو اچھا مشورہ دینے آگیا ہوں تم کو میرے مشوروں سے بہت فائدہ پہنچے گا یہ لوگ بولے کہ آپ بھی تشریف لے آیئے (یہ ابلیس تھا) جو ان میں شامل ہو گیا اب بات آگے چلی ابلیس سے یہ سب کچھ کہا گیا ابلیس یعنی شیخ نجدی بولا کہ اپنے مشورے پیش کرو پہلے ابو البختری ابن ہشام بولا کہ مسلمانوں پر سختیاں کر کے ہم دیکھ چکے کچھ نہ بنا اب ہم کو محمد مصطفےٰ ﷺ کا انتظام کرنا چاہئے میری رائے یہ ہے کہ ان کو ایک گھر میں قید کر کے دروازہ پتھروں سے چن کر بند کر دیا جاوے تاکہ وہ وہاں ہی ہلاک ہو جاویں اس پر شیخ نجدی بولا کہ یہ رائے ٹھیک نہیں کیونکہ ان کی قوم بنی ہاشم ان کو جبراً وہاں سے نکال لیں گے اور مکہ میں خانہ جنگی نہ ہو جاوے جس سے محمد (ﷺ) کو فائدہ پہنچے یہ رائے رد ہو گئی اس کے بعد ہشام ابن عمرو جو قبیلہ بنی عامر ابن لوی سے تھا اٹھا بولا کہ انہیں ایک اونٹ پر سوار کر کے مکہ سے اتنی دور نکال دو کہ پھر وہ مکہ کا رخ نہ کر سکیں اور ہم کو اس آفت سے نجات ملے۔ شیخ نجدی بولا کہ یہ رائے بھی ٹھیک نہیں کیونکہ تم دیکھتے ہو وہ کیسے فصیح اللسان سیف زبان صاحب تاثیر ہیں کہ اپنی باتوں سے خلق کے دل موہ لیتے ہیں جو ان کی سن لیتا ہے وہ ان کا ہو جاتا ہے اگر تم نے ان کو مکہ سے نکال دیا تو وہ کسی اور جگہ جا کر وہاں کے لوگوں کو مسلمان کر لیں گے پھر ان کی مدد سے تم پر حملہ آور ہو جائیں گے اور تم کو مکہ سے نکال دیں گے تم تو اپنی ہلاکت کی تدبیر کر رہے ہو چنانچہ یہ رائے بھی رد ہو گئی پھر ابو جہل اٹھا بولا کہ میری رائے یہ ہے کہ قریش کے ہر خاندان سے چند بہادر نوجوان تلوار آبدار لے کر یکدم حضور انور پر ٹوٹ پڑیں اور انہیں قتل کر دیں یہ نہ پتہ لگے کہ قاتل کون ہے آخر کار بنی ہاشم سارے قبیلوں سے لڑ نہ سکیں گے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے ہم قبیلے والے چندہ کر کے ادا کر دیں گے۔ شیخ نجدی بولا یہ رائے بہت ہی اچھی ہے یہ شخص بہت ذی رائے معلوم ہوتا ہے چنانچہ یہ قرارداد پاس ہوئی اور کفار مکہ اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے گھروں کو چلے گئے ادھر حضرت جبریل امین نے حضور انور ﷺ کو اس سارے واقعہ کی خبر دی اور حضور انور کو ہجرت کر جانے کے لئے کہا چنانچہ ایک رات کفار قریش ننگی تلواریں لئے حضور انور کا گھر گھیر لیا حضور انور نے بحکم الہٰی حضرت ابو بکر صدیق کو اپنے ساتھ لیا اور حضرت مرتضیٰ کو فرمایا کہ تم میرے بستر پر آج کی رات سو رہو تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کفار تمہارا بال بیکا نہ کر سکیں گے ابھی قاتل جلادوں کی امانتیں میرے پاس ہیں ان کی امانتیں ادا کر کے میرے پاس مدینہ منورہ چلے آنا۔ حضرت علی بخوشی راضی ہو گئے اور حضور انور یہ آیت پڑھتے ہوئے گھیرہ کفار سے صاف نکل گئے **انا جعلنا فی اعناقھم اغلالا۔ (الی قولہ) فاغشیناھم فھم لا یبصرون** اور حضرت ابو بکر صدیق کو ہمراہ لے کر غار ثور میں تشریف لے گئے ادھر یہ کفار حضرت علی کو حضور انور سمجھتے ہوئے گھر گھیرے کھڑے رہے صبح صادق کے وقت جب حضرت علی بستر پاک سے اٹھے تو کفار علی کو دیکھ کر حیران رہ گئے پوچھنے لگے کہ اے علی محمد کہاں ہیں ﷺ آپ نے فرمایا رب جانے یہ لوگ حضور انور کی تلاش میں دیوانہ وار چو طرفہ پھیل گئے ادھر حضور انور ﷺ مع یار غار حضرت صدیق اکبر کے ثور پہاڑ کے ایک غار میں جلوہ گر ہو گئے بحکم الہٰی فوراً غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا اور ایک کبوتری نے انڈے دے دیئے بعض کفار یہاں بھی تلاش کرتے ہوئے پہنچ گئے مگر جالا اور انڈے دیکھ کر اندر داخل نہ ہوئے حضور انور نے اس غار میں تین دن قیام فرمایا پھر مدینہ منورہ روانہ ہوئے (تفسیر خازن ' بیضاوی ' کبیر روح المعانی و بیان ' مدارک وغیرہ) راستہ میں پھر سراقہ کا واقعہ پیش آیا جو مشہور ہے یہ آیت کریمہ اسی واقعہ بیان ہو رہی ہے اس کے متعلق نازل ہوئی۔

تفسیر: **واذیمکربک** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور **اذیمکر** ایک پوشیدہ فعل کا مفعول بہ ہے **اذکر** یا ذکر پوشیدہ کا یعنی اے محبوب آپ وہ وقت یاد کریں یا لوگوں کو یاد دلائیں۔خیال رہے کہ یہ آیت مدینہ ہے جس میں مکہ معظمہ کے ایک واقعہ کا ذکر ہے **یمکر** بنا ہے مکر سے جب اس کا فاعل کفار ہوں تو اس کے معنی ہوتے ہیں داؤ' فریب' وہ ہی یہاں مراد ہے چونکہ یہ سازش بہت دیر تک ہوتی رہی جس میں مختلف لوگ تدبیریں پیش کرتے رہے اس لئے **یمکر** مضارع استعمال ہوا چونکہ ان ساری سازشوں کا تعلق حضور انور کی ایذا سے تھا اس لئے بک ارشاد ہوا یعنی آپ کے متعلق لوگ مکرو فریب کرتے تھے **الذین کفروا** یہ **یمکر** کا فاعل ہے اس میں کفار اور ابلیس سارے کا فرداخل ہیں کیونکہ اس سازش میں شیطان بھی برابر کا شریک تھا چونکہ یہ سب کفر میں یکساں تھے اس لئے دونوں کے لئے **الذین کفروا** ارشاد ہوا **الیثبتوک** یہ متعلق ہے **یمکر** کے **یثبتو** بنا ہے **ثبت** سے جس کے معنی ہیں روک۔

فقلت و یحکم ما فی صحیفتکم   قالوا الخلیفته امس مثبتا" رجما"

عرب کہتے ہیں **ضربه حتے اثبته لاحراک به** (روح البیان) اس فرمان عالی میں ابو البختری کی اس رائے کی طرف اشارہ ہے کہ حضور انور کو ایک مکان میں قید کر دیا جائے اس کے بعض ہم خیالوں نے یہ بھی کہا تھا کہ انہیں ہاتھ پاؤں باندھ کر رکھا جاوے بعض نے کہا تھا کہ انہیں چوٹیں لگا کر بیکار کر دیا جائے کہ وہ چل پھر نہ سکیں ایک ہی جگہ رہیں اسی ایک لفظ میں یہ سب باتیں ارشاد فرمادی گئیں **اویقتلوک** اس فرمان عالی میں ابو جہل کی اسی رائے کی طرف اشارہ ہے کہ سارے قبیلوں کے آدمی مجموعی طور پر حضور کو شہید کر دیں جیسا کہ شان نزول میں بیان ہوا یہ ہی رائے پاس ہوئی تھی **اویخرجوک** اس میں ہشام ابن عمرو کی رائے کی طرف اشارہ ہے کہ حضور انور کو اونٹ پر سوار کر کے مکہ سے نکال دیا جاوے جیسا کہ ابھی شان نزول میں بیان ہوا یہ رائے بھی شیخ نجدی یعنی ابلیس نے رد کر دی تھی **ویمکرون ویمکر اللّٰہ** اس فرمان عالی میں ان سب کی تدبیروں کی کمزوری اور رب تعالیٰ کی تعبیر کی قوت کا ذکر یعنی وہ سب تو اپنی سی تدبیریں سوچتے تھے جیسے خود کمزور شیطان کمزور اس کی رائے کمزور **ان کید الشیطان ضعیفا** ادھر اے محبوب آپ کی حمایت میں آپ کے بچانے میں آپ کی حفاظت میں یا کفار کی ہلاکت میں ہم خفیہ تدبیر فرما رہے تھے اس میں گفتگو ہے کہ رب کی اس تدبیر سے کون سی تدبیر مراد ہے 1۔اس سے مراد ہے حضور انور کو بروقت ان کی سازشوں کی خبر دینا 2۔یا حضور انور کو گھیرا ڈالنے والوں کی جماعت کے بیچ سے صحیح سلامت نکال لینا 3۔یا غار ثور کے دروازے پر مکڑی کا جالا کبوتری کے انڈے لگا دینا۔4۔یا بدر میں کفار مکہ کو میدان بدر کی طرف پہنچا دینا 5۔یا بدر کی جنگ سے پہلے کفار کی نگاہ میں مسلمانوں کو اور مسلمانوں کی نظر میں کفار مکہ کو تھوڑا کر دکھانا **ویقللکم فی اعینهم** 6۔بدر میں دو بچوں کے ہاتھوں ابو جہل کو قتل کرا دینا 7۔غزوہ احزاب یعنی خندق میں تیز ہوا کے ذریعہ کفار کا سارا لشکر تتر بتر فرما دینا وغیرہ ہو سکتا ہے کہ یہ سارے ہی واقعات مراد ہوں (از روح المعانی) **واللّٰہ خیر الماکرین** یہ جملہ نیا ہے یہاں خیر۔بمعنی بہتر نہیں بلکہ یا تو ۔بمعنی قوی ہے مقابل ضعیف کا یا خیر مقابل ہے شر کا **الماکرین** میں الف لام یا تو استغراقی ہے یعنی سارے فریب کرنے والوں سے اللہ قوی ہے وہ بہت کمزور ہیں یا عہد خارجی ہے اور مراد وہی دار الندوہ میں جمع ہونے والے سازشی کفار ہیں یعنی وہ سب تدبیریں سوچنے والے بدترین خلق ہیں کہ محبوب کے خلاف تدبیریں سوچتے ہیں ہم خیر

ہیں ہمارے سارے کام خیر ساری تدبیریں خیر کہ ہم محبوب کی حمایت و حفاظت میں تدبیریں خفیہ فرماتے ہیں لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے (خازن)

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ ہم آپ پر اور آپ کی طفیل آپ کی امت پر بڑے ہی فضل و کرم فرمانے والے ہیں آپ اس کے ثبوت میں اپنی امت کو وہ وقت یاد دلاؤ جب آپ کے خلاف سرداران قریش بلکہ ان کے ساتھ ان سب کا استاد مورث اعلیٰ ابلیس مکر تدبیریں سوچتے تھے کوئی کہتا تھا کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو باندھ دیں کوئی کہتا تھا کہ آپ کو قتل کر دیں کوئی کہتا تھا کہ آپ کو دیس نکالا دے دیں غرضکہ اپنی اپنی سی تدبیریں وہ تو آپ کے خلقا سوچ رہے تھے اور آپ کا رب آپ کے متعلق حفاظتی تدبیریں فرما رہا تھا آپ نے دیکھ لیا کہ وہ کمزور تدبیروں والے تھے ہم قوی اور قوی تدبیر والے کہ ہم نے آپ کو کس شان سے انکی بھیڑ میں سے نکالا اور غار ثور جالے کے ذریعہ بچایا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** شیطان اگرچہ سارے جہاں پر نظر رکھتا ہے مگر اس کا ہیڈ کوارٹر علاقہ نجد ہے یعنی وہ نجد میں رہتا ہے یہ فائدہ اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوا کہ خود اس نے اپنے کو شیخ نجدی کہا اپنا پتہ خود بتایا حضور انور ﷺ نے نجد کے متعلق ارشاد فرمایا **وھنالک تطلع قرن الشیطان** وہاں سے شیطان کا گروہ یا شیطان کا سینگ نکلے گا۔

لطیفہ: سینگ والے جانور کے سارے جسم میں سینگ ہی سخت تر ہوتے ہیں اسی طرح یہ قرن الشیطان خود شیطان سے سخت تر ہیں کہ وہ تو کہہ چکا **الا عبادک منھم المخلصین** میں تیرے بندوں کو نہیں بہکا سکوں گا مگر یہ قرن الشیطان ہمیشہ ان مخلصین کے پیچھے ہی پڑے رہتے ہیں وہ مخلصین سے مایوس ہے یہ لوگ مایوس نہیں نیز سینگ والا جانور جب کسی سے لڑتا ہے تو انہیں قرن الشیطان کو آگے لگاتا ہے خود پیچھے سے زور لگاتا ہے دیکھو بدر وغیرہ میں کفار مکہ کو مشورے دے کر الگ ہو گیا کفار کو آگے کر دیا نیز یہ جانور جب کہیں داخل ہوتا ہے تو پہلے اپنے سینگ داخل کرتا ہے پھر باقی جسم یوں ہی جب شیطان دوزخ میں جائے گا تو پہلے انہیں قرن الشیطان کو داخل کرے گا پھر سب سے آخر میں خود جائے گا حضور انور کے سارے فرمان ہزارہا حکمتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** شیطان اپنے پیروکاروں کی امداد کرتا ہے کہ انہیں مشورے وغیرہ دیتا ہے کبھی دیکھنے میں بھی آتا ہے یہ فائدہ بھی اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوا کہ کفار مکہ کے پاس شیطان شیخ نجدی بن کر آیا لہٰذا ضروری ہے کہ اللہ کے مقبول بندے اپنے غلاموں کی ہر وقت مدد کریں بلکہ کبھی اپنی زیارت بھی کرا دیتے ہیں ابھی 1965ء کی جنگ پاکستان وہندوستان کے موقعہ پر غازیان اسلام نے حضرت امام حسین، داتا گنج بخش کو غازیوں میں دیکھا خود حضور انور اس جہاد میں تشریف فرما تھے جیسا کہ اسی زمانہ کے اخبارات میں شائع ہوا تھا جنگ بدر میں ملائکہ امداد کے لئے آئے اور کیوں نہ ہو کہ راہزن کے توڑ کے لئے راہبر کا زور ضروری ہے ورنہ ہم کمزور بندے کیسے پار لگیں۔

کیوں کہوں بیکس ہوں میں کیوں کہوں بے بس ہوں میں
تم ہو میں تم پر فدا تم پہ کروڑوں درود!

تیسرا فائدہ: کفار کفر میں ابلیس کے ساتھ ہیں ان کا درجہ مقام ایک ہے یہ فائدہ **الذین کفروا** سے حاصل ہوا کہ رب نے یہاں ابلیس اور کفار قریش کو ایک الذین اور ایک کفروا سے بیان فرمایا اس طرح انشاء اللہ حضور انور کے دامن کرم میں حضور کے غلام رہتے ہیں۔ رب تعالیٰ دنیا و دین میں ان کے غلاموں کو ان سے جدا نہ کرے گا۔

عاصیان وابستہ دامان تو اے پناہ ما غریباں السلام
اے زہ قسمت کہ تو برما حریص جملہ عالم برتو قرباں السلام

چوتھا فائدہ: کفار ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں جب وہ حضور انور سے باز نہ رہے تو دوسروں کا کیا کہنا یہ فائدہ **وافیمکر بک** سے حاصل ہوا مسلمان کبھی ان سے غافل نہ رہیں۔ **پانچواں فائدہ:** اب یہ آیت کریمہ دشمن کے مقابل بہت کام آتی ہے دشمنوں میں گھرا ہوا انسان اس آیت کی برکت سے ان کے نرغہ سے نکل جاتا ہے **وجعلنامن بین ایدیھم۔(الی)فاغشیناھم فھم لایبصرون** اس فقیر نے اس بار یعنی 1369ء کے حج کے موقع پر اچھی طرح آزمایا۔ **چھٹا فائدہ:** نبی کے خلاف ان کے دین کے خلاف سازشیں کرنا شیطانی لوگوں کا کام ہے نبی کی خدمت ان کی حفاظت ان کے دین کی حفاظت ان کی عزت و حرمت کے لئے تدبیریں کرنا رحمان اور رحمانی لوگوں کی سنت ہے یہ فائدہ **یمکرون** اور **یمکراللہ** سے حاصل ہوا یہ دونوں سنتیں تاقیامت جاری رہیں گی **اولئک حزب الشیطان** اور **اولئک حزب اللہ** سے حاصل ہو اللہ تعالیٰ حزب اللہ یعنی رحمانی نور میں رکھے آمین۔

موسیٰ و فرعون شبیر و یزید این دو طاقت از ازل آمد پدید

نبی پر تیر نہ چلاؤ۔ نبی کی جانب سے تیر چلاؤ اپنا علم و فکر زور قلم نبی پر صرف نہ کرو بلکہ نبی کی طرف سے کفار کے مقابل صرف کرو۔ حضرت حسان فرماتے ہیں۔

فان ابی ووالدتی و عرضی بعرض محمد منکم وقاء

ساتواں فائدہ: اگر سب مل کر رب کا مقابلہ کریں تو سب فیل ہوں گے رب کی تدبیر غالب رہے گی یہ فائدہ **واللہ خیر الماکرین** سے حاصل ہوا دیکھو کفار کی تلوار نے حضور انور کا کچھ نہ بگاڑا اور مکڑی کے جالے کبوتری کے انڈے نے حضور کی حفاظت کرلی کیونکہ یہ رب کی تدبیر کا مظہر تھی یوں ہی جس کو حضور انور اپنے دامن میں لے لیں دنیا والے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

ڈھونڈھا ہی کریں صدر قیامت کے سپاہی وہ کس کو ملے جو ترے دامن میں چھپا ہو!

آٹھواں فائدہ: امانت خواہ دوست کی ہو یا دشمن کی یا قاتل خونخوار کی اس کا ادا کرنا شرعاً واجب ہے دیکھو حضور ﷺ نے حضرت علی کو ہجرت میں اپنے ساتھ نہ لیا تاکہ وہ ان خون خواروں دشمنوں کی امانات ادا کرکے آویں جو ان کی امانتیں حضور انور کے پاس تھیں غنیمت اور چیز ہے فرض اور امانت دوسری چیز۔ **نواں فائدہ:** حضور ﷺ اللہ کے فضل سے ایسے کریم امین ہیں کہ دشمن بھی آپ کو امین مانتے تھے اپنی امانتیں حضور کے پاس رکھتے تھے دیکھو یہ ہی خونخوار دشمن جو حضور انور کے خون کے پیاسے تھے قتل کے درپے تھے انکی امانتیں اس وقت بھی حضور کے پاس تھیں حضور کو صادق الوعد امین کہتے تھے۔

پہلا اعتراض: کفار کا مکر اور رب کا اپنے محبوب کو بچانا گزشتہ زمانہ میں ایک بار ہو چکا تھا پھر اسے **یمکر** حال کے صیغہ سے کیوں ارشاد فرمایا۔ **جواب**: اس جیسے موقعہ پر مضارع بمعنی ماضی استمراری ہوتا ہے یعنی وہ مکر کرتے تھے اللہ بچاتا تھا لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہوا۔ **دوسرا اعتراض**: یہ واقعہ ماضی میں صرف ایک دفعہ ہوا تو ماضی استمراری بھی کیونکر درست ہوئی وہ تو دوام و ہمیشگی چاہتی ہے پھر معنی استمراری بھی کیونکر درست ہوئے۔ **جواب**: اسی رات کفار کے مکر بار بار اور طرح طرح کے ہوئے رب تعالیٰ کی حفاظتی تدبیریں بھی بار بار اور طرح طرح کی ہوئیں اس لئے استمرار درست ہوا اولاً حضور کے خلاف مشورہ کرنا اور رب تعالیٰ کا اپنے حبیب کو اس کی اطلاع دے دینا پھر حضور انور کا گھر گھیر لینا ادھر رب کا اپنے حبیب کو انکی بھیڑ میں سے سلامت نکال لینا پھر کفار کا حضور انور کی تلاش میں غار ثور تک پہنچ جانا ادھر رب کا اپنے حبیب کو بذریعہ جالے اور انڈوں کے بچا لینا پھر حضرات سراقہ ابن مالک کا حضور انور تک پہنچ جانا ادھر رب کے حکم سے زمین کا گھوڑے کو کمر تک دھنسا لینا پھر حضور انور کے حکم شاہانہ سے زمین کا ان کو چھوڑنا حضور انور کا انہیں کسریٰ شاہ فارس کے کنگن عطا فرمانا یہ سب دو طرفہ یعنی شیطانی اور رحمانی تدبیریں تو تھیں جو مسلسل جاری رہیں لہٰذا ماضی استمراری بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا **واللّٰہ خیر الماکرین** اللہ کی تدبیر ان کی تدبیروں سے زیادہ بہتر ہے جس سے معلوم ہوا کہ کفار کی تدبیریں بھی اچھی تھیں مگر رب کی تدبیر زیادہ اچھی حالانکہ کفار کی تدبیریں بہت بری تھیں پھر آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں خیر یا تو بمعنی قوی اور مضبوط ہے اس کا مقابل ضعیف اور کمزور ہے یا خیر مقابل شر کا ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ان کید الشیطن کان ضعیفا** لہٰذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ: کفار کی تدبیریں ظلم و باطل ہیں اللہ واحد قہار کی تدبیریں حق و صواب ہیں کفار کی تدبیریں حیلہ اور عجز ہیں خالق کی تدبیریں حکمت و قدرت ہیں لہٰذا خلق کی تدبیریں خالق کی تدبیروں کے مقابل زائل و باطل ہیں رب کی تدبیریں دائم و قائم ہیں۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

سحر با معجزہ پہلو نہ زند ایمن باش   سامری کیست کہ دست از ید بیضا ببرد

دوسرے نے کہا۔

صعوہ کو با عقاب سازد جنگ   دہد از خون خود پرش را رنگ

حضور کی ہجرت کے موقع پر سب ایک جانب تھے یعنی حضور انور کی دشمنی پر۔ رب حضور کی حمایت پر۔ سب مغلوب رہ گئے ابو جہل نے حضور انور کو قتل کرنا چاہا خود بدر میں قتل کیا گیا نہایت ذلت و خواری سے اور مسلمان اس کے شر سے بچا لئے گئے اللہ کے دوستوں دشمنوں کے یہ رنگ تاقیامت رہیں گے کہ دشمن مکر و فریب کرتے رہیں گے رب تعالیٰ انہیں بچاتا رہے گا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ

اور جب تلاوت کی جاتی ہیں اوپر ان کے آیتیں ہماری تو کہتے ہیں بے شک سن لیں ہم نے اگر چاہیں ہم تو البتہ

اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو کہتے ہیں ہاں ہم نے سنا ہم چاہتے تو ایسی ہم بھی کہہ دیتے

إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ

تحقیق کہہ لیں ہم مثل اس کے نہیں ہیں یہ مگر کہانیاں اگلوں کی اور جب کہا انہوں نے اے اللہ اگر ہو یہ ہیچ پاس سے

یہ تو نہیں مگر اگلوں کے قصے اور جب بولے کہ اے اللہ اگر یہی (قرآن) تیری طرف سے حق ہے

الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٢﴾

تیرے پس برسا دے اوپر ہمارے پتھر طرف سے آسمان کے یا لا ہم پر عذاب دردناک

تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی دردناک عذاب ہم پر لا

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں کفار عرب کے اس مکرو فریب کا ذکر ہوا جس کا تعلق حضور انور کی ذات کریمہ سے تھا۔ قید، قتل وغیرہ اب انہیں کافر کے اسی مکرو فریب کا ذکر ہے جس کا تعلق حضور انور کے دین سے ہے یعنی لوگوں کے دلوں میں قرآن و اسلام کی طرف سے شبہات ڈالنا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں صاحب قرآن ﷺ کے خلاف مکر کا ذکر تھا اب خود قرآن مجید کے خلاف مکر کا ذکر ہوا گویا قرآن ناطق (حضور ﷺ) پر فریب کے بعد اس خاموش قرآن کے خلاف فریب کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق**: گزشتہ پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ ایمان و تقویٰ سے فرقان ملتا ہے جس سے انسان حق و باطل میں فرق و تمیز کر سکے اب تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے کہ ان کے بغیر بجائے فرقان کے طغیان و کفران ملتا ہے دیکھو کفار مکہ کو نہ تو قرآن ماننے کی توفیق ملی نہ صحیح دعا مانگنے کی کہ بجائے ہدایت کے عذاب مانگنے لگے۔

شان نزول: ان دونوں آیتوں کے شان نزول علیحدہ ہیں پہلی آیت کا شان نزول یہ ہے کہ قبیلہ و بنی عبد الدار میں ایک شخص تھا نضر ابن حارث ابن علقمہ جو بسلسلہ تجارت فارس و روم حیرہ (علاقہ کوفہ) وغیرہ جایا کرتا تھا اور وہاں اہل فارس کو رستم اسفندیار وغیرہم کے قصے کہتے سنتے دیکھا کرتا تھا اس نے وہ قصے یاد کئے اور وہاں سے کتاب کلیلہ دمنہ وغیرہ خرید کر ساتھ لایا نیز اس نے یہود نصاریٰ کو سجدے سجود عبادات کرتے دیکھا تو مکہ معظمہ آکر کفار سے بولا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ تم کو قوم عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں آؤ میں تم کو رستم اسفندیار کے قصے سناؤں وہ تم کو قرآن دکھاتے ہیں دیکھو میرے پاس کلیلہ دمنہ کی کتاب ہے وہ اپنی امت کو رکوع سجود کا حکم دیتے ہیں میں یہود و نصاریٰ کو یہ کام کرتے دیکھ کر آیا ہوں اگر یہ برحق ہیں تو میں اور یہود و نصاریٰ بھی برحق ہیں اس کی تردید میں پہلی آیت **واذا تتلی علیهم** نازل ہوئی (تفسیر خازن، روح البیان، معانی، کبیر، مدارک، بیضاوی وغیرہ) 2- جب نضر بن حارث نے یہ بکواس کی تو حضرت عثمان ابن مظعون نے اس سے کہا کہ بدنصیب اللہ سے ڈرو محمد مصطفیٰ ﷺ بالکل حق فرماتے ہیں وہ سچے ہیں ان کا کلام بھی سچا تو نضر بولا کہ میں بھی سچا ہوں اور میرا یہ کلام بھی سچا وہ کہتے ہیں لا الہ الا اللہ میں بھی کہتا ہوں لا الہ الا اللہ ہاں کہتا ہوں کہ ملائکہ بنات اللہ یعنی فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں پھر بولا کہ الٰہی اگر قرآن اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرمان سچے ہیں تو مجھ پر اور میری قوم پر مثل قوم لوط کے آسمانی پتھر برسا دے یا قوم صالح و قوم ہود کی طرح کا عذاب بھیج دے اس

کی اس دعا پر دوسری آیۃ کریمہ **واذقالوااللھم** نازل ہوئی (خازن ' بیضاوی ' کبیر ' روح البیان وغیرہ) خیال رہے کہ نضر ابن حارث وہ بد بخت ازلی کافر ہے۔ جس کے متعلق قرآن کریم میں دس سے زیادہ آیتیں نازل ہوئی یہ دو آیتیں اور آیت کریمہ سال سائل بعذاب واقع وغیرہ۔ غزوہ بدر میں تین شخصوں کو حضور انور نے قتل کیا طعمہ ابن عدی ' عقبہ ابن ابی ' معیط ' نضر ابن حارث یعنی اس کانسہ مانگا عذاب اس پر بدر میں نازل ہوا جو مانگا وہ پایا (خازن وغیرہ) بعض روایات میں ہے کہ یہ دعا ابو جہل نے مانگی تھی بعض مفسرین نے کہا کہ یہ دعا بہت قریشیوں نے مانگی ہو سکتا ہے کہ نضر ابن حارث نے اولاً یہ دعا کی ہو پھر اسکی دیکھا دیکھی ابو جہل نے پھر اسے دیکھ کر دیگر قریش نے (از روح البیان)۔

تفسیر: **واذاتتلی علیھم ایاتنا** یہ نیا جملہ ہے اذا ظرفیہ ' معنی شرط ہے **علیھم** سے مراد نضر ابن حارث اور اس کی قوم کفار ہیں آیات سے مراد قرآنی آیات ہیں حضور نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ مسلمانوں کو بھی قرآن سناتے تھے اور کفار کو بھی اور سب کو بھی یہاں دوسری تلاوت مراد ہے یعنی کفار کے سامنے انہیں سنانے کے لئے تلاوت قرآن اتنی عبارت شرط ہے **قالواقدسمعنا** یہ اس کی جزا ہے اگرچہ یہ کلام صرف نضر ابن حارث **کا تھا** مگر چونکہ وہ اپنی قوم کا پیشوا تھا وہ سب اس کے اس قول سے راضی تھے اس لئے **قالوا** جمع ارشاد ہوا یعنی ان سب نے یہ کہا **قدسمعنا** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اے مسلمانو ہم کو بار بار قرآن کیوں سناتے ہو ہم نے سن لیا اب نہ سناؤ ہم ایمان لانے والے نہیں دوسرے یہ کہ ہم نے قرآن جیسے قصے کہانیاں فارس میں سن لئے ہیں اب ہم کو ان کے سننے کی ضرورت نہیں رستم اسفندیار کلیلہ دمنہ کے قصے تمہارے قرآن کے قصوں سے مزے دار ہیں **لونشاء لقلنامثل ھذا** یہ نضر کی دوسری بکواس ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالٰی کا بے مثال کلام نہیں اس کی مثل بن سکتی ہے ہم بھی ایسا کلام کہہ سکتے ہیں یہ محض اس کی شیخی تھی ورنہ حضور انور نے دس سال تک سارے کفار کو للکارا کہ **انکنتم فی ریب ممانزلنا علی عبدنا فاتوبسورۃ من مثلہ** مگر ان کا حال یہ تھا کہ۔

ترے آگے یوں ہی لپے دبے فصحا عرب کے بڑے بڑے
کے کوئی منہ میں زباں نہیں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں!

ان سب نے مل کر قرآن کی ایک سورۃ کی مثل نہ بن سکی مثل بھی صرف ظاہری یعنی قرآن جیسی فصیح و بلیغ عبارت اس کا باطنی مثل غیبی خبریں ' انوار ' اسرار ' ہدایت ' سوز و گداز وغیرہ میں مثل اس کے تو وہ قریب بھی نہ پہنچ سکتے تھے نضر کا مطلب یہ ہے کہ ہم سے اب تک اس کی مثل اس لئے نہ بنی کہ ہم نے بنانا چاہا ہی نہیں اگر چاہ لیتے تو بنا لیتے۔ **ان ھذاالااساطیر الاولین** اس کا یہ کلام یا تو نیا ہے۔ جس میں قرآن مجید کو عیب لگایا گیا ہے کہ یہ گویا ناول ہے پرانوں کے پرانے دل چسپ قصے یا **لقلنامثل ھذا** کی دلیل ہے یعنی چونکہ یہ محض قصے ہیں رستم و اسفندیار کے قصوں کی طرح اس لئے میں بھی اس جیسی کتاب بنا سکتا ہوں قصے کہانیاں بنا لینا گھڑ لینا کیا مشکل ہے نعوذ باللہ اساطیر جمع ہے اسطورہ کی جس کا مادہ سطر ہے سطر کا ترجمہ ہے لائن ' صف جیسے درختوں کی ' نمازیوں کی ' غازیوں کی ' کتب کی سطر اس کی جمع اسطر ' سطور ' اسطار ہے اور جمع کی جمع اساطیر ہے جیسے احدوثہ کی جمع احادیث یا اکذوبہ کی جمع اکاذیب ہے (روح المعانی ' صاوی) اولین سے مراد حضور انور سے پہلے گذرے ہوئے لوگ ہیں یعنی قرآن مجید میں غیبی خبریں نہیں بلکہ گذرے ہوؤں کے قصے کہانیاں ہیں **واذقالوااللھم** یہ ان کا دوسرا کلام ہے پہلے کلام میں خطاب

مسلمانوں سے تھا اس کلام میں بظاہر خطاب رب سے ہے مگر در حقیقت سنانا ہے **مسلمانوں** کو اور اپنی قوم کفار کو تاکہ مسلمان قرآن مجید کی طرف سے شک میں پڑ جائیں اور کفار کفر پر خوف جم جاویں کہ واقعی اگر قرآن حق ہوتا تو اس دعا پر انکاری لوگوں پر عذاب کیوں نہ آجاتا۔ خدا کی پناہ شیاطین کے دھوکوں سے **ان کان ھذا ھو الحق** یہ عبارت اللّٰھم کا مقصد دعا ہے اس میں ان شرطیہ ہے کان فعل ناقصہ ھذا اس کا اسم ھو صرف فاصلہ کے لئے ضمیر فصل ہے الحق کان کی خبر ایک قراءة میں ھو الحق ہے حق کے پیش سے تب ھو مبتدا ہے الحق اسکی خبر پھر جملہ کان کی خبر ھذا سے اشارہ ہے قرآن مجید کی طرف ھو کی زیادتی سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی اے اللہ اگر یہ قرآن ہی حق ہے ہماری کتابیں جھوٹی یا اگر یہ اسلام ہی حق ہے ہمارا دین جھوٹا **من عندک** یہ عبارت الحق کا حال یا اس کی صفت ہے اس سے پہلے **نازلا** "یا **ثابتا**" پوشیدہ ہے عند سے مراد مکانی نزدیکی نہیں یعنی اگر یہ قرآن سچا ہے تیری طرف سے نازل شدہ یا اگر اسلام برحق ہے تیری طرف سے تو **فامطر علینا حجارة من السماء** یہ ان کان کی جزاء ہے اس کی علت پوشیدہ **لانا لم نؤمن به** یعنی تو ہم پر آسمان سے غیبی پتھر برسادے قوم لوط کی طرح کیونکہ ہم اس پر ایمان نہیں لائے اور پچھلی قومیں جب اپنے نبیوں ان کی کتابوں پر ایمان نہیں لاتے تھے تو ان پر غیبی عذاب آجاتے تھے پتھر وغیرہ **او ائتنا بعذاب الیم** یہ معطوف ہے **فامطر علینا** پر عذاب الیم سے مراد ہے غیبی پتھروں کے سواء اور کوئی سخت عذاب جیسے زلزلہ۔ غیبی چیخ، طوفان باد و باراں مسخ صورت جیسے پچھلی امتوں پر آئے یعنی یا تو ہم پر قوم لوط کی طرح پتھر برسادے یا کوئی اور دردناک عذاب قوم شعیب قوم صالح قوم ھود کی طرح بھیج دے اس دعا سے ان کے دو مقصد تھے ایک تو اپنی قوم کو اپنی یقین اپنی پختگی دکھانا کہ ہم کو اپنے مذہب کی حقانیت اسلام کے بطلان پر پورا پورا یقین ہے دوسرے مسلمانوں کو شبہات میں ڈالنا اپنی قوم کو کفر پر جمانا کہ ان کے دلوں میں یہ بس جاوے کہ اگر قرآن مجید یا اسلام برحق ہوتا تو ان کے کفار پر ضرور رنگ کورہ عذاب آجاتے کیونکہ مکہ معظمہ کی دعا قبول ہے۔

خلاصہ تفسیر ان کفار خصوصاً نضر ابن حارث وغیرہم کی ڈھٹائی کا یہ حال ہے کہ اب ان کے سامنے ہماری آیات قرآنیہ تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان جیسے قصوں کہانیوں کی کتابیں بہت سنی ہیں ہم تو فارس و روم وغیرہ جاتے رہتے ہیں ایسی کہانیوں سے ہمارے کان بھرے ہوئے ہیں قرآن مجید میں کوئی کمال نہیں اگر ہم چاہتے تو اب تک ایسی کتاب ہم بھی بنالیتے ہم نے اب تک چاہا ہی نہیں قرآن مجید کو قابل توجہ سمجھا ہی نہیں ایسی کتاب بنائی ہی نہیں کیونکہ یہ کتاب پرانی کہانیوں کا مجموعہ ہے گویا ایک ناول ہے۔ جس میں پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں وہ وقت بھی یاد رکھیں جب کفار مکہ بولے کہ الٰہی اگر یہ قرآن برحق ہے تیری طرف نازل ہوا ہے اور ہم نے اسے مانا نہیں تو ہم پر بھی وہ ہی عذاب بھیج جو ان قوموں پر آئے ہم پر آسمانی پتھر برسایا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر نازل فرمایہ سب کچھ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے تھا۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: قرآن مجید صرف مسلمانوں کو ہی نہ سنایا جائے بلکہ کفار فساق و دشمنان دین کو بھی سنایا جاوے وہ مانیں یا نہ مانیں کہ اس میں تبلیغ بھی ہے اور کفار پر اتمام حجت بھی یہ فائدہ **واذا تتلی علیهم** سے حاصل ہوا کہ **علیهم** کا مرجع کفار ہیں جو اسلام سے سخت متنفر تھے مگر حضرات صحابہ بلکہ خود نبی کریم ﷺ انہیں قرآن سناتے تھے۔ **دوسرا فائدہ**: قرآن مجید سے سیر ہو جانا طریقہ کفار ہے اس کا مشتاق رہنا اس سے کبھی سیر نہ ہونا

طریقہ مومنین یہ فائدہ **قدسمعنا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس کا مطلب یہ ہو کہ ہم نے قرآن بہت سن لیا اب بس کرو مومن انشاءاللہ مرے بعد قبر میں بھی تلاوت کرے گا اس سے کبھی سیر نہ ہو گا بلکہ اس سے جنت میں کہا جاوے گا **اقرا فارتق** پڑھتا جا اور چڑھتا جا۔ **تیسرا فائدہ**: قرآن مجید کے متعلق یہ کہنا کہ ہم نے اسی جیسی کتابیں بہت سنی ہیں کفر ہے اور طریقہ کفار یہ فائدہ **قدسمعنا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب اس کے معنی یہ ہوں کہ ہم نے فارس و روم میں اس جیسے قصے بہت سنے ہیں۔ قرآن مجید بے مثل کتاب ہے۔ **چوتھا فائدہ**: کافر بہت شیخی خورہ اور نرا ناکارہ ہوتا ہے زبان کا تیز عمل کا ناکارہ یہ فائدہ **لونشاء لقلنا مثل ھذا** سے حاصل ہوا سارے کفار عرب مل کر بھی ایک آیت قرآن مجید کی مثل نہ بنا سکے مگر کہتے یہ ہی رہے کہ اگر ہم چاہتے تو سارے قرآن کی مثل بنا دیتے ہم نے چاہا ہی نہیں۔ **پانچواں فائدہ**: قرآن مجید کے صرف الفاظ دیکھنا اس کے صرف ظاہری قصوں پر نظر کر کے دوسری کتابوں کو اس کی مثل کہنا کسی ظاہری باطنی بے مثل خوبیوں میں غور نہ کرنا کفر ہے اور کفار کا طریقہ یہ فائدہ **ان ھذا الا اساطیر** سے حاصل ہوا یوں ہی حضرات انبیاء خصوصا" حضور سید الانبیاء کے ظاہری حالات کھانے پینے وغیرہ کو دیکھ کر ان کی ہمسری کا دعوی کرنا۔ مومن حضور کے اندرونی صفات عالیہ بے مثالیہ میں غور کر کے پکارتا ہے۔

تجھے ایک اللہ نے اک بنایا — تو ہر وصف میں لا شریک لہ ہے

یہ ہی بولے سدرہ والے دونوں جہاں کی تھالے — سبھی میں نے دیکھ ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا

تجھے اس نے اک بنایا

چھٹا فائدہ: کافر دعا بھی اوندھی ہی مانگتا ہے اسے مانگنا بھی نہیں آتا دیکھو نضر ابن حارث نے دعا کیا مانگی کہ الہی اگر قرآن حق ہے تو ہم پر پتھر برسا عذاب دردناک بھیج مانگنا یوں چاہیے تھا کہ اگر قرآن حق ہے تو ہم کو اس کے ماننے کی توفیق و ہدایت دے رب تعالیٰ درست مانگنے کی بھی توفیق دے مومن دعا یوں مانگتا ہے۔

جو دل بخشا ہے مولیٰ بخش دے الفت محمد کی — جو آنکھیں دی ہیں دکھلا دے مجھے صورت محمد کی

ساتواں فائدہ: کافر پہلے بارگاہ رسالت میں بے ادب اور ڈھیٹ بنتا ہے پھر بارگاہ الہی میں دیکھو کفار عرب پہلے تو حضور انور سے کہتے تھے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہم پر عذاب لائیں پھر بڑھ کر رب سے یہی کہہ بیٹھے **او ائتنا بعذاب الیم** حضور کے بے ادب کبھی بھی رب تعالیٰ کا با ادب نہیں ہو سکتا یوں ہی انسان پہلے حضور کا ادب کرتا ہے پھر یہ ادب رب کے ادب تک پہنچاتا ہے حضور انور کا ادب والا کبھی خدا تعالےٰ کا بے ادب نہیں ہو سکتا۔ **آٹھواں فائدہ**: بد نصیب آدمی اللہ تعالیٰ کی ڈھیل حضور ﷺ کی رحمت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے خوش نصیب ان چیزوں سے بہت ہی فائدہ اٹھاتا ہے نضر ابن حارث کو یہ خبر تھی کہ حضور انور رحمت عالمین ہیں آپ کے ہوتے عذاب الہی نہیں آتا اس رحمت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ بد دعا کی کہ مولیٰ ہم پر پتھر برسا وہ جانتا تھا کہ عذاب الہی آتا نہیں میری بات بن جائے گی مگر انجام یہ ہوا کہ بدر میں کتے کی موت مارا گیا۔ انسان کو چاہیے کہ موقعہ غنیمت جانے جو کرنا ہے نیک اعمال جلد کرے نہ معلوم کب موقعہ ہاتھ سے نکل جائے۔ **نواں فائدہ**: اپنے لئے بد دعا کرنا عذاب مانگنا طریقہ کافر ہے مومن کو چاہیے کہ ہمیشہ اچھی دعا کرے کلمہ نیک منہ سے نکالے یہ فائدہ **فامطر علینا** سے حاصل

ہوا بعض لوگ اپنی جان، اولاد، مال کے لئے بد دعائیں کرتے ہیں یہ سخت ممنوع ہے ممکن ہے کہ وقت قبولیت کا ہو اور بد دعا لگ جاوے۔

پہلا اعتراض: جب نضر ابن حارث اپنی اور اپنی قوم کی بے بسی برابر دیکھ چکا تھا کہ سارا عرب قرآن مجید کے مقابلہ سے یکسر عاجز ہے تو پھر کیسے کہتا تھا کہ اگر ہم چاہیں تو اس کی مثل بنالیں یہ بات تو بالکل خلاف واقعہ تھی۔ **جواب**: محض ڈھٹائی اور بے حیائی سے حیاء و شرم تو ایمان سے ملتی ہے جب ایمان نہیں تو یہ ربانی نعمتیں کیسے ملیں۔ **دوسرا اعتراض**: قرآن مجید فرماتا ہے **یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم** مشرکین قریش حضور انور کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو جب انہیں خبر تھی کہ حضور سچے نبی قرآن مجید سچی کتاب ہے پھر وہ اس بد دعا کی ہمت کیسے کرتے تھے کہ ہم پر پتھر برساوے۔ **جواب**: وہ لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ حضور رحمت عالمین ہیں آپ کی موجودگی میں دنیاوی عذاب نہیں آسکتا اس اطمینان پر یہ بد دعائیں کرکے لوگوں کو اپنی حقانیت سمجھاتے تھے ان کی بد دعائیں انکی معرفت کی دلیلیں ہیں۔ **تیسرا اعتراض**: کفار قریش نبیوں ان کی قوموں ان پر عذابوں کے تو قائل تھے ہی نہیں پھر وہ ایسے عذاب کیوں مانگتے تھے جو ان قوموں پر آئے تھے۔ **جواب**: کفار عرب اپنے کو ابراہیمی کہتے تھے نبیوں ان کی امتوں ان پر آئے ہوئے عذابوں سے خبردار تھے اس لئے بد دعائیں کرتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ: کفار دعوی کرتے تھے کہ ہم نے قرآن سن لیا مگر درحقیقت وہ کچھ نہیں جانتے تھے اگر سنتے تو یہ نہ کہتے کہ قرآن قصے کہانیوں کا مجموعہ ہے قرآن سنا تھا جنات نے جو پکار اٹھے کہ ہم نے وہ قرآن سنا جو **یھدی الی الرشد** قرآن سننے کے لئے کان میں ایمان کی طاقت چاہئے یوں ہی حضور انور کی صحیح معنی سے دیکھنے کے لئے ایمان والی آنکھ چاہئے یوں ہی اس کے مقابلہ کا دعوی کرنا محض جھوٹ ہے کہ نہ خدا کی مثل کچھ ہے نہ اس کی صفات کی مثل قرآن کلام الہی صفت الہی ہے اس کی مثل کیسی نہ قرآن کی مثل ممکن ہے نہ قرآن والے محبوب کی مثل ممکن ہے اسی نا سمجھی کی وجہ سے وہ اپنے لئے بد دعائیں کرتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں کتاب للہ بر آمدھم برآں ۔۔۔ ایں چنیں طعنہ زدند آں کافراں
کہ اساطیر است و افسانہ نژند ۔۔۔ نیست تعمیقی و تحقیقی بلند!
کو دکان خرد فہمش مے کنند ۔۔۔ نیست جز امر پسند و ناپسند
ذکر یوسف ذکر زلف پر خمش ۔۔۔ ذکر یعقوب و زلیخا و غمش
ظاہر است و ہر کسی پے برو ۔۔۔ کو بیاں کہ گم شود دروی خرد

جیسے جانور یا نا سمجھ بچے کلام الفاظ و آواز میں سنتے ہیں اس کی تہہ تک نہیں پہنچتے یوں ہی کفار کلام کی تہہ تک نہیں پہنچتے وہ صرف یہ ہی سمجھتے ہیں کہ یہ یوسف زلیخا وغیرہ ہم قصوں کا مجموعہ کہانیوں کی کتاب ہے رب تعالی اپنے کلام کی بھی فہم عطا فرمادے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ
اور نہیں ہے اللہ کہ عذاب دے انہیں حالانکہ آپ ان میں ہیں اور نہیں ہے اللہ عذاب دینے والا انہیں حالانکہ
اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جبکہ اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو اور اللہ انہیں عذاب

يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ
وہ بخشش مانگتے ہیں اور کیا ہے واسطے ان کے یہ کہ نہ عذاب دے انہیں اللہ حالانکہ وہ روکتے ہیں حرمت
کرنے والا نہیں جبکہ وہ بخشش مانگ رہے ہیں اور انہیں کیا ہے کہ اللہ ان پر عذاب نہ کرے وہ تو مسجد حرام

الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۚ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
والی مسجد سے اور نہیں ہیں وہ دوست اس کے نہیں ہیں اس کے دوست مگر پرہیزگار اور لیکن بہت سے
سے روک رہے ہیں اور وہ اس کے اہل نہیں اس کے اولیاء تو پرہیزگار ہی ہیں مگر ان میں اکثر

لَا يَعْلَمُوْنَ ۝
ان میں سے نہیں جانتے ہیں۔
کو علم نہیں۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار کا اپنے لئے دعاء عذاب کرنے کا ذکر ہوا اب اس دعا کے نتیجہ کا ذکر ہے کہ ان کی یہ بددعا منظور نہ ہوئی گویا کفار کے عمل کے بعد رب تعالیٰ کے رد عمل کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار مکہ کے استحقاق عذاب کا ذکر تھا کہ وہ زمین حرم میں کعبۃ اللہ کے پاس کھڑے ہو کر اپنے لئے عذاب مانگتے ہیں اب اس کے باوجود عذاب نہ آنے کی وجہ کا ذکر ہے یعنی حضور انور کی ان میں موجودگی گویا بست سے اسباب عذاب کے بعد ایک حفاظت عذاب کا ذکر ہوا جو ان سب پر غالب ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار کی سرکشی اللہ تعالیٰ پر امن کا ذکر تھا جو عین کفر بلکہ سب ہزار کفر ہیں اور کفر دنیاوی عذابوں کا سبب ہے ان کے بچاؤ کی وجہوں کا تذکرہ ہے یعنی حضور انور کی ان میں موجودگی اور دعاء و استغفار وغیرہ۔

تفسیر: **وماكان الله ليعذبهم وانت فيهم** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں کفار مکہ کو عذاب سے مہلت دینے کا ذکر ہے **ليعذبهم** میں لام جحود کا ہے جو کان منفیہ کی خبر پر آتا ہے اگر **يكون بمعنى كان** ہو جاوے تب بھی اس کی خبر میں لام آجاتا ہے بعض کے نزدیک یہ لام زائدہ ہوتا ہے بعض کے نزدیک غیر زائدہ اصل عبارت یوں ہے **ما كان الله مريدا ليعذبهم** اس عبارت کی چند تفسیریں ہیں۔ ۱۔ **ليعذبهم** اور **فيهم** دونوں ضمیریں کفار مکہ کی طرف ہیں اور حضور انور کے ان کفار میں ہونے کے معنی ہیں حضور کا بنفس نفیس ان میں تشریف فرما ہونا تو معنی یہ ہیں کہ جب تک آپ مکہ

معظمہ میں تشریف فرما ہیں کفار پر عذاب نہ آوے گا آپ کے یہاں سے ہجرت فرمانے کے بعد ان پر عذاب بدر وغیرہ میں قتل و قید وغیرہ مسلط ہو گا مگر یہ تفسیر قوی نہیں کیونکہ کفار مکہ نے غیبی آسمانی عذاب مانگا تھا جیسے غیبی پتھر برسنا صورتیں تبدیل ہو جانا وغیرہ نہ کہ زمینی عادی عذاب۔ 2۔ یہ دونوں ضمیریں سارے مکہ والوں کی طرف لوٹتی ہوں اور ان میں حضور انور کے ہونے سے مراد ہو حضور کا بلاواسطہ ان میں ہونا یا بالواسطہ ان میں ہونا اس طرح کہ مسلمان وہاں رہیں اور عذاب سے مراد ہو غیبی آسمانی عذاب یعنی ہم مکہ والوں پر عذاب نہ بھیجیں گے جب کہ ان میں آپ یا آپ کے معتقد مومنین رہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا** اگر مکہ سے مسلمان نکل جاتے تو ہم ان پر عذاب بھیج دیتے۔ 3۔ ان دونوں ضمیروں سے مراد ہیں سارے تاقیامت انسان جن میں کفار مکہ بھی داخل ہیں اور حضور انور کے ان میں ہونے سے مراد ہے روحانی طور پر ان میں رہنا اور عذاب سے مراد ہے غیبی آسمانی عذاب جو پچھلی امتوں پر آئے یعنی ہم تاقیامت غیبی عذاب نہیں بھیجیں گے جبکہ اے محبوب آپ ان میں جلوہ گر ہیں کہ کوئی گھڑی آپ سے دنیا خالی نہیں ہر جگہ آپ موجود ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **یاایها الناس قد جاءکم برهان من ربکم** وہ آیت کہ **لقد جاءکم رسول**۔ یا **قد جاءکم من الله نور** وغیرہ فقیر کے نزدیک یہ تیسری تفسیر قوی تر ہے کیونکہ حضور انور کی تشریف آوری سے تاقیامت دنیا میں عام غیبی عذاب آنا بند ہو گئے ورنہ ہمارے گناہ گزشتہ عذاب والی قوموں سے کہیں زیادہ ہیں لہٰذا یہ فرمان عالی حضور انور کی رحمت عالم ہونے حضور کے ہر جگہ جلوہ فرما ہونے کی قوی دلیل ہے **وما کان الله معذبهم وهم یستغفرون** یہ عبارت معطوف ہے پہلے **ماکان الله** پر اس میں ان پر عذاب نہ آنے کی دوسری وجہ کا ذکر ہے لیکن پہلے جملہ میں تاکید تھی جو اس میں نہیں کہ وہاں تھا **لیعذبهم** لام جحود اور مضارع کے ساتھ یہاں ہے **معذبهم** بغیر لام کے اور بجائے مضارع کے اسم فاعل اس فرمان عالی کی بھی چند تفسیریں ہیں۔ 1۔ **معذبهم** اور **وهم** دونوں ضمیریں کفار مکہ کی طرف ہیں اور استغفار سے مراد ہے خود ان کا اپنا استغفار پڑھنا یعنی اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں حالانکہ وہ ہم سے معافیاں مانگتے رہتے ہیں کیونکہ وہ طواف و حج اور دوسرے

موقعوں پر استغفراللہ یا سغفراللہ کہا کرتے تھے مگر یہ تفسیر قوی نہیں کیونکہ کفار کی نہ عبادت قبول ہے نہ استغفار رب فرماتا ہے **وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناه هباء منثورا**" نیز جب وہ کفار خود اپنے منہ سے عذاب مانگ رہے تھے تو ان کی استغفار ختم ہو گئی نیز جب ان کی استغفار سے عذاب آخرت نہیں ہٹتا تو عذاب دنیا کیسے ہٹ سکتا ہے۔ 2۔ **معذبهم** کی ضمیر کفار مکہ کی طرف ہے اور **هم یستغفرون** کی ضمیر ان مومنوں کی طرف جو مکہ معظمہ میں رہتے سہتے اور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں معافی مانگتے رہتے تھے چونکہ وہ مومنین بھی ان کفار کی قوم تھے انہیں میں رہتے سہتے تھے اس لئے ان کی استغفار کی برکت سے یہ بھی عذاب سے بچ گئے۔ 3۔ معذبہم کی ضمیر کفار مکہ کی طرف ہے اور **هم** کی ضمیر ان کی مومن اولاد کی طرف جو ابھی ان کے پیٹوں میں تھی جو پیدا ہو کر ایمان لانے والی اور استغفار پڑھنے والی تھی اس لئے ان کا شمار انہیں میں ہوا۔ 4۔ یہ دونوں ضمیریں کفار مکہ کی طرف ہی ہیں مگر استغفار سے مراد ان میں سے اکثر کا آئندہ مسلمان ہو کر توبہ و استغفار کرنا یعنی اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دینے والا نہیں کیونکہ یہ آئندہ استغفار کریں گے اگر یہ اس بددعائی وجہ سے ہلاک کر دیئے جاویں تو یہ طے شدہ پروگرام کیسے ظاہر ہو (روح المعانی کبیر خازن وغیرہ)۔ 5۔ محمد ابن اسحاق نے فرمایا کہ یہ دونوں قول بھی خود کفار مکہ کے ہیں یعنی وہ

یہ بھی کہتے ہیں کہ خدایا ہم پر آسمانی عذاب بھیج اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ان پر عذاب نہیں آسکتا کیونکہ حضور انور رحمۃ عالمین ہیں اور وہ تو تم میں موجود ہیں نیز ہم ہمیشہ مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں دعاء مغفرت سے عذاب ٹل جاتے ہیں (خزائن العرفان) اس آیت میں آت بالکل واضح ہے اور مقصد بالکل ظاہر اس صورت میں اگلی آیت ان کے ان خیالات کی تردید ہے **ومالهم الا يعذبهم الله** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے اور ما۔ معنی ای شی ہے **لهم** اس کی خبر اور **الايعذبهم** اس کا بیان ہے یعنی ان کفار کے لئے عذاب سے مانع کون چیز ہے جس کی وجہ سے اللہ انہیں عذاب نہ دے اللہ ضرور انہیں عذاب دے گا اس میں گفتگو ہے کہ یہاں عذاب سے کون سا عذاب مراد ہے بعض نے فرمایا کہ اس سے بدر کے دن کا قتل و قید مراد ہے جو ان پر نازل ہوا جبکہ حضور انور ان میں سے نکل کر ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے بعض نے فرمایا کہ فتح مکہ کے دن کا عذاب مراد ہے جو کفار کو پہنچا کر حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے جو کفار کو پہنچا حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے بہرحال پچھلی آیت میں دنیاوی عذاب کی نفی تھی جو غیبی آسمانی ہو اس آیت میں اس کے علاوہ عذاب کا ثبوت ہے (تفسیر کبیر) **وهم يصدون عن المسجد الحرام** یہ عبارت حال ہے **هم** ضمیر سے جو **لايعذبهم** میں ہے **يصدون** بنا ہے صد سے ۔ معنی روک آڑ اس کا مفعول پوشیدہ ہے **النبي والمومنين يصدون** یا تو ۔ معنی حال استمراری ہے یعنی یہ لوگ نبی ﷺ اور مسلمانوں کو حرم کعبہ میں عبادت کرنے سے برابر روک رہے ہیں چنانچہ مسلمان وہاں باجماعت نماز بھی نہیں پڑھ سکتے بلکہ ظہر و عصر میں جبکہ کفار گلی کوچوں میں چھپے ہوتے ہیں اونچی آواز سے تلاوت بھی نہیں کرسکتے انہیں مجبوریوں کی وجہ سے یہ حضرات ہجرت پر مجبور ہوگئے یا ۔ معنی مستقبل ہے اور اس روکنے سے مراد حدیبیہ کے سال مسلمانوں کو عمرہ سے روکنا ہے یعنی وہ مومنوں کو مسجد حرام میں آنے اور عمرہ کرنے سے روکنے والے ہیں (روح المعانی) لفظ حرام کے معانی ہم دوسرے پارے کے شروع میں عرض کرچکے ہیں کہ یہاں ۔ معنی محترم اور حرمت والا ہے یا وہ جگہ جہاں جنگ جدال قتال و شکار حرام ہے۔ **وماكانوا اولياءه** یہ عبارت **يصدون** کے فاعل **هم** سے حال ہے اولیاء جمع ولی کی ہے جس کا مادہ ولایت ہے اسی سے ہے متولی **ہ** کی ضمیر مسجد حرام کی طرف ہے یعنی یہ کفار مسجد حرام کے نہ متولی ہیں نہ اس کے انتظام کے مستحق انہیں بت پرستی یا وہاں کے انتظام کا کوئی حق نہیں اس فرمان عالی میں کفار کے اس قول کی تردید ہے کہ **ونحن ولاة الحرم وولاة البيت** ہم بیت اللہ اور حرم شریف کے والی و متولی ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **انما يعمر مساجد الله من يومن بالله** اللہ کی مسجدیں صرف مسلمان ہی آباد کرسکتے ہیں **ان اولياءه الا المتقون** یہ فرمان عالی دلیل ہے **وماكانوا** ایسان بھی اولیاء ۔ معنی متولی والا ہے **ہ** کا مرجع وہی مسجد حرام ہے متقین سے مراد مومنین ہیں جو شرک و کفر سے بچے رہتے ہیں بعض مفسرین نے فرمایا کہ دونوں جگہ **ہ** کی ضمیر رب کی طرف ہے اور اولیاء ۔ معنی دوست ہے یعنی یہ لوگ اللہ کے دوست نہیں اس کے دوست تو متقی پرہیزگار مسلمان ہی ہیں (روح المعانی وغیرہ) **ولكن اكثرهم لايعلمون** یہ عبارت معطوف ہے **ماكانوا** پر یعنی اکثر کفار یہ بات نہیں جانتے کہ وہ باطل پر ہی ہیں یا یہ کہ انہیں مسجد حرام کی تولیت کا حق نہیں یا یہ کہ وہ مسلمانوں کو روکنے میں غلطی کرتے ہیں اکثر اس لئے فرمایا کہ بعض کفار یہ سب کچھ سمجھتے تھے ضد سے مانتے نہ تھے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان آیات کی بہت تفسیریں ہیں جن میں سے ہم ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو زیادہ قوی ہے اے محبوب ﷺ یہ لوگ اپنے منہ سے اپنی ہلاکت مانگ رہے ہیں مگر ہم اس کے باوجود ان پر ابھی آسمانی عذاب نازل نہیں فرمائیں گے اس لئے کہ آپ ان میں تشریف فرما ہیں آپ رحمت عالم ہیں آپ کے ہوتے اگر ان پر عذاب آ جائے تو آپ کی رحمت کا ظہور کیسے ہو اور ان پر عذاب نہ آنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ان میں مومنین صالحین بھی ہیں وہ دن رات اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگتے رہتے ہیں ان کی دعاو استغفار کی برکت سے یہ کفار عذاب سے بچے ہوئے ہیں یہ تو دنیاوی عذاب کا حال ہے رہا عذاب آخرت یا دنیاوی عذاب عادی وہ تو ان پر آکر رہے گا کیوں نہ آئے ان کا حال تو یہ ہے کہ وہ نبی ﷺ اور مومنوں کو مسجد حرام میں عبادات سے روکتے ہیں جو ایسی حرکتیں کرے وہ کیوں عذاب نہ پائے حالت یہ ہے کہ یہ لوگ مسجد حرام کی تولیت وہاں کے انتظام کے مستحق نہیں مسجد حرام کی تولیت اس کا استحقاق تو صرف مومن مسلمانوں کو ہے بہت کفار یہ راز سمجھتے نہیں کہ اگرچہ بعض یہ سب کچھ جانتے ہیں محض ضد سے انکاری ہیں انہیں پتہ ہے کہ مسجد حرام آخر کار مسلمانوں کی تولیت میں آوے گی۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضور ﷺ دنیا کے لئے اللہ کی رحمت اللہ کی امان ہیں کہ حضور کی وجہ سے دنیا میں عام عذاب الٰہی نہیں آتے یہ فائدہ **وانت فیھم** سے حاصل ہوا دیکھو جن گناہوں کی وجہ سے گزشتہ قوموں پر عذاب آئے وہ سب گناہ بلکہ ان سے زیادہ آج ہو رہے ہیں مگر آسمانی عذاب نہیں آتے کیوں صرف حضور انور کی موجودگی کی وجہ سے۔ **دوسرا فائدہ**: حضور انور پردہ فرمانے کے بعد بھی ہم میں موجود ہیں حضور کا فیضان آپ کی وفات سے بند نہیں ہوا یہ فائدہ بھی **وانت فیھم** سے حاصل ہوا اگر حضور بعد وفات ہم میں نہ رہتے تو عذاب الٰہی پاس ہمارے ساتھ ہم میں ہیں یہ فائدہ بھی **وانت فیھم** سے حاصل ہوا اگر حضور ہم میں ایک آن کے لئے نہ رہیں تو عذاب الٰہی آجائے ہم صرف حضور انور کی وجہ سے عذاب سے بچے ہوئے ہیں رب فرماتا ہے **وما ارسلناک الا رحمتہ للعالمین** اور فرماتا ہے **ان رحمت اللہ قریب من المحسنین** حضور انور رحمت عالمین ہیں اور رحمت ہم سے قریب ہے درود ہو اس پر جس کا وجود باجود سراپا رحمت ہے۔ **چوتھا فائدہ**: حضرت ابوبکر صدیق عمر فاروق کی قبروں میں عذاب نہیں کیونکہ حضور انور ان کے پاس بلکہ ان کے ساتھ ہیں وہ آغوش رسول میں سو رہے ہیں جو انہیں عذاب میں مانے وہ اس آیت کا انکاری ہے روضہ رسول میں نور ہی نور ہے وہاں نار کا کیا کام۔ **پانچواں فائدہ**: حضور کی ذات بابرکات دنیا میں کفار کے لئے بھی رحمت ہے کہ وہ حضور کی وجہ سے امن میں ہیں یہ فائدہ **لیعذبھم** کی **ھم** ضمیر سے حاصل ہوا جبکہ وہ کفار کی طرف ہو تو پھر مسلمانوں پر رحمت رسول کا کیا پوچھنا۔

دوستاں را کجا کنی محروم   تو کہ با دشمناں نظر داری

چھٹا فائدہ: توبہ و استغفار کی برکت سے عذاب الٰہی نہیں آتے یہ فائدہ **وھم یستغفرون** سے حاصل ہوا حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہم میں دو امانتیں ہیں اللہ کے نبی اور استغفار اللہ کے نبی نے پردہ فرمالیا استغفار قیامت تک باقی ہے (کبیر) ترمذی نے بروایت حضرت ابوموسیٰ اشعری نقل فرمایا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ نے میری امت کے لئے دو امانتیں

اتاریں اور یہ ہی آیت پڑھی ہم پردہ فرمائیں گے مگر استغفار قیامت تک رہے گی (خازن) یعنی ہم وفات پاکر تم کو محسوس نہ ہوں گے مگر توبہ و استغفار سے تم کو محسوس رہیں گے یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ کافر کی توبہ و استغفار بھی دنیا میں ان سے عذاب دفع کردیتی ہے ان کے صدقات و خیرات اور دوسرے اچھے کام ان سے بلائیں ٹال دیتے ہیں اگرچہ آخرت میں یہ اعمال انہیں کچھ کام نہ دیں گے اور آیت کریمہ **فجعلناه هباء منثورا** آخرت کے متعلق ہے (صاوی)۔ **ساتواں فائدہ**: سارے درود وظیفے یا احادیث شریفہ سے ثابت ہیں یا بزرگوں کے قول یا عمل سے استغفار وہ دعا ہے جس کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا اس کے فائدے قرآن میں بتائے گئے اس کا وقت قرآن نے بتایا چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ استغفار امان ہے سورہ نوح میں اس کے فائدے ارشاد ہوئے اس سے گناہوں کی معافی ہوتی ہے وقت پر بارشیں آتی ہیں۔ مال کی کثرت اولاد میں برکت ہوتی ہے اس سے نہروں میں پانی باغوں میں پھل پھول کی کثرت ہوتی ہے **یرسل السماء علیکم مدرارا** دوسرے مقام پر ہے **وبالاسحار هم یستغفرون** مومنین صبح تڑکے استغفار کرتے ہیں لہٰذا استغفار بہترین دعا ہے انسان نے سب سے پہلی دعا استغفار سے کی ہے کہ آدم علیہ السلام نے جنت میں عرض کیا **وان لم تغفر لنا وترحمنا**۔ **آٹھواں فائدہ**: مومنوں کی استغفار سے کفار کو بھی امن مل جاتی ہے ان سے بھی عذاب دفع ہو جاتے ہیں یہ فائدہ **وهم یستغفرون** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ **هم** سے مراد مومنین ہوں تو دوسرے غافل گنہگار مسلمانوں کو ضروری اس سے فائدہ پہنچے گا۔ **نواں فائدہ**: نیک اولاد کا فائدہ ماں باپ کو ہر وقت پہنچتا ہے اس اولاد کی پیدائش سے پہلے بھی پیدا ہونے کے بعد بھی اور ان کے مرے بعد بھی اور جب بھی جبکہ اولاد زندہ رہے ماں باپ مرجاویں یہ فائدہ **وهم یستغفرون** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ **هم** سے مراد کفار کی وہ اولاد ہے جو ان کی پیٹھوں، پیٹوں میں ہے۔ **دسواں فائدہ**: جو شخص بارگاہ الٰہی میں مومنوں کی فہرست میں آگیا وہ اپنے کفر کے زمانہ میں کتنے ہی گناہ کرے مگر اس پر عذاب ہلاکت نہ آئے گا آخر کار وہ توبہ کرکے ایمان پر مرے گا یہ فائدہ **وهم یستغفرون** کی چوتھی تفسیر سے حاصل ہوا جب اس کے معنی یہ ہوں کہ وہ آئندہ استغفار کریں گے۔ **گیارھواں فائدہ**: مسلمانوں کو بلا عذر شرعی مسجد سے روکنا سخت جرم عذاب الٰہی کا باعث ہے یہ فائدہ **وهم یصدون** سے حاصل ہوا۔ **بارھواں فائدہ**: کوئی کافر کسی مسجد کا متولی نہیں ہو سکتا مسجد کی تولیت مسلمانوں کا حق ہے یہ فائدہ **وما کانوا اولیاءه** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس کے معنی یہ ہوں کہ کفار مسجد حرام کے متولی نہیں رب فرماتا ہے **انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ**۔ **تیرھواں فائدہ**: کوئی کافر یا فاسق اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا ولایت الٰہی ایمان و تقویٰ سے میسر ہوتی ہے یہ فائدہ **ان اولیاءه الا المتقون** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس کے معنی یہ ہوں کہ اللہ کے اولیاء صرف پرہیزگار لوگ ہیں رب تعالیٰ اولیاء اللہ کے متعلق فرماتا ہے **الذین آمنوا وکانوا یتقون** اچھی بارگاہ کے لئے اچھے بندے منتخب ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور انور کی موجودگی میں کفار پر عذاب نہیں آسکتا مگر بدر وغیرہ جہادوں میں حضور انور موجود تھے اور کفار پر قتل و قید، فدیہ وغیرہ کا عذاب آگیا تو یہ آیت کیسے درست ہوئی۔ **جواب**: اگر اس آیت میں عذاب سے دنیاوی عذاب مراد ہے قتل و قید وغیرہ تو **انت فیهم** کے معنی یہ ہیں کہ جب تک آپ مکہ معظمہ میں بود و باش

رکھیں گے تب تک ان پر یہ عذاب نہ آئیں گے بدر وغیرہ میں حضور انور نہ کفار میں تھے نہ ان کے ساتھ تھے نہ ان کے پاس تھے بلکہ مومنوں کے پاس ان کے ساتھ اور ان میں تھے کفار سے دور جان نکل جانے پر جسم گل سڑ جاتا ہے خدا کرے وہ جان ایمان اور ایمان جان ﷺ ہم میں رہیں اپنے دامن میں رکھیں پھر امان ہی امان ہے۔

خوف نہ کر ذرا رضا تو تو ہے عبد مصطفٰے   تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

دوسرا اعتراض: اگر حضور انور تاقیامت ہم میں موجود ہیں اور دنیا میں عذاب الٰہی نہیں آسکتے تو دن رات قتل و غارت، زلزلے، تباہ کن سیلاب وغیرہ دنیا میں کیوں آتے رہتے ہیں **لہٰذا یا** تو حضور رحمت عالم نہیں اور یا آپ ہم میں موجود نہیں۔ **جواب**: اس صورت میں عذاب سے مراد غیبی عام تباہ کن عذاب ہے یہ واقعی **تاقیامت** نہ آوے گا تمہارے ذکر کردہ عذاب یا تو غیبی نہیں یا عام نہیں۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں پہلی آیت میں کفار پر عذاب نہ آنے کی خبر ہے مگر دوسری میں عذاب آنے کی خبر ہے کہ ارشاد ہوا **ومالهم الایعذبهم** آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گئے ایک یہ کہ غیبی آسمانی عام عذاب کی نفی پہلی آیت میں ہے اور دنیاوی خاص عذاب آنے کا ثبوت دوسری آیت میں جیسے جنگوں میں قتل و قید یا قحط سالی وغیرہ دوسرے یہ کہ حضور انور کے مکہ معظمہ میں رہتے بستے ہوئے عذاب آنے کی نفی ہے مگر وہاں سے ہجرت فرمالینے کے بعد عذاب آنے کا ثبوت تیسرے یہ کہ پہلی آیت ان کافر کا مقولہ ہے۔ جس میں عذاب کی نفی ہے دوسری آیت ان کی تردید میں رب تعالیٰ کا اپنا فرمان۔ جس میں عذاب آنے کی خبر ہے چوتھے یہ کہ پہلی آیت میں واقعہ کا ذکر ہے۔ جس میں عذاب نہ آنے کی خبر ہے دوسری آیت میں ان کے استحقاق کا ذکر یعنی اس پر عذاب آئے گا نہیں مگر یہ لوگ اس کے مستحق ضرور ہیں۔ **چوتھا اعتراض**: پہلی آیت میں عذاب نہ آنے کی دو وجہ بیان ہوئیں حضور ﷺ کی ان میں موجودگی اور دعاء استغفار مگر موجودگی کے متعلق تو **لیعذبهم** فرمایا مضارع سے اور استغفار کے متعلق **معذبهم** ارشاد کیا اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ **جواب**: **لیعذب** میں عذاب کی نفی میں مبالغہ نہیں اور **معذبهم** میں مبالغہ نہیں معنی یہ ہیں کہ اے محبوب آپ کی موجودگی میں ان کو عذاب دینا اللہ کی شان نہیں اللہ تعالیٰ کے لئے لائق نہیں اور استغفار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا نہیں ان دونوں میں وہ ہی فرق ہے۔ جو حضور انور کی شان عالی اور ہماری استغفار میں فرق ہے۔ **پانچواں اعتراض**: اگر **وهم یستغفرون** میں **هم** سے مراد مومنین یا کفار کی اولاد ہو تو ضمیروں میں سخت اختلاف ہو گا کہ **معذبهم** میں **هم** سے مراد کفار ہیں اور **وهم یستغفرون** میں **هم** سے مراد دوسرے لوگ اسے نحوی لوگ انتشار ضمائر کہتے ہیں یہ فصاحت کے بالکل خلاف ہے۔ **جواب**: چونکہ مومنین مکہ اور کفار کی اولاد ان کفار کی ہم قوم ہم وطن برادری والے تھے وہ بالکل غیر نہ تھے گویا ان کا دنیاوی جز تھے اس لئے اختلاف ضمیر نہیں ہوا۔ **چھٹا اعتراض**: تمہاری پیش کردہ حدیث اور قول ابن عباس سے ثابت ہوا کہ حضور انور بعد وفات دنیا کے لئے امان نہ رہے اب صرف استغفار امان ہے مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ حضور انور تاقیامت امان ہیں۔ **جواب**: ان احادیث میں ایسا ایک لفظ نہیں جس کے معنی ہوں کہ بعد وفات حضور امان نہیں ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں امانوں میں سے حضور انور چھپ گئے ہم کو محسوس نہیں ہوتے استغفار باقی و محسوس ہے درخت کی جڑ چھپ کر بھی فیض دیتی ہے رات میں سورج چھپ کر فیض دیتا ہے چاند تارے ظاہر ہو کر۔

تفسیر صوفیانہ: یہ آیات کریمہ بہت ہی پر لطف ہیں ان میں اللہ کی رحمت کا اس کے عذاب پر سبقت لے جانے اس پر غالب آجانے کا ذکر ہے سبقت رحمتی علی غضبی کا بیان ہے دیکھو ان کفار پر عذاب آنے کے اسباب جمع تھے ان کا کفرو شرک ان کا نبی اور مومنوں کو ایذا دینا ان کا شان الہی میں میں بکواس بکنا ان کا حرم شریف میں کعبہ معظمہ کے غلاف میں سنگ اسود اور چاہ زمزم کے پاس اپنے لئے بددعائیں کرنا ان سب حرکتوں کا تقاضا تھا کہ عذاب آجاوے مگر ایک ذات کریم جسے رحمۃ للعالمین کہتے ہیں اس کی موجودگی کا تقاضا تھا کہ عذاب نہ آئے ان سب پر اسی ایک کا غلبہ ہوا اور عذاب نہ آیا انہیں دو چیزوں کا ذکر ان دو آیتوں میں ہے کعبہ معظمہ صرف اسے امان دیتا ہے جو اس میں داخل ہو جاوے **من دخلہ کان امنا** مگر دامن مصطفےٰ کی امان عام ہے ہر دور و قریب کو ہر وقت امان دیتا ہے **وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** اس لئے حضور کو رحمت عالمین کہا جاتا ہے نہ کہ کعبہ کو یا قرآن کو دامن مصطفےٰ کی امان سے ساری مخلوق ہر وقت فائدہ اٹھا رہی ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور ہم سے نہیں بلکہ ہم حضور سے ہیں مگر ہاں حضور ہم میں ہیں کہ ہمارے دل وایمان وجان ہیں ایسے ہی جیسے جسم میں جان۔ جان سارے جسم کی محافظ حضور سارے عالم کے محافظ ہیں حضرت شیخ آفندی فرماتے ہیں کہ عالم کا انتظام آپ کے وجود شریف سے قائم ہے کہ حضور مظہر ذات کبریا ہیں عالم کے بقائی اکسیر اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپکو عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر نہ رکھا بلکہ زمین پر رکھا نور آنکھ میں رہے دل پہلو میں رہے جان جسم میں رہے حضور انور ایمان میں رہیں تو ان چیزوں کی بہار ہے۔

دہر میں سب سے تو بڑا تجھ سے بڑی خدا کی ذات
قائم ہے تیری ذات سے سارا نظام کائنات

انشاء اللہ حضور کے غلام زندگی قبر حشر پل صراط ہر جگہ میں عذاب سے امان میں رہیں گے کہ ہر جگہ ان میں حضور جلوہ گر ہیں۔ مولانا عطار فرماتے ہیں۔

خویشتن را خواجہ عرصات گفت   انما انا رحمۃ مہداۃ گفت

صوفیاء فرماتے ہیں کہ توبہ و استغفار نجات کا ذریعہ ہے استغفار کی روح گذشتہ پر ندامت آئندہ کے لئے باز رہنے کا پورا ارادہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں

گفت حق کا مرزش از من می طلب   کاں طلب مر عفو را باشد سبب
از پے از ہر گناہ ار بشنوی   ہست استغفار تریاق قوی!

نادم کو شرمندہ نہیں کیا جاتا

ندامت ساتھ لے کر عاصیو تم سامنے جاؤ   سنا ہے شرمساروں کو وہ شرمایا نہیں کرتے

صوفیاء کے نزدیک ولی اللہ وہ ہے جو متقی **باللہ عما سواہ ھو** یعنی جو رب کا ہو سب کا نہ ہو اکثر اولیاء خود اپنے آپ کو ولی نہیں جانتے حالانکہ وہ ولی ہوتے ہیں **ولکن اکثرھم لا یعلمون** مزہ اس میں ہے کہ بندہ اپنے کو نہ جانے اپنے خالق کو جانے (از روح البیان)۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۚ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

اور نہیں ہے نماز ان کی پاس بیت اللہ کے مگر سیٹی اور تالی پس چکھو تم عذاب اس وجہ

اور کعبہ کے پاس ان کی نماز نہیں مگر سیٹی اور تالی تو اب عذاب چکھو بدلہ اپنے کفر کا بیشک کافر

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ

سے کہ تم کفر کرتے تھے تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا خرچ کرتے ہیں مال اپنے تاکہ روکیں

اپنے مال خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں تو اب انہیں خرچ کریں گے پھر وہ ان

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۗ وَالَّذِيْنَ

وہ راستہ سے اللہ کے پس عنقریب خرچ کریں گے وہ یہ مال پھر ہونگے وہ اوپر ان کے ندامت پھر

پر پچھتاوا ہونگے پھر مغلوب کر دیئے جائیں گے اور کافروں کا حشر

كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾

پھر مغلوب بنا دیئے جائیں گے اور وہ لوگ کفر کیا جنہوں نے طرف دوزخ کے جمع کیے جائیں گے

جہنم کی طرف ہو گا۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار مکہ کا کعبہ معظمہ میں بیہودہ دعاؤں کا ذکر تھا کہ وہ لوگ وہاں نہ مانگنے والی دعائیں مانگتے ہیں اب ان کا اسی کعبہ میں بے ہودہ اور لغو نمازوں کا ذکر ہے کہ وہ کعبہ معظمہ میں لوائق نماز نہیں پڑھتے کھیل کود کو نماز و عبادت سمجھ کر کرتے ہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں کفار مکہ کا ایک جرم بیان ہوا کہ وہ کعبہ سے صحیح نماز پڑھنے والے مومنوں کو روکتے ہیں اب ان کا دوسرا قصور بیان ہو رہا ہے کہ خود صحیح نماز نہیں پڑھتے غلط بیہودہ حرکات نماز سمجھ کر وہاں کرتے ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں وعدہ الٰہی ہوا کہ ان پر دنیاوی عذاب نہ آوے گا اب وعید کا ذکر ہے کہ ان پر اخروی عذاب ضرور آوے گا **فذوقوا العذاب** گویا وعدہ کے بعد وعید کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ذکر ہوا کہ کفار مکہ اسلام کی اشاعت روکنے کے لئے جانی بدنی قوی کوششیں کر رہے ہیں مگر ناکام ہوں گے اب ارشاد ہے کہ وہ اس مقصد کے لئے مالی کوششیں کر رہے ہیں ان میں بھی ناکام ہوں گے ان کا مال جائے گا اور کام نہ بنے گا۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیات میں ذکر ہوا کہ کعبہ کے متولی اور اللہ کے دوست کفار نہیں ہو سکتے صرف متقی مومن ہو سکتے ہیں اب کفار کی بد عملیاں بتا کر اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ ایسے لوگ واقعی اس عہدے کے لائق نہیں۔

شان نزول: کفار عرب کعبہ معظمہ کا طواف بالکل ننگے ہو کر کرتے تھے مرد بھی عورتیں بھی اور بحالت طواف ہاتھوں سے تالیاں منہ میں انگلی دے کر سیٹیاں بجاتے جاتے تھے ان حرکتوں کو بہترین عبادت سمجھتے تھے نیز قبیلہ بنی عبدالدار کے لوگوں کا یہ لوگوں کا طریقہ تھا کہ جب حضور انور کعبہ معظمہ کے پاس نماز پڑھتے تو یہ لوگ حضور کے دائیں بائیں جمع ہو جاتے کچھ تو تالیاں

بجاتے کچھ سیٹیاں اور اپنی اس حرکت کو عبادت اور باعث ثواب سمجھتے کہ ہم نے حضور انور کی نماز اپنی اس نماز میں چھپالی ان کے متعلق پہلی آیت **ماکان صلوتهم** نازل ہوئی (تفسیر خازن روح البیان وغیرہ) نمبر 2 جنگ بدر میں لشکر کفار کا کھانا بارہ آدمیوں کے ذمہ تھا جو وہ باری باری سے دیتے تھے ابو جہل ابن ہشام عتبہ ابن ربیعہ شیبہ ابن ربیعہ ابن عبد شمس نبیہ ابن حجاج مبہ ابن حجاج ابو البختری ابن ہشام نضر ابن حارث حکیم ابن حزام ابی ابن خلف زمعہ ابن اسود حارث ابن عامر ابن نوفل عباس ابن عبد المطلب۔ یہ سب قریش تھے ان میں سے ہر شخص اپنی باری پر دس اونٹ ذبح کرتا تھا اور لشکر کفار کو کھانا دیتا تھا نیز جنگ احد کے موقعہ پر ابو سفیان ابن حرب نے بہت سے کفار کو کرایہ پر جنگ کے لئے تیار کیا ان پر چالیس اوقیہ سونا خرچ کیا ایک اوقیہ چالیس مثقال کا ہوتا ہے ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ان لوگوں کے متعلق دوسری آیت **ینفقون اموالهم** نازل ہوئی (خازن روح المعانی وغیرہ) خیال رہے کہ جنگ بدر میں ان بارہ آدمیوں میں سے دو صاحب ایمان لے آئے حضرت عباس ابن عبد المطلب اور حکیم ابن حزام باقی کافر رہے دیکھو تفسیر خازن یہ مقام۔

تفسیر: **وما کان صلوتهم عند البیت** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے کان کے تین معنی ہیں تھا ہے رہا یہاں بمعنی تھا ہے یا بمعنی ہے **صلوة** سے مراد وہ حرکت ہے جسے کفار عرب نماز سمجھ کر کرتے تھے نہ کہ اسلامی نماز بیت سے مراد پوری مسجد حرام شریف ہے چونکہ وہاں پہنچ کر انسان بیت اللہ شریف سے بالکل قریب ہو جاتا ہے اس لئے نیز بیت اللہ شریف کے پاس گناہ دوسری جگہوں کے گناہوں سے بہت سخت ہے ان وجوہ سے عند البیت ارشاد ہوا **الا مکاء و تصدیه** یہ فرمان عالی استثناء ہے **صلوتهم** سے **مکاء** بروزن فعال اسم صوت ہے لغت میں **مکاء** منہ کی بے معنی آواز کو کہتے ہیں عرب میں ایک سفید چڑیا کا نام مکاء ہے کیونکہ وہ سیٹی دیتی ہے اس کی سیٹی کو بھی مکاء کہتے ہیں (خازن کبیر) تصدیہ یا تو صدی سے بنا ہے صدی پہاڑ یا گنبد کی صدا عباز گشت کو کہتے ہیں یا صدد سے بمعنی کھٹکھٹانا اس کی ایک دال میں سے بدل گئی اب اس کے معنی ہیں تالی یعنی یہ لوگ کعبہ اللہ شریف کے پاس جا کر بے ہودہ حرکات کرتے ہیں سیٹی اور تالیاں بجانا اسے نماز سمجھتے ہیں آج بھی ہندو مندروں میں گھنٹے بجانے دیوالی میں آگ جلانے ہولی میں ناچ کھیل کو درنگ پھینکنے کو عبادت سمجھتے ہیں شاید یہ حرکات وہاں سے چلی آرہی ہیں **فذوقوا العذاب** یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے اور اس سے پہلے **فیقال لهم** پوشیدہ ہے یعنی جب ان کا حال یہ ہے تو ان سے کہا جاوے گا کہ یہ عذاب چکھو۔ ذوق کے لفظی معنی ہیں چکھنا مگر اب بمعنی برداشت کرنا تحمل استعمال ہوتا ہے عذاب سے مراد یا تو بدر وغیرہ کا قتل و قید وغیرہ ہے یا بعد قیامت دوزخ کا عذاب مراد یا دونوں مراد **بما کنتم تکفرون** یہ عبارت ذوقوا کے متعلق ہے اس میں ب سببیہ ہے یا **تعدیه** کفر سے مراد یا تو ان کے سارے کافرانہ مشرکانہ عقیدے ہیں یا بیت اللہ شریف کے پاس تالیاں سیٹیاں بجانا اور اسے عبادت سمجھنا دوسرا احتمال قوی تر ہے کہ اسکا یہاں ذکر ہے **ان الذین کفروا** چونکہ کفار اگلے مضمون کے انکاری تھے اس۔ لئے اسے ان سے شروع فرمایا **ان الذین کفروا** سے مراد یا سارے کفار ہیں یا کفار بدر کے وہ بارہ شخص جو لشکر کفار کو کھانا دیتے تھے دوسرا احتمال قوی ہے کہ یہ آیت انہیں کے متعلق نازل ہوئی کفروا کے معنی ہیں جنہوں نے کفر کیا اور ہو سکتا ہے کہ اس کے معنی ہوں جو علم الہی میں کافر ہوئے کہ ان کا کفر پر مرنا علم الہی میں آچکا اس صورت میں اس سے حضرت عباس اور حکیم ابن حزام علیحدہ ہونگے کیونکہ یہ حضرات جنگ بدر میں آکر نادم نہ ہوئے

بلکہ انہیں یہاں ہی ایمان ملا جس کا اظہار دوسرے موقعہ پر ہوا ان کے لئے بدر کا میدان ایمان کی دکان بن گیا ان وجوہ سے **الذین کفروا** فرمانا اور **الکافرین** نہ فرمانا نہایت ہی مناسب ہوا **ینفقون اموالھم** یہ عبارت ان کی خبر ہے چونکہ کفار بدر روزانہ برابر مال خرچ کرتے رہے، نیز ان کا خرچ کرنا صرف بدر میں ہی نہ ہوا بلکہ ہر جنگ کے موقعہ پر ہوا اسلئے **نفقوا** ماضی مطلق ارشاد نہ ہوا بلکہ **ینفقون** مضارع ارشاد ہوا یعنی خرچ کرتے رہتے ہیں نیز چونکہ جنگوں میں اپنے ہر قسم کے مال خرچ کرتے تھے اونٹ کپڑا زرہ خود ہتھیار سب کچھ ہی لڑنے والوں کو دیتے تھے اسی وجہ سے اموال جمع ارشاد ہوا **لیصدوا عن سبیل اللہ** یہ عبارت متعلق ہے **ینفقون** کے اس میں ان کے خرچ کا مقصد بیان فرمایا گیا یعنی اسلام کو پھیلنے سے روکنا **لیصدو** میں لام۔ معنی کے ہے یعنی تاکہ اس میں ان کے خرچ کا ولی مقصد بیان کیا گیا صد اور سد دونوں کے معنی ہیں روکنا اس لئے دیوار کو سد کہتے ہیں کہ وہ باہر والے کو اندر آنے سے روکتی ہے اس کے بعد عباد اللہ مفعول پوشیدہ ہے سبیل اللہ سے مراد ہے خدا رسی کا ذریعہ یعنی دین اسلام یعنی وہ اس لئے خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اسلام سے روکیں کہ کفار کو مسلمان نہ ہونے دیں اور مومنوں کو مرتد کر کے کافر بنالیں ہمیشہ کفار مسلمانوں سے یہ ہی دو مقصد لیکر لڑتے ہیں **فسینفقونھا** اس میں غیبی خبر ہے ظاہر یہ ہے کہ اس فعل کا فاعل کفار عرب ہیں جو حضور انور کے زمانہ میں جنگوں میں خرچ کرتے رہے اور ہو سکتا ہے کہ تاقیامت کفار اس کا فاعل ہوں پہلا احتمال قوی ہے کہ یہ آیت انہیں کے متعلق آتی ہے ہا کا مرجع اموال ہے **ثم تکون علیھم حسرۃ** اس فرمان عالی میں کفار کے خرچ کے انجام کا ذکر ہے چونکہ یہ انجام عرصہ بعد ظاہر ہونے والا تھا اس لئے **ثم** ارشاد ہوا **تکون** کا اسم اموال ہیں اگرچہ خرچ کرنا ندامت ہے مگر مبالغہ کے طور پر خود اموال کو کے طور پر خود اموال کو ندامت فرمایا حسرۃ بنا ہے حسر سے معنی کھلنا چونکہ ندامت سے اصل کھل جاتا ہے اس لئے اسے حسرت کہتے ہیں یعنی ان کفار پر اسکے یہ مال ہی حسرت اور ندامت و شرمندگی ہوں گے کہ وہ مال خرچ بھی کریں گے اور ان کا مدعی بھی حاصل نہ ہو گا اسلام کا زور ان سے نہ رک سکے گا یہ لوگ اپنے مال مسلمان غازیوں کے حوالہ کر جائیں اس میں بھی غیبی خبر ہے اور اگر یہ تاقیامت واقعات کا ذکر ہو تو بھی معنی ظاہر ہیں کہ کفار کی تمام کوششوں کے باوجود اسلام فنا نہیں ہو سکے گا رب فرماتا ہے **واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون**

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن   پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ثم یغلبون اس فرمان عالی میں تیسری غیبی خبر ہے ترتیب نہایت شاندار ہے کہ پہلے کفار مسلمانوں کے مقابل جنگوں میں اپنے مال خرچ کریں گے پھر شرمندہ ہوں گے کہ شکستیں کھا کر لوٹیں گے پھر ایک وقت وہ آئیگا کہ مومنین ان پر غالب ہوں گے ان کے شہروں ملکوں پر قبضہ کریں گے کفار کو یا بھاگنا یا مسلمان ہونا پڑ گیا رب نے اپنا یہ وعدہ پورا فرمادیا کہ اولاً بدر وغیرہ جنگوں میں کفار نے شکست کھائی آخر کار مسلمانوں نے مکہ معظمہ فتح فرمالیا **والذین کفروا الی جھنم یحشرون** اس فرمان عالی میں دوسرے انجام کا ذکر ہے یعنی مغلوبیت کے بعد کفار دو گروہ ہو جائیں گے ایک گروہ مسلمان ہو جائے گا وہ عذاب آخرت سے بچ جائیگا دوسرا اپنے کفر پر اڑا رہیگا اس اڑی جماعت کا انجام یہ ہے کہ یہ سب دوزخ میں جمع کر دیئے جائیں گے یا قیامت میں جمع کر کے دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے بخلاف گنہگار مسلمانوں کے کہ اگر وہ دوزخ میں سزا پائے گئے بھی تب بھی اکیلے اکیلے

جائیں جمع نہ کئے جائیں گے۔

خلاصہ تفسیر کفار عرب اپنے کو کعبۃ اللہ کا متولی اور اللہ کا دوست کہتے ہیں مگر ان کا اپنا حال یہ ہے کہ اپنے گھروں بازاروں میں جو حرکتیں کرتے ہیں وہ تو ایک طرف خود بیت اللہ شریف میں آکر سیٹیاں تالیاں بجاتے ننگے طواف میں یہ حرکتیں کرتے ہیں اور ان حرکتوں کو نماز سمجھ کر اس پر اپنے کو ثواب کا مستحق سمجھتے ہیں ان کی ان حرکتوں کا انجام یہ ہوگا کہ ان سے کہا جاوے گا کہ آج اپنے کفر و سرکشی بد عملی کی وجہ سے دوزخ کا عذاب خوب چکھو ان کفار کا حال یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام دشمنی کے جوش میں لوگوں کو سلام سے روکنے مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے کے لئے ہر طرح کا مال جنگوں وغیرہ میں خرچ کرتے رہیں گے مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونگے اسلام پھلے پھولے گا ان کے لئے ان کے یہ خرچ کئے ہوئے مال ہی شرمندگی اور ندامت کا باعث بنیں گے اولاً مسلمانوں کے ہاتھوں شکستیں کھائیں گے پھر ان کے مقابل مغلوب ہو جائیں گے مگر یہ حال ان کا ہے جو یہ سب کچھ دیکھ کر کافر رہیں نیک روحیں آخر کار مسلمان ہو کر کامیاب ہوں گے کفر پر اڑے رہنے والے جمع ہو کر دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے وہاں ہمیشہ کا عذاب پائیں گے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** گناہ ہر جگہ گناہ ہے مگر اشرف مقامات پر سخت گناہ کہ اس میں رب تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہے اور ان مقدس مقامات کی بے حرمتی بھی یہ فائدہ عندالبیت سے حاصل ہوا کہ رب العالمین نے بیت اللہ شریف کے پاس تالی بجانے سیٹی بجانے کا ذکر فرمایا ان پر غضب ظاہر فرمانے کے لئے۔ **دوسرا فائدہ:** عقل انسان عبادات میں محض ناکارہ ہے عبادات پیغمبر کی تعلیم سے ہی معلوم ہو سکتی ہے یہ فائدہ **مکاؤ** اور تصدیہ فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو عرب کے بڑے عقلاء فضلاء نے اپنی عقل سے رب کو راضی کرنا اس کی عبادات کرنا چاہا اس کے لئے تالی سیٹی برہنہ طواف تجویز کیا عقل سے دنیا بن سکتی ہے دین نہیں بن سکتا اب بڑے عاقل ہندو گانے بجانے رنگ پھینکنے جھگڑا کرنے کو عبادت سمجھے بیٹھے ہیں جیسا کہ ان کے بڑے دنوں میں دیکھا جاتا ہے مسلمانوں میں جاہل پیر فقیر بھنگ چرس پینے اور ناچنے گانے طبلہ سارنگی کو عبادات سمجھتے ہیں یہ ہے عقل پر چلنے کا نتیجہ اللہ کی عبادت کرنا ہے تو نبی سے سیکھو۔ **تیسرا فائدہ:** تالی سیٹی بجانا محض کھیل کود تماشہ اور طریقہ کفار ہے مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیئے آج کل مسلمان عیسائیوں کی نقل میں جلسوں تقریروں میں بجائے سبحان اللہ یا ماشاء اللہ کہنے کے تالیاں بجاتے ہیں وہ حضرات اس آیت کریمہ سے عبرت پکڑیں کہ یہ طریقہ کفار ہے حضرات صحابہ کرام ایسے موقعوں پر جوش میں تکبیر لیتے تھے سبحان اللہ ماشاء اللہ کے نغمے ان کے منہ سے سنے جاتے تھے۔ **چوتھا فائدہ:** دوزخ میں کفار کو سخت قسم کا عذاب ہوگا گنہگار مومنوں کو ہلکا عذاب کفار کی رسوائی بھی ہوگی مومن انشاء اللہ اس سے محفوظ رہیں گے یہ فائدہ **بما کنتم تکفرون** سے حاصل ہوا کہ یہاں عذاب سے خاص کافروں والا عذاب مراد ہے کفار میں بھی دشمن رسول کا عذاب بہت ہی سخت ہے خدام رسول کا عذاب کچھ ہلکا ابو طالب اور ابولہب کا عذاب یکساں نہیں۔ **پانچواں فائدہ** ہمیشہ کفار اسلام دشمنی میں جانی مالی کوششیں کرتے رہیں گے مگر انشاء اللہ رہیں گے اس کا ظہور آج تک ہو رہا ہے یہ فائدہ **ینفقون اموالھم** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** متقی مومن انشاء اللہ عمر و مال خرچ کر کے پچھتاتا نہیں کیونکہ وہ یہ سب نی

سبیل اللہ خرچ کرتا ہے وہ جو بڑے نفع والا تاجر ہے ان خرچوں پر حسرت و افسوس کافر کے لئے ہے کہ وہ یہ سب کچھ سبیل اللہ سے روکنے کے لئے کرتا ہے یہ فائدہ **علیھم حسرۃ** میں **علیھم** کو **حسرتہ** پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا کہ اس میں حصر کے معنی ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** دوزخ میں جمع ہو کر جانا وہاں جمع ہو کر رہنا کفار کے لئے خاص ہے مومن اس سے محفوظ ہوں گے اگر گنہگار مومن دوزخ میں گیا بھی تو اکیلا جائے گا اکیلا رہے گا رسوائی سے بچے گا دیکھو یہاں دوزخ میں جمع ہونا کفار کا عذاب قرار دیا گیا کہ فرمایا گیا **والذین کفروا۔**

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں کفار کی سیٹیوں تالیوں کو نماز کیوں کہا گیا یہ تو محض کھیل تماشا ہیں ان میں نماز کا کوئی رکن موجود نہیں۔ **دوسرا اعتراض** بڑے بڑے بزرگان دین سے **قوالی** سننا ثابت ہے حالانکہ **قوالی** میں تالیاں ڈھول سارنگی ہارمونیم وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے پھر وہ حضرات قوالی کو عبادت سمجھ کر سنتے ہیں یہ لوگ تو ان کفار سے بدتر ہیں کہ وہ صرف سیٹی تالی بجانے کو عبادت سمجھتے تھے یہ اتنی خرافات کو عبادت جانتے ہیں (بعض بے درد)۔ جواب: واقعی جو بزرگ ہیں اور قوالی سنتے ہیں وہ **قوالی** کو عبادت نہیں سمجھتے نماز روزہ وغیرہ سے غافل نہیں ہوتے بلکہ وہ اسے عشق رسول خوف خدا حاصل ہونے کا ذریعہ بھی اچھا ہوتا ہے جیسے **طبل** جہادیوں ہی افطار و سحری کا نقارہ نکاح کے وقت کا دف سب **اچھی** چیزیں ہیں کہ اچھی چیزوں کا ذریعہ ہیں کفار صرف ان حرکتوں کو اپنی نماز سمجھتے تھے جیسا کہ **الامکاء** میں **الا** فرمانے سے معلوم ہوا جو پیر فقیر تارک نماز بد عمل بھنگی چرسی دن رات ڈھول ڈھماکے میں مشغول ہو وہ پیر نہیں شیطان ہے۔

کار شیطاں می کند نامش ولی گرولی ایں ست لعنت برولی

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے وقت دف بجانے کا حکم دیا ایک لونڈی نے حضور انور کے سامنے دف بجا کر اپنی منت پوری کی قوالی کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں ملاحظہ کرو قوالی ایک درد کی دوا ہے درد والا یہ دوا لے بے درد اس سے الگ رہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ تالی سیٹی بجانا کفر ہے کہ فرمایا گیا **بما کنتم تکفرون** حالانکہ یہ ایک گناہ ہے پھر آیت کا مطلب کیا ہے۔ **جواب:** تالی سیٹی کو نماز سمجھنا کفر ہے کفار مکہ کا یہ ہی عقیدہ تھا اسی لئے ارشاد ہوا **وماکان صلوتھم۔ چوتھا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا **ثم یغلبون** کفار مغلوب ہوں گے مگر اب تو اس کے برعکس ہے کفار غالب آرہے ہیں مسلمان ہر جگہ مغلوب ہیں اس آیت کا وعدہ پورا کیوں نہیں ہوتا **جواب:** یہاں صرف کفار غالب آرہے ہیں مسلمان ہر جگہ مغلوب ہیں اس آیت کا وعدہ پورا کیوں نہیں ہوتا **جواب: یہاں** صرف کفار مکہ کے متعلق یہ ارشاد ہوا ہے وہ لوگ واقعی آخر کار مغلوب ہو گئے اور اگر تمام کفار مراد ہوں تو بھی واقعی دینی لحاظ سے کفار ہمیشہ مغلوب ہیں اسلام غالب ہے **یظھرہ علی الدین کلہ** مسلمان جہاں بھی مغلوب ہوئے اپنی شرکتوں غداریوں بد عملیوں کی وجہ سے **وانتم الاعلون ان کنتم مومنین پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **الی جھنم یحشرون** چاہیے تھا کہ **فی جھنم** ارشاد ہوتا کیونکہ کفار دوزخ میں جمع کئے جائیں گے نہ کہ دوزخ کی طرف۔ جواب: کفار کا اجتماع دو جگہ ہوگا ایک تو دوزخ میں جاتے وقت کہ انہیں کنارہ دوزخ پر کھڑا کر کے سوال جواب فرما کر اس میں دھکیلا جائے گا دوسرے دوزخ میں جا کر ان کا اجتماع اور آپس میں دھول جوتا لعن و طعن ہوگا یہاں پہلے اجتماع کا ذکر ہے مومنوں کا اجتماع بھی دو جگہ ہوگا جنت کے

دروازے پر جب وہاں سب جمع ہو جائیں گے حضور کی تشریف آوری کا انتظار ہوگا دوسرے جنت میں پہنچ کر وہاں بعض اجتماع دائمی ہوں گے بعض وقتی

تفسیر صوفیانہ: کفر و گناہ عذاب الٰہی کا ذریعہ ہیں توبہ استغفار رحمت و مغفرت کا وسیلہ ہیں گناہوں کے میل کے لئے گویا پانی اور صابن ہے جہاں توبہ وہاں طہارت و پاکیزگی نہیں اپنے دل کی مسجد کا متولی کسی اللہ والے کو بناؤ کعبۃ اللہ کو بیت تالی سے محفوظ رکھو دل کی مسجدوں کو دنیاوی شور شغب سے محفوظ رکھو کعبہ دل کی نماز خوف خدا اور عشق رسول ہے کعبہ کو کفار و مشرکین اور برے اعمال سے بچاؤ کعبہ دل کو دنیاوی تعلقات اور برے مشاغل سے محفوظ رکھو یہ تمام خوبیاں حضور انور کے فیض سے حاصل ہوں گی اگرچہ اب صحبت رسول میسر نہیں مگر صحبت سنت رسول تو میسر ہے یہ صحبت تاقیامت باقی ہے کفار اپنے دلوں کی مسجدوں میں دنیاوی شور و شغب ہی کو جگہ دیتے ہیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں ابو جہل نے بھی مال خرچ کیا اور اس کے ساتھ اسی لشکر پر حضرت عباس نے بھی مگر ابو جہل کا یہ خرچ ندامت و حسرت بنا مگر حضرت عباس کا یہ خرچ کرامت کا ذریعہ بنا کہ ابو جہل ہار کر ذلت و خواری سے مارا گیا مگر حضرت عباس یہاں ہار کر واقعہ جیت گئے کہ یہ شکست ہی ان کے ایمان و تقویٰ کا ذریعہ بنی ابو جہل مغلوب ہوا کہ کفر پر مارا گیا حضرت عباس غالب رہے کہ آخر کار مومن بن گئے کام ایک تھا مگر انجام مختلف اس لئے اس آیت میں حسرت و ندامت مغلوبیت کو کفار سے خاص فرمایا گیا جس بربادی سے یار ملے وہ حقیقت میں آبادی ہے اور جس آبادی سے یار ناراض ہو وہ بربادی ہے کوئی کسی کام پر کسی مشغلہ پر مگر آخرت میں ان کا اجتماع دائمی ہوگا یہاں اجتماع کفر یا ایمان کی بناپر ہوگا نوری نوریوں کے ساتھ ہوں گے ناری ناریوں کے ساتھ پھر جس کو جس سے محبت ہوگی اس کے ساتھ اسی کا حشر ہوگا اب پڑھو **الی جہنم یحشرون۔**

لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهٗ عَلٰى
تاکہ چھانٹ دے اللہ برے کو اچھے سے اور کر دے خبیث کو اس کے بعض کو اوپر بعض کے پس
اس لئے کہ اللہ گندے کو ستھرے سے جدا فرما دے اور نجاستوں کو تلے اوپر رکھ کر سب ایک ڈھیر
بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهٗ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۳۷﴾ ع ۱۸
تہہ بہ تہہ کر دے اس کو سب کو پھر کر دے اس کو دوزخ میں یہ ہیں وہ لوگ خسارہ پانے والے
بناکر جہنم میں ڈال دے وہ ہی نقصان پانے والے ہیں تم کافروں سے فرماؤ
قُلْ لِّلَّذِينَ كَفَرُوٓا إِنْ يَّنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَإِنْ يَّعُودُوا فَقَدْ
کہو آپ ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا کہ اگر باز آ جائیں تو بخش دیئے جائیں گے واسطے ان کے وہ جو گزر چکے
اگر وہ باز رہے تو جو ہو گزرا وہ انہیں معاف فرما دیا جائے گا

مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٨﴾
اور اگر لوٹیں تو بے شک گزر چکا طریقہ اگلوں کا
اور اگر پھر وہ ہی کریں تو اگلوں کا دستور گزر چکا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے کچھ عیوب کا ذکر ہوا اب کفار کے پیدا کرنے ان میں یہ یہ عیوب پیدا کرنے کی حکمتوں کا تذکرہ ہے جس سے معلوم ہو کہ کفار برے ان کے عیوب برے ہیں مگر ان سب کا پیدا کرنا برا نہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے ناجائز اور اسلام دشمنی میں مال خرچ کرنے کا ذکر تھا اس کے دنیاوی نتیجہ کا بیان تھا اب اس خرچ کے اخروی انجام کا تذکرہ ہے کہ یہ خرچ دنیا میں ندامت کا باعث ہے آخرت میں جہنم میں جانے کا ذریعہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے دوزخ میں جمع ہونے کا ذکر ہوا اب اس اجتماع کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ خبیث خبیث کے ساتھی ہیں۔

تفسیر: لیمیز اللّٰہ الخبیث من الطیب: اس عبارت شریفہ میں لام ۔ معنی کے ہے یعنی تاکہ اس کا تعلق یا تو گذشتہ آیت کے اس مضمون سے ہے کہ کفار بیت اللہ میں تالیاں سیٹیاں بجاتے ہیں یا اس سے کہ وہ بے جا خرچ کر کے نادم ہوں گے یا اس سے کہ وہ مغلوب ہوں گے یا اس سے کہ وہ دوزخ میں جمع کئے جائیں گے لہٰذا اس فرمان عالی کی چار تفسیریں ہیں ہماری قراءت لیمیز ہے ی کے سکون سے بروزن **ینبع ملازیمیز حمزہ** کسائی اور یعقوب کی **قراءت لیمیز** ہے ی کے شد سے باب تفعیل سے بہرحال یہ لفظ بنا ہے میز سے ۔ معنی علیحدگی اور چھانٹ اسی سے امتیاز اور تمیز خباثت اور نجاست دونوں کے معنی ہیں گندگی اس کے مقابل طہارت اور طیب دونوں کے معنی ہیں پاکی ستھراپن مگر عموماً ظاہری گندگی کو نجاست کہتے ہیں اور ظاہری پاکی کو طہارت اور روحانی و باطنی گندگی کو خباثت کہا جاتا ہے اور باطنی پاکی و صفائی کو طیب پیشاب پاخانہ نجاست ہے حرام مال مردار جانور خبیث یہاں خبیث و طیب سے مراد یا تو کفار و مومنین ہیں یا خبیث سے مراد کفار کا وہ مال جو اسلام کو نقصان پہنچانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں خرچ ہو اور طیب سے مراد مومن کا وہ مال جو اسلام کی اشاعت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خرچ ہو یا خبیث سے مراد کفار کے سارے بداعمال اور طیب سے مراد مومنین کے سارے نیک اعمال لہٰذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں یعنی کفار کعبہ معظمہ میں اس لئے سیٹی و تالیاں بجاتے ہیں یا کفار اس لئے اسلام کے مقابل مال خرچ کرتے ہیں یا وہ اس لئے نادم و مغلوب ہوں گے یا وہ دوزخ میں اس لئے جمع کئے جائیں گے تاکہ اللہ تعالے خبیث کفار طیب مومنین میں یا کفار کے خبیث مالوں مومنین کے طیب مالوں میں یا کفار کے خبیث اعمال اور مومنوں کے طیب اعمال میں چھانٹ کر دے (از تفسیر خازن و روح المعانی) **ویجعل الخبیث بعضہ علی بعض:** یہ عبارت معطوف ہے لیمیز پر ظاہر یہ ہے کہ یجعل ۔ معنی ضم ہے اور علی ۔ معنی الی (روح المعانی) یعنی دنیا میں یا قیامت میں یا دوزخ میں اللہ تعالیٰ بعض کفار کو بعض کے ساتھ ملا دے ان تک پہنچا دے کہ سارے کفار جمع ہو کر دوزخ میں جائیں **فیرکمہ جمیعا:** یہ عبارت معطوف ہے یجعل پر یر کم بنا ہے رکوم سے ۔ معنی چن تاتہ بہ تہ کرنا اسی سے ہے سحاب مرکوم اور حشیش مرکوم اس سے مراد ہے

کفار کی کثرت بھیڑ کہ اولا ہر قسم کے کافر الگ الگ جمع کئے جاویں پھر ان سب کو دوزخ میں پہنچایا جاوے **فیجعلہ فی جھنم** یہ عبارت معطوف ہے فیر کمہ پر چونکہ کفار کا اجتماع پہلے ہوگا اور ان سب کا دوزخ میں داخلہ بعد میں اس لئے یہاں ف ارشاد ہوئی یعنی پہلے انہیں دوزخ کے کنارہ پر جمع کرے پھر اس ساری بھیڑ کو دوزخ میں داخل کرے **اولئک ھم الخاسرون** یہ فرمان عالی یا تو گذشتہ مضمون کا نتیجہ ہے یا اس کی وجہ خسارہ وہ نقصان والی تجارت ہے جس میں اصل رقم بھی برباد ہو جاوے ھم حصر کے لئے ہے یعنی کفار ہی پورے خسارہ والے ہیں رہے گنہگار مومن وہ اگرچہ نقصان والے تو ہیں مگر خسارہ والے نہیں لہٰذا حصر بالکل درست ہے **قل للذین کفروا** یہ نیا جملہ ہے جس میں لطف و کرم ظاہر فرما کر کفار کو دعوت اسلام دی گئی قل میں خطاب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے اور حضور کے ذریعہ تاقیامت مبلغین اسلام سے ہر مبلغ مذکورہ وعدے کفار سے کرکے نہایت نرمی سے کفار کو دعوت اسلام دے کفروا سے مراد سارے کافر ہی ہیں خواہ وہ ہوں جو کفر پر مرنے والے خواہ وہ ہوں جن کے مقدر میں ایمان لانا ہے یہ وعدہ اور وعدہ کی یہ شرط سب ہی کے لئے ہے **ان ینتھوا یغفر لھم ماقد سلف** یہ پوری عبارت قل کا مقولہ ہے ان صرف معلق کرنے کے لئے آتا ہے اس میں شرط و جزا کا جوڑ یا ممکن ہونا ضروری نہیں لہٰذا اس میں وہ کفار بھی داخل ہیں جن کا کفر سے باز رہنا ناممکن ہو جن کا کفر پر مرنا فیصلہ الٰہی میں آچکا انتہا کے معنی یہاں باز رہنا ہیں نہ کہ انتہا پر پہنچ جانا مراد ہے کفر و شرک یا حضور کی اور مسلمانوں کی دشمنی سے باز آجانا ظاہر یہ ہے کہ **ماسلف** سے مراد سارے گذشتہ گناہ کفر شرک اس زمانہ کے چھوٹے بڑے سارے گناہ ہیں اور شرعی حقوق سارے حقوق ہیں رہے حقوق العباد وہ اس سے خارج ہیں اس کا ضرور خیال رہے سلف سے مراد سارے گذشتہ قصور ہیں خواہ نئے ہوں یا پرانے **وان یعودوا فقد مضت سنۃ الاولین** یہ عبارت معطوف ہے **ان ینتھو** پر عود سے مراد یا تو لوٹنا ہے یعنی اسلام لانے کے بعد پھر کفر و مرتد ہو جانا یا کفر و شرک اور عداوت رسول پر اڑا رہنا ہے (روح المعانی) **فقد مضت** در حقیقت ان یعودوا کی جزا نہیں بلکہ جزا کی وجہ کا بیان ہے سنت بمعنی طریقہ ہے جس سے مراد عادۃ الٰہیہ ہے کفار پر عذاب بھیجنے کی اولین سے مراد گذشتہ کفار ہیں جنہوں نے حضرات انبیاء کے مقابلہ میں پے در پے شکست پائی یعنی اگر یہ لوگ کفر پر اڑے رہے تو ان پر عذاب نازل ہوگا کہ مومنوں کو فتح دی جاوے گی اور انہیں ذلت و خواری کی شکست خیال رہے کہ اس قسم کی سنت کو رب تعالیٰ سے بھی نسبت ہے اس کی جاری فرمائی ہوئی ہے اور ان کفار سے بھی کہ ان میں جاری کی گئی ہے یہاں دوسری نسبت کے لحاظ سے اسے **سنۃ الاولین** کہا گیا اور **سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل** میں اور **لا تجد لسنتنا تحویلا** میں پہلی نسبت کے لحاظ سے رب تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا گیا لہٰذا آیت ان آیات کے خلاف نہیں۔

خلاصہ تفسیر مذکورہ کفار یہ مذکورہ عیوب اس لئے کرتے ہیں یا کل قیامت میں دوزخ کے کنارے اس لئے جمع کئے جائیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ خبیث آدمیوں کو طیب و طاہر آدمیوں سے چھانٹ دے یا گندے برے کاموں کو اچھے نیک طیب کاموں سے چھانٹ دے پھر اس چھانٹ کے بعد بعض خبیثوں کو بعض کے ساتھ جمع فرمادے کہ یہ اپنی زیادتی کی وجہ سے تہہ بہ تہہ ہو جاویں ایک دوسرے پر پھر اس ساری بھیڑ کو دوزخ میں ڈال دے اے محبوب یہ لوگ پورے نقصان میں رہے کہ انہوں نے اپنی اصلی پونجی بھی برباد کردی کہ اپنی زندگی کے لمحات گناہوں بدعقیدگیوں میں گذارے عمر کے لمحات خرچ کردئے اعمال کا ذخیرہ جمع نہ

کیا اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم اور اے اسلام کی تبلیغ کرنے والے مسلمان کفار کو تو یہ آیتیں یا ان کا یہ انجام سنا کر انہیں اللہ کی رحمت کا امیدوار بھی بنا دے ان سے کہہ دے کہ اگرچہ تم ہر طرح کے گناہ کر چکے لیکن اگر اب بھی تم اپنی مذکورہ حرکتوں سے باز آجاؤ کفر چھوڑ کر ایمان فسق چھوڑ کر تقویٰ اختیار کر لو تو تمہارے سارے گذشتہ گناہ شرک و کفر بد عملیاں سب معاف کر دی جائیں گی تمہارے گناہوں سے ہماری مغفرت زیادہ ہے اور اگر تم ضد پر اڑے رہے تو تم کو گذشتہ امتوں کے انجام کی خبر ہے کہ تمام کفار خائب و خاسر ناکام رہے اور ان کے مقابل مومنوں کو رب نے فتح و نصرت دی تمہارا بھی یہ ہی انجام ہو گا۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** انسان کی چھانٹ قومیت وطنیت زبان وغیرہ سے نہیں بلکہ صرف اور صرف ایمان و اعمال سے ہے سارے مومن ایک قوم ہیں اگرچہ زبان وطن قومیت میں مختلف ہوں اور سارے کافر علیحدہ مومن سے علیحدہ ہیں اگرچہ وطن و زبان میں یکساں ہوں یہ فائدہ **لیمیز اللہ** سے حاصل ہوا کہ یہاں چھانٹ کا ذریعہ خباثت اور طیب کو قرار دیا گیا

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی — کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

جو کوئی مسلمانوں میں قومیت ملک زبان کو چھانٹ کا ذریعہ بنائے مسلمانوں کو اس سے بکھیرے وہ فطرت الیہ کا مقابلہ کرتا ہے انشاء اللہ کامیاب نہ ہو گا۔ **دوسرا فائدہ:** قیامت میں کافر کافروں کیساتھ ہو گا اگرچہ دنیا میں اجنبی ہوں مومنوں کے ساتھ نہ ہو گا اگرچہ اس کے عزیز ہوں یہ فائدہ **فیر کمہ جمیعا** سے حاصل ہوا اسی طرح انشاء اللہ مومن مومنوں بلکہ ولیوں بلکہ حضور محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گا رب فرماتا ہے **اولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین** جب ساتھ ایسا ہے تو پھر غم کا ہے کا

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو۔ — کہ رستہ میں ہیں جابجا تھانیوالے۔

تیسرا فائدہ: اگر گنہگار مومن کچھ روز کے لئے دوزخ میں گیا تو بھی کفار کے ساتھ نہ جائیگا اکیلا جائے گا یہ فائدہ **فیجعلہ فی جہنم** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** خاسر یعنی دیوالیہ گھاٹے والا صرف کافر ہے گنہگار مومن اگرچہ نقصان میں ہے مگر دیوالیہ نہیں یہ فائدہ **ھم الخاسرون** کے حصر سے حاصل ہوا نقصان اور خسارہ کا فرق بیان ہو چکا۔ **پانچواں فائدہ:** مبلغ کو چاہیئے کہ صرف ڈراکر ہی تبلیغ نہ کیا کرے بلکہ بشارتیں دیکر بھی کیا کرے یہ فائدہ **قل للذین کفروا** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جن کفار کا کفر پر مرنا یقینی ہے تبلیغ انہیں بھی کی جاوے اس پر ثواب ملے گا یہ فائدہ الذین کفروا کے عموم سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** اسلام کی برکت سے کفر کے زمانہ کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں یہ فائدہ **یغفر لھم ما سلف** سے حاصل ہوا چنانچہ زمانہ کفر کی عبادات کی قضا نہ کرے بحالت جہاد اس کے ہاتھ سے جو مسلمان شہید ہوئے انکا قصاص یا دیت ادا نہ کرے گا بلکہ ان جرموں کا گناہ بھی معاف ہو جاوے گا نیز اس زمانہ کی شراب خوری سود خوری وغیرہ بھی معاف ہو جاوے گی۔ **مسئلہ:** اگر کسی جہاد میں کافر حربی مسلمان غازی کا مال لوٹ لے گیا یا غازی نے اس کا مال لے کر غنیمت بنا لیا پھر یہ مسلمان ہو گیا تو دو طرفہ مال کی واپسی واجب نہیں (از روح المعانی) **مسئلہ:** اگر کافر ذمی نے چند سال کا جزیہ ادا نہیں کیا پھر مسلمان ہو گیا تو یہ جزیہ معاف ہو جاوے گا (روح المعانی)۔ **مسئلہ:** اگر کافر نے کسی کا قرض دینا ہے یا اس کے پاس کسی کی چوری ڈکیتی غصب

امانت کا مال ہے وہ مسلمان ہو گیا تو اسے یہ مال واپس کرنا ہوں گے (از روح المعانی) **مسئلہ:** اگر کافر نے زمانہ کفر میں چوری ڈکیتی وغیرہ جرم کئے پھر وہ مسلمان ہو گیا تو اس پر چوری ڈکیتی کی سزا یا ہاتھ کاٹنا یا سولی دینا جاری نہ ہو گی (روح المعانی) **مسئلہ:** اگر کفر غلام مسلمان ہو جاوے تو وہ غلامیت سے آزاد نہ ہو گا بلکہ بدستور اپنے مولیٰ کا غلام رہے گا یہ تمام اور اس کے علاوہ اور بہت سے مسائل **یغفر لهم ما سلف** سے حاصل ہوئے۔ **آٹھواں فائدہ:** مرتد کی ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں جو اس نے زمانہ اسلام میں کی تھیں یہ فائدہ **وان یعودوا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ جب عود کے معنی ہوں اسلام سے پھر جانا۔ **مسئلہ:** وہ گنہگار جس نے عمر بھر گناہ کئے ہوں مرتد ہو جاوے پھر توفیق خداوندی سے دوبارہ مسلمان ہو تو اس کے سارے گناہ معاف ہو گئے یہ مذہب امام مالک کا ہے (روح المعانی) ان کے نزدیک ہر کفر کے گناہ اسلام لانے سے معاف ہو جاتے ہیں کفر اصلی ہو یا کفر طاری۔ **مسئلہ:** اگر کسی مسلمان پر نمازیں روزے واجب تھے جو اس نے ادا نہ کئے پھر وہ مرتد ہو گیا پھر مسلمان ہوا تو اس پر وہ نماز روزے قضا کرنا واجب ہے اس دوبارہ اسلام سے پہلے اسلام کے زمانہ کے حقوق شرعیہ معاف نہ ہوں گے (خانیہ روح المعانی)۔ **مسئلہ:** کسی مسلمان پر حد قذف (تہمت کی سزا) یا چوری کی سزا یا قتل کا قصاص تھا وہ مرتد ہو گیا پھر دوبارہ مسلمان ہوا تو یہ سزائیں معاف نہ ہوں گی یوں ہی اگر زمانہ ارتداد میں یہ جرم کئے پھر مسلمان ہوا تب بھی وہ سزا پائے گا (روح المعانی۔ **مسئلہ:** اگر مسلمان پر شراب نوشی کی سزا تھی وہ مرتد ہو گیا پھر مسلمان ہوا تو اب وہ سزا معاف ہو گی خلاصہ یہ ہے شراب خوری کے سواء باقی سزائیں باقی رہیں گی اس کے متعلق اور بہت سے احکام خانیہ تفسیرات احمدیہ روح المعانی میں اس جگہ دیکھو۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار مسلمانوں سے اور مسلمان کفار سے چھٹے ہوئے ہیں مگر آج دیکھا جا رہا ہے کہ بعض مسلمان مسلمانوں سے کٹے چھٹے رہتے ہیں کفار سے گھلے ملے تو یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** اگر اس آیت میں آخرت کا ذکر ہے تب تو کوئی اعتراض نہیں کہ کافر و مومن کی چھانٹ وہاں ہو گی اور اگر دنیا کا ذکر ہے تو مسلمانوں کی کفار سے یہ دوستیاں محض عارضی ہیں آخر کار کفار سے چھٹ جانا پڑتا ہے جیسے مسلمانوں کے آپس کی دشمنیاں عارضی ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **اولئک هم الخاسرون** جس سے معلوم ہوا کہ صرف کفار ہی خسارہ و نقصان میں ہیں حالانکہ گنہگار مومن بھی نقصان میں ہیں پھر حصر کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** گنہگار مومن نقصان میں تو ہے مگر خسارہ میں نہیں کہ اس کے عقیدے درست ہیں جو نقصان اصل پونجی کو ختم کر دے وہ خسارہ ہے اصل پونجی ایمان ہے جسے انسان عالم ارواح سے ساتھ لایا ہے ہاں اس نے اپنے اعضاء کو نقصان میں ڈالا کہ ان سے نیکیاں نہ کیں لہٰذا حصر بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ یہ کفر سے سارے کافر مراد ہیں ازلی ہو یا عارضی یہ درست نہیں ازلی کافر کے لئے اگر مگر نہیں کہا جا سکتا اس کا ایمان تو ممکن ہی نہیں۔ **جواب:** ان کے معنی ہیں اگر یہ صرف معلق کرنے کے لئے آتا ہے خواہ ممکن ہو یا ناممکن کہا جا سکتا ہے کہ اگر زید گدھا ہو تو ضرور رینگنے لگے حالانکہ دونوں باتیں ناممکن ہیں رب فرماتا ہے **ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین** اگر خدا کے بیٹا ہو تو اسے پہلے میں پوجوں حالانکہ دونوں باتیں ناممکن ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ اگر کفار ایمان قبول کر لیں تو ان کے سارے گذشتہ گناہ معاف کر دیتے جاویں تم نے یہ قیود کہاں سے لگائیں کہ فلاں گناہ معاف ہو گا فلاں نہیں حضرت عمرو ابن عاص کی روایت ہے کہ حضور انور نے ان سے فرمایا **الاسلام یهدم ما کان**

فیلسوہاں بھی مانا کہ اسلام سے پہلے کے سارے گناہ مٹادیتا ہے یوں ہی حج و ہجرت(مسلم)تم نے یہ قیود قرآن و حدیث کے خلاف کیوں لگائیں۔ **جواب**:اس اعتراض کا جواب تفسیر روح المعانی نے یہ دیا ہے کہ یہ قیدیں استثناء عقلی کے طور پر ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے کہ نماز مسلمانوں پر فرض ہے مگر اس سے بچے دیوانے ناپاک عورتیں علیحدہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ:مومن روحانی نورانی مخلوق ہے کافر نفسانی ظلمانی مخلوق روح نفس سے نور تاریکی سے الگ چھنے ہوئے ہیں جیسے نور و تاریکی میں یگانگت نہیں ہو سکتی ذاتی طور پر بیگانگت ہے ایسے ہی مومن اور کافر میں ذاتی بیگانگت و جدائی ہے آیت کریمہ **لیمیز اللہ الخبیث** میں اسی بیگانگت کا ذکر ہے مومن وطن زبان ملک و نسل وغیرہ کی قیدوں سے آزاد ہے مومن کا وطن اللہ کا وطن اللہ کے سارے ملک ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالے کی مخلوق ہیں اور جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مملوک مومن اللہ کا بندہ نبی کا امتی ہے لہٰذا اللہ نبی کی ساری چیزیں اس کی اپنی ہیں۔

خندید و دست خویش بہ شمشیر برد و گفت ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدا ماست

عرش و فرش مومن کی ملک ہیں مومن کی قوم مسلمان ہے اس کا وطن مدینہ منورہ ہے اس کی اپنی زبان عربی ہے یہ وطن اور زبانیں جسمانی اور عارضی ہیں نماز و اذان خطبہ میں سب کی زبان عربی ہو جاتی ہے بعد موت سب کی زبانیں عربی ہوں گی صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالے نے انسان میں روح اور نفس کو مخلوط کر دیا ہے اور اعمال کی استعداد اس کی اصل پونجی ہے مومن متقی نفع کا تاجر ہے کہ اس نے روح نفس دونوں سے نفع کمایا اور غافل گنہگار مسلمان اس نے روح کا نفع کمایا نفس کا نقصان مگر کافر خسارہ میں ہے کہ اس کی روح اور نفس دونوں خسارہ میں رہے انسان اپنی بے وقوفی سے رب تعالے سے بھاگتا ہے وہ کریم ہے کرم سے اسے بلاتا ہے کہ مرتے وقت تک میرے پاس آجا میں تجھے معافی دے دوں گا رب تعالیٰ ہم کو لبیک کہنے حاضر بارگاہ ہونے کی توفیق دے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا

اور جنگ کرو تم ان سے حتیٰ کہ نہ ہو فتنہ اور ہو جائے دین تمام کا تمام اللہ کا پس اگر باز آجائیں

اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے

فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۳۹) وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

وہ بے شک اللہ اس کو جو کرتے ہیں وہ دیکھنے والا ہے اور اگر منہ پھیریں وہ پس جان لو کہ بے شک

اگر وہ باز رہیں تو اللہ ان کے کام دیکھ رہا ہے اور اگر وہ پھریں تو جان لو کہ اللہ تمہارا مولیٰ

مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (۴۰)

اللہ تمہارا والی ہے وہ اچھا والی ہے اور اچھا ہے مدد والا۔

ہے تو کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ خبیث کفار طیب مومنوں سے الگ ہیں ان میں اتحاد و اتفاق ناممکن ہے اب طیب مومنوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ کفار پر جہاد کریں تاکہ خبیث کا زور ٹوٹے وہ طیب بندوں کو دبا نہ سکے گویا خبیث کی ذات کا ذکر فرما کر اس کے احکام یا اس کے دفع کی تدبیر کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ کفار خسارہ والے ہیں آپ کو ان پر جہاد کرنے کا حکم ہے جس میں مومن کا نفع ہی نفع ہے اور کفار کا گھاٹا ہی گھاٹا گویا یہ آیت گھاٹے کی تفسیر اس کی تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ اگر کفار کفر سے باز نہ آئے تو انہیں پچھلے کفار کا انجام یاد رکھنا چاہئے اب اس انجام کا ذکر ہے کہ ان پر جہاد ہو گا جس میں مسلمانوں کی فتح اور ان کی شکست فاش یہ تو دنیاوی انجام ہے اخروی انجام اس کے علاوہ۔

نزول: حضرت عروہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں مسلمان کفار مکہ کے ہاتھوں سخت فتنوں مصیبتوں آزمائشوں میں مبتلا تھے حتی کہ حضور انور نے انہیں حبشہ وغیرہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا یہ مسلمانوں پر پہلا فتنہ تھا پھر انصار مدینہ نے حضور انور کے ہاتھ شریف پر پہلی بیعت عقبہ کی اس خبر پر کفر مکہ اور زیادہ جل گئے اور مکہ میں جو مسلمان باقی تھے انہیں اور زیادہ ستانے لگے حضور انور کی ہجرت کے بعد جو کمزور مسلمان مکہ معظمہ رہ گئے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیئے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر)

تفسیر: **وقاتلواھم** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے تو واؤ ابتدائیہ ہے یا معطوف ہے **قل للذین** پر اور واؤ عاطفہ ہے **قاتلو** بنا ہے قتال سے ۔ بمعنی ایک دوسرے سے بالمقابل لڑنا یعنی جہاد اس میں خطاب یا تو حضرات صحابہ سے ہے اور **ھم** سے مراد کفار عرب میں یا سارے کفار خواہ عرب ہوں یا عجم یا خطاب سارے قومی مسلمانوں سے ہے جو تاقیامت ہوں گے اور **ھم** سے مراد سارے کفار ہیں لہذا اس فرمان عالی کی تین تفسیریں ہیں اس کے نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی تفسیر قوی ہے **حتی لا تکون فتنه** اس فرمان عالی کی بھی تین تفسیریں ہیں اگر **قاتلوھم** میں کفار عرب سے لڑنے کا حکم صحابہ کو دیا گیا ہے تو حتی انتہا کے لئے ہے اور فتنہ سے مراد ہے کفر و شرک یعنی کفار عرب سے اس وقت تک جہاد کرو کہ عرب میں شرک و کفر بالکل باقی نہ رہے کیونکہ عرب میں خصوصاً حجاز مقدس میں اسلام کے سواء کسی دین کے رہنے کی اجازت نہیں یا تو وہ کفار عرب سے نکل جائیں یا مسلمان ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں جزیہ وغیرہ ان کے لئے نہیں اور اگر **قاتلوھم** میں خطاب سارے مومنوں سے ہے اور **ھم** سے مراد دیگر ملکوں کے کفار تو یا تو حتی ۔ بمعنی کے ہے یعنی تاکہ اور یا **فتنه** سے مراد کفر کا زور ہے جس سے مسلمان کو اسلام پر قائم رہنا عبادات کرنا مشکل ہو جائے یعنی اے صحابہ تم کفار عرب سے یہاں تک جہاد کرو کہ عرب میں کوئی کافر نہ رہے یا اے مسلمانو تم کفار سے جہاد کرو مگر مال عزت حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ کفر کا زور ٹوٹے یا اس نیت سے تم جہاد کرو کہ کفار کو ایمان ملے اب خواہ وہ مسلمان ہوں یا نہ ہوں جزیہ دے کہ تمہاری رعایا بن جائیں ان کی مرضی مگر تمہاری نیت وہ ہی ہو تو تم کو ثواب ملے گا فرمایا نبی ﷺ نے **امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ** یہاں بھی یا تو الناس سے مراد کفار عرب ہیں یا حتی ۔ بمعنی کے ہے نہ کہ ۔ بمعنی انتہا یہ تفسیریں یاد رہیں **ویکون الدین کله لله** یہ عبارت

معطوف ہے **لاتکون** پر حتی کے ماتحت ہے اس کی بھی تفسیریں ہیں جو ابھی گزریں کہ اگر کفار عرب پر جہاد مراد ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ اس ملک میں سواء دین الہی یعنی اسلام کے اور کوئی دین نہ رہے اور اگر عام کفار پر جہاد مراد ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ اللہ کا دین مغلوب نہ رہے کفار مسلمانوں کو نہ ستا سکیں نہ انہیں عبادات سے روک سکیں غالب دین اللہ کا ہی ہو جاوے اس پر عمل کرنے سے کوئی کسی کو روک نہ سکے **وان انتھو فان اللہ بما یعملون بصیر** اس فرمان عالی میں تصویر کا دو سرا رخ دکھایا جا رہا ہے یعنی کفار کا باز آ جانا اس جملہ کی بھی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ **انتھو** کا فاعل کفار عرب ہوں تو باز آ جانے سے مراد کفر و شرک سے باز آ جانا ہے دو سرے یہ کہ اس کا فاعل دو سرے ملک کے کفار ہوں تو باز آ جانے سے مراد مسلمانوں سے لڑنے بھڑنے سے باز آ جانا بھی ہے یعنی کفر کا زور ٹوٹ جانا **فان اللہ** ان کی خبر نہیں لہذا اس کی ف جزائیہ نہیں بلکہ یہ عبارت پوشیدہ جزا کی وجہ ہے اور فان کی ف تعلیلیہ ہے یعنی اگر کفار کفر سے باز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں گزشتہ کفر و گناہ کی معافی دے دے گا اور ان کے کفر کے زمانہ کی نیکیوں کا ثواب دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے سارے گزشتہ موجودہ آئندہ اعمال کو دیکھ رہا ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں یعقوب کی قراءت ہے **تعملون** ت سے اور اس میں مجاہد مومنین سے خطاب ہے یعنی اگر اے مجاہدو تمہارے حملہ کرنے سے پہلے ہی کفار مسلمان ہو جائیں یا ہتھیار ڈال دیں تو بھی رب تعالیٰ تم کو جہاد کا ثواب دے گا کیونکہ وہ تمہارے جسمانی 'دلی' روحانی اعمال کو دیکھ رہا ہے تمہاری نیتوں سے خبردار ہے ان کے ایمان لانے ہتھیار ڈالنے کا ثواب تم کو عطا فرمائے گا (از روح المعانی) **وان تولوا فاعلموا ان اللہ مولکم** یہ فرمان عالی معطوف ہے **فان انتھوا** پر **تولو** کا فاعل وہ ہی کفار عرب یا دو سرے عام کفار ہیں اس فرمان عالی میں ایک مسئلہ ارشاد ہوا یعنی اگر کفار مومن بن جانے یا ہتھیار ڈال دینے کے بعد اسلام سے یا تمہاری اطاعت سے پھر جاویں کہ تم پر سرکشی کریں یا یہ مطلب ہے کہ اگر وہ کفر و سرکشی سے باز نہ آئیں بلکہ تم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جاویں (خازن' روح المعانی) اس کی جزا **فاعلموا** نہیں بلکہ پوشیدہ ہے یعنی تم جہاد پر تیار ہو جاؤ یہ یقین کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا والی وارث ہے مولیٰ بنا ہے ولی یا ولایت سے یہ مصدر میمی - بمعنی اسم فاعل ہے اس کے معنی ہیں مددگار' سید' متولی یہ اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے اور اس کے بندوں کی بھی فرماتا ہے **فاللہ مولاہ و جبریل و صالح المومنین- نعم المولی و نعم النصیر** یہ فرمان عالی مولاکم کا بیان ہے **نعم** کا فاعل **المولی** اور **النصیر** ہے اس کا مخصوص بالمدح ہو پوشیدہ ہے یعنی اچھا والی اچھا مددگار رب تعالیٰ ہی ہے کہ اس کی ولایت اس کی مدد کے ہوتے ہوئے تم کو کسی کی ولایت و مدد کی حاجت نہیں اور تم کسی سے مغلوب نہیں ہو سکتے ان شاء اللہ تم غالب و فاتح رہو گے مولیٰ اور والی یوں ہی نصیر اور ناصر کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ ان آیات کریمہ کی چند تفسیریں ہیں ہم ان میں سے دو تفسیروں کا خلاصہ عرض کرتے ہیں ا۔ اے جماعت صحابہ تم کفار عرب سے جہاد کرتے رہو یہاں تک کہ اس مبارک خطہ میں کفر و شرک بالکل نہ رہے اس طرح کہ وہ یا تو اسلام قبول کرلیں یا عرب چھوڑ دیں یا قتل کر دیئے جاویں اس خطہ میں صرف اسلام رہے یہاں سارا دین اللہ تعالیٰ کا ہو جاوے یعنی اسلام لیکن اگر کفار تمہارے حملہ سے پہلے ہی کفر سے باز آ کر اسلام میں داخل ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بہت ثواب دے گا ان کے سارے گناہ بخش دے گا کیونکہ رب تعالیٰ ان کے سارے اعمال دیکھ رہا ہے اور اگر وہ اسلام نہ لائیں

کفر پر اڑے رہیں تو تم جہاد پر تیار ہو جاؤ یقین کرو کہ تمہارا مدد گار اللہ تعالیٰ ہے وہ سارے مولاؤں سے بہتر مولی ہے اور سارے مدد گاروں سے اچھا مدد گار اس کی مدد کے ہوتے ہوئے تم کسی غیر کی مدد کے حاجت مند نہیں۔2.1ے مسلمان غازیو تم تاقیامت کفار پر جہاد کرتے رہو یہاں تک کہ ان کے کفر کا زور ٹوٹ جاوے ان کا فتنہ یعنی مسلمانوں پر دباؤ نہ رہے اللہ کا دین بھی آزاد ہو جائے لیکن اگر کفار بغیر جہاد ہی کفر سے باز آجائیں مسلمان ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے سارے گناہ معاف فرمادے گا اور انہیں بے کراں حساب دے گا کیونکہ وہ ان کے سارے نیک و بد اعمال کو دیکھ رہا ہے اور اگر وہ اسلام سے منہ موڑیں تو تم ان پر جہاد کرو اللہ پر توکل جان کہ وہ تمہارا والی ہے وہ ہی اچھا والی اچھا مدد گار ہے تمہیں کسی غیر کی حاجت نہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اسلامی قانون سے ملک عرب میں سوائے اسلام کے دوسرا دین نہیں رہ سکتا یہ فائدہ **حتی لا تکون فتنتہ** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ فتنہ سے مراد کفر و شرک ہو اور **قاتلوھم** میں **ھم** سے مراد کفار عرب ہوں۔ **دوسرا فائدہ:** کفار عرب سے جزیہ قبول نہ ہو گا ان کے لئے دو ہی راستے ہیں قتل یا اسلام یہ فائدہ بھی لا تکون فتنہ کی اسی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ملک عرب کے علاوہ باقی تمام جہان میں جہاد کا مقصود کفار کو مٹانا کفر و شرک کو فنا کرنا نہیں ہوتا صرف کفر کا زور توڑنا مقصود ہوتا ہے یہ فائدہ **لا تکون فتنتہ** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ فتنہ سے مراد کفر کا زور ہو وہاں کفار کے لئے تین راستے ہیں اسلام 'جزیہ' یا قتل 'اس کی تفسیر وہ آیت ہے **حتی یعطوا الجزیہ عن ید وھم صاغرون** **چوتھا فائدہ:** جہاد میں غنیمت حاصل کرنے ملک جیتنے اپنی ناموری وغیرہ کسی چیز کی نیت نہ کی جاوے صرف بلندی اسلام کی نیت سے جہاد ہونا چاہئے یہ فائدہ **حتی تکون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ حتی۔ معنی کے ہو جیسا کہ ابھی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جب مقصد جہاد پورا ہو جاوے مثلاً" کفار مسلمان ہو جاویں یا جزیہ قبول کر لیں پھر ہرگز تلوار استعمال نہ کی جاوے فوراً" امان دے دی جاوے یہ فائدہ **حتی لا یکون** میں حتی کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ انتہا کے لئے ہو۔ **چھٹا فائدہ:** اسلام کی برکت سے زمانہ کفر کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں یہ فائدہ **بما یعملون بصیر** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ **ساتواں فائدہ:** غازی مومن کو چاہئے کہ بھروسہ اللہ پر کرے نہ کہ صرف ہتھیار اور ظاہری اسباب پر' بھروسہ اللہ پر وہ ہتھیار ہے جو مسلمان کے پاس تو ہے کفار کے پاس نہیں یہ فائدہ **نعم المولی** اور **نعم الرسول** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اگر جزیرہ عرب میں کفار کو رہنے کی اجازت نہیں تو یہ دین میں جبر ہوا یعنی کفار کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا حالانکہ رب فرماتا ہے **لا اکراہ فی الدین**۔ **جواب:** جبر جب ہوتا جبکہ انہیں صرف اسلام کا حکم دیا جاتا انہیں اختیار ہو گا کہ عرب سے نکل جاویں یا اسلام قبول کر لیں جیسے دوسرے ملکوں کے کفار کو اجازت ہے کہ جزیہ دیں یا مسلمان ہو جاویں۔ **دوسرا اعتراض:** آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ عرب میں کفار کو رہنے کی اجازت نہیں یہ تو ظلم ہے۔ **جواب:** اس کی حکمتیں ہماری کتاب اسرار الاحکام میں ملاحظہ کرو یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ جیسے بعض مقامات اللہ تعالیٰ نے اپنے بنالئے ہیں وہاں کے داخلہ پر سخت پابندیاں ہیں جیسے مسجد' کعبہ معظمہ کہ وہاں گندے انسان یا گندگی والے کو داخلہ کی اجازت نہیں منہ میں بدبو ہو کپڑے

بدبودار ہوں۔ حقہ' پیاز' لہسن کھاکر وہاں نہیں جاسکتے ایسے ہی اللہ تعالٰی نے عرب کو اشاعت اسلام کا مرکز بنایا اسے اپنے دین اپنے رسول کے لئے خاص کرلیا وہاں کفار کو رہنے کی اجازت نہیں اب بھی حکومتوں کے دارالخلافہ میں بعض ایسی پابندیاں ہوتی ہیں جو دوسری جگہ نہیں ہوتیں ہم نے رام پور' جونا گڑھ وغیرہ میں بعض مقامات وہ دیکھے جہاں صرف پگڑی والوں کو جانے کی اجازت تھی جبکہ یہ اسلام ریاستیں تھیں بعض مقامات پر فوٹوگرافروں کے جانے کسی کو کیمرہ لے جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ سارا دین اللہ کا ہی ہو اس کا مطلب کیا ہے دین تو آدھا پاؤ ہوتا ہی نہیں۔ **جوب**: اس کا مطلب ابھی تفسیر میں گزر گیا اس کے دو مطلب ہیں۔ 1 سارے ملک عرب میں دین اللہ کا ہی ہو یعنی اسلام دوسرا دین نہ ہو -2- پورا غلبہ صرف اللہ کے دین اسلام کو ہی ہو جاوے کسی دین کا غلبہ نہ رہے کوئی کافر کسی مسلمان کو عبادات سے روک نہ سکے۔ **چوتھا اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالٰی ہی مولٰی وہ ہی مددگار ہے اور اچھا مددگار ہے اس کی مدد کے ہوتے کسی مدد کی ضرورت نہیں پھر تم نبیوں ولیوں کی مدد کیوں لیتے ہو۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ صرف اللہ تعالٰی ہی شافی الامراض ہے صرف اللہ تعالٰی ہی حاکم ہے پھر تم بیماری میں طبیب سے ظلم کے موقعہ پر حاکم سے مدد کیوں لیتے ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ بندے کی مدد اللہ تعالٰی ہی کی مدد ہے بندہ اس کی مدد کا مظہر ہے فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** دیکھو اس آیت میں مددگار تین مقرر فرمائے اللہ رسول سارے متقی مومن فرماتا ہے **فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین والملئکۃ بعد ذالک ظہیر** وہاں چار مولٰی فرمائے اللہ تعالٰی حضرت جبریل متقی مومنین فرشتے وہ آیات گویا اس آیت کی تفسیر یا تفصیل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جہاد کفار تو کسی خوش نصیب مومن کو کبھی نصیب ہوتا ہے مگر جہاد نفس نابنجار ہر مومن کو ہر وقت میسر ہے نور وہدایت دل وجان کے ہتھیار ہیں تاریکی و گمراہی نفس امارہ کے اوزار یہاں قلب و روح کو حکم ہے کہ تم نفس امارہ اور اس کے ساتھیوں سے ایمان و صدق کی تلوار کے ذریعہ جنگ کرتے رہو حتی کہ نفس وہوا کا فتنہ جاتا رہے یہ تم کو خدا رسی سے روک نہ سکے تم میں سارا دین اللہ کا ہی ہو جاوے وجود ختم موجود گم ہو جاوے تاکہ جود حاصل ہو تم میں انانہ رہے فنا آجاوے اگر نفس امارہ اپنی رکاوٹوں سے باز آجاوے وہ امارہ سے مطمئنہ میں تبدیل ہو جاوے تو اللہ تعالٰی عبودیت اور صدق دل کی اس کو جزا دے گا وہ نفس کا ہر حال دیکھ رہا ہے لیکن اگر نفس اور اس کے ساتھ سرکشی کریں اور اطاعت سے منہ پھیریں تو اے قلب و روح تم یقین رکھو کہ اللہ تمہارا اوالی ہے وہ اس جہاد نفس میں تمہاری مدد کرے گا وہ تمہارا مولی ہے تم اس تک پہنچنے میں اس کی مدد لو وہ تمہارا مددگار ہے تم سے تمام وہ چیزیں دفع فرماوے گا جو اس تک پہنچنے میں رکاوٹ ہیں دین کے کام میں بے دینی سے مدد نہ لو

درکار دین زمرد م بے دیں مدد مخواہ — از ماہ نخشب مطلب نور صبح گاہ
دوستی نفس را بگذار د بگزر از نفس — ہمچو مردان طالب حق باش نے جویا نفس

رب تعالٰی اس قال کو حال بنادے جہاد نفس کی توفیق دے۔

اللہ تعالٰی کا شکر ہے کہ **تفسیر نعیمی** نواں پارہ 11 شوال 1388ھ 1/69- بدھ کے دن شروع ہوا اور آج 8 جمادی الاول 1390ھ مطابق 13 جولائی 1970ء دوشنبہ کے دن 9 بجے صبح بخیر و خوبی ختم ہوئی رب تعالٰی قبول فرمائے اسے صدقہ جاریہ

کرے جو کوئی فقیر کی اس حقیر خدمت سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ گنہگار سیہ کار کو دعا خیر سے یاد کرے رب تعالیٰ بہ طفیل محبوب کریم ﷺ مجھے اپنے حبیب کا عشق اپنا خوف تقوی کی زندگی ایمان پر خاتمہ نصیب کرے اپنے محبوب ﷺ کے غلاموں کے ساتھ حشر نصیب کرے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وخیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

احمد یار خان نعیمی۔ اشرفی۔ بدایونی وارد حال گجرات مغربی پاکستان

(8 جمادی الاولی 1390ھ یوم دو شنبہ مبارکہ)